﴾احمدی خدام کی تربیت کے لئے﴿

''قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی''

المصلح الموعود

''خدام الاحمدیہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں''

مشعلِ راہ

جلد سوم

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ
کے خدام الاحمدیہ سے متعلق فرمودات

شائع کردہ: مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

دیباچہ

منزل کا اگر چہ تعین ہو بھی لیکن اگر سفر لمبا ہو اور دن رات کا مسلسل سفر ہو تو ایسے لمبے سفروں میں جگہ جگہ پر ایسے موڑ آیا کرتے ہیں جہاں اگر سوچ سمجھ کر قدم نہ اٹھایا جائے تو منزل سے بھٹکنے یا مسافت کی دوری کے امکان پیدا ہو سکتے ہیں۔دنوں کے اجالے ہوں تب بھی راہوں کی اپنی دیکھی اوراَن دیکھی تاریکیاں ہوا کرتی ہیں ،کئی بھول بھلیاں ہوتی ہیں۔پھر رات کے اندھیروں میں تو ایسے سفر اور بھی دشوار اور کٹھن ہو جایا کرتے ہیں ۔ایسے موقعوں پر کوئی مشّاق اور ہوشیار اور مستعد رہبر اور راہنمائی ہو جو قدم قدم ساتھ رہتے ہوئے منزل مقصود تک پہنچا سکے۔

تنظیموں اور قوموں کے سفر بھی ایسے ہوا کرتے ہیں،مجلس خدام الاحمدیہ کی منزل بھی ہر چند کہ متعین اور واضح ہے لیکن سفر اس کا بھی لمبا اور مسلسل ہے۔صدیوں اور ہزاروں سال کا سفر،دن رات جاری رہنے والا مسلسل سفر ہے۔ یہ تنظیم ایک عالمگیر تنظیم ہے۔دنیا بھر میں ہر وقت اس کا سفر جاری وساری ہے۔دن ہو یا رات ،آندھی ہو یا طوفان ،بارش ہو یا دھوپ،گرمی ہو یا سردی،اس کا قافلہ اپنی منزل کی طرف رواں دواں ہے۔

راستوں کی دشواریوں کا سامنا اسے بھی ہے،راہوں کی غیر یقینی کیفیات کا خطرہ اسے بھی ہے،مادی ترقیات کی چکا چوند روشنیوں کے دوراہے اس کے رستوں پر بھی پڑتے ہیں،نفسانی خواہشات کی گھاتیں اور دکھوں کے جنگل اس کو بھی درپیش ہیں۔لیکن ہم جو اس رستے کے مسافر ہیں اپنے رؤف اور رحمان خدا کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں قدم قدم پر کامل رہبر اور رہنما بخشے۔

مجلس خدام الاحمدیہ کی خوش نصیبی ہے کہ ہر دور میں ، ہر وقت میں اسے خلافت کی رہنمائی حاصل رہی اس تنظیم کی بنیاد جب رکھی گئی تو حضرت مصلح موعود نوراللہ مرقدہ نے جو اس مجلس کے بانی بھی تھے خود اس مجلس کی صدارت سنبھالتے ہوئے اس کو اپنی دعاؤں اور ولولہ انگیز قیادت کے ساتھ آہنی بنیادوں پر اٹھایا اور اس کی منزلوں اور اس کے رستوں کو متعین فرماتے ہوئے اس کی انگلی پکڑ کر اسے منزل کی طرف گامزن فرمایا:-

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ جو مجلس خدام الاحمدیہ کے صدر بھی رہ چکے تھے،خلافت کی

مسند پر فائز ہوئے تو مجلس خدام الاحمدیہ کی رہنمائی فرماتے رہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اس کو محبت و وفاداری کا درس دیتے ہوئے اور ہمہ وقت خلافت کے لئے ،اس کی اطاعت وفرمانبرداری کے لئے ہر دم تیار رہنے کا درس دیا اس مجلس پر کوئی تاریک سایہ اگر پڑنے لگا،کوئی داغ اگر لگنے لگا تو اپنی ولولہ انگیز قیادت اور بے قرار دعاؤں کے ذریعہ ان داغ دھبوں کو اپنے بے پناہ پیار کے ہاتھوں کے ساتھ خود دور کیا۔

محبتوں کا یہ دور بھی مکمل ہوا۔اس قافلے نے اپنی ایک منزل طے کرتے ہوئے ایک اور موڑ لیا،ایک نئی منزل کی طرف سفر پھر شروع ہوا۔محبتوں کے اس دور نے ایک نئی کروٹ لی تھی محبتوں اور شفقتوں کے ہاتھ بس تبدیل ہوئے نہ کہ محبت اور پیار کے رنگ،ان میں تو شاید اضافہ ہی ہوا،لیکن محبت ،شفقت ، پیار اور بے حد پیار کے ساتھ ساتھ اب یہ رہنما نہایت سرعت کے ساتھ تیز گام رہنما تھا جس کے قدم رکنے کے نہیں تھے،لیکن یہ اپنے مسافروں کو پیچھے چھوڑنے والا بھی نہیں تھا۔اگر کوئی مسافر تھکنے لگتا تو یہ اس کو حوصلہ دیتے ہوئے ، پیار سے اپنی گود میں اٹھاتے ہوئے اس قافلے کی رفتار کو تیز سے تیز تر کرتے ہوئے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

خدام الاحمدیہ کا یہ سفر پہلے سے تیز تر ہو چکا تھا،اس کی منزل کے اُفق اب وسیع تر ہو رہے تھے اور مجلس خدام الاحمدیہ ایک عالمگیر مجلس بن چکی تھی ،نئی صدی میں داخل ہوتے ہوئے اس نئے دور کے تقاضے بھی نئے تھے،اس کے خطرات بھی نئے اور خوفناک بھی ،ایسے ہی وقت ہوا کرتے ہیں کہ جب قومیں ان دوراہوں پر پہنچ کر اپنی منزلیں کھو دیا کرتی ہیں،ایسے ہی وہ خطرناک پُل ہوا کرتے ہیں کہ جب قافلے اپنا توازن قائم نہ رکھتے ہوئے اتھاہ گہرائیوں میں گم ہو جایا کرتے ہیں۔

لیکن خدا کا احسان تھا کہ اس نے ایسے وقت میں حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ جیسا عظیم رہنما ہمیں عطا کیا جس نے اپنے مسیحا نفس سے ایک نئی جان اور ایک ولولہ انگیز روح اس مجلس میں پھونکی، اور قدم قدم پر اس مجلس کی رہنمائی فرماتے ہوئے اس کے چھوٹوں کو اور بڑوں کو،خدام کو اور اطفال کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ کیا ان کی تربیت کے رہنما اصول تفصیل سے بیان کئے ،امریکہ ہو یا افریقہ، آسٹریلیا ہو یا ایشیا ہو یا یورپ ہر ملک کے، ہر قوم کے، ہر رنگ و نسل کے نوجوان بچوں اور بچیوں کے مسائل کو سامنے رکھ کر ایک شفیق اور ہمدرد اور رحیم باپ کی مانند ہم سب کی رہنمائی فرمائی۔

ان رہنما اصولوں پر مبنی ہمارے چوتھے خلیفہ حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبات وتقاریر کا مجموعہ اس مشعلِ راہ جلد سوم میں شائع کیا جا رہا ہے۔

اس وضاحت کے ساتھ، اس اقرار کے ساتھ، اس خوش بختی کے عاجزانہ اظہار کے ساتھ، خدا کے فضل اور رحم کے اس انعام کے ساتھ اور دل ونظر کے ہزار ہزار جذباتِ تشکر کے ساتھ کہ یہ محض اس کا فضل ہے کہ ہمیں خلافت کی رہنمائی میسر ہے، اس کی قیادت اس قافلے کو نصیب ہے، یہ ایسی نعمت ہے کہ ہم اپنی ہزار جانیں بھی اس شکرانے میں نثار کریں تو کم ہے۔ ہم سوئے ہوئے ہوتے ہیں تو وہ ہمارے لئے جاگتے ہیں، ہم غافل پڑے ہوتے ہیں تو وہ مستعد اور چوکس ہو کر ہماری نگہبانی کرتے ہیں، ہم ذرا سی بھی تکلیف محسوس کرتے ہیں تو وہ بے چین ہو کر تڑپتے ہیں، ہم تھکنے لگتے ہیں تو وہ مادرِ مہربان کی طرح اپنے پیار کی گود میں بھر لیتے ہیں۔

خلافت ایک حصار ہے جو ہمیں دنیا و مافیہا کے ہر خوف وخطر سے محفوظ رکھتی ہے، خلافت ایک ایسا مضبوط قلعہ ہے کہ جو شیطان کے ہر حملے سے ہمیں محفوظ رکھتی ہے۔ یہ ایک ایسی نعمت ہے جو ہمیں ہر دوسری نعمتوں سے بے نیاز کر دیتی ہے۔ یہ مردہ دلوں کے لئے آبِ حیات ہے۔ اس کا ایک لفظ اور اشارہ ہمارے لئے دستور کا درجہ رکھتا ہے۔ یہ ہمارا لائحہ عمل ہے بلکہ یہی ہمارا لائحہ عمل ہے۔

خلافت کی رہنمائی، خلافت کی محبت، خلافت کے سائے اور اس کی شفقت کے بغیر ہم کچھ بھی نہیں۔ وہ ہے تو ہم ہیں۔ اس کے بغیر ہم کھوٹے سکے کی مانند ہیں۔ اس کے ہاتھ میں ہوں گے تو کھرے ہوں گے وگرنہ بے حیثیت اور بے وقعت۔

پس خدام اور اطفال بھائیوں سے اس نصیحت کے ساتھ میں درخواست کرتا ہوں کہ وہ خلافت کی زبان سے نکلے ہوئے ارشادات کو سنیں اور دل کے کانوں سے سنیں، پڑھیں اور سمجھیں اور پھر ان پر عمل کریں تاکہ اپنی زندگی اور اپنے اہل وعیال کی زندگیوں کو خوبصورت بنا سکیں، اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

والسلام

خاکسار

(سید محمود احمد)

صدر مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

پیش لفظ

محض اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان سے شعبہ اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان کو مشعل راہ کی تیسری جلد شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے۔ **الحمد للّٰہ علٰی ذالک۔**

اس سے قبل حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نور اللہ مرقدہ کے خطبات، خطبات اور فرمودات پر مبنی ''مشعل راہ جلد اول'' کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی توفیق ملی۔ یہ جلد ایک طویل مدت کے بعد دوبارہ شائع ہوئی ہے۔ اس کے بعد پہلی مرتبہ مشعلِ راہ کی دوسری جلد شائع کرنے کی سعادت حاصل ہوئی جو سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کے ان خطابات پر مشتمل تھی جو کہ آپ نے خدام و اطفال سے متعلق ارشاد فرمائے۔ بعد ازاں مشعل راہ جلد چہارم شائع کرنے کی توفیق ملی۔ مشعل راہ کی چوتھی جلد خصوصاً احمدی بچوں اور بچیوں نیز واقفین نو کی تربیت کے لئے تیار کی گئی ہے۔ اس جلد میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام اور خلفائے احمدیت کے پرمعارف فرمودات شائع کئے گئے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ کتاب نہ صرف اطفال و ناصرات اور واقفین نو کے لئے مفید ہے بلکہ خدام الاحمدیہ، عہدیداران اور بطور خاص والدین کے لئے اس کا مطالعہ یقیناً غیر معمولی اہمیت وافادیت کا حامل ہوگا۔

اب بفضل اللہ تعالیٰ مشعل راہ کی تیسری جلد پہلی بار شائع کرنے کی سعادت حاصل ہو رہی ہے جو کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ کے خطبات، خطابات اور ارشادات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے بعض خطبات و خطابات کے منتخب حصے بھی شامل ہیں۔ علاوہ ازیں ابھی بعض خطابات حاصل کئے جا رہے ہیں جو خصوصاً حضور انور رحمہ اللہ نے ہجرت کے زمانے میں مختلف مواقع پر بیان فرمائے جو انشاء اللہ اگلے ایڈیشن میں شامل کر دیئے جائیں گے۔ اس جلد میں حضور رحمہ اللہ تعالیٰ کے کئی غیر مطبوعہ خطابات اور خطبات بھی شامل کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں خاکسار خصوصاً مکرم و محترم سید عبدالحیٔ شاہ صاحب ناظر اشاعت، مکرم مبارک احمد تنویر صاحب مربی سلسلہ جرمنی اور مکرم حافظ مبارک احمد صاحب آف جرمنی کا ممنون ہے جنہوں نے غیر مطبوعہ مواد فراہم کیا۔ **فجزا ھم اللّٰہ احسن الجزاء۔**

اس کتاب کی تیاری اور اشاعت میں مکرم سید مبشر احمد ایاز صاحب ،مکرم شمشاد احمد قمر صاحب ، مکرم احمد طاہر مرزا صاحب اور مکرم شیخ نصیراحمد صاحب نے خصوصی تعاون فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں خاکسار مکرم اکبر احمد صاحب ،مکرم میر انجم پرویز صاحب ،مکرم سہیل احمد ثاقب بسراء صاحب ،مکرم مسعود احمد شاہد صاحب ،مکرم ساجد محمود بٹر صاحب ،مکرم عبدالحق بدر صاحب ،مکرم اقبال احمد زبیر صاحب ،مکرم عامر پرویز شاہ صاحب اور ان تمام ساتھیوں کا شکر گذار ہے جنہوں نے اس کی ترتیب اور تیاری کے دوران کسی بھی مرحلے میں حصہ لیا اور خاکسار کی معاونت کی۔

فجزاھم اللّٰہ احسن الجزاء۔

والسلام

خاکسار

اسفندیار منیب

مہتمم اشاعت مجلس خدام الاحمدیہ پاکستان

فہرست

(تفصیلی انڈیکس کتاب کے آخر پر ملاحظہ فرمائیں)

خطبہ جمعہ 20 اگست 1982ء

☆ یہ خدا کا فضل و احسان ہے کہ ابتلاء کے ہر دور کے بعد جماعت نے پہلے سے مختلف نظارہ دیکھا۔ جماعت کو اللہ تعالیٰ نے نیا استحکام بخشا، نئی تمکنت عطا فرمائی

☆ جرمنی کے نوجوانوں کے لئے میرے دل میں خاص طور پر محبت کے جذبات موجزن ہیں

☆ جرمنی جماعت کی مالی قربانی کا جذبہ

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی انگوٹھی اور اس کا پیغام

☆ پس یاد رکھیں یہی وہ طاقت ہے جس کے بل بوتے پر احمدیت نے دنیا میں (دین حق) کو غالب کرنا ہے

☆ دوست یہ عہد کریں کہ جہاں تک ممکن ہو........... نمازیں اپنے وقت پر ادا کیا کریں

☆ اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کبھی نہیں شرمانا چاہیے

☆ لندن میں New Years Day اور حضور انور

☆ نماز وقت پر اور باجماعت پڑھیں

⚜

تشہد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

وَ سَارِعُوآ اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿﴾ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿﴾

(ال عمران آیات ۱۳۴-۱۳۵)

اور پھر فرمایا:-

''جماعت احمدیہ پر مختلف ادوار ایسے آتے رہے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑی آزمائشوں کا دَور ہوتا تھا اور مخالفتوں کے ایسے ایسے خطرناک زلزلوں اور ابتلاؤں میں سے جماعت گزرتی رہی کہ دشمن یہ سمجھتا تھا کہ یہ عمارت اب منہدم ہونے کو ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جن کے چھوٹے دل اور سطحی نظریں تھیں انہوں نے خوشیوں کے شادیانے بجانے شروع کر دیے اور یہ سمجھنے لگے کہ یہ چند دن کی بات ہے اس کے بعد دنیا میں جماعت کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔

یہ خدا کا فضل واحسان ہے کہ ابتلاء کے ہر دور کے بعد جماعت نے پہلے سے مختلف نظارہ دیکھا۔ دشمنوں کی جھوٹی خوشیاں پامال کی گئیں اور جماعت احمدیہ کو اللہ تعالیٰ نے نیا استحکام بخشا، نئی تمکنت عطا فرمائی، نئے ولولے بخشے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے احباب جماعت کے دلوں میں نئی امنگیں ڈالی گئیں اور وہ نئی منزلوں کی طرف پہلے سے زیادہ تیز قدموں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ یہ ایک ایسی تقدیر ہے جو ہر دور میں اسی طرح ظاہر ہوئی ہے اور ہمیشہ اسی طرح ظاہر ہوتی رہے گی۔ کوئی نہیں جو اس خدائی تقدیر کو بدل سکے۔

۱۹۷۴ء کا زمانہ کوئی دُور کا زمانہ نہیں۔ آپ میں سے اکثر اس دَور سے گزر کر یہاں پہنچے ہیں۔ آپ گواہ ہیں کہ احمدیوں پر کیسے کیسے خطرناک وقت آتے رہے ہیں۔ ایسے حالات میں اگرچہ ہمارے پیارے امام کا ہمیں یہی حکم تھا کہ مسکراتے چہروں کے ساتھ ان مصائب کو برداشت کرو لیکن حقیقت یہ ہے کہ چہرے

مسکراتے تھے اور دل خون ہور ہے ہوتے تھے لیکن مصائب و آلام کے اس پر آشوب دور میں جہاں تک دنیا کی آنکھ کا تعلق ہے وہ جماعت احمدیہ کے چہروں پر ایک کھلتی ہوئی مسکراہٹ ہی دیکھتی رہی۔ دنیا کی کوئی طاقت احمدیوں کی مسکراہٹوں کو ان سے چھین نہ سکی اور وہ مسکراہٹیں ہمارے لئے ایک اَبدی رحمت اور خدا تعالیٰ کے فضلوں کا نشان بن گئیں اور جس طرح پہلے بارہا جماعت ان مشکلات کے دور سے گزر کر ترقی کی راہوں پر گامزن ہوئی تھی ایک دفعہ پھر ہم نے اللہ کے فضلوں کا نظارہ دیکھا اور اُس نے اپنی رحمت سے ڈولتے ہوئے دلوں کو سہارا دیا، گرتی ہوئی عمارتوں کی جگہ نئی بہتر اور زیادہ شاندار عمارتیں تعمیر کرنے کی توفیق عطا فرمائی، لٹتے ہوئے مالوں میں برکت بخشی، برباد ہوتی ہوئی تجارتوں کو از سرِ نو استحکام بخشا۔ اللہ تعالیٰ کے فضلوں اور رحمتوں کا ہم نے ایک نیا دور دیکھا جو پہلے دور سے کہیں زیادہ عظیم فضلوں والا اور پہلے دور سے کہیں زیادہ طمانیت اور تسکین بخش دور تھا۔ یہ سلسلہ خدا کے فضل سے جاری رہا ہے اور جاری رہے گا، اور جیسا کہ مَیں نے کہا ہے دنیا کا کوئی ہاتھ اس خدائی تقدیر کے لکھے کو مِٹا نہیں سکتا۔

اس ضمن میں کچھ تقاضے ہم سے بھی ہیں، یہ صبر و فا کے تقاضے ہیں، استقلال کے ساتھ اپنے رب کی راہوں پر گامزن رہنے کے تقاضے ہیں، اس کی ہر رضا پر راضی رہنے کے تقاضے ہیں خواہ تنگی کی صورت ہو یا آسانی کی صورت ہر حال میں ربِ کریم کے حضور سرِ تسلیم خم کرنے کے تقاضے ہیں۔ اگر ہم یہ تقاضے پورے کرتے رہے اور اپنی ذمہ داریوں کو ادا کرتے رہے تو اللہ تعالیٰ اپنے وعدوں کو ہمیشہ پہلے سے زیادہ شان کے ساتھ ہمارے حق میں پورا کرتا رہے گا۔ جرمنی کی جماعت اس پہلو سے خدا کا ایک زندہ نشان ہے۔

اس سفر پر روانہ ہونے سے پہلے مَیں نے ۱۹۷۴ء سے پہلے کا چندے کا ریکارڈ نکلوایا اور پھر ۱۹۷۴ء کے بعد کے چندے کا ریکارڈ دیکھا تو یوں معلوم ہوا کہ پہلے دور کو بعد کے دور سے کوئی نسبت ہی نہیں ہے۔ یہ وہ ملک ہے جہاں کی جماعت احمدیہ بعض اوقات خود کفیل بھی نہیں ہوتی تھی اور جسے باہر کی جماعتوں کے ذریعہ مدد دینی پڑا کرتی تھی اور جو تھوڑا سا چندہ آہستہ آہستہ بڑھتا رہا وہ بمشکل اس مقام تک پہنچا کہ یہ جماعت اپنے پاؤں پر کھڑی ہو سکے۔ پھر وہ زلزلے آئے جن کا مَیں نے ذکر کیا۔ پھر اللہ کی راہ کے مہاجرین اپنے ملک کو چھوڑنے پر مجبور ہوئے اور اس ملک میں آ کر اللہ کے فضلوں اور رحمتوں کے سہارے پر انہوں نے پناہ لی۔

خدا تعالیٰ کی رحمتوں کا سایہ وہ اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دیکھتے دیکھتے اس ملک کی جماعت احمدیہ کی کایا پلٹ گئی۔ چنانچہ یہ جماعت جو بعض دفعہ اپنے کام چلانے کے لئے دوسری جماعتوں کی

مرہونِ منت ہوا کرتی تھی نہ صرف خود کفیل ہو گئی بلکہ اس نے کئی دوسری جماعتوں کے بوجھ اٹھا لئے اور آج خدا تعالیٰ کے فضل سے یورپ کی ان جماعتوں میں شمار ہوتی ہے جو اپنے بوجھ اٹھانے کے بعد باہر کی جماعتوں کے بوجھ بھی اٹھا رہی ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی سلسلہ کو ضرورت پیش آتی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جرمنی کی جماعت کے چندہ میں سے ایک خطیر رقم اُس طرف منتقل کر دی جاتی ہے۔ پس یہ ہے وہ الٰہی نشان اور اس کے فضلوں کا وہ پہلو جس کی طرف میں آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہم پہلے سے زیادہ اپنے رب کے شکرگزار بندے بنیں۔

جرمنی کے نوجوانوں کے لئے محبت کے جذبات

اس سلسلہ میں سب سے پہلے میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جرمنی کی جماعت کے اکثر نوجوان بڑی مشکلات میں سے گزر رہے ہیں اور گزرتے رہے ہیں۔ میرے دل میں ان کے لئے خاص طور پر محبت کے جذبات موجزن ہیں۔ اس لئے کہ انہوں نے پیش آمدہ مشکلات کے باوجود خدا کے حقوق ادا کئے اور سخت مشکلات میں سے گزرتے رہنے کے باوجود حمدِ باری سے ان کے سینے معمور اور یادِ الٰہی سے ان کی زبانیں تر رہیں اور جب کبھی خدا کی خاطر ان سے مالی قربانی کی اپیل کی گئی تو انہوں نے اس بارہ میں کسی قسم کی کنجوسی نہیں دکھائی۔ بہت سے ایسے دوست بھی ہیں جو خدا کے فضل سے موصی ہیں جو شرح کے مطابق اپنے چندے ادا کرتے ہیں۔ ان کے حالات اپنے ملک میں ایسے ہیں کہ وہ نہیں جانتے کہ واپس جا کر ان کا کیا بنے گا۔ بعض دوستوں کے حالات جرمنی میں ایسے ہیں کہ ان کا سارا مستقبل بظاہر مخدوش نظر آتا ہے لیکن جب خدا کی خاطر ان کو اپنے پاک مالوں سے جُدا ہونے کی اپیل کی جاتی ہے، جو انہوں نے بڑی محنت کے ساتھ پاکیزہ رزق کے طور پر کمائے ہوتے ہیں، تو بڑے کھلے دل کے ساتھ وہ خدا کی راہ میں ان عزیز مالوں سے جُدا ہوتے ہیں۔ وہ یہ سوچتے ہوں گے کہ ہمارا کیا بنے گا؟ مَیں ان کو بتاتا ہوں کہ ان کا وہی بنے گا جو ہمیشہ خدا کے بندوں کا بنا کرتا ہے۔ اللہ ہی ہے جو ان کا کفیل ہے۔ اللہ ہی تھا جو ان کا کفیل تھا اور اللہ ہی ہے جو آئندہ بھی ہمیشہ ان کا کفیل رہے گا۔ ان کی قربانیاں ان کے مستقبل کی ضمانتیں ہیں اور اس سے بہتر ضمانت دنیا میں اَور کسی قوم کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ وہ لوگ جو خدا کی راہ میں قربانیوں سے نہیں ڈرا کرتے اللہ خود ان کا نگہبان ہو جاتا ہے۔ وہ خود ان کا نگران بن جاتا ہے۔

جرمنی میں پریس کانفرنسز میں لوگوں کے پوچھنے پر مَیں ان کو بتا تا رہا ہوں کہ یہ انگوٹھی (جو حضور نے اس

وقت پہن رکھی تھی۔مرتب) وہ انگوٹھی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے ہاتھوں میں تھی۔میں ایک گنہگار اور عاجز انسان ہوں۔میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہ مقدس انگوٹھی اس گنہگار کی انگلی میں آئے گی لیکن خدا کی تقدیر نے یہی ظاہر فرمایا۔اس انگوٹھی کا پیغام وہی پیغام ہے جو مَیں آپ کو دے رہا ہوں۔

ایک وقت تھا جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو اپنے دنیوی معاملات کی کچھ بھی خبر نہیں تھی۔کچھ پتہ نہیں تھا کہ جائیداد کیا ہے؟ کتنی ہے؟ کون قابض ہے؟ دنیا کے نظام کیسے چلتے ہیں؟ آپ اللہ کے لئے خالصۃً وقف ہو چکے تھے۔اس وقت ایک شام آپ کو یہ الہام ہوا وَ السّماءِ وَ الطَّارِقِ کہ رات کو آنے والا ایک حادثہ ہے اور تمہیں کیا پتہ ہے کہ وہ حادثہ کیا ہے۔یہ سنتے ہی آپ کی توجہ اپنے والد کی طرف منتقل ہوئی جو بہت بیمار تھے اور معاً یہ خیال گذرا کہ خدا تعالیٰ مجھے یہ اطلاع دے رہا ہے کہ آج رات تمہارے والد اِس جہانِ فانی سے کوچ کر جائیں گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لکھتے ہیں کہ اُس وقت میرے دل میں یہ وہم سا گذرا اور فکر کا ایک سایہ سا آیا کہ میرے والد ہی تو میرے کفیل تھے اور دنیا کی مجھے کچھ خبر نہیں۔اپنے بھائیوں اور عزیزوں سے مجھے کوئی توقع نہیں۔اب میرا کیا بنے گا؟ جب یہ خیالات آپ کے دل میں پیدا ہوئے تو معاً بڑے زور اور شِدّت کے ساتھ اور خاص جلال کے ساتھ یہ الہام ہوا۔

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

کیا خدا اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں؟ اس الہام کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی پر ایک زلزلہ سا طاری ہو گیا اور طبیعت شدت کے ساتھ استغفار کی طرف مائل ہوئی لیکن جوں جوں وقت گذرتا چلا گیا معلوم یہ ہوتا چلا گیا کہ یہ ایک عظیم الشّان خوشخبری تھی جو ہمیشہ ہمیش کے لئے آپ کے لئے بھی تھی اور آپ کے ساتھ کے درویشوں کے لئے بھی تھی۔گویا اس الہام کے فیض سے جماعت احمد یہ ہمیشہ مستفیض ہوتی رہے گی اور گویا یہ اعلان تھا کہ آج دنیا میں ایک ہی تو ہے جو میرا بندہ کہلانے کا مستحق ہے۔ماؤں کا لعل ہوتا ہے تو وہ اس کو نہیں چھوڑا کرتیں پھر تمہیں کیسے یہ وہم ہوا کہ میں اپنے بندہ کو اس دنیا میں اکیلا چھوڑ دوں گا۔اگر تجھے چھوڑ دیا تو دنیا میں اور کون ہو گا جسے میں اپنا بنا سکوں۔چونکہ آپؑ بندگی کا خلاصہ تھے اور آپؑ وہ تھے جن سے آگے عبادت کرنے والے پیدا ہونے تھے اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا۔

قبل ازیں خدا کی قدرت کا ایک زبردست نظارہ دنیا نے جنگِ بدر میں دیکھا جس کی یاد آج بھی دلوں کو ایمان سے بھر دیتی ہے۔جنگِ بدر میں ۳۱۳ صحابہؓ جن میں بوڑھے بھی تھے اور بچے بھی۔کمزور اور نحیف

بھی تھے اور نہتے بھی۔ وہ سب کے سب ایسے حال میں اسلام کے دفاع کے لئے نکل کھڑے ہوئے کہ اُن کے پاس لڑنے کے سامان بھی پورے نہیں تھے بلکہ پہننے کے کپڑے بھی پورے نہیں تھے۔ کسی کے پاس تلوار تھی۔ کسی کے پاس محض جھنڈا تھا۔ کسی کے پاس لکڑی کی تلوار تھی مگر جو کچھ بھی کسی کے پاس تھا وہ لے کر خدا کے دین کی حفاظت کے لئے میدان میں حاضر ہو گیا۔ چنانچہ ایک جنگ اس میدان میں لڑی گئی جو بدر کا میدان تھا اور ایک اس خیمہ میں لڑی جا رہی تھی جہاں دراصل فتح و شکست کا فیصلہ ہونا تھا یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا خیمہ۔ بے حد گریہ وزاری کے ساتھ روتے ہوئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رب کے حضور یہ عرض کر رہے تھے:۔

اَللّٰھُمَّ اِن تُھلِکْ ھٰذِہِ العِصَابَۃَ مِنْ اَھْلِ الْاِسلَامِ فَلَا تُعْبَدْ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔
(مسند احمد بن حنبل جلد ا صفحہ ۳۰ و صفحہ ۳۲)

کہ اے میرے اللہ! مجھے اور کچھ پرواہ نہیں۔ مجھے تو تیری ذات کے تقدس کی فکر ہے۔ اگر یہ عبادت گزار بندے اس میدان میں ہلاک کر دیے گئے تو پھر تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ یہ کوئی دھمکی کا رنگ اس لئے نہیں تھا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تو اللہ کے عشق و محبت میں فنا ہو کر مجسم عجز و انکسار بن گئے تھے۔ یہ دراصل اظہارِ غم تھا، اظہارِ فکر تھا، بے چینی کی ایک آواز تھی، درد و کرب میں ڈوبی ہوئی ایک چیخ تھی کہ اے میرے رب! میں نے تو ساری عُمر کی محنت کے ساتھ تیرے عبادت گزار بندے تیار کئے تھے۔ اگر آج مشرکوں کے ہاتھوں یہ عبادت کرنے والے بھی ہلاک ہو گئے تو میرے بعد اور کون ہوگا جو تیرے عبادت گزار بندے پیدا کر سکے۔ مجھ سے بڑھ کر عبادت کا حق اور کون ادا کر سکتا ہے۔ میں نے خود ان کو دین سکھایا۔ ان کو عبادت کے اسلوب بتائے۔ ان کو راتوں کو جاگنے کی لذّت بخشی۔ ان کو جاگتے ہوئے اور سوتے ہوئے اور لیٹتے ہوئے اور اٹھتے ہوئے اور بیٹھتے ہوئے ہمیشہ یادِ الٰہی میں محو رہنے کی تعلیم دی۔ پس مجھے یہ غم نہیں ہے کہ یہ لوگ مارے جائیں گے۔ مجھے تو یہ غم ہے کہ اے میرے آقا! اگر یہ لوگ مارے گئے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا؟ کون لوگ ہوں گے جو تیری عبادت کے لئے اس دنیا میں آئیں گے؟

یہ ایک ایسی دعا تھی جس نے وہیں اس خیمہ میں اس جنگ کا فیصلہ کر دیا۔ مورخ حیران ہوتے ہیں اور حیران ہوتے رہیں گے کہ یہ کیسے ممکن تھا کہ بدر کے میدان میں ۳۱۳ بوڑھے اور بچے۔ کمزور اور نحیف لوگ عرب کے چوٹی کے لڑنے والوں پر فتح پا گئے۔ جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نظارہ کو دیکھ کر یہ فرمایا تھا کہ مکہ نے اپنے جگر گوشے اٹھا کر اس میدان میں ڈال دیے۔ وہ ایسے چوٹی کے لڑنے والے تھے

جن پر سارا عرب فخر کیا کرتا تھا۔ اُن کی بہادریوں کے گیت گائے جاتے تھے۔ اُن کے مقابل پر جنگِ بدر کے میدان میں مسلمانوں کے لشکر میں ایسے بھی تھے جو بوڑھے تھے۔ بعض لنگڑے تھے۔ بعض ایسے تھے جن کے پاس تن ڈھانپنے کے پورے کپڑے نہیں تھے۔ ان میں سے بعض شہید ہوئے تو اُن کے کپڑے سے اوپر کا تن ڈھانکا جاتا تھا تو نیچے کا تن ننگا ہو جاتا تھا، نیچے کا ڈھانکا جاتا تھا تو اوپر کا تن ننگا ہو جاتا تھا لیکن خدا کے ان عبادت گزار بندوں کو جب جہاد کے لئے بلایا گیا تو محض خدا کی عبادت کی خاطر اور اس کے نام کی بلندی کے لئے وہ میدانِ جنگ میں حاضر ہو گئے۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے لئے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تھی

اَللّٰهُمَّ اِنْ تُهْلِکْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ فَلَا تُعْبَدُ فِی الْاَرْضِ اَبَدًا۔

ان خوش قسمت لوگوں میں بعض بچے بھی تھے ایسے بچے جو شوقِ شہادت میں بڑا بننے کی کوشش کر رہے تھے اور ایڑیاں اٹھا اٹھا کر کھڑے ہوتے تھے تا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کو ردّ نہ فرماویں کیوں کہ آنحضورؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ چھوٹی عمر کے بچوں کو واپس کر دیا جائے گا۔ میدان جنگ میں بالغ مردوں کی ضرورت ہے اور بالغ لوگوں پر ہی جہاد فرض ہے۔ بچوں کا کام نہیں ہے کہ وہ میدانِ جنگ میں پہنچیں۔ تاریخ بتاتی ہے کہ وہ بچے قطار میں اس طرح کھڑے تھے کہ ایڑیاں اونچی کر کے پنجوں کے بل کھڑے تھے اور گردنیں تان رکھی تھیں تا کہ قد اونچا نظر آئے۔ وہ اس لئے ایسا نہیں کر رہے تھے کہ ان کو کوئی تکبر تھا۔ وہ اس لئے ایسا کر رہے تھے کہ خدا کی راہ میں گردنیں کاٹی جائیں اس کے سوا ان کو گردنوں کو اونچا کرنے کا اور کوئی مقصد نہیں تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ نظارہ دیکھا تو مسکرا کر فرمایا۔ میں تمہیں جانتا ہوں۔ تم بچے ہو۔ تمہیں واپس چلے جانا چاہیے۔ ایک بچے نے دوسرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا یا رسول اللہ! میری عمر اس سے زیادہ ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دیدیں۔ چنانچہ اس کا شوق اور بے قراری دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اجازت دے دی۔ دوسرا بچہ بیقرار ہو کر بولا یا رسول اللہ! کشتی کروا کر دیکھ لیں۔ میں اس کو گرا لیا کرتا ہوں۔ اگر اس کا حق شامل ہونے کا ہے تو میرا حق فائق ہے۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بھی اجازت دے دی۔

تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ یہی وہ دو بچے تھے جو ایک مسلمان مجاہد کے دائیں اور بائیں کھڑے تھے۔ ان کی یہ روایت ہے کہ جب میں نے اپنی دائیں اور بائیں طرف دیکھا تو میں پریشان ہُوا کہ میرے دونوں بازو کمزور ہو گئے کیوں کہ لڑنے والے سپاہی جانتے ہیں کہ اگر بازو مضبوط ہوں تو ان کو خدمت کا زیادہ موقع

ملتا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں ابھی میں اس فکر میں ہی تھا کہ اچانک ان کو ایک طرف سے کہنی پڑی۔ انہوں نے مڑ کر دیکھا ان میں سے ایک بچہ یہ پوچھ رہا تھا کہ چچا! وہ ابوجہل کون ہے جو میرے آقا محمد مصطفیٰؐ کو گالیاں دیتا ہے؟ وہ کہتے ہیں کہ اس کی آواز میں ایسی بیقراری اور بے چینی تھی کہ گویا غم کا مارا ہوا وہ معصوم دل صرف اسی دُکھ میں مبتلا تھا کہ وہ ظالم ہے کون جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو گالیاں دیتا ہے؟ وہ بیان کرتے ہیں میں نے تعجب سے اس کو دیکھا کہ اتنے میں بائیں طرف سے میرے کہنی پڑی اور دوسرے بچے نے بھی یہی سوال کیا کہ چچا! وہ ابوجہل کون ہے جو ہمارے آقا محمد مصطفیٰؐ کو گالیاں دیتا ہے؟ ابھی لڑائی شروع نہیں ہوئی تھی۔ صف بندی کی جا رہی تھی۔ انہوں نے میدان پر نظر ڈالی تو ابوجہل نظر آ گیا اس کی طرف انگلی اٹھائی اور کہا وہ ہے، وہ ظالم جو محمد مصطفیٰؐ کو گالیاں دیتا ہے۔ وہ کہتے ہیں جس طرح عقاب پرندہ پر جھپٹتا ہے اس طرح وہ دونوں بچے بیقرار ہو کر دوڑے اور دیکھتے ہی دیکھتے ابوجہل کو جا لیا اور وار پہ وار کر کے اس کو زخمی کر دیا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ بچ کر واپس آئے یا نہیں۔ زخمی ہو کر زندہ بچے یا شہید ہو گئے لیکن تاریخ اسلام گواہ ہے کہ وہ دونوں بچّے وہ پہلے مجاہد تھے جنہوں نے دشمن پر تلوار اٹھائی۔ یہ تھے حضرت محمد مصطفیٰؐ کے ساتھی۔ اور ان سے خدا نے جو سلوک فرمایا وہ سب دنیا پر عیاں ہے۔ تاریخ دان اسے دیکھ کر حیران و ششدر رہ جاتا ہے۔ وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکتا کہ یہ واقعہ ہوا تو کیسے ہوا۔ لیکن یہ حقیقت ہے کہ یہ واقعہ ان عبادت گزار بندوں کے ذریعہ رونما ہوا جن میں بوڑھے بھی تھے اور معصوم بھی۔ جوان بھی تھے اور بچے بھی۔ وہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی راہ میں جان دینے کے لئے تیار ہو گئے لیکن وہ عبادت گزار دل رکھتے تھے اور دنیا میں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ جو عبادت گزار دل ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں ضائع فرما دے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی یہی پیغام تھا۔ خدا نے فرمایا اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کہ اے میرے بندے! آج تو تُو ہے دنیا میں میری عبادت کا خلاصہ۔ تجھے وہم کیسے پیدا ہوا کہ میں تجھے مٹنے دوں گا۔ میں نے اپنے عبادت گزار بندوں سے تو کبھی بے وفائی نہیں کی۔

پس جرمنی کے احباب جماعت کے لئے بھی میرا یہی پیغام ہے کہ آپ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کا فیض اٹھاتے رہے ہیں، اب بھی اٹھا رہے ہیں اور انشاء اللہ ہمیشہ اٹھاتے رہیں گے لیکن اس کے ساتھ عبادت کا بھی تو حق ادا کیجئے کیونکہ اس الیس اللہ کی روح عبادت میں مخفی ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ میں ایک پیغام ہے کہ جب تک دنیا میں خدا کی عبادت قائم رہے گی اور جب تک اللہ سے محبت کرنے والے دل دھڑکتے رہیں گے اللہ کے فضلوں کی ہمیشہ کے لئے ضمانت ہے اور اس ضمانت کو دنیا میں کوئی

تبدیل نہیں کرسکتا۔

پس جہاں خدا تعالیٰ نے آپ کو مالی قربانیوں کی توفیق بخشی ہے اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں آپ نے اپنے عزیز مال فدا کرنے کی سعادت پائی ہے وہاں اس بات کو بھی فراموش نہ کریں۔ اگر آپ نے اس حقیقت کو فراموش کر دیا تو یہ رحمتیں اور یہ برکتیں عارضی ثابت ہوں گی۔ آپ کے ساتھ کچھ دیر چلیں گی پھر آپ کی اولادوں کے حصّہ میں نہیں آئیں گی۔ اس لئے سب سے اہم اور بنیادی پیغام جو میں آپ کے لئے لے کر آیا ہوں وہ یہی ہے کہ خدا کی عبادت کو قائم کریں۔ ہر دل وہ عابد دل بن جائے، ہر شخص خدا کا ایسا عبادت گزار بندہ بن جائے کہ ہر ایک احمدی فرد کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خدا کے فرشتے یہ آواز بلند کر رہے ہوں کہ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ

یہی ہے ہماری زندگی کا راز۔ اسی میں جماعت احمدیہ کی اجتماعی زندگی ہے۔ اسی میں ہم سب کی انفرادی زندگی ہے۔ اس لئے عبادت کی لذت حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ ظاہری عبادت جو محض اُٹھنے اور بیٹھنے کی حد تک محدود رہنے والی عبادت ہے وہ کوئی حقیقت نہیں رکھتی۔ یہ تو ایک برتن ہے اس برتن کو محبت سے بھرنا پڑے گا۔ کیونکہ خدا کی راہ میں خالی برتن قبول نہیں ہوا کرتے۔ اللہ کی راہ میں پیار اور عشق اور محبت کا وہ دودھ قبول ہوتا ہے جو ان برتنوں کے اندر ہوتا ہے۔ اس لئے اس کی فکر کریں۔ اپنی عبادت کا ظاہر بھی قائم کریں کیونکہ اگر ظاہر قائم نہ ہو یا مثلاً برتن نہ ہو تو دودھ کی حفاظت کا کوئی انتظام نہیں ہوتا لیکن خالی برتن بھی کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اس لئے عبادت کے سلسلہ میں دو باتوں کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کروانی چاہتا ہوں۔

اوّل یہ کہ پانچ وقت نماز کی عادت ڈالیں۔ یہ مومن کی زندگی کی حفاظت کے لئے ضروری ہے۔ دوسرے یہ کہ ہر نماز کو اللہ کی محبت کے رنگ سے بھرنے کی کوشش کریں۔ اگر ایک نماز بھی انسان کو ایسی نصیب ہو جائے جس میں اللہ تعالیٰ کا عشق موجزن ہو تو وہی نماز ہمیشہ کے لئے اس کی نجات کی ضمانت بن جایا کرتی ہے۔ چنانچہ لیلۃ القدر میں یہی راز ہے، پیغام ہے کہ بعض اوقات انسان کو ایک ایسی عبادت

نصیب ہو جاتی ہے جس کے نتیجہ میں آئندہ ہمیشہ اس کی عبادت کی ضمانت مل جاتی ہے۔ انسان کو اس کی عبادت کی حفاظت کا پیغام ملتا ہے۔ اسی لئے ایسی نمازیں پڑھنے کی کوشش کریں جن سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے اور اس کے نتیجہ میں وہ تمہیں اپنا بنا لے۔

پس یاد رکھیں یہی وہ طاقت ہے جس کے بل بوتے پر احمدیت نے دنیا میں (دین حق) کو غالب کرنا ہے۔ یہی وہ ذریعہ ہے جس سے احمدیت کی گاڑی رواں دواں رہے گی۔ اگر یہ گاڑی خدا نخواستہ اس طاقت سے خالی ہو گئی تو اس کی مثال تو ایسی ہو گی جیسے کوئی بہت اچھی کار ہو لیکن پٹرول مہیا نہ ہو۔ آپ لاکھ کوشش کریں اس کو دھکیلنا جان جوکھوں کا کام ہو گا۔ بعض لوگ ایسی گاڑیوں کو چھوڑ کر پیدل سفر کرنے لگتے ہیں۔ یہی حال ان مذہبی جماعتوں کا ہوا کرتا ہے جو اپنے اندر عبادت کی روح پیدا کرنے سے غافل ہو جاتی ہیں۔ پھر لوگ ان کو دھکیلتے دھکیلتے تھک جاتے ہیں یہاں تک کہ پھر ان کو چھوڑ دیتے ہیں اور اپنی اپنی گٹھڑیاں اٹھا کر اپنی راہیں لیتے ہیں۔ مذہب کا یہی المیہ ہے جو ہمیشہ دیکھنے میں آتا رہا ہے۔ پس احمدیت کی اس گاڑی کو جسے خدا کے نام پر (دین حق) کی سربلندی کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے خون سے سینچتے ہوئے اور اس میں اپنا خون بھر کر دنیا میں جاری فرمایا ہے اس کو اپنے خونوں سے بھری رکھیں یعنی محبت کے خون سے، عشق کے خون سے، اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربانیوں کے خون سے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت کے جذبہ سے یہ گاڑی آگے چلے گی۔ پس یہ وہ بنیادی حقیقت ہے جس سے کبھی غافل نہ ہوں۔

عبادت کے دو پہلو

جیسا کہ مَیں نے بتایا ہے۔ عبادت کے دو پہلو ہیں ایک ظاہری اور دوسرا باطنی۔ ظاہری پہلو بھی بہت اہم اور ضروری ہے۔ کیونکہ ظاہری پہلو کی اگر حفاظت نہ کی جائے تو محض وہ پٹرول رہ جائے گا جو کسی گاڑی کے چلانے کے کام آ سکتا ہے۔ مگر گاڑی موجود نہیں ہو گی۔ تو ایسا پٹرول کسی کام کا نہیں۔ اس لئے دونوں باتیں ضروری ہیں اور دونوں ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں اور ایک دوسرے کے لئے لازم ہیں۔ پس ظاہر کی حفاظت بھی بہت ہی ضروری اور اہم ہے اور بنیادی حقیقت ہے۔ عموماً یہ دیکھا گیا ہے کہ جب ظاہر کی طرف سے انسان غافل ہونا شروع ہو جائے تو رفتہ رفتہ باطنی لحاظ سے بھی انسان غافل ہونے لگ جاتا ہے۔ اس لئے ان ملکوں میں جن میں آپ بس رہے ہیں ان میں پہلی ضرورت ظاہر کی حفاظت کی ہے۔ وجہ یہ کہ آپ میں سے اکثر ایسے ہیں جو نماز کے مختلف اوقات کے دوران کام میں مصروف ہوتے ہیں اور نماز

پڑھنے کی یا تو وہ جگہ نہیں پاتے یا عام جگہوں پر نماز پڑھنے سے شرما جاتے ہیں یا ایسی جگہیں جہاں (بیوت الذکر) دور دور ہوں اور بہت کم مواقع ملیں (بیوت الذکر) میں حاضری کے لئے وہاں باجماعت نماز کا تصوّر اُٹھ جاتا ہے۔ پھر اکیلی نماز بھی پوری نہیں رہتی۔ پھر موسم کے تقاضے ایسے ہوتے ہیں کہ انسان یہ سمجھنے لگتا ہے کہ سورج کا نکلنا یا نہ نکلنا یہ تو عارضی نشانیاں ہیں۔ ہم جن ملکوں میں بَس رہے ہیں اُن سے بالا ہیں۔ اس لئے جب آنکھ کھلے اس وقت نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ یہ کمزوریاں رفتہ رفتہ بڑھنے لگتی ہیں۔ پھر نمازیں جمع کرنے کی طرف رجحان ہو جاتا ہے۔ پھر نمازیں جمع کرتے کرتے نمازیں MISS بھی ہونے لگ جاتی ہیں۔

یہ سارا ایک ایسا تکلیف دہ اور پُر عذاب منظر ہے جو بعض ملکوں کا مقدر ہے اور وہاں جب تک ایک ذہین آدمی پوری بیدار مغزی کے ساتھ ان مصائب اور تکالیف کا، جو نماز کی راہ میں پیش آتی ہیں، مقابلہ نہ کرے وہ پوری طرح نماز کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس لئے مَیں خاص طور پر ان ملکوں کے احباب جماعت کو توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنے رب سے یہ عہد کریں کہ خدا کی عبادت سے غافل نہیں ہوں گے۔ یہ ان کی زندگی کا سرمایہ ہے۔ یہ ان کا زادِ راہ ہے ان کی ذات کے لئے بھی اور جماعت کی اجتماعی حیثیت کے لحاظ سے بھی۔ یہ زادِ راہ جتنا زیادہ ہوگا احمدیت یعنی حقیقی (دین حق) کو اتنی ہی زیادہ قوت و طاقت اور شان و شوکت نصیب ہوگی۔ میں اس سلسلہ میں چند مشورے احباب جماعت کو دیتا ہوں۔

نمازیں وقت پر ادا کرنے کا عہد

سب سے پہلے تو دوست یہ عہد کریں کہ جہاں تک ممکن ہو، سوائے ان ضروریات کے جن میں اللہ تعالیٰ اجازت دیتا ہے کہ نمازیں جمع نہ کی جائیں، نمازیں اپنے وقت پر ادا کیا کریں اور اس بات کی پرواہ نہ کیا کریں کہ کون آپ کو دیکھ رہا ہے اور کیا سمجھ رہا ہے یہ محض جھوٹی شرمیں ہیں اور ایسی حیائیں ہیں جو درحقیقت بے حیائی کا رنگ رکھتی ہیں یعنی اللہ سے شرمانے کی بجائے اگر کوئی شخص انسان سے شرمانے لگ جائے تو اسی کا نام بے حیائی ہے۔ جہاں شرم کا حق ہے وہاں یہ حق ادا ہونا چاہیے۔ میں نے دیکھا ہے کئی عورتیں جو بے پردہ ہونے لگیں تو وہ ایسا کرتی ہیں کہ جب کوئی واقف یا محرم مرد سامنے آ جائے تو اس سے پردہ کر لیتی ہیں اور جب غیروں کے سامنے جاتی ہیں تو پردہ اُتار دیتی ہیں اور یہی بے حیائی ہے۔ اور عبادت میں بے حیائی یہ ہے کہ انسان دوسرے انسان سے شرمانے لگ جائے اور اللہ پر نظر نہ رکھے کہ خدا مجھے دیکھ رہا

ہے اور مجھ سے کیا توقع رکھتا ہے، دنیا کے ادنیٰ آدمیوں سے جن سے میرا کچھ بھی واسطہ نہیں، نہ وہ مجھے کچھ دے سکتے ہیں اور نہ مجھ سے کچھ چھین سکتے ہیں، اُن سے شرما کر میں عبادت سے غافل ہو رہا ہوں اور اپنے خالق و مالک سے بے وفائی کر رہا ہوں۔ غرض یہ ہے وہ جھوٹی شرم جو اکثر غیر ملکوں میں بسنے والوں کی راہ میں روک بن جایا کرتی ہے۔ خود مجھے اس کا تجربہ ہے۔

انگلستان میں جب میں تعلیم حاصل کرتا تھا تو بہت سے پاکستانی جو ویسے نماز پڑھتے تھے لیکن لوگوں کے سامنے نماز پڑھنے سے وہ شرماتے تھے۔ بعض احمدی بھی اس کمزوری کا شکار ہوئے چنانچہ ہم نے اُن کو سمجھایا۔ میرے ساتھ میر محمود احمد صاحب ناصرؔ بھی پڑھا کرتے تھے۔ یونیورسٹی میں ہمیں جب وقت ملتا تھا ہم وہاں دونوں مل کر نماز باجماعت ادا کیا کرتے تھے۔ شروع میں لوگوں نے تعجب کیا ہوگا مگر ہمیں کوڑی کی بھی پرواہ نہیں ہوئی لیکن رفتہ رفتہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض دفعہ پروفیسر کلاس روم یہ کہہ کر خالی کر دیا کرتے تھے کہ تمہاری نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ تم یہاں نماز پڑھ لو۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں غیروں سے شرمانا یہ بھی ایک قسم کا شرک ہے۔ اس لئے اس معاملہ میں اپنے دل کو خوب کھنگالیں اور صاف کریں اور یہ عزم کریں کہ خواہ سارا جرمنی بھی آپ کی نماز پر قہقہے لگا رہا ہو آپ ایک کوڑی کی پرواہ بھی نہیں کریں گے۔

احباب جانتے ہیں چند سال پہلے یورپ اور امریکہ کے لئے میں اپنے ذاتی سفر پر نکلا تھا اور اپنی بچیوں کو بھی ساتھ لے کر گیا تھا۔ میں نے اُن کی تربیت کی خاطر انہیں اس بات کا پابند کیا حالانکہ عورتوں پر نماز باجماعت فرض نہیں ہے کہ وہاں میلوں میں پھیلی ہوئی سفاری پارکس یا دوسری جگہوں پر جہاں لوگ اکٹھے ہوتے ہیں، وہاں عین سب لوگوں کے درمیان ہم نماز باجماعت پڑھتے تھے۔ آگے میں کھڑا ہو جاتا تھا، پیچھے میری بچیاں اور کوئی احمدی دوست اگر ہوں تو وہ بھی ساتھ کھڑے ہو جاتے تھے۔ نتیجہ یہ نکلتا تھا کہ لوگ ہمارے اردگرد کھڑے ہو جاتے اور کچھ دیر تعجب سے دیکھتے اور پھر سوال کرتے تھے کہ یہ کیا ہو رہا تھا۔ جب ہم اُن کو بتاتے تھے تو اُن کی ہنسیاں غائب ہو جاتی تھیں۔ اُن کے دل میں احترام کے جذبات پیدا ہو جاتے تھے اور اس سے (دعوت الی اللہ) کی کئی راہیں کھل جاتی تھیں۔ کئی لوگ ہمارا پتہ پوچھتے تھے۔ چنانچہ وہ ظاہری ندامت جس سے انسان کے دل میں جھوٹا خوف پیدا ہوتا ہے اس طرح سب کے سامنے نمازیں پڑھنے سے ہمیں وہ بھی نہیں پہنچی تھی۔ پہنچتی بھی تو کوئی پرواہ نہیں تھی لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یہ خوف ہی سارا جھوٹا ہے اس کی حقیقت ہی کوئی نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ کی عبادت سے کبھی نہیں شرمانا چاہیے۔ عبادت ہی میں انسان کی عظمت ہے۔ اس

عبادت ہی میں انسان کی عزت ہے۔اسی میں اس کا وقار ہے۔ بھلا اپنے رب کے حضور جھکنے میں شرم والی کون سی بات ہے۔لوگ دنیا والوں کے حضور جھکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اپنے دنیوی کام کے لئے چھوٹے چھوٹے اہل کاروں مثلاً پٹواریوں اور تھانیداروں کے سامنے جُھک جاتے ہیں۔بعض دفعہ ادنیٰ ادنیٰ چیزوں کے لئے لوگ اپنے دشمن کو بھی باپ بنا لیتے ہیں لیکن احکم الحاکمین خدا کے حضور شرمانے لگ جاتے ہیں یہ انسانی کمزوری اور محض جھوٹا تصور ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔اسی کا نام شرک ہے۔اسی سے شرک کے مختلف پہلو آغاز پذیر ہوتے ہیں۔ میں نے جیسا کہ بیان کیا ہے اور ذاتی طور پر دیکھا ہے کہ عبادت کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی کوئی ذلت نہیں آتی بلکہ اس سے ہمیشہ انسانی وقار بڑھتا ہے۔

میں نے ایک واقعہ پہلے لکھا بھی ہے۔ مجھے وہ لمحہ بہت پیارا لگتا ہے جو ایک مرتبہ لندن میں New Year's Day کے موقع پر پیش آیا یعنی اگلے دن نیا سال چڑھنے والا تھا اور عید کا سماں تھا۔رات کے بارہ بجے سارے لوگ ٹرائفلگر سکوائر میں اکٹھے ہو کر دنیا جہان کی بے حیائیوں میں مصروف ہو جاتے ہیں کیونکہ جب رات کے بارہ بجتے ہیں تو پھر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب کوئی تہذیبی روک نہیں۔کوئی مذہبی روک نہیں۔ ہر قسم کی آزادی ہے۔اس وقت اتفاق سے وہ رات مجھے بوسٹن اسٹیشن پر لے آئی۔ مجھے خیال آیا کہ جیسا کہ ہر احمدی کرتا ہے اس میں میرا کوئی خاص الگ مقام نہیں تھا۔اکثر احمدی اللہ کے فضل سے ہر سال کا نیا دن اس طرح شروع کرتے ہیں کہ رات کے بارہ بجے عبادت کرتے ہیں۔ مجھے بھی موقع ملا۔ میں بھی وہاں کھڑا ہو گیا۔اخبار کے کاغذ بچھائے اور دو نفل پڑھنے لگا۔

کچھ دیر کے بعد مجھے یوں محسوس ہوا کہ کوئی شخص میرے پاس آ کر کھڑا ہو گیا ہے اور پھر نماز بھی میں نے ختم نہیں کی تھی کہ مجھے سسکیوں کی آواز آئی۔ چنانچہ نماز سے فارغ ہو کے مَیں نے دیکھا کہ وہ ایک بوڑھا انگریز ہے جو بچوں کی طرح بلک بلک کر رو رہا تھا۔ میں گھبرا گیا۔ میں نے کہا پتہ نہیں یہ سمجھا ہے میں پاگل ہوں اس لئے شائد بے چارہ میری ہمدردی میں رو رہا ہے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ تمہیں کیا ہو گیا ہے تو اس نے کہا مجھے کچھ نہیں ہوا میری قوم کو کچھ ہو گیا ہے۔ساری قوم اس وقت نئے سال کی خوشی میں بے حیائی میں مصروف ہے اور ایک آدمی ایسا ہے جو اپنے رب کو یاد کر رہا ہے اس چیز نے اور اس موازنے نے میرے دل پر اس قدر اثر کیا ہے کہ میں برداشت نہیں کر سکا۔ چنانچہ وہ بار بار کہتا تھا۔

God bless you. God bless you. God bless you. God bless you.

پس حقیقت یہ ہے کہ اگر ساری دنیا بھی مذاق اڑائے تب بھی ایک احمدی نوجوان کو کوڑی کی پرواہ نہیں

ہونی چاہیے۔ وہ آزاد مرد ہے۔ خدا کے سوا اس کی گردن کسی کے ہاتھ میں نہیں۔ یہی حقیقی آزادی ہے جو انسان کو ایمان کے نتیجہ میں نصیب ہوتی ہے۔ اگر وہ ان چیزوں کی کوڑی بھی پرواہ نہیں کرے گا تو دنیا اس کے سامنے جھکے گی۔ دنیا اس کی پہلے سے زیادہ عزت کرے گی۔ دنیا میں ہمیشہ یہی دیکھا گیا ہے کہ خدا کی خاطر ذلّتیں قبول کرنے والے دنیا میں کبھی ذلیل نہیں کئے گئے۔ ان کی عزتوں میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمیشہ اضافے ہوتے ہیں اور برکتیں ملتی ہیں۔ پس اس جھوٹے خیال کو دل سے نکال دیں۔ یہ مشرکانہ خیال ہے۔ کسی احمدی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ وہ عبادت کرتے ہوئے دنیا کی طرف نگاہ رکھے اور شرمانے لگے کہ وہ مجھے کیا سمجھیں گے۔

نماز وقت پر اور باجماعت پڑھیں

تیسری بات وقت پر نماز پڑھنے کے متعلق ہے۔ اس بارہ میں مَیں پہلے کہہ چکا ہوں۔

چوتھی بات نماز باجماعت کے متعلق ہے اس سلسلہ میں مَیں یہ بات واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ لوگوں کو یہ وہم ہے کہ جب تک آٹھ دس آدمی اکٹھے نہ ہو جائیں۔ باجماعت نماز نہیں ہوسکتی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو دین عطا ہوا وہ ایک ایسا کامل اور عظیم الشان دین ہے کہ اس کی راہ میں کسی صورت میں کسی شکل میں کوئی مشکل بھی حائل نہیں ہوتی چنانچہ جہاں تک مسجد کی ضرورت کا تعلق ہے آپ نے یہی فرمایا کہ اگر مسجد میسّر ہو تو ضرور مسجد تک پہنچو۔ یہ تمہارا فرض ہے لیکن اگر مسجد مہیّا نہیں تو آپؐ نے اپنی امّت کو یہ عظیم الشّان خوشخبری دی کہ اللہ تعالیٰ نے ساری زمین میرے لئے مسجد بنا دی ہے۔ صرف آپؐ ہی وہ نبی ہیں جن کے لئے دنیا کی ساری زمین مسجد بنا دی گئی ہے۔ کیونکہ آپؐ ساری دنیا کے لئے نبی بن کر تشریف لائے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو یہ سہولت عطا فرمائی کہ کسی خاص عبادت گاہ کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تیرے غلاموں کو جہاں کہیں نماز کا وقت آجائے تو وہیں نماز پڑھ لیں وہی جگہ اُن کے لئے مسجد بن جایا کرے گی۔ پس اس سے یہ مشکل حل ہوگئی کہ (بیت الذکر) تک پہنچنا ضروری ہوتا ہے اور کوئی آدمی یہ عذر نہیں کرسکتا کہ ہمارے پاس وقت نہیں ہوتا کہ ہم (بیت الذکر) پہنچ نہیں سکتے، مجبوریاں ہیں۔

دوسرے جہاں تک ساتھیوں کا تعلق ہے۔ یہ مسئلہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ کے لئے حل فرما دیا ایک صحابی نے جب دیکھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم باجماعت نماز پر بہت زور دیتے ہیں تو اس نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! میں تو ایک چرواہا ہوں، ایک مزدور ہوں، لوگوں کے چند پیسوں پر بھیڑیں

پالنے کے لئے اکثر زندگی جنگل میں گذارتا ہوں اور بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ آدمی بھی موجود نہیں ہوتا۔ میں تو باجماعت نماز کی ادائیگی سے محروم ہو جاؤں گا۔ میرے لئے کیا حکم ہے؟ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے لئے بھی کوئی مشکل نہیں۔ جب بھی نماز کا وقت آیا کرے تم اذان دے دیا کرو۔ اگر کوئی مسافر دُور سے گزرتا ہوا تمہاری آواز سُن لے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے دل میں ڈال دے گا اور وہ آ کر تمہارے ساتھ نماز میں شامل ہو جائے گا۔ پھر فرمایا اگر کوئی مسافر بھی نہ ہو اور کوئی آواز نہ سُن رہا ہو تو خدا آسمان سے فرشتے اتارے گا جو تمہارے پیچھے نماز کے لئے کھڑے ہو جائیں گے اور اس طرح تمہاری نماز باجماعت ہو جائے گی۔ کیسا عظیم الشان نبی ہے۔ کیسی عظیم الشان امت ہے اور ہمیشہ زندہ اور باقی رہنے والا کیسا عظیم الشان پیغام ہے۔

ہر مشکل کا حل اسلام میں موجود ہے ہر مشکل کو رحمت میں بدلنے والا نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں عطا ہو گیا۔ ہمارے لئے فکر کی کونسی بات ہے۔

پس اگر احباب جماعت اپنے آپ کو اِن ملکوں میں مجبور سمجھتے ہیں تو اکیلے بھی باجماعت نماز پڑھ لیا کریں۔ تکبیر کہا کریں اور باقاعدہ باجماعت نماز کی طرح نماز پڑھا کریں اور یقین رکھیں کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بات ہرگز جھوٹی نہیں ہوسکتی۔ خدا کے فرشتے آسمان سے اتریں گے اور وہ آپ کے پیچھے نماز پڑھا کریں گے۔ آپ متقیوں کے امام بنائے جائیں گے۔ اگر آپ نماز کا حق ادا کرنا سیکھ جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل خود بخود نازل ہونے لگیں گے اور اس کثرت سے نازل ہوں گے کہ اُن کو سمیٹنے کے لئے آپ کا پیمانہ چھوٹا رہ جائے گا۔ خدا کے فضل آپ کے پیمانوں کے کناروں سے بہہ نکلیں گے۔

بیوی بچوں کو نماز کی تلقین کریں

آخری بات اس سلسلہ میں مَیں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اپنے بیوی بچوں کو بھی نماز پڑھنے کی تلقین کیا کریں۔ نماز قائم کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ انسان خود نماز پڑھتا ہے۔ اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ لوگوں کو بھی نماز پڑھنے کی تلقین کرتا ہے۔ پس آپ اپنے ماحول میں روزمرہ کا یہ اسلوب بنالیں، زندگی کا یہ دستور بنالیں کہ اپنے دوستوں کو بھی تلقین کیا کریں اور اپنے بیوی بچوں کو بھی تلقین کیا کریں۔ قرآن کریم میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے متعلق آتا ہے۔

وَ كَانَ يَاْمُرُ اَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ (مریم: آیت 56)

کہ وہ اپنے اہل وعیال کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے اہل کو نماز کی تلقین کیا کرو۔ فرمایا:-

وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا (طٰہٰ:133)

اور اس بات پر صبر کے ساتھ قائم رہ یعنی اے رسول! اس بات سے ہرگز نہ ہٹیں۔ نماز باجماعت کے لئے کہتے چلے جائیں، کہتے چلے جائیں۔ آخر ایک وقت ایسا آئے گا کہ تمہاری تذکیر سے اور تمہاری نصیحت سے بے نمازیوں کے دل بھی مغلوب ہو جائیں گے۔ اگر تم ان کو کہتے چلے جاؤ گے اور نہیں تھکو گے تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

پس احباب جماعت کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ اپنی بیویوں کو، اپنے بچوں کو، اپنے ساتھیوں کو، اپنے دوستوں کو نماز باجماعت کی ہمیشہ تلقین کرتے رہیں۔ اگر یہ چیزیں آپ کریں تو پھر معاشرہ خواہ کیسا بُرا ہو، کیسا مخالفانہ ہو اللہ تعالیٰ کے فضل سے آپ کی نمازوں کی حفاظت ہوتی رہے گی، ویسے بھی یہ سادہ سادہ اور چھوٹی سی باتیں ہیں کوئی بڑی قربانی نہیں ہے۔ بہت معمولی بات ہے لیکن فوائد کے اعتبار سے بہت بڑی بات ہے، اس کے نتیجہ میں نماز کے ظاہر کی حفاظت بھی ہو جائے گی۔

اس کا ایک دوسرا پہلو بھی ہے اور وہ ہے اپنی نمازوں کو اللہ کے پیار سے بھرنے کا۔ جب بھی نماز ادا کیا کریں سوچ کر اور سمجھ کر نماز ادا کیا کریں۔ سورۂ فاتحہ اگر کسی کو ترجمہ کے ساتھ نہیں آتی تو ترجمہ سیکھے اور ترجمہ کے ساتھ پڑھا کرے کیونکہ یہ علم و معرفت کا ایک لامتناہی خزانہ ہے اس میں حق و حکمت پر مشتمل ایسی دعائیں ہیں جن کا فیض کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ اس کی بعض آیتیں ایسی ہیں جو ہر صورتِ حال پر اطلاق پا جاتی ہیں اور پھر کسی اَور چیز کی ضرورت نہیں رہتی۔

ایک دفعہ ایک غیر از جماعت دوست نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ جماعت احمدیہ تو اس بات کی قائل ہی نہیں ہے کہ نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرے (اور نماز کے اندر انہوں نے سمجھا کہ عربی الفاظ کے سوا ہم کچھ بول نہیں سکتے۔) اس لئے آپ یہ بتائیں کہ جو لوگ نماز پڑھتے ہوں لیکن نماز کے بعد جن کو اجازت نہ ہو دعا کرنے کی تو وہ کس وقت دعا کریں اور کس طرح کریں۔ مَیں نے ان سے کہا اوّل تو یہ مسئلہ ہی غلط ہے کہ نماز میں اپنی زبان میں دعا نہیں ہو سکتی۔ ہم تو اس کے قائل نہیں ہیں لیکن اس کے علاوہ نماز خود ایک کامل دعا ہے ایک پہلو بھی ایسا نہیں ہے جس کی انسان کو ضرورت پڑ سکتی ہو اور اس کی دعا نماز میں موجود نہ ہو۔

یہ ایک بڑا لمبا مضمون ہے۔ مَیں اس میں اس وقت داخل نہیں ہوسکتا لیکن اگر آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مرحوم والدین کے متعلق، گزشتہ انبیاء کے متعلق، ساری دنیا کے نیک انسانوں کے متعلق، بنی نوع انسان کے متعلق اپنے لئے اور اپنے بیوی بچوں کے لئے ،غرض دعا کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو نماز میں موجود نہ ہو۔ زندگی کا کوئی پہلو نہیں ہے جو نماز سے باہر رہ گیا ہو اور جس کے لئے نماز میں دعا نہ سکھائی گئی ہو۔ اس پہلو سے جب آپ نماز پر غور کرتے ہیں تو آپ کو (دینِ حق) کی حقانیت کی ایک دلیل ہاتھ آجاتی ہے۔ یہاں بیٹھے آپ کو غیروں کے ساتھ گفتگو کرنے کا موقع ملتا ہوگا اگر آپ اَور دلیلیں نہیں دے سکتے تو صرف نماز ہی پیش کر دیا کریں۔ ساری دنیا کے مذاہب مل کر جو عبادت سکھاتے ہیں ان کی ساری دعائیں اکٹھی کر لی جائیں۔ تب بھی وہ انسانی زندگی پر ایسی حاوی نہیں ہیں جیسی نماز کے اندر یہ دعائیں حاوی ہو جاتی ہیں۔

سورۃ فاتحہ کی دعا تمام دعاؤں پر حاوی ہے

چنانچہ ایک دوست نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ مَیں نماز میں اپنے بچوں کے لئے ،اپنے والدین کے لئے اور فلاں کے لئے اور فلاں کے لئے ،اپنی مالی مشکلات کے لئے اور اپنی فلاں باتوں کے لئے دعا کرنا چاہتا ہوں۔ اس کا کیا طریق ہے میں کس طرح دعا کروں؟ میں نے اس سے کہا تم نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھتے ہو۔ اس میں ایک آیت ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ اور ساتھ ہی ہے اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اس کے مضمون کو آپ سمجھ لیں تو دنیا کا کوئی بھی امکانی پہلو نہیں ہے جس پر یہ دعا حاوی نہ ہو لیکن اس کے مفہوم کو سمجھنا ضروری ہے۔ اس کے مفہوم کو نہ سمجھنا ایسے ہی ہے جیسے آپ ایک ایسی دولت کے مالک بن جائیں جس کے متعلق آپ کو یہ علم نہ ہو کہ میرے پاس ہے۔ یہ ایسی ہی بات ہے جس طرح بعض گھروں میں بعض خزانے دبے ہوتے ہیں۔ اب جن مکینوں کو پتہ ہی نہ ہو کہ ہمارے پاس خزانہ دبا ہوا ہے اُن کو اس کا کیا فائدہ۔ جیسا خزانہ ہوا ویسا نہ ہوا۔ نماز کی دعاؤں کی بھی یہی کیفیت ہے۔ نماز کی دعائیں اور خصوصاً سورۂ فاتحہ کی دعائیں، ایک بہت بڑا خزانہ ہیں جن سے شعوری طور پر واقف ہونا چاہیے کہ یہ خزانہ ہے کیا؟ کس طرح اس کو استعمال کیا جاسکتا ہے؟ پھر اگر آپ نماز پڑھیں گے تو آپ کی نماز کا رنگ بدل جائے گا۔ وہ بات جو مَیں کہتا ہوں کہ اپنے اندر محبت الٰہی پیدا کریں وہ اس طرح نماز میں پیدا ہوگی کہ آپ نماز سے پہلے تعارف تو حاصل کریں کہ یہ کیا کہتی ہے، کیا اثر کرتی ہے، ہم سے کیا چاہتی ہے، ہمیں کس طرف لے کر جاتی ہے، کن کن مواقع پر

کام آتی ہے کس طرح کام آتی ہے میں نے ان کو سمجھایا کہ مَیں اس وقت اِیَّاکَ نَعبُدُ وَ اِیَّاکَ نَستَعِین کے دو دو پہلو آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں اگر آپ ان کو سمجھ لیں تو یہی آپ کے لئے کفایت کر جائیں گے۔

اِیَّاکَ نَعبُدُ میں ایک دعا کے رنگ میں یہ پیغام ہے کہ اے خدا! ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیری ہی عبادت کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے اندر دونوں پہلو آ جاتے ہیں۔ نَعبُدُ میں ایک مستقبل کا پہلو ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کریں گے ہم نے فیصلہ کر لیا ہے اور کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ یعنی ہم یہ چاہتے ہیں کہ تیرے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ دوسرا پہلو ہے تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اس کے نتیجہ میں کیا ہوتا ہے؟ اس کے نتیجہ میں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ عبادت کا حق تو ہم ادا نہیں کر سکتے، ہم کمزور ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ عارفانہ نکتہ بیان فرمایا ہے کہ مومن کا دماغ اس طرف چلا جاتا ہے کہ یہ نماز تو ہم سے کھڑی نہیں ہوتی۔ کئی قسم کے تفکرات اور کئی قسم کے خیالات دل کو گھیر لیتے ہیں، کئی اور کام ہوتے ہیں جن کے کرنے کی جلدی ہوتی ہے تو جہ اس طرف پھر جاتی ہے۔ کئی ظاہری دلچسپیاں ہیں جو بُت بن کر سامنے کھڑی ہو جاتی ہیں۔ انسان ایک مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ نماز میں توجہ کیسے قائم رکھے؟ تو معاً اس کا جواب یہ دیا اِیَّاکَ نَستَعِینُ اے ہمارے آقا! مدد بھی تو تجھ سے ہی چاہتے ہیں اور ہمیشہ تجھ سے ہی چاہیں گے، کسی اور کی طرف دھیان نہیں دیں گے اور مدد کے لئے نہیں پکاریں گے۔ اس لئے اگر ہم اپنے خلوصِ دل کے ساتھ تیری عبادت پر قائم ہونا چاہتے ہیں، تو پھر اے ہمارے معبود! تُو مالک اور بااختیار ہے۔ ہم تو مالک اور بااختیار نہیں۔ ہم ابھی کہہ آئے ہیں کہ تُو ہی مالک ہے تیرے سوا کوئی مالک نہیں تو پھر اے خدا ہمیں عبادت کی توفیق عطا فرما۔ مدد بھی تجھ سے ہی مانگتے ہیں۔ تو ہماری گرتی ہوئی نمازوں کو کھڑا کر دے۔ تو ہمارے ڈوبتے ہوئے دلوں کو حوصلہ دے اور اپنی عبادت کے تقاضے پورے کرنے کی توفیق بخش۔ اِیَّاکَ نَعبُدُ کی دعا کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ ہم نے تو اب صرف تیری عبادت کرنی ہے۔ باقی سب جھوٹے خدا ہیں، ہم نے ان کو چھوڑ دیا ہے۔ کوئی بُت باقی نہیں رہنے دیا، کسی دوسری چیز کا کوئی سہارا نہیں ڈھونڈا۔ اب ہم جائیں تو کہاں جائیں۔ ہم تو مُشکل میں پڑے ہوئے ہیں۔ ہمیں تو مصیبتیں لاحق ہیں۔ اب تیرے سوا ہمارا کون ہے؟ ہم تجھے چھوڑ کر کہاں جائیں؟ جب ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے سامنے جھکتے ہیں تو پھر ہماری ضرورتوں کو بھی تو ہی پورا فرما۔ اس کے لئے یہ دعا ساتھ ہی سکھا دی اِیَّاکَ نَستَعِینُ ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ اب غور کریں کہ یہ دعا جب دوسری شکل اختیار کرتی ہے یعنی اِیَّاکَ نَعبُدُ کے بعد اِیَّاکَ نَستَعِین میں ڈھل جاتی ہے تو زندگی کی کون سی مشکل

ہے جس پر یہ دعا چسپاں نہیں ہوتی؟ کوئی بیماری لاحق ہو، کوئی مشکل درپیش ہو، سفر میں حضر میں کوئی مصیبت پیش آ جائے۔ مثلاً چلتے چلتے موٹر خراب ہو جائے تب بھی آپ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی دعا کے ذریعہ مسائل حل کرا سکتے ہیں۔ کوئی عزیز بیمار ہو، ایمانی کمزوری کا ڈر ہو، مالی مشکلات کا سامنا ہو، کسی کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں حائل ہوں، مقدمات کے مسائل دامن گیر ہوں، کئی قسم کی پریشانیاں ہیں جو ہزار رنگ میں انسان کو گھیر لیتی ہیں۔ غرض کوئی مشکل ہو یا مصیبت پیش آ جائے ہر موقع پر ایک رنگ میں انسان کو گھیر لیتی ہیں۔ غرض کوئی مشکل ہو یا مصیبت پیش آ جائے ہر موقع پر ایک عبادت گذار کی نجات کی راہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ میں موجود ہے۔

تاہم اس دعا کے دو پہلو ہیں اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی دعا کا حق دار انسان تب بنتا ہے جب وہ پہلے اِیَّاکَ نَعْبُدُ کا حق ادا کرے۔ اگر یہ بات ہی جھوٹی ہو کہ ہم خدا کی عبادت کرتے ہیں تو پھر اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی دعا بھی جھوٹی ثابت ہوگی۔ ان دونوں کا آپس میں ایسا گہرا واسطہ ہے اور ان میں ایک ایسا گہرا ربط ہے اور ایسا پختہ تعلق ہے کہ ایک کی طاقت سے دوسری چیز طاقت پکڑتی ہے۔ اگر کوئی انسان عبادت واقعۃً خدا کی کرتا ہے اَور کسی کی نہیں کرتا تو پھر وہ حقیقتاً غیر اللہ سے مستغنی ہو جاتا ہے۔ ایسی صورت میں پھر یہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی دعا کبھی ناکام ہو جائے۔ یہ ناممکن ہے کہ ایسے انسان کی پکار سُنی نہ جائے۔ یہ وہ بندے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کہ ہاں میرے بندے تو میرا بندہ بن گیا۔ میں نے تجھے اپنا بندہ بنا لیا۔ اب تُو میری مدد مانگتا ہے۔ تو تجھے میرا یہ جواب ہے کہ کیا اللہ اپنے بندہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ جب تو نے اپنے لئے مجھے کافی سمجھا تو میں بھی تیرے لئے کافی ہو کر بتاؤں گا۔ یہ وہ مقام ہے جس پر پہنچ کر انسان تمام قسم کے فکروں سے آزاد ہو جاتا ہے۔ تمام خوفوں سے بالا ہو جاتا ہے۔ وہ اہل اللہ بن کر خدا کے فضل کے ساتھ اور اس کی رحمت کے سایہ میں زندگی بسر کرنے لگ جاتا ہے اور انہی کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے:-

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَ لَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (سورۃ یونس:63)

جب کچھ بندے میرے دوست بن جاتے ہیں، عبادت کے رستہ سے داخل ہوتے ہیں اور میری دوستی کی راہوں پر چلتے ہوئے مجھ تک پہنچ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس وقت ان کو دعائیں کرنے یعنی ہر بات میں مجھے پکارنے کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اُن کا سارا وجود اور اُن کی ساری زندگی پکار بن چکی ہوتی ہے۔ فرمایا:-

لَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَ لَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ
کسی حالت میں بھی کبھی ان پر خوف غالب نہیں آتا کیونکہ خوف بھی ایک غیر اللہ ہے۔کسی حالت میں غم ان پر غالب نہیں آتا کیونکہ غم بھی غیر اللہ ہےاور وہ غیر اللہ سے پاک ہو چکے ہوتے ہیں۔

پس ہر عبادت کو اللہ تعالیٰ کے لئے خاص کرنے کا یہ مفہوم ہے جو سورہ فاتحہ ہمیں سکھاتی ہے۔اس لئے جب سورہ فاتحہ کو آپ غور سے پڑھیں گے تو ان سات آیات میں صرف ایک مضمون نہیں بلکہ معرفت کے لامتناہی نکتے آپ پر کھلیں گے اور ایک نہ ختم ہونے والا روحانی خزانہ آپ کو مل جائے گا۔اس لئے اسے غور سے پڑھیں،محبت کے ساتھ پڑھیں، پیار کے ساتھ پڑھیں،اسی کا نام الٰہی محبت ہے۔اسی کے نتیجہ میں آپ کے دل خدا تعالیٰ کے فضل سے پاک اور صاف کئے جائیں گے۔اسی کے نتیجہ میں آپ کو ابدی زندگی عطا ہوگی اور جنت ملے گی،جس کا ذکر ان آیات میں ہے جو میں نے اس خطبہ کے شروع میں پڑھی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

وَ سَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَ جَنَّۃٍ عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِيۡنَ۔
(اٰل عمران:134)

فرماتا ہےسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ اپنے رب کی طرف سے نازل ہونے والی مغفرت کی طرف ہم تمہیں بلا رہے ہیں،دوڑتے ہوئے چلے آؤ۔اس مغفرت کے نتیجہ میں تمہیں کیا ملے گا؟ فرمایا ایسی جنت ملے گی عَرۡضُهَا السَّمٰوٰتُ وَ الۡاَرۡضُ جس کا محیط آسمانوں اورزمین کے محیط کے برابر ہے کوئی حصّہ اس سے باہر نہیں ہے، یہ ایک جنت ہے جو جغرافیائی قیود سے آزاد ہے،تم جس جگہ ہو جہاں جاؤ وہ جنت تمہارے ساتھ ساتھ چلے گی اور تم اس جنّت کے سائے سے نکل ہی نہیں سکتے۔یہ ہے پیغام اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے لئے کہ دوڑے آؤ مغفرت کی طرف اور اس جنت کی طرف جس سے تم باہر نہیں جاسکتے۔

اس میں ایک مومن کے لئے کتنا عظیم الشان پیغام ہے جو بظاہر ایک ملک سے ہجرت کر کے کسی دوسرے ملک میں جاتا ہے جیسا کہ میں نے اس خطبہ کے شروع میں کہا تھا کہ آپ اپنی جنتیں ساتھ لے کر آئے تھے۔جب خدا کی خاطر نکالے گئے تو یہ نہیں ہوا کہ اپنی جنتیں پیچھے چھوڑ کر آ گئے ہوں بلکہ خدا کی رحمت کی جنتیں آپ کے ساتھ چلتی ہیں اور یہ جنت ان معنوں میں ہے کہ اس کے بعد آپ کو مشکلات پیش نہیں آئیں گی اور اس جنت کی تشریح خدا تعالیٰ نے خود فرمادی ہے۔فرماتا ہے یہ جنت کیا ہے؟ یہ جنت اللہ تعالیٰ کی خاطر قربانی کی لذتیں حاصل کرنے کی جنت اور خدا تعالیٰ کی رضا میں مزہ اُٹھانے کی جنت ہے۔ایسے

لوگوں پر آزمائشیں بھی آئیں تب بھی یہ جنت ان سے کوئی چھین نہیں سکتا۔ چنانچہ فرماتا ہے:-

اَلَّذِیْنَ یُنفِقُوْنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْکٰظِمِینَ الغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ
(اٰل عمران:135)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر تنگی آئے یا آسائش آئے، آسانی پیدا ہو یا مشکل پیش آ جائے یہ خدا کی راہ میں خرچ کرنے پر ایسا مزہ اٹھاتے ہیں کہ پھر اس مزہ کو چھوڑتے ہی نہیں۔ دنیا میں ہر قسم کی کیفیت سے گذر جائیں گے لیکن یہ جنت ان سے کوئی نہیں چھین سکتا کیونکہ وہ اللہ کی خاطر قربانی کرتے ہیں اور اسی کی رضا کی خاطر ہر دوسری چیز کو فدا کر دیتے ہیں۔ پس ایسے لوگ مشکل آئے تب وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی۔ آرام آئے تب بھی وہ خدا سے راضی اور خدا ان سے راضی۔ جیسا کہ حضرت مصلح موعودنو راللہ مرقدہ کے اس شعر سے ظاہر ہے جسے میں بارہا پہلے بھی دوستوں کو سنا چکا ہوں۔ بہت ہی پیارا شعر ہے آپ اپنے رب سے عرض کرتے ہیں ۔

ہو فضل تیرا یا رب یا کوئی ابتلا ہو
راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

اب ہم تیرے وہ بندے بن چکے ہیں اور ہمیشہ کے لئے تجھ سے وابستہ ہو چکے ہیں۔ اب تو فضل لے کر آئے تب بھی ہم تجھ سے راضی ہیں اور کوئی ابتلا اور مشکل آئے تب بھی ہم راضی ہیں۔ یہ وہ جنت ہے جس کا ذکر عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالاَرض میں کیا گیا ہے کہ وہ آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔ ایسے بندے ارضِ خاکی پر رہیں یا آسمانوں پر اُڑنے لگیں یہ جنت اب ان کا کبھی ساتھ نہیں چھوڑے گی۔ کوئی مشکل ان سے یہ جنت چھین نہیں سکے گی۔ کوئی آسانی ان سے یہ جنت چھین نہیں سکے گی۔ اس جنت کو پانے کے بعد پھر وہ ان لوگوں کو جنہوں نے ان کو دکھ دیئے ہوتے ہیں یا جن کے ہاتھوں انہوں نے مصائب اٹھائے ہوتے ہیں اُن کے متعلق بھی اُن کی رائے بدل جاتی ہے۔ اُن کے دل میں انتقام باقی نہیں رہتا اور کوئی نفرت کا جذبہ نہیں رہتا۔ فرماتا ہے:-

وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ

یہ اصحاب جنت ایک عظیم الشان انقلابی کیفیت پیدا کر جاتے ہیں اور وہ کیفیت یہ ہے وَ الْکٰظِمِیْنَ الْغَیْظَ ان کو شدید غصّہ آئے تو اس کو دبانے لگ جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں اے خدا! ہمیں تُو مل گیا ہے تو اب شکوہ کس بات کا اور غصّہ کس سے۔ اگر غیر نے ہمیں مبتلائے مصیبت کیا اور اس کے نتیجہ میں ہمیں تُو مل گیا

اور تیرا فضل نصیب ہو گیا تو پھر کٰظِمِینَ والی کیفیت تو ہمارے مقدر میں آ گئی، اب تو ہمیں غصّہ برداشت کرنا پڑے گا۔ وَ الْعَافِیْنَ عَنِ النَّاسِ جنہوں نے اُن کو دکھ دیے ہوتے ہیں اُن سب کو معاف کر دیتے ہیں۔ غالب کہتا ہے ؎

سفینہ جب کہ کنارے پہ آ لگا غالبؔ　　　خدا سے کیا ستم و جورِ ناخدا کہیے

یہ ایک ناقص اظہار ہے اسی مضمون کا لیکن وہ ایک کامل اظہار ہے قرآن کریم کی آیت میں جس کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کروا رہا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب یہ لوگ اپنے خدا کو پا لیتے ہیں اور انہیں جنتیں نصیب ہو جاتی ہیں تو مصائب والم کی یادیں ان کے دلوں میں تلخی پیدا نہیں کرتیں۔ ان مشکل راہوں کی یادیں جن سے گذر کر یہ میری رضا کی جنت میں داخل ہوئے ہوتے ہیں ان کو بد دعائیں دینے پر آمادہ نہیں کیا کرتیں۔ وہ دعائیں دیتے ہیں ان لوگوں کو بھی جنہوں نے ان کو دُکھ پہنچائے تھے اُن کے لئے بھی خیر کے سوا اُن کے دل سے کچھ نہیں نکلتا۔
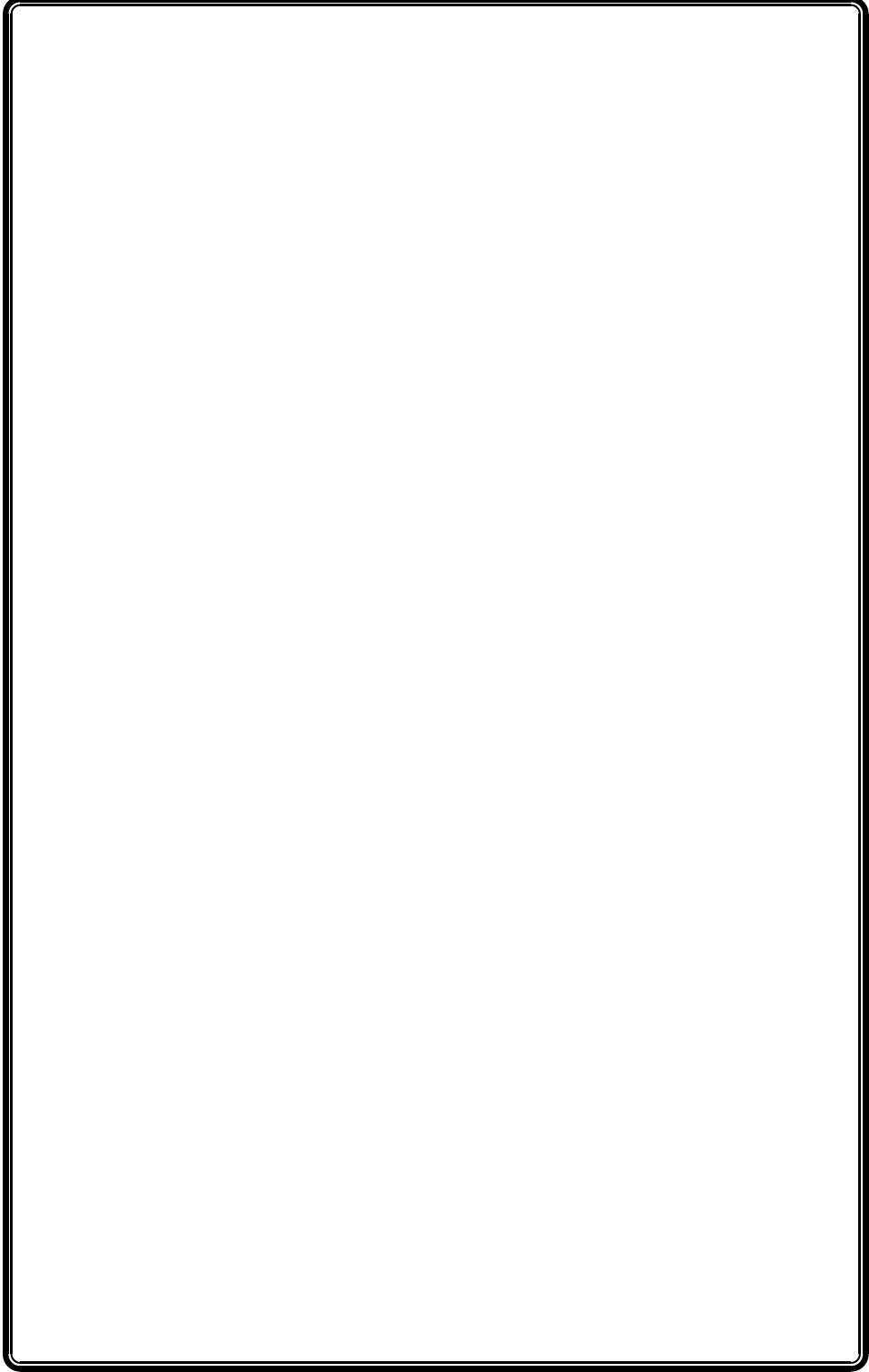
اپنے ملک کی ترقی اور استحکام کے لئے دعائیں کریں

پس آج کا پیغام میرا یہی ہے کہ ہمارا وہ ملک جس کے دکھوں کے ستائے ہوئے آپ لوگ یہاں آئے تھے جب خدا کی رضا آپ کو حاصل ہو گئی، جب اللہ نے اپنے پیار کی جنت آپ کو عطا کر دی تو اس کی بخشش کے لئے، اس کی ترقی کے لئے اور اُس کے استحکام کے لئے دعائیں کریں۔ اس کے سوا اپنے دل میں کچھ نہ رکھیں۔ کیونکہ خدا آپ سے یہ توقع رکھتا ہے کہ جب تم نے خدا کی رضا پا لی، تمہیں خدا کا پیار مل گیا تو پھر اس کے بعد کسی کا شکوہ کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ تم ان لوگوں کو معاف کر دو، ان سے محبت کا سلوک کرو۔ ان کے لئے دعائیں کرو اور دعا کرو کہ یہ محروم بھی تمہارے ساتھ مل کر الٰہی جنتوں میں داخل ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے میرے بندو! اگر تم دکھ دینے والوں کو معاف کر دو گے تو میں تمہیں ضمانت دیتا ہوں وَ اللّٰهُ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ایسے احسان کرنے والوں سے اللہ بہت ہی محبت کرتا ہے۔ تمہیں اللہ کی محبت کا مقام نصیب ہو جائے گا جو رضائے الٰہی کا بہت ہی پیارا اور آخری مقام ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی جنتوں میں رہیں اور خدا کی محبت اور پیار کی نظریں ہم پر پڑتی رہیں ہم جس حال میں اور جس ملک میں رہیں رضائے باری اور محبت الٰہی کی جنت ہمیں حاصل رہے اور یہ جنت ہم سے کوئی چھین نہ سکے۔

(مطبوعہ روزنامہ الفضل 31 اکتوبر 1983ء)

احمدی آرکیٹکٹس اور انجینئرز کے سالانہ کنونشن سے خطاب

فرمودہ 14 اکتوبر 1982ء

☆ آپ احمدیت کی ایک علمی شاخ کا سرمایہ ہیں
☆ سبقت لے جانے کی کوشش اور عزم
☆ احمدی آرکیٹکٹس کو ایک لازوال دولت نصیب ہے
☆ دیانتداری اور تقویٰ کے معیار کو بلند کریں
☆ سائنس، یورپ اور سچائی
☆ آپ آج اس سچائی کے نمائندے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی ہے
☆ جماعت احمدیہ کو ہر علم کے میدان میں سینکڑوں عبد السلام پیدا کرنے پڑیں گے
☆ دین کی غیرت آج صرف جماعت احمدیہ سے وابستہ ہے
☆ ماحول سے Ideas سیکھیں
☆ زندگی وقت کے ایک بامقصد مصرف کا نام ہے
☆ سائنسدانوں کے حالات پڑھیں

⚜

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

''احمدی آرکیٹکٹس اینڈ انجینئرز ایسوسی ایشن کے ساتھ میرا جو تعلق ہے، وہ رپورٹ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ ذاتی حیثیت سے ان معنوں میں کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے اس ایسوسی ایشن کے آغاز ہی سے اس کے کاموں سے میرا تعلق پیدا کروا دیا تھا اور اس کو منظّم کرنے کی ذمہ داری بھی مجھ پر ڈالی تھی۔ اس کے بعد جب یہ سوال پیش ہوا کہ اس کا سرپرست کون ہوگا تو حضور نے میرا ہی نام بطور سرپرست منظور فرمایا۔ اس لئے مجھے یہ خوشی ہے کہ آپ سب کے ساتھ دوبارہ ملنے کا موقع مل رہا ہے۔

قبل ازیں جب بھی میں نے اجلاسوں میں آپ کے ساتھ شرکت کی، میں آپ سے مل کر اور آپس میں تبادلۂ خیالات کے نتیجہ میں بہت ہی لطف اندوز ہوتا رہا۔

آپ احمدیت کی ایک علمی شاخ کا سرمایہ ہیں

کیونکہ احمدیت کی ایک علمی شاخ کا آپ سرمایہ ہیں۔ آپ کا ذہن اگر زیادہ بیدار اور متحرک ہوگا اور ایسی خدمت سرانجام دینے کی کوشش کرے جو فن کی بھی خدمت ہو اور دین کی بھی۔ ذات کی بھی خدمت ہو اور بحیثیت جماعت بھی کارآمد ثابت ہو تو زندگی کا ایک بہت بڑا مقصد آپ کو حاصل ہو جائے گا۔ یہی وہ اغراض تھیں جن کے لئے ہم مل جل کر ایک دوسرے کے مشورہ کے ساتھ بات کو آگے بڑھاتے رہے۔ بعض پہلوؤں سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی خوشکن نتائج نکلے ہیں۔ مثلاً ہمارے انجینئرز اور آرکیٹکٹس میں جذبہ اور خلوص تو ماشاء اللہ پہلے بھی تھا لیکن کوئی ایسی تنظیم نہیں تھی جس کی بدولت وہ اپنے فن کو دین کی خدمت میں پیش کر سکتے۔ چنانچہ اس تنظیم کی وساطت سے اب آپ کو یہ موقع ملا کہ جماعت میں جو کام بھی آپ کے فن سے تعلق رکھنے والے پیش آئے ان میں آپ نے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بہت ہی

پُرخلوص حصہ لیا اور جس کی استعداد میں جو کچھ بھی تھا وہ اس نے بڑی خوشی اور بشاشت کے ساتھ پیش کیا اور جماعت کا یہ احسان سمجھا کہ اس نے اس خدمت کو قبول کیا۔ دین کی خدمت کی یہی وہ روح ہے جو قبول ہوتی ہے۔ اس روح کے سوا کوئی روح قبولیت کے لائق نہیں ہوتی۔ چنانچہ اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ انجینئرز ایسوسی ایشن نے بہت ہی اعلیٰ اور پیاری روایات قائم کی ہیں اور میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ روایات پھیلتی چلی جائیں گی اور دوام بھی اختیار کریں گی۔

سبقت لے جانے کی کوشش

کچھ اور پہلو ہیں جو ہم میں سے ہر ایک کے پیش نظر رہنے چاہئیں۔ ان میں سے ایک چیز انفرادی کوشش یعنی اس بات کی کوشش کہ میں اپنے فن کو خوب چمکاؤں گا اور اپنے دوسرے ساتھیوں پر خواہ وہ مسلمان ہیں یا غیر مسلم سبقت لے جاؤں گا۔ یعنی اپنے فن کے دوسرے ساتھیوں سے آگے نکلنے کی کوشش کروں گا۔ ایک یہ مقصد بھی تھا جس کو بار بار اجلاسوں میں پیش کیا جاتا رہا۔ اس پہلو سے کوئی نمایاں کام سامنے نہیں آیا اور کوئی نمایاں نام سامنے نہیں آیا۔ یعنی جدو جہد اس رنگ میں ہو کہ اپنے فن میں دوسرے ہمعصر ساتھیوں سے آگے بڑھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ وہ چیز ہے جو ہماری جماعت کا امتیازی نشان ہونا چاہیے اور اس کی طرف میں خود بھی جہاں تک میرا بس چلا بار بار توجہ دلاتا رہا اور حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے اپنے خطابات میں بھی احمدی انجینئروں سے جو توقع ظاہر فرمائی وہ اسی نوعیت کی تھی اس لئے اس پہلو سے متعلق میں چند باتیں پھر آپ کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی دعائیں ہماری دولت ہیں

احمدی انجینئر کو ایک ایسی دولت حاصل ہے جو دنیا کے کسی اور انجینئر کو حاصل نہیں۔ **احمدی آرکیٹکٹ کو ایک ایسی دولت نصیب ہے جو دنیا کے اور کسی آرکیٹکٹ کو نصیب نہیں۔** اس دولت میں سرفہرست حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعائیں ہیں۔ آپؑ نے اپنے متبعین کے حق میں جو دعائیں کیں اور جن نیک توقعات کا اظہار کیا اور اللہ تعالیٰ سے خوشخبریاں پا کر آئندہ آنے والوں کے لئے خوشخبریاں دیں، وہ اس نوعیت کی ہیں کہ احمدی کسی بھی فن سے تعلق رکھتا ہو، وہ ان دعاؤں کے سہارے اپنے باقی ساتھیوں سے

آگے بڑھنے کی طاقت رکھتا ہے۔ گو ہر شخص کی استعدادیں الگ الگ ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں لیکن میں یقین رکھتا ہوں کہ برابر استعدادوں کے باوصف اگر ایک احمدی کوشش کر رہا ہو اور اس کا ساتھی بھی کوشش کر رہا ہو تو احمدی ان دعاؤں کے طفیل اپنے ساتھی کی نسبت زیادہ قوت اور تیزی کے ساتھ آگے بڑھ سکتا ہے کیونکہ دوسرے کے مقدر میں یہ خوش بختی ابھی نہیں آئی۔

دیانتداری اور تقویٰ کے معیار کو بلند کریں

دوسرے میں پہلے بھی بار بار یہ اظہار کر چکا ہوں کہ اگر احمدی دیانتداری اور تقویٰ کے معیار کو بلند کرے اور جس جگہ بھی وہ متعین ہے وہاں اپنے فن میں دیانتداری کا مظاہرہ کرے اور اپنے انتظام میں دیانتداری کو مدنظر رکھے تو اس سے بھی اس کو ایک جلا ملے گی کیونکہ تقویٰ سے ایک نور پیدا ہوتا ہے۔ تقویٰ ہی روشنی کا دوسرا نام ہے۔ تقویٰ کے نتیجہ میں انسانی قویٰ میں عدل پیدا ہوتا ہے اور نشوونما کے لئے قویٰ کا عدل ضروری ہے۔ سچائی اور انصاف کو ہم تقویٰ بھی کہہ سکتے ہیں۔ ان کا نام عدل بھی ہے اور جب بھی کوئی نظام اعتدال پر آ جائے تو اس میں نشوونما کی قوتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ سچائی کے نتیجہ ہی میں سائنس نے ترقی کی ہے۔ جھوٹا دماغ سائنس میں ترقی نہیں کر سکتا۔

سائنس کی بنیاد اور سائنسی ترقی کے دروازہ میں داخل ہونے کی پہلی شرط یہ ہے کہ انسان دنیا کے پیمانے میں متقی ہو جائے۔ دنیا کے پیمانے میں متقی کی تعریف بعض پہلوؤں سے تو مختلف ہوتی ہے لیکن بنیادی طور پر وہی ہے جو عام طور پر سمجھی جاتی ہے یعنی انسان سچ بولے۔ وہ خوش فہمیوں میں مبتلا نہ ہو۔ تصورات کی دنیا میں نہ رہے۔ کہانیوں میں بستا نہ ہو بلکہ واقعات اور سچائیاں اس کی انگلی پکڑ کر جس طرف لے جائیں خواہ طبیعت چاہے یا نہ چاہے وہ اس طرف چلا جائے۔ یہ عام انسانی تقویٰ کی تعریف ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اسی تعریف کو بالآخر ہدایت کا ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں تقویٰ کی جو پہلی تعریف ملتی ہے بلکہ اپنے مقام کے لحاظ سے بھی پہلی ہے۔ یہ ایسی تعریف ہے جو تمام انسانوں کے درمیان مشترک ہے۔ یعنی

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ (البقرہ:3)

یہ ہدایت صرف متقیوں کے لئے ہے۔ اگر متقیوں سے مراد مذہبی تعریف لی جائے تو ان کے لئے ہدایت کا کیا مطلب ہے وہ تو پہلے ہی ہدایت یافتہ ہیں۔ پس اس کے معنی یہ ہیں کہ یہاں عام تقویٰ کی

تعریف مراد لی گئی ہے۔یعنی وہ لوگ جو سچائی کی پیروی کرنا جانتے ہوں جن کا مزاج ایسا ہو کہ وہ جھوٹ کی پیروی نہ کریں گے۔ظن کی پیروی نہیں کریں گے بلکہ سچائی کے پیچھے چلیں گے خواہ وہ ان کو کسی طرف لے جائے۔اس پیروی کے نتیجہ میں ان کو کسی چیز کا کوئی خوف نہیں ہوگا۔یہ متقی ہیں اور جو اس قسم کا متقی ہو اللہ تعالیٰ اس سے وعدہ کرتا ہے کہ اس کو دینی اصطلاح میں بھی متقی بنایا جائے گا اور اس کے لئے تمام شکوک دور کئے جائیں گے اور تمام یقین کی راہیں اس کے لئے کھول دی جائیں گی۔ لَا رَیْبَ فِیْہِ سے بھی اسی تعریف کی تصدیق ہوتی ہے۔ریب ظن کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے،علم کے نتیجہ میں پیدا نہیں ہوتا۔تو فرمایا جو متقی ہیں وہ تو بات ہی علم کی بناء پر کرتے ہیں،سچائی کی پیروی کرتے ہیں۔ان کے لئے ریب کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ریب والے تو وہ ہیں جو خیالی تصورات کی دنیا میں بسنے والے لوگ ہوتے ہیں ان کے لئے ہر طرف اندھیرے ہی اندھیرے ہیں اور شک ہی شک ہیں۔

پس یہ وہ بنیادی تعریف ہے جس کی طرف قرآن کریم ہماری راہ نمائی کرتا ہے اور اگر تقویٰ کی یہ تعریف احمدی کے اوپر صادق آجائے تو اس کا دماغ روشن ہو جاتا ہے۔اسی تعریف میں اس سچائی کی خاطر قربانی کا مادہ بھی داخل ہو جاتا ہے۔کیونکہ جو سچائی کی پیروی کرنا جانتا ہے وہ اس بات سے بے پرواہ ہو جاتا ہے کہ دنیا کیا کہے گی اور کیا سمجھے گی۔اس کے نتیجہ میں اس کے اندر ایک جرأت پیدا ہوتی ہے۔کہانیوں میں بسنے والے کے دل میں کبھی جرأت پیدا نہیں ہوتی۔جو خود ظنّوں میں مبتلا ہو وہ آخر کس بات کے لئے جرأت کے ساتھ قربانی کرے گا۔چنانچہ یورپ کی سائنس کی تاریخ کا آپ مطالعہ کریں تو پتہ لگتا ہے کہ وہ ساری کی ساری قرآن کریم کی اس ابتدائی آیت کی سچائی کی دلیل ہے۔

سائنس،یورپ اور سچائی

احیائے نو کا وہ دور جس میں یورپ داخل ہوا اس میں سائنسدان وہی تھا جو سچ کو سچ کہنا جانتا تھا اور اس بات سے بے پرواہ ہو کر کہ دنیا کیا کہتی ہے وہ سچ کو سچ کہتا تھا۔

یورپ کی تاریخ میں ایسے کئی سائنسدان گزرے ہیں جن کو سچائی کے الزام میں آگ میں زندہ جلا دیا گیا۔اس جرم میں کہ انہوں نے کائنات میں جو دیکھا وہی بیان کیا۔نتیجہ یہ نکلا کہ جس طرح مذہبی طور پر Persecution یعنی ایذاء رسانی کی جاتی ہے اس طرح یورپ میں ایک لمبا عرصہ سائنسدان کی Persecution کی گئی ہے۔اس کو خوفناک سزائیں دی گئیں۔خواہ وہ عملی سائنس سے تعلق رکھتا تھا یا فلسفہ

کی سائنس سے تعلق رکھتا تھا اس کو اپنے نظریات کی بڑی بھاری قیمت دینی پڑی۔ اس میں تمام مذاہب کے ماننے والے مشترک تھے۔ یہ ایک عجیب تضاد تھا کہ اس وقت مذہب کے نام پر جھوٹ اکٹھا ہو گیا تھا اور لامذہبیت کے نام پر سچائی ایک طرف نتھر کر الگ ہو گئی تھی اور اللہ کی تقدیر نے یہ فیصلہ کیا کہ مذہب کے نام پر جھوٹ کو پنپنے نہیں دیا جائے گا۔ خواہ مذہب کا نام کتنا ہی پیارا کیوں نہ ہو اور لامذہبیت کے نام پر سچ پرورش پائے گا۔ خواہ لامذہبیت کیسی ہی بُری کیوں نہ دکھائی دے۔ چنانچہ سچائی کی طاقت سے لامذہبیت وہاں جیتتی ہوئی نظر آتی ہے اور مذہب شکست کھاتا ہوا نظر آتا ہے کیونکہ اہل مذہب دکھ دینے والے بن گئے اور بظاہر جو لامذہب کہلا رہے تھے وہ دکھ سہنے والے بن گئے تھے۔ چنانچہ یہودیوں نے بھی اس سلسلہ میں قربانیاں دیں، عیسائیوں نے بھی دیں۔

سچائی کی خاطر صرف سائنٹسٹ کو قربانی نہیں دینی پڑی۔ ہر علم کے شعبہ کو قربانیاں دینی پڑیں۔ Spinoza ایک مشہور جرمن فلاسفر ہے اس نے جب یہ دیکھا کہ اس کے ایک ساتھی کو محض سچائی کے جرم میں دکھ دیا گیا یہاں تک کہ اس نے خودکشی کر لی تو اس نے واقعات کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ان باتوں کا اظہار شروع کر دیا جو اس کے نزدیک سچی تھیں۔ ان میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جو یہودیت کے خلاف اور اسلام کے حق میں ہیں۔ چنانچہ اس نے ایسے بہت سے تصورات پیش کئے جن کا تعلق یہودیت سے ہے نہ عیسائیت سے بلکہ اسلام سے ہے لیکن اس بیچارے کو پتہ نہیں تھا کہ میں یہ کیوں کہہ رہا ہوں اور کیا کہہ رہا ہوں۔ صرف متقی تھا اپنی تعریف کے اندر۔ چنانچہ اس نے اعلان کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ خدا نے کسی ایک قوم کو فضلوں کے لئے چن لیا ہو اور باقی سب دنیا والوں کو اس سے محروم کر دیا ہو۔ گویا وہ

اِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ ۔ (الفاطر:25)

کا ہی اعلان کر رہا تھا۔ وہ یہ اعلان بھی کر رہا تھا کہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا تعالیٰ تجسم اختیار کر لے۔ خواہ وہ کسی شکل میں اس نے اختیار کیا ہو۔ تو یوں بیک وقت وہ عیسائیت کے خلاف بھی کھڑا ہوا اور یہودیت کے خلاف بھی لیکن خود نہیں جانتا تھا کہ میں کس کی تائید کر رہا ہوں۔ چنانچہ اس پر دہریت کا الزام لگایا گیا، کیونکہ دو خدا ہی وہ جانتے تھے۔ یا عیسائیت کا مجسم خدا اور یا وہ خدا جو بنی اسرائیل کو باقی سب لوگوں پر فوقیت دے رہا تھا اور سوائے ان کے کسی اور سے کلام ہی نہیں کرتا تھا۔

پس اس الزام میں اس کو بلایا گیا اور اس کو دھمکی دی گئی۔ یہودی بڑے لوگوں یعنی Synagogue کے نمائندوں نے اس کو بلایا اور اس کو کہا کہ اب تمہارے پاس دو ہی رستے کھلے ہیں یا -Ex

communication یعنی اخراج کی سزا قبول کرو یا تم ہمارے اندر رہو اور سچ بولنے سے باز رہو۔ اس نے جواب دیا میں سچ بولنے سے باز نہیں آسکتا اور کہا آپ جو مذہبی آدمی ہیں۔ آپ نے ایک مذہبی لفظ بولا ہے اس کا تلفظ غلط ہے۔ میں تو یہاں تک سچ بولوں گا کہ آپ کو یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ اپنا تلفظ درست فرمائیں۔ آپ کو بائبل کی اصطلاحوں کا تلفظ بھی نہیں آتا۔ اس پر وہ یہودی راہنما اتنے مشتعل ہوئے کہ اس کی نہایت خطرناک Ex-communication یعنی اخراج کی سزا کے آرڈر جاری کر دیئے۔ اس زمانہ میں یہودیت سے نکلنے کا مطلب یہ تھا کہ تمام دنیا میں یہ اعلان ہو جاتا تھا کہ اس کو ہماری ضمانت حاصل نہیں رہی۔ اس سے اب جو چاہو سلوک کرو۔ چنانچہ اسے انتہائی ظلموں کا نشانہ بنایا گیا۔ 44 سال کی عمر میں وہ مر گیا لیکن ایک قدم پیچھے نہیں ہٹا۔ اس نے شدید مصیبتیں اٹھائیں لیکن سچائی کا جو جھنڈا اس نے ہاتھ میں پکڑا تھا اس کو تادم آخر بلند رکھا۔

پس ابتدائی منزل میں سچائی، دیانت اور تقویٰ ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔ ان کے نتیجہ میں جرأت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ یورپ کے سارے سائنسدانوں کی مثالیں بتا رہی ہیں۔ آخر کسی سچائی کی خاطر آگ میں زندہ جل جانا کوئی معمولی بات تو نہیں لیکن وہ جلائے گئے اور جل گئے۔ ایسے بھی سائنسدان ہوئے جن کو Guillotine کے اوپر چڑھا دیا گیا۔ فرانس میں ایک ایسا ہی سائنسدان تھا جس نے سچائی کا اظہار کیا اور اس زمانہ میں بظاہر وہ معمولی معمولی باتیں تھیں لیکن چرچ نے اس کے خلاف بڑا شور ڈالا اور اس کو کہا تم باز آجاؤ ورنہ مذہب تمہاری ان بے ہودگیوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔ اس نے کہا نہیں برداشت کر سکتا تو تم اپنا کام کرو میں اپنا کام کرتا ہوں۔ تو اس کو Behead کیا گیا یعنی اس کا سر قلم کر دیا گیا۔ اس پر ان کے ایک ہمعصر شاعر نے لکھا۔ فرانسیسی نظم ہے۔ اس میں ایک شعر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ صدیوں میں ایک سر پیدا ہوتا ہے۔ اس کو چند لمحوں میں اڑا دیا گیا۔ اس صدی کا سب سے بڑا المیہ یہ ہے، لیکن یہ ایک المیہ نہیں ہوا۔ ایسے بیسیوں المیے ایک ایک یورپین ملک میں ہوئے ہیں۔ غرض آپ (احمدی آرکیٹکٹس اور انجینئرز) کا مقام تو اس سے بہت بلند ہے۔ آپ تو آج اُس سچائی کی نمائندے ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی ہے۔ کسی عام سائنس دان کی سچائی نہیں۔ اس سچائی کے نمائندے ہیں جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی ہے۔ اس لئے آپ کی جرأتیں مختلف اور بلند ہونی چاہئیں۔ آپ کے اخلاق بلند ہونے چاہئیں۔ آپ کے اندر دیانت کے معیار بلند ہونے چاہئیں۔ یہ چیزیں حاصل ہو جائیں تو آپ کو ایک روشنی

ملے گی۔اس روشنی میں اگر آپ آگے بڑھیں گے تو یہ ناممکن ہے کہ آپ کا ہمعصر آپ کا مقابلہ کر سکے کیونکہ وہ سچائی کی اس روشنی سے محروم ہے جو آپ کو مل گئی ہے۔لیکن عجیب بدقسمتی ہے انفرادی دوڑ میں اسلام کی طرف منسوب ہونے والے سارے فرقے پیچھے رہ گئے۔ایک ہم تھے جن پر اسلام کو امید تھی۔ایک عبدالسلام تو پیدا کیا۔لیکن ایک عبدالسلام سے تو بات نہیں بنتی۔ **جماعت احمدیہ کو ہر علم کے میدان میں سینکڑوں عبدالسلام پیدا کرنے پڑیں گے۔** اس وقت دنیا نے علمی میدان میں اسلام کو دکھ پہنچا کر ہم پر جو مظالم ڈھائے ہیں اس کے انتقام کی کارروائی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم ایک باغیرت قوم کی طرح علم کے ہر میدان میں آگے بڑھیں۔

(دینِ حق) کی غیرت جماعت سے وابستہ ہے

(دینِ حق) کی غیرت عملاً آج صرف جماعت احمدیہ سے وابستہ ہے۔اگر آپ نے یہ داغ نہ دھوئے تو اور کوئی نہیں دھوئے گا۔ جاپان عملاً ایک دہریہ ملک ہے۔کوریا اعلاناً بھی دہریہ ہے۔ ہانگ کانگ ایک چھوٹی سی جگہ ہے اور یا وہ دہریہ ہے یا وہ ایسا بدمذہب ہے کہ اس کی کچھ سمجھ نہیں آتی کہ وہ کیا چیز ہے لیکن تقویٰ کے پہلے مقام پر وہ ضرور قائم ہے۔یعنی سچ کو دیکھتے ہیں، سچ کو سمجھتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں اور کوشش کرتے ہیں کہ اس کے نتیجہ میں انہیں کچھ حاصل ہو جائے۔نتیجہ یہ نکلا ہے کہ وہ بعد میں آئے لیکن یورپ کی علمی Monopoly (مناپلی یعنی اجارہ داری) کو توڑ بیٹھے ہیں۔ابھی میں یورپ کا سفر کر کے آیا ہوں۔میں نے محسوس کیا کہ یورپ کو جاپان کی طرف سے شدید خطرات ہیں اور وہ جو مرضی کر لیں ان کی کوئی پیش نہیں جا رہی۔اسی طرح فارموسا بڑی تیزی سے آگے آ رہا ہے۔ہانگ کانگ بڑی تیزی کے ساتھ آگے آ رہا ہے اور یورپ اس کے سامنے خوفزدہ ہے کہ اب ہمارا کیا بنے گا۔

زیورچ سوئٹزرلینڈ میں Intelligenia دانشور طبقہ کی ایک مجلس تھی۔اس میں بڑے بڑے مفکّرین اور اہل علم لوگ آئے ہوئے تھے۔وہاں باتوں باتوں میں ضمناً کوئی سوال پیدا ہوا تو ایک آدمی نے کہا کہ ہماری فلاں گھڑی جاپانی گھڑیوں کے معیار کی ہے۔ میں نے اس کو کہا کہ یہی فرق ہے کہ اب آ کر Equation بدلی ہے۔ایک زمانہ تھا کہ جاپان کہا کرتا تھا کہ ہماری گھڑی سوئٹزرلینڈ کے مقابل کی ہے۔ اب تم یہ کہہ رہے ہو کہ ہماری گھڑی جاپان کے برابر کی ہے۔لیکن اس کے باوجود قیمت اس کی زیادہ ہے۔

جاپان والی کی قیمت کم ہے۔غرض علم کے ہر میدان میں جہاں وہ داخل ہوئے ہیں وہ آگے بڑھ گئے ہیں۔

آج حکمت احمدیت کے سپرد ہوئی ہے

پس احمدی کیوں یہ کام نہیں کرتا۔ نقّالی علم میں بُری چیز نہیں ہے۔علم میں تو نقّالی قابل تعریف ہے۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ہمیشہ کے لیے یہ تعلیم دی ہے۔

اَلْحِکْمَۃُ ضَآلَّۃُ الْمُؤْمِنِ۔

حکمت تو مومن کی گمشدہ چیز ہے۔وہ اس بات سے نہ شرمائے کہ میں کسی کی اچھی بات میں نقّالی کیوں کروں۔اچھی بات میں مومن نقّالی کے لئے ہی پیدا کیا گیا ہے۔وہ یہ سمجھے کہ یہ میری چیز تھی۔کیسی عجیب تعلیم ہے۔آگے بڑھنے کے لئے اکسیر کا حکم رکھتی ہے۔ایسے پیارے رنگ میں انگیخت کیا۔فرمایا کہ وہ حکمت تو تمہاری چیز تھی۔خدا نے تو حکمت تمہارے ساتھ وابستہ کر دی تھی۔تم سے کھوئی گئی ہے۔تم بے پرواہ ہو گئے ہو۔کسی اور قوم نے اختیار کر لی۔شرمندگی جو ہے وہ تو ہے لیکن چونکہ تمہاری اپنی چیز تھی اس کو لے لو اس میں انقباض نہ کرنا یا تردّد نہ کرنا۔

پس آج حکمت احمدیت کے سپرد ہوئی ہے۔آج اللہ کی آنکھ میں حکمت احمدیت کی لونڈی ہے۔اگر یہ آپ کے ہاتھ سے نکلی ہے اور دنیا میں دربدر پھر رہی ہے تو جہاں ملتی ہے آپ اس کو حاصل کریں۔یہ آپ کی ملکیت ہے۔لیکن آئندہ پھر غافل نہیں ہونا۔آئندہ اس کو ہاتھ سے جانے نہیں دینا۔پھر یہ ہو کہ لوگ آپ سے عاریۃً حکمت مانگیں۔آپ کی حکمت کی خیرات کھائیں کیونکہ جس کی ملکیت ہے وہ حق رکھتا ہے کہ آگے تقسیم کرے۔یہ تو نہیں کہ ملکیت آپ کی ہے اور ساری ملکیت گم شدہ ہو اور آپ ویرانوں میں دربدر گھومتے پھرتے ہوں کہ کہیں سے میری گم شدہ چیز مل جائے۔یہ نقشہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے نہیں کھینچا تھا۔نقشہ یہ تھا کہ تم مالک ہو۔اکثر صورتوں میں حکمت تم سے چھوٹ رہی ہے۔میں مان لیتا ہوں کہ کہیں اِکّا دُکّا کوئی اور حکمت میں تم سے آگے نکل جائے تو وہاں بھی میں تمہیں بتاتا ہوں کہ یہ تمہاری چیز ہی تھی۔غلطی ہو گئی ہے،تم سے غفلت ہو گئی ہے کہ وہ کسی اور کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔

غرض اگر احمدی انجینئر اپنے آپ کو اپنے دائرہ میں فعّال کرے،احمدی آرکیٹکٹ اپنے دائرہ میں فعال کرے تو روز بروز اس کے سامنے نئے سے نئے نقشے کھلتے جائیں گے۔سوچ کے نتیجہ میں نئی سے نئی چیزیں پیدا ہوتی ہیں۔چھوٹی چھوٹی چیزیں ہیں ان میں نقالی شروع کریں۔خود چیزیں بنائیں اس سے پھر

تجربہ حاصل ہوتا ہے۔ تجربہ سے پھر آہستہ آہستہ روشنی بڑھتی ہے۔ پھر حوصلہ پا کر آگے بڑھے گا۔ پھر نئی چیزیں ایجاد کرے گا۔ جتنا سامان پاکستان میں امپورٹ ہوتا ہے۔ اگر احمدی انجینئر اپنی ذمہ داری ادا کرے تو دوسرے ملکوں میں یہاں سے ایکسپورٹ ہونے لگے۔ کیا وجہ ہے، آخر جاپان کو آپ کے اوپر خدا نے کونسی فوقیت دی ہے کہ وہ نقالی کرے اور لوگوں کو اپنی نقالی پر مجبور کر دے۔ کوریا نقالی کرے اور پھر دنیا کو اپنی نقالی پر مجبور کر دے۔ لیکن آپ نقالی کی بھی جرأت نہ کریں۔ قومی سطح پر یہ بہت خطرناک حالت ہے۔

ہمارے ایک انجینئر نے ایک چھوٹی سی چیز بنائی ہے آج اس کا نمونہ مجھے دکھایا۔ میرا دل بہت خوش ہوا۔ میں نے کہا چلو کسی نے آغاز تو کیا۔ ہمارے خلیق عالم صاحب فاروقی یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔ انہوں نے Dimmer میں کسی کی نقل اتاری ہے۔ لیکن جس طرح جاپان کا شیوا تھا کہ نقالی کرتے تھے اور پہلے سے بہتر بنا لیتے تھے۔ ان کا بھی یہ دعویٰ ہے۔ خدا کرے کہ سچا ہو کہ ہے تو یہ نقالی لیکن جن کی نقالی کی گئی ہے ان سے اس لحاظ سے بہتر ہے کہ باقی فیوز ہو جاتے ہیں اور یہ فیوز نہیں ہوتا۔ Dimmer ایک بڑی مفید چیز ہے۔ جس کو توفیق ہو بلکہ جس کو توفیق نہ بھی ہو وہ ضرور لے۔ کیونکہ یہ خرچ بچاتا ہے پچپن روپے کا اگر Dimmer مل جائے اور دو تین سال چلے تو کئی پچپن روپے اخراجات میں بچا جائے گا۔ اس سے دو طرح سے بچت ہوتی ہے۔ ایک تو یہ کہ مثلاً آپ کو پڑھنے کی لئے تیز بلب چاہیے۔ لیکن عام روزمرہ کے کام کے لئے تیز روشنی نہیں چاہیے۔ تو آپ اگر Dimmer لگا لیں گے تو اپنی آنکھوں کے مطابق جتنی روشنی چاہیں، وہ سہولت سے بنا سکتے ہیں۔ زیرو واٹ سے شروع کر کے 500 واٹ تک روشنی آپ کے قبضہ میں آجاتی ہے۔ بعض کھانا ہلکی روشنی میں کھانا پسند کرتے ہیں وہ ہلکی روشنی کر سکتے ہیں۔ بعض دفعہ گھر میں بیٹھے باتوں کے دوران چائے کی پیالی پیتے ہوئے ہلکی روشنی پسند کرتے ہیں وہاں ہلکی روشنی کر سکتے ہیں اور جب پڑھنا ہو تو اس کو تیز کر سکتے ہیں۔ جب سونا ہو تو اس کو زیرو پر لے جائیں وہی Night Light بن جاتی ہے۔ تو کتنے اخراجات کی کمی ہے۔ اور آج کل تو شاید اچھا بلب ہی 15-20 روپے کا آتا ہے۔ اور اس سے بلبوں کا فیوز ہو جانا بھی بند ہو جاتا ہے۔ اور اس کے علاوہ، سوائے اس کے کہ کوئی خاص بلب پاکستان میں بنتے ہوں جنہوں نے ہر حالت میں فیوز ہونا ہے۔ ان کی تو کوئی ضمانت نہیں لیکن اگر دنیا کے نارمل بلب ہوں تو Dimmer سے ان کو فائدہ پہنچتا ہے۔ کیونکہ بجلی کی رو میں Fluctuation یعنی اتار چڑھاؤ کا بہت سارا بوجھ Dimmer اپنے اوپر لے لیتا ہے۔ تو بہت سے فوائد ہیں۔

یہ چیز چھوٹی سی ہے لیکن انشاء اللہ تعالیٰ جب عام ہوگی تو اس کا بہت فائدہ پہنچے گا۔ شکر ہے کہ ایک

احمدی کو توفیق ملی اور تھوڑا سا قدم اٹھایا۔ تھوڑے قدم آگے برکتوں کا موجب بنتے ہیں۔ آپ کو یہ تو کوئی نہیں کہہ رہا کہ ایک دم موٹر کار بنانے لگ جائیں اور وہ بھی رولز رائس بنانی شروع کر دیں۔ کیونکہ اس پر بڑا وقت لگے گا۔ لیکن اگر آپ ایک ٹائر بنانا بھی سیکھ جائیں تو بڑی چیز ہے۔ لیکن کچھ نہ کچھ بنانا شروع کریں۔ شروع کئے بغیر منزل آگے طے نہیں ہوسکتی۔ جو گھر میں بیٹھا ہوا ہے اس بیچارے نے کیا کرنا ہے۔ جس نے Attempt یعنی ہمت اور کوشش کی ہو اس کو کچھ ملتا بھی ہے۔ اگر کوئی Attempt ہی نہ کرے تو اسے کیا حاصل ہوسکتا ہے۔ یہ تو ویسے ہی بات ہے جس طرح حضرت میاں بشیر احمد صاحب نے ایک دفعہ واقعہ سنایا کہ میرے پاس عربی کے پرچے آیا کرتے تھے۔ ایک صاحب دس بارہ سال سے امتحان دے رہے تھے، ہر دفعہ فیل ہو جاتے تھے۔ اور پرچہ میں ان کا پہچانتا تھا۔ پرچہ دیکھتے ہی مجھے پتہ لگ جاتا تھا کہ اس بیچارے کا پرچہ آ گیا ہے۔ کہتے ہیں آخری دفعہ جو پرچہ آیا اس پر اس نے ایک بہت ہی دردناک کہانی لکھی اور اس نے کہا کہ خدا کے واسطے جس طرح بھی ہو صدقہ رسول کا دیتا ہوں جو مرضی کریں مگر مجھے اس دفعہ پاس ضرور کر دیں ورنہ میں گیا۔ تو حضرت میاں صاحب فرماتے تھے کہ میں نے سوچا کہ اب اگر اس کو میں پاس کروں۔ نمبر کھلے دے دوں۔ اور باقیوں کو نہ دوں تو پھر یہ ناانصافی ہو جائے گی۔ تو میں اس کی خاطر سارا ہاتھ کھلا کر لیتا ہوں۔ چنانچہ میں نے سب کے لئے ہاتھ کھلا کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کے پرچہ کی نمبرنگ شروع کی۔ کمزور بھی تھا اس کو 10/10 نمبر دینے شروع کیے۔ اب پاس ہونے کے لئے کل پچاس نمبر چاہئیں تھے اس نے 23 نمبر کا پرچہ Attempt کیا ہوا تھا۔ فرماتے ہیں بڑی مصیبت میں پڑ گیا کہ اب کروں تو کیا کروں۔ 23 نمبر میں سے 50 تو میں نہیں دے سکتا تھا۔ پس ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو کوشش ہی نہیں کرتے۔

ظاہر ہے جو آدمی Attempt ہی نہ کرے اس کے لئے آگے رستہ کیسے نکل سکتا ہے اس لئے آپ Attempt تو کریں۔ کوئی خراب چیز بنائیں۔ کچھ کمزور بنائیں۔ دوسروں سے ناقص بنا لیں لیکن احمدی کی بنی ہوئی چیز ہو دیکھ کر مزا تو آئے۔ آپ نے بچوں کو نہیں دیکھا وہ اپنی روٹی پکاتے ہیں۔ جلی ہوئی بھی ہو تو بڑے شوق سے کھا لیتے ہیں اور ماں باپ کی اچھی پکی ہوئی روٹی میں کیڑے نکالتے ہیں اور ایسی روٹی بھی جو کچی ہو یا جلی ہوئی ہو (عموماً ان کی ایسی ہی ہوتی ہے کچھ کچی ہوتی ہے کچھ جلی ہوئی ہوتی ہے اور ماں باپ منع کرتے رہتے ہیں کہ پیٹ میں درد ہوگا) پھر بھی وہ کھاتے ہیں اور کہتے ہیں بہت اچھی پکی ہوئی ہے اور پھر زبردستی ماں باپ کو بھی کھلاتے ہیں۔ تو آپ کچی یا جلی جیسی بھی ہو کچھ کریں تو سہی اور ساتھ مجھے بھی دکھائیں

میں بھی آپ کے ساتھ لطف اٹھاؤں گا۔ بہرحال احمدیت کے قافلہ کو ہر منزل میں قدم آگے بڑھانے چاہئیں۔ ہر میدان میں آگے نکلنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

پس ایک یہ لائن ہے جس میں قریباً صفر کے برابر حال ہے۔ کوئی اپنی لائن میں یا اپنے مضمون میں غیر دنیا پر سبقت لے جانے کی کوشش ہی نہیں کر رہا۔ اب مثلاً آرکیٹکٹ ہیں۔ میں نے بیرونی دنیا میں دیکھا ہے آرکیٹکٹ بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہے ہیں اور ایسے ایسے عجیب نقشے بنا رہے ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ پہلے دماغ میں یہ نقشہ کیوں نہیں آیا۔ Genius کی ایک بڑی اچھی تعریف یہ کی گئی ہے۔ ایک تعریف کے مطابق Genius اس کو کہتے ہیں جو Obvious بات کو محسوس کر رہا ہے، جس کو دنیا کا کوئی آدمی محسوس نہ کرتا ہو۔ ہو Obvious لیکن اور کسی کو نہ پتہ لگے، اس کو پتہ لگ جائے۔ تو ایسی Obvious باتیں ہیں۔ بعض زاویئے صرف بدلے ہیں۔ اس سے عمارت کی کیفیت ہی پلٹ گئی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ انجینئرز نے پہلے کیوں نہیں یہ زاویئے سوچ لئے۔

ماحول سے Ideas سیکھیں

پس جس کا دماغ زندہ رہے گا تازہ تازہ مضمون اس میں پڑتے رہیں گے۔ وہی کامیاب ہوگا۔ لیکن اگر سو جائیں جس طرح بعض دوست تقریب میں اس سے پہلے جو انٹروڈکشن ہوئی تھی اس میں سو رہے تھے تو ان بیچاروں کو کیا پتہ لگے گا کہ کیا اعداد و شمار پڑھے جا رہے ہیں اور کیا ہو رہا ہے۔ اس لئے زندگی میں بھی باشعور رہیں۔ جاگتے ہوئے وقت گذاریں۔ ماحول کو دیکھیں اس سے Ideas سیکھیں۔ پھولوں کو دیکھیں ان سے حسن سیکھیں، حسن کی ادائیں معلوم کریں حسن میں ایک رنگوں کا امتزاج ہے جو بہت بڑا کردار ادا کرتا ہے تو آرکیٹکٹ رنگوں کی آمیزش کو پھولوں سے سیکھ سکتا ہے۔ تتلیوں سے سیکھ سکتا ہے۔ نئے نئے تجربے کر سکتا ہے۔ جرأت ہونی چاہیے۔ نئے تجربہ کے لئے دل میں لگن ہونی چاہیے پھر سب کچھ ممکن ہے۔

ہر مضمون میں جتنے بھی شعبے ہیں وہ سب میرے پیش نظر ہیں۔ ایسا لگتا ہے بس سوئے سوئے سے زندگی گذار رہے ہیں۔ اپنے دفتر میں روزمرہ کا کام کیا۔ گھر واپس آ گئے اور سمجھ لیا کہ سارا کام ٹھیک ہو گیا۔ یہ زندگی نہیں ہے۔

زندگی وقت کے ایک بامقصد مصرف کا نام ہے

زندگی وقت کے ایک بامقصد مصرف کا نام ہے جب یہ زندگی میسر آجائے تو انسان ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا وارث بن جاتا ہے اور خود لطف اٹھاتا ہے۔ چنانچہ نیوٹن کے نوکر نے نیوٹن کے متعلق بیان کیا کہ اس نے نیوٹن کو کبھی سوئے ہوئے نہیں دیکھا۔ لوگ اس کو زبردستی پکڑ کر کہیں تقریر کے لئے لے جائیں تو لے جائیں ورنہ وہ دن رات کام کرتا رہتا تھا۔ ہم رات کو سوتے تھے وہ جاگ رہا ہوتا تھا۔ صبح ہم اٹھتے تھے تو وہ اٹھا ہوا ہوتا تھا۔ یا کتابیں تھیں یا تجربے تھے جن میں دن رات لگا رہتا تھا۔ تیسری چیز تو اس میں کوئی تھی ہی نہیں۔ ایسا کیوں تھا۔ وہ محض محنت نہیں کر رہا تھا اس کو ان چیزوں میں مزہ آرہا تھا اور یہی زندگی کے بالذت ہونے کا نسخہ ہے۔ زندگی بامقصد ہو جائے اور اس مقصد کے تابع خرچ ہونے لگے تو لطف آنا شروع ہو جاتا ہے۔ دنیا سمجھتی ہے کہ وہ مصیبت میں پڑا ہوا ہے، اتنا وقت دے رہا ہے تھک جائے گا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اس کو زندگی کے ہر اس لمحہ میں مزہ آرہا ہوتا ہے جو زندگی کے اس مقصد کی پیروی میں خرچ کرتا ہے اس سے ہٹ کر جو زندگی کا لمحہ ہوتا ہے اس میں وہ بور ہو رہا ہوتا ہے۔ اب لوگ مسجد میں جا کر بور ہو رہے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد سے نکل کر بور ہوتے تھے۔ بعض روایتوں میں آتا ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل مسجد میں اٹکا ہوتا تھا۔ بوریت کا یہی مطلب ہے۔ باہر دل نہیں لگتا تھا۔ جب وقت ملتا تھا کاموں سے فراغت ملتی تھی تو مسجد میں جا کر دل لگ جاتا تھا۔ تو یہ صرف زاویۂ نظر کے اختلاف کی بات ہے۔ کام اپنی ذات میں لذت ہے اگر مقصد کے تابع ہو جائے۔ اس لئے مقصد بلند کریں اپنی ہمتوں کو بلند کریں۔ انفرادی طور پر بھی Productive ہوں اور مضامین کے سلسلہ میں بھی سرگرم ہوں۔ آپ کے جو رسالے نکل رہے ہیں ان میں بھی اور اپنی مجالس میں بھی آپ ایسے مضامین پڑھیں جو دماغوں کو انگیخت کریں۔

سائنسدانوں کے حالات پڑھیں

مثلاً سائنسدانوں کی زندگیوں کے حالات ہیں یہ کیوں نہیں بار بار پڑھتے۔ میرا خیال ہے **آپ میں سے اکثر ایسے ہوں گے جنہوں نے تعلیم سے فراغت کے بعد اس بات میں دلچسپی لینی چھوڑ دی کہ ہماری برادری کے سائنس دانوں پر کیا گزری** کس زمانہ میں کیا ہوا، کس طرح وہ آگے نکلے، ان کی

کیا مشکلات تھیں۔ حالانکہ جب آپ ان کے حالات پڑھیں گے تو وہ حالات پڑھتے پڑھتے ہی اللہ تعالیٰ آپ کے ذہن کی کھڑکیاں بھی ساتھ ساتھ کھول رہا ہوگا۔ کئی جگہ آپ کی نظر وہاں سے ہٹ جائے گی اور خیال میں ایک اور فلسفہ جنم لینے لگ جائے گا۔

پس آپ اپنے فن سے اپنے آپ کو باتعلق رکھیں۔ اس کے بہت سے ذریعے ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ پرانے اور نئے سائنس دانوں کی زندگی کے حالات پڑھیں۔ اس کے علاوہ آج کل دنیا میں نئی نئی ایجادات ہو رہی ہیں، ان پر پیپر پڑھیں۔ آپس میں تبادلۂ خیال کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

زندگی نام ہی کام کا ہے

اس سلسلہ میں آپ کی مجلس عاملہ کا ایک بہت بڑا کردار ہے جو اس کو ادا کرنا چاہیے۔ مجلس عاملہ ایک سے زیادہ دفعہ اجلاس منعقد کرے اور یہ جائزہ لے کہ ہمارے انجینئر بھائی Active ہیں بھی یا نہیں اور بار بار ان کی نگرانی کی جائے۔ اسی طرح غیر ملکوں میں احمدیوں کی بہت بڑی تعداد آپ کی ایسوسی ایشن میں شامل نہیں ہے۔ رپورٹ میں کمپیوٹر کے سپیشلسٹ جو بتائے گئے ہیں وہ غالباً تین ہیں حالانکہ صرف انگلستان میں ان کی تعداد اس سے زیادہ ہے۔ میں ان سے مل چکا ہوں۔ Hardware میں بھی خدا کے فضل سے بہت ہیں۔ تین تو میں نے وہاں گنے تھے اور ابھی سارے مجھ سے مل بھی نہیں سکے تھے۔ چار یا پانچ Software کے سپیشلسٹ ہیں۔ غرض احمدی انجینئرز کی بڑی بھاری تعداد ہے جو مختلف ملکوں میں آپ سے کٹ کر الگ بیٹھی ہوئی ہے۔ ان سب کو ایسوسی ایشن میں شامل کریں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے۔

زندگی کے بہت بڑے کام ہیں۔ زندگی نام ہی کام کا ہے اس لئے آپ اس بات سے نہ گھبرائیں کہ ہمارے پاس پہلے ہی کام زیادہ ہیں اب ایک اور کام مل گیا۔ آپ کو تو یہ سوچنا چاہیے کہ دلچسپیاں کم تھیں ایک اور دلچسپی مل گئی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ 22 فروری 1983ء)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے افتتاحی خطاب

فرمودہ 15 اکتوبر 1982ء

☆ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا کلام یاد کریں
☆ دین کی جان محبت اور عشق میں ہے
☆ کسی نوع کی بھی دلآزاری ہمارے احمدی خدام کی طرف سے ظاہر نہیں ہونی چاہیے
☆ ہمیں اپنے وطن سے محبت ہے
☆ ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن کو پکڑا ہے......ایک لمحہ کے لئے بھی اِس دامن کو نہیں چھوڑنا
☆ احمدیت مستقل قربانیوں کا ایک لائحہ عمل ہے

❦

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

حال ہی میں مجھے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ توفیق عطا ہوئی کہ بیت سپین کے تاریخی افتتاح کا اعلان کرتا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سعادت بھی بخشی کہ ہر جگہ اس کے فضلوں کے بے شمار رنگ ظاہر ہوتے ہوئے دیکھے۔ جس طرح بارش میں قطرے گرتے ہیں اس طرح ہر طرف سے اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی برسات ہوتی ہوئی دیکھی۔ اس تصور سے دل حمد سے بھر جاتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ جب دل حمد سے بھر جائے تو چھلکنے بھی لگتا ہے۔ اس کیفیت میں جب آج حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی نظم سنی تو دل کی جو حالت ہوئی وہ ناقابل بیان ہے۔ کوئی الفاظ نہیں جن میں اس کیفیت کو بیان کیا جاسکے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا پاکیزہ منظوم کلام یاد کریں

کیسی پیاری راہ حمد کی ہمارے لئے آپ نے معین کر دی ہے۔ انکساری اور عاجزی کی کیسی حسین شاہراہ ہمارے لئے کھول دی ہے۔ یہ وہی شاہراہ ترقی (دین حق) ہے جس پہ چل کر ہمیں فتوحات نصیب ہوں گی۔ یہ وہی رستہ ہے جس رستے سے خدا ملتا ہے۔ بے شمار رحمتیں ہوں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام پر کہ جنہوں نے انانیت کی ساری راہیں بند کر دیں اور عاجزی کی ساری راہیں کھول دیں۔ ایک ایک شعر، ایک ایک مصرعہ، ایک ایک لفظ سچائی میں ڈوبا ہوا ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا کلام ہی آپ کی سچائی کی دلیل ہے۔ کوئی سعید فطرت انسان اگر اس کلام کو سنے تو ممکن نہیں ہے کہ وہ اس کلام کے کہنے والے کے حق میں اس کی سچائی کی گواہی نہ دے۔ حیرت انگیز طور پر پاکیزہ جذبات۔ عشق میں ڈوبا ہوا یہ کلام سن کر روح پر وجد طاری ہو جاتا ہے۔

جب یہ کلام پڑھا جا رہا تھا تو میں یہ سوچ رہا تھا کہ وہ احمدی نوجوان جو یہ کہتے ہیں کہ ہم دعوۃ الی اللہ

کیسے کریں؟ ہمیں دلائل یاد نہیں، ہمیں ملکہ نہیں کہ مناظرہ کرسکیں، ہمیں عربی نہیں آتی، ہمیں استدلال کا طریق معلوم نہیں، میں سوچ رہا تھا کہ انہیں اس سے زیادہ اور کس چیز کی ضرورت ہے کہ وہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا کلام یاد کریں اور درویشوں کی طرح گاتے ہوئے قریہ قریہ پھریں اور اسی کلام کی منادی کریں اور دنیا کو بتائیں کہ وہ آ گیا ہے جس کے آنے کے ساتھ تمہاری نجات وابستہ ہے۔

ایسا پر اثر کلام، ایسا پاکیزہ کلام، ایسا حکمتوں پر مبنی کلام، خدا کی حمد کے گیت گاتا ہوا ایسا کلام جس کے متعلق بے اختیار یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ ؎

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

حقیقت یہ ہے کہ جب حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے یہ شعر کہا ہوگا تو یقیناً اور لازماً آسمان پر ملائکہ بھی آپ کے ہم آواز ہوکر یہ شعر گا رہے ہوں گے اور وہ ساری حمد آپ کے پیچھے پڑھ رہے ہوں گے جو خدا کی حمد میں آپ نے اظہار محبت اور عشق کیا۔

حقیقت یہ کہ ہے (دین حق) کی جان محبت ہے۔ دین کی حقیقت عشق ہے۔ وہ دین جو محبت اور عشق سے عاری ہے اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔ نہ وہ زندہ رہنے کے لائق ہے، نہ وہ زندہ رکھنے کے قابل ہے۔ روح ہے زندگی کی اور ادیان کا فلسفہ اس بات میں مضمر ہے کہ خدا سے محبت کی جائے اور ایسی محبت کی جائے کہ دنیا کی ہر چیز پر وہ محبت غالب آ جائے۔ کوئی وجود اس سے زیادہ پیارا نہ رہے۔ کوئی ساتھی اس سے زیادہ عزیز تر نہ ہو۔ یہ محبت جب زندگی کے ہر دوسرے جذبے پر غالب آ جاتی ہے تو اس وقت وہ لوگ پیدا ہوتے ہیں جنہیں خدا نما وجود کہا جاتا ہے۔ یہی سب سے بڑا ہتھیار ہے جس سے دنیا کے قلوب فتح کئے جائیں گے۔ یہی وہ ہتھیار ہے جس نے بہر حال غالب آنا ہے۔

ہمارا پیغام محبت

چنانچہ جب میں سپین گیا تو ان لوگوں کے دل میں بھی کئی قسم کے توہّمات تھے۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ شاید ہمیں Moors کی طرح جنہوں نے پہلے فتح کیا تھا، دوبارہ کسی قوت کے زور سے، کسی ہوشیاری سے، کوئی سکیم بنا کر فتح کرنے کے ارادے ہیں۔ اسی لئے میں نے اپنے پیغام میں اس بات کو خوب کھول دیا اور

واضح کر دیا کہ محبت کے سوا ہم اور کوئی پیغام لے کے نہیں آئے۔ایک موقع پر ایک پریس کے نمائندے نے مجھ سے سوال کیا کہ آپ آخر کیا کرنے آئے ہیں؟ اس مقصد کو واضح تو کریں۔ میں نے ان سے کہا کہ ہم یہ کرنے آئے ہیں کہ تلوار نے جس ملک کو مسلمانوں سے چھینا تھا، محبت سے ہم اس ملک کو دوبارہ فتح کر لیں۔اس کے سوا ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔

اور یہ پیغام ایسا ہے جس پیغام کا مقابلہ دنیا میں کسی طاقت کے بس کی بات نہیں۔ جب سے انسان دنیا میں پیدا ہوا ہے، مذاہب کی تاریخ پر آپ نظر ڈالیں، محبت ہمیشہ جیتی ہے اور نفرت ہمیشہ ہاری ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ اس اٹل تقدیر کو دنیا کی کوئی قوم بدل سکے۔

خدام احمدیت

اس لئے خدام احمدیت بھی محبان احمدیت ہونے چاہئیں، عاشقان احمدیت ہونے چاہئیں۔ ان کے دل میں ولولے ہوں پیار اور محبت اور عشق کے۔ کیونکہ اس کے سوا ہمارے پاس اور کوئی طاقت نہیں اور اس کے سوا ہم دنیا کو فتح کرنے کا کوئی اور ذریعہ اپنے ہاتھ میں نہیں پاتے۔

ایک موقع پر بریڈفورڈ (انگلستان) میں ایک اخباری نمائندے نے مجھ سے ایک سوال کیا۔ وہ ایسی نوعیت کا سوال تھا۔خصوصاً اس پہلو سے اس نے اپنی مطلب براری چاہی کہ آپ محبت کا پیغام تو دیتے ہیں مگر آپ یہ بتائیں کہ جن لوگوں نے آپ پر مظالم کئے ہیں اور شدید مظالم کئے ہیں ان کے لئے آپ کا کیا پیغام ہے؟ میں نے ان کو بتایا کہ ان کے لئے بھی ہمارے دل میں سوائے پیار اور محبت اور رحمت کے اور کوئی جذبہ نہیں۔ جب میں یہ کہہ رہا تھا تو اس وقت مجھے ایک پرانی رؤیا یاد آئی جس میں بعینہٖ یہی مضمون بیان کیا گیا تھا۔لیکن فی الحال اس وقت میں اس کو آپ کے سامنے بیان نہیں کروں گا۔ میں نے وہ رؤیا جب اس کے سامنے بیان کی تو اس کے چہرے پر اطمینان ظاہر ہوا اور بے اختیار سارے تردّد اور شک کے بادل چھٹ گئے اور پوری طرح مطمئن ہو کر اس نے پھر مزید باتیں دریافت کیں اور رنگ بدل گیا اور شک کی بجائے اس کی آنکھوں میں بھی میں نے محبت کے آثار دیکھے۔

تو حقیقت یہ ہے کہ محبت ایک ایسا ہتھیار ہے جس کے مقابل پر دنیا نے کبھی کوئی ہتھیار نہ ایجاد کیا ہے، نہ کر سکتی ہے۔اس نے لازماً فتحیاب ہونا ہے۔

اس لئے ہم جو آج نفرتوں کی آندھیوں میں گھرے ہوئے ہیں، ہم جو آج ایسی کمزور حالت میں اپنے آپ کو پاتے ہیں کہ جو قدم ہم اٹھائیں وہ بُغض اور نفرت پیدا کرنے کا موجب بن جاتے ہیں۔ جو نیکی ہم کریں وہ فتنہ وفساد شمار کی جاتی ہے۔ جو خدمت دینِ حق کے لئے ہم اقدام کریں اسے انتہائی حسد اور بغض کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ اس ساری صورت حال کا علاج بھی یہی ایک لفظ ''محبت،، ہے۔ کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا نے ہمیشہ محبتوں سے نفرتوں پر فتح پائی ہے۔ اسے جتنی مرتبہ بھی میں بیان کروں کم ہے۔

میں یہ بات خاص طور پر اس لئے آج آپ کے سامنے واضح کرنا چاہتا ہوں کہ (بیت الذکر) سپین کا یہ بابرکت اقدام جس کی توفیق اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی محض اپنے فضل کے ساتھ۔ اس نے بھی بعض دلوں میں بغض اور نفرت پیدا کردی۔ حیرت انگیز بات ہے۔ انسان بظاہر سوچ بھی نہیں سکتا کہ ایک نیک کام کے نتیجے میں نفرت کیسے پیدا ہوسکتی ہے۔ رشک تو پیدا ہوسکتا ہے، یہ افسوس اور حسرت تو پیدا ہو سکتے ہیں کہ کاش! ہم یہ کام کرتے لیکن نیک کام کے نتیجے میں نفرت پیدا ہونا عقلِ انسانی کے خلاف ایک مظاہرہ ہے۔ یہ واقعات بھی ہم سے گزر رہے ہیں اور خطرہ ہے کہ نوجوان جو اپنے اندر گرم خون رکھتے ہیں وہ کسی وقت بے اختیار ہو جائیں اور ان منافرانہ جذبات سے مغلوب ہو کر وہ بھی کوئی ایسا کلمہ دل سے نہ نکال دیں جو اپنے اندر تلخی رکھتا ہو۔ اس لئے تمام نوجوانوں کو میں خصوصیت کے ساتھ یہ نصیحت کرتا ہوں کہ آپ نے ہرگز کسی رنگ میں بھی دلآزاری نہیں کرنی۔ آپ کے عہد بیعت میں یہ الفاظ داخل ہیں کہ میں کسی کا دل نہیں دکھاؤں گا۔ اس لئے کسی نوع کی بھی دلآزاری ہمارے احمدی خدام کی طرف سے ظاہر نہیں ہونی چاہیے۔ جو بری بات کہتا ہے، جو تلخ بات کہتا ہے، جو نفرت کی نگاہ سے آپ کو دیکھتا ہے اس کے سامنے عجز کا اظہار کیجئے، گر جایئے، سچے ہو کر جھوٹوں کی طرح تذلل اختیار کیجئے، معافی مانگیے۔ اس سے کہیں ہمارا مقصد ہرگز دلآزاری نہیں تھا۔

ہمیں اپنے وطن سے محبت ہے

یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ملک کی فضا مختلف عوامل کی وجہ سے خراب ہوتی چلی جا رہی ہے۔ ہمیں اپنے وطن سے محبت ہے۔ ہم یقین رکھتے ہیں کہ ہم اس محبت میں سب سے پیش پیش ہیں۔ قطع نظر اس کے کہ وطن ہم سے کیا سلوک کرے، ہم بہرحال اس وطن کے لئے ہر خطرے میں انشاء اللہ سب سے آگے کھڑے ہوں گے۔ ہر وہ تیر جو اس وطن کی طرف چلایا جائے گا احمدیوں کی چھاتیاں سب سے

آگے ہوں گی ان تیروں کو لینے کے لئے۔ اس لئے کسی رنگ میں بھی احمدی نوجوان کو کوئی ایسا اقدام نہیں کرنا جس کے نتیجے میں وطن کے سکون اور امن کی فضا کسی رنگ میں بھی خراب ہو۔ وہ تیر چلاتے ہیں تو آپ تیر چلنے دیں۔ کیونکہ وہ تیر آپ کی طرف نہیں بلکہ آپ کے دین کی طرف چلائے جا رہے ہیں۔ تیر آپ کی طرف نہیں بلکہ اس خدا کی طرف چلایا جا رہا ہے جس خدا کے آپ بندے ہیں۔ اس لئے ان تیروں کا نگہبان ہمارا خدا ہوگا ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ ہمارا فیصلہ آسمان کے دربار میں ہے۔ ہمارا فیصلہ آسمانی دربار میں ہے اور خدا جو خیر الفاتحین ہے وہی یہ فیصلہ کرے گا کہ آج کی دنیا میں کون حق پر تھا اور کون باطل پر تھا۔ کس کا کردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلاموں کا سا کردار تھا اور کس کا کردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دشمنوں کا سا کردار تھا۔ اس لئے یہ فیصلہ ہم اپنے رب کے سپرد کر چکے ہیں۔ ہمیں اس کی کوئی پرواہ نہیں کہ اس کے بعد ہم پر کیا گزرتی ہے۔ ہم اپنے رب کے حوالے ہیں اور جانتے ہیں کہ وہ نعم المولیٰ اور نعم الوکیل ہے۔ اس سے بہتر نہ کوئی مولا، نہ کوئی آقا ہے۔ نہ اس سے بہتر ہمارا کوئی نگران اور متولّی ہوسکتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں اپنی باگ ڈور پکڑا کر اس بات سے کلیۃً بے نیاز ہو جائیں کہ آپ پر کیا گزرتی ہے۔

حضرت مصلح موعود نے بڑے ہی پیارے رنگ میں ایسے ہی درد کے موقعوں پر نصیحتیں فرمائی ہیں۔ آپ فرماتے ہیں ؎

وہ تم کو حسین بناتے ہیں اور آپ یزیدی بنتے ہیں
یہ کیا ہی سستا سودا ہے دشمن کو تیر چلانے دو
تم دیکھو گے کہ انہیں میں سے قطراتِ محبت ٹپکیں گے
بادل آفات و مصائب کے چھاتے ہیں اگر تو چھانے دو

اس لئے یہ پیغام ہے آپ کو۔ اس کو ہرگز نہ بھلائیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات سے غافل نہ ہوں کہ ہم نے اپنا کوئی انتقام نہیں لینا۔ نہ بددُعا کرنی ہے کیونکہ یہ بھی انتقام کا ایک ذریعہ ہے۔ سوائے خیر کی دعا کے ہمارے منہ سے کوئی کلمہ بھی قوم کے لئے نہیں نکلنا چاہیے۔ وہ جس حد تک زیادتی کرتے ہیں کرتے چلے جائیں، ان کا جو پیمانہ ہے زیادتی کا وہ بھرنے دیں اور چھلکنے دیں۔ لیکن جہاں تک ہماری ذات کا تعلق ہے ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہی کا دامن پکڑا ہے اور اس دامن کو مضبوطی سے پکڑے

رہنا ہے ایک لمحہ کے لئے بھی اس دامن کو نہیں چھوڑنا۔

وہ دامن ہم سے کیا تقاضے کرتا ہے؟ وہ دامن ہمیں طائف کی یاد دلاتا ہے۔ کیسی حسین یاد ہے، کیسی پیاری یاد ہے ہر چند کہ درد سے بھری ہوئی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک غلام کو لے کر، مکہ سے مایوس ہوکر طائف کی بستی میں چلے جاتے ہیں۔ وہ ایک پہاڑی علاقہ ہے، پتھریلا، سنگلاخ۔ لیکن جتنی وہ زمین سنگلاخ تھی اس سے زیادہ ان لوگوں کے دل سنگلاخ تھے جو وہاں بسا کرتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف امن کا پیغام لے گئے تھے، رحمت اور محبت کا پیغام لے گئے تھے، کوئی دلآزاری کی بات آپؐ نے نہیں کی۔ ان کو خدائے واحد و یگانہ کی طرف آپؐ نے بُلایا اور اس کے جواب میں آپؐ کو گالیاں دی گئیں، آپؐ پر پتھر برسائے گئے۔ گلیوں کے اوباش اور لونڈے جھولیوں میں پتھر ڈال کر اس حال میں آپؐ کو وداع کہنے گئے کہ سر سے پاؤں تک آپؐ کا بدن لہولہان ہو چکا تھا۔ آپؐ کے جوتے خون سے بھر گئے تھے اور اس پھسلن کی وجہ سے چلنا دشوار ہو رہا تھا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل وقار کے ساتھ، کسی جلدی میں نہیں، بلکہ نہایت متانت کے ساتھ قدم اٹھاتے ہوئے، اس بستی کو دعائیں دیتے ہوئے اس حال میں باہر نکلے۔ باہر نکلے، ایک تاکستان تھا اس کے کنارے آپؐ ستانے کے لئے بیٹھ گئے۔ دل کی عجیب کیفیت تھی۔ غم والم سے گداز دل تھا۔ ایسی حالت میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر آسمان سے وہ فرشتہ نازل ہوا جو ملک الجبال تھا۔ یعنی وہ فرشتہ جسے پہاڑوں پر قدرت دی گئی تھی۔ اس نے عرض کی کہ یا رسول اللہ! خدا آج بڑا غضبناک ہے۔ آپ کے ساتھ اس بستی نے آج جو ظلم کا سلوک کیا ہے اس پر اللہ تعالیٰ ایسا غضبناک ہے کہ اس نے مجھے حکم دیا ہے کہ اگر آج محمد مصطفیٰؐ چاہیں تو دو پہاڑوں کو جو بستی کے دائیں اور بائیں ہیں اس طرح ملا دوں کہ ہمیشہ کے لئے اس بستی کا نام ونشان مٹ جائے۔ وہ دل جس کے زخم ابھی تازہ تھے، جس کا خون ابھی بدن سے رِس رہا تھا، ابھی وہ خشک نہیں ہوا تھا، جب زخم تازہ ہوں وہ وقت ہوتا ہے انتقام کا، جب تازہ تازہ صدمہ پہنچا ہو وہ وقت ہوتا ہے بے صبری دکھانے کا۔ مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ہماری جان، ہمارے مال، ہمارے ماں باپ، ہمارا سب کچھ فدا ہو، اس دکھ کی انتہائی حالت میں جب اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے، بغیر کسی بددعا کے، اس قوم کو مٹانے کا فیصلہ فرمایا تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ عرض کی کہ اے خدا! میں تو رحمت ہوں۔ مجھے تو بنی نوع انسان سے کوئی دشمنی نہیں۔ جو دکھ ہے وہ اپنی جان پر لوں گا۔ یہ آپؐ کی کیفیت تھی۔ عرض یہ کیا:-

اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَایَعْلَمُوْنَ اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِی فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ

(نور الیقین فی سیرۃ سید المرسلین مولفہ محمد حضرتی بک ص 67)

کہ اے میرے رب! میری التجاء صرف یہ ہے کہ میری قوم کو ہدایت دے دے کیونکہ لاعلمی میں یہ سلوک کر رہے ہیں۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ کائنات کے مالک کا واحد نمائندہ آج ان کے پاس آیا ہوا ہے۔ ان کو معلوم نہیں کہ وہ آیا تھا جس کی خاطر دنیا کو بنایا گیا تھا۔ لَوْ لَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَ فْلَاکَ (موضوعات کبیر ص59) کے فلسفہ اور حقیقت سے یہ لوگ نا آشنا ہیں۔ کچھ پتہ نہیں کہ کس سے کیا سلوک کر رہے ہیں؟ اس لئے اے میرے اللہ! جاہلیت کی باتیں ہیں تُو ان کو معاف فرما۔ معاف ہی نہ فرما بلکہ ان کو ہدایت نصیب فرما دے اور ان کی نسلوں سے عبادت گزار بندے پیدا فرما۔

دیکھئے! دکھے دل کی دعا اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دکھے ہوئے دل کی دعا کیا رنگ لاتی ہے؟ چند سال کا عرصہ نہیں گزرتا کہ طائف کی ساری بستی مسلمان ہو جاتی ہے۔ وہ جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کا خون بہانے والے تھے وہ اپنے خون کا آخری قطرہ تک اسلام کی خاطر بہانے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں اور پھر بھی وہ حسرتیں باقی رہ جاتی ہیں۔ وہ یاد حسرت بن کر دل میں کسکتی رہتی ہے کہ کیوں ہم نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ سلوک کیا؟ بڑی بڑی قربانیاں دیں ان لوگوں نے بعد میں۔ اسلام کی خاطر بے محابا اپنے خون بہائے ہیں لیکن وہ دھبہ پھر نہ مٹ سکا جو ظلم کا دھبہ تھا۔ اور قیامت تک طائف کے نام کے ساتھ اس ایک ظلم کی یاد وابستہ رہے گی جو ہزار ظلموں پر بھاری تھا۔

پس یہ ہیں ہمارے آقا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ اے خدا! جب تک کائنات باقی ہے اور اس کے بعد بھی، ہمیشہ ہمیش بے شمار درُود اس رحمۃ للعالمین پر بھیجتا رہ۔ بے شمار برکتیں آپؐ پر نازل فرماتا رہ۔ اپنے دکھ ہم برداشت کریں گے تیری خاطر اور تیرے اس محبوبؐ کی خاطر جو ہمارا آقا ہے۔

اے اللہ! تو اس قوم پر رحم فرما یہ نہیں جانتے کہ یہ کیا کر رہے ہیں۔ ہم تو سوائے ان کی بھلائی کے اور کچھ نہیں چاہتے۔ ان کے لئے رحمت کی دعاؤں کے سوا ہمارے قبضے میں کچھ نہیں ہے۔ ان کے ظلم کے نتیجے میں ہم سوائے اس کے کہ مغفرت کی دعائیں کریں اور کچھ نہیں چاہتے۔ تو ان کو ہدایت دے دے۔

مسیح موعود علیہ السلام کی دعا کو شعار بنائیں

صرف یہی نہیں بلکہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے اس شعر کو یاد کرتے ہوئے اپنے دل میں درد پیدا کر کے دعائیں کریں کہ ؎

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعویٰ حُبِّ پیمبرمؐ

حضرت اقدس مسیح موعودؑ کو جب تکلیفیں پہنچائی گئیں اور انتہا کر دی گئی ایذاء رسانی کی اور دکھ پہنچانے کی۔ ہر قسم کی، ہر نوعیت کی جذباتی جسمانی جو تکلیف بھی دشمن نے سوچی وہ آپ کو پہنچانے میں کمی نہ کی، اس وقت اسی انتہائی دکھے ہوئے حال میں، معلوم ہوتا ہے، آپؑ نے یہ شعر کہا ہے۔ دل جب دکھ سے بھر گیا تھا، جب چھلکنے کو تیار تھا، یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ وقت جب انسان کے منہ سے بے اختیار بددعا نکل جاتی ہے، اس وقت ایک غالب ہاتھ نے ان جذبات کو روک دیا ہے اور آپؑ نے اپنے رب کے حضور یہ عرض کیا اور اپنے دل کو نصیحت کی کہ ؎

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعویٰ حبِّ پیمبرمؐ

کہ یہ تو خیال کر کہ جس آقاؐ کی محبت میں تو سرشار ہے، جس کے لئے تو سب کچھ فدا کرنے کے لئے تیار بیٹھا ہے یہ اسی آقاؐ کی محبت کا دعویٰ کرنے والی قوم ہے۔ اس آقاؐ کی محبت کے صدقے ان کو معاف کر دے۔ اس آقاؐ کی رحمت کے صدقے ان سے حسن سلوک فرما اور اس کے سوا ان کے لئے کسی بری بات کو کسی گوشہ میں جگہ دینے کا دھیان نہ کر کیونکہ تو محمد مصطفیٰؐ کے قدموں کا نثار دل ہے جس میں رحمت کے سوا اور کوئی جذبہ نہیں پنپنا چاہیے۔

یہ وہ نصیحت ہے جو حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے اپنے دل کو کی اور اس کے نتیجے میں ایک دعا آپ کے دل سے نکلی۔ اس دعا کو ہر احمدی کو اپنا شعار بنانا چاہیے۔

حقیقت یہ ہے کہ دو مختلف، متضاد دعویداران محبت آج دنیا میں پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا دعویٰ کرتے ہوئے، اس محبت کے نتیجے میں، اپنی دانست میں اتنا بڑھے ہوئے ہیں کہ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ کوئی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام لے۔ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے نام کو بلند کرتے ہوئے کوئی انسان دنیا میں (بیوت الذکر) بنائے۔ یہ بھی برداشت نہیں کر سکتے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کو پھیلانے کے لئے تمام دنیا میں کوئی انسان دیوانوں کی طرح پھرتا چلا جائے اور سب کچھ نثار کرتا ہوا حضور

اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی صداقت کا اعلان کرتا رہے۔ یہ عجیب محبت ہے۔ عجیب تقاضے ہیں اس محبت کے۔ ہمیں تو اس محبت کی کوئی سمجھ نہیں آتی۔ ہم تو اس محبت سے کلیۃً نا آشنا ہیں۔ ہم تو یہ جانتے ہیں کہ اگر کسی سے محبت ہو تو دشمن بھی اس کی تعریف کرے تو دل اس دشمن پر فدا ہونے لگتا ہے۔ ہم تو صرف اس محبت سے واقف ہیں کہ اگر معاند سے معاند انسان بھی کسی کے محبوب کی تعریف کرنے لگ جائے تو دل اس پر نچھاور ہونے لگتا ہے اور اسے معاف کرنے پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ جب کوئی ماؤں سے معافی مانگنا چاہے تو بچوں پر نثار ہوا کرتا ہے۔ ان کے بچوں کو دعائیں دیتے ہیں فقیر۔ جانتے ہیں کہ ماں بچے سے سچی محبت کرتی ہے۔ اگر ہم نے اس کے بچے سے پیار کا اظہار کیا تو ماں کی منافرت پر ہماری یہ بچوں والی محبت غالب ہو جائے گی۔ کیونکہ ماں حقیقتاً اپنے بچے سے سچا پیار کرتی ہے۔ جو سچا پیار کرنے والا ہو وہ دوسرے کے پیار سے جلتا نہیں ہے۔ دوسرے کے پیارے سے دشمنی محسوس نہیں کرتا۔ دوسرے کے پیار کے نتیجے میں اپنی دشمنیاں بھلا دیا کرتا ہے۔ پس ہم تو صرف اس محبت سے آشنا ہیں۔

اس لئے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم سے اگر ہمیں سچی محبت ہے، اگر سچا پیار ہے تو اس کے نتیجے میں ہماری تو یہ کیفیت ہے کہ ؎

ان کو آتا ہے پیار پر غصہ
ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے

وہ اس بات پہ نالاں ہیں، اس بات پہ شکوہ کر رہے ہیں، ناراض ہیں ہم سے، معاف کرنے کے لئے تیار نہیں، کہتے ہیں قتل کر دو ان کو کہ محمد مصطفیٰ ؐ کا نام محبت سے لے رہے ہیں۔ اس پیار پر ان کو غصہ آ رہا ہے کہ خدا کی خاطر یہ لوگ (بیوت الذکر) بنا رہے ہیں۔ اپنے دل کی کیفیت یہ ہے کہ ہم کو غصے پہ پیار آتا ہے۔ اس غصے کو ہم پیار کی نظر سے دیکھتے ہیں کہ بیچارے جاہل لوگ، ناسمجھ، نافہم بظاہر جو کچھ بھی غلط کر رہے ہوں، دل میں یہ سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خاطر یہ کیا ہے۔ اس وجہ سے ہمیں ان پہ پیار آتا ہے۔ اسی وجہ سے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا وہ شعر یاد آجاتا ہے کہ ؎

اے دل تو نیز خاطرِ ایناں نگاہ دار
کاخر کنند دعویٔ حبِّ پیمبرمؐ

کہ اے میرے دل! بڑے ظلم ہوئے ہیں تجھ پر، لیکن یہ بھی تو خیال کر کہ آخر میرے ہی محبوب محمدؐ کی محبت کے دعویدار ہیں یہ۔ اسی محمدؐ کی محبت کا دم بھر رہے ہیں یہ۔ اس لئے جو ظلم مجھ پر کرتے ہیں کر گزریں میں ان کو معاف کرتا چلا جاؤں گا۔

یہ تعلیم ہے احمدیت کی۔ اس تعلیم پر ہم نے بہر حال قائم رہنا ہے۔ اس محبت کے اعلان میں جو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کا اعلان ہے، ہمیں اس بات کی کوئی بھی پرواہ نہیں کہ ہم پر دنیا کیا ظلم توڑتی ہے اور کیا کر گزرتی ہے۔ ہم وفادار رہیں گے اس محبت سے۔ قائم رہیں گے اس محبت پر۔ دائم اور ہمیشہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے چمٹے رہیں گے۔ کیونکہ یہ وہ محبوب ہے جس کی محبت کے بعد پھر دنیا کی کوئی پرواہ باقی نہیں رہتی۔ مستغنی ہو جاتا ہے انسان اس بات سے کہ دنیا کیا سلوک کر رہی ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے اس محبت کے تقاضے پورے کرنے کی۔ یہ تقاضے بہت وسیع ہیں۔ یہ محض کوئی جذبات کا کھیل نہیں ہے۔ جہاں تک قربانیوں کا تعلق ہے میں جانتا ہوں اور پہلے بھی بارہا تاریخ اس بات کو آزما چکی ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دامن سے، دنیا کا کوئی جبر اور کوئی استبداد، احمدی کا ہاتھ الگ نہیں کر سکتا۔ یہ اس قوت کے ساتھ محمد مصطفیٰؐ کے قدموں پہ پڑا ہوا ہے کہ دنیا کی کوئی طاقت اس ہاتھ کو جدا نہیں کر سکتی۔ لیکن جہاں تک مستقل قربانیوں کا تعلق ہے، مثبت رنگ کی قربانیوں کا تعلق ہے وہ ایک بالکل الگ مضمون ہے۔ محبت کے تقاضے وہاں بدل جاتے ہیں۔ وہاں انسان کو روز بروز اپنی زندگی میں تبدیلیاں پیدا کرنی پڑتی ہیں۔ وہ بہت مشکل مقام ہے۔ اس اوّل مقام پر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جماعت احمدیہ ہمیشہ سے قائم ہے اور اس دوسرے مقام پر بھی بڑی شان کے ساتھ قائم رہی ہے۔ لیکن جہاں تک محبت کے دوسرے تقاضوں کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ کچھ کمزوریاں ظاہر ہونی شروع ہو گئی ہیں۔

محبت کے یہ تقاضے نماز کی طرف آپ کو بلاتے ہیں۔ محبت کے یہ تقاضے عبادت کا حق ادا کرنے کی طرف آپ کو بلاتے ہیں۔ محبت کے یہ تقاضے اس رنگ میں دعوۃ الی اللہ کی طرف آپ کو بلاتے ہیں جس رنگ میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبلیغ فرمائی۔ دن اور رات اپنا سب کچھ اللہ تعالیٰ کے دین پر، اس کے پیغام پر فدا کرنے کی طرف آپ کو بلاتے ہیں۔ یہ ایسے تقاضے نہیں ہیں جو جذبات کے ایک ہنگامے میں انسان اپنی جان قربان کر دیا کرتا ہے۔ اپنے جذبات سے اتنا مغلوب ہو جاتا ہے بسا اوقات کہ

ایک لمحہ کی وہ قربانی اس کو کوئی دکھ نہیں دیتی۔لیکن وہ قربانیاں اصل آزمائش ہیں محبت کی ، جو لمبا عرصہ ، مستقل، زندگی کے ساتھ چمٹ جاتی ہیں۔ ہر ہر لمحہ انسان سے مطالبے کرتی ہیں اور تقاضے کرتی ہیں۔ یہ واقفین زندگی کی قربانیاں ہیں۔ یہ ان کی قربانیاں ہیں جو فیصلہ کر لیتے ہیں کہ آج کے بعد ہمارا کچھ نہیں۔ جو کچھ بھی ہے وہ دین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہو چکا ہے۔ وہ اللہ کے حضور ہم پیش کر چکے ہیں۔
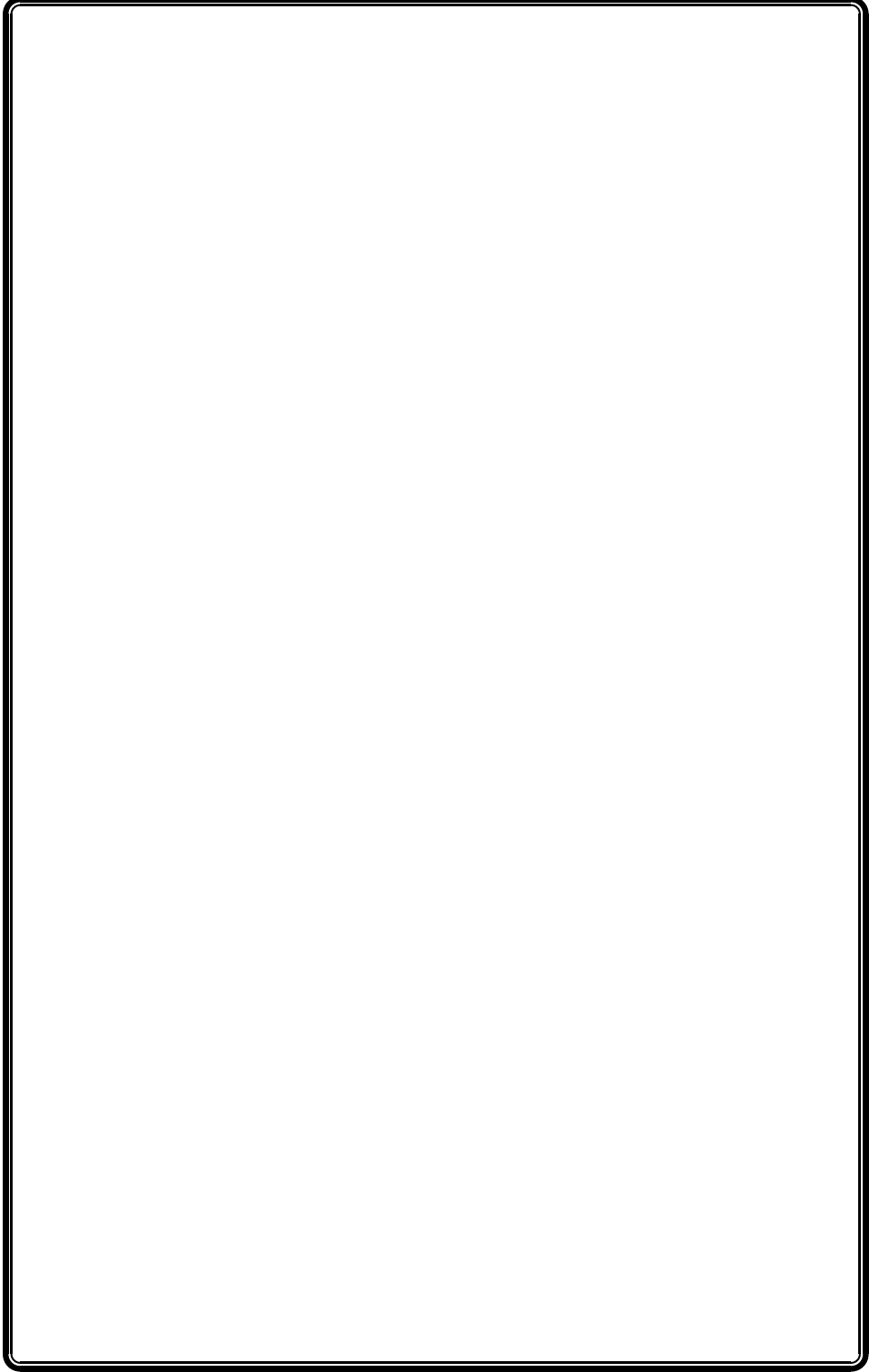
ان قربانیوں کے تقاضے جو اصل محبت کی کسوٹی ہے وہ بہت لمبے ہیں۔ اس وقت مَیں ان کی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا۔ وقت آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ ، وقتاً فوقتاً میں آپ کے سامنے وہ تقاضے رکھتا رہوں گا۔ میں آج صرف اتنا کہتا ہوں کہ محبت کوئی محض جذبات کا کھیل نہیں ہے۔یعنی مومن کے لئے محبت کوئی جذبات کا کھیل نہیں ہے۔ مومن کے لئے محبت ایک لمبی زندگی ،قربانیوں کی زندگی کا تقاضا کر رہی ہے جو ہمیشہ، ہر حال میں، ہر ہر سانس میں، ہر ہر لمحہ اس بات کا ثبوت پیش کر رہی ہوں کہ ہم سچے عاشق ہیں۔ یہ کیسے ثابت ہو، کس طرح ہمیں معلوم ہو کہ سچا عاشق کون ہوتا ہے؟ ان امور سے متعلق میں آئندہ انشاء اللہ کسی وقت آپ کے سامنے بیان کروں گا۔ اس وقت ذہنی طور پر آپ کو میں تیار کرنا چاہتا ہوں۔

احمدی نوجوان اس غلط فہمی کو دل سے نکال دے کہ احمدیت صرف وقتی جوش کی قربانیوں کا نام ہے۔ احمدی نوجوان اس بات کا خیال ہمیشہ کے لئے دل سے نکال دے کہ احمدیت صرف نعروں کی طرف بلاتی ہے اور ہنگاموں کی طرف بلاتی ہے۔ احمدیت ان دونوں میں سے کسی چیز کا نام نہیں۔ احمدیت مستقل قربانیوں کا ایک لائحہ عمل ہے اور باشعور قربانیوں کا لائحہ عمل ہے جو زندگیوں کے اندر انقلاب چاہتی ہیں۔ جب تک احمدی وہ انقلاب اپنی زندگی میں پیدا نہیں کرتا، وہ آگے انقلاب پیدا کرنے کا اہل ہی نہیں۔ یہ وہ راز ہے جس کو سمجھے بغیر آپ کامیاب (مربی) نہیں بن سکتے۔ اس کے لئے آپ تیار ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ عہد بیعت کے سارے تقاضے پورے کریں اور اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ میرے نازک اور کمزور کندھوں پر جو ذمہ داری خود اس نے ڈالی وہ خود اس بوجھ کو اٹھا لے کیونکہ میں اپنے اندر کوئی طاقت نہیں پاتا۔ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے کہ آپ کے حقوق ادا کروں اور آپ کے لئے دن رات دعائیں کروں۔ آپ کو زندہ کرنے میں اپنی زندگی پیش کر دوں تا کہ آپ زندہ ہوں تو (دین حق) زندہ ہو۔ (دین حق) زندہ ہو تو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام ہمیشہ کے لئے ساری دنیا میں زندہ رہے گا اور پھر کوئی اس نام کو مٹا نہیں سکے گا۔،،

(ماہنامہ خالد نومبر، دسمبر 1982ء صفحہ 5 تا 15)

مجلس اطفال الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے افتتاحی خطاب

فرمودہ 16 اکتوبر 1982ء

☆ بچوں کی محبت سے تربیت کریں
☆ آپ کی یہ عمر اپنے رب سے محبت کرنے کی عمر ہے
☆ پس ہرگز کسی کو گالی نہیں دینا، زبان کو ہمیشہ پاک رکھنا ہے
☆ سچ کو اپنا شعار بنائیں
☆ آپ دین کے خادم بھی ہیں اور ساتھ ہی قوم کے خادم بھی ہیں
☆ دین وطن کی محبت بھی سکھاتا ہے

❦

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

الحمد للہ وبفضلہ تعالیٰ احمدی بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد آج اجتماع میں شرکت کے لئے حاضر ہے۔ بیرونی مجالس سے بھی اور ربوہ سے بھی بفضلہ تعالیٰ بکثرت بچے اس اجلاس میں شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ آنے والوں کو جس خیر وخوبی سے لایا اسی طرح اپنی حفاظت میں خیر وخوبی اور برکت سے واپس لے کے جائے اور اپنے فضل سے ان چھوٹے چھوٹے معصوم دلوں کو اپنے لئے خالص کر لے اور اپنے لئے پاک کر لے اور اپنا غلام بنا لے۔ اپنی ایسی محبت اسی عمر میں اُن کے دل میں ڈال دے کہ پھر وہ محبت کبھی ان کو نہ چھوڑے اور وہ کبھی اس محبت کو نہ چھوڑیں۔

خدا کی محبت ایک پاکیزہ جذبہ

خدا کی محبت ایک ایسا پاکیزہ جذبہ ہے، ایک ایسا باوفا جذبہ ہے جو دل میں ایک دفعہ داخل ہو جائے تو بڑھتا تو رہتا ہے، چھوڑتا کبھی نہیں اور اس کے لئے بہت ہی اچھی عمر، بہت ہی صحیح عمر بچپن کی عمر ہے۔ جن دلوں میں بچپن میں اللہ تعالیٰ کی محبت داخل ہو جائے وہ بہت خوش نصیب ہوتے ہیں۔ کیونکہ پھر ساری زندگی یہ محبت وفا کرتی ہے۔ انسان کسی حالت میں بھی چلا جائے وہ اس محبت سے خالی نہیں رہ سکتا۔ اسی لئے یہی وہ عمر ہے جس میں آپ کو اپنے رب سے پیار کرنا چاہیے۔ اپنے رب سے محبت کے آداب سیکھنے چاہئیں اور ذاتی تعلق قائم کر لینا چاہیے۔ یہاں تک کہ ہر بچہ کے دل میں یہ یقین پیدا ہو جائے کہ میرا خدا میرا ہے اور میرے ماں باپ کا بھی واسطہ بیچ میں نہیں۔ میں براہ راست اپنے اللہ سے محبت رکھتا ہوں۔ اس سے ذاتی تعلق رکھتا ہوں۔

اس کا طریق یہ ہے کہ خدا سے دعائیں کریں۔ بچپن ہی میں اپنے رب سے مانگنا سیکھیں۔ جس طرح

ماں سے بچہ مانگتا ہے اور ماں عطا کرتی ہے تو اس سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ بچہ کی محبت کا آغاز اسی طرح ہوتا ہے کہ جب ماں اس پر رحم کرتی ہے، اس کی باتیں مانتی ہے تو اس سے محبت پیدا ہو جاتی ہے اور ماں کی محبت اس طرح بڑھتی ہے کہ اگر وہ نہ دے اور بچہ پھر بھی خوش رہے اور راضی رہے اور اس کے چہرہ پر کوئی غصہ نہ آئے۔ کوئی نفرت پیدا نہ ہو۔ کوئی انتقام کے آثار آنکھوں میں نہ آئیں (ایسے بھی بدقسمت بچے ہوتے ہیں جو اس طرح ماں سے سلوک کرتے ہیں) تو ایسا بچہ جو ماں کے نہ دینے پر بھی راضی ہو جائے اس سے مائیں بے اختیار محبت کرنے لگ جاتی ہیں۔

پس دو طرفہ محبت کے سلسلہ میں، یک طرفہ نہیں آپ اپنے رب سے اس طرح محبت کرنا سیکھیں کہ جب اس سے مانگیں اور وہ عطا فرمادے تو اس وقت بھی اس کے حضور جھک جایا کریں اور بچھ جایا کریں۔ جب مانگیں اور نہ عطا کرے تو اس لئے خوش ہوا کریں کہ اس کے نتیجہ میں خدا اور بھی آپ سے محبت کرے گا اور تب بھی اس کا شکر ادا کیا کریں۔ تب بھی اس سے راضی رہا کریں تاکہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کا پیار آپ سے بڑھے۔

غرض دو طرفہ سلسلے ہوتے ہیں محبت کے اور یہ دونوں طرح بڑھنے چاہئیں۔ اس لئے خدا کبھی عطا کر دیتا ہے۔ کبھی نہیں بھی کرتا۔ وہ دیکھتا ہے کہ میرا بندہ مجھ سے پھر کیا سلوک کرتا ہے۔ وفا کے نتیجہ میں محبت بڑھتی ہے۔ بے وفائی سے محبت کو نقصان پہنچتا ہے۔ وفا ہے جو سیکھنی چاہیے۔ یعنی ہر حال میں اپنے رب سے راضی رہنا۔ وہ محبت کا اظہار کرے تب بھی راضی رہیں۔ اگر وہ کسی بچہ سے خدانخواستہ ناراضگی یا بے اعتنائی کا سلوک فرمائے اور بچہ محسوس کرے کہ اس کی دعائیں قبول نہیں ہو رہیں اس پر بھی وہ راضی رہنا سیکھے اور نظریں جھکائے رکھے اور دل میں اپنے ربِّ کریم کے لئے ادب پیدا کرے۔ یہ ہے آپ کی محبت کا آغاز۔ پھر جب آپ بڑے ہوں گے تو یہ سلسلے پھیلنے شروع ہو جائیں گے۔ پھر ایک ایسی کیفیت بھی آسکتی ہے کہ جس طرح مختلف دریا پہلے آہستہ آہستہ معمولی حالت میں چلتے ہیں اور پھیلتے ہوئے سمندر میں داخل ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کا دوسرا کنارہ نظر نہیں آتا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی محبت جو ایک چھوٹے سے چشمے کی طرح آپ کے دل سے پھوٹے گی، اگر آپ اس سے وفا کریں گے تو وہ بڑھنی شروع ہوگی۔ پھیلنی شروع ہوگی یہاں تک کہ آپ کی ساری زندگی پر محیط ہو جائے گی۔ آپ ایسے سمندر میں داخل ہو جائیں گے جس کا حقیقتاً کوئی کنارہ نہیں ہوگا۔

یہ چیز، جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، کامل رضا کے مضمون کو سمجھنے سے حاصل ہوتی ہے۔ آپ کے لئے میں آپ کی زبان میں باتیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ فی الحال ایک مثال آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس کے بعد دو تین اور چھوٹی چھوٹی باتیں آپ سے کروں گا۔

محمودؔ اور ایازؔ کی کہانی

محمودؔ اور ایازؔ کی کہانی آپ نے سنی ہوگی۔ یہ کہانی بہت عام ہے اور بڑی مشہور ہے۔ محمودؔ آقا تھا اور ایازؔ غلام تھا۔ محمود بادشاہ تھا۔ ایاز اس کے دربار کا ایک نوکر اور اتنی محبت تھی ایاز کو اپنے محمود سے اور محمود کو اپنے ایاز سے کہ وہ اس زمانہ میں بھی ضرب المثل بن گئی اور آج تک ضرب المثل بنی چلی آ رہی ہے۔ کہتے ہیں ہر محمود کا ایک ایاز ہوتا ہے۔ ہر ایاز کو ایک محمود ملتا ہے۔ یعنی محمود اور ایاز کی محبت اور وفا کا قصہ ایک قوم میں محدود نہیں رہا۔ کئی قوموں میں پھیل چکا ہے۔ اس محبت کی حقیقت کیا تھی؟ اس کا راز ایک چھوٹے سے واقعہ سے ہمیں سمجھ آجاتا ہے۔ تمام درباری جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے، جانتے تھے کہ ہم سب سے زیادہ اس غلام زادہ سے ہمارا آقا محبت کرتا ہے۔ وہ خود بڑے بڑے لیڈر، بڑے بڑے نواب اور بڑے بڑے سردار تھے اور کئی شاہی خاندانوں سے بھی تعلق رکھتے تھے۔ ان کی نسلوں میں پشتیں ایسی تھیں جو معززین کی پشتیں سمجھی جاتی تھیں۔ ان کے خون میں معزز خون شامل تھا۔ ان کی رگوں میں معزز خون دوڑ رہا تھا۔ اس شان کے وہ لوگ تھے۔ اگرچہ ان سے بھی حسن سلوک تھا۔ مگر جب محمود کی ایاز پر نظریں پڑتی تھیں تو محبت سے پگھل جایا کرتی تھیں۔ کیفیت ہی اور ہوتی تھی۔ وہ سمجھدار لوگ تھے۔ جانتے تھے کہ کیا قصہ ہے۔ وہ جلنے لگ جاتے تھے۔ کچھ پیش نہیں جاتی تھی۔ بڑی بڑی سکیمیں بناتے تھے۔ لیکن کوئی بس نہیں چلتا تھا۔ محمود کو بدظن کرنے کے لئے انہوں نے یہاں تک بھی کوششیں کیں کہ ایک دفعہ ایاز کے متعلق مشہور کر دیا کہ یہ رات کو چھپ کر کسی جگہ جاتا ہے۔ بادشاہ سے کہا۔ آپ تو سمجھتے ہیں بڑا دیانت دار ہے مگر ہے اتنا بددیانت کہ ملک کی ساری دولت سمیٹ سمیٹ کر ایک جگہ چھپائے جا رہا ہے۔ اگر چھاپہ مار کر پتہ کرنا چاہتے ہیں تو ہم آپ کی مدد کرتے ہیں۔ آپ کو ساتھ لے جائیں گے۔ یعنی بغض تو ہر وقت سکیمیں سوچتا ہے کہ کس طرح اس کو نیچا دکھاؤں۔ چنانچہ انہوں نے سکیم بنائی۔ ایاز واقعۃً چھپ کر کہیں جایا کرتا تھا اور اس کمرے میں جہاں وہ جاتا تھا بڑے بڑے بھاری تالے پڑے ہوتے تھے۔ کسی اور کی جرأت نہیں تھی۔ پہرے تھے۔ کوئی اور داخل نہیں ہوسکتا تھا۔ تو بادشاہ نے کہا۔ چلو میں چلتا ہوں۔ جو آزمائش چاہتے ہو میں اُس میں اُس کو ڈالنے کے لئے

تیار ہوں۔ چنانچہ وہاں گئے۔ ایاز کو بھی ساتھ لیا۔ اس کو حکم دیا گیا کہ تالے کھولو۔ اس نے کوشش کی کہ صرف بادشاہ اندر آئے، باقی نہ آئیں۔ لیکن بادشاہ نے کہا نہیں۔ ان کا الزام ہے۔ مجھے ان کو دکھانا پڑے گا کہ کیا واقعہ ہے۔ چنانچہ جب تالے کھولے گئے تو اس کمرہ میں سوائے پھٹے پرانے کپڑوں کے کچھ بھی نہیں تھا۔ بوسیدہ کپڑے، پھٹی ہوئی ٹوپی، ایک پرانی جوتی کے سوا کچھ نہیں تھا۔ سارے حیران رہ گئے کہ اس کو اتنے تالے لگانے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا مصیبت پڑی تھی کہ راتوں کو چھپ کر ان چیزوں کی زیارت کے لئے یہ آیا کرے۔ تب بادشاہ نے کہا۔ میں تمہیں یہ حکم دیتا ہوں کہ اس کا راز بتاؤ۔ اس نے کہا۔ راز یہ ہے کہ آپ میرے بے حد مہربان آقا ہیں۔ آپ نے مجھ پر بے شمار احسانات کئے ہیں۔ میں ان احسانات میں کھو کر اپنی پرانی حیثیت نہیں بھولنا چاہتا تھا۔ میں ہمیشہ اپنے آپ کو یہ یاد کرانا چاہتا تھا کہ اے ایاز! تیرا یہی دو کوڑی مول ہی تو ہے۔ تو در بدر کی ٹھوکریں کھانے والا ایک عام آدمی ہی تو تھا۔ تیرے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ جوتے پھٹے ہوئے تھے۔ ٹوپی بوسیدہ تھی۔ کئی کئی وقت تجھے فاقے بھی کرنے پڑتے تھے۔ پس یاد کر اس آقا محمودؔ کے احسان کو۔ اس نے تجھے کہاں سے اٹھایا اور کہاں پہنچا دیا۔ پس اس واقعہ کو بیان کر کے میں تم سے یہ کہتا ہوں کہ اللہ سے محبت کرنے کے لئے آپ کو ایاز والے کپڑے بھی رکھنے پڑیں گے۔ یہ یاد رکھنا پڑے گا کہ ہم کیا حقیر چیز ہیں۔ پھر بھی وہ خدا جو ساری کائنات کا مالک ہے ہم سے خود محبت کا سلوک فرماتا ہے۔

اپنی اصلیت کو کبھی نہ بھولنا

پس تم نے اپنی اصلیت کو کبھی نہیں بھولنا۔ اور ہمیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ جب وہ انعام زیادہ کرے تو اور زیادہ جھکتے چلے جائیں اپنے رب کے حضور اور سوچیں کہ ہم تو اس قابل بھی نہیں تھے۔ اگر یہ سیکھ لیں گے تو پھر احسان کا بدلہ شکر کے طور پر ادا کرنا بھی سیکھ جائیں گے۔ اگر یہ راز سمجھیں گے تو احسان کے احساس کو نقصان پہنچے گا اور آپ کے شکر کی طاقت کمزور پڑ جائے گی۔ اگر انسان سمجھنے لگ جائے کہ ہاں مجھ پر بڑا احسان ہے مگر مَیں اس لائق ہوں، یہ میرا حق ہے۔ تو اس کے نتیجہ میں نفس دھوکا کھا جاتا ہے اور انسانی بڑائی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور شکر کا احساس کم ہو جاتا ہے۔

پس ایاز نے ہمیں یہ راز سکھایا کہ محبت اور وفا کا اولین تقاضا یہ ہے کہ انسان اپنی حیثیت کو کبھی نہ بھولے۔ تو جب آپ یہ سوچیں گے کہ ہم تو کوئی چیز ہی نہیں ہیں۔ اس ساری لامتناہی کائنات میں ہماری ایک ادنیٰ حیثیت ہے۔ ہمارے ملک ہی کا کوئی مقام نہیں تو ہمارا کیا ہونا ہے۔ دنیا کی بڑی طاقتوں کے

مقابل پر ایک معمولی سا ملک ہے اور کچھ بھی حیثیت نہیں رکھتا۔اس کو کبھی دائیں سے اور کبھی بائیں سے مدد لینا پڑتی ہے۔اس میں ایک چھوٹے سے قصبہ میں آپ ایک چھوٹے سے انسان ہیں۔ایک چھوٹے سے باپ کے بیٹے ہیں۔ایک چھوٹی سی ماں کے بیٹے ہیں اور دنیا کے نقشہ پر آپ کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔لیکن آپ پر آسمان کا خدا رحم کر کے اتر رہا ہے۔ یہ ہے مقام جس پر انسان کی فطرت کو یہ گیت گانا چاہیے کہ ''کیڑی کے گھر نرائن آیا''، ہمارا آسمانی آقا ہم پر نازل ہو رہا ہے۔اس لئے جب وہ دعا قبول کرے تو اس کے حضور جھک جانا چاہیے۔نہ قبول کرے تو حق نہیں سمجھنا چاہیے۔یہ سوچنا چاہیے کہ ہم حقدار کہاں کہ خدا ہم سے کلام کرے۔ہم حقدار کہاں کہ وہ ہماری دعاؤں کو سنے۔محض اس کا رحم اور کرم ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کو سنتا اور قبول فرماتا ہے۔تب آپ کے اندر سچی وفا پیدا ہوگی۔تب آپ کے اندر سچی محبت پیدا ہوگی۔تب خدا آپ کے دل میں اترے گا۔

ایازی کیفیت

یہ وہ جذبہ ہے جس کے نتیجہ میں ایک اور ایازی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور اس کو بھی مَیں ایاز ہی کی کہانی میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں تا کہ آپ بچے کہانیوں کی زبان میں اس کیفیت کو زیادہ آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔

وہ قصہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بادشاہ کے دربار میں ایک بہت ہی شاندار گرما پیش کیا گیا۔آپ جانتے ہیں گرما ایک پھل ہے۔اس کی قاشیں کاٹ کر کھایا جاتا ہے۔ بہت میٹھا ہوتا ہے۔لیکن بعض دفعہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ اگر خشک سالی ہو یا کوئی بیماری پڑ جائے تو بعض گرمے انتہائی کڑوے ہو جاتے ہیں۔اتنے کہ بعض دفعہ نا قابل برداشت ہو جاتے ہیں۔ بہرحال گرما تھا۔کسی نے بڑی محبت سے بادشاہ کو پیش کیا۔اس نے قاش کاٹی اور پہلی قاش ایاز کو دے دی۔ایاز نے اس مزے مزے سے وہ کھائی کہ درباری بھی بڑی بیقراری سے انتظار کرنے لگے کہ ہماری بھی باری آئے تو ہم بھی کھائیں۔ان کے منہ میں بھی پانی آنے لگ گیا۔بادشاہ بیٹھا دیکھتا رہا اور مزے اٹھاتا رہا ایاز کے لطف کے۔اس کے بعد اس نے بڑے تحمل سے دوسری قاش کاٹی اور اپنے وزیر اعلیٰ کو دی۔اس نے ایک لقمہ ہی کھایا تھا کہ وہیں تھوک دیا۔اس سے برداشت نہیں ہوا۔اس کے چہرے کا رنگ بگڑ گیا۔اس قدر بُری حالت ہوئی۔ بادشاہ نے کہا تمہیں کیا ہو گیا ہے۔اس نے کہا بادشاہ سلامت! یہ اتنا کڑوا۔اتنا بدمزہ ہے کہ گستاخی ہوگئی مجھ سے۔یہ بھی نہیں ہوسکا کہ باہر جا کر تھوکوں۔

برداشت ہی نہیں ہو سکا۔ ابھی منہ سے باہر نکل گیا۔ بادشاہ نے کہا۔ اب سمجھے ہو ایاز کس کو کہتے ہیں؟ ساری قاش اس نے کھائی ہے میری محبت میں۔ ایک ایک کڑوا گھونٹ بھرا ہے میرے پیار میں۔ یہ جانتا تھا کہ میں اس پر احسان کرتا ہوں۔ اس کو میٹھی چیزیں بھی ملتی ہیں تو کڑوی بھی اس نے اسی محبت سے قبول کر لی اور ماتھے پر ذرا بل نہیں آیا۔ بلکہ یوں معلوم ہو رہا تھا کہ اتنی مزیدار چیز اس کو عطا ہوئی ہے کہ اس سے زیادہ مزیدار چیز دنیا میں ممکن ہی نہیں ہے۔

یہ فرق ہوا کرتا ہے ایک محبت کے عام دعویدار میں اور ایک حقیقی ایاز یعنی ایک سچے عاشق میں۔ اس لئے جب دعا کا مضمون آپ کو بتایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ دعا قبول فرماتا ہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ بچوں پر بھی رحمت فرماتا ہے۔ لیکن وہ مالک ہے جب چاہے عطا فرماتا ہے، جب چاہے نہیں دیتا۔ کسی دوسری آزمائش میں مبتلا کرتا ہے زیادہ انعامات کی خاطر۔ یہ نکتہ بھی سمجھنا چاہیے کہ دوسری آزمائش محض دنیا کی کوئی آزمائش نہیں ہے۔ بلکہ اس کے نتیجہ میں انعام نازل ہوتے ہیں جس طرح مال کی آزمائش کے نتیجہ میں انعام ملتے ہیں۔

میں نے بیان کیا تھا کہ جب ماں کوئی چیز نہیں دیتی اور بچہ ہنستا ہے، خوش ہوتا ہے اور کہتا ہے۔ اماں ٹھیک ہے جس طرح آپ کی مرضی اس طرح میں بھی راضی ہوں۔ تو ماں کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ میں سب کچھ اس پر نچھاور کر دوں۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ گو جذبات میں انسان سے مشابہ نہیں لیکن اس کا سلوک وہی ہے۔ کیونکہ اس نے اپنے سلوک کے مطابق فطرتیں عطا فرمائی ہیں۔ اس کے جذبات میں فانی انسانوں کی طرح ہیجان تو نہیں ہوتا لیکن اس کی صفاتِ حسنہ اس طرح ہیں کہ اس نے تخلیق میں اپنی صفات کے رنگ رکھ دیئے ہیں اور اس نے اپنی محبت کے بہت سے رنگ ماں میں رکھے ہیں۔ چنانچہ اس میں یہی حکمت ہے کہ جب خدا کسی بات پر بچہ سے ہاتھ روک لیتا ہے اور وہ سختی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ مثلاً پاس ہونے کی دعا کر رہا ہے۔ بہت لیٹ (Late) اور گھبرا گھبرا کر کہتا ہے۔ اے اللہ! پڑھا تو میں نے نہیں۔ پاس ضرور کر دے۔ کبھی خدا فضل بھی کر دیتا ہے۔ معجزہ بھی دکھا دیتا ہے۔ کبھی نہیں بھی دکھاتا۔ یہ بتانے کے لئے کہ دیکھو! تمہارا یہ فرض ہے کہ تم محنتیں کرو۔ میں اس طرح کے (مومن) بچے نہیں چاہتا کہ سارا سال سوئے رہیں اور بعد میں دعا کر کے پاس ہو جائیں۔ سارا سال کام کرو۔ پھر دعا کے کرشمے دیکھو کہ میں تمہاری محنت سے کتنا زیادہ پھل دیتا ہوں...... پس خدا یہ مضمون بھی سمجھانا چاہتا ہے اور کئی قسم کی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ خدا کے لامتناہی راز ہیں۔ ہمیں نہیں پتہ۔ مگر کئی دفعہ دعائیں نہیں سنتا۔ قبول نہیں ہوتیں۔ جو لوگ اس وقت راضی

رہتے ہیں ان کو پہلے سے بھی زیادہ بڑھ کر نعمت ملتی ہے۔ یعنی دنیا کی نعمتیں قبولیت کے رنگ میں جو ملنی تھیں ان کے بدلہ میں اللہ کی محبت پہلے سے بڑھی ہوئی شکل میں مل جاتی ہے۔

تو آج میں آپ کو یہ مضمون سکھانا چاہتا ہوں کہ **آپ کی یہ عمر اپنے رب سے محبت کرنے کی عمر ہے** اور ان عادات کے پیدا کرنے کی عمر ہے جن کے ساتھ اپنے رب سے پیار کیا جاتا ہے۔ پس اپنے رب سے پیار کرنا شروع کریں۔ پھر دیکھیں کہ مستقبل میں احمدیت کے لئے کس طرح اولیاء اللہ پیدا ہوں گے۔

دوسری باتیں اس کے مقابل پر بظاہر بہت ادنیٰ اور بالکل چھوٹی چھوٹی ہیں لیکن میرے نزدیک بہت بڑی اہمیت رکھتی ہیں کیونکہ ان کا بھی درحقیقت اللہ کی محبت سے تعلق ہے۔ آپ نے عہد کیا ہے اور ہر دفعہ کرتے ہیں کہ **مَیں کسی کو گالی نہیں دوں گا اور دیتے ہیں۔ یہ کیسا عہد ہے اور یہ عہد کرتے ہیں سچائی کے عہد کے بعد**۔ اس سے پہلے ابھی یہ عہد کر چکے ہوتے ہیں کہ مَیں ہمیشہ سچ بولوں گا اور اچھا سچ بولتے ہیں کہ معاً بعد جو وعدہ کرتے ہیں اسی کو جھٹلا دیتے ہیں۔ یعنی نہ سچ بولنے والا وعدہ سچا اور نہ گالی نہ دینے والا وعدہ سچا۔ تو ایسے لوگوں سے تو پھر خدا محبت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے لئے تو کچھ بنیادی صفات بھی ہونی چاہئیں۔ ان صفات میں سے ایک یہ ہے کہ اپنی زبان کو پاک رکھیں۔ اپنے دل کو پاک رکھیں۔ مہمان نے آنا ہوتا ہے تو گھر والے صفائی کیا کرتے ہیں۔ بعض بڑے گندے گھر ہوا کرتے ہیں۔ ان کو بھی مائیں دھولیتی ہیں۔ صاف کر لیتی ہیں کہ کوئی بو نہ آئے۔ معزز مہمان گھر میں آ رہا ہے۔ برات آتی ہے تو دیکھیں کیسے گھر سج جاتے ہیں۔ تو کیا اللہ ہی وہ مہمان ہے جس کے لئے گھر کو گندا رکھا جائے اور پرواہ نہ کی جائے اور کہا جائے کہ پھر بھی تُو داخل ہو۔ یہ ٹھیک ہے کہ ہم اس کی نعمتوں کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ ہم پھر بھی گندے کے گندے ہی رہیں گے۔ لیکن خلوص نیت کے ساتھ اپنی زبان، اپنے دل کو پاک کرنے کی کوشش تو ضروری ہے۔ اسی زبان سے آپ ذکر الٰہی کریں گے۔ اسی زبان سے اللہ کا شکر ادا کریں گے۔ جو برتن کسی اچھے کام کے لئے استعمال کیا جائے اس کو گندے کام کے لئے تو استعمال نہیں کیا کرتے۔ کبھی کسی ناپاک برتن میں بھی کسی کو کھانا کھاتے دیکھا ہے؟ کتوں کے برتن الگ ہوتے ہیں۔ انسانوں کے برتن الگ ہوتے ہیں۔ گندگی کے لئے برتن الگ ہوتے ہیں۔ اچھے کاموں کے لئے برتن الگ ہوتے ہیں۔ تو جب ہر برتن ایک خاص مقصد کے لئے استعمال ہوتا ہے تو زبان کا برتن بھی جس سے ذکر الٰہی ہونا چاہیے اس کو صاف اور پاک رکھنا آپ کا فرض ہے۔ لیکن ایسی حیرت انگیز اور دکھ والی باتیں سامنے آتی ہیں کہ بعض دفعہ ربوہ کے محلوں میں بچے رستوں میں گالیاں دے رہے ہوتے ہیں اور غلیظ گالیاں دے رہے ہوتے ہیں۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ

اس سرزمین میں یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ احمدی ماں کا بچہ گالی دے۔ بعد میں پتہ چلتا ہے کہ مائیں خود بدزبان ہیں۔ دراصل زہر کا یہی وہ چشمہ ہے جو بچوں کی بدقسمتی سے پھوٹا ہوتا ہے۔ ماؤں کو خدا نے رحمت کا چشمہ بنایا تھا لیکن بعض مائیں اپنی اولاد کے لئے زہر کا چشمہ بن جاتی ہیں۔ وہ دودھ پلانے کی بجائے بچوں کو سم پلاتی ہیں۔ اپنے بچوں کو سم یعنی زہر پلاتی ہیں۔ چنانچہ بیچارے ایسے ہی بچوں کی زبانیں خراب ہو جاتی ہیں۔

مَیں آپ بچوں سے کہتا ہوں کہ بھول جائیں ایسی ماؤں کو۔ اُن سے رحمت تو وصول کریں اگر وہ ملتی ہے۔ لیکن روک دیں اس زہر کو جو وہ پلانا چاہتی ہیں۔ یہاں ہے مقابلہ وقت کا۔ اس معنے میں مقابلہ کہ اپنی ماؤں سے کہیں کہ آپ ہمارے سامنے گالی نہ دیں۔ ہم آپ کے سامنے گالی نہیں دیں گے۔ ہم کہیں بھی گالی نہیں دیتے۔ اس لئے آپ بھی اپنی زبان کو پاک کریں۔ نصیحت کا رخ آپ کی طرف سے ماؤں کی طرف چلنا چاہیے۔ یہ بھی شکر کے اظہار کا ایک ذریعہ ہے۔ بچوں پر ماؤں کا اتنا احسان ہے کہ جب آپ ان کو نیک بات کہیں گے تو آپ ان کے احسان کا بدلہ ادا کر رہے ہوں گے۔

کسی کو گالی نہ دیں

پس ہرگز کسی کو گالی نہیں دینا۔ زبان کو ہمیشہ پاک رکھنا ہے۔ جب بھی منہ پر گالی آئے، غصہ آئے تو تھوڑی دیر کے لئے رُک جائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب غصہ سے مغلوب ہونے لگیں تو بیٹھ جایا کریں۔ کھڑے ہونے کی حالت میں غصہ زیادہ تیزی دکھاتا ہے۔ تبھی بیٹھا ہوا آدمی ہو یا لیٹا ہوا ہو اُسے غصہ آئے تو فوراً لپک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ تو غصہ کی حالت میں کھڑے ہونے سے ایک تعلق ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے ایسی حالت میں بیٹھ جایا کرو، پانی پی لیا کرو، کچھ تھوڑی دیر برداشت کرو۔ ایسی حالت میں سوچا کریں کہ ہم رُک رہے ہیں۔ گالی دینے سے کیوں رُک رہے ہیں۔ یہ سوچا کریں کہ ہمارے اللہ میاں نے حکم دیا ہے کہ اپنے آپ کو صاف اور پاک رکھو، گندے کلمے نہ بولو۔ اس لئے ہم اللہ کی خاطر یہ کر رہے ہیں۔ جب آپ خدا کا نام ذہن میں رکھ کر اس کی خاطر کوئی کام کریں گے تو پھر اللہ تعالیٰ آپ پر بہت پیار کا اظہار فرمائے گا۔ اول تو خود آپ کی ذات میں آپ کو ایک بدلہ مل گیا۔ پاک زبان رکھنا اپنی ذات میں ایک نعمت ہے۔ اس کا کوئی اور انعام نہ ہو یہ خود انعام ہے۔ اس سے عظمت کردار عطا ہوتی ہے اور اگر اس کے بعد مفت میں کوئی اور بدلہ بھی مل رہا ہو تو پھر اور کیا چاہیے۔ کہتے ہیں

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ایک آنکھ تو وہ مل گئی کہ عظمت کردار عطا ہوگئی۔آپ کو خود اپنی ذات میں عزت مل جائے گی کہ میں صاف گو انسان ہوں۔میں صاف کلام کرنے والا بچہ ہوں میرے کلام میں وقار ہے،عظمت ہے۔اگر کسی میں یہ احساس پیدا ہو جائے تو بڑے مزہ کا احساس ہے۔دوسری آنکھ اس سے بھی روشن تر۔یعنی آپ کو رحمت باری کی آنکھ مل جائے گی۔اللہ تعالیٰ کا فضل عطا ہو جائے گا۔تو اندھا کیا چاہے دو آنکھوں کا محاورہ اس سے زیادہ اور کس حالت پر صادق آسکتا ہے۔

سچ کو شعار بنائیں

دوسرے سچ کو شعار بنائیں۔حقیقت یہ ہے کہ سچائی کے بغیر کسی قوم کی تربیت ممکن نہیں۔ہماری گلیوں میں،ہمارے گھروں میں بچے جھوٹ بولتے پھرتے ہیں۔جھوٹے ڈراوے دیتے ہیں۔جھوٹی کہانیاں سنتے ہیں۔جھوٹی کہانیاں سناتے ہیں۔ایکسائٹ (Excite) کرنے کے لئے یعنی پھل کیا ہے کہ ا یکسائیٹ ہو گئے۔ذرا تھوری دیر کے لئے ہا ہا ہو گیا۔اس نے کہا۔جی فلاں ممانی گھر میں آگئیں۔بچے دوڑے دوڑے واپس آئے کہ او ہو میں تو مذاق کر رہا تھا۔تم پاگل بن گئے۔میں نے پاگل بنا دیا۔حالانکہ وہ خود پاگل بن رہا ہوتا ہے۔ان لوگوں کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔**يُخٰدِعُوْنَ اللهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ** (البقرۃ:۱۰) لوگوں کو پاگل بنا رہے ہوتے ہیں۔لیکن آپ پاگل بن رہے ہوتے ہیں۔کہتے ہیں یہ بیوقوف لوگ ہیں جو مومن ہیں اور سچ بولنے والے ہیں۔**اَ لَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ** (سورۃ البقرۃ:14) بیچارے آپ بیوقوف ہیں۔دوسرے کو کیا بیوقوف بنا سکتے ہیں۔اُن کو پتہ نہیں کہ اصل قیمت کہاں ہے۔کس چیز میں ہے۔وہ سچائی میں ہے۔

پس جھوٹے مذاق بھی نہ کریں۔بالکل برداشت نہ کریں۔ہنسیں نہیں۔کوئی بچہ جھوٹ بول کر مذاق اڑاتا ہے تو اسے کہیں کہ یہ تم نے کیا حرکت کی ہے۔یہ کوئی مذاق ہے۔یہ تو تم نے جھوٹ بولا ہے۔گند کھایا ہے یعنی ہمیں لطف دینے کے لئے آپ گند کھالیا۔نہ تمہیں لطف آیا نہ ہمیں لطف آیا۔کبھی کسی نے یہ مذاق کیا ہے کہ مہمان آیا ہے۔اس کی خدمت کرنی ہے تو میں تھوڑا سا گند کھالیتا ہوں۔مہمان بڑا خوش ہو جائے گا۔جھوٹ پر منہ مارنا اور جھوٹ بول کر کسی کو ا یکسائٹ کرنے کی کوشش کرنا بالکل ایسا ہی ہے کہ آپ گند کھا کر گویا اپنے خیال میں دوسرے کو لذت پہنچا رہے ہیں۔اگر اس میں ذرا بھی عقل ہوگی تو وہ اس گند سے لذت حاصل نہیں کرے گا۔گندہ ہی ہوگا تو لذت حاصل کریگا۔اس لئے یہ باتیں آپ کی شان کے خلاف ہیں۔

آپ نے بہت بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔آپ نے ساری قوم کو سنبھالنا ہے۔آپ (دین حق) کے خادم بھی ہیں اور ساتھ ہی قوم کے خادم بھی ہیں۔(دین حق) وطن کی محبت بھی سکھاتا ہے۔

اس وقت ساری قوم جھوٹ کے پیچھے چل پڑی ہے۔لوگ اتنا جھوٹ بول رہے ہیں کہ اس کا کوئی حساب ہی باقی نہیں رہا ہے۔ بے حساب جھوٹ بولا جا رہا ہے۔احمدیت کے متعلق ہی اندازہ کر لیں۔ جو اخبارات میں خبریں شائع ہوتی رہی ہیں ان میں بے حد جھوٹ بولا گیا اور آپ جانتے ہیں کہ کیا واقعات ہوئے ہیں۔جس طرح ماں نے دودھ پلایا ہو اور انسان سمجھے کہ یہ میرے لئے سب سے پاکیزہ غذا ہے، اس طرح ماں کے دودھ کی طرح جھوٹ کو اپنی غذا بنالیا گیا ہے اور کوئی روکنے والا نہیں۔کوئی ٹوکنے والا نہیں۔ کوئی سمجھانے والا نہیں کہ تم کیا کر رہے ہو۔سب اسی میں لذت پاتے ہیں۔ان بیچاروں کے مقدر میں یہی ہے۔لیکن ہم نے ان کا مقدر بدلنا ہے۔ہم اس لئے پیدا کئے گئے ہیں کہ ان کے دکھ دور کریں۔صرف اس بات پر راضی نہ ہوں کہ ہم سچے ہیں۔اس بات پر دکھ اٹھائیں کہ یہ سچے کیوں نہیں ہیں۔ان کے گند کی بھی تکلیف اٹھائیں۔

اب یہ ایک فطرتی بات ہے۔دیکھ لیں اگر کوئی گند کھا رہا ہو تو کیا آپ کو تکلیف نہیں پہنچتی؟ اگر آپ کی فطرت پاکیزہ ہے، سچی ہے تو آپ کے سامنے کوئی گند کھائے تو آپ کو کتنی کراہت آتی ہے۔بعض بچوں کا ناک گرتا ہے تو سانس کو اوپر کھینچ کر کھا ہی جاتے ہیں۔دوسرے بچے کھانا کھا رہے ہوں تو یہ دیکھ کر ان کو الٹی آجاتی ہے۔ کہتے ہیں کہ کیسی غلیظ حرکت کی ہے۔کیسا گندا کام کیا ہے۔انگلی سے ناک سے چوہے نکال رہے ہیں اور اسی طرح کھانا کھانے لگ جاتے ہیں۔اس سے آپ کو مزہ تو نہیں آتا۔آپ کی بھوک تو نہیں تیز ہو جاتی۔منہ میں پانی تو نہیں بھر آتا۔آپ یہ تو نہیں کہتے کہ چلو کوئی بات نہیں۔میں تو اس طرح نہیں کر رہا۔ایسا بچہ پاس بھی بیٹھا ہوگا تو آپ کا کھانا حرام ہو جائے گا۔آپ کو تکلیف پہنچے گی۔

پس یہ ہے سچائی کے ساتھ سچا تعلق۔جب قوم جھوٹی ہو رہی ہو اور آپ نے اس کو ٹھیک کرنا ہو تو ان کے دکھ کو آپ حقیقتاً محسوس کرتے ہیں۔جس گندگی میں وہ مبتلا ہوتے ہیں اس کی کراہت آپ کو زیادہ تلخ محسوس ہوتی ہے۔لیکن ان کو تو کوئی احساس ہی نہیں ہوتا۔ان کو تو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کر رہے ہیں۔اس لئے ہمارے مقدر میں ان کا دکھ اٹھانا بھی لکھا گیا ہے۔اگر آپ ان کو صاف کریں گے تو گویا اپنا دکھ دور کریں گے۔
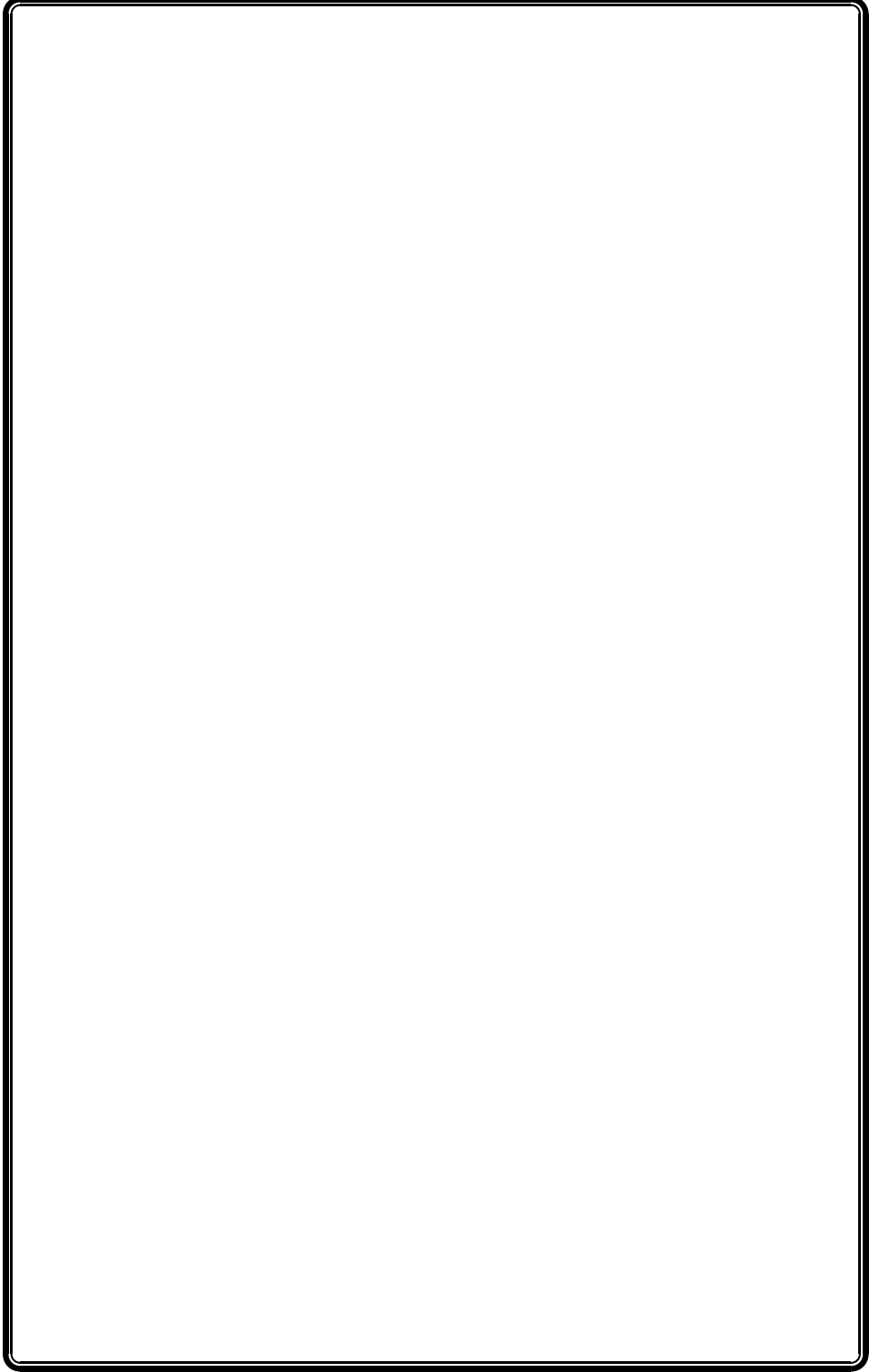
غرض آپ کا یہ اولین فرض ہے کہ اپنے دل کو دکھوں سے بچائیں چونکہ معاشرہ کا گند آپ کو دکھ پہنچاتا ہے اس لئے آپ کا فرض ہے کہ اس گند کو بھی دور کرنے کی کوشش کریں۔ اپنے غیر از جماعت دوست بچوں کو بھی پاک تعلیم دیں۔ ان کو کہیں ہم بھی جھوٹ نہیں بولتے۔ تم بھی جھوٹ نہ بولو۔ اس میں کون سا اختلاف ہے۔ تو یہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم ہے۔ ہم دونوں دعویدار ہیں کہ ہم ان کے غلام ہیں۔ تم سمجھتے ہو کہ میں غیر مسلم ہوں تو بے شک سمجھتے رہو۔ لیکن سچا میں ہوں۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی میں بہر حال میں ہی غلام ہوں۔ کیونکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔ اس لئے یہ جھوٹ چھوڑ دو۔ یہ مجھے برا لگتا ہے۔ میرا تو دل چاہتا ہے کہ سارے ہی سچے غلام بنیں۔

پس اپنے معاشرہ کو بھی صاف کریں۔ جب اس طرح سچ بولتے ہوئے اور سچ کی تعلیم دیتے ہوئے آپ بڑے ہوں گے تو خادمانِ (دین حق) کی ایک عظیم الشان نسل تیار ہو جائے گی۔ اس لئے بچپن سے پاک زبان اختیار کرنے والے، سچائی سے چمٹ رہنے والے، اپنی زبان اور اپنے دل کو سچائی کے نور سے بھر دینے والے ایسے باوفا بچے بن جائیں کہ جن کے معصوم دلوں میں اللہ کی محبت اتر رہی ہو اور وہ اس سے وفا کر رہے ہوں۔ اس طرح جب مجاہدین (دین حق) کی ایک عظیم الشان نسل تیار ہو جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ وہ ساری دنیا کی تقدیر کو بدل کر رکھ دے گی۔

یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں۔ لیکن ان کے اندر بڑی عظمتیں ہیں۔ ان کو یاد رکھیں اور ان پر عمل کریں۔ اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے''۔

(مطبوعہ روزنامہ الفضل ربوہ 16/جولائی 1983ء)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 17؍ اکتوبر 1982ء

☆ کبڈی کی ٹیم کے ایک کھلاڑی کا سچ
☆ سپین کا سفر اور افضالِ الٰہیہ
☆ سپین کا شاندار ماضی
☆ سپینش رومن کیتھولک بچوں کے منہ سے لاالٰہ الا اللہ کی آواز
☆ حیرت انگیز محبت
☆ فضلوں کی بارش
☆ عورت اور اِسلام
☆ آپ بھی اس طرح شکرانہ ادا کریں کہ آسمان یہ ترانے گانے لگے

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ
لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيْدَنَّكُمْ

❦

تقسیم انعامات کے بعد اور تقریر سے قبل حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان فرمایا کہ ایک انعام میں اپنی طرف سے دینا چاہتا ہوں۔

''حیدرآباد ڈویژن کی کبڈی کی ٹیم کے ایک نوجوان کھلاڑی تھے جن سے ریفری نے پوچھا تھا کہ تمہیں ہاتھ لگا ہے یا نہیں اور انہوں نے بتایا تھا کہ ہاں مجھے ہاتھ لگا ہے۔ وہ کہاں ہیں؟ یہاں بیٹھے ہوئے ہیں تو سٹیج پر آجائیں۔ ان کا نیلا جانگیہ تھا۔ قائد ضلع حیدرآباد ان کو بلائیں۔ جب تک وہ سٹیج پر آتے ہیں میں وجہ بتا دیتا ہوں کہ میں ان کو کیوں بلا رہا ہوں۔

کبڈی کے میچ کا ویسے تو بڑا لطف آرہا تھا لیکن وہاں اخلاقی امتحان کا ایک ایسا میچ ہوا کہ مجھے ایسا مزہ آیا کہ میں کبڈی کا دوسرا سارا مزہ بھول گیا۔ ہمارے ربوہ کا ایک کھلاڑی آیا حیدرآباد ڈویژن کی طرف اور اس وقت برابر کے پوائنٹس (Points) چل رہے تھے۔ ایک دو پوائنٹس سے بھی پانسہ پلٹ سکتا تھا۔ اس نے ہاتھ لگانے کی کوشش کی۔ ایک لڑکے کو بہت خفیف سا ہاتھ لگا۔ میں نے محسوس کیا کہ ہاتھ لگ گیا ہے لیکن شک تھا۔ اتنے میں ایک اور آدمی نے اسے پکڑ لیا۔ اس نے کہا میرا ہاتھ لگ گیا تھا دوسرے کو۔ ساری ٹیم کے چہرہ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ بالکل گپ مار رہا ہے کوئی ہاتھ نہیں لگا۔ ریفری نے بڑے متردّد رنگ میں فرضاً اس نوجوان سے پوچھا کہ تمہیں ہاتھ لگا تھا؟ اس نے بڑی جرأت سے کہا۔ ہاں لگا تھا۔ اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی کیونکہ ہمارے اصل مقابلے اخلاقی میدان کے مقابلے ہیں۔ کھیل کے میدان میں انہی کی تربیت دی جاتی ہے۔ اگر وہ کہتا نہیں لگا تھا تو کوئی آدمی یقین سے نہیں کہہ سکتا تھا کہ لگا ہے۔ اس کے بعد ایک اور نظارہ دیکھا۔ وہیں ایک نوجوان اور تھے جن سے جب تعارف ہوا تو مجھے خیال ہوا کہ شاید یہ احمدی نہیں ہیں۔ چنانچہ میں نے ان سے پوچھا۔ یہ احمدی ہیں؟ تو پتہ لگا کہ ابھی ایک مہینہ ہوا ہے انہوں نے بیعت کی ہے۔

غرض کبڈی کے اس واقعہ کے بعد وہ ان سے لڑنے لگے کہ تم نے سچ بولا کیوں ہے اور ان پر ناراض ہو

رہے تھے۔لیکن انہوں نے بڑی متانت سے کہا کہ میں نے بالکل ٹھیک کیا ہے۔ مجھے ہاتھ لگا تھا۔ میں نے یہی کہنا تھا۔آواز تو مجھے پوری نہیں پہنچ رہی تھی۔ہلکی آواز میں گفتگو ہو رہی تھی۔لیکن چہرہ کے آثار اور متانت سے جواب مجھے بہت پسند آیا اس لئے ان کو میں اپنی طرف سے انعام دینا چاہتا ہوں۔ یہ مطلب نہیں کہ آئندہ کے لئے آپ یہ سمجھ لیں کہ سچ بولنے کا انعام ہوتا ہے۔ سچ بولنے کا انعام تو اللہ دیتا ہے۔صرف اس بات کو نمایاں کرنے کے لئے میں انعام دے رہا ہوں کہ ہمارے اصل مقابلے روحانی اور اخلاقی میدان کے مقابلے ہیں اور کھیلوں میں بھی ہمیشہ اس چیز کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔‘‘

پھر تشہد و تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

بیت بشارت سپین

اللہ تعالیٰ کا بے انتہا احسان ہے کہ اس نے (بیت) سپین کے افتتاح کو ہر لحاظ سے انتہائی بابرکت فرمایا اور مختلف رنگ میں اپنے افضال کی بارش نازل فرمائی۔اور اس سارے سفر میں ہم نے اس کی رحمتوں کے اور نصرتوں کے نشان دیکھے اور ہماری روحیں اس کی نصرت کے قدم چومتی رہیں۔

آپ خدام، خدام احمدیت بے قرار ہوں گے کہ اس سلسلہ میں کچھ بیان کروں۔ کیونکہ محض یہ کہنا تو کافی نہیں کہ فضلوں کی بارش نازل ہوئی۔ کیسے ہوئی۔ کچھ دل کو اطمینان بھی تو ہو کہ واقعۃً بارش ہی تھی۔کوئی مبالغہ آمیزی نہیں تھی۔ میرا فرض ہے کہ میں آپ کو بتاؤں۔آپ کے ذہن کو بھی تسلی دوں اور آپ کے دل کو بھی تسلی دوں تا کہ جب آپ واپس جا کر ان یادوں میں کھو کر اپنے رب کی حمد کریں تو دل کی گہرائیوں سے آپ کی حمد اٹھے۔ایک عارف کے دل کی طرح آپ کا دل حمد میں محو ہو جائے۔محض ایک نظریاتی حمد نہ ہو بلکہ قلبی واردات سے تعلق رکھنے والی حمد ہو۔

لیکن اس سے پہلے کہ میں آگے کچھ بڑھوں میرا یہ مشورہ ہے کہ جو دوست کھڑے ہیں جہاں تک ممکن ہو وہ بیٹھ جائیں۔سوائے اس کے کہ کوئی جگہ ایسی ہے جہاں بیٹھنا ناممکن ہو وہ بیٹھنے کی کوشش کریں۔قناتیں اسی لئے ہٹائی گئی تھیں تا کہ جو بڑی دیر سے آ کر اندر بیٹھے ہوئے ہیں ان کو ٹھنڈی ہوا کے جھونکے پہنچیں۔ بہت گرمی ہے اس لئے کنارے کے دوست اول تو ویسے ہی نسبتاً ٹھنڈی جگہ کھڑے ہیں اوپر سے گھیر کر وہ اندر والوں کو گرمی پہنچائیں، یہ ٹھیک نہیں۔ دوست تشریف رکھیں اور اطمینان سے تقریر سنیں۔

سپین کا سفر اور افضال الٰہی

یہ سارا سفر مختلف رنگ میں خدا تعالیٰ کے فضلوں کا مظہر رہا۔ بارش، موسلا دھار بارش کی علامت کیا ہوتی ہے۔ وہ جل تھل کو بھر دیتی ہے۔ خشکی کو بھی اور تری کو بھی اور مذہبی اصطلاح میں خشکی سے مراد غیر مذہبی دنیا ہوتی ہے اور تری سے مراد مذہبی دنیا ہوتی ہے۔ چنانچہ قرآن کریم نے اس محاورہ کو استعمال کرتے ہوئے فرمایا:-

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ (الروم :42)

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے سے پہلے خشکی بھی فسق و فجور اور عصیان اور بدیوں سے بھر گئی تھی اور تری بھی بھر گئی تھی۔ چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہمیں یہ معنے سمجھائے کہ خشکی سے مراد غیر مذہبی دنیا ہے اور تری سے مراد مذہبی دنیا ہے۔ کل عالم ہی گندہ ہو چکا تھا جب حضرت اکرم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔ تو ان معنوں میں مَیں یہ استعمال کر رہا ہوں۔ قرآنی محاورہ میں حقیقتاً اللہ تعالیٰ کے فضلوں نے خشکی کو بھی بھر دیا اور تری کو بھی۔

خدا کے فضل حقیقت میں دلوں پر نازل ہوا کرتے ہیں اور یہ قلب سے تعلق رکھنے والا محاورہ ہے۔ چنانچہ جماعت احمدیہ کے دلوں میں بھی ہم نے غیر معمولی طور پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضلوں کی بارش برستے دیکھی اور غیر مذہبی دنیا جو بظاہر مذہب کی طرف منسوب ہوتی ہے لیکن حقیقت میں ان کی بھاری اکثریت خدا کی بھی قائل نہیں رہی۔ ان کے دلوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص قدرت کے ساتھ فرشتے نازل ہوتے دیکھے جنہوں نے ان دلوں کو (دین حق) کے حق میں مائل کیا اور خوب کثرت کے ساتھ اور اس شدت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش ہوئی ہے کہ آنکھیں اس نظارہ کو دیکھتی تھیں تو نمناک ہو جاتی تھیں۔ دل خدا کی حمد کے گیت گاتا تھا۔

یہ ایک لمبا مضمون ہے۔ یورپ کی جو جماعتیں ہیں، وہ ان حالات میں سے گزری ہیں۔ ان کو علم ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ ان کے دلوں کو مربوط فرمایا اور دیکھتے دیکھتے ان کے اخلاص میں ترقی دی۔ وہ چہرے جو پہلے خاموش خاموش چہرے تھے ان پر روحانیت کی نئی چمک آنی شروع ہوئی، وہ آنکھیں جو خشک آنکھیں تھیں اللہ کی یاد سے تر ہونے لگیں اور خدا کی یاد میں آنسو بہانے لگیں۔ ایک ایسا عجیب نظارہ تھا، خدا کے فضلوں سے دلوں کے بھرنے اور پھر ان کے چھلک جانے کا کہ وہی

لوگ اس سے پوری طرح لذت یاب ہو سکتے ہیں جو اس واردات میں سے گزرے ہوں اور جنہوں نے یہ واردات اپنے سامنے گزرتی دیکھی ہوں۔ اس کی تفصیلات یہاں بیان کرنے کا وقت نہیں۔ نمونۃً وہ لوگ جو اعداد و شمار میں جانچنا چاہتے ہیں ان کے لئے مثال کے طور پر یہ بات رکھتا ہوں کہ بعض ملکوں میں جہاں جماعت خود کفیل نہیں تھی بلکہ تقریباً نصف کے قریب ان کو بیرونی دنیا سے مالی مدد دی جاتی تھی، دو یا تین دن کے اندر اندر خدا تعالیٰ کے فضل سے اس قدر قربانی کی طرف وہ لوگ مائل ہوئے کہ ہم ایک ملک سے دوسرے ملک پہنچتے تھے تو پیچھے سے (مربی) کی اطلاع آ جاتی تھی کہ یہ جماعت اب خود کفیل ہو چکی ہے۔ اب کسی بیرونی مدد کی ضرورت نہیں رہی۔

پس یہ ہیں اللہ کے فضل جو قطروں کی طرح نہیں یقیناً بارش کی طرح نازل ہوئے ہیں۔ غیر معمولی طور پر اللہ تعالیٰ نے ہر جہت سے، ہر روحانی جہت سے جماعت پر اپنے فضل فرمائے اور ان کے اخلاص میں غیر معمولی ترقی عطا فرمائی۔ یہ ایک بہت لمبی داستان ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا مجھے سپین کی باتیں کرنی ہیں اس لئے میں اس کو فی الحال چھوڑتا ہوں۔

ضمناً یہ بیان کر دوں کہ اس سارے سفر کے دوران غیر مذہبی دنیا میں بھی ہم نے اللہ تعالیٰ کے تصرفات کے عجیب نظارے دیکھے۔ وہ آنکھیں جو شروع میں خشونت رکھتی تھیں، وہ نگاہیں جو شک سے دیکھ رہی تھیں ان کے اندر بڑی تیزی کے ساتھ تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہوئیں۔ دشمنی کی نگاہیں دوستی میں بدلیں۔ دوستی کی نگاہیں محبت میں بدلیں اور پریس کانفرنسز کے موقع پر بھی اللہ تعالیٰ نے ایسا تصرف فرمایا کہ ہر پریس کانفرنس ایک مذہبی (دعوۃ الی اللہ) کا ذریعہ بن گئی۔ اور پھر اس (دعوۃ الی اللہ) کو بہت سے اخبارات نے اپنے صفحات میں شائع بھی کیا۔ یہاں تک کہ بعض ایسے اخبارات نے بھی جو عیسائیت کے نمائندہ تھے۔ جن کے متعلق یہ کہا گیا تھا کہ یہ تو آئے ہیں صرف حاضری دینے کے لئے چونکہ عیسائی دنیا کے نمائندہ ہیں اس لئے مذہبی باتیں (دین حق) کے حق میں تو یہ شائع کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے ان سے توقع نہ رکھی جائے۔ ایک ایسے ہی اخبار نے سب سے زیادہ شاندار الفاظ میں جماعت احمدیہ کی (دعوۃ الی اللہ) کی ہے اور ایسا بھرپور، پُرمغز مقالہ لکھا اور احمدیت کی طرف سے دلائل اس رنگ میں پیش کئے کہ جس سے لکھوکھا غیروں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک احسن رنگ میں (دین حق) کا پیغام ملا۔

اب آپ کہیں اور ذرا سوچیں کہ اس میں مبالغہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا کلام اور (دین حق) کا پیغام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کی جھلکیاں عیسائی اخبار کے ذریعہ لکھوکھا انسانوں تک پہنچ

رہی ہوں۔اسی کا نام تو بارش ہے۔صرف اس پہلو سے آپ دیکھیں تو کروڑ ہا یورپ کے بسنے والوں نے اس آنکھ سے (دین حق) کو دیکھا جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت کی آنکھ تھی۔اس آنکھ سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کا نظارہ کیا جو عاشق صادق حضرت مرزا غلام احمد کی آنکھ تھی اور اس حسن کو محسوس کیا اور اس کی تپش اپنے سینے میں محسوس کی۔یہی تو فضل ہیں اللہ تعالیٰ کے جن پر آپ کروڑوں اربوں روپے بھی خرچ کرتے تو اپنی قوت بازو سے اس کو حاصل نہیں کر سکتے تھے۔

دنیا میں ایسے ملک بھی ہیں جن میں جماعت ہزار ہا بلکہ لاکھوں روپیہ خرچ کر کے بطور اشتہار ہی یہ بات شائع کروانا چاہتی تھی کہ آپ ہمدردی میں نہ سہی پیسے لیجئے اور اشتہار کی قیمت سے دس گنا زیادہ پیسے لیجئے لیکن شائع تو کر دیں کہ سپین میں خدا کا ایک گھر بنایا جا رہا ہے سات آٹھ سو سال کے توقّف کے بعد لیکن وہ اس کے لئے بھی تیار نہ ہوئے۔اور کہاں یہ کہ بعض ایسے اخبارات جن کے چھپنے کی اتنی تعداد ہے کہ بعض بڑے بڑے پسماندہ ملکوں کے سارے اخباروں سے زیادہ اس ایک اخبار کی اشاعت ہوتی ہے۔انہوں نے تمام اہل یورپ میں بڑی فراخدلی کے ساتھ (دین حق) کی (دعوۃ) کی ہے بلکہ بعض اخبار تو ایسے تھے جو ساری دنیا میں جاتے ہیں۔صرف یورپ میں نہیں بلکہ امریکہ میں بھی پڑھے جاتے ہیں اور بہت سی ایسی چیزیں تھیں جس کے نتیجہ میں جب ہم یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے رحم اور اس کے فضل بارش کے قطروں کی طرح بلکہ موسلا دھار بارش کے قطروں کی طرح برسے ہیں تو اس میں کوئی مبالغہ نہیں۔

سپین کا شاندار ماضی

اب میں سپین کی طرف آتا ہوں۔سپین وہ ملک ہے جہاں آٹھ سو سال تک مسلمانوں نے حکومت کی۔آٹھ سو سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہوتا۔اور ایسی شاندار حکومت کی کہ اس حکومت کے نتیجہ میں تمام سپین تمام مغرب کے لئے روشنی کا مینار بن گیا۔عدل وانصاف کو قائم کیا۔انسانی حقوق کو ادا کیا۔مذاہب کے درمیان عدل اور توازن کو قائم کیا۔اور ایک واقعہ بھی ایسا نہیں ہوا کہ تلوار کے زور سے کسی کو مسلمان بنایا ہو۔اخلاق حسنہ کے نتیجہ میں اور مواعظ حسنہ کے نتیجہ میں وہاں قبائل کے قبائل مسلمان ہو گئے۔آٹھ سو سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں۔اس عرصہ میں تو قوموں کی تاریخ بنتی بھی ہے، بگڑتی بھی ہے۔پھر بنتی ہے اور پھر بگڑ جایا کرتی ہے۔آپ ہندوستان کی گزشتہ آٹھ سو سال کی تاریخ کا مطالعہ کریں، کتنی حکومتیں آئیں۔انہوں نے عروج پکڑا۔پھر وہ مٹ گئیں۔پھر ان کی جگہ دوسری آئیں۔پھر انہوں نے

عروج پکڑا اور مٹ گئیں اور یادگار کے طور پر اپنے کھنڈر چھوڑ گئیں۔ایک کے بعد دوسری لہر آئی ہے اور انگریز نے جب حکومت کی ہے تو یوں لگتا تھا جس طرح ہزاروں سال سے یہ قوم ہم پر مسلّط ہے حالانکہ ان کے پہلے دن کا آنا اور آخری دن کا جانا حکومت کا عرصہ نہیں۔آغاز میں ان کا ادخال اور آخری انجام تین سو سال کے اندر اندر ختم ہو گیا۔اس لئے آٹھ سو سال کا عرصہ کوئی معمولی عرصہ نہیں ہے۔لیکن پھر سپین پر ایک ایسی ہیبت ناک رات طاری ہوئی ہے کہ سات ساڑھے سات سو سال تک اسلام کا نشان کلیۃً وہاں سے مٹا دیا گیا۔نومسلموں پر اتنے شدید مظالم توڑے گئے اور باہر سے آنے والوں پر کہ کچھ کو تو دھکیل کر سمندر سے باہر یہ کہہ کر بھجوایا گیا کہ سمندر کے رستے جہاں سے تم لوگ آئے تھے وہاں واپس چلے جاؤ اور ان جہازوں کو عین وسط سمندر میں ڈبو دیا گیا اور ایک بھی ان میں سے بچ کر اپنے وطن کو واپس نہیں جا سکا اور پھر جو پیچھے تھے ان کو گھیر کر جس طرح پرانے زمانہ میں بادشاہ شکار کیا کرتے تھے ہرنوں کا، یا جس طرح بابر نے شکار کیا۔ تزک بابری میں لکھا ہوا ہے۔اور بھی ایسی کتابوں میں پرانے زمانے کے شکار کا ذکر ملتا ہے کہ فوج گھیرا ڈال کر ایسے کونوں میں شکار کو اکٹھا کر دیا کرتی تھی جہاں سے آگے نکل بھاگنے کا کوئی رستہ نہیں ہوتا تھا۔پھر اچھے شکاری کی ضرورت نہیں ہے۔جس طرف بھی گولی چلتی تھی کوئی نہ کوئی شکار اس کے نتیجہ میں پھڑک رہا ہوتا تھا۔ویسا ہی حال مسلمانوں کا کیا گیا۔مختلف قصبوں سے گھیر گھیر کر ان پر ان کی زمین تنگ کرتے چلے گئے اور ہر جگہ جہاں ان کا قبضہ ہوا وہاں سے انتہائی مظالم کے ساتھ مسلمانوں کو نکال کر دوسرے قصبوں میں دھکیلا گیا یہاں تک کہ جب وہ گھیرا مکمل ہو گیا اور سمندر کی لہروں کے سوا اور کوئی چیز ان کی نجات کے طور پر نہ رہی اس وقت انہوں نے ان کے ساتھ یہ دھوکا کیا کہ جو لڑنے والے بیرونی سپاہی تھے ان سے تو یہ کہا ہم تمہیں جان کی امان دیتے ہیں۔یہ جہاز لو اور یہاں سے رخصت ہو جاؤ اور جو بقیہ ان کی قوموں کے نومسلم لوگ تھے ان کو قتل و غارت کے ذریعہ بہیمانہ طریق پر اس طرح ختم کیا گیا کہ ایک بھی اسلام کا نام لینے والا نہیں رہا۔ ہزارہا مساجد، یا ان کے کھنڈرات باقی رہ گئے ہیں۔ان میں سے کچھ گرجوں بلکہ بیشتر گرجوں میں تبدیل ہو گئیں۔اس کے باوجود آج تک مسلمانوں کی سینکڑوں مساجد پھیلی پڑی ہیں۔سینکڑوں قلعے پھیلے پڑے ہیں جو خالی اور ویران ہیں اور کھنڈروں میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

غرناطہ کے قلعہ کی سیر کی جائے جس کا نام الحمراء ہے تو ایک ایک قدم پر دکھ ہوتا ہے۔اس طرح وہ پرانی یادوں سے بھرا پڑا ہے کہ وحشت ہونے لگتی ہے اسے دیکھ کر۔ایک طرف اس میں بے پناہ حسن ہے جو نظر کو کھینچتا ہے اور دل کو جذب کرتا ہے۔دوسری طرف اتنا دکھ اور درد ہے کہ اس سے انسان کا انگ انگ دکھنے

لگتا ہے۔صنعت کاری کے حیرت انگیز نمونے ہیں۔اتنا عظیم الشان قلعہ ہے اور اتنی حیرت انگیز محنت کے ساتھ ایسی باریک نظر سے صنعت کاری کی گئی ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ ان لوگوں کو جرأت کیسے ہوئی کہ اتنے باریک ہاتھ سے لکھی ہوئی عبارتیں ہیں جو کلیۃً اللہ کے نام پر مبنی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفات پر مبنی ہیں۔ کوئی اور ذکر وہاں نہیں ملتا سوائے اس کے کہ وہاں بعض بادشاہوں کا نام ملتا ہے کہ ان کے زمانہ میں یہ لکھا گیا۔ اَلْقُدْرَۃُ لِلّٰہِ ، اَلْعِزَّۃُ لِلّٰہِ۔ قلعہ کی دیواروں کے چاروں طرف ارب ہا ارب دفعہ پتھروں میں باریک ہاتھوں سے یہ کھدائی کی گئی ہے اور ایسے خوبصورت رنگ جمائے گئے ہیں کہ آج تک امتداد زمانہ کے باوجود مٹے نہیں۔ وہاں مسلمانوں کے لئے دکھ کی یادیں ہیں اور اہل سپین کے لئے یہ خطرات کہ یہ یادیں کہیں دوبارہ عالم اسلام کو اس طرح نہ کھینچیں کہ یہ ہم سے انتقام لیں اور دوبارہ ہمیں فتح کرنے کے منصوبے بنائیں۔

پس جہاں وہ یادیں ایک طرف مسلمانوں کو کھینچتی ہیں وہاں مسلمانوں کو رد کرنے کے لئے ایک مقابلانہ لہر بھی اہل سپین کے دل میں پیدا کر رہی ہیں۔خوف پیدا کر رہی ہیں کہ یہ کون لوگ ہیں۔ کیوں آتے ہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ سپین کو دوبارہ فتح کرنے کا منصوبہ بنا کر اہل اسلام چلے آئیں۔ایک یہ پس منظر ہے۔

ایک اور پس منظر یہ ہے کہ سپین عیسائی دنیا میں سب سے زیادہ متعصب فرقہ سے تعلق رکھنے والا ملک ہے۔رومن کیتھولک عیسائی فرقہ نہایت متعصّب فرقوں میں شمار ہوتا ہے یعنی ویسے تو رومن کیتھولکس سب سے زیادہ کٹر اور آرتھوڈوکس عیسائی ہیں لیکن سپین کے رومن کیتھولکس پر بعینہٖ وہ مثال صادق آتی ہے کریلا اور نیم چڑھا۔ سپین وہ ملک ہے جہاں مذہبی تعصّب نے اتنی شدت اختیار کی کہ دنیا میں سب سے زیادہ مذہب کے نام پر جہاں مظالم توڑے گئے ہیں وہ ملک سپین ہے۔Inquisition کی انکوزیشن یعنی مذہب کی بناء پر مظالم توڑنے کا کارخانہ قائم کرنا، یہ سپین کی ایجاد ہے اور سپین کی یہ ایجاد غیر مذاہب کے لئے نہیں تھی خود عیسائیوں کے لئے تھی۔یعنی مذہب میں ان کی شدت کا اندازہ کریں اور سخت دلی کے حال کا اندازہ کریں کہ جن یہود کو وہ ظالم کہا کرتے تھے ان سے اپنے مظالم میں کئی گنا زیادہ بڑھ گئے۔ یہود نے تو ایک صلیب دی تھی یہاں روزانہ ہزاروں صلیبیں اور اس سے بڑھ کر تکلیفیں دی جاتی تھیں۔ یہاں تک کیفیت تھی کہ جب میں انگلینڈ میں پڑھا کرتا تھا ہم نے مادام تساؤ میں سپین کی Inquisition کے وہ آلات دیکھے جن کے ذریعہ وہ عیسائیوں کو دکھ دیا کرتے تھے اس جرم میں کہ انہوں نے مذہب کے خلاف یا کسی پادری کے خلاف یا کسی ظالم بشپ کے خلاف اظہار رائے کیا ہے۔ایسے ایسے خوفناک آلے ایجاد ہو گئے تھے

کہ ان آلوں کو دیکھ کر انسان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے تھے۔ کئی عورتیں اور بچے جو دیکھتے تھے ان کی چیخیں نکل جاتی تھیں۔ ان کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی تھی۔ اتنا زور پڑا اس ادارے پر جس نے وہ آلے رکھے ہوئے تھے کہ آخر ان کو وہ آلے وہاں سے اٹھانے پڑے۔ اور اوپر بڑے بڑے بورڈ لگے ہوئے تھے کہ کمزور دل عورتیں اور بچے وہاں نہ جائیں۔ وہ اس قسم کے خوفناک آلے تھے۔ وہ تو لمبی کہانی ہے مثلاً آنکڑے کا پہیہ ہوتا تھا جس طرح ہمارے ہاں پرانے زمانہ میں کنوؤں سے پانی نکالنے کا انتظام ہوتا تھا ٹنڈیں لگی ہوئی تھیں۔ اس طرح اس کے اوپر آنکڑے لگے ہوئے ہوتے تھے۔ ان کے اوپر انسان کو الٹا کر کس دیا جاتا تھا اور اس کو آہستہ آہستہ اس طرح گھماتے تھے کہ وہ جب دائیں یا بائیں یا نیچے جاتے تھے تو سارا بوجھ اس آنکڑے کا جلد پر آجاتا تھا وہ اور اندر گھستے تھے اور زخمی جسم کو اور تکلیف پہنچاتے تھے اور مسلسل اس حالت میں وہ چکر دیتے چلے جاتے تھے۔ بڑی بڑی بوتلوں میں اس طرح بند کر دیا جاتا تھا کہ وہ ہاتھ اور پاؤں ٹیڑھا کرنے کی بھی گنجائش نہیں پاتے تھے۔ صرف سانس کے لئے کارک میں سوراخ رکھا جاتا تھا تا کہ مر نہ جائے اور انتہائی اذیت میں وہاں وہ آدمی اسی طرح کھڑا رہتا تھا اور سسک سسک کر مدتوں کے بعد جان دیتا تھا اور جب تک وہ اس جرم کا اقرار نہیں کر لیتا تھا جو جرم اس نے نہیں کیا ہوتا تھا اس وقت تک اسے یہ سزا اس لئے ملتی تھی کہ Confess کرے۔ یعنی اقرار جرم کرے۔ اور جب وہ Confess کر لیتا تھا تو کہتے تھے دیکھا جھوٹے اب سمجھ آئی تمہیں۔ اب تمہیں اس کی سزا ملے گی۔ یعنی پہلے زبردستی جھوٹ بلوا کر اس سے اس جرم کا اقرار کروایا جاتا تھا جو اس نے کیا ہی نہیں تھا۔ پھر اس کے بعد اس جرم کی سزا دی جاتی تھی جو اس بیچارے نے اس پہلے ظلم سے تنگ آکر مان لیا ہوتا تھا۔

حضور کی دعائیں اور اہل سپین کا والہانہ استقبال

یہ وہ ملک تھا جہاں بیت احمدیہ......... بنانے کے لئے پہلی مرتبہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ تشریف لے گئے۔ جب حضور پہلی دفعہ وہاں گئے تو اس وقت بھی ابھی سپین میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی تھی۔ ایسی شدید مذہبی حکومت وہاں قائم تھی کہ جس کے نتیجہ میں غیر عیسائی فرقوں کو بھی وہاں چرچ بنانے کی اجازت نہیں تھی۔ جہاں تک میرا علم ہے ابھی تک غالباً رومن کیتھولکس کے سوا اور دوسرے چرچ وہاں نہیں ملیں گے۔ وہاں حضور نے دعائیں کیں، وہاں گریہ وزاری کی، اللہ تعالیٰ سے التجائیں کیں کہ اے اللہ تعالیٰ! وہ پاک تبدیلی پیدا فرما دے کہ ہماری دیرینہ تمنائیں برآئیں۔ چنانچہ خدا تعالیٰ کے فضل سے چند سال کے اندر

اندر حکومت میں انقلاب آیا اور پہلی دفعہ وہاں جمہوری حکومت قائم ہوئی جس نے مذہبی آزادی کا اعلان کر دیا۔ان حالات میں وہاں سپین کی بیت بنی۔لیکن جو لوگ صدیوں سے مذہبی تعصّبات کا شکار ہوں وہ ایک یا دو دن میں یا ایک یا دو سال میں تو نہیں بدل جایا کرتے۔چنانچہ جب ہم وہاں (بیت الذکر) کے افتتاح کے لئے گئے تو ہمارے یورپین احمدی بڑے فکر مند تھے۔وہ کہتے تھے کہ حکومت نے اجازت تو دے دی ہے۔ افتتاح بھی ہو گا۔لیکن اہل سپین کو ہم جانتے ہیں۔ہم یورپین ہیں ہمیں ان کے مزاج کا پتہ ہے۔وہ (دین حق) کے لئے اپنا دل نہیں کھول سکتے۔یہ ماہر انسانوں کی رائے تھی۔لیکن جب ہم وہاں گئے تو حیرت انگیز انقلاب دیکھا ہے۔اتنا عظیم الشان استقبال ہوا ہے احمدیت کا کہ آپ کے یعنی ان کے تصور میں بھی نہیں آ سکتا جو وہاں نہیں گئے۔ہر احمدی جو وہاں جاتا تھا خواہ وہ امریکہ سے آیا ہو یا انڈونیشیا سے یا جاپان سے یا کسی اور ملک سے۔اس کا چہرہ دیکھ کر پہچان لیتے تھے کہ یہ کس لئے آیا ہے۔اور بڑی خوشی سے اس سے ملتے تھے اور کہتے تھے کہ تم پیدروآباد ماسکی تا (Mazquita) جانے کے لئے آئے ہو۔اور اس کے بعد وہ خوشی کا اظہار کرتے تھے۔یہاں تک کہ بعض دفعہ جب ہمارے دوست سپینش بچوں کے پاس سے گزرتے تھے تو بچے محبت کے اظہار کے طور پر لاالہ الااللّٰہ پڑھنے لگ جاتے تھے۔ لاالہ الااللّٰہ کی آواز بڑی پیاری ہے۔لیکن عیسائی مشرکین اور پھر رومن کیتھولک اور مشرکین پھر سپینش رومن کیتھولک بچوں کے منہ سے جب لاالہ الااللّٰہ کی آواز آتی تھی تو ایسا سرور آتا تھا،ایسا دل کھِل جاتا تھا نشے میں کہ اس کا کوئی تصور نہیں کر سکتا جس نے وہ آواز خود اپنے کانوں سے نہ سنی ہو۔

ہم تھوڑی دیر کے لئے وہاں ساتھ کا گاؤں پیدروآباد ہے وہ دیکھنے کے لئے گئے۔چند منٹ کے لئے خیال تھا کہ نظر ڈال لیں وہ گاؤں کیسا ہے۔تو وہاں ایک میلہ سا لگا ہوا تھا۔جب ہم داخل ہوئے ہیں تو بہت سارے بچے جو زرق برق لباس میں ملبوس تھے انہوں نے ہمیں دیکھا اور سوال نہیں کیا۔انہیں تو ہماری زبان آتی نہیں تھی۔صرف ایک کلمہ لاالہ الااللّٰہ سیکھا ہوا تھا۔تو انہوں نے کہا لاالہ الااللّٰہ ؟ یعنی تم وہی ہو لاالہ الااللّٰہ والے؟ ہم نے کہا ہاں لاالہ الااللّٰہ ۔اس پر انہوں نے بڑی خوشی سے کہنا شروع کر دیا۔ لاالہ الااللّٰہ۔ لاالہ الااللّٰہ عجیب کیفیت تھی۔لیکن پیدروآباد ایک چھوٹا سا قصبہ ہے۔اس کے اردگرد کے ماحول میں معمولی سی تبدیلی آنا تو آپ سمجھتے ہوں گے کہ تعجب کی بات نہیں۔مگر سارے سپین میں،سارے اندلس میں یہ تبدیلی تھی۔اندلس کے ہر شعبۂ زندگی میں یہ تبدیلی تھی۔

سپین کی پولیس کسی زمانہ میں اپنی سختی میں مشہور تھی۔اور مجھے بھی اس کا تجربہ ہوا تھا کہ یہاں جیب

کترے ہیں۔ جیبیں کاٹی جاتی ہیں ، ڈاکومنٹس (Documents) چوری ہو جاتے ہیں ۔ میں اپنا پاسپورٹ گھر جان کر چھوڑ کے آیا۔ انہوں نے ڈراتو دیا یہ بتانا بھول گئے کہ یہاں پولیس اتنی سخت ہے کہ اگر پاسپورٹ کے بغیر پکڑا جائے تو اسی وقت اس کو قید کر دیتے ہیں ۔ چنانچہ میں گاڑی میں ابھی بیٹھا ہی تھا میر محمود احمد صاحب بھی میرے ساتھ تھے۔ تو پولیس والا آیا ہمیں اس کی زبان تو آتی نہیں تھی۔ اس نے کہا کا ٹیج - کارڈ دکھاؤ۔ میں نے کہا میرے پاس تو کوئی نہیں ہے۔ اس نے کہا کہ اچھا آ جاؤ پھر میرے ساتھ۔ اب اس بیچارے کو قید خانہ کوئی ملے نہ گاڑی میں اور چھ سات گھنٹے کا سفر تھا۔ اب وہ میرے ساتھ بیٹھ کر یہ سارا عرصہ خود پابند ہو کر نہیں گزارنا چاہتا تھا۔ وہ ذرا آرام طلب لوگ ہیں ۔ ہم تو تھرڈ کلاس میں تھے۔ اس کو فرسٹ کلاس کا ایک خالی ڈبہ ملا۔ اسی میں اس نے مجھے قید کر دیا۔ میں نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ بڑی اچھی قید ہے۔ فرسٹ کلاس کی سیٹ پر میں نے بڑے مزہ سے سفر طے کیا۔ وہاں تھانے میں جا کر بیٹھ گئے ۔ اس کو میں نے پھر آخر کہا بلاؤ تو کسی ترجمان کو۔ انہوں نے ایک ترجمان بلایا۔ ایک امریکن ہوٹل میں کام کرتا تھا۔ اس کو میں نے کہا تم لوگ بڑے عجیب ہو۔ ہم تو سمجھتے تھے بڑے مہمان نواز لوگ ہیں ۔ اچھا تم نے ہمیں الحمراء دکھایا ہے کہ تھانے لا کر بٹھا دیا۔ تو تھانے دار نے یہ شفقت کی کہ میر محمود احمد صاحب سے کہا کہ تم اپنا پاسپورٹ چھوڑ جاؤ اور تم دونوں جا کر سیر کرو اور ہماری نگرانی بھی ہوئی اور ہم نے اسی نگرانی میں سیر کی۔ واپس آنے تک معاملہ صاف ہو گیا تھا۔ کرم الٰہی صاحب ظفر کو ہم نے پیغام بھیجا تھا انہوں نے وہاں منسٹری میں جا کر شور ڈالا تو بڑی سختی سے وہاں سے تھانیدار کو فون آیا اور چونکہ پولیس سٹیٹ تھی ۔ پولیس کے افسروں سے خود پولیس بڑا سخت ڈرتی تھی۔ تو میں نے یہ نظارہ بھی دیکھا کہ فون پر ادھر سے کوئی افسر بڑی تیزی سے بول رہا تھا اور وہ تھانیدار صاحب ڈر کے مارے بار بار مجھے سلیوٹ کرتے جا رہے تھے۔

حیرت انگیز محبت

خیر ایک وہ وقت بھی تھا۔ ایک یہ وقت آیا کہ سپین کی پولیس کو ہم نے ایک اور روپ میں دیکھا اور سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے دلوں میں وہ تبدیلی پیدا کی ہو یہ ناممکن ہے کہ ایک حکومت کی پولیس اس طرح غیر معمولی طور پر محبت کا اظہار کرے۔ جس وقت ہم وہاں پہنچے ہیں اس وقت سے لے کر آخر وقت تک پولیس کے افسران ہماری حفاظت کیلئے آگے بھی چل رہے تھے پیچھے بھی چل رہے تھے اور ایسا عجیب انتظام تھا کہ ایک ریاست سے جب دوسری میں جاتے تھے تو وہاں آگے پولیس کی کاریں کھڑی ہمارا

انتظار کر رہی ہوتی تھیں۔ اور وہ Take over (ٹیک اوور) کرتی تھیں اور سلام کر کے پھر پہلی پارٹی اجازت لیتی تھی اور ایک مستقل پارٹی ساتھ رہتی تھی۔ صرف یہ حفاظت نہیں کر رہے تھے۔ حیرت انگیز محبت کا اظہار تھا۔

جب ہم غرناطہ پہنچے ہیں تو دو واقعات ایسے ہیں جس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں کیسی تبدیلی پیدا کر دی۔ ایک پولیس آفیسر صاحب جو ہمارے ساتھ تھے وہ موٹروں کے دروازے کھولتے تھے جس طرح ڈرائیور کھولتے ہیں اور رات کو جب ہم جدا ہوئے تقریباً بارہ ایک بج گئے تھے۔ غالباً ایک بجے کی بات ہے پریس کانفرنس بھی ہوئی لمبا عرصہ ہو گیا تھا۔ وہ صاحب ہٹے ہی نہیں تھے میرے دروازے کے سامنے سے۔ میں نے اپنے ترجمان دوست کے ذریعہ اس کو کہلوایا کہ آپ تھک گئے ہوں گے۔ آپ واپس چلے جائیں۔ انہوں نے کہا کہ نہیں اس طرح نہیں جاؤں گا۔ پہلے مجھ سے وعدہ کریں کہ صبح الحمراء دیکھنے کے لئے اپنے کمرہ سے نہیں نکلیں گے جب تک میں نہ آ جاؤں۔ اور مجھے وقت بتا دیں میں اسی وقت پہنچ جاؤں گا۔ میں نے وقت بتایا۔ اگلے روز دروازہ کھولا وہ باہر کھڑے تھے۔ ایسی حیرت انگیز محبت کا اظہار تھا۔ میں نے سمجھا یہ کوئی معمولی آدمی ہوگا۔ چھوٹے افسر بھی ہوتے ہیں۔ اس بیچارے کو شاید ہدایت ہو اس طرح کی۔ بعد میں پتہ لگا کہ اس شہر کے وہ اسسٹنٹ پولیس کمشنر تھے۔ آخر پر جب ہم جدا ہونے لگے اور پریس والوں نے میرے تاثرات پوچھے تو میں نے ان سے کہا کہ اس شہر کو میں نے دو دفعہ دیکھا ہے۔ دونوں دفعہ پولیس کسٹڈی (Police Custody) میں دیکھا ہے ایک دفعہ اس طرح دیکھا کہ پولیس مجھے مجرم سمجھ کر بیرونی دنیا کی مجھ سے حفاظت کر رہی تھی اور آج اللہ کے فضل سے اس طرح دیکھا ہے کہ دنیا کو مجرم سمجھ کر میری حفاظت ہو رہی تھی ان سے میں نے کہا میں تو بحیثیت انسان وہی شخص ہوں۔ اسی طرح کا انسان ہوں۔ کوئی تبدیلی میرے اندر پیدا نہیں ہوئی۔ یعنی میرا نام بھی وہی ذات بھی وہی۔ مزاج بھی وہی تعلیم بھی وہی۔ کیا فرق پڑا ہے۔ صرف اور صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں کی برکت ہے کہ جن کی نمائندگی میں مَیں اس دفعہ سپین گیا تھا اور ایسی حیرت انگیز طور پر کایا پلٹ گئی۔

وہاں جب ہم غرناطہ پہنچے ہیں تو پریس کا حال یہ تھا کہ جاتے ہی پہلے ہمیں ہوٹل میں داخل ہوتے ہی آواز آئی۔ اَھْـلًا وَّ سَھْـلًا وَّمَرْحَبًا۔ ہم نے حیرت سے پوچھا کہ یہ اَھْـلًا وَّ سَھْـلًا کہنے والے کون ہیں۔ تو پتہ لگا کہ پریس کے نمائندے انتظار کر رہے ہیں اور انہوں نے یہ الفاظ سیکھے ہیں آپ کو خوش آمدید کہنے کے لئے۔ جب پریس انٹرویو شروع ہوا تو جس طرح ہمیں باقی پریس کے ساتھ واسطہ پڑتا رہا ہے اور

مختلف ملکوں میں پریس کا تصور مختلف ہے۔ بعض جگہ اچھے پریس کی علامت یہ ہے کہ سو فی صدی جھوٹ بولا جائے اور یہ علامتیں اور یہ تعریفیں بدلتی جاتی ہیں کہیں نوے فیصدی جھوٹ آجاتا ہے کہیں اسی فیصدی آجاتا ہے کہیں ستر فیصدی۔ چنانچہ سپین میں جو دوسرا پریس انٹرویو ہوا اس میں انہوں نے ہمارے متعلق ایک لفظ جھوٹ نہیں بولا۔ ہر وہ بات نمایاں طور پر بیان کی جو کہ (دین حق) کی تائید میں تھی اور دوسرے دن کے پرچے دیکھ کر ہم حیران رہ گئے کہ اگر کوئی احمدی پریس نمائندہ ہوتا تو اس سے بہتر وہ ہمارے انٹرویو کو شائع نہیں کر سکتا تھا۔ غرناطہ سے لاکھوں کی تعداد میں شائع ہونے والے اخباروں نے ہمارا چرچا کیا اور اس اعلان کی سرخیاں لگائیں کہ سپین نے (دین حق) کے لئے اپنے دروازے کھول دیئے ہیں۔ یہی نہیں بلکہ جب وہ انٹرویو لے کر رخصت ہوئے تو ضمناً انہوں نے ہم سے پوچھا کہ آپ کا پروگرام کیا ہے۔ آپ نے الحمراء بھی دیکھنا ہوگا۔ ہم نے کہا ہاں ضرور دیکھنا ہے۔ انہوں نے کہا اندازاً آپ کس وقت جائیں گے۔ ہم نے بتایا کہ فلاں وقت سے فلاں وقت تک وہاں ہوں گے۔ وہ پریس کے نمائندے پھر وہاں بھی پہنچے ہوئے تھے۔ اور اس طرح ساتھ ساتھ پھرتے رہے کہ ہمیں دیکھنے کے لئے جو ہجوم اکٹھے ہو جاتے تھے ان کو وہ ہماری (دعوۃ الی اللہ) کرتے رہے۔ وہ اپنی زبان میں ان کو بتاتے رہے کہ یہ کیا ہے۔ (دین حق) کیا ہے۔ اور یہ کیا کہنے آئے ہیں اور کیا لے کر آئے ہیں اور خدا تعالیٰ نے فضل کیا پہلے تو ہمارے پاس صرف ایک دو مترجم تھے یہ دو چار مترجم بھی ساتھ شامل ہو گئے۔ آخر پر جب ہم جدا ہونے لگے تو وہ کہنے لگے ہمیں بتائیں۔ آخری پیغام دیں۔ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ کوئی ایک فقرہ بتائیں جس میں یہاں آنے کی غرض کا خلاصہ آجائے۔ میں نے ان سے کہا کہ ایک فقرہ تو پھر میرے دل میں یہ آرہا ہے کہ جو چیز اہل سپین نے (دین حق) سے تلوار کے زور سے چھینی تھی ہم محبت کے زور سے دوبارہ فتح کرنے کے لئے آگئے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن کے اخباروں میں یہی عنوان لگا ہوا تھا۔ انہوں نے نمایاں کر کے یہ اعلان لگایا کہ اہل سپین نے (دین حق) سے جو تلوار کے زور سے چھینا تھا آج (دین حق) کے نمائندے محبت کے زور سے دوبارہ اس کو واپس لینے کے لئے آگئے ہیں۔

دوسرے دن جب ہم واپس روانہ ہونے لگے تو ہمارا پروگرام یہ تھا کہ صبح جلدی روانہ ہوں گے۔ خیال یہ تھا کہ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے تک قرطبہ پہنچ جائیں۔ وہاں مسجد بھی دیکھنی تھی۔ اس کے بعد تو پھر اتنی مصروفیت تھی ناممکن تھا باہر نکل کر ہم کوئی چیز دیکھ سکتے۔ تو خیال یہی تھا کہ پہلے دن غرناطہ دوسرے دن واپسی پر قرطبہ کی مسجد دیکھیں گے اور اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ بے شمار وہاں کام تھے جو کرنے

والے تھے لیکن روانگی میں دیر ہو رہی تھی۔ میں نے پتہ کیا یہ دیر کیوں ہو رہی ہے تو مجھے یہ بتایا گیا کہ پولیس کہتی ہے کہ جس رستہ سے آپ نے گزرنا ہے اس رستہ پر رش بڑا ہوتا ہے اس لئے جب تک ہم وہاں کی ساری ٹریفک بند نہ کرالیں اور رستہ خالی نہ کرالیں ہم آپ کو لے کر نہیں چلیں گے۔

پس یہ جو حالات ہیں عقل میں آ ہی نہیں سکتے۔ کیونکہ ہر جگہ ہم نے انتہائی سچائی کے ساتھ اپنی حقیقت سے ان کو آگاہ کر دیا۔ کوئی چیز چھپا کر نہیں رکھی۔ ہر جگہ جاتے ہی جو پریس انٹرویو ہوا اس میں ہم نے اہل سپین کو بتایا کہ ہم وہ لوگ ہیں جو اپنے ملک کے نزدیک بھی مسلمان نہیں کہلاتے۔ ہم آئے تو ہیں (دین حق) کی نمائندگی میں لیکن کوئی لگی لپٹی نہیں رکھنا چاہتے۔ تمہارا سلوک ہم سے کیا ہو یہ تمہاری مرضی ہے۔ لیکن ہم سچائی کے اظہار سے باز نہیں آئیں گے۔ ہم وہ کمزور جماعت ہیں، اتنی کمزور جماعت کہ جن کو اپنے ملک میں بھی آزادی ضمیر کا حق نہیں ہے۔ ہمیں اپنے آپ کو مسلمان کہنے کا حق نہیں دیا جا رہا۔ یہ نہ سمجھنا کہ بڑے بڑے اسلامی ممالک اور بڑے بڑے طاقتور ممالک کے نمائندے بن کر آئے ہیں اس لئے تم عزت کا سلوک کرو۔ ہم تو خاکسار لوگ ہیں۔ ہماری کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔ ہم تو بے بس اور بے چارے لوگ ہیں۔ اس لئے یہ سمجھ کر ہم سے جو سلوک کرنا ہے وہ کرو۔ لیکن دنیاوی حکومتوں کا نمائندہ سمجھ کر کوئی سلوک نہ کرنا۔ ہم صرف اور صرف اپنے رب کے نمائندے ہیں اور صرف اور صرف حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نمائندے ہیں۔

پس یہ اسی رب کے جلوے تھے جس نے دلوں میں یہ پاک تبدیلی پیدا کی۔ اُسی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن تھا جس نے دل جیتے ہیں۔ ہمارا اس میں کوئی دخل نہیں۔ ہر جگہ پیار اور محبت کے آثار حیرت انگیز طور پر دیکھنے میں آئے یہاں تک کہ جو احمدی باہر سے ملنے آتے تھے وہ حیران اور ہکّا بکّا رہ جاتے تھے اور بیان کرتے کرتے بعض دفعہ درد کی وجہ سے ان کی آوازیں روندھی جاتی تھیں کہ ہمیں یہ سمجھ نہیں آ رہی کہ یہ ہم سے ہو کیا رہا ہے۔ افریقنوں نے یہی کہانی بیان کی۔ انڈونیشینز نے یہی کہانی بیان کی۔ جرمنوں نے یہی کہانی بیان کی۔ اور انگلستان سے آنے والوں نے یہی کہانی بیان کی۔ امریکہ سے آنے والوں نے۔ کینیڈا سے آنے والوں نے بھی۔ غرض جس نے بیان کیا یہی بیان کیا کہ جب سے ہم پہنچے ہیں ایسی محبت کا سلوک ہو رہا ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ ہم سے ہوا کیا ہے۔ گویا کہ ہم شاہی مہمان ہیں۔ ایک ہوٹل میں احمدی ٹھہرے ہوئے تھے وہاں کے دوست آئے۔ انہوں نے کہا ہمیں تو سمجھ نہیں آتی ہوا کیا ہے۔ ہوٹل والے نے اپنا سارا ساز و سامان نکال کر ہمارے سپرد کر دیا ہے۔ نہ کچن نہ اپنے کمرے رکھے۔ سب کچھ دے دیا ہے کہ تم مزے

سے رہو۔ اپنا گھر سمجھ کر رہو۔

تقریبات کا جو منظر ہے وہ تو نا قابل بیان ہے۔ خاصا گرم ملک ہے۔ اور اوپر سے شامیانے اور وہ دن خاص طور پر تھا بھی گرم۔ بے حد تکلیف میں لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ اوپر سے ایک لمبا پروگرام جس میں پہلے چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب کی تقریر اور پھر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی تقریر۔ اس سے پہلے لمبی تلاوت اور ایک لمبی نظم اور پھر ساتھ ساتھ ان کے ترجمے۔ یعنی جو دو گھنٹے کا پروگرام ہو وہ چار گھنٹے میں جا کر ختم ہو۔ اور پھر بیچ میں کرم الٰہی صاحب کی بھی تقریر۔ پھر آخر پر میری تقریر تھی۔ مجھ پر یہ تاثر تھا کہ جب تک میرے کچھ کہنے کی باری آئے گی صرف احمدی بیٹھے رہ جائیں گے باقی سب جا چکے ہوں گے۔ حقیقتاً میں یہی سمجھ رہا تھا۔ لیکن میں اللہ تعالیٰ کی طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے کہا اے خدا! ان کو پیغام پہنچانا ہے خواہ ظفر اللہ خاں کی زبان سے پہنچے یا ڈاکٹر سلام کی زبان سے پہنچے۔ پیغامِ (دین حق) تو پہنچ رہا ہے۔ میں اس پر بڑا راضی ہوں۔ لیکن حیرت کی انتہاء نہ رہی جب دیکھا کہ آخر وقت تک سب لوگ بیٹھے رہے اور اہل سپین کے مزاج کو جو جانتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ وہ بے انتہاء باتیں کرنے والی قوم ہے اور زیادہ دیر بیٹھ ہی نہیں سکتے۔ وہ ادھر ادھر پھرنے لگ جاتے ہیں۔ خوب باتیں کرتے ہیں۔ پھر وہ بہت بیج کھاتے ہیں اور ہر وقت خربوزوں یا تربوز کے بیج کھاتے رہتے ہیں۔ ان کی توجہ زیادہ بیج کی طرف ہی رہتی ہے۔ وہاں سارے ہزاروں کے مجمع میں کسی نے بیج نہیں کھایا۔ کسی نے باتیں نہیں کیں۔ اور اس خاموشی سے تقریر سنی ہے کہ تقریر کے دوران اگر کوئی بچہ بھی بولتا تھا تو ساتھ بیٹھا ہوا آدمی اس کو خاموش کرا دیتا تھا۔ اور بیت کا صحن بھر گیا۔ اس سے باہر شاہراہ تھی اس سے باہر لوگ کھڑے تھے۔ گاؤں امڈ آیا تھا۔ اور بہت دور دور سے بعض لوگ پہنچے ہوئے تھے۔ بعد میں جب ہم نے ان سے پوچھا کہ یہ کیا بات ہوئی ہے۔ آپ کس طرح تشریف لائے یعنی بعض احمدی دوستوں نے ان سے مل کر سوال کئے تو انہوں نے بتایا کہ ہم نے تو ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یہ خبریں سنی تھیں۔ ہمیں تو کوئی دعوت نامہ نہیں پہنچا۔ یعنی ریڈیو کا نظام بھی اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مسلسل پروپیگنڈا کر رہا تھا۔ باوجود اس کے کہ ہم ان کو یہ بتا چکے تھے کہ یہاں ہماری کل تعداد تیس ہے۔ آپ اندازہ کریں ایک غیر ملک میں، ایک عیسائی ملک میں تیس کی تعداد کا کوئی دعویدار ہو اس کے ساتھ یہ سلوک کہ بیت بشارت سپین کی افتتاحی تقریب کو تقریباً ایک ہفتہ تک سپینش ٹیلی ویژن دن میں تین تین بار دکھاتی رہی ہے۔ اپنے ہی خرچ پر انہوں نے باقی جو نظام ہیں یعنی دنیا کے ٹیلی ویژن کے نظام ہیں ان کو بھی بھجوائی۔

اس سے پہلے سوئٹزرلینڈ کے ایک احمدی نے مجھے یہ کہا کہ آپ کو پبلسٹی پر خرچ کرنا پڑے گا ورنہ ہماری

تقریب کا کسی کو پتہ بھی نہیں لگنا۔ میں نے کہا ہمارے پاس تو پیسے نہیں ہیں۔ پہلے ہی بہت پیسے خرچ ہو چکے ہیں۔ اس لئے نہیں ہوتی پبلسٹی تو نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ ذمہ دار ہے ہم کوئی ٹھیکیدار تو نہیں لگے ہوئے۔ جس کا کام ہے وہ جانے۔ وہ واقعہ میرے ذہن میں آیا کہ جب خانہ کعبہ پر حملہ کیا گیا۔ اصحاب فیل حملہ آور ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب عرب کے رؤساء میں سے وہ شخص تھے جن کو نمائندہ بنا کر ان کے پاس بھجوایا گیا۔ ابرہہ کے پاس نمائندگی کے طور پر ان کو بھجوایا گیا کہ وہ کسی طرح اس کو سمجھا بجھا کر باز رکھیں۔ یہ بڑی مقدس جگہ ہے۔ تم اس کی تحقیر نہ کرو۔ وہ گئے اور انہوں نے اپنے اونٹوں کی باتیں شروع کر دیں۔ یعنی خانہ کعبہ کا کوئی ذکر ہی نہیں کیا۔ کہا تو بس یہ کہ میرے سو اونٹ تھے ان میں سے اتنے چوری ہو گئے ہیں۔ تمہارے لشکر والوں نے چوری کئے ہیں اور میں سردار ہوں اس لئے تم میرے اونٹ واپس کرواؤ۔ تم اچھے بادشاہ ہو جو پرانے سرداروں کی عزت کا کوئی خیال ہی نہیں کرتے۔ میرے اونٹ واپس کرو۔ وہ چپ کر کے بات سنتا رہا۔ اس کے بعد اس نے کہا کہ آج میں تم لوگوں سے بڑا ہی مایوس ہوا ہوں۔ تم ایسی بے غیرت قوم ہو کہ سارا وقت تمہیں اپنے اونٹوں کی فکر ہے حالانکہ اہل کعبہ کا نمائندہ بن کر آئے ہو۔ اور اس کعبہ کی کوئی فکر نہیں جس کو مسمار کرنے کے لئے میں اتنا بڑا لشکر لے کر آیا ہوں۔ اس نے کہا میں اسی سوال کا انتظار کر رہا تھا۔ دیکھو! میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ تم نے اندازہ کر لیا ہے کہ مجھے اپنے اونٹوں کی کتنی فکر ہے۔ اس خانہ کعبہ کا میرا رب مالک ہے۔ وہ فکر کرے گا اپنے گھر کی۔ تو میں نے یہ دل میں سوچا کہ وہی رب ہمارا رب ہے جو خانہ کعبہ کا رب تھا۔ وہ پبلسٹی کی آپ فکر کرے گا۔ ہمیں کوئی ضرورت نہیں اس پر کسی قسم کے خرچ کرنے کی۔ چنانچہ انہوں نے اپنے خرچ پر وہ پبلسٹی اس طرح کی کہ ہمیں کچھ سمجھ نہیں آئی کہ کیا واقعہ ہوا۔ ہمیں عرب ممالک سے خط آنے لگ گئے کہ ہم بیٹھے ہوئے ٹیلی ویژن دیکھ رہے تھے اچانک آپ کی تصویر آئی اور پتہ لگا کہ بیت بشارت کا افتتاح ہو رہا ہے۔ یعنی وہ عرب ممالک جہاں احمدیت ban کی ہوئی ہے وہاں ٹیلی ویژن پر بیت بشارت کا سپین کا افتتاح خدا تعالیٰ کے فرشتے دکھا رہے تھے۔ اس لئے کون کہتا ہے کہ یہ مبالغہ ہے کہ آسمان سے ہم نے موسلا دھار بارش کی طرح خدا کے فضلوں کو برستے دیکھا ہے۔ خدا کی قسم یہ مبالغہ نہیں ہے۔ اس خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اس خدا کی قسم کھا کر میں کہتا ہوں جو خانہ کعبہ کا خدا ہے، جو محمد مصطفیٰ ﷺ کا خدا ہے کہ اس بات میں ایک لفظ بھی مبالغہ نہیں ہے۔ ہماری زبانیں بیان نہیں کر سکتیں اس کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضل نازل ہوئے ہیں۔

یہ تقریب آئی اور گزر گئی اور ہماری طرف سے اس کی تفصیلی رپورٹیں بھیجنے کا کوئی مناسب انتظام ہی نہیں تھا۔ہماری طاقت ہی نہیں تھی۔لیکن حیرت انگیز طور پر یورپ کے سارے ممالک نے اس کو Cover کیا۔کس طرح کیا۔کیا واقعہ ہوا۔مجھے تو سمجھ نہیں آیا۔بیلجیئم ملک باقی رہتا تھا۔تقریب کے دوسرے دن میں بیٹھا ہوا تھا تو اچانک دیکھا کہ ایک بیلجیئم کا نمائندہ بھی پہنچ گیا ہے۔انہوں نے کہا کہ میں نے ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر یہ خبریں سنیں اور میں حیران رہ گیا کہ میں اس کو کس طرح miss کر گیا ہوں۔ اس لئے میں میڈرڈ سے صرف اس غرض آیا ہوں کہ آپ مجھے انٹرویو دیں اور میں اسے اپنے ریڈیو سے نشر کرواؤں۔چنانچہ وہ خود انٹرویو لے کر گیا اور شائع کیا۔

آنے سے پہلے سوئٹزرلینڈ سے دو بڑی دلچسپ خبریں موصول ہوئیں۔ایک یہ کہ جنیوا جہاں ہم نے کوئی پریس انٹرویو دیا ہی نہیں۔واقف ہی نہیں وہاں کے پریس کے۔وہاں کے سب سے زیادہ کثیر الاشاعت اخبار کی Cutting آئی۔جس نے اتنی تفصیل سے (بیت) سپین پر اور احمدیت پر مضمون لکھا ہے کہ اس کو پڑھ کر عقل حیران رہ جاتی ہے کہ اس کو کیا سوجھی ہے بیٹھے بٹھائے احمدیت پر اور بیت بشارت پر اتنا شاندار مضمون لکھ دیا ہے۔اور وہ وہاں کا کثیر الاشاعت اخبار ہے۔

سوئس عیسائی کا قبول حق

اور دوسری خبر جس سے دل باغ باغ ہو گیا وہ یہ تھی کہ ایک سوئس عیسائی جو گزشتہ کئی سال سے سپین میں آباد ہوا ہوا تھا وہ سوئٹزرلینڈ کے مشن میں پہنچا۔پہلے خط کے ذریعہ رابطہ قائم کیا پھر خود پہنچ کر اس نے یہ واقعہ سنایا۔اس نے کہا کہ میں پچھلے پانچ سال سے سوچ رہا تھا کہ (دین حق) اچھا مذہب ہے۔میں (مومن) ہونا چاہتا تھا۔لیکن کچھ سمجھ نہیں آتی تھی کہ کیا کروں۔میں نے بڑے بڑے مسلمان بادشاہوں کو خط لکھے۔ شیعوں سے بھی رابطہ کیا۔سنیوں سے بھی رابطہ کیا۔مختلف ممالک کے علماء سے ملا۔انہوں نے بھی ازراہ شفقت اپنے علماء بھجوائے اور میری گفت و شنید ہوئی۔لیکن مجھے یوں لگتا تھا کہ دل پر ایک تالا ہے جو کھلنے میں نہیں آتا۔چند دن پہلے میں بیٹھا ٹیلی ویژن دیکھ رہا تھا تو اچانک بیت بشارت کا افتتاح شروع ہو گیا۔اور دیکھتے دیکھتے مجھے یوں محسوس ہوا کہ آسمان سے کوئی ہاتھ آیا اور اس نے چابی سے تالا کھول دیا ہے۔اس ہاتھ نے وہ تالا کھول دیا اور مجھے اسی وقت پوری طرح انشراح ہو گیا اور مجھے معلوم ہو گیا کہ خدا اسی لئے مجھے روکے ہوئے تھا کہ یہ (دین حق) ہے جس میں مجھے داخل ہونا چاہیے۔چنانچہ وہ اسی وقت بیعت کر کے

سلسلہ عالیہ احمدیہ میں داخل ہو گیا۔

ایسے بے شمار واقعات ہیں جو بات کرو تو کھلتے چلے جاتے ہیں۔ بات سے بات نکلتی چلی جاتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے کوئی نہ ختم ہونے والی کہانی ہے۔ جب میں آیا تھا بات شروع کرنے کے لئے میرا ذہن اس وقت بالکل خالی تھا۔ مگر مجھے علم تھا کہ یہ مضمون ہی ایسا ہے جب میں اس میں داخل ہوں گا تو اللہ تعالیٰ ایک کے بعد دوسری راہ کھولتا چلا جائے گا۔

میں پہلے پریس کے متعلق بیان کر رہا تھا۔ اس کے متعلق اب آخر پر ایک دلچسپ واقعہ سنا دیتا ہوں۔ چونکہ یہ مضمون تو ایک قسط میں ادا ہونے والا ہے ہی نہیں۔ آپ لوگوں نے واپس بھی جانا ہے اس لئے مجھے ختم کرنا چاہیے۔ پریس میں مَیں نے یہ محسوس کیا کہ جب وہ دیکھتے تھے کہ (دین حق) کی (دعوت الی اللہ) شروع ہوگئی ہے اور اثر پڑنے لگ گیا ہے یعنی خود پریس والوں پر بھی ایسا نمایاں اثر پڑنے لگ جاتا تھا کہ وہاں ہاں میں ہاں ملانے لگ جاتے تھے۔ اور یہ عجیب بات تھی۔ تو ان میں سے بعض جو (دین حق) کے خلاف کچھ تعصب رکھتے تھے وہ چاہتے تھے کہ رخ اس طرح پلٹے کہ کسی طرح (دین حق) کے خلاف بات ہو جائے۔ ان کے پاس دو ہتھیار تھے۔ ایک یہ کہ ایران کے خلاف وہاں کے پریس نے اتنا شدید اور ظالمانہ پروپیگنڈا کیا ہوا ہے کہ مجھے پتہ نہیں وہاں ایران میں کیا ہوتا ہے۔ لیکن جو تصویر وہاں کھینچ رکھی ہے وہ اتنی بھیانک ہے اور (دین حق) کے ساتھ اس طرح باندھ رکھی ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر خمینی صاحب کا نام لے کر سوال کیا جائے تو یہ لوگ پھنس جائیں گے۔ اگر مخالفت کریں گے تو ایک اسلامی سربراہ مملکت کی مخالفت کر رہے ہوں گے۔ اگر تائید کریں گے تو ہم کہیں گے دیکھو جی یہ وہی اسلام ہے۔ چنانچہ یہ ایک سوال ضرور ہوتا رہا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے توفیق عطا فرمائی جس رنگ میں جواب دیا وہ پھر کسی وقت بیان کروں گا۔ ورنہ میرے انصار بھائی کہیں گے ابھی ابھی انصار سے نکل کر آئے ہو ساری باتیں خدام کو بتا دیں ہمارے لئے کیا رکھا ہے۔ تو وہ فکر نہ کریں ان کو بتانے کے لئے بہت موجود ہیں۔

عورت اور اسلام

دوسرا سوال تھا عورتوں کے متعلق کہ (دین حق) عورت پر ظلم کرتا ہے۔ عورت سے یہ سلوک کرتا ہے وہ سلوک کرتا ہے۔ اس کا جواب دینے کی بھی اللہ تعالیٰ اس رنگ میں توفیق دیتا تھا کہ بعض دفعہ عورت نمائندہ خود اقرار کرتی تھیں پریس کانفرنس میں کہ اسلام تو عورت کو مغربی سوسائٹی سے زیادہ عزت کا مقام دیتا ہے۔

ہم اب تک دھوکے میں رہے۔اوسلو میں یہ واقعہ ہوا۔ وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے مجلس کے جو لوگ تھے وہ شہر کے بڑے اچھے معززین تھے۔ان کے ایک گروہ کے اندر بڑی دلچسپ (دعوۃ الی اللہ) کا موقع مل گیا۔ اس سے پہلے صبح پریس کانفرنس تھی وہاں ایک عیسائی بہت ہی متعصب عورت نمائندہ آئی ہوئی تھی۔اس کی کچھ پیش نہیں جاتی تھی۔اس بیچاری نے بڑی کوشش کی کہ کسی طرح نیک اثر زائل ہو جائے لیکن نہیں ہو سکا۔ اس نے پھر یہ سوچا کہ میں دوبارہ جو معزز مہمان ہیں ان میں بیٹھ کر پھر کوئی ایسی بات کروں۔ چنانچہ جب (دعوۃ الی اللہ) ہو رہی تھی اس نے پھر یہی عورت کا سوال اٹھا دیا۔ جب میں نے جواب دیا تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سارے مطمئن ہو گئے۔اس وقت اس کے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔اس نے سوچا کہ یہ تو قابو نہیں آتا شاید اس کی بیوی قابو آ جائے۔تو مجھے اس نے کہا آپ کی بیوی ساتھ آئی ہوئی ہیں۔ میں نے کہا ہاں آئی ہوئی ہیں۔ کہاں ہیں۔ میں نے کہا اوپر ہیں۔ کہا: ہمیں اجازت ہے ملنے کی۔ میں نے کہا آزادی ہے بے شک شوق سے ملیں۔ کوئی قید خانہ تھوڑا ہے (دین حق) میں کہ عورتوں کو قید کر دینا ہے۔ جائیں جتنی دیر مرضی بیٹھیں۔ چنانچہ میں خود اوپر جا کر ان کو چھوڑ آیا لیکن وقت نہیں ملا تعارف کروانے کا کہ یہ پریس کی نمائندہ ہیں ورنہ میری بیوی ذرا زیادہ ہوشیار ہو کر بیٹھتیں۔اندر جا کر اس نے ایسی ہوشیاری کی کہ بہت ہی محبت اور پیار کا سلوک کر کے کہا۔ بچاری مظلوم عورت اچھی بھلی شکل، ٹھیک ٹھاک کپڑے اور قید ہوئی ہوئی ہے۔تمہیں تو بڑی تکلیف ہوتی ہوگی یہاں پھر کے۔ یہ ساری دنیا آزاد پھر رہی ہے۔تم نے برقع تمبو سا پہنا ہوا ہے اور اس میں پھر رہی ہو۔اور دل چاہتا ہوگا میں اسے پھاڑ پھوڑ کے باہر نکل جاؤں اور دنیا میں جس طرح ہماری عورتیں آزاد ہیں اس طرح مزے لوں۔ جب وہ خوب تقریر کر چکی تو میری بیوی نے اس سے کہا کہ جو تم نے باتیں کی ہیں ان کی مجھے تو کوئی بھی تکلیف نہیں۔ میں بڑے مزے میں ہوں۔ (دین حق) تو ہمیں بڑی پیاری زندگی دے رہا ہے۔ میں نے بڑی سیریں کی ہیں۔ جہاں میرا میاں جاتا ہے وہاں میں ساتھ جاتی ہوں اور جو وہ دیکھتا ہے وہ میں بھی دیکھتی ہوں اور ہم تو بڑا لطف اٹھا رہے ہیں۔ایک تکلیف مجھے بڑی سخت ہے کہ تم لوگ اتنے گندے ہو، اتنے ننگے ہو، کوئی شرم حیا نہیں ہے۔ سارا عرصہ جو میں یہاں ٹھہری ہوں نظر اٹھاتی تھی تو واپس آ جاتی تھی، شرم کے مارے دیکھا نہیں جاتا تھا۔ وہ ایسی شرمندہ ہوئی کہ کہنے لگی دیکھو میں نے تو ٹھیک کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔اس انٹرویو کے جلد بعد میں نے وہاں سے اسے گھبرا کر نکلتے دیکھا ہے۔ مجھے نہیں پتہ تھا واقعہ کیا ہوا۔انگریزی میں ایک محاورہ ہے کہ Bat out of the hell کہ جس طرح چمگادڑ گھبرا کر جہنم سے نکلتی ہے تو عجیب منظر ہوتا ہے۔ یہ ان کا تصویری زبان میں ایک محاورہ ہے

کہ کوئی آدمی پر جھاڑ کر نکل رہا ہو کہیں سے۔تو میں نے دیکھا کہ وہ بڑی گھبرا کر اوپر سے نیچے اتری ہے۔کوئی بات تو اس نے نہیں کی۔مگر جب میں نے پتہ کیا اپنی بیوی سے تو اس نے کہا وہ پریس کی نمائندہ تھی مجھے تو پتہ ہی نہیں تھا۔یہ واقعہ ہوا ہے میرے ساتھ۔

پس اللہ تعالیٰ ہر ایک کی مدد فرما رہا تھا۔یعنی سادہ آدمی کی بھی مدد فرماتا تھا اور ہوشیار کی بھی مدد فرماتا تھا۔سارا عرصہ اللہ تعالیٰ کی مدد اور سہارے کے طفیل یہ سفر گزرا ہے ورنہ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

جہاں یہ پریس کی نمائندہ اپنی کوشش کر رہی تھی کہ کسی طرح (دین حق) کا اثر مٹ جائے وہاں دو طالب علم بھی بیٹھے ہوئے تھے اور ایک پادری بھی بیٹھا ہوا تھا۔وہ یونیورسٹی کے سینئر طالب علم تھے۔اور ایک اچھا چوٹی کا پادری وہاں موجود تھا۔جب ہم فارغ ہوئے ہیں تو ہمارے دوستوں نے یہ عجیب نظارہ دیکھا کہ وہ یونیورسٹی کے دونوں لڑکے اپنے پادری کے پیچھے پڑ گئے کہ تم نے ہمیں ساری عمر دھوکے میں رکھا ہے۔اصل عیسائیت کا تو ان کو پتہ ہے۔تمہیں تو کچھ پتہ ہی نہیں۔اور (دین حق) اتنا خوبصورت مذہب۔اس کے متعلق آج ہمیں سمجھ آئی ہے۔وہ ان سے بحث کرتا تھا۔وہ اس کو جواب دیتے تھے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑ رہے تھے کہ تم نے اب تک ہم سے کیا ظلم برقرار رکھا تھا۔بالکل جھوٹ بولتے رہے ہو۔(دین حق) سچا مذہب ہے۔اس نے آخر شرم کے مارے ان سے کہا کہ مجھے تم چھوڑو۔مجھے جلدی ہے۔انہوں نے کہا جلدی ولدی کوئی نہیں۔ہم نے تمہیں نہیں چھوڑنا۔اس نے کہا اچھا پھر یہاں سے تو ہٹ جاؤ یہ لوگ دیکھ رہے ہیں۔وہ چل کر دور جانے لگا۔انہوں نے اسے گیٹ پر پھر پکڑ لیا۔نہیں جانے دیا۔گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ اس کے پیچھے پڑے رہے۔

پس یہ اللہ کے فرشتے تھے جو یہ کام کر رہے تھے۔اس میں کسی انسانی طاقت کا بس نہیں تھا۔ایسی شان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کی بارش نازل ہوئی ہے کہ اس پر جو میں نے اپنے پیغام میں لکھا وہ بالکل صحیح تھا۔حقیقت یہ ہے کہ مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ساری دنیا میں احمدی خدا کی راہ میں آنسو بہا رہے ہیں۔ہر قطرہ جو گرتا ہے بھاپ بن کر آسمان پر اٹھتا ہے وہ فضلوں کی بارش بن کر دوبارہ ہم پر برسنے لگتا ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمتوں کے یہ دور برقرار رکھے۔ایک سے ایک اگلی منزل کی طرف ہم بڑھتے رہیں۔اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں اور شکر کا حق ادا کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:-

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ (ابراہیم:8)

جب تم شکر کرو گے تو میں تمہیں اور بھی بڑھاؤں گا۔وہ واقعہ تو آپ نے سنا ہوا ہے کہ جو بادشاہ بھی شکر

گزار ہوتے ہیں وہ بھی اچھی بات کے نتیجہ میں زیادہ فضل عطا کیا کرتے ہیں۔''زِہ'' والا واقعہ آپ میں سے اکثر نے سنا ہوگا۔ بار بار بھی سناؤ تو اس کا مزہ ختم نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں ایک بادشاہ سیر کے لئے نکلا۔ اس نے اپنے وزیر کو یہ حکم دے رکھا تھا کہ جب بھی میں زہ کہوں کسی اچھی بات پر، تو تم اشرفیوں کی ایک تھیلی عطا کر دیا کرنا۔ چنانچہ اشرفیوں کی کئی چھوٹی چھوٹی تھیلیاں ساتھ ہوا کرتی تھیں اس حال میں بادشاہ سیر کے لئے نکلتے تھے۔ ایک کسان بوڑھی عمر کا بیچارا ستر اسی سال کا، وہ کھجور کی گٹھلیاں لگا رہا تھا۔ بادشاہ نے اس سے تعجب سے پوچھا کہ اے کسان! تم تو بوڑھے ہو گئے ہو قبر میں ٹانگیں لٹکائے بیٹھے ہو۔ یہ کھجور کیوں لگا رہے ہو۔ کیوں بیکار محنت کر رہے ہو۔ اس نے کہا ہمارے باپ دادا نے کھجور لگائے تھے ہم نے ان کا پھل کھایا اب ہم محنت کریں گے تو اگلے اس کا پھل پائیں گے۔ بادشاہ کو یہ بات ایسی پیاری لگی کہ اس کے منہ سے زِہ نکل گیا۔ اسی وقت وزیر نے اشرفیوں کی ایک تھیلی اسے پکڑا دی۔ اس کسان نے کہا کہ بادشاہ سلامت آپ تو کہتے تھے کہ تمہاری محنت کو پھل نہیں لگے گا۔ میری محنت کو تو ابھی پھل لگ گیا۔ بادشاہ کے منہ سے پھر بے اختیار نکل گیا 'زِہ'۔ اس وزیر نے دوسری تھیلی نکالی اور اس کو پکڑا دی۔ اس نے کہا بادشاہ سلامت مجھے اور بھی تعجب ہے کہ کھجور تو سال میں ایک دفعہ پھل دیتے ہیں۔ میرے کھجور نے تو دو دفعہ پھل دے دیا ہے۔ بادشاہ نے کہا زہ۔ اور وزیر نے ایک اور تھلی پکڑائی۔ تب بادشاہ نے کہا۔ بھاگو یہاں سے یہ بوڑھا تو ہمارے خزانے لوٹ لے گا۔ آپ بھی اسی طرح شکرانہ ادا کریں کہ آسمان یہ ترانے گانے لگے۔

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ   لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ

اے میرے بندو! تم شکر سے میرے حضور جھک رہے ہو میں تمہیں بڑھاتا چلا جاؤں گا۔ اور میرے خزانے اس بادشاہ کے خزانوں کی طرح نہیں ہیں۔ وہ نہ ختم ہونے والے خزانے ہیں۔ تم لُوٹتے چلے جاؤ۔ میں عطا کرتا چلا جاؤں گا۔ خدا کرے کہ ہم ایسے ہی نظارے دیکھیں۔''

اجتماعی دعا کے بعد حضور نے فرمایا:-

''اللہ تعالیٰ اپنی حفاظت میں آپ کو واپس لے کر جائے۔ اپنے فضلوں کا سایہ آپ کے سروں پر رکھے۔ اپنی محبت آپ کو عطا کرے۔ اس محبت کو وفا بخشے۔ آپ اس کے وفادار اور محبت کرنے والے بن جائیں۔ وہ وفاؤں کو قبول کرنے والا مہربان محبوب ثابت ہو۔ ہمیشہ خدا کے فضلوں کا سایہ آپ کے سر پر رہے۔ آپ کو خدمت دین کی پہلے سے بڑھ کر ہمیشہ ہر آن بڑھ کر اور بھی بڑھ کر توفیق عطا ہوتی رہے۔'' آمین

(ماہنامہ خالد جنوری 1983ء صفحہ 19 تا 38)

احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے تیسرے سالانہ کنونشن سے خطاب

فرمودہ 18/اکتوبر 1982ء

- ☆ ٹوپی پہننے کی غیر معمولی اہمیت
- ☆ دینِ حق کسی ایسے صوفی ازم کی تعلیم نہیں دیتا کہ ضرور اپنا حُلیہ بگاڑ کر پھریں
- ☆ ہمیں تو ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو دونوں تینوں زبانیں بیک وقت جانتے ہوں ...... (اردو، عربی، انگریزی)
- ☆ خدمتِ دین کے لئے نئی زبانیں سیکھنے کا عہد کریں
- ☆ وقف کئے بغیر خدمتِ دین
- ☆ احمدیہ کالجیئیٹ ایسوسی ایشن..... ساری دنیا میں وسیع کرنے کی ضرورت ہے
- ☆ خدام الاحمدیہ کے تحت اٹلی اور برازیل میں مشن کھولنے کی سکیم
- ☆ دینی اور دنیاوی علم میں توازن ضروری ہے
- ☆ مذہب اور سائنس کا رشتہ ٹوٹنے کا نقصان
- ☆ سائنس کی انتہاء خدا کی ہستی کا اقرار
- ☆ نظریہ ارتقاء اور اس پر مزید تحقیق....... احمدی طلبہ کو نصیحت
- ☆ محنت اور لگن کی عادت ڈالیں لیکن زندگی میں انکساری اختیار کریں
- ☆ دلائل میں بلند معیار قائم کریں

⚜

تشہد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

میں اس وقت آپ سے دو باتیں کہنا چاہتا ہوں۔ جو بنیادی نوعیت کی ہیں لیکن قبل اس کے کہ مَیں ان کے متعلق کچھ کہوں مَیں آپ کو ایک ضروری امر کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں۔

ٹوپی پہننے کی غیر معمولی اہمیت

ابھی میری نظر نے جب ہال کا ایک سرسری جائزہ لیا تو معلوم ہوا کہ اکثر سر ننگے ہیں اور ٹوپیوں کی عادت نہیں۔ اس پر ایک طرف تو مجھے اپنی ناکامی پر شرمندگی کا احساس ہوا کیونکہ جب مَیں آپ کا پیٹرن تھا تو آپ کو بار بار اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کرتا رہا لیکن معلوم ہوتا ہے کہ زبان میں کوئی اثر نہیں تھا اس لئے باوجود کوشش کے کامیاب نہیں ہوسکا یا پھر دعا میں کمی رہ گئی۔

ٹوپی کے بغیر ننگے سر اٹھنے بیٹھنے کو شاید آپ ایک چھوٹی سی بات سمجھتے ہوں گے مگر یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔ یہ بہت بڑی بات ہے کیونکہ حقیقت میں وہ قومیں جنہوں نے انقلاب برپا کرنا ہوتا ہے ان کو بچپن ہی سے کچھ نہ کچھ انقلابی شان اختیار کرنی پڑتی ہے۔ یہ پختہ کردار کی ایک علامت ہے کہ انسان یہ سمجھے کہ زمانہ کی رو جس طرف چلے گی، یہ ضروری نہیں کہ ہم بھی اس طرف چلیں۔ مثلاً سٹالن کے ماننے والوں نے اس قسم کی مونچھیں رکھ لیں۔ اسی طرح دنیا کے دیوانے مختلف امتیازی رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ مغرب زدہ نوجوان آنکھیں بند کر کے ہر فیشن کے پیچھے چل پڑتے ہیں اور اس میں شرم کی بجائے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اگر گلے میں سنہری ہار ڈالنے شروع ہوگئے ہیں تو سنہری ہار گلے میں پڑنے شروع ہو جاتے ہیں بغیر دیکھے اور بغیر سوچے کہ ہم کیوں یہ کر رہے ہیں۔

احمدی نوجوان کو ہمیشہ ٹوپی پہننے کی عادت ڈالنی چاہیے اور یہ بات اپنے شعار میں داخل کرنی

چاہیے۔ چونکہ اسلامی تہذیب کا جو تصور ہمارے ممالک میں پایا جاتا ہے، وہ مغربی تہذیب کے تصور سے بالکل برعکس ہے۔ وہاں سر ننگا کرنا ادب اور تہذیب کی نشانی سمجھا جاتا ہے۔ یہاں بالکل اُلٹ معاملہ ہے۔ سر پر ٹوپی پہننا اور سر کو ڈھانپنا، یہ احمدی نوجوان کی ہمیشہ سے عادت چلی آرہی ہے اور یہ چیز آپ کو ان کی سوسائٹی سے ممتاز کرتی ہے۔ اس طرح اگر آپ کو یہ شرم محسوس ہوگی کہ ہم اگلے وقتوں کے نوجوان شمار ہوں گے تو یہ شرم آپ کی اصلاح کا موجب بنے گی۔ آپ کے درجات کی بلندی کا موجب بنے گی کیونکہ شرم کے مقابل پر آپ کا کردار مضبوط ہوگا۔ اور صیقل ہوگا اور آپ سمجھیں گے کہ مجھے اس جھوٹی شرم کی کوئی بھی پرواہ نہیں۔ پس یہ چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں ان سے انحراف نہیں کرنا چاہیے کیونکہ یہ کردار کو بنانے میں بہت بڑا کام کرتی ہیں۔

جس وقت تلاوت ختم ہوئی آپ نے دیکھا ہوگا تھوڑا سا وقفہ پڑا تھا میرے یہ کہنے میں کہ ''اب نظم شروع کی جائے''۔ اس وقت میں ٹوپیاں گن رہا تھا اور مجھے یہ دلچسپ تجربہ ہوا کہ اصحاب الیمین، اصحاب الشمال پر بازی لے گئے۔ سامنے کے بلاک میں بائیں طرف دس ٹوپیاں تھیں اور دائیں طرف بیس ٹوپیاں تھیں۔ یہ اتفاق کی بات ہے دائیں طرف بیٹھنے والوں کی ٹوپیاں بائیں طرف بیٹھنے والے سے زیادہ تھیں۔ ویسے ہمارے اندر ان معنوں میں جن میں دنیا مراد لیتی ہے۔ Rightist اور Leftist کی تو کوئی تقسیم نہیں ہے مگر اصحاب الیمین اور اصحاب الشمال کی ایک تقسیم ضرور ہے لیکن یہاں میری یہ مراد بھی نہیں ہے کہ بائیں طرف بیٹھنے والے قرآنی اصطلاح میں خدانخواستہ اصحاب الشمال ہیں۔ وہ تو ایک بڑی خطرناک اصطلاح ہے۔ ویسے ضمناً چونکہ ذہن اس طرف منتقل ہوگیا تو خیال آیا کہ حسنِ اتفاق سے دائیں طرف بیٹھنے والوں کی ٹوپیاں بائیں طرف والوں سے زیادہ ہیں۔

عظمتِ کردار

پس ان امور کی طرف توجہ کریں آپ کو کوئی نہ کوئی امتیازی کردار اختیار کرنا پڑے گا اور وہ کردار آپ کی حفاظت کرے گا۔ باقی لوگوں سے جب آپ کو الگ کر کے دکھائے گا تو اس کے نتیجہ میں آپ کو طعنے بھی سننے پڑیں گے۔ آپ کو ذلیل بھی کیا جائے گا۔ آپ کو اپنے سے الگ کر کے ایک الگ نہج کی مخلوق قرار دیا جائے گا اور یہ ساری چیزیں آپ کے فائدہ کی ہیں اس کے نتیجہ میں آپ کے اندر عظمتِ کردار پیدا ہوگی اور اگر آپ یہ کام خدا کی خاطر کریں گے تو آپ کا یہ چھوٹا سا فعل بہت ہی عظیم الشان نیکی میں تبدیل ہو جائے گا۔

اس لئے ضروری نہیں کہ آپ ایک ہی قسم کی ٹوپی پہنیں۔ آپ نئی ٹوپیاں کیوں نہیں ایجاد کرتے جو فیشن بھی بن جائے اور ٹوپی کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ آپ کے اندر نوجوان خون ہے جس کا تقاضا ہے کہ آپ کی طرزِ زندگی میں دلچسپیاں پیدا ہوں۔ تنوع سے تو خدا نہیں روکتا۔ اچھے لباس سے تو خدا نہیں روکتا۔ قرآن کریم تو فرماتا ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ (الاعراف:33)

زینت حرام نہیں

کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو اعلان کردے مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ کس نے حرام کر دیا ہے اس زینت کو اور زینت کی بہترین چیزوں کو۔ جو خدا نے اپنے بندوں کے لئے نکالی تھیں۔ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا۔ تُو کہہ دے کہ یہ ایمان والے بندوں کی خاطر پیدا کی گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں کے لئے ہر نعمت پیدا کرتا ہے۔ عباد کا لفظ بول کر تو بہت ہی پیار کا رشتہ قائم فرمایا اور فرمایا وہ جو نیک بندے ہیں۔ ایمان لانے والے ہیں۔ جس طرح تم لوگ اپنے پیاروں کی مہمانیاں کرتے ہو۔ مَیں نے بھی اُن کی خاطر اچھی چیزیں پیدا کی ہیں وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ طَيِّبٰتِ میں یہ تشریح فرما دی کہ حرام کی چیزیں یا چھینی جھپٹی چیزیں مراد نہیں ہیں بلکہ زینت کی چیزیں ہوں اَور سب طَيِّبٰتِ ہوں یعنی رزق میں سے بھی طَيِّبٰتِ اور پہننے کی چیزوں میں سے بھی طَيِّبٰتِ ہوں۔ ان میں بے حیائی کی جھلک نہ ہو۔ ان میں پاکیزگی ہو۔ ان کے اندر دنیا کی کوئی فیشن پرستی اور کھوکھلا پن نہ ہو ورنہ وہ طیّبات نہیں رہیں گی۔ ان میں اگر اللہ کا رنگ پایا جاتا ہو اور خدا کی محبت جھلکتی ہو تو اس سے وہ طَيِّبٰتِ بنتی ہیں۔ پھر فرمایا هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا اس دنیا میں بھی یہ مومنوں کے لئے پیدا کی گئی ہیں خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ اور قیامت کے دن صرف مومنوں کے لئے ہوں گی۔ یہاں تو ان کے طفیل غیر بھی شریک ہو گئے ہیں لیکن قیامت کے دن خالصۃً مومنوں کے لئے ہوں گی۔

نیک بننے کے لئے گندا لباس

پس (دین حق) کسی ایسے صوفی ازم کی تعلیم نہیں دیتا کہ ضرور اپنا حُلیہ بگاڑ کر پھریں۔ انسانوں

کے مزاج اور عادتوں کے فرق کی وجہ سے لباس کا فرق تو ہوتا رہتا ہے لیکن نیکی کے تصور میں گندا لباس پہننا ہرگز شامل نہیں ہے۔ قرآن کریم میں یا سنت نبوی میں کہیں بھی یہ مضمون نہیں ملتا کہ تم نیک تب بنو گے جب بُسے ہوئے کپڑے پہنو گے یا پھٹے ہوئے کپڑے پہنو گے۔ ہاں کاموں کی زیادتی کی وجہ سے، اعلیٰ مقاصد میں انہماک کی وجہ سے بعض دفعہ کپڑے بالکل ثانوی حیثیت اختیار کر جاتے ہیں۔ اس وقت عمداً جان بوجھ کر ان کو نظر انداز نہیں کیا جاتا بلکہ ان کی انسانی نظر میں کوئی قیمت یا اہمیت نہیں رہتی۔ تب لوگ کپڑوں کے رکھ رکھاؤ سے بالا ہو جاتے ہیں۔ یہ بالکل الگ مضمون ہے۔ اس صورت میں نعوذ باللہ خدا کی نعمت کا انکار نہیں ہو رہا ہوتا بلکہ دوسری نعمتیں اتنی غلبہ پا جاتی ہیں کہ اس کے مقابل پر یہ چیزیں بے معنی اور حقیر دکھائی دیتی ہیں مگر اس لئے نہیں کہ زیادہ نیک بنیں بلکہ بالکل اَور مقصد کے پیشِ نظر کپڑوں کو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی۔

صاحبِ علم کی عظمت لباس میں نہیں

یہی حال غیر قوموں میں بھی ہے مثلاً انگلستان کی یونیورسٹیوں میں مَیں نے دیکھا ہے کہ جو حقیقتاً صاحبِ علم لوگ ہیں خواہ اساتذہ ہوں یا طلبہ ہوں، وہ کپڑوں کی نسبت کلیۃً بے نیاز ہو جاتے ہیں۔ انہیں دیکھ کر کوئی سمجھ ہی نہیں آتی کہ انہوں نے کیا پہنا ہوا ہے۔ انہوں نے گتھلے پہنے ہوں، تھیلے پہنے ہوں، ان کو احساس تک نہیں ہوتا کہ دنیا کیا سمجھ رہی ہے بلکہ اسی لباس میں ان کے لئے ایک وقار پیدا ہو جاتا ہے۔ ایک عظمت پیدا ہو جاتی ہے۔ لوگ ان کو دیکھتے ہیں اور پہچان لیتے ہیں کہ یہ صاحبِ علم لوگ ہیں۔ اس لئے لباس کی زینت سے منع تو نہیں کیا گیا لیکن لباس پر اس طرح جھک جانا کہ اعلیٰ مقاصد کی راہ میں حائل ہو جائے، یہ منع ہے اور اس صورت میں وہ لباس طیب نہیں رہے گا۔ اس لئے آپ اگر سر کے لئے ٹوپی کے طور پر کوئی زینت اختیار کرنا چاہیں تو خوبصورت اور اچھی ٹوپیاں پہنیں نئی نئی قسم کی ٹوپیاں ایجاد کریں۔ کوئی اعتراض نہیں ہے مگر سر ڈھانپ کر پھریں تا کہ پتہ لگے کہ یہ احمدی نوجوان ہیں ان پر دوسری تہذیب کا قطعاً کوئی اثر نہیں۔ یہ آزاد مَرد ہیں۔ ان کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں کہ دنیا ہمیں کیا کہتی ہے اور کیا نہیں کہتی۔

غیر زبان جاننے والوں کی کمی

دوسری بات جو اس لحاظ سے پہلی ہے کہ مَیں نے دو باتیں جو آپ سے کرنی تھیں ان میں سے یہ پہلی

ہے اور وہ یہ ہے کہ یورپ کے دورہ میں مَیں نے بڑی شدت سے یہ محسوس کیا کہ جماعت احمدیہ میں غیر زبانیں یعنی اُردو کے علاوہ دوسری زبانیں جاننے والے بہت کم لوگ موجود ہیں۔ اتنی شدت کے ساتھ یہ کمی محسوس ہوئی کہ دل گھبرا جاتا تھا کہ ہم کیا کریں گے۔ فوری ضروریات ہیں اور بڑی شدید اور بڑی وسیع ضروریات ہیں اور ان کو پورا کرنے کے لئے ہمارے پاس ایسے نوجوان نہیں ہیں جو مختلف زبانیں جانتے ہوں۔

انگریزی کے علاوہ اُردو اور عربی ضرور سیکھیں

انگلستان میں ہماری جونسل پیدا ہو رہی ہے وہ بہت اچھی انگریزی دان ہے اس میں کوئی شک نہیں لیکن بدقسمتی سے ان کے ماں باپ نے ان کو اردو نہیں سکھائی اور عربی میں مہارت پیدا نہ کی۔ نتیجہ جس طرح غیر ملکوں میں ایسے نوجوان خدمت سے محروم ہیں جو اردو اور عربی تو جانتے ہیں لیکن انگریزی یا فارسی یا لاطینی یا سپینش یا اٹالین یا فرنچ زبانیں نہیں جانتے اسی طرح وہ نوجوان بھی ہمارے ہاتھ سے نکل گئے جو انگریزی تو جانتے ہیں لیکن اردو نہیں جانتے۔ ہمیں تو ایسے ماہرین کی ضرورت ہے جو دونوں تینوں زبانیں بیک وقت جانتے ہوں اور (دین حق) کی خدمت کے لئے وہ اپنے آپ کو ابھی سے وقف کر دیں۔ ذہنی طور پر تیاری کریں کہ ہم خدا کی خاطر یہ زبان سیکھ رہے ہیں اور اس غرض سے اس میں مہارت پیدا کر رہے ہیں تا کہ جب بھی ہم تعلیم سے فارغ ہوں، ہم اللہ تعالیٰ کے دین کی بھی ہر رنگ میں خدمت کر سکیں۔

خدمت دین کے لئے نئی زبان سیکھنے کا عہد کریں

اس سلسلہ میں مجھے آپ میں سے بھی نام آنے چاہئیں اور جو احمدی طلبہ کسی اور زبان کے سیکھنے کی سہولت رکھتے ہوں مثلاً کسی ایسی یونیورسٹی میں پڑھتے ہوں جہاں یہ سہولت مہیا ہے، ان کو چاہیے کہ وہ اپنے نام پیٹرن Patron کو بھجوا دیں۔ ناظر صاحب تعلیم اس وقت آپ کے پیٹرن ہیں ان کو بھجوا دیں اور معین کریں کہ ہم خدمتِ دین کی خاطر یہ زبان سیکھنا شروع کر رہے ہیں اور اس کے علاوہ اردو میں بھی اور عربی میں بھی جہاں تک مقدور ہے، مہارت حاصل کرنے کی کوشش شروع کر رہے ہیں۔ پھر وہ (یعنی پیٹرن) ان کو وقتاً فوقتاً دینی کتب بھی مطالعہ کے لئے بھجوانی شروع کریں یا توجہ دلائیں کہ اب اس کے ساتھ یہ دینی کتاب پڑھنی چاہیے تا کہ جب وہ فارغ ہوں تو اس کے ساتھ ہی بنیادی مذہبی علم کا ایک پس منظر یا بنیاد تیار

ہو چکی ہو۔ اس میں آگے بڑھنے کے پھر بہت سے مواقع پیدا ہوتے ہیں مگر بنیادی پلیٹ فارم بہرحال تعلیم سے فارغ ہونے سے پہلے پہلے تیار ہو جانا چاہیے۔

بغیر وقف کئے بھی خدمتِ دین کا عہد

ایسے نوجوان آئندہ کئی طرح سے سلسلہ کے کام آسکتے ہیں مثلاً ایک تو یہ کہ آپ میں سے بہت سے ہوں گے جو انشاء اللہ زندگیاں وقف کریں گے۔ جب وقف کریں گے تو اگر کچھ ساتھ لے کر آئیں گے تو سلسلہ کو فائدہ پہنچے گا۔ کچھ زبانیں ساتھ کر لے کر آئیں گے۔ کچھ علم ساتھ لے کر آئیں گے تو ہم بہت جلد ان کو تیار کر کے متعلقہ ممالک میں بھجوا سکتے ہیں اور دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر وقف نہ بھی کریں گے اور نیت یہ ہوگی کہ ہم عملاً اپنی زندگی کو خدا کے لئے وقف رکھیں گے تو پھر ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے آپ کو یہ موقع عطا فرمائے کہ جو زبان آپ نے سیکھی ہوئی ہے اس ملک میں اپنے ذریعۂ معاش کے حصول کی خاطر چلے جائیں اور جہاں جائیں وہاں ساتھ ساتھ دعوۃ الی اللہ شروع کر دیں۔ وہاں تراجم شروع کر دیں وہاں خدمتِ دین کے جو مواقع میسر ہوں ان میں حصہ لیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض اوقات بعض ممالک میں خاص ضرورت پڑتی ہے۔ تو عام تحریک کر دی جاتی ہے کہ جو نوجوان آگے آئیں وہ اپنے آپ کو وقف کریں بغیر اس کے کہ سلسلہ ان کو کچھ دے۔ یعنی سلسلہ ان کو باقاعدہ تنخواہ دار یا وظیفہ دار کارکن نہ رکھے بلکہ وہ اپنے طور پر نکل جائیں۔ ایسی تحریکیں بھی جماعت احمدیہ کی تاریخ میں ہوتی رہی ہیں اور نوجوان بڑی بڑی قربانیاں پیش کرتے رہے ہیں۔

غلبۂ دین کیلئے تیاری ضروری ہے

پس جب آپ نے ایک عظیم الشان کام کا بیڑا اٹھایا ہے جب یہ عہد کر لیا ہے کہ (دین حق) کو ساری دنیا میں غالب کرنا ہے تو اس کی کچھ تیاری بھی تو ہونی چاہیے۔ تیاری کے بغیر کس طرح (دین حق) کو غالب کر دیں گے جو بھی نیک مقصد ہوتا ہے آپ اس کی تیاری کرتے ہیں۔ امتحان دینے کے لئے آپ کو کتنی تیاری کرنی پڑتی ہے۔ تیاری کے بغیر تو امتحان نہیں دیے جاتے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں واضح تعلیم دی ہے کہ دین کی خدمت کے لئے جتنی تمہاری استطاعت ہے تم اس کے مطابق تیاری جاری رکھو۔ جب وقت آئے گا، ضرورت پیدا ہوگی تو پھر اپنے آپ کو پیش کر دینا۔ اس لئے اس تیاری میں غیر ملکی

زبانوں میں مہارت کو خاص اہمیت حاصل ہونی چاہیے۔

ساری دنیا میں احمدی طلبہ کی تنظیمیں

ناظر صاحب تعلیم کو اس ضمن میں تمام دنیا کی احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشنز کو ہدایت دینی چاہیے۔ ناظر تعلیم کی حیثیت سے نہیں بلکہ احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے پیٹرن کی حیثیت سے۔ یہ اس کی دوسری شاخ ہے جس کی طرف مَیں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ ابھی تک جماعت احمدیہ کی احمدیہ کالجیٹ ایسوسی ایشن عملاً پاکستان تک ہی محدود ہے۔ حالانکہ اس کو ساری دنیا میں وسیع کرنے کی ضرورت ہے۔ بحیثیت ناظر تعلیم تو وہ صدر انجمن احمدیہ کے نمائندہ ہیں جن کا دائرہ کار پاکستان تک محدود ہے لیکن ان کو آپ کا سرپرست بحیثیت ناظر تعلیم نہیں بنایا گیا بلکہ بحیثیت میاں غلام احمد صاحب اپنی ذاتی حیثیت سے وہ آپ کے پیٹرن ہیں اور اس حیثیت سے بطور (Patron) پیٹرن یا سرپرست ایسوسی ایشن اُن کا دائرہ کار ساری دنیا پر وسیع ہے۔ تمام دنیا میں احمدی طلبہ کی تنظیمیں قائم ہونی چاہئیں۔ یہاں اب ایک مضبوط Base یعنی بنیاد اللہ تعالیٰ کے فضل سے قائم ہو چکی ہے۔

نائبین کی تیاری ضروری ہے

اور آپ کی تنظیم میں خدا کے فضل سے بڑے اچھے کام کرنے والے نوجوان آگے آچکے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ وہ انشاء اللہ تعالیٰ اپنے نائبین بکثرت ایسے تیار کریں گے کہ کسی وقت بھی یہ احساس پیدا نہ ہو کہ یہ ٹیم نکل گئی تو خلا پیدا ہو گیا، وہ ٹیم نکل گئی تو خلا پیدا ہو گیا۔ قومی زندگی میں اگر ایک ٹیم کے نکلنے سے خلا پیدا ہو تو اس ٹیم کی بدقسمتی ہے جس نے اپنے پیچھے آدمی تیار نہیں کئے۔ یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے کہ چند لڑکے نکل گئے تو خلا پیدا ہو گیا۔ ان کے اُوپر یہ ایک دھبہ ہے جنہوں نے اپنے پیچھے خلا چھوڑا ہے کیونکہ اچھے کارکن اپنے پیچھے ہرگز خلا نہیں چھوڑا کرتے وہ دور کی نظر رکھتے ہیں۔ وہ اپنے پیچھے تیاریاں کرتے چلے جاتے ہیں۔ نسل کی نسل تیار کرتے چلے جاتے ہیں۔ اس لئے یہاں اچھے کارکنوں کا دائرہ بڑھائیں کیونکہ اس وقت مَیں یہ سمجھتا ہوں کہ بنیادی کام کرنے والے ماشاء اللہ بڑے اچھے اچھے نوجوان آپ میں موجود ہیں لیکن یہ آہستہ آہستہ نکلتے چلے جائیں گے۔ اس لئے پیچھے بھی اچھے کام کرنے والے آنے چاہئیں۔

خدمتِ دین کی ضروری شرائط

لیکن یہ تو ایک ضمنی بات تھی۔ اصل بات کی طرف میں توجہ دلا رہا تھا وہ یہ ہے کہ اب ساری دنیا میں احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشنز قائم ہونی چاہئیں اور ان سے بھی مطالبہ کیا جائے کہ آپ خدمتِ دین کے لئے کون سی مزید زبان سیکھنا چاہتے ہیں یا سیکھ سکتے ہیں اور اگر آپ سیکھیں گے تو شرط یہ ہوگی کہ آپ کو اردو میں بھی مہارت حاصل کرنی پڑے گی۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لٹریچر بھی پڑھنا پڑے گا۔ احادیث نبویہ اور قرآن کریم کا مطالعہ بھی براہ راست کرنا پڑے گا۔ گویا عربی بھی سیکھنی پڑے گی۔ تو یہ تینوں چیزیں بیک وقت اکٹھی چلیں گی اور اس شرط کے ساتھ اگر آپ اپنے وقت کا کچھ حصہ وقف کریں تو اپنے نام لکھوائیں۔ ہر ملک سے جب یہ نام آئیں گے تو اس میں ہم معین طور پر معلوم کر سکیں گے کہ کس کس زبان کے لئے ہمیں مستقبل میں احمدی نوجوان مل رہے ہیں۔

فوری ضرورت کی زبانیں

پھر ان زبانوں میں فوری ضرورت کی زبانیں ہیں۔ اٹالین، سپینش اور پارچوگیز۔ یہ تین زبانیں ایسی ہیں جن میں فوری طور پر اقدامات کے بغیر ہمارے لئے کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ ہم اٹلی میں زمین خریدنے کی کوشش کر رہے ہیں اور وہاں مشن کے لئے نقشے بھی بنے ہوئے ہیں۔ بہت حد تک تیاری ہو چکی ہے لیکن باوجود کوشش کے ابھی تک وہاں اجازت نہیں مل سکی۔ اس پر مجھے خیال آیا کہ ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ کے علم میں اس تاخیر میں بھی خیر کا کوئی پہلو ہو۔ چنانچہ جب مَیں نے سوچا تو معلوم ہوا کہ ہمارے پاس ایک بھی ایسا (مربی) نہیں جو اٹالین میں گفتگو کر سکے۔ اٹالین زبان میں کوئی لٹریچر نہیں ہے جس کو ہم وہاں تقسیم کر سکیں۔ تو وہ گورنمنٹ ہمیں فوراً اجازت دے دیتی اور ہم وہاں ایک مکان بنا کر بیٹھ جاتے تو وہاں کرتے کیا؟ سوائے اس کے کہ ایک مجاور کی طرح (مربی) وہاں بیٹھ جاتا اور کوئی بھی فائدہ نہیں تھا۔ ہم Monuments یعنی یادگاریں بنانے کے لئے تو پیدا نہیں کئے گئے۔

ہم ایک بامقصد جماعت ہیں۔ جب ہم وہاں ایک (بیت الذکر) بنائیں گے تو نمازی بنانے لازمی ہوں گے۔ یہ ہمارا فرض ہوگا کہ دعا کرتے ہوئے اللہ کی مدد سے وہاں نمازی پیدا کریں۔ (مومن) پیدا کریں۔ تو اگر نہ زبان آتی ہو نہ لٹریچر موجود ہو تو نمازی کس طرح پیدا کریں گے۔ (مومن) کس طرح پیدا

کریں گے۔ وہ تو ایک قسم کا ویسا ہی خانۂ خدا بن جائے گا جیسے آجکل کئی دولتمند ملک جگہ جگہ بنا رہے ہیں۔ سوائے اس کے کہ وہاں چند مجاور بیٹھے ہوں جو دکھا رہے ہوں یہ (بیت الذکر) ہے۔ اس طرح اس میں داخل ہوتے ہیں اور اس طرح اس میں بیٹھتے ہیں اس کے سوا ان کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔

اٹالین زبان سیکھنے کی ضرورت

پس اٹلی کے لئے ایسے احمدی نوجوانوں کی بہت شدید ضرورت ہے جو جلد از جلد اٹالین زبان سیکھیں۔ علاوہ ازیں جامعہ احمدیہ میں بھی اس بات کی طرف فوری توجہ کی جائے۔ اٹالین سکھانے کا انتظام جس طرح بھی ہو خواہ زیادہ خرچ بھی کرنا پڑا تب بھی کرنا چاہیے۔ جامعہ میں نہیں ہوسکتا تو یہاں سے دو یا تین احمدی طلبہ باہر بھجوائے جائیں یا تین واقفین جو ہوشیار ہیں ان کو اٹالین زبان سیکھنے کے لئے بیرون ملک بھجوایا جائے۔

پرتگالی زبان پر توجہ

یہی حال پارچوگیز کا ہے۔ جنوبی امریکہ میں انشاءاللہ تعالیٰ مشن کھولنے کا ارادہ ہے اور وہی سکیم ہے جو خدام الاحمدیہ کے تحت شروع ہوئی تھی۔ خدام الاحمدیہ نے دو مشنوں کے لئے چندہ اکٹھا کرنے کی پیش کش کی تھی ایک اٹلی کیلئے اور برازیل کیلئے۔ برازیل جنوبی امریکہ کا ایک بہت بڑا ملک ہے جس میں زیادہ تر پارچوگیز بولی جاتی ہے کیونکہ وہ پرتگالی اثر کے نیچے ہے اس لئے وہاں ہمیں پرتگالی زبان میں (دعوت الی اللہ) کرنے والا آدمی چاہیے۔ انگریزی کے ساتھ تو وہاں گزارا نہیں ہوگا۔ پھر وہاں کی بعض لوکل زبانیں بھی ہیں۔ ہم اس پر تحقیق کروا رہے ہیں اور ساری صورتِ حال کے متعلق معلومات منگوا رہے ہیں کہ کون کون سے قبیلوں میں کون کون سی زبانیں بولی جاتی ہیں اور ان کے سکھانے کا کیا انتظام ہے۔ اس لئے پارچوگیز زبان بھی ساتھ شامل کرنی پڑے گی۔

فرانسیسی زبان کا وسیع دائرہ

فرانسیسی میں اگرچہ دو آدمی تیز ہیں لیکن فرانسیسی زبان کا بہت وسیع دائرہ ہے۔ یہ صرف فرانس ہی میں نہیں بولی جاتی۔ ماریشس میں اور افریقہ کے شمال اور شمال مغربی علاقوں میں بھی بڑی کثرت کے ساتھ بولی

جاتی ہے۔اس طرح ان کی بعض اور نوآبادیات میں پھر مثلاً کوریا ہے وہاں بھی فرانسیسی بولنے والے موجود ہیں۔انڈو چائنا میں بکثرت ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جو فرانسیسی بولتے ہیں۔ یہ سارے علاقے خالی پڑے ہوئے ہیں۔ان میں اس زبان کے ذریعہ ہم فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

جاپانی زبان میں دو مربیان کی تیاری

چینی زبان میں ماہر ہمارے پاس بہت تھوڑے ہیں۔Japanese یعنی جاپانی زبان میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے دو آدمی تیار ہو گئے ہیں لیکن یہ بھی بہت کم ہیں۔دو سے تو گزارا نہیں چل سکتا۔اسی طرح اگر ہم اور زبانوں کو دیکھیں تو ان میں Preference Order یعنی ترجیحی لحاظ سے سپینش زبان ہے۔اس کے متعلق تو میں اب یورپ، خصوصاً انگلستان میں ایک عام تحریک کر کے آیا ہوں کہ دوست سپینش سیکھنے کی طرف خصوصیت سے توجہ کریں۔ چنانچہ انگلستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے ایک بڑے طبقہ نے اس طرف فوری توجہ شروع کر دی ہے اور انہوں نے اپنے نام بھی پیش کر دیے ہیں۔

سپین میں دعوۃ الی اللہ کا منصوبہ

سکیم یہ ہے کہ دوست اپنے طور پر سپینش زبان سیکھیں اور ہر سال کی چھٹیاں سپین کے مختلف علاقوں میں گزاریں اور وہاں ان کے سپرد ایک معین علاقہ کر دیا جائے۔مثلاً یہ کہا جائے کہ فلاں دیہات فلاں دوست کے ذمہ ہو گئے ہیں اور فلاں دیہات فلاں دوست کے ذمہ ہو گئے ہیں۔ وہاں وہ تعلقات قائم کریں۔ٹوٹی پھوٹی زبان جتنی بھی آتی ہے اس میں (دعوت الی اللہ کی) گفتگو کریں اور پھر اپنے مشن کے ساتھ ان کا تعارف کروائیں اور اسی طرح یورپ کے دوسرے علاقوں کے متعلق بھی یہ تحریک کی گئی ہے کہ وہ بھی اُندلس کا کوئی نہ کوئی حصہ اپنے لئے چُن لیں تو انشاء اللہ تعالیٰ اس طرح پر رضا کار (مربی) بکثرت تیار ہو جائیں گے۔خدا تعالیٰ نے سپین میں (دینِ حق) کے حق میں جو لہر چلائی ہے اس سے استفادہ کرنے کے لئے ہمیں آدمی چاہئیں۔ جب اللہ کے فضل کے ساتھ کسی کھیت میں پھل زیادہ لگتے ہیں تو زمیندار اکیلا اپنی طاقت سے اس پھل کو سنبھال نہیں سکتا۔مجبوراً اس کو دوسرے ہاتھ کرایہ پر لینے پڑتے ہیں اور جب تک زیادہ ہاتھ نہ آئیں خواہ وہ کرایہ کے ہوں، خواہ وہ طوعی خدمت کے طور پر ہوں، اس وقت تک پھل نہیں سنبھالے جاتے۔ چنانچہ انگلستان اور امریکہ وغیرہ میں تو یہ رواج ہے کہ جب سٹرابریز Strawberries

بڑی کثرت سے لگتی ہیں یا اسی طرح بعض اور پھل لگتے ہیں تو جگہ جگہ بورڈ لگ جاتے ہیں کہ ایک ڈالر میں ایک پونڈ میں تم آکر چن لو ہم تمہیں ایک ٹوکری دیں گے۔اس میں جتنی مرضی بھرلو اور جتنی مرضی ساتھ کھا بھی جاؤ۔اس طرح ان کی فصلیں سنبھالی جاتی ہیں۔

رحمتوں کے مزے لوٹنے کا موقع

پس یہ نظام ہے جو ہمارے ہاں اُلٹا چلا ہوا ہے۔ہم نے یہ کہا ہے کہ تم اس نعمت سے بھی جھولیاں بھرو اور بجائے اس کے کہ تم ہمیں ڈالر دو ہم تمہیں یقین دلاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نصرتوں کے تمہارے ساتھ وعدے ہیں۔تم ان پھلوں سے لطف اندوز بھی ہو۔ان کو سنبھالو اور اللہ تعالیٰ کی رحمتوں کے مزے لُوٹو۔ گویا بجائے اس کے ہم تم سے کچھ پیسے لیں۔اُلٹا تمہیں انعام ملے گا۔

انگلستان میں وقف کی تحریک کے خوشکن نتائج

پس یہ وہ تحریک ہے جس پر اُمید ہے کہ انشاءاللہ تعالیٰ اچھی Response ہوگی۔نوجوان کثرت کے ساتھ آگے آئیں گے کیونکہ انگلستان میں تو مَیں نے بتایا ہے اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑی تیزی کے ساتھ ایک نئی لہر دوڑ گئی ہے۔لوگوں میں اس طرح توجہ پیدا ہوگئی ہے اور اب شیخ مبارک احمد صاحب جب باقاعدہ پروگرام کے تحت علاقے معیّن کر رہے ہیں۔اسی طرح جرمنی میں بھی جب یہ تجویز پیش کی گئی بڑے جوش کا اظہار کیا گیا تھا۔مگر جرمن احمدی یعنی وہ پاکستانی جو جرمنی میں جا کر آباد ہوئے ہیں ان بیچاروں کی راہ میں کچھ دقتیں ہیں۔ان کا جرمنی سے باہر نکلنا اور پھر واپس آنا بہت دقّت طلب ہے باوجود اس کے کہ بہت مخلص اور فدائی نوجوان ہیں۔مالی قربانی میں بھی پیش پیش ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے بڑے منظّم ہیں مگر وہ مجبور ہیں۔ان میں سے بہت تھوڑے اس تحریک میں حصّہ لے سکیں گے۔باقی ممالک میں جہاں جہاں بھی احمدی ہیں اُمید ہے وہ بھی اپنا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ڈالیں گے۔

کوئی ایک مُلک چن لیں

پس آپ بھی اسی نہج پر ابھی سے تیاری شروع کر دیں۔اپنے ذہن میں کوئی ایک ملک چن لیں۔جس میں ابھی تک (دین حق) کی ترویج نہیں ہوئی۔(دین حق) کے پودے نہیں لگے۔اس ملک کو اپنی خوابوں کا

ملک بنالیں۔آپ ان خوابوں میں اسی طرح بسیں جس طرح رومانوی لوگ اپنی خوابیں بنایا کرتے ہیں، یا رشوت کھانے والے لوگ تعمیر کی خوابیں بنایا کرتے ہیں کہ اس طرح کا ہم بنگلہ بنائیں گے،اس طرح کی نئی موٹر خریدیں گےتو خوابوں میں بسنا انسان کے لئے ضروری ہے۔اس کے بغیر اس کو چین نصیب نہیں ہوتا۔ آپ بھی اپنے لئے اچھی خوابیں دیکھیں۔اچھی خوابیں تعمیر کریں اور پھر آپ ان خوابوں میں بس جائیں۔ یہاں تک کہ دوسری دنیا کی ہوش نہ رہے۔ جب تک اس کی تعبیر پوری نہ ہو جائے آپ کو چین نہ آئے۔ یہ خوابیں بنائیں کہ ہم امریکہ کے فلاں ملک کو انشاء اللہ تعالیٰ (دینِ حق) کے لئے فتح کریں گے۔ Iron Curtain یعنی آہنی پردہ کے پیچھے جوممالک ہیں ان میں سے پولینڈ کو فتح کریں گے۔ یا رُوس کے کسی علاقے کو فتح کریں گے یا چین کے کسی علاقے کو (دینِ حق) کے لئے فتح کریں گے۔

ان امیدوں کو اپنے دل میں پیدا کریں۔ اِن کو پروان چڑھائیں۔ اِن کو پیار کے ساتھ آگے بڑھائیں اور ساتھ ساتھ تیاری رکھیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے اور ساری دنیا میں احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن اس کام کو خصوصیت کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے۔

تاہم جہاں تک (دعوۃ الی اللہ) سکیم کی تفصیلات طے کرنے کا تعلق ہے یہ دوسری تنظیم کا کام ہے کہ اس کا ایسوسی ایشن کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ جہاں تک طلبہ میں جذبہ پیدا کرنے کا اور اپنے آپ کو پیش کرنے کا تعلق ہے اس کا ایسوسی ایشن سے تعلق ہے۔اس لئے اس دائرہ کے اندر رہتے ہوئے ہمیں ساری دنیا سے زیادہ سے زیادہ نام ملنے چاہئیں۔

دینی اور دنیوی علم میں توازن ضروری ہے

دوسری بات جو مَیں نے آپ سے کہنی تھی وہ بھی پہلے بارہا مختلف رنگوں میں کہہ چکا ہوں۔اب پھر کہتا ہوں کہ آپ اپنے دینی علم کی دنیاوی علم کے ساتھ مطابقت پیدا کریں اور دنیاوی علم کو بالکل الگ دائروں میں ایسے رستوں پر نہ ڈال دیں کہ جن کا دینی علم کے ساتھ کوئی جوڑ ہی نہ ہو یہ دونوں سڑکیں ہیں جو ایک دوسرے کے متوازی چل رہی ہوں لیکن وہ سڑکیں جن میں کوئی چوراہا ایسا نہ ملتا ہو جہاں ایک دوسرے کے ساتھ ٹریفک کا تبادلہ ہو سکے، وہ اُس طرح مفید نہیں ہوا کرتیں جس طرح وہ سڑکیں مفید ہوتی ہیں جہاں بار بار آپس میں تعلقات کے لئے چوراہے بنائے جاتے ہیں،سڑکیں ایک دوسری کے ساتھ ضم ہوتی ہیں اور ایک سڑک کی ٹریفک دوسری سڑک کی طرف منتقل ہو سکتی ہے۔

پس ہیں تو یہ الگ الگ سڑکیں اس میں کوئی شک نہیں۔ بظاہر الگ الگ ہیں مگر چوراہے ضروری ہیں اور قرآن کریم کا مطالعہ کریں تو آپ کو بکثرت یہی نظر آئے گا۔ دین کی گفتگو ہو رہی ہے تو اچانک خدا تعالیٰ ذہن کو قانون قدرت کے کسی Phenomenon یعنی کسی جلوہ یا کسی اصول کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ قانون قدرت کی بات شروع کرتا ہے تو اچانک ذہن کو دین کی طرف منتقل کر دیتا ہے اور اس کثرت کے ساتھ ان دونوں میں چوراہے موجود ہیں کہ یوں لگتا ہے کہ گویا ان کا ایک دوسری کے ساتھ تانا بنا ہوا ہے اس کثرت سے اور بار بار سڑکیں ملتی ہیں کہ علیحدگی کا گمان مٹ جاتا ہے۔

اس کا جو نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے۔ وہی مومن کا نقشہ ہونا چاہیے۔ یہ تو نہیں کہ قرآن کا ئنات کا کوئی اور نقشہ بنا رہا ہو اور ہم اپنا نقشہ کوئی اور بنا رہے ہوں۔ اس لئے دینی علم اور دنیاوی علم کا آپس کا انطباق کرنا بہت ضروری ہے۔ یعنی ذہنی Channels کی اس طرح بار بار اصلاح کرنا کہ ہر بات خود بخود ایک دوسرے کے ساتھ منطبق ہوتی چلی جائے۔ یہ بہت اہم اور ضروری کام ہے۔

چرچ اور سائنس میں چپقلش

گزشتہ ایک دو صدیوں میں بہت بڑا ظلم ہوا ہے۔ سائنس جب یورپ میں بیدار ہوئی تو اس وقت چونکہ چرچ کے خلاف ایک بغاوت کا دور بھی تھا اور چرچ نے بھی سائنس کے خلاف بڑا ظالمانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ اس لیے رفتہ رفتہ سائنس دانوں میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ سائنس بالکل الگ چیز ہے اور مذہب بالکل الگ چیز ہے۔ یعنی انہوں نے بغاوت کی راہ اختیار کرتے ہوئے مذہب کو نہ صرف ایک الگ چیز سمجھا بلکہ اسے ایک بوسیدہ اور بے معنی اور لغو اور بے دلیل چیز سمجھنے لگ گئے اور سائنس کو معقولات کی دنیا، دلائل کی دنیا، مشاہدات کی دنیا، تجارب کی دنیا، محسوسات کی دنیا سمجھنے لگ گئے۔

سائنس اور مذہب کا رشتہ ٹوٹنے کا نقصان

مذہب اور سائنس کے درمیان دوری کا نتیجہ یہ نکلا کہ آہستہ آہستہ سائنس دہریت کا نام بن گیا اور مذہب ایسے خدائی تصورات کا جن کا حقیقت اور عقل سے کوئی تعلق نہ ہو چنانچہ مذہب اور سائنس کے آپس کے رشتہ ٹوٹنے سے بہت گہرا نقصان پہنچا ہے۔ اس نہج پر چلتے ہوئے رفتہ رفتہ مذہب اور سائنس آپس میں الگ ہوئے کہ مذہب کُلیۃً ایک نئی شکل اختیار کر گیا اور سائنس الگ ہو کر بالکل ایک نئی شکل اختیار کر گئی

حتیٰ کہ سائنس کا نام دہریت بن گیا اور مذہب کا نام حماقت۔ چنانچہ اسی شکل میں یورپ نے ایک لمبا سفر اختیار کیا۔ یہاں تک کہ اس عرصہ میں اگر کوئی سائنسدان کوئی ایسی بات دیکھتا تھا جس کے نتیجہ میں خدا کی طرف توجہ منتقل ہوسکتی تھی تو اگر وہ بات کر دیتا تھا تو وہ سائنس کی دنیا سے ایک قسم کا Ex-communicate ہوجاتا تھا۔ یعنی اس کا اخراج از جماعت ہوجاتا تھا۔ کہتے تھے یہ بڑا بیوقوف آدمی ہے۔ پاگل آدمی ہے۔ خدا کی باتیں کرتا ہے لیکن اب حالیہ رجحانات اس سے مختلف ہو چکے ہیں۔ یہ وہ دور ہے جس میں جب Analysis یعنی تجزیہ کیا گیا تو دنیا کے چوٹی کے ادارے جو امریکہ میں ہیں ان کے تجزیہ کی رپورٹ یہ ہے کہ اب ۲۵ فیصدی سائنسدان جرأت کے ساتھ خدا کی بات کرنے لگ گیا ہے اور اس قسم کا پرانا تصور باقی نہیں رہا کہ خدا کی بات کرو گے تو تم غیر معقول سمجھے جاؤ گے اور ایک فیصد ایسا ہے جو اپنے علم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ہستی کے دلائل بھی دینے لگ گیا ہے۔

سائنسی تجارب سے ہستی باری تعالیٰ کا اقرار

یہ عجیب بات ہے کہ گزشتہ دور میں بھی جب سائنس کا آغاز ہوا ہے تو اس وقت سائنسدانوں کی ایک قسم پیدا ہوئی تھی مگر اس ''بیچاری قسم'' کو سائنسدانوں نے بھی دبایا اور مذہب والوں نے بھی دبایا۔ مذہب کی طرف سے بھی وہ نکال دیے گئے اور سائنسی دنیا سے بھی نکالے گئے یا کم از کم ان سے یہ بدسلوک ہوا اور کہا گیا کہ تم بیچ میں جاہل پیدا ہو گئے ہو لیکن اب دوبارہ وہی دور آ گیا ہے لیکن پہلے سے زیادہ علمی اور یقینی پلیٹ فارم پر قائم ہے۔ اب وہ فرضی اور خیالی دور نہیں ہے بلکہ سائنسدان ان باتوں میں جن کی بناء پر وہ مذہب کا یا خدا کا انکار کر رہے تھے، جب مزید آگے بڑھے ہیں تو ان کو ایسے حیرت انگیز مشاہدات ہوئے جن کے نتیجہ میں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اب خدا کی طرف واپس جانے پر مجبور ہیں۔ گو ابھی یہ آواز دبی اٹھ رہی ہے لیکن اٹھ ضرور رہی ہے۔

سائنسدانوں کے دو طبقات

چنانچہ دو طبقے پیدا ہو چکے ہیں۔ ایک وہ طبقہ ہے جو مشاہدات کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ ہے تو حیرت انگیز لیکن اس کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔ ممکن ہے کہ آئندہ وجہ سمجھ آ جائے اور ایک طبقہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ آئندہ وجہ سمجھ آ بھی جائے تب بھی یہ انگلی یقینی طور پر خدا کی طرف اٹھ رہی ہے۔ ہر سائنس کے شعبہ میں اس قسم کے دو طبقات پیدا ہو چکے ہیں۔ مثلاً کائنات کے آغاز کا ایک شعبہ ہے کہ کس طرح کائنات کا آغاز

ہوا۔ یہ ایک ایسا شعبہ ہے جس کا فلکیات سے بھی تعلق ہے اور فزکس سے بھی تعلق ہے۔ چنانچہ Big Bang کی جو تھیوری پیش کی گئی ہے۔ اب تک جتنے بھی شواہد ملے ہیں، وہ اس نظریہ کو مزید تقویت دے رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ یہ درست ہے۔ چنانچہ حال ہی میں جو نئی ریسرچ ہوئی ہے اس سے پتہ چلتا ہے کہ جو گلیکسیز Recite کر رہی ہیں۔ وہ ٹھیک بگ بینگ تھیوری کی Calculation کے مطابق Recite کر رہی ہیں۔ اگر بِگ بینگ والی یہ تھیوری درست ہے تو مثلاً دس ارب سال کے بعد اس کی یہ رفتار ہونی چاہیے۔ یہ ایک نظریاتی Calculation ہے۔ اب مثلاً انہوں نے نظریاتی لحاظ سے جو رفتار نکالی ہے وہ مثلاً سب سے دور کی جو گلیکسی ہے اس کی ۶۰ ہزار کلومیٹر رفتار ہونی چاہیے۔ اب انہوں نے Red-Shift کے ساتھ فارمولا Apply کر کے دیکھا ہے تو بعینہٖ یہی رفتار معلوم ہوئی ہے۔ یعنی وہ گلیکسی روشنی کی رفتار سے تقریباً ۲۰ فیصد رفتار کے ساتھ دنیا سے الگ ہو رہی ہے۔

یہ تو گلیکسیز کی بات ہے ایسے Single Stars جو اس سے پہلے الگ ہو چکے ہیں، ان کی رفتار Calculation کے مطابق اس سے کئی گنا زیادہ ہونی چاہیے۔ چنانچہ Calculation نظریہ نے کی۔ اسکے مطابق جو ہونا چاہیے۔ ریڈ شفٹ کے حساب سے بعینہٖ وہی بات ثابت ہوئی اور وہ ریڈ شفٹ 2x6 بنتی ہے جس کے نتیجہ میں وہ ہماری کائنات کے مرکز سے ۹۰ فیصدی روشنی کی رفتار کے ساتھ دور ہٹ رہے ہیں۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ستارے قریباً ایک لاکھ ساٹھ ہزار میل فی سیکنڈ کی رفتار سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

سائنس کی انتہاء، خدا کی ہستی کا اقرار

اب یہ نئی معلومات ثابت کر رہی ہیں کہ بگ بینگ کا نظریہ درست تھا اور اگر وہ درست ثابت ہو تو نوبل پرائز ونر یعنی نوبل انعام یافتہ سائنسدان نے اس نظریہ پر کام کیا ہے۔ (اب اس کے خلاف بھی سائنسدانوں کا ایک گروپ پیدا ہو گیا ہے کہ یہ مذہب کی طرف بات کو لے جا رہا ہے)۔ وہ یہ کہتا ہے کہ یہ نظریہ درست ہونے کے بعد ہماری یہ کیفیت ہے کہ ہم نے ایک زمانہ میں اہل مذہب کو بیٹھے ہوئے دیکھا اور ان سے باتیں ہوئیں تو انہوں نے کہا کہ خدا نے کائنات کو پیدا کیا ہے۔ اس کے سوا تمہیں کچھ اور نتیجہ نہیں ملے گا۔ آخر پر خدا تک ہی پہنچنا پڑے گا۔ ہم نے کہا یہ مذہب والے پاگل ہو گئے ہیں، بکواس کرتے ہیں، ان کو چھوڑو جاہل لوگ ہیں۔ چنانچہ ہم ان کو چھوڑ کر سائنس کے سفر پر روانہ ہو گئے۔ دو سو سال کے طویل اور مشکل سفر کے بعد آخر ہم وہیں جا پہنچے جہاں وہی مذہبی بیٹھے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے۔ دیکھا ہم نہیں کہتے

تھے۔ آخر تم یہیں آجاؤ گے تو سائنسدان کہتے ہیں کہ اس کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں رہا کہ یہ مان لیں کہ کوئی باشعور ہستی ہے، کوئی طاقت ایسی ہے جس نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے۔

حسابی نظریہ سے خدا کی ہستی کا ثبوت

یہ وہی بات ہے جو پہلے دور کے چوٹی کے فلاسفرز کہا کرتے تھے۔ جن کا آج کی دنیا میں بھی بڑا اونچا مقام ہے وہ بھی یہی کہا کرتے تھے۔ مثلاً سپائی نوزا Spinoza ایک مشہور جرمن فلاسفر ہے۔ اس نے سب سے پہلے Mathematical Calculation سے ثابت کیا تھا کہ خدا کا وجود ہے اور یقیناً ہے کیونکہ حسابی اندازہ یہی بتاتا ہے۔ اس کے سوا کوئی بات ہی نہیں بنتی۔ کائنات کا کوئی نقشہ ہی نہیں بنتا۔ اس نے بڑی زبردست دلیل دی اور ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ خدا ہے بھی واحد۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی مخلوق ہمیں ایسی نہیں ملتی جس پر Mathematics کا یہ فارمولا پورا اترتا ہو۔ تو وہ ایک ہی ہے جو ہر انرجی کا Source یعنی منبع ہے اور غیر مبدل ہے۔ جذبات سے پاک ہے وغیرہ۔ جب میں یہ نقشہ پڑھ رہا تھا تو میں حیران رہ گیا کہ اللہ تعالیٰ بعض دفعہ دماغوں کو کیسی جلا بخشتا ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صفات باری تعالیٰ پر جو بحث فرمائی ہے اس کے ایک حصہ کو (سپائی نوزا) Spinoza اپنی عقلی جلا سے پا گیا۔ گو آخر تک نہیں پہنچ سکا بعد میں غلطیاں کر گیا لیکن اس کے حسابی نظریہ کو اب مشاہدات ثابت کر رہے ہیں کہ بنیادی طور پر وہ نظریہ درست تھا حالانکہ اس کے پاس شواہد پیش کرنے کے لئے اس وقت کوئی خاص چیز نہیں تھی صرف ایک حسابی نظریہ تھا۔ اب اس کو ثابت کرنے کے لئے شواہد مل رہے ہیں۔

نظریۂ ارتقاء درست مگر ڈارون غلط

اسی طرح نظریہ ارتقاء Evolution کو دیکھ لیجئے۔ شروع کے دور میں یہ نظریہ دنیا کو خدا سے کتنا دور لے گیا تھا لیکن اب موجودہ سائنسدانوں نے جب مزید تحقیق کی تو وہ واپس لوٹنا شروع ہوئے۔ ابھی تک ان میں سے بھی ایک بھاری اکثریت یہ نہیں مانتی کہ ہمیں ایک مادی چیز کا سہارا ڈھونڈنے کی ضرورت ہے مگر جو تشریحات وہ پیش کر رہے ہیں اس کا عقلی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ضرورت ہے۔ خواہ وہ اقرار کریں یا نہ کریں ان کا ایک طبقہ کھلم کھلا کہنے بھی لگ گیا۔ مثلاً ڈارون کے دور میں ارتقاء کا جو تصور پیش ہوا اس پر لوگوں نے یہ سمجھا کہ اب سارا معاملہ حل ہو گیا۔ مذہبی تصورات سارے باطل ہو گئے۔ ہمیں اس کی توجیہات مل گئی ہیں لیکن

جب مزید تحقیق ہوئی تو ایسی بہت سی باتیں ثابت ہوئیں جن سے پتہ چلا کہ ارتقاء تو درست ہے مگر ڈارون کا نظریہ ارتقاء غلط ہے اور کوئی توجیہ ایسی نہیں ہے جو اس کو صحیح ثابت کر سکے۔

نظریۂ ارتقاء پر مذہبی نقطۂ نگاہ سے تحقیق کے پہلو

مجھے ایک تازہ مضمون دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ چند سال پہلے میں نے احمدی طلبہ میں سے جو بائیولوجی (Biology) کے سٹوڈنٹس تھے ان میں سے بعض کو بلایا۔ میں نے ان سے کہا مجھے Evolution Theory یعنی نظریۂ ارتقاء پر مذہبی نقطۂ نگاہ سے جو اعتراض ہے وہ یہ ہے کہ دو باتیں ایسی ہیں جن پر احمدی طلبہ کو خاص طور پر کام کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ آنکھ کی بناوٹ میں ارتقاء کا کوئی دخل ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ اس میں Piecemeal یعنی مرحلہ وار ترقی ہو ہی نہیں سکتی۔ یہ ایک Compact Unit ہے۔ یعنی یہ ہر لحاظ سے ایک مربوط اور مکمل یونٹ ہے اور بحیثیت ایک یونٹ کے ہمیں ملتا ہے اس کے اندر نہ ارتقاء کی کوئی تاریخ مل رہی ہے نہ یہ نظریۂ ارتقاء کے ذریعہ بن سکتی ہے۔ کسی پیمانے پر بھی اس کو Apply کر کے دیکھ لیں۔ یہ ارتقاء کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ دوسرے میں نے یہ کہا کہ بیرونی تبدیلیوں کا Internal Chemistry سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ Survival of the Fittest کے نتیجہ میں ارتقاء پیدا ہو رہا ہے یہ غلط ہے کیونکہ Genes کے اندر کیریکٹر کی Fixation اور اندرونی تبدیلیوں کا بیرونی مواجہات کی تبدیلی سے کوئی بھی عقلی یا سائنٹیفک تعلق ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ناممکن ہے۔

کیا ارتقاء کا محض اتفاقی ہونا ممکن ہے

پتہ نہیں انہوں (احمدی طلبہ) نے کام کیا یا نہیں مگر اب میں انگلستان میں تھا تو ایک سائنٹیفک رسالہ آیا اس میں بعینہٖ یہ دو چیزیں لکھی ہوئی ہیں اور پھر ڈائجسٹ پر میری نظر پڑی۔ یعنی ایک تو سائنٹیفک رسالہ میں اس پر بڑی تفصیل سے مضمون ہے اور ڈائجسٹ نے بھی اس مضمون کو لیا ہے اور وہ یہ کہتا ہے کہ یہ دو اعتراضات ہیں جن کا ہمارے پاس قطعی طور پر کوئی جواب نہیں بنا۔ سو فیصدی شکست تسلیم کرتے ہیں کہ آنکھ کس طرح پیدا ہو گئی۔ ایولوشن Evolution کے ذریعہ اور Internal Chemistry میں تبدیلیاں کیسے آگئیں اور وہ اتنی گہری ہیں اور ان میں اتنی یک جہتی Direction ہے کہ ابھی جو حال ہی میں اس موضوع پر امریکہ میں ایک کانفرنس ہوئی ہے۔ اس میں ایک سائنسدان نے جو ماہرِ ریاضی ہے۔ اس نے ان

سب باتوں پر غور کرنے کے بعد Blind Evolution کے خلاف ایک حسابی نظریہ پیش کیا ہے اس نے کہا اگر Blind Evolution کو مانا جائے تو ریاضی کے فارمولا کے ساتھ یہ شکل بنتی ہے یعنی Blind Evolution سے مراد یہ ہے کہ اتفاقاً کیمیکل Changes پیدا ہو رہی ہیں ہزار قسم کی اور اتفاقاً نئے کیریکٹر پیدا ہو رہے ہوں بعض Cells کے اندر۔ ان میں سے ۹۹۹ مر جائیں کیونکہ وہ زندہ رہنے کے لائق نہیں۔ ایک باقی رہے اور پھر اس ایک کے بعد آگے ہزار پیدا ہوں۔ پھر ان میں سے ایک اگلا Directional ہو اگلے Step کا۔ وہ باقی رہے، سارے اور باقی ختم ہو جائیں۔ یہ ہے Blind Evolution یعنی اتفاقاً کوئی واقعہ ہو جائے۔

ارتقاء کے اتفاقی ہونے کے خلاف ایک مثال

اس Mathematician سائنسدان نے اس کانفرنس میں حساب کا باقاعدہ ایک فارمولا پیش کیا۔ اس نے کہا۔ میں نے جب Evolution کے Steps دیکھے اور Generally Speaking اس تھیوری کو اس پر Apply کیا تو یہ شکل بنتی ہے کہ اگر ہزاروں صفحے کی بڑی جلدوں پر مشتمل ۲۵ کتابیں ہوں اور ان میں سے اول سے لے کر آخر تک نہایت ہی معقول، با معنی اور باربط مضامین چل رہے ہوں اور تھیوری یہ پیش کی جائے کہ یہ کتاب اس طرح بنی تھی کہ ایک آدمی نے جس طرح وہ ''گیٹیاں'' پھینکتے ہیں جن پر حرف لکھے ہوئے ہیں۔ ایک، دو، تین، چار، پانچ اسی طرح وہ Dice یعنی پانسہ پھینکا ہو اور اس میں سے حرف نکل آئیں تو ایک حرف اتفاقاً وہ ایک جگہ لکھ دے۔ پھر دوسری دفعہ حرف نکالے تو وہ دوسری جگہ لکھ دے۔ تیسری دفعہ حرف نکالے تو تیسری جگہ لکھ دے اور ایسا ہی کرتا چلا جائے یہاں تک کہ اتفاقاً ایک با معنی لفظ بن جائے۔ پھر وہ اگلے لفظ کے لئے یہی کوشش کرے اور پھر نہ صرف یہ کہ با معنی لفظ بنے بلکہ اس سے اگلے قدم کا با معنی لفظ ملے اور اگر وہاں Verb چاہیے تو Verb بن جائے اور ایسا Verb جو با معنی ہو اور جو اس کے ساتھ جوڑ کھاتا ہو اور اسی طرح پھر وہ فقرہ بنائے اور فقرہ بنا کر پھر اگلے حرف چنے اور پھر آگے فقرہ پر فقرہ بناتا چلا جائے۔ یہاں تک کہ ہزار ہا صفحے کی بڑی بڑی جلدوں کی نہایت معقول سائنٹیفک اور با معنی فلسفیانہ مضامین پر مشتمل ۲۵ کتابیں لکھی جائیں۔ وہ کہتا ہے اگر حساب کی رُو سے یہ ممکن ہے تو پھر Blind Evolution بھی ممکن ہے۔ ورنہ اس کی کوئی شکل اب ہمیں نظر نہیں آ رہی۔

احمدی طلبہ کو نصیحت

پس زمانہ اُس خدا کی طرف لوٹ رہا ہے جس کی طرف بلانے کے لئے ہم مقرر کئے گئے تھے۔ دہریے اس خدا کی طرف واپس آرہے ہیں اور احمدی طالب علم بے کار، ناواقف اور غافل بیٹھا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چنا تھا۔ آپ کی ہدایت کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام مبعوث فرمائے گئے۔ حضور علیہ السلام نے یہ اعلان فرمایا اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہو گے تو فرشتے تمہیں تعلیم دیں گے۔ اتنے وعدوں اور اتنی خوشخبریوں کے باوجود اگر آپ اپنے کام سے غافل ہوں یا اُس وقت اِس کام میں دلچسپیاں لیں جب غیر آگے نکل چکا ہو۔ جو میدان آپ کے لئے قائم ہوئے تھے ان پر غیر قدم مار چکے ہوں اور پھر آپ یہ کہیں کہ اب اس بات کا کرنا فیشن ہے۔ اس سے پہلے خدا کی بات بے وقوفی کی بات تھی۔ تو یہ کیسی جہالت کی بات ہوگی۔ ابھی دیر نہیں گزری۔ اس لئے آپ میں سے ہر ایک کو لازماً اپنے مضمون کا تعلق اپنی دینی معلومات کے ساتھ کرنا چاہیے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو دینی معلومات بڑھانی پڑیں گی۔ قرآن کریم سے پیار کرنا پڑے گا۔ اس سے محبت کرنی پڑے گی۔ محبت کے بغیر قرآن کریم اپنے معنی آپ کو نہیں دے گا۔ یہ ایک زندہ کتاب ہے۔ یہ کوئی مردہ کتاب تو نہیں۔ اور زندہ چیز یونہی بے وجہ مفت میں اپنی چیزیں نہیں لٹاتی پھرتی۔ جو اس سے پیار کرتا ہے اس کو فائدہ دیتی ہے۔ جو پیار نہیں کرتا اس کو نہیں دیتی۔ پس قرآن کریم کا اپنے پڑھنے والوں سے بھی یہی سلوک ہے۔ جو لوگ محبت کرتے ہیں قرآن ان کو نہ ختم ہونے والے تحفے دیتا چلا جاتا ہے۔ جو سرسری نظر سے بیکار سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں۔ ان بیچاروں کو کچھ بھی نہیں ملتا۔ صرف سرسری سی ملاقات ہی ہوتی ہے۔ اس لئے آپ قرآن کا باقاعدہ مطالعہ جاری رکھیں۔ اسی طرح اپنے مضمون کا بھی مطالعہ رکھیں اور اس موضوع پر آپس میں گفتگو کیا کریں اور اپنی مجالس میں پیپرز پڑھا کریں لیکن انکسار کے ساتھ۔ آپ ایسی تحدی نہ کیا کریں کہ جو ہم نے پالیا ہے وہ ضرور درست ہی ہے۔ یہ نہ ہو کہ سائنس کے لحاظ سے بھی آپ مُخْرَج ہو جائیں اور مذہب کے لحاظ سے بھی مُخْرَج شمار ہونے لگ جائیں۔ نہ مذہب کا پورا علم ہو اور وہاں آپ دعویٰ کر بیٹھیں اور نہ سائنس کا پورا علم ہو اور آپ وہاں دعویٰ کر بیٹھیں۔ اس لئے مطمحِ نظر بلند رکھیں۔ محنت اور لگن کی عادت ڈالیں لیکن عام زندگی میں انکساری اختیار کریں۔

دلائل میں بلند معیار قائم کریں

اور اس میں آخری بات جو بہت ضروری ہے جس سے میں نے بہت فائدہ اٹھایا ہے وہ یہ ہے کہ اپنا

Reasoning کا Threshold بہت بلند کریں۔ اپنے دل کو مطمئن کرنے کے لئے معیار اونچا کریں۔ یعنی چھوٹی سی بات جس کی طرف آپ کا ذہن منتقل ہوتا ہے اس پر فوراً مطمئن نہ ہو جایا کریں کہ ضرور ٹھیک ہوگا۔ سب سے بڑی Criticism یعنی تنقید اپنے اوپر ہونی چاہیے۔ جب آپ سمجھ لیں کہ میرا دل واقعۃً مطمئن ہو چکا ہے خواہ شروع میں وہ معاندانہ طریق اختیار کر رہا تھا کہ میں نے مطمئن نہیں ہونا، لگالو زور۔ جب اس پر فتح پائیں، اس کو مطمئن کریں، دلائل سے قائل کرلیں۔ پھر آپ اس بات کے اہل ہوں گے کہ غیروں سے مخاطب ہوں اور ان کو بھی قائل کریں۔ اگر اپنا Thershold چھوٹا کرلیں گے۔ چھوٹی سی بات پر راضی ہو جائیں گے تو دنیا آپ پر ہنسے گی۔ اس سے زیادہ کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ آپ پر ہنسنے کا تو کوئی نقصان نہیں مگر احمدیت پر دنیا ہنسے گی۔ اسلام پر ہنسے گی کہ یہ اچھے سائنسدان ہیں کہ چھوٹی چھوٹی جاہلوں والی باتیں کرتے ہیں۔ دنیا کو منوا نہیں سکتے اور سمجھتے ہیں کہ بہت بڑا تیر مار لیا۔

پس اس وقت تو آپ نے خدمت دین کی خاطر ایک پریکٹس کرنی ہے۔ پھر جو ماحصل ہے اسے پیپرز میں تبدیل کریں۔ اس کو دینی اور سائنسی احمدی علماء کے سامنے پیش کریں تا کہ وہ اس کو درست کریں۔ اگر کوئی خیالات کی غلطی ہے اور اگر اچھے خیالات ہیں تو وہ آپ کو یقین دلائیں کہ ہاں آگے بڑھو۔ اس میدان میں اور زیادہ فتوحات حاصل کرو۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور احمدی طالب علم کو عظمت کا وہ مقام عطا فرمائے جس کے لئے وہ پیدا کیا گیا ہے۔　(روزنامہ الفضل 4 مئی 1983ء)

احمدیہ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی دعوت عصرانہ سے خطاب

فرمودہ 18 اکتوبر 1982ء

☆ ایک احمدی بچی کا آکسفورڈ میں پردے کی پابندی کے ساتھ نمایاں کامیابی حاصل کرنا

☆ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ کا علم کی طرف توجہ دلانا اور احمدی طلبہ کا علم کے میدان میں آگے آنا

☆ علم کا نور اور احمدی طلبہ کو ایک Advantage

☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بعثت اور غیر معمولی طور پر کثرت کے ساتھ علوم کی دریافت

☆ احساسِ کمتری کا عذاب اور ہندوستان و پاکستان کی قوم

☆ نئی زبان سیکھنے کی عمر اور طریق

☆ اپنے دماغ کی قدر کریں......... زندگی کا مزا علم میں ہے

☆ ربوہ میں زبانیں سکھانے کا منصوبہ

⚜

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے فرمایا:-

''آج سب سے پہلے تو آپ کو ایک خوشخبری سنانی ہے جو طلبہ کی زندگی سے تعلق رکھنے والی خاص خوشخبری ہے۔ ہماری ایک بچی امتہ المجیب صاحبہ جو مکرم اکرام اللہ صاحب آف ملتان کی بیٹی ہیں، آکسفورڈ میں پڑھ رہی تھیں اور ڈاکٹریٹ (doctrate) کر رہی تھیں، ان کے متعلق اطلاع ملی ہے کہ انہوں نے solid state پر جو پیپر لکھا تھا وہ بھی اور viva یعنی زبانی امتحان بھی خدا کے فضل سے بہت ہی نمایاں کامیابی کے ساتھ پاس کیا ہے اور viva میں جو انٹرویو لینے والے تھے انہوں نے سب سے پہلے تو اس پر تعجب کا اظہار کیا کہ تم علم کے میدان میں یہاں تک پہنچی ہو اور برقع پہنا ہوا ہے۔ یہ کیا بات ہے؟ ہم تو سمجھتے تھے کہ skirt پہنے کوئی ماڈرن سی لڑکی آئے گی۔ اس نے کہا میں نے تو برقع پہن کے ہی پڑھا ہے اور اب بھی برقع ہی پہنوں گی۔ یہ میرا (دینی) نشان ہے میں اس کو کس طرح چھوڑ سکتی ہوں۔ اس کے بعد انہوں نے viva یعنی زبانی امتحان لیا اور اللہ کے فضل سے وہ ہر سوال کا صحیح جواب دینے میں کامیاب ثابت ہوئی۔ آخر پر انہوں نے کہا ہم نے تمہارے پیپرز بھی دیکھے ہیں۔ تم سے ایک مدد چاہیے اور وہ یہ کہ اگر تمہارے پیپر میں کوئی غلطی ہے تو خود بتا دو۔ کیونکہ ہمیں کہیں غلطی نہیں ملی۔ ہم نے بار بار توجہ کی ہے کہ کسی طرح کوئی ایک غلطی پکڑ لیں، لیکن کہیں کوئی غلطی نظر نہیں آئی۔

احمدی طلبہ کا علمی میدان میں آنا

تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے احمدی طلبہ جس نئے دور میں داخل ہو رہے ہیں یہ اس کی دوسری علامت ظاہر ہو رہی ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ کو علم کی طرف بہت توجہ تھی اور ان کی زندگی میں ہی پہلا پھل ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کی شکل میں ظاہر ہوا۔ اس سے ایک عام وسیع پیمانے پر impact ہوا

ہے۔اس توجہ نے ایک خاص ماحول create کیا ہوا تھا۔اس پر ڈاکٹر عبدالسلام صاحب ایک دم نمایاں ہو کر باہر نکلے ہیں۔ وہ پہلے ہی چمکے ہوئے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ایسی خوبصورت ٹائم سیٹنگ time (setting) کی کہ اس نے احمدی طلبہ میں ایک نیا impetus یعنی ولولہ پیدا کر دیا۔اور یورپ میں جہاں جہاں بھی احمدی طلبہ مجھے ملے ہیں بڑے بھی اور چھوٹے بھی، جب میں ان سے بات کرتا تھا کہ آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ ہم تو ڈاکٹر سلام بنیں گے انشاءاللہ۔بعض چھوٹے چھوٹے بچوں نے کہا کہ ہم نے ڈاکٹر سلام سے بھی آگے نکلنا ہے۔ یہ بلند حوصلے اور ارادے، یہ ستاروں پر کمندیں ڈالنا، سب اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک خاص ماحول کی برکت ہے جس کا علمی میدان میں آغاز حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ نے کیا تھا۔

بہر حال practically (عملاً) زور کے ساتھ یہ چیز اس وقت سامنے آئی۔لیکن اس کے جو roots یعنی جڑیں ہیں وہ ماضی میں اس سے بھی گہری ہیں، بہت ہی گہری ہیں۔ باوجود اس کے کہ عرب جہالت کا گہوارہ تھا۔ساری جہالتیں وہاں پنپ رہی تھیں، وہاں سے اللہ تعالیٰ نے ایک وجود کو کھڑا کیا اور اس کی بابت یہ اعلان فرمایا کہ

یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ (الجمعہ:3)

گویا بتایا کہ معجزہ اس کو کہتے ہیں کہ وہ ملک جو ساری دنیا میں سب سے زیادہ جاہل ملک ہے اور جس کے بسنے والے اُمّی محض ہیں۔انہی میں سے میں ایک آدمی چنتا ہوں اور اچانک تم دیکھتے ہو کہ یُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَ الْحِکْمَۃَ وہ انہیں تعلیم بھی دینے لگ گیا ہے اور پس پردہ حکمتیں اور فلسفے بھی بیان کرنے لگ گیا ہے۔اس شان کا معلم ہمیں عطا ہوا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علم کے حصول پر بہت زور دیا اور علم کے متعلق نصیحتیں فرمائیں۔اس وجہ سے صحابہؓ علم میں بہت دلچسپی لیتے تھے۔ **آنحضورؐ کی ہدایت پر صحابہؓ نے Greek یعنی یونانی اور دوسری زبانیں سیکھنی شروع کر دیں۔** چنانچہ مسلمانوں کے علمی دور کا آغاز آنحضورؐ کے زمانہ سے ہوا ہے۔ پھر وہ ایک خاص مقام تک پہنچا اور عروج کے بعد پھر تنزل پذیر ہوا ہے اور پھر دنیا اس جہالت کے دور میں دوبارہ داخل ہو گئی جو عرب جہالت کا دور تھا یعنی قبل از اسلام جہالت کا دور۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مبعوث فرمایا۔آپ نے نہ صرف یہ کہ دعائیں کیں **بلکہ بڑی عظیم خوشخبریاں سنائیں اور بتایا کہ میرے ماننے والوں اور میرے غلاموں میں سے خدا ایسے لوگ پیدا کرے گا جو ہر علم اور ہر فلسفے میں بڑے بڑے دنیادار علماء کے منہ بند کر دیں گے۔** حضرت مسیح

موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس مضمون کا بہت پُر شوکت کلام موجود ہے۔

تو آغاز اصل میں وہاں سے ہوا ہے جس دن اسلام پیدا ہو رہا تھا اس دن دنیا کے علم بھی نئی پرورش پا رہے تھے اور نئی کروٹ لے کر بیدار ہو رہے تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس مضمون پر مزید روشنی ڈالی۔ آپ نے فرمایا کہ درحقیقت جب خدا تعالیٰ کی طرف سے نور نبوت عطا ہوتا ہے تو اس کے چھینٹے دنیا کو بھی محروم نہیں کرتے اور ایک عام روشنی پیدا کر دیتے ہیں۔ اس روشنی کی مختلف تعبیریں ہوتی ہیں۔ روحانی دنیا میں وہ روشنی روحانی نور میں ڈھل جاتی ہے اور غیر معمولی شدت کے ساتھ مذہبی فلسفہ بیدار ہوتا ہے، مذہبی اقدار زندہ ہوتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف لوگوں کو توجہ پیدا ہوتی ہے۔ نور وہی ہے لیکن جب دنیا والوں پر اس کا پرتَو پڑتا ہے تو اس نور کی روشنی میں وہ اس طرف اور زیادہ بڑھنے لگتے ہیں جس طرف ان کا رجحان ہے اور خدا تعالیٰ کے قانون کے راز معلوم کرنے میں اور ترقی کرنے میں علم کے فروغ کا ایک نیا era یعنی نیا دور شروع ہو جاتا ہے۔ یہ وہی نور نبوت ہے جو خاص مقصد کے لئے آسمان سے نازل ہوتا ہے اور اس کی انتشاری روشنی (diffused light) ساری دنیا کو ایک نئے علمی دور میں داخل کر دیتی ہے۔

انبیاء کے ساتھ نُور کا نزول

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہر نبی کے وقت یہ واقعہ رونما ہوتا ہے چنانچہ کنفیوشس کے ساتھ چین کا علم اس طرح مربوط ہو چکا ہے کہ ایک کے نام کے ساتھ دوسرا خود بخود ذہن میں آجاتا ہے۔ اسی طرح بہت سے ہندوستانی علوم ہندو رشیوں کے ساتھ وابستہ ہو چکے ہیں۔ بعد میں وہ ان کو خدا بنا لیں یا بت کہہ لیں جو مرضی کہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ ہے وہی phenomenon یعنی ظہور جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیان فرمایا کہ انبیاء کے ساتھ ایک نور نازل ہوتا ہے۔ جب وہی نور دنیا کے پہلو سے بھی ماننے والوں پر پڑتا ہے تو ان معنوں میں نورٌ علیٰ نور بن جاتا ہے کہ وہ دنیا کے نور سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور روحانی نور سے بھی فائدہ اٹھاتے ہیں اور دونوں جگہ لیڈر بن جاتے ہیں۔ کیونکہ جن کی عقلیں صیقل ہوں، جن کو تقویٰ نصیب ہو وہ زیادہ اہل ہیں اس بات کے کہ وہ سائنٹیفک سٹڈی (scientific study) کر سکیں۔

اس لئے احمدی کو اور بالخصوص احمدی طلبہ کو ایک (advantage) یعنی رعایت حاصل ہے کہ وہ بہت آگے کھڑے ہیں اور باقی دنیا اسی نور سے بالواسطہ فائدہ اٹھا رہی ہے جو اس دور میں نور نبوت کے طفیل

نازل ہوا۔

حضرت مسیح موعودؑ کی بعثت اور کثرت علوم

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش کے وقت سے لے کر آپ کے دعوے تک اور پھر دعوے سے وفات تک، **یہ دو دور ہیں جن میں غیر معمولی طور پر کثرت کے ساتھ علوم دریافت ہوئے۔** علوم کی نئی شاخیں ایجاد ہوئیں، چوٹی کے سائنسدان اس دور میں پیدا ہوئے اور پھر آپ کے وصال سے پہلے ان تمام ایجادات کا بیج بویا گیا جو آج ہم دیکھ رہے ہیں۔ ان میں سے ہوائی جہاز کی ایجاد ہے۔ تو جو نیا دور ہے مثلاً

Atomic concept by the turn of the present century it had come into an offing.

یعنی اس سے پہلے ایٹم کے تصور کا دور مبہم سا تھا لیکن اس صدی کے آغاز میں ہی یہ Offing یعنی افق پر نظروں میں آ چکا تھا اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں اس دور کی بنیادیں قائم ہو گئی تھیں اور جو مزید ترقی ہو رہی ہے اس کا آغاز بھی دراصل آپ کے وقت میں ہو چکا تھا۔ اسی طرح ہر نبی کے دور کے ساتھ ایک علم پھیلا ہے۔

اس لئے آپ کو اس سے یہ سبق لینا چاہیے کہ یہ روشنی جس کے اول حقدار آپ ہیں جو حقیقت میں احمدیت کی برکت سے دنیا میں منتشر ہوئی ہے، یہ آخر احمدیت کی خدمت کے لئے انتشار پذیر ہوئی ہے، اس روشنی سے ہم کیوں محروم رہیں۔ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔

بے وجہ احساس کمتری

سب سے بڑی مصیبت جو ہماری راہ میں حائل ہے **وہ ہے احساس کمتری۔ ایک عذاب ہے ہندوستان اور پاکستان کی قوم کے لئے کہ بے وجہ احساس کمتری میں مبتلا ہیں۔** وہ سمجھتے ہیں کہ یہ چیزیں باہر ہو سکتی ہیں یہاں نہیں ہو سکتیں۔ یعنی ایجادیں سب باہر ہو سکتی ہیں، یہاں نہیں ہو سکتیں۔ ہمیں گویا دماغ ہی نہیں ملا کہ غور کر کے نئی نئی چیزیں نکال سکیں۔ اگر ہر مضمون میں Confidence یعنی خود اعتمادی پیدا ہو جائے تو چھوٹی عمر میں ہی انسان بڑے بڑے فاصلے طے کر لیتا ہے۔ بے وجہ اپنے آپ کو ایف۔ ایس۔ سی،

بی۔ایس۔سی، ایم۔ایس۔سی کی قیود میں باندھ کر اگر آپ علمی سفر شروع کریں گے تو آپ کے پاؤں میں بیڑیاں پڑی رہیں گی۔ کیوں آپ ایف۔ایس۔سی میں ایم۔ایس۔سی کی باتیں نہیں سوچ سکتے یا پڑھ سکتے۔آپ کو پڑھنا چاہیے آپ پڑھ سکتے ہیں۔

انسانی دماغ کا مکمل استعمال آج تک نہیں ہوا

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اتنا عظیم الشان دماغ دیا ہے کہ سائنسدان جنہوں نے دماغ پر غور کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہم دماغ کا ہزارواں حصہ بھی استعمال نہیں کر سکے Untapped Resources میں پڑے ہوئے ہیں۔اس کی چھان بین کرنے والے شکست تسلیم کر چکے ہیں کہ آج تک ہم سب سے کم جس چیز کو سمجھ سکے ہیں وہ انسانی دماغ ہے اور بد قسمتی یہ ہے کہ اس کا اکثر حصہ بغیر استعمال کے ہی پڑا رہ جاتا ہے۔جس طرح دنیا کے پسماندہ ممالک میں ان کے اکثر ذرائع اور وسائل بغیر استعمال کے پڑے رہ جاتے ہیں، اسی طرح ان بیچاروں کے دماغ بھی بغیر استعمال کے پڑے رہ جاتے ہیں۔جن قوموں نے اپنے دماغ کو استعمال کرنے کی جرأت کی ہے اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑے بڑے پھل دیئے ہیں۔

ایٹم بم کی کہانی

امریکہ میں ایک نوجوان سائنس کا سٹوڈنٹ تھا جس نے ابھی ڈگری بھی حاصل نہیں کی تھی۔اس کے پروفیسر نے باتوں باتوں میں ایٹم بم کا ذکر کیا۔اس نے کہا کہ ایٹم بم تو میں بھی بنا سکتا ہوں۔اس میں کون سی مشکل بات ہے پروفیسر نے کہا کہ تم کس طرح بنا سکتے ہو؟ تمہارے پاس نہ تو اسباب (Resources) ہیں، اور نہ تمہیں اتنا علم ہے۔اس نے کہا جو باتیں آپ نے مجھے بتائیں ہیں ان کی رو سے، جس طرح باقی سائنسدان کرتے ہیں، لائبریریوں میں بیٹھ جاتے ہیں، یہ کتاب نکالی، وہ کتاب نکالی، اسی طرح جوڑ جاڑ کے میں بھی بنا سکتا ہوں۔پروفیسر کو اس بات پر اتنا غصہ آیا کہ اس نے کہا تم میری کلاس سے نکل جاؤ۔اگر تم اتنے قابل ہو تو تمہیں یہاں بیٹھنے کی کوئی ضرورت نہیں۔اس نے کہا میں اس شرط پر نکلوں گا کہ میرے لیکچر شارٹ (Short) یعنی کم نہ ہوں۔کیونکہ میں نے پاس بھی تو ہونا ہے۔اس نے کہا اچھا! پھر تمہارے ساتھ یہ شرط ہوگی کہ اگر فلاں تاریخ تک جو امتحان کی تاریخ ہے، تم نے ایٹم بم کا خاکہ Blue Print بنا دیا اور ہر پرزے کے متعلق مجھے بتا دیا کہ یہ اس طرح بنتا ہے تو میں یونیورسٹی کے بورڈ میں سفارش کروں گا کہ تمہیں بغیر

امتحان کے ڈگری عطا کر دی جائے اور اگر ایسا نہ کیا تو تم فیل شمار ہو گے اور کالج سے نکال دیئے جاؤ گے۔ اس نے کہا مجھے یہ چیلنج منظور ہے۔ یہ کہا اور اٹھ کر باہر نکل گیا۔ جانے سے پہلے اس نے کہا کہ ایک شرط میری بھی ہے آپ میرے گائیڈ ہیں۔ مجھے گائیڈ لائن ضرور دیں۔ اگر میں کہیں پھنستا ہوں تو بیشک تھوڑا وقت ہے لیکن میں آپ سے پوچھا کروں گا کہ فلاں مضمون کہاں ملتا ہے، مجھے بتائیں۔ اس نے کہا یہ تو میں بتادوں گا لیکن یہ کہ کس کس قسم کے پرزے کہاں کہاں سے مل سکتے ہیں، اس میں مَیں تمہاری کوئی مدد نہیں کروں گا۔ خیر، یہ چیلنج قبول ہو گیا اور بات آئی گئی ہو گئی۔ اس نے تحقیق شروع کی۔ آخر وہ دن آپہنچا جب اس نے اپنا Thesis یعنی تحقیقی مقالہ پیش کرنا تھا۔ صرف ایک چیز اس کی اٹکی رہ گئی۔ ایک خاص قسم کا ایسا پرزہ تھا جو الیکٹرونک تھا اور Valve کا کام کرتا تھا۔ خاص کرنٹ کو Cutout (منقطع) کر کے کسی اور کرنٹ کو (جو بھی کرنٹ تھی) Pass کرنے کی اجازت دیتا تھا۔ اس بیچارے کو یہ پرزہ نہیں مل رہا تھا اور شرط یہ تھی کہ خاکہ ہر طرح سے مکمل ہو۔ ایک جگہ بھی اٹک گئے تو سمجھا جائیگا کہ ایٹم بم نہیں بنا ساری کوششیں بیکار گئیں۔ اس بیچارے کو سوچتے سوچتے اچانک دماغ میں آ گیا کہ Bell ٹیلیفون کی مشہور کمپنی ہے ان کے ہاں اس قسم کی کوئی چیز ضرور ہونی چاہیے۔ اس نے اُسی وقت Bell والوں کو فون کیا کہ اس قسم کا ایک پرزہ ہے جس کی یہ یہ خاصیتیں ہیں۔ اور وہ آپ کے پاس Available یعنی دستیاب ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا! کیا نمبر ہے؟ اس کا نمبر اپنے Thesis میں نوٹ کیا اور ہانپتا کانپتا، سانس چڑھا ہوا وقت پر جا کر اس نے اپنا Thesis دے دیا۔ واپس آ کے اس بیچارے کو خیال آیا کہ میں نے اپنی طرف سے تو ایٹم بم بنا دیا ہے پتہ نہیں نتیجہ کیا نکلتا ہے جب انعامات کی تقسیم کا وقت آیا اور ڈگریاں تقسیم ہونی تھیں تو اس کی تلاش شروع ہوئی۔ یونیورسٹی کے پروفیسرز کا پورا بورڈ بیٹھا ہوا تھا۔ اس کو بلایا گیا۔ انہوں نے اس کو کہا کہ ہم تمہیں غیر معمولی اعزازی ڈگری عطا کرنا چاہتے ہیں اور امریکن قوم کی طرف سے تمہارا شکریہ ادا کرنا چاہتے ہیں۔ ہم اس احساس کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ یہ چیز ہو ہی نہیں سکتی اس لئے بہت سے Documents جو Secret ہو جانے چاہئیں تھے ان کو ہم نے لائبریریوں میں کھلا رکھا ہوا تھا۔ اب تمہارے اس مقالہ سے ہمیں پتہ چل گیا ہے کہ یہ اتنی خطرناک چیز ہے کہ اب ہم نے ان Documents کو مہر بند (Seal) کروا دیا ہے۔ اور اب یہ پبلک کے استعمال کے لئے نہیں ہوں گے۔

تو بی ایس سی کا ایک معمولی طالب علم ایٹم بم کا پورا اور مکمل Blue Print تیار کر لیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کو پتہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا بڑا دماغ دیا ہے کہ اگر میں اس کو استعمال کروں تو میرے لئے ترقی کے

غیر متناہی رستے کھلے ہیں۔

نئی زبان سیکھنے کی صحیح عمر

آج صبح میں نے آپ کو Languages یعنی زبانیں سیکھنے کی طرف توجہ دلائی تھی۔ زبانوں کے متعلق ریسرچ کہتی ہے کہ گیارہ سال کی عمر تک آپ جتنی چاہیں زبانیں سیکھیں۔ آپ کے اوپر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا۔ جتنی زیادہ آپ زبانیں سیکھیں گے اتنا زیادہ آپ کا دماغ اور زبانیں سیکھنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور اگر گیارہ سال کی عمر تک ایک زبان بھی نہ سیکھی ہو تو پھر ناممکن ہے کہ آپ کوئی ایک زبان بھی سیکھ سکیں۔ اس کے بعد علمی ترقی، زبان کے لحاظ سے ناممکن ہو جائے گی۔ Brain کا جو Right Hemisphere ہے اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے زبانیں سکھائی جاتی ہیں۔ گیارہ سال تک وہ انتظار کرتا رہتا ہے اور پھر وہ Barren یعنی ناکارہ ہو جاتا ہے اور اسے کچھ بھی یاد نہیں ہوتا۔ جس طرح بعض عورتیں یورپ وغیرہ میں پلاننگ کرتی رہتی ہیں۔ رحم بچے کا انتظار کرتا رہتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد فلوپین ٹیوبز وغیرہ بند ہو کر بیکار ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح دماغ کا یہ حصہ گیارہ سال تک انتظار کرتا ہے کہ اسے استعمال کیا جائے۔ جو لوگ استعمال نہیں کرتے وہ اسے ضائع کر دیتے ہیں۔ لیکن جو اپنے دماغ پر زیادہ بوجھ ڈالتے ہیں وہ اسے معطّل نہیں کرتے بلکہ اور زیادہ چمکا دیتے ہیں۔

زندگی کا مزا علم میں ہے

پس آپ اپنے دماغ کی قدر کریں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بہت غیر معمولی قوتیں عطا فرمائی ہیں۔ آپ بیک وقت بہت سی چیزیں سیکھ سکتے ہیں بشرطیکہ علم میں مگن ہو جائیں۔ یہی زندگی کی لذت ہے۔ جو مزا علم میں ہے وہ گپوں میں ہے، نہ چالاکی میں ہے، اور نہ لباس وغیرہ میں ہے۔ پھر اس کے ساتھ کیریکٹر میں ایک Nobility (عظمت) بھی پیدا ہو جاتی ہے۔

تفریح سے مراد کیا ہے

تو جیسا کہ آپ سے میں نے کہا تھا زبانیں سیکھیں۔ جب آپ نیک نیتی سے سیکھیں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد بھی آپ کو حاصل ہوگی اور آپ پر کوئی ایسا بوجھ بھی نہیں پڑے گا جو آپ کی تعلیم میں حارج ہو۔ ہر طالب

علم کو جو زائد وقت ملتا ہے اس میں وہ یہ مشغلہ رکھ لے کہ کوئی زبان سیکھنی ہے۔ اس سے اس کو Relaxation یعنی تفریح بھی ہوگی۔ کیونکہ دلچسپی کو حاصل کرنے یا بوریت کو دور کرنے کا جو Phenomenon ہے وہ صرف یہ ہے کہ انسان تبدیلی چاہتا ہے کام سے۔ کام میں تبدیلی ہو تب بھی آدمی Relaxed یعنی سکون حاصل کر لیتا ہے چنانچہ انتہائی پریشر کے وقت جب چرچل نے Relaxed کرنا ہوتا تھا تو وہ ترکھان والا کوئی کام شروع کر دیتا تھا اور اگر ترکھان کام کر رہا ہو اور وہ تھک جائے تو وہ تو خیر اس وقت جرنیل نہیں بن سکتا۔ لیکن بہر حال اگر کوئی اور کام کر لے گا تو اس میں دلچسپی پیدا ہو جائے گی۔ تو تنوع میں دلچسپی ہے۔ تبدیلی میں دلچسپی ہے یہ بھی آپ کی ایک علمی تبدیلی ہو جائے گی۔ آپ ایک نئی زبان سیکھنے لگ جائیں گے۔

اس موضوع پر ابھی میاں احمد (محترم صاحبزادہ مرزا غلام احمد صاحب ایم۔اے) سے باتیں ہو رہی تھیں۔ انہوں نے بتایا کہ Russia میں زبان پر ریسرچ ہوئی۔ وہ بعض زبانیں بعض طریقوں سے جلدی سکھا دیتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا ہے کہ ساری دنیا سے Data (کوائف) اکٹھا کریں۔

زبان سیکھنے کے نئے طریقے

اصل بات یہ ہے کہ زبان پر نئی نئی ریسرچ بہت سے ملکوں میں ہو رہی ہے اور اس کے متعلق مختلف ذرائع اختیار کئے جا رہے ہیں۔ مثلاً بنیادی طور پر یہ بات ہے کہ ترجمے کی بجائے براہ راست زبان سیکھی جائے۔ اس کے لئے شروع میں تصویری زبان میں بغیر ترجمے کے کتابیں آ گئی تھیں۔ فرینچ میں، اٹیلین وغیرہ ہر زبان میں یہ کتابیں ملتی ہیں۔ تصویر ہوتی ہے اور اس میں اشارہ ہوتا ہے کہ یہ فلاں چیز ہے۔ یہ فلاں چیز ہے۔ آہستہ آہستہ انسان نظری طور پر وہی پڑھنے لگتا ہے جس طرح بچہ سیکھتا ہے اسی طرح وہ سیکھتا ہے البتہ اس میں تلفظ کی کمزوری آ جاتی ہے کیونکہ اچھا تلفّظ آ ہی نہیں سکتا جب تک کہ انسان خود نہ سنے۔ اب Video System آ گئے ہیں۔ ان کے ذریعے یہ مسئلہ بھی حل ہو گیا ہے اگر تحقیق کی جائے تو بہت سی ایسی وڈیو ریکارڈنگ مل سکتی ہیں جن میں ایک فرینچ ٹیچر صحیح تلفظ کے ساتھ اور آہستہ آہستہ فرینچ پڑھا رہی ہے اور ساتھ تصویریں بھی آ رہی ہیں اور وہ اشاروں سے بتا رہی ہے۔ اس طریق سے زبان آ جاتی ہے۔

انسانی ذہن کی مختلف کیفیتیں

پھر سائیکالوجی کی طرف سے مختلف ممالک میں جو ریسرچز یعنی تحقیقات ہو رہی ہیں اس میں کئی تجربے

ہوئے ہیں بلغاریہ ایک مشرقی یورپ کا ملک ہے۔ وہاں یہ تجربہ کیا گیا تھا کہ ایک میوزک ہال میں بہت ہی اعلیٰ اور آرام دہ کرسیاں بچھائی گئیں۔ جس طرح Luxury کے لئے صوفے سیٹ بنائے جاتے ہیں اور بیک گراؤنڈ میں انہوں نے ایک نئی زبان بھر دی اور اس کے ترجمے اور گرائمر وغیرہ پڑھا رہے ہیں۔ فلور گراؤنڈ میں میوزک کا انتظام ہے۔ لیکن ہلکی سی آواز میں زبان بھی سنائی دے رہی ہے۔ توجہ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ میوزک کی طرف دینی ہے، زبان کی طرف نہیں دینی۔ زبان بھول جاؤ تمہارے اوپر اس کا کوئی بوجھ نہیں پڑنا چاہیے یہ تجربہ اس نظریئے کے تحت کیا گیا۔ کہ کانشنس برین یعنی ذہن بعض دفعہ باہر ایک روک ڈال دیتا ہے اور اس سے ٹکرا کر بہت سے علوم واپس چلے جاتے ہیں اور ذہن کے اندر Penetrate (داخل) نہیں ہونے دیتا اور کانشنس برین یعنی شعوری ذہن میں، اِن کانشنس یا سب کانشنس برین یعنی غیر شعوری یا تحت الشعوری ذہن کی نسبت Storage Capacity یعنی الفاظ کو ذخیرہ کرنے کی صلاحیت کم ہے۔

مثلاً سب کانشنس (تحت الشعور) کے متعلق تو یہاں تک معلوم ہوا ہے کہ ایک بچی کو انگریزی کے سوا کوئی زبان نہیں آتی تھی، دوسری زبان کا ایک لفظ بھی نہیں جانتی تھی، جب اس کے دماغ کا اپریشن ہونے لگا اور اس کے لئے ڈاکٹروں نے سوئیاں گزارنی شروع کیں تو ایک جگہ پہنچ کر وہ Fluent (نہایت رواں) زبان میں جرمن بولنے لگ گئی۔ (دماغ کا ایک حصہ Excite کر دیا گیا جس کے نتیجے میں وہ جرمن بولنے لگ گئی) ڈاکٹر بڑے متعجب ہوئے کہ یہ کیا قصہ ہے اس کے ماں باپ سے سوال کیا انہوں نے کہا ہم نے تو اس کو کبھی جرمن نہیں سکھائی۔ پھر Cross Examination (کرید کر سوالات پوچھنے) پر ماں کو یاد آ گیا کہ اصل میں بچپن میں اس کی دایہ ایک جرمن تھی اور اس کی عادت تھی Soliloquy یعنی وہ بیٹھی آپ ہی آپ منہ میں باتیں کیا کرتی تھی۔ اب یہ اس کے بچپن کا تھوڑا سا دور تھا۔ اس وقت کوئی Consciousness یعنی شعوری کیفیت اس کی ایسی نہیں تھی کہ جو وہ سیکھنا چاہتی تھی کانشنس برین، یا شعوری ذہن اس کو رد کر رہا تھا۔ بلکہ جو وہ سن رہی تھی دماغ اس کو Sink (جذب) کرتا جا رہا تھا۔ اس کے نتیجہ میں جب اس نے Consciously (شعوری دور میں) علم سیکھا تو وہ چیزیں سٹور ہو کے دب گئیں اور اس کو پتہ نہیں تھا کہ میرے اندر کیا قابلیت موجود ہے جب برقی آلوں نے دماغ کے اس حصے کو Excite کیا تو اچانک دوبارہ قوت بیدار ہوگئی اور پتہ لگا کہ انسان کے ذہن کی Storage Capacity (ذخیرہ کرنے کی صلاحیت) بہت زیادہ ہے اور وہ آپ ہی آپ علم کو Absorb (جذب) کرتا چلا جاتا ہے۔

دماغ کے مختلف حصوں کی صلاحیتیں

اس پر بہت ریسرچ ہو چکی ہے اور یہ پتہ چلا ہے کہ دماغ کے بے شمار ایسے حصے ہیں جن میں علم کے سٹور بھرے ہوئے ہیں۔ ہم نے کسی وقت کوئی چیز سیکھی تھی اور وہ وہاں محفوظ ہو گئی ہے ان کو Actively (مستعدی کے ساتھ) استعمال کرنے کی طاقت ہم میں ہو یا نہ ہو لیکن دماغ میں وہ چیزیں موجود ہیں۔ اس اصول پر انہوں نے یہ طریق سوچا کہ دماغ کو بتایا ہی نہ جائے کہ تم کچھ یاد کر رہے ہو تا کہ اس پر بوجھ نہ پڑے۔ جس طرح طالب علم امتحان سے پہلے جب Consciously یاد کرنے کی کوشش کرتا ہے تو بعض اوقات دس دس دفعہ پڑھ کر اس کو سمجھ ہی نہیں آتی کہ میں کیا کہہ رہا ہوں لیکن کہانی کے طور پر وہی مضمون پڑھ جائے اور خیال بھی نہ ہو کہ میں نے یاد کرنا ہے تو بعض دفعہ پوری کتاب کا مضمون ذہن میں رہتا ہے اور خود بخود وقت پر یاد آ جاتا ہے۔

اس اصول پر انہوں نے زبان کا تجربہ کیا۔ لوگوں سے کہا کہ تم Relaxed ہو کر میوزک سنو اور تم محسوس کرو گے کہ زبان آپ ہی آپ ڈوب رہی ہے کہ ان کا دعویٰ یہ تھا کہ ایک مہینہ کے اندر ہم نے پہلی Proficiency (ابتدائی لیاقت) پیدا کر دی ہے۔ یعنی زبان بولنے کی پہلی سٹیج Create کر دی اور ایک ہفتے کے بعد اچانک وہ لوگ زبان بولنے لگ گئے۔ جس طرح کہ ان کو پہلے ہی آتی تھی۔ اس طرح ان کو احساس ہوا۔ اس پر رشیا کی ایک سائنٹسٹ ٹیم کا پتہ لگا تھا کہ اس نے ریسرچ کی ہے اور وہ اس میں بڑی گہری دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس لئے ہو سکتا ہے کہ میاں احمد صاحب کی جو انفارمیشن ہے وہ اسی مضمون سے متعلق ہو اور زبان سیکھنے کا یہی طریق ہو۔ کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ غیر معمولی طور پر تھوڑے وقت میں وہ زبانیں سکھاتے ہیں۔

زبان کے بارے میں ایک اور تجربہ

ایک اور تجربہ بھی ہوا ہے جس کے متعلق بعض سائنسدان کہتے ہیں کہ یہ بالکل ناکام ہے۔ لیکن بعض ابھی تک اصرار کر رہے ہیں کہ نہیں یہ مفید ہے اور Ordinarily یعنی بالعموم ہم میں سے ہر ایک کے یا ایک طبقے کے بس میں ہے وہ کہتے ہیں کہ مثلاً جو زبان تم سیکھنا چاہتے ہو وہ کیسٹ ریکارڈ کر لو۔ اس کے بعد وہ جو Repeat System ہوتا ہے (جیسے Toshiba میں اشتہار آ رہا تھا کہ ٹیپ ختم ہو تو وہیں سے دوبارہ چل

پڑے) اس میں ریکارڈنگ ہوئی ہو تو رات ہلکی آواز میں چلا کر خود سو جاؤ۔ ساری رات دماغ اس کو Catch کرتا رہے گا۔ ہوسکتا ہے کہ جب تھوڑی دیر کے لئے Deep Sleep (گہری نیند) میں آجائے تو اس وقت نہ کرے۔ اس کی تفصیل میرے علم میں نہیں۔لیکن جو میں نے پڑھا ہے وہ یہی ہے کہ ساری رات Sleep یعنی نیند کی کوئی سٹیج، منزل ہو، ذہن اس کو نوٹ کرتا چلا جاتا ہے۔

یہ بات تو درست ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔ کیونکہ جیسا کہ پہلا تجربہ میں نے بیان کیا ہے ہوسکتا ہے بلکہ غالب خیال یہی ہے کہ ذہن ضرور ریکارڈ کرتا ہوگا۔لیکن اصل مشکل سوال یہ ہے کہ کیا کانشنس برین اس سب کانشنس ریکارڈنگ سے استفادہ کرسکتا ہے یا نہیں اور اس کا کوئی کنکشن سسٹم ہے یا نہیں؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی سسٹم ضرور ہے۔ ورنہ یہ سارا بے کار تھا اور اللہ تعالیٰ کوئی باطل اور بے کار چیز پیدا نہیں کرتا۔ چنانچہ پہلے دن بچے کے ایک کان میں اذان دینا اور دوسرے کان میں تکبیر یعنی اقامت کہنا یہ بھی ایک لغو فعل بن جاتا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے خلاف ہے اور قرآن کریم کی تعلیم کے خلاف ہے اور حضور اکرم ایسا کر ہی نہیں سکتے تھے اگر یہ لغو ہوتا۔ آپؐ کی زندگی کا ایک ذرہ بھی تعلیم قرآنی کے خلاف نہیں۔ اس پہلو سے مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب کانشنس برین سے کانشنس برین کے استفادے کا کوئی نظام ضرور قائم کیا ہوگا۔ ممکن ہے بعض ذہنوں میں وہ کنکشن جلدی پیدا ہو جاتا ہو، بعض میں ذرا سست پڑ گیا ہو۔ اس لئے اگر آپ کے پاس توشیبا یا کوئی اور کیسٹ ریکارڈر ہو جس طرح موٹر کے ہوتے ہیں (اس میں اکثر ریپیٹ سسٹم والے آتے ہیں۔ عام طور پر موٹر کے ریکارڈر ہیں ان میں ریکارڈ تو نہیں ہوسکتا ہے) تو آپ میں سے اگر کوئی تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو تجربہ کرکے اس کے فوائد کو ریکارڈ کریں۔ یہ تجربہ دو طریق سے ہونا چاہیے۔ ایک تو یہ کہ رات کو سونے کے بعد صرف سنا جائے یا کچھ حصہ Consciously سن لیا جائے اور پھر سو جائیں تا کہ دماغ سے اس کا ایک Link قائم ہو جائے اور مہینہ دو مہینے کے بعد دیکھیں کہ کسی قسم کی آپ میں Improvement ہوئی ہے کہ نہیں۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ اس تجربے کے بعد اسی آواز کے ذریعہ پھر وہ زبان سیکھنے کی کوشش کریں اور پھر ایک ایسا کنٹرول گروپ ہو جو بغیر اس تجربے کے بعد میں اکٹھے زبان سیکھنے کی کوشش کریں۔ بیس تیس کا ایک کنٹرول گروپ بنالیں۔ اور ایک Experimental یعنی تجرباتی گروپ بنالیں۔ ان کے موازنے سے ہمیں معلوم ہو جائے گا کہ واقعۃً کوئی فائدہ ہے یا نہیں ہے یا یوں کہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی تعلیم میں جو فائدہ ہے ہم اس کے راز کو پاسکے ہیں کہ نہیں اور اس ذریعے سے اس کا کوئی تعلق ہے یا نہیں۔

ربوہ میں زبانیں سکھانے کا منصوبہ

بہر حال جو بھی نئے نئے ذرائع ہیں ان کو Import کر کے ان سے انشاء اللہ تعالیٰ ربوہ میں زبان سکھانے کا ایک ماڈل بنائیں گے جتنا بھی اس پر خرچ ہوگا اس کی کوئی پرواہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بے شمار فضل ہیں۔ باہر کی جماعتیں بھی اب بڑی بیدار ہیں اور کما رہی ہیں اور خدمت کا جذبہ رکھتی ہیں۔ ان کے اندر قربانی کے جذبے حیرت انگیز طور پر بیدار ہو رہے ہیں۔ بڑی کثرت سے دوست یہ پیشکش کر رہے ہیں کہ ہمارا سب کچھ سو فیصدی دین کا ہے۔ روپیہ کوئی مشکل ہی نہیں ہے ایسی جماعت کے سامنے جو خالصۃً لِلّٰہ ہو چکی ہو اور جو اپنا کچھ الگ سمجھے ہی نہ۔ افراد جماعت احمدیہ کی ٹوٹل پراپرٹی، ٹوٹل جماعت احمدیہ کی پراپرٹی ہے۔ یہ شکل بن جاتی ہے۔ روپے کی کمی اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمارے رستے میں روک نہیں بنے گی۔

اس لئے فہرستیں منگوائیں اور ساتھ ہی آرڈر دیتے چلے جائیں تا کہ یہاں نمونے آنے شروع ہو جائیں۔ پھر ایک بہت خوبصورت ماڈل یہاں Create ہو جائے خواہ جامعہ میں یا لائبریری میں۔ اگر الگ عمارت بنانی پڑے یا کمرہ وغیرہ Add کرنا پڑے تو وہ بھی کر دیں گے انشاء اللہ۔ تو جتنی جلدی یہ انتظام ہو اتنا ہی بہتر ہے۔ پھر اس سے نمونے لے کر ہر ایسے بڑے شہر میں جہاں خاص تعداد میں احمدی طلبہ پڑھتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی Languages لیبارٹری بنا دیں گے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اپنے آپ کو تیار کریں کمر ہمت کسیں اور یقین پیدا کریں کہ آپ علوم کی دنیا میں لوگوں کے لئے سردار بنائے گئے ہیں اور ان کی راہ نمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہیں۔ غفلت کو Shake Off کر دیں۔ اپنے مقام کو سمجھیں اور دعائیں کر کے آگے بڑھنے کے لئے تیاری کریں۔ اللہ تعالیٰ بڑے بڑے علوم کے نئے نئے راستے آپ میں کھولے گا۔ آپ نئی نئی منزلیں طے کریں گے اور نئی نئی چوٹیاں سر کریں گے۔ خدا کرے کہ ہم جلد یہ دن دیکھیں۔ آمین (روزنامہ الفضل 4 مئی 1983ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 19 نومبر 1982ء سے اقتباس

☆ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی اہمیت
☆ ہر گھر اپنے بچوں کی نمازوں کی حفاظت کرے
☆ نماز کے بارے میں رفقاء حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نمونہ
☆ اپنے گھروں کو عبادت اور ذکر الٰہی سے معمور کردیں

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ نے سورۃ مریم کی مندرجہ ذیل آیات تلاوت کیں۔

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ إِسْمٰعِيْلَ إِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ۝ وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا ۝

(مریم:55-56)

اور پھر فرمایا:-

ان آیات میں خدا تعالیٰ نے اس نماز کا نقشہ کھینچا ہے جو دونوں جہات سے عاری ہے۔ نہ حقوق اللہ کو ادا کر رہی ہے اور نہ ہی حقوق العباد کو اور درحقیقت یہ ایک ہی چیز کے دو نام بن جاتے ہیں۔ یہاں پہنچ کر نماز مجمع البحرین ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک پہلو سے کہا جاسکتا ہے کہ یہ حقوق اللہ ہے اور دوسرے پہلو سے یہ حقوق العباد نظر آتی ہے تو فرمایا کہ یہ لوگ خدا کی یاد سے غافل ہو کر دکھاوے کی نماز پڑھتے ہیں اور جو خالق کی یاد سے غافل ہو کر نماز پڑھے وہ مخلوق کی ضروریات سے بھی غافل ہو جایا کرتا ہے۔ وہ مخلوق کے حقوق بھی ادا کرنے کا اہل نہیں رہتا۔ ایسی نماز تو بالکل بیکار اور بے فائدہ ہے جو برکتوں اور ثواب کی بجائے لعنتوں کا موجب بن جائے۔ پس اس پہلو سے جماعت احمدیہ کو اپنی نمازوں کی حفاظت کرنی چاہیے اور یہ حفاظت دو طرح سے کرنی ہوگی۔ ایک اس کے ظاہر کی حفاظت کرنی پڑے گی اور دوسرے اس روح کی حفاظت کرنی پڑے گی جس کے بغیر نماز باطل ہو جایا کرتی ہے ان دونوں پہلوؤں سے میں سمجھتا ہوں توجہ دلانے کی بہت گنجائش موجود ہے۔ میں یہ دیکھتا ہوں کہ ربوہ میں نماز کا وہ معیار نہیں رہا جو قادیان میں ہوا کرتا تھا اور گھروں میں تلقین نہیں رہی جس کے نتیجے میں کثرت کے ساتھ نمازی پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم کی وہ آیات جو میں نے شروع میں تلاوت کی تھیں ان میں نماز کو قائم کرنے کا گُر بتاتے ہوئے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مثال پیش کی گئی ہے فرماتا ہے۔ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَبِيًّا وَكَانَ يَأْمُرُ أَهْلَهٗ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ وَكَانَ عِنْدَ رَبِّهٖ مَرْضِيًّا (سورۃ مریم:55-56) کہ اسمٰعیل کی ایک بہت پیاری عادت یہ تھی کہ وہ اپنے اہل کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کی تعلیم دیا کرتا تھا اور خدا کو بہت پیارا لگتا تھا کَانَ

عِنۡدَ رَبِّہٖ مَرۡضِیًّا (سورۃ مریم:۵۶) اس کی یہ ادائیں اللہ کو بہت پسند تھیں کہ وہ ہمیشہ باقاعدگی کے ساتھ اپنے اہل وعیال کو نماز کا حکم دیتا تھا۔اس میں یہ نکتہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ نمازوں کا قیام اوران کا استحکام گھروں سے شروع ہوتا ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کو مخاطب کر کے اللہ تعالےٰ فرماتا ہے وَاۡمُرۡ اَہۡلَکَ بِالصَّلٰوۃِ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا (طٰہٰ ۱۳۳) کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! تو بھی اپنے اہل کو نماز کا حکم دیا کر وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا لیکن یہ ایسی بات نہیں ہے کہ ایک دفعہ کہنے سے اس پر پوری طرح عمل شروع ہو جائے گھروں میں اگلی نسلوں کو نماز کی عادت ڈالنی ہوتو مستقل مزاجی کے ساتھ تلقین کی عادت اختیار کرنی پڑتی ہے۔ ایک دو دفعہ یا ایک دو دن یا ایک دو ماہ یا چند سالوں کا کام نہیں۔ وَاصۡطَبِرۡ عَلَیۡہَا کا مطلب یہ ہے کہ جب تک تو زندہ رہے، جب تک تجھ میں طاقت ہے اس عادت پر صبر سے استقامت اختیار کرلے۔اس عادت کو کبھی چھوڑنا نہیں۔

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے (رفقاء) میں ہم نے یہ چیز دیکھی کہ وہ اپنے اہل وعیال کونمازوں کے متعلق تلقین کیا کرتے تھے اور کبھی کسی حالت میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ انہوں نے نماز کی تلقین کرنی چھوڑ دی ہو۔ میرے سامنے بہت سی مثالیں ہیں کہ جو اپنے بچوں کو نماز کے لیے اپنے ساتھ لے جاتے تھے وہ باقاعدگی کے ساتھ ایسا کرتے اور کبھی بھی اس طرف سے غافل نہیں ہوئے۔نماز پڑھنے والوں کے بھی اور نماز پڑھانے والوں کے بھی بڑے بڑے پیارے نظارے نظر آیا کرتے تھے۔ چنانچہ جن ماں باپ نے اس نصیحت پر عمل کیا اور اپنے گھروں میں نمازوں کی تلقین کو دوام کے ساتھ اختیار کیا۔یوں لگتا تھا کہ وہ گھر نمازیوں کی فیکٹریاں بن گئے ہیں اور انکی نسلوں میں آج بھی بکثرت نمازی نظر آتے ہیں۔جو دوسرے خاندانوں کی نسبت زیادہ نماز پڑھنے والے ہیں۔ چنانچہ وہ (رفقاء) جنہوں نے اس عادت میں نمایاں امتیاز حاصل کیا ان کی اولا دنسلاً بعد نسلٍ نمازی بنتی چلی گئی۔لیکن بعض دفعہ ایسا ہوا کہ (رفقاء) کے اندر تو خُدا تعالیٰ نے نماز کی حفاظت کا جذبہ پیدا کیا تھا مگر بیویاں عمل کے لحاظ سے کمزور تھیں۔یا جس جگہ بچّوں کی شادیاں ہوئیں وہاں کے بے نمازوں کے خون ان سے مل گئے اور وہ پانی گدلا ہو گیا۔تو ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ باقاعدگی سے نماز پڑھنے والے خاندانوں میں بے نماز شامل ہو گئے اور انہوں نے رفتہ رفتہ اس سارے پانی کو گدلا کرنا شروع کر دیا۔لیکن جہاں ان کی شادیاں نمازیوں میں ہوئیں وہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک ایسی نسل ملی ہے جو نماز پر ہمیشہ قائم بھی رہتی ہے اور مداومت میں قرآنی الفاظ هُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ دَآئِمُوۡنَ (المعارج:۲۴) کا نقشہ پیش کرتی ہے۔اسی طرح بعض گھروں میں

بے نمازوں کی فیکٹریاں ملتی ہیں۔یعنی جو بھی وہاں پیدا ہوتا ہے بے نمازی ثابت ہوتا ہے۔تو سوال یہ ہے کہ خدام الاحمدیہ یا انصاراللہ یا دیگر تنظیمیں ان لوگوں کو کس طرح سنبھالیں؟ جب مَیں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ قرآن کریم پہلی ذمہ داری بیرونی تنظیموں پر نہیں ڈالتا بلکہ پہلی ذمہ داری گھروں پر ڈالتا ہے اور یہ ایک بڑا ہی گہرا اور پُرحکمت نکتہ ہے۔حقیقت یہ ہے کہ اگر گھر اپنے بچوں کی نماز کی حفاظت نہیں کریں گے تو بیرونی دنیا لاکھ کوشش کرے وہ اس قسم کے نمازی پیدا نہیں کرسکتی جو گھر کی تربیت کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں۔پس میں تمام گھروں کو یہ تلقین کرتا ہوں کہ وہ بڑی ہمت اور جدوجہد کے ساتھ نمازی پیدا کرنے کی کوشش کریں اور ہمارے ماضی میں جو نیک مثالیں ستاروں کی طرح چمک رہی ہیں ان کی پیروی کریں۔بہت سی مثالوں میں سے میں ایک مثال اپنے چھوٹے پھوپھا جان حضرت نواب محمد عبداللہ خاں صاحب کی دیتا ہوں۔ان کو نماز سے، بلکہ نماز باجماعت سے ایسا عشق تھا کہ لوگ بعض دفعہ بیماری کے عذر کی وجہ سے (بیت الذکر) نہ جانے کے بہانے ڈھونڈتے ہیں، لیکن وہ بیماری کے باوجود (بیت الذکر) جانے کے بہانے ڈھونڈا کرتے تھے۔دل کے مریض تھے اور ڈاکٹر نے بشدت منع کیا ہوا تھا کہ حرکت نہیں کرنی۔لیکن اس کے باوجود آپ ایک Wheel Chair پر بیٹھ کر (پہیوں والی وہ کرسی جس پر بیٹھ کر مریض خود اپنے ہاتھوں سے اس کے پہیے گھماتا ہے) رتن باغ لاہور میں جہاں نمازیں ہوتی تھیں (اس وقت (بیت الذکر) نہیں تھی۔اس لئے رتن باغ کے صحن میں نمازیں ہوا کرتی تھیں) باقاعدگی کے ساتھ وہاں پہنچا کرتے تھے۔جب (بیت الذکر) گھر سے دور ہوگئی تو اپنے گھر کو (بیت الذکر) بنالیا اور اردگرد کے لوگوں کو دعوت دی کہ تم پانچوں وقت نماز کے لئے میرے گھر آیا کرو اور (بیت الذکر) کے جس قدر حقوق عائد ہوتے ہیں، ان سب کو ادا کرتے تھے۔ یعنی جب انہوں نے یہ اعلان کیا کہ میرا گھر (بیت الذکر) ہے تو پانچوں نمازوں کے لئے آپ کے گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے۔صبح کے وقت نمازی آتا تھا تو دروازے کھلے ہوتے تھے۔رات کو عشاء کی نماز کے لئے آتا تھا تب بھی دروازے کھلے ہوتے تھے اور دوپہر کو بھی دروازے کھلے رہتے تھے۔پھر نمازیوں کے لئے وضو کا انتظام تھا اور دیگر سہولتیں بھی مہیا تھیں۔یہ سب کچھ آپ اس لئے کرتے تھے کہ آپ کو نماز باجماعت سے ایک عشق تھا اور یہ پسند نہیں کرتے تھے کہ کسی حالت میں بھی آپ کی کوئی نماز جماعت کے ساتھ ادا کرنے سے رہ جائے۔چنانچہ آپ کی اولاد میں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نماز کی بڑی پابندی پائی جاتی ہے۔

یہ صرف ایک نمونہ ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے اسی قسم کے ہزارہا نمونے قادیان میں رہنے والوں

کی یادوں میں بس رہے ہوں گے۔نماز کا اتنا شوق پایا جاتا تھا اور اس کی اتنی تربیت تھی کہ قادیان کے پاگل بھی نمازی رہتے تھے۔ایسے پاگل جو دنیا کی ہر ہوش گنوا دیتے تھے وہ نماز پڑھنے کے لئے اکیلے (بیوت الذکر) پہنچ جایا کرتے تھے۔نماز پڑھنے کی عادت ان کی زندگی میں ایسی رچ بس گئی تھی کہ وہ اس سے الگ ہو ہی نہیں سکتے تھے۔ایسے ہی ایک راجہ اسلم صاحب ہوا کرتے تھے۔جب پاگل پن کی انتہاء ہو گئی تو بے چارے گھر سے باہر چلے گئے۔پاگل پن میں جو بھی اندرونہ ہو وہ باہر آجاتا ہے۔چونکہ ان پہ نیکی کا غلبہ تھا اس لئے (آخری اطلاع کے مطابق) (دعوت الی اللہ) کے جنون سے غالباً روس کی طرف چلے گئے تھے۔پھر انہیں دوبارہ کبھی نہیں دیکھا گیا۔اللہ بہتر جانتا ہے کہ ان پر کیا گزری۔لیکن پاگل پن کے انتہاء کے وقت بھی پانچوں نمازوں میں (بیت الذکر) میں آیا کرتے تھے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے (رفقاء) کو خدا تعالیٰ نے عبادت کے قیام کی جو توفیق بخشی تھی وہ اگلی نسل یعنی تابعین تک بھی بڑی شدت کے ساتھ جاری رہی۔اب ہم ایک ایسی جگہ پہنچے ہیں جہاں تابعین اور تبع تابعین کا جوڑ ہے اور اگر ہم نے اس وقت بشدت اپنی نمازوں کی حفاظت نہ کی تو خطرہ ہے کہ آگے بے نمازی پیدا ہونے نہ شروع ہو جائیں۔اس لئے ہمیں غیر معمولی جہاد کی روح کے ساتھ نماز کے قیام کی کوشش کرنی چاہیے اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے یہ جہاد گھروں سے شروع ہوگا۔

اب جلسہ سالانہ کے ایام قریب آرہے ہیں اور ربوہ کے گھروں کو خدا تعالیٰ ایک غیر معمولی حیثیت عطا کرنے والا ہے وہ گھر جو نمازی گھر ہیں ان کا فیض دنیا کے کناروں تک پہنچ جائے گا۔دور دور سے آنے والے جو لوگ ان کے ہاں ٹھہریں گے وہ ان سے نیک نمونہ پکڑیں گے اور ان آنے والوں میں سے اگر کوئی بے نمازی بھی ہوں گے تو یہ گھر ان کو نمازی بنا دیں گے۔لیکن اس کے ساتھ ایک یہ خطرہ بھی ہے کہ اگر وہ گھر جہاں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مہمان ٹھہرتے ہیں، بے نمازی ہوں تو ہو سکتا ہے کہ یہ ان مہمانوں کی عادتیں بھی بگاڑ دیں اور ان کو بھی نمازوں سے غافل کر دیں۔اس طرح ان گھروں کی حالت بے نمازی بھی زمین کے کناروں تک پہنچ سکتی ہے۔یعنی ایک طرف وہ اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں حاصل کر سکتے ہیں تو دوسری طرف ان رحمتوں سے محرومی کی بھی کوئی حد نہیں رہتی۔

پس خصوصیت کے ساتھ اپنے گھروں کو اس طرح بھی سجائیں کہ وہ عبادت اور ذکر الٰہی سے معمور ہو جائیں۔جب مہمان آتے ہیں تو ان کے لئے گھروں کو سجایا جاتا اور انہیں زینت بخشی جاتی ہے۔میں نے ایک خطبہ جمعہ میں اس طرف توجہ دلائی تھی کہ ربوہ کو ایک غریب دلہن کی طرح سجانا چاہیے۔لیکن مومن کی اصل سجاوٹ تو تقویٰ کی سجاوٹ ہے،نماز کی سجاوٹ ہے۔خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ

(الاعراف:32) میں یہی اشارہ کیا گیا ہے کہ اصل زینت تو وہ ہے جو نمازوں کے ساتھ پیدا ہوتی ہے۔ نمازیں سنوارو گے تو (بیوت الذکر) بھی زینت اختیار کر جائیں گی۔ لیکن اگر بغیر سنوارے کے نمازیں پڑھو گے تو تمہاری (بیوت الذکر) بھی ویران ہو جائیں گی۔ پس اپنے گھروں کو زینت بخشو۔ مہمانوں کے استقبال کی تیاری کرو۔ اللہ کے ذکر کو گھروں میں بھی کثرت سے بلند کرو اور **بار بار بچوں کو بھی اس کی تلقین کرو تا کہ ہر گھر خدا کے ذکر کا گھوارہ بن جائے۔** اور ہر مہمان جو آپ کے ہاں ٹھہرے، وہ اگر کمزور بھی ہے تو آپ کی مثال سے طاقت پکڑے اور ذکر الٰہی کی طاقت لے کر یہاں سے واپس لوٹے۔

جمعہ پر حاضری کا رجحان

جہاں تک میرا نظری جائزہ ہے میں سمجھتا ہوں ربوہ کی پوری آبادی جمعہ میں بھی حاضر نہیں ہوتی۔
ربوہ کی آبادی ہمیں معلوم ہے اور جتنے فیصد لوگوں کو (بیت الذکر) میں پہنچنا چاہیے اتنے یہاں نظر نہیں آتے۔ چونکہ ہمارا موازنہ، جیسا کہ میں نے پہلے بھی بیان کیا تھا، دوسری سوسائٹیوں سے نہیں ہے بلکہ ہمارے معیار بہت بلند ہیں۔ ہماری ذمہ داریاں بہت وسیع، بہت اہم، بہت گہری اور بہت بھاری ہیں۔ اس لئے ان کی ادائیگی کے لئے بھی ہمیں اسی قسم کی تیاریاں کرنی پڑیں گی اور نماز کے قیام کے بغیر ہم دنیا کی تربیت کرنے کے اہل نہیں ہو سکتے۔ اس لئے جمعہ کی نماز میں بھی حاضری کو بڑھانا چاہیے اور اس کے لئے بھی گھروں میں تلقین کرنی پڑے گی۔

صدرانِ محلّہ جات اور زعماء انصار اللہ کا فرض ہے کہ بجائے اس کے کہ وہ صرف (بیوت الذکر) میں نماز کی تلقین اور یاددہانی کا پروگرام بنائیں، اگر کوئی ایسے گھر ہیں جو (بیت الذکر) میں نہیں آتے تو گھروں میں جائیں اور گھر والوں سے ملیں اور ان کی منت کریں اور ان کو سمجھائیں کہ تمہارے گھر بے نور اور ویران پڑے ہیں۔ کیونکہ جو گھر ذکر الٰہی سے خالی ہے وہ ایک ویرانہ ہے اور جس گھر میں بے نمازی پیدا ہو رہے ہیں وہ تو گویا آئندہ نسلوں کے لئے ایک نحوست کا پیغام بن گیا ہے۔ اس لئے ہوش کرو اور اپنے آپ کو سنبھالو۔ نمازوں کی طرف توجہ کرو۔ اس سے تمہاری دنیا بھی سنورے گی اور تمہارا دین بھی سنورے گا۔ کیونکہ عبادت میں ہی سب کچھ ہے۔ عبادت پر قائم رہو گے تو خدا کے حقوق ادا کرنے والے بھی بنو گے اور بندوں کے حقوق ادا کرنے والے بھی بنو گے۔

پس یہ نصیحت گھروں کے دروازوں تک پہنچانی پڑے گی اور بار بار **وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا** کا نقشہ پیش کرنا پڑے گا۔ یعنی جو بھی یہ عہد کرے کہ میں گھروں میں نماز کا پیغام پہنچاؤں گا اور گھر والوں کو تاکید کروں

گا اوران کو ہوش دلاؤں گا کہ وہ اپنے بچوں کی حفاظت کریں، اس کو یہ نیت بھی کرنی پڑے گی کہ میں پختہ عزم اور مستقل مزاجی کے ساتھ یہ کام کروں گا۔ کیونکہ ایسا کہنا تو آسان ہے لیکن اس پر عمل بہت مشکل ہوگا۔ وجہ یہ کہ چند دنوں کے بعد انسان پر غفلت غالب آجاتی ہے اور وہ اس کام کو جو اس نے شروع کیا ہوتا ہے چھوڑ بیٹھتا ہے۔ اس لئے اگر نتیجہ حاصل کرنا ہے تو وَاصْطَبِرْ عَلَيْهَا کے مضمون کو پیش نظر رکھنا ہوگا۔ جب تک خدا تعالیٰ کی اس واضح تلقین کو ہمیشہ مدنظر نہ رکھا جائے کہ نماز کی تلقین میں صبر اور دوام اختیار کرنا چاہیے اس وقت تک ہم اعلیٰ مقصد کو حاصل نہیں کر سکیں گے۔

پس خصوصیت کے ساتھ آج سے جلسہ سالانہ تک کے عرصہ کے دوران ہمیں بکثرت ایسے ناصحین کی اشد ضرورت ہے جو گھروں کے دروازے کھٹکھٹائیں اور گھر والوں کو ہوش دلائیں اور ان کو نماز کی تلقین کریں۔ اگر ربوہ کے سارے بالغ مرد جو باجماعت نماز پڑھنے کے اہل ہیں اور وہ سارے بچے جنہیں نماز پڑھنے کی تلقین کی گئی ہے، (بیوت الذکر) میں پہنچنا شروع ہو جائیں تو میرا اندازہ ہے کہ ہماری موجودہ (بیوت الذکر) چھوٹی ہو جائیں گی اور پھر ان (بیوت الذکر) کو بڑھانے کی طرف فوری توجہ پیدا ہو گی۔ اس طرح وَسِّعْ مَكَانَكَ کا بابرکت دور نئے سرے سے شروع ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم نماز کے حقوق ادا کریں اور خدا کرے کہ نماز ہمارے حقوق ادا کرے اور وہ تمام فیوض جو بنی نوع انسان کے لئے نماز کے ساتھ وابستہ ہیں وہ دنیا میں سب سے زیادہ ہم ہی حاصل کرنے والے ہوں۔ اللہ تعالیٰ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ آمین

(روزنامہ الفضل ربوہ 26رفروری 83ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ یکم اپریل 1983ء

☆ نماز کی اہمیت اور مرکزی دفاتر اور ذیلی تنظیموں کی ذمہ داری
☆ مذہب کا اور ساری تعلیم کا خلاصہ سورۃ البقرۃ کی پہلی آیات میں
☆ مالی قربانی کے لئے جماعت کا غیر معمولی اخلاص کا مظاہرہ
☆ نماز کی طرف مسلسل اور غیر معمولی توجہ کی ضرورت
☆ تمام ذیلی اداروں اور انجمنوں کو نماز باجماعت کی طرف توجہ کرنے کی ہدایت
☆ ہم تبھی زندہ رہیں گے جب نظامِ جماعت عبادت کا غلام ہوگا
☆ سارے کارکنان کو نمازوں میں پیش پیش ہونا چاہیے اور دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بننا چاہیے
☆ جو لوگ اپنے بچوں کی عبادت کا خیال نہیں کرتے ان کی اولادیں لازماً ہلاک ہوجایا کرتی ہیں
☆ سب سے پہلے اپنی عورتوں کی حفاظت کرو اور ان کو تربیت دو

⚜

تشہّد وتعوّذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور نے فرمایا:-

ساری تعلیم کا خلاصہ

''قرآن کریم نے مذہب کا اور خود اپنا جو خلاصہ شروع میں پیش کیا ہے وہ تین لفظی ہے۔سورۃ البقرہ کی پہلی آیت میں تو کتاب کا تعارف ہے اور اس کی تعلیم کا خلاصہ پیش کیا گیا ہے۔جیسا کہ فرمایا الٓمّٓ o ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ فِیْهِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ۔اور اگلی آیت میں اس ساری تعلیم کا خلاصہ یہ بیان فرمایا۔ اَلَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّارَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۔یعنی ایمان بالغیب،اقامت الصّلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔

اگلی آیت یعنی وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِکَ وَ بِالْاٰخِرَۃِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ میں پہلی آیت کی تفصیل بیان فرمائی کہ غیب کے کیا معنی ہیں،مومن اقامت صلوٰۃ کی تعلیم کس سے لیتے ہیں،کس طرح اس کا حق ادا کرتے ہیں اور انفاق فی سبیل اللہ جو دراصل بنی نوع انسان کے حقوق کی ادائیگی ہے، وہ کیسے اختیار کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا کہ مومن یہ سب باتیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھتے ہیں جیسا کہ آپ سے پہلے بھی خدا نے جو بزرگ بھیجے تھے ان سے لوگ سیکھتے رہے تھے اور آئندہ بھی سچی تعلیم وہی سکھائے گا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے خدا ہی سے پائے گا۔پس اس نظام کا خلاصہ بیان فرما دیا جس کے ذریعے انسان ایمان بالغیب سیکھتا ہے اور یہ نظام خود ایمان بالغیب کا ہی حصہ ہے۔پھر وہ اقامت صلوٰۃ یعنی حقوق اللہ کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور پھر انفاق فی سبیل اللہ یعنی بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے کے اسلوب سیکھتا ہے۔

الغرض پہلی تین باتیں جن کی طرف قرآن کریم مومن کو متوجہ کرتا ہے جن کے بغیر نہ وہ متقی بن سکتا ہے،

نہ وہ شک سے پاک ہوسکتا ہے اور نہ ہی ہدایت کی کوئی بھی منزل پا سکتا ہے، وہ ہیں ایمان بالغیب، اقامت الصلوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ۔ غیب کیا ہے؟ اس کی تفصیل جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے اگلی آیت میں اشارہ کر کے یہ بیان فرمائی کہ جو غیب تم نے سیکھنا ہو، وہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سیکھ لو۔

ایمان بالغیب کیا ہے؟ اس کی تفصیل بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہی بیان فرمائیں گے۔ لیکن چونکہ آج کے خطبے کا موضوع یہ حصہ نہیں، اس لئے میں اس کو فی الحال چھوڑ تا ہوں۔

جماعت کی زبردست مالی قربانی اور اخلاص کا مظاہرہ

آج کے خطبے کا موضوع اس تعلیم کا درمیانی حصہ یعنی اقامت صلوٰۃ ہے جو اللہ کے حقوق کی ادائیگی سے تعلق رکھتا ہے جہاں تک انفاق فی سبیل اللہ کا تعلق ہے گذشتہ متعدد خطبات میں اس کے متعلق مختلف پہلوؤں سے میں توجہ دلاتا رہا ہوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں اتنی غیر معمولی بیداری پائی گئی ہے کہ میرے تصور کی کوئی چھلانگ بھی یہ اندازہ نہیں کرسکتی تھی کہ مجھے اتنا نمایاں تعاون فی سبیل اللہ حاصل ہوگا۔ بعض جگہ تو یوں معلوم ہوتا تھا کہ خدا کے فرشتے دلوں کو تبدیل کر کے زبردستی مالی قربانی کی طرف متوجہ کر رہے ہیں اور بعض لوگوں نے رؤیا دیکھ کر اس طرف توجہ کی یعنی واضح طور پر ان کو ہدایت اور راہنمائی ملی اور پھر وہ مالی قربانیوں میں آگے بڑھے۔

اب میں جماعت کو خصوصیت کے ساتھ عبادت کی ادائیگی کی طرف بلانا چاہتا ہوں۔ اگرچہ بعض پہلے خطبات میں بھی میں نے اس کی طرف توجہ دلائی تھی، لیکن یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جب تک بار بار اس کی طرف توجہ نہ دلائی جائے اس وقت تک نہ توجہ دلانے والا اپنے رب کے سامنے اپنی ذمہ داری ادا کرسکتا ہے، نہ وہ لوگ صحیح معنوں میں فائدہ اٹھا سکتے ہیں جن کو توجہ دلائی گئی ہو۔ ذَکِّرْ کا مضمون ایک جاری وساری مضمون ہے۔ اس لئے ہمیں بعض امور کی طرف بار بار توجہ دلاتے رہنا پڑے گا۔ خصوصاً نماز پر تو اس کا بہت ہی گہرا اثر پڑتا ہے۔

نماز کی طرف غیر معمولی توجہ کی ضرورت

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مختلف آیات کو ملحوظ رکھتے ہوئے نماز کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ یہ ہے کہ نماز ایسی چیز ہے جو اگر زور لگا کر اور توجہ کے ساتھ کھڑی نہ کی جائے تو گر پڑے گی۔ آپ فرماتے ہیں

کہ یہ جو بار بار کہا گیا ہے کہ نماز کو کھڑا کرو، کھڑا کرو، کھڑا کرو، اور بڑی کثرت کے ساتھ مختلف طریق پر بیان کیا گیا، اس سے اس طرف توجہ دلانا مقصود ہے کہ نماز از خود کھڑی نہیں ہوا کرتی۔ جب بھی تم اس کی طرف سے غافل ہو گئے، یہ گر پڑے گی۔ جس طرح ٹینٹ یعنی خیمہ بانس کے سہارے کھڑا ہوتا ہے، اگر بانس نہیں رہے گا تو خیمہ زمین پر آ پڑے گا، کمرے کی طرح کی چیز تو نہیں کہ از خود کھڑا رہے۔ اسی طرح عبادت بھی ایک ایسی چیز ہے جو از خود کھڑی نہیں ہوتی۔ اس کی طرف بار بار توجہ دلانے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ سورۃ فاتحہ کی آیت اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ میں یہی مضمون بیان کیا گیا ہے کہ اے خدا! ہم کمزور ہیں اور عبادت مشکل کام ہے، ذرا بھی اس سے غافل ہوئے تو اس کا حق ادا کرنے کے اہل نہیں رہیں گے، اس لئے ہر نماز کی ہر رکعت میں ہم تجھ سے درخواست کرتے ہیں التجا کرتے ہیں کہ ہمیں توفیق بخش کہ ہم نماز کا حق ادا کرسکیں۔ اس لئے خصوصیت کے ساتھ نماز کی طرف توجہ دلانا ہمارا اولین فرض ہونا چاہیے۔ سارا نظام اس چیز کو ہمیشہ اولیت دے۔

دوسرے اس لئے بھی اس طرف خصوصی توجہ کی ضرورت ہے کہ مذہب کا مقصد ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ حقوق العباد اس کا دوسرا حصہ ضرور ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ عبادت کے بغیر حقوق العباد کی ادائیگی کا جذبہ بھی پیدا نہیں ہوسکتا۔ دنیا کی کسی قوم نے کبھی حقوق العباد نہیں سیکھے جب تک کہ اللہ نے نہ سکھائے ہوں، صحیح معنوں میں حقوق العباد کی آخری بنیادیں مذہب میں ہی ملتی ہیں۔ اس کے سوا تو باقی سب کچھ چھینا جھپٹی اور اندھیرے میں ٹامک ٹوئیاں مارنا ہے۔ حقوق العباد کے نام پر ظلم کی تعلیم تو دی گئی ہے لیکن انسان نے کسی کو حقوق العباد نہیں سکھائے۔ جتنی بھی دنیوی تعلیمات ہیں ان کا خلاصہ یہ ہے کہ حقوق العباد حقیقت میں مذہب سے ہی نکلے ہیں اور وہی لوگ حقوق العباد ادا کر سکتے ہیں جو پہلے اللہ کی عبادت کا حق ادا کریں۔ جن کی عبادتیں کمزور پڑ جائیں وہ حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی کمزور پڑ جاتے ہیں۔ جو حقوق اللہ ادا نہیں کرتے، وہ جھوٹ بولتے ہیں کہ ہم حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہو نہیں سکتا کہ انسان خدا کی عبادت تو نہ کرتا ہو لیکن خدا کے بندوں کے حقوق ادا کر سکے۔

نماز کی بنیادی صفات

چنانچہ قرآن کریم اس مضمون کو بہت کھول کر بیان کرتا ہے۔ فرماتا ہے:-

فَوَیۡلٌ لِّلۡمُصَلِّیۡنَ o الَّذِیۡنَ ھُمۡ عَنۡ صَلَاتِھِمۡ سَاھُوۡنَ (الماعون:6-5) کہ اگرچہ نماز انسان

کے لئے زندگی اور اس کی بقا کا موجب ہے اور اس کو فلاح کی طرف لے جاتی ہے۔لیکن کچھ نمازیں ایسی ہوتی ہیں جو ہلاکت کا پیغام دیتی ہیں۔فَوَیْلٌ لِّلْمُصَلِّیْن ہلاک ہو جائیں ایسے لوگ، ایسے نمازیوں پر لعنت ہو۔ الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْن جو نمازیں تو پڑھتے ہیں لیکن غفلت کی حالت میں پڑھتے ہیں۔ اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ نماز کی ذمہ داریوں سے غافل رہتے ہیں۔نماز جن تقاضوں کی طرف بلاتی ہے یا جن تقاضوں کی طرف بلانے کے لئے نماز پڑھی جاتی ہے ان سے غافل ہو جاتے ہیں یعنی نہ اللہ کی محبت ان کے دل میں پیدا ہوتی ہے، نہ محض للہ کام کرنے کی عادت ان کو پڑتی ہے اور نہ وہ حقوق العباد ادا کرتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں نماز کی بنیادی صفات ہیں۔

چنانچہ ہلاکت والی نماز ادا کرنے والوں کی یہ تعریف بیان فرمائی گئی الَّذِیْنَ ھُمْ عَنْ صَلَاتِھِمْ سَاھُوْنَ o الَّذِیْنَ ھُمْ یُرَآءُ وْنَ o وَ یَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ (الماعون:6 تا8) یہ وہ لوگ ہیں جو نماز کے بنیادی مقاصد سے غافل ہیں۔نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ ریاکاری کی خاطر نماز پڑھنے لگتے ہیں۔اپنے رب کی خاطر نہیں پڑھتے۔اس طرح نماز کے بنیادی مقصد یعنی اللہ تعالیٰ سے تعلق کے قیام سے محروم رہ جاتے ہیں اور جو خدا کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں ان کی قطعی علامت یہ ہے کہ وہ خدا کے بندوں سے بھی کٹ جاتے ہیں۔ جو خدا کے حقوق ادا نہیں کرتے، یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ بندوں کے حقوق ادا کر سکیں چنانچہ فرمایا:-

وَیَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ کہ یہ لوگ اتنے خسیس، اتنے کم ظرف ہو جاتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی معمولی معمولی ضرورتیں پوری کرنے سے بھی گریز کرنے لگ جاتے ہیں۔ان کی حالت یہاں تک ہو جاتی ہے کہ اگر ان کے ہمسائے نے آگ مانگی ہے تو اس سے ان کو تکلیف پہنچتی ہے یا تھوڑی دیر کے لئے مثلاً ایک ہنڈیا طلب کی ہے تو اس سے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔یمنعون الماعون میں دونوں باتیں پائی جاتی ہیں۔ ایک یہ کہ خود بھی منع رہتے ہیں اور دوسرے یہ کہ اپنے بچوں کو اور اپنے ماحول کو بھی کہتے ہیں کہ اس نے یہ کیا رَٹ لگا رکھی ہے، ہمسائی بار بار مصیبت ڈالتی رہتی ہے کہ فلاں چیز دو اور فلاں بھی دو، اس کو یہ چیز ہرگز نہیں دینی۔

نماز اور عبادت کا خلاصہ یہ بیان فرمایا کہ اس کے بغیر نہ اللہ سے تعلق قائم ہوتا ہے، نہ اس کی مخلوق سے۔اسی لئے بنی نوع انسان کے حقوق کا ذکر عبادت کے بعد کیا جو بیشتر حد تک مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ کی ذیل میں آجاتے ہیں بلکہ اگر اس کی وہ تعریف کی جائے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمائی ہے تو

بیشتر کا لفظ کمزور ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تمام بنی نوع انسان کے ہر قسم کے حقوق مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ کے تابع ادا ہوتے ہیں۔ اس کو عبادت کے بعد رکھا ہے اور یہ ترتیب بتا رہی ہے کہ دراصل عبادت ہی کے نتیجے میں بنی نوع انسان کے حقوق ادا کرنے کی توفیق عطا ہوتی ہے۔

پس جہاں تک اعمال کا تعلق ہے مذہب کا خلاصہ عبادت پر آ کر ختم ہو جاتا ہے۔ غیب کا معاملہ تو ایمانیات سے تعلق رکھتا ہے اور ایمان نہ ہو تو عبادت کی توفیق بھی نہیں مل سکتی۔ یہ درست ہے۔ لیکن جہاں تک اعمال کا تعلق ہے ان کا خلاصہ نماز ہے۔ نماز قائم ہو تو حقوق اللہ بھی ادا ہوں گے اور حقوق العباد بھی ادا ہوں گے۔ لیکن اگر یہ نہ رہے تو پھر کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔ تقویٰ کا خلاصہ بھی نماز بیان فرمایا گیا ہے۔ تقویٰ کی جو تعریف بیان فرمائی اس کا خلاصہ اگر نماز ہے تو متقیوں کی زندگی کا خلاصہ بھی نماز ہی بنتا ہے۔ اس لئے عبادت مومن کی زندگی اور اس کی جان ہے اور مذہب کے فلسفے کی بنیاد اس بات پر ہے کہ انسان اپنے رب سے سچا تعلق عبادت کے ذریعے قائم کرے۔

اس پہلو سے جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا، کمزوریاں بھی آتی چلی جاتی ہیں۔ ایک دفعہ آپ زور لگاتے اور کوشش کرتے ہیں تو نماز میں حاضری کا معیار بڑھ جاتا ہے۔ پھر کچھ عرصے کے بعد نماز گرنے لگتی ہے۔ پھر زور لگاتے ہیں تو معیار بڑھنے لگتا ہے اور بعض دنوں میں جب زیادہ توجہ دی جاتی ہے تو خدا کے فضل سے بیوت الذکر کے متعلق احساس ہوتا ہے کہ چھوٹی رہ گئی ہیں۔ لیکن اس کے بعد پھر خالی برتن کی طرح خلخل کرتے ہوئے چند نمازی رہ جاتے ہیں اور بیوت الذکر قریباً خالی۔ اس لئے ہمیں اپنے نظام میں لازماً یہ بات داخل کرنی پڑے گی کہ سارا نظام بیدار ہو کر وقتاً فوقتاً نمازوں کی طرف توجہ دلائے، ساری جماعت کو جھنجھوڑ دے اور بیدار کر دے اور اسے بتائے کہ نمازوں کے بغیر تم زندہ نہیں ہو اور نہ ہی زندہ رہ سکتے ہو۔ تمہیں لازماً عبادتوں کو قائم کرنا پڑے گا ورنہ تمہاری ساری کوششیں بیکار، بے معنی اور لغو ہوں گی۔

نماز کی حفاظت اور ادارے

یہی وجہ ہے کہ میں نے آغازِ خلافت ہی میں آج سے تقریباً چھ ماہ پہلے تمام انجمنوں کو جن میں مرکزی انجمنیں بھی شامل تھیں اور ذیلی انجمنیں بھی شامل تھیں، اکٹھا کر کے جو بنیادی ہدایت دی وہ یہ تھی کہ نماز کی حفاظت، جس کے لئے جماعت احمدیہ قائم کی گئی ہے، ہمارا اوّلین فرض ہے۔ ہمارے سارے نظام اس

مرکزی کوشش کے لئے غلامانہ حیثیت رکھتے ہیں۔اگر یہ نظام اوپر آجائیں اور یہ آقا یعنی عبادت کا مقام نیچے ہو جائے تو معاملہ بالکل الٹ ہو جائے گا پھر تو ویسی ہی بات ہو جائے گی کہ کشتی نیچے چلی جائے اور پانی اوپر آجائے۔وہی چیز جو بچانے کا موجب ہوتی ہے وہ تباہی کا موجب بن جاتی ہے۔حالانکہ پانی اور کشتی کا تعلق وہی رہتا ہے جو کشتی کے اوپر ہے وہ بھی پانی ہے اور جو کشتی کے نیچے ہے وہ بھی پانی ہے لیکن نسبت بدلنے سے نتیجہ الٹ نکل رہا ہے۔یعنی اوپر کا پانی ہلاکت کا موجب بن جاتا ہے اور وہی پانی جب نیچے ہو تو بچانے کا موجب بن جاتا ہے۔اس لئے نسبتوں کا درست ہونا ضروری ہے۔عبادت نظام جماعت کی غلام نہیں ہو گی بلکہ نظام،عبادت کا غلام ہو گا۔ہم تبھی زندہ رہیں گے جب نظام جماعت عبادت کا غلام ہو گا۔

مرکز کی اہمیت

پس میں نے ان تمام انجمنوں کو اس طرف توجہ دلائی کہ آپ کی یہ ذمہ داری ہے کہ آپ کے جتنے بھی کارکن ہیں ان کی طرف توجہ کریں۔ہر انجمن کے سربراہ کا فرض ہے،اسی طرح ہر شعبے کے انچارج کا یہ فرض ہے کہ وہ دیکھے کہ مرکزی نمائندگان سلسلہ اپنے حق اس رنگ میں ادا کر رہے ہیں کہ وہ دوسروں کے لئے نمونہ بنیں۔تمام دنیا کی آنکھیں مرکز کی طرف لگی ہوئی ہیں اور مرکز میں بھی جو سلسلہ کے کارکنان ہیں وہ بڑے نمایاں طور پر لوگوں کی نظر کے سامنے نمونہ کے طور پر ہوتے ہیں۔اگر یہ لوگ بداعمالیاں کریں تو ہلاکت کا موجب بن سکتے ہیں اور اگر نیک اعمال کریں تو ان کی نیکیاں عام انسانوں کی نیکیوں کے مقابل پر ان کو کئی گنا زیادہ ثواب پہنچا سکتی ہیں۔

چنانچہ میں نے انہیں جو ہدایت دی اس کا خلاصہ یہ تھا کہ آپ توجہ کریں،میں آپ کو چھ مہینے دیتا ہوں،بار بار نصیحت کے ذریعے کوشش کریں کہ تمام کارکنان نماز کے فریضے کی ادائیگی سے پیچھے نہ رہیں سوائے اس کے کہ کوئی بیماری کی وجہ سے مجبور ہو۔اسے گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت ہے۔ٹانگوں کی بیماری ہے یا کمر کی تکلیف ہے یا اسی قسم کی اور کئی تکلیفیں ہو سکتی ہیں کہ انسان دفتر میں تو پہنچ جاتا ہے اور کرسی پر بیٹھ کر اپنے فرائض بھی ادا کر دیتا ہے لیکن باجماعت نماز کی توفیق نہیں پا سکتا۔اس لئے جہاں تک شرعی مجبوریوں کا تعلق ہے ہم ان میں دخل نہیں دے سکتے۔لیکن واضح اور یقینی شرعی مجبوریوں کے سوا سلسلے کے سارے کارکنان کو نمازوں میں پیش پیش ہونا چاہیے اور دوسرے لوگوں کے لئے نمونہ بننا چاہیے۔

بہر حال میں نے ذمہ دار احباب سے کہا کہ چھ مہینے کے بعد آپ اپنے انتباہ میں نسبتاً زیادہ سنجیدہ ہو جائیں اور کارکنوں کو بلا کر سمجھائیں اور کہیں کہ یہ ٹھیک ہے کہ دین میں کوئی جبر نہیں۔ ہم تمہیں نمازوں پر مجبور نہیں کر سکتے۔ لیکن جبر نہ ہونے کے دو نقص ہیں۔ اگر تم پر جبر نہیں تو جماعت احمدیہ پر کیا جبر ہے کہ وہ ضرور بے نمازیوں کو ملازم رکھے۔ اس لئے دو طرفہ معاملہ چلے گا۔ صرف تم آزاد نہیں ہو۔ جماعتی نظام بھی آزاد ہے۔ وہ آزاد ہے اس معاملے میں کہ جس قسم کے کارکن چاہے رکھے اور جس قسم کے چاہے نہ رکھے۔ اس کو اختیار ہے۔ اس لئے ہم تمہیں موقع دیتے ہیں کہ تم اپنی نمازیں درست کر و لیکن چونکہ تم آزاد ہو، ہو سکتا ہے تم یہ فیصلہ نہ مانو۔ ہم داروغہ نہیں۔ داروغہ تو اصل میں خدا ہی ہے۔ تم نے بھی اسی کے حضور پیش ہونا ہے۔ اس لئے اگر تم یہ فیصلہ نہیں مان سکتے تو ہم تمہیں کوئی سزا نہیں دیں گے۔ جزا سزا کا معاملہ اللہ سے تعلق رکھتا ہے لیکن ہم بھی اس بات میں آزاد ہیں کہ تمہارے جیسے کارکنوں کو نہ رکھیں۔ ہماری بعض مجبوریاں ہیں۔ ہم نے ساری دنیا میں (دعوت الی اللہ) کی ذمہ داریاں ادا کرنی ہیں اور ساری دنیا کے لیے نمونہ بننا ہے۔ اگر عبادت سے غافل کارکن مرکز میں بیٹھے ہوں تو نہ وہ دعائیں کر سکیں گے، نہ ان کے اندر تقویٰ کا اعلیٰ معیار ہوگا اور نہ ہی وہ صحیح نمونہ بن سکیں گے، بلکہ جماعت کے لئے ہزار مصیبتیں کھڑی کرتے رہیں گے۔ کجا کہ سارے مرکزی کارکنان عبادتوں کا حق ادا کرنے والے ہوں اور ان کے مجموعی تقویٰ کے نتیجے میں ایک زبردست طاقت پیدا ہو اور کجا یہ کہ چند آدمی باقی تمام کارکنوں کا حق ادا کر رہے ہوں اور اکثریت غافل ہو اور جماعت پر بوجھ بنی ہوئی ہو۔

اس پہلو سے چھ مہینے کے بعد ذمہ دار افسران نے نماز سے غافل کارکنوں کو وارننگ دینی تھی۔ لیکن مَیں خاموشی سے دیکھتا رہا۔ میرے نزدیک اس کام میں غفلت کی گئی ہے۔ اس لئے سال کے بعد پکڑنے کی بجائے ابھی جو تین مہینے باقی ہیں ان میں ایسے کارکن فیصلہ کر لیں کہ انہوں نے سلسلہ کی ملازمت کرنی ہے یا نہیں کرنی۔ یہ بات مجھے اس وقت سے یاد ہے جب میں نے انجمنوں کو اس بارے میں ہدایت دی تھی اور مسلسل یاد رہی ہے اور جب بھی میں نمازیوں پر نگاہ ڈالتا ہوں تو یاد آتی رہتی ہے۔ اس لئے کوئی یہ خیال دل میں نہ لائے کہ میں اسے بھول چکا ہوں۔ یہ جو فیصلہ ہے اس پر بہر حال عملدر آمد ہوگا۔ اللہ تعالیٰ سلسلے کو بہتر کارکن دے دے گا۔ انشاء اللہ۔ مجھے قطعاً کوئی پرواہ نہیں کہ بے نمازی نکل جائیں گے تو ہمارے کام کون کرے گا؟ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ بے نمازی نکلیں گے تو کام بہتر ہوں گے اور آپ کو یقین آئے نہ آئے مجھے اس بات پر کامل یقین ہے کیونکہ خدا کا کلام جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ خدا کا کام خدا کی عبادت

کرنے والے ہی ادا کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ دوسروں کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ یہ کام کریں اور اگر وہ اس کو کریں بھی تو احسن رنگ میں نہیں کر سکتے۔

اس لئے میں ساری انجمنوں کو دوبارہ اس امر کی طرف متوجہ کر رہا ہوں اور ساری جماعت کو سنانا چاہتا ہوں کیونکہ آج مشاورت کے لئے پاکستان کی اکثر جماعتوں کے نمائندے یہاں آئے ہوئے ہیں اسی طرح باہر کی دنیا سے بھی نمائندے پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ سب کے سامنے یہ بات سنانے میں حکمت یہ ہے کہ آپ بھی اپنی اپنی جگہ اسی طرح جواب دہ ہوں گے۔ ہر جماعت کی مجلس عاملہ اور تنظیم خواہ وہ ذیلی انجمن کی ہو یا مرکزی انجمن کی، بالکل اسی طرح ذمہ دار ہے جس طرح یہ انجمنیں ذمہ دار ہیں۔

بعض دفعہ عجیب وغریب واقعات سامنے آتے ہیں کہ ایک جگہ خدام الاحمدیہ کی مجلس عاملہ کا اجلاس ہو رہا ہوتا ہے اور نماز باجماعت کھڑی ہو جاتی ہے، لیکن عاملہ کو کوئی پرواہ ہی نہیں ہوتی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اتنے سنجیدہ اور اہم کام میں مصروف ہیں کہ اب ہم نماز سے بالا ہو گئے ہیں۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا جب پانی کشتی کے اوپر آئے گا تو ہلاک کر دے گا۔ کیونکہ کشتی میں یہ طاقت ہی نہیں ہے کہ وہ پانی کو سنبھال سکے۔ اس لئے آپ نے عبادت کا غلام بننا ہے تو زندگی پانی ہے۔ اگر آپ عبادت کو اپنا غلام بنانے کی کوشش کریں گے تو لازماً ہلاک ہوں گے۔

اسی طرح بعض دفعہ امراء کے متعلق پتہ چلتا ہے کہ وہ اپنی میٹنگ میں بیٹھے ہوتے ہیں اور بعض اوقات سنجیدہ باتیں نہیں، بلکہ شغل کی باتیں چل رہی ہوتی ہیں اور ادھر نماز ہو رہی ہوتی ہے لیکن امراء کوئی پرواہ نہیں کرتے۔

پس جن باتوں کا مرکز پابند ہے انہیں باتوں کی جماعتیں ہر جگہ پابند ہیں۔ اس لئے آپ کو اس طرف توجہ دینی پڑے گی اور جماعت کے ذمہ دار دوستوں کو بہترین نمونے قائم کرنے پڑیں گے۔

جہاں تک نماز باجماعت کا تعلق ہے کُجا یہ کہ انسان گھر میں بیٹھا ہوا ہو یا دفتر میں ہو اور (بیت الذکر) تک نہ جائے اور کُجا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا اسوہ اور آپؐ کی تعلیم کہ ایک اندھا جو دور سے اذان کی آواز سنتا ہے اس کو بھی گھر میں نماز پڑھنے کی اجازت دینے کے بعد اجازت واپس لے لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تمہیں جماعت کے بغیر نماز پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔

واقعہ یوں ہؤا ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! مدینہ کی گلیوں میں ٹھوکریں لگتی ہیں۔ مختلف حدیثوں میں مختلف تفاصیل ملتی ہیں۔ کہیں آتا ہے کہ

اس نے کہا رات کو جنگلی جانوروں کا خطرہ بھی ہوتا ہے اور کہیں آتا ہے کہ مجھے ساتھ لے جانے والا کوئی نہیں ہے۔ اس لئے مجھے اجازت دی جائے کہ میں گھر پر ہی نماز پڑھ لیا کروں۔ حضورؐ نے اجازت فرما دی۔ جب وہ اٹھ کر جانے لگا اور ابھی قدم باہر رکھا ہی تھا تو حضورؐ نے اسے واپس بُلایا کہ بات سُن جاؤ۔ اس نے عرض کی یارسول اللہ! کیا بات ہے؟ حضورؐ نے فرمایا هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ کہ کیا تمہیں نِداء بِالصَّلٰوة آتی ہے؟ اس سے مراد اذان لے لیں یا تکبیر لے لیں حضورؐ کا مقصد یہ تھا کہ نماز کی طرف بلانے کی آواز تمہارے کان میں پڑتی ہے یا نہیں؟ اس نے کہا یارسول اللہ! میں آواز سنتا ہوں۔ تو فرمایا پھر جواب دیا کرو۔ تمہیں یہ اجازت نہیں ہے کہ تمہارے کانوں میں آواز پڑے اور اس کے باوجود تم انکار کر دو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعلیم دینے کا عجیب طریق تھا اور اتنا لطیف اور پیارا کہ آپؐ کی باتوں کی تہہ میں جائیں تو حسن ہی حسن نظر آتا ہے۔ اس نابینا آدمی کو یہ تعلیم دی کہ تم آنکھوں سے محروم ہو، لیکن کانوں کو ثواب سے کیوں محروم رکھتے ہو؟ جن اعضاء کے ذریعے تمہیں خدا کی طرف بلایا جارہا ہے وہاں سے تو لبیک کہہ دو۔ ایک بدقسمتی کے نتیجہ میں دوسری بدقسمتی کیوں مول لیتے ہو؟

یہ تھا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم کا طریق۔

مسلم کی روایت ہے۔

عَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ اَعْمٰى فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهُ لَيْسَ لِی قَائِدٌ يَّقُوْدُنِی اِلَى الْمَسْجِدِ فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُرَخِّصَ لَهٗ فَيُصَلِّی فِی بَيْتِهٖ فَرَخَّصَ لَهٗ فَلَمَّا وَلّٰى دَعَاهُ فَقَالَ هَلْ تَسْمَعُ النِّدَاءَ بِالصَّلٰوةِ فَقَالَ نَعَمْ قَالَ فَاَجِبْ

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک نابینا حاضر ہوا اور عرض کی یارسول اللہ! مجھے کوئی ایسا آدمی میسر نہیں جو مجھے (بیت الذکر) تک لے کر جایا کرے۔ اس لئے مجھے اجازت مرحمت فرمائی جائے کہ میں اپنے گھر میں ہی نماز ادا کر لیا کروں۔ چنانچہ حضورؐ نے اجازت دے دی لیکن جب وہ اٹھ کر واپس جانے لگا تو حضورؐ نے اسے بُلایا اور دریافت فرمایا کیا تمہیں نماز کی طرف بلانے کی آواز آتی ہے؟ اس نے عرض کی ''ہاں،، یارسول اللہ۔ تو حضورؐ نے فرمایا فَاَجِبْ پھر جواب دیا کرو۔ یعنی نماز کے لئے (بیت الذکر) میں حاضر ہوا کرو۔

(مسلم کتاب الصلوۃ باب اتیان المسجد علی من سمع النداء)

اذانوں کی آوازیں آ رہی ہوں اور نمازوں کی طرف بلایا جا رہا ہو لیکن کارکنان سلسلہ یا ممبران مجلس عاملہ یا سلسلہ کے دیگر کارکنان خاموشی سے سن رہے ہوں جیسے کسی اور کو بلایا جا رہا ہے۔ بہرے کی اور کیا تعریف ہے۔

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ (البقرہ:19)

کے روحانی معنی تو یہی ہیں کہ وہ سنتے ہیں اور نہیں سنتے۔ دیکھتے ہیں اور نہیں دیکھتے اور جو سننے اور دیکھنے کی طاقت سے محروم ہو جائے وہ ہر لحاظ سے بالکل بے معنی، جانور کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ نہ اس کو بولنے کی طاقت ہے، نہ سمجھنے کی طاقت ہے۔ اس لئے عبادت کا حق ادا کرنا نہایت ہی اہم ہے۔

اب میں مضمون کی طرف واپس آتے ہوئے کارکنان سلسلہ سے کہتا ہوں کہ تین مہینے کے اندر اندر یہ فیصلہ کر لیں کہ سلسلہ کی ملازمت کرنی ہے یا نہیں۔ جہاں تک ان کے اس فیصلے کا تعلق ہے اس میں وہ آزاد ہیں۔ وہ جو فیصلہ بھی کریں ان کی مرضی ہوگی۔ لیکن اگر وہ عبادت کی خاطر عبادت کریں نہ کہ ملازمت کی خاطر اور اللہ سے تعلق قائم کرنے کی خاطر نماز پڑھیں تو یہی سب سے اچھا سودا ہے اور سلسلے کو ایسے ہی کارکنوں کی ضرورت ہے۔ لیکن اگر وہ کسی وجہ سے یہ فریضہ ادا نہیں کر سکتے تو ہمیں احسان کے ساتھ ان کو الگ کرنا ہوگا۔ ان کی فہرستیں بن جانی چاہئیں اور ان سے معاملہ طے ہو جانا چاہیے۔ جدائی میں احسان بہرحال ضروری ہے۔ اس لئے ان کے حقوق ان کو ادا ہونے چاہئیں۔ افہام و تفہیم کے ساتھ احسن رنگ میں ان کو کہا جائے کہ ہمیں مجبوری ہے کہ ہم تمہیں علیحدہ کر رہے ہیں۔ لیکن اس علیحدگی میں تمہیں ثواب ہوگا اس وقت تم سلسلے پر بار بنے ہوئے ہو، پھر سلسلے کا بوجھ ہلکا کر دو گے۔

پس محبت اور پیار سے سمجھائیں۔ لیکن کوشش کریں کہ ایک بھی آدمی ضائع نہ ہو۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے **سلسلے کو تو کارکن مل ہی جائیں گے، بلکہ بہتر ملیں گے۔ لیکن وہ کارکن جنہوں نے ایک لمبا عرصہ سلسلے سے تعلق رکھا ہے ہم ان کو کیوں ضائع ہونے دیں۔ ہمارا فرض ہے کہ پوری کوشش کریں اور ان کو بچائیں۔ ایک ایک احمدی بنانے کے لئے ہم کتنی محنت کرتے ہیں۔ تو جو پہلے سے موجود ہوں اور مرکز کے بہت قریب آئے ہوں اور جن کو سلسلہ کی خدمات کی توفیق ملی ہو ان کو ضائع نہیں ہونے دینا چاہیے۔ اس لئے اس معاملے میں بے اعتنائی نہیں کرنی۔ ہر افسر کا فرض ہے کہ اگر کارکن اور ذرائع سے بات نہیں سنتا تو اپنے پاس بلائیں، محبت اور پیار کے ساتھ اس کو سمجھائیں اور جہاں تک ممکن ہو سلسلے کے ہر کارکن کو ضائع ہونے سے بچانے کی کوشش کریں۔**

دوسرا پہلو یہ ہے کہ ایسے کارکنان کی اولادیں نماز سے غافل ہورہی ہیں۔ ہر صورت میں تو نعوذ باللہ ایسا نہیں ہے۔لیکن اگر سلسلے کے دس فیصدی کارکن بھی ایسے ہوں جن کی اولادیں نماز سے غافل ہیں تو یہ بڑی خطرناک بات ہے اور میرے نزدیک ایسے کارکنان کے بچوں کی تعداد جو عملاً نماز سے غافل ہو چکے ہیں اس سے زیادہ ہے۔اس لئے ان کی طرف بھی توجہ دینا ضروری ہے۔نظام جماعت کو ان کے بچوں کو سنبھالنے میں ایسے کارکنوں کی مدد کرنی چاہیے۔لیکن اصل میں تو گھر ہی تربیت کا گہوارہ ہے اور گھر کے معاملے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ باپ اپنی اولاد کا ذمہ دار ہے۔

قرآن کریم نے مختلف رنگ میں بڑے ہی گہرے اثر کرنے والے انداز میں اس مضمون کو پھیر پھیر کر بیان فرمایا ہے۔کہیں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی مثال دی کہ وہ کس طرح صبح اٹھ کر باقاعدہ اپنے گھر والوں کو نماز کی تعلیم دیا کرتے تھے۔وہ بڑے صبر کے ساتھ اس پر قائم رہے اور ساری زندگی اس کام سے تھکے نہیں۔کہیں فرمایا:-

لَا تَکُوْنُوْا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِکَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ

(الحشر:20)

کہ دیکھو! ان بدقسمتوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے ایک دفعہ اللہ کو یاد کیا اور پھر اسے ہمیشہ کے لئے بھلا دیا۔فَاَنسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ پس اللہ نے ان کو خود اپنے آپ سے بھلوا دیا۔ان کو اپنے نفوس کی اور اپنے اموال کی خبر نہ رہی ان کو اچھے بُرے کی تمیز نہ رہی۔

انسان کے لئے سب سے بڑی ہلاکت یہ ہوا کرتی ہے کہ اسے اچھے بُرے کی تمیز نہ رہے۔اس کو اپنے حقیقی مقصد اور فائدے کا علم نہ ہو اور اسی کا نام پاگل پن ہے۔اس کے سوا پاگل پن کی کوئی اور تعریف بنتی ہی نہیں۔ہر وہ شخص جو اپنے مفاد کے متعلق نہ جان سکے کہ میرا اصل مفاد کس بات میں ہے، وہ ایسی باتیں کرتا ہے کہ آپ کہتے ہیں کہ پاگل ہو گیا ہے۔کوئی اپنی جائیداد ضائع کر دے یا کوئی ایسی بات کرے کہ لوگ کہیں بیہودہ حرکت کر رہا ہے اور لوگوں کے سامنے بدنام ہو رہا ہو تو وہ بھی پاگل ہے۔الغرض ہر بات میں پاگل پن کا خلاصہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے مفاد سے بے خبر ہو جائے۔

پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَاَنسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ وہ ان لوگوں کو پاگل کر دے گا ان کو اپنی بھی ہوش نہیں رہے گی۔ان کو پتہ نہیں ہوگا کہ کس چیز میں ہمارا فائدہ ہے اور کس میں نہیں؟ اس لئے کہ اللہ جو ہر بات کا آخری Reference ہے اس کو انہوں نے بھلا دیا۔اگر خدا سے تعلق جوڑ کر راہ نمائی حاصل نہ کی جائے تو

نہ فرد اپنی رہنمائی کے اہل ہوتے ہیں، نہ قومیں اپنی رہنمائی کی اہل ہوتی ہیں۔ ساری دنیا میں تباہیوں کا جو نقشہ نظر آ رہا ہے اس کی وجہ خدا سے لاتعلقی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں کبھی کوئی قوم اپنی عقل پر انحصار کر کے زندہ نہیں رہ سکتی۔ محض عقل پر انحصار کر کے لوگ ایسی خوفناک غلطیاں کرتے ہیں کہ خود بھی ڈوبتے ہیں اور دوسروں کو بھی لے ڈوبتے ہیں۔ پس فرمایا فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ جب بھی لوگ خدا سے غافل ہوئے اور اس کی عبادت کا حق ادا کرنا چھوڑ دیا تو نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ نے ان کو پاگل کر دیا، کیونکہ انہوں نے عقل اور رُشد کے سرچشمے سے منہ موڑ لیا ''پاگل کر دیا'' کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے ایسا فعل کیا جس کے نتیجہ میں وہ لازماً اپنی عقلوں کو کھو بیٹھے احمق بن گئے، بیوقوف ہو گئے۔

بچوں کی تربیت کی ضرورت

الغرض خدا کی عبادت سے غافل ہونے کی ایک یہ سزا ہے کہ جو لوگ اپنے بچوں کی عبادت کا خیال نہیں کرتے ان کی اولادیں لازماً ہلاک ہو جایا کرتی ہیں اس لئے وہ اس طرف توجہ کریں اور اپنی اولاد کو اپنے ہی ہاتھوں سے قتل نہ کریں۔

الغرض اللہ تعالیٰ نے مختلف رنگ میں نصیحت فرمائی ہے اور بچوں کی تربیت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ اس معاملے میں اگرچہ مردوں کو پابند کیا گیا ہے لیکن اس بات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ جب مرد باہر ہوتا ہے تو عورت اس کی جگہ لے لیتی ہے اور اس پر بھی تربیت کی ایک بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مرد کو اس لئے ذمہ دار قرار دیا ہے کہ اسے عورت پر قوّام بنایا گیا ہے۔ اگر عورت کو ذمہ دار بنایا جاتا تو مرد اس ذمہ داری سے باہر رہ جاتے۔ مرد کو ذمہ دار بنایا تاکہ صرف بچے ہی اس کے تابع نہ رہیں بلکہ عورت بھی تابع رہے اور مرد اس کو بھی پابند کرے اور اس طرح سارا نظام تربیت کے دائرے کے اندر جکڑ جائے۔

اپنی عورتوں کی حفاظت کرو

جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے میرا تاثر یہ ہے کہ جو مائیں بے نماز ہوتی ہیں، اگر باپ کوشش بھی کریں تب بھی ان کی کوشش اتنا اثر نہیں رکھتی جتنا اس صورت میں کہ جب مائیں نمازی ہوں۔ اسی لئے قرآن کریم مردوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ سب سے پہلے اپنی عورتوں کی حفاظت کرو اور ان کو تربیت دو۔ چنانچہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام والی مثال میں بچوں کا ذکر نہیں فرمایا بلکہ یہ فرمایا کہ وہ اپنے خاندان کے ہر

فرد کو نماز کی تعلیم دیتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا بھی یہی طریق تھا کہ آپؐ اپنی بیویوں کو نماز کے لئے اٹھاتے تھے۔ پھر بچوں اور دامادوں کو بھی جگایا کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت علی کرم اللہ وجھہ کے متعلق آتا ہے کہ حضور ان کے ہاں گئے اور فرمایا اٹھو نماز کا اور عبادت کا وقت ہو گیا ہے۔

پس ہمیں بھی اپنے گھروں میں یہی اسوہ زندہ کرنا پڑے گا۔ مرد اپنی بیویوں کو نماز کا پابند کریں اور ان سے یہ توقع رکھیں کہ جب وہ خود گھر پر نہ ہوں تو عورتیں ان کے نائب کے طور پر بچوں کی نمازوں کی حفاظت کریں گی۔ اگر گھروں میں نمازوں کی فیکٹریاں نہ بنیں تو پھر جماعتی تنظیم کی کوششیں پوری طرح کارآمد نہیں ہو سکتیں۔ خدام الاحمدیہ اور انصار اللہ کو ان بچوں کے لئے بہت محنت کرنی پڑتی ہے جن کے والدین نماز سے غافل ہوتے ہیں۔ ہزار کوشش کے بعد ان کو وہ پھل ملتا ہے جو گھر میں والدین صرف چند کلمات کے ذریعہ حاصل کر سکتے ہیں۔ جب دیکھیں نماز کا وقت ہو گیا ہے تو بچے کو بتائیں اور نماز کے لئے کہیں چنانچہ لجنہ اماء اللہ کی طرف سے ماؤں کو تاکید ہونی چاہیے اور خاوندوں کی طرف سے بیویوں کو تاکید ہونی چاہیے کہ وہ اس کام میں مدد کریں اور اپنی اولاد کو بچانے کی کوشش کریں۔

اگر ہم ساری دنیا میں یہ کام کرنے میں کامیاب ہو جائیں اور احمدیوں کی بھاری اکثریت نماز پر اس طرح قائم ہو جائے کہ جہاں باجماعت نماز پڑھی جا سکتی ہے وہاں لازماً باجماعت نماز پڑھی جا رہی ہو اور جہاں باجماعت نماز ممکن نہ ہو وہاں انفرادی نماز کا انتظام ہو، اس کو تمام شرائط کے ساتھ ادا کیا جائے توجہ کے ساتھ اور سوز و گداز کے ساتھ ادا کیا جائے تو اس سے اتنی بڑی طاقت پیدا ہو جائے گی کہ ساری دنیا کی طاقتیں مل کر بھی اس جماعت کا مقابلہ نہیں کر سکیں گی۔ کجا یہ کہ چند دھاگے اللہ تعالیٰ سے ملے ہوئے ہوں اور وہ جو طاقت حاصل کر رہے ہوں وہ ساری جماعت میں بٹ رہی ہو اور کجا یہ کہ ہر شجر کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوں اور ہر شجر کو براہ راست اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کے پھل لگ رہے ہوں۔ بڑ کے درخت جب بوڑھے ہو جاتے ہیں۔ تو ان میں سے بعض کی شاخیں زمین کی طرف جھک جاتی اور جڑیں بن جاتی ہیں۔ اسی طرح جماعت احمدیہ کو عبادت کے معاملے میں بڑ کا وہ درخت بن جانا چاہیے جس کی ہر شاخ سے جڑیں پھوٹ رہی ہوں اور زمین کی طرف جھک رہی ہوں اور براہ راست زمین سے طاقت لے کر آسمان کی رفعتوں میں اس طرح بلند ہو جائیں کہ ہر ایک کو ہمیشہ ہر حال میں اللہ کی رحمتوں کے، الہامات کے، کشوف کے اور وحی کے پھل لگ رہے ہوں اور ہر احمدی کو خدا کی تائید حاصل ہو رہی ہو۔

یہ ایک عظیم الشان طاقت ہے۔ دُنیا اس کا مقابلہ کیسے کر سکتی ہے۔ یہ تو اتنی عظیم الشان طاقت ہے کہ نبی

جب اکیلا ہوتا ہے تو اللہ سے تعلق کے نتیجہ میں اس کو غالب کیا جاتا ہے اور خدا سے بے تعلق دنیا کو اس ایک کی خاطر مٹا دیا جاتا ہے۔ کجا یہ کہ دنیا میں خدا سے تعلق رکھنے والے ایک کروڑ آدمی پیدا ہو جائیں۔ ان میں سے ہر ایک اس بات کی ضمانت ہوگا کہ اس جماعت نے لازماً غالب آنا ہے اور تمام مخالفانہ طاقتوں نے لازماً شکست کھانی ہے۔ ان میں سے ایک ایک اس قابل بن جائے گا کہ اس کی خاطر ساری دنیا کو مٹا دیا جائے گا اور اس کو زندہ رکھا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے آمین

خطبہ ثانیہ کے دوران حضور نے فرمایا:-

آج سے انشاء اللہ مجلس مشاورت شروع ہو جائے گی۔ ایسے اہم دینی اجتماعات کے موقع پر چونکہ نمازیں جمع کرنے کی اجازت ہوتی ہے اس لئے سابقہ روایات کے مطابق آج بھی انشاء اللہ جمعہ کی نماز کے ساتھ عصر کی نماز جمع ہو جائیگی۔

مجلس شوریٰ کے ممبران کو چاہیے کہ وہ چار بجے سے پہلے مقام شوریٰ میں پہنچ کر اپنی اپنی نشستوں پر بیٹھ جائیں کیونکہ انشاء اللہ تعالیٰ ٹھیک چار بجے شوریٰ کی کارروائی کا آغاز ہوگا۔ وہ سارے احمدی مرد وزن جو ممبران نہیں ہیں وہ بھی دعاؤں کے ذریعے شوریٰ کی کارروائی میں شامل ہو سکتے ہیں۔ اسی طرح جہاں جہاں بھی احمدی ہوں وہ ان ایام میں بکثرت دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل اور رحمت کے ساتھ تمام ممبران کے ذہن روشن فرمائے، خدا کی خاطر اور خدا کے دین کی بہبود کے لئے بہترین فیصلوں کی توفیق بخشے اور پھر ان فیصلوں پر باحسن رنگ عمل درآمد کی توفیق عطا فرمائے۔

(روزنامہ الفضل 20 جون 83ء)

مجلس خدام الاحمدیہ سویڈن کے سالانہ اجتماع منعقدہ 22,21 مئی 1983ء کے موقع پر خصوصی پیغام

☆ آپ کی ذمہ داری ہے کہ لوگوں کو اللہ کی طرف بلائیں

☆ یہ بتانا ہوگا کہ آپ کا طرز زندگی ان کے طرز زندگی سے بہتر ہے

⚜

میرے پیارے خدام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ جان کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ کی مجلس اپنا سالانہ اجتماع 21، 22 مئی کو منعقد کر رہی ہے۔ میں اس کی کامیابی کے لئے دعا گو ہوں اور امید کرتا ہوں کہ اس اجتماع کا انعقاد خدام الاحمدیہ کی بلند روایات کے عین مطابق ہوگا۔

آپ ایک ایسے معاشرہ میں رہ رہے ہیں جو باوجودیکہ مادی ترقی یافتہ ہونے اور اپنے آپ کو تہذیب یافتہ کہلانے کے اخلاقی طور پر انتہائی خراب ہے جس میں ہر قسم کی برائیاں موجود ہیں کیونکہ یہ وہ معاشرہ ہے جہاں انسان نے اللہ تعالیٰ سے، اپنے پیدا کرنے والے سے منہ موڑ لیا ہے۔ ان لوگوں کی حالت بہت ہی قابلِ رحم ہے ان کے طور طریق اور بُرے اطوار کے نتائج بھیانک سے بھیانک تر صورت اختیار کرتے جا رہے ہیں اور وہ خود اس کے چشم دید گواہ ہیں۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی ان کو اس حالت سے نجات دے سکتا ہے۔ ہمیں امید رکھنی چاہیے اور دعائیں کرنی چاہئیں کہ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرنے والے ہوں۔

یہ آپ کی ذمہ داری ہے کہ آپ ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف بلائیں لیکن صرف آپ کے الفاظ نہ تو ان کو متاثر کرینگے اور نہ ہی وہ اس طرح سے اپنا طرزِ عمل بدلیں گے بلکہ ان کو (دینِ حق) کی طرف بلانے کے لئے یہ بتانا ہوگا کہ آپ کا طرزِ زندگی ان کے طرزِ زندگی سے بہت بہتر ہے۔ آپ کو انہیں نہ صرف باتوں سے بلکہ اپنے (دینی) طرزِ عمل سے یہ واضح کرنا ہوگا کہ وہ جو صرف خدائے واحد پر یقین رکھتے ہیں اور پھر اسی کو اپنا وجود سونپ دیتے ہیں حقیقت میں وہی نیکی کی زندگی گزار سکتے ہیں اور صرف نیکی کی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے۔

میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اندر (دینی) اقدار پیدا کرنے کی توفیق دے اور پھر آپ میں سے ہر ایک (دین حق) کی سچائی کا ایک زندہ ثبوت بن جائے۔

والسلام

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

(الفضل 23 جون 1982ء)

مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع منعقدہ 6-7/اگست 1983ء کے موقع پر

خصوصی پیغام

☆ (دین حق) کا مقصد کیا ہے؟ یہی کہ ہم اپنے خالق و مالک، حیّ و قیّوم اور قادر اور توانا خدا کی شناخت کر لیں۔

☆ ربّ سے رشتہ جوڑنے میں ہی اصل لذّت ہے اس کے مقابل پر تمام لذّات ہیچ اور بے کیف ہیں

☆ اس دنیا کی عارضی اور بے کیف لذّات سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیں۔

⚜

مورخہ 6-7 اگست بروز ہفتہ، اتوار بمقام ہیتھ لینڈ ہنسلو مجلس خدام الاحمدیہ کے سالانہ اجتماع کے پہلے روز یہ پیغام محترم شیخ مبارک احمد صاحب مشنری انچارج برطانیہ نے خدام کو پڑھ کر سنایا۔

میرے عزیز خدام واطفال

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مجھے یہ معلوم کر کے بہت خوشی ہوئی ہے کہ مجالس خدام الاحمدیہ اور مجالس اطفال الاحمدیہ برطانیہ 6 اور 7۔ اگست کو ہانسلو میں اپنا نواں اجتماع منعقد کر رہی ہیں۔

خدا تعالیٰ اس اجتماع کو بہت برکت بخشے اور آپ سب کو جو اس میں شامل ہو رہے ہیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ آپ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کر سکیں۔ مجھے امید ہے کہ اجتماع کے ان بابرکت ایام میں آپ دعاؤں پر بہت زور دیں گے اور خدا تعالیٰ کی مدد اور نصرت کے طالب ہوں گے۔ اس موقع پر میں برطانیہ میں بسنے والے تمام خدام اور اطفال کو اس طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں کہ **خالص اور حقیقی (دین) ایک بہت بڑی آسمانی دولت اور عظیم نعمت ہے ہم خوش نصیب ہیں کہ خدا تعالیٰ نے بغیر ہمارے کسی استحقاق کے ہمیں اس عظیم آسمانی نعمت سے بہرہ ور ہونے کا موقع عطا فرمایا ہے** خدا تعالیٰ ہمیں یہ توفیق بھی بخشے کہ ہم اپنے رب کے اس عظیم احسان کا شکر بجا لاسکیں اور اپنی زندگیوں میں قرآنی تعلیمات کو جاری کر کے دائمی خوشحالی اور ابدی نجات کے وارث ہو سکیں۔

(دین حق) کا مقصد کیا ہے؟ یہی کہ ہم اپنے خالق و مالک، حیّ وقیّوم اور قادر وتوانا خدا کی شناخت کر لیں اور اس سے ایک زندہ اور زندگی بخش تعلق قائم کریں کہ یہی ہماری زندگی کا مقصود اور منتہا اور یہی ہماری پیدائش کی اصل غرض وغایت ہے۔ یہی وہ رشتہ ہے جسے جوڑنے کے لئے تمام مذاہب دنیا میں قائم ہوئے اور یہی وہ تعلق ہے جس کے قیام کے لئے تمام انبیاء علیہم اسلام دنیا میں بھیجے گئے حضرت مسیح موعود مہدی

معہود علیہ السلام فرماتے ہیں:۔

''انبیاء علیہم السلام کے دنیا میں آنے کی سب سے بڑی غرض اور ان کی تعلیم اور تبلیغ کا عظیم الشان مقصد یہ ہوتا ہے کہ تا لوگ خدا تعالیٰ کی شناخت کریں۔ اس زندگی سے جو انہیں جہنم اور ہلاکت کی طرف لے جاتی ہے اور جس کو گناہ آلود زندگی کہتے ہیں نجات پائیں۔''
(ملفوظات جلد سوم صفحہ 11)

پھر اپنی بعثت کے مقصد کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''وہ کام جس کے لئے خدا نے مجھے مامور فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ میں خدا اور اس کی مخلوق کے رشتہ میں جو کدورت واقع ہوگئی ہے اس کو دور کر کے محبت اور اخلاص کے تعلق کو دوبارہ قائم کروں'' (لیکچر لاہور)

پس آپ جو مسیح آخر الزمان علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہیں اور خود کو آپ کے جانثار غلاموں میں شامل کرتے ہیں، **اپنے نفوس کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ آپ نے کس حد تک اس زندگی بخش تعلق کے قائم کرنے کے لئے کوشش کی ہے** اور پیار اور محبت سے اخلاص کے اس رشتہ کو جوڑنے کے لئے آپ نے کیا سعی کی ہے۔

ہمیشہ یاد رکھیں کہ ہمارا خدا وہ ہے جس نے اپنی کامل قدرت سے ہر ایک چیز کو بنایا۔ اس کی قدرت عجیب عظمت اپنے اندر رکھتی ہے۔ جس کے بغیر کوئی چیز وجود نہیں پکڑتی اور جس کے سہارے کے بغیر اس عالم کی کوئی چیز قائم نہیں رہ سکتی۔ ہمارا خدا بے شمار قدرتوں والا اور بے شمار حسن و احسان والا ہے۔ پس ہمیں چاہیے کہ ہم اس ازلی اور ابدی خدا کے حضور جھکیں اور اپنے تمام ارادوں اور اپنی تمام خواہشات کو اس کی مرضی اور اس کے ارادہ کے تابع کر کے اس سے مدد اور نصرت کے طالب ہوں، وہی ہے جو اپنی بارگاہ کی طرف ہماری راہ نمائی کر سکتا ہے اور اس کے اذن کے بغیر کوئی اس کے دربار میں رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔

پس اس موقع پر میں آپ سب کو اس طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے خالق و مالک ربّ کی قدر پہچانیں اور اس کے ساتھ پیار اور محبت، اخلاص اور فدائیت اور صدق اور صفاء پر مبنی ایک نہ ٹوٹنے والا رشتہ جوڑیں۔ اس کی قدرتوں کے جلووں سے اپنی آنکھوں کو بینا اور اپنے دلوں کو منور کریں۔ اس کی صفات میں خود کو رنگین کرنے کی کوشش کریں وہی ہمای دولت ہے اور اسی میں ہماری بقا ہے۔

یاد رکھیں کہ اس سے ملنے اور اس کے ساتھ رشتہ جوڑنے میں ہی اصل لذت ہے۔ اس لذت کے

مقابل پر دنیا اور اس کی تمام لذات ہیچ اور بے کیف ہیں۔ پس اس دنیا کی عارضی اور بے کیف لذات سے اپنے دامن کو آلودہ نہ ہونے دیں کہ یہ اصل حقیقی لذّت سے غافل کر دیتی ہیں اور اپنے ذوق بلند کریں اور اپنے مذاق کی اصلاح کے لئے سعی کریں۔

ہر خوبی اور ہر بھلائی۔ ہر حسن اور ہر خوبصورتی ہمارے رب میں پائی جاتی ہے اور وہی تمام لذات کا سرچشمہ ہے۔ پس اسی میں اپنی لذات تلاش کریں۔ اس سے ملنے کے لئے اپنے جسم اور جان کی تمام قوت کے ساتھ کوشش کریں کیونکہ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔

والسلام

مرزا طاہر احمد

خلیفۃ المسیح الرابع

(روزنامہ الفضل 13 ستمبر 1983ء)

دورۂ فجی کے دوران احباب سے گفتگو اور نصائح

18 ستمبر 1983ء

☆ خدام کی تجنید کی ضرورت اور اہمیت۔

☆ خواہ وہ عملی طور پر کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں آپ ان کو بھی مجلس میں شامل کریں....

☆ خلیفہ خدا بناتا ہے۔ آدمی کے بنائے ہوئے اور خدا کے بنائے سسٹم میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔

☆ خلیفۂ وقت بندوں کی بجائے خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔

☆ مسائل دراصل وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں مرکز سے دوری ہوتی ہے۔

☆ میں بار بار جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ نفرت کی بجائے باہمی محبت پیدا کریں ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ قائم کریں اور اخوت کی روح کو زندہ رکھیں۔

☆ خلیفۂ وقت آپ کے پروگرام کے تابع نہیں ہے آپ کو خلیفۂ وقت کے پروگرام کے تابع ہونا چاہیے۔

☆ مجلس شوریٰ جس میں خلیفۂ وقت موجود ہوں وہ بہت غیر معمولی شوریٰ ہوتی ہے.......اس لئے اس میں نوجوانوں کو زیادہ شامل کیا جائے۔

خدام کی تجنید ضروری ہے

مغرب اور عشاء کی نمازیں پڑھانے کے بعد حضورؒ احباب جماعت میں تشریف فرما ہوئے۔محترم امتیاز احمد صاحب نیشنل قائد خدام الاحمدیہ فجی سے خدام الاحمدیہ کی تعداد دریافت فرمائی۔ وہ فوری طور پر بتا نہ سکے تو مقامی قائد سے دریافت فرمایا۔انہوں نے مجلس کے کاموں میں سرگرمی سے حصہ لینے والوں کا ذکر کیا اور جو مجلس سے تعاون نہیں کرتے ان کے بارے میں بتایا کہ ان کو ہم نے تنظیم میں شامل نہیں کیا اس پر حضورؒ نے ان کو اپنے سامنے بٹھا کر بڑے پیار سے سمجھایا کہ وہ سب نوجوان جو احمدیت کی طرف منسوب ہوتے ہیں ان کی تجنید کریں۔خواہ وہ عملی طور پر کتنے ہی کمزور کیوں نہ ہوں آپ ان کو بھی مجلس میں شامل کریں اور پھر آہستہ آہستہ سب کو فعّال خدام بنانے کی کوشش کریں۔اسی طرح نیشنل پریذیڈنٹ صاحب کے ساتھ Collaborationship قائم ہونی چاہیے۔آپ نے دریافت فرمایا کہ نیشنل پریذیڈنٹ کی حیثیت اور دائرہ کار کیا ہے۔جب حضورؒ کو اس کے متعلق بتایا گیا تو فرمایا یہ تو ایسے ہی ہے جیسے پاکستان میں نائب امیر ہوتا ہے۔

خلافت کا آسمانی نظام

اختیارات کی بات چلی تو خلافت تک جا پہنچی۔آپؒ نے فرمایا کہ خلیفہ خدا بناتا ہے۔آدمی کے بنائے ہوئے اور خدا کے بنائے ہوئے System (نظام) میں زمین وآسمان کا فرق ہوتا ہے۔دنیوی امر کے لئے بالا اتھارٹی کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے اور دنیوی معاملات میں وہ لوگوں کی آراء کا پابند ہوتا ہے لیکن خلیفہ وقت اس سے آزاد ہوتا ہے۔وہ بندوں کی بجائے خدا کے سامنے جواب دہ ہوتا ہے۔سینکڑوں خوابیں اور بشارتیں اس کی تائید میں ظاہر ہوتی ہیں۔خلیفہ وقت کو یہ بھی اختیار ہے کہ جس کو چاہے امیر مقرر کرے۔

فرمایا:-

خلافت کی قدر و قیمت نہ پہچاننے کی وجہ سے یا اس کا System (نظام) صحیح طور پر نہ سمجھنے کی وجہ سے اگر کوئی اپنے اختیارات سے تجاوز کرے تو اس کی خلیفۃ المسیح کے پاس رپورٹ کی جائے۔

حضورؒ نے فرمایا کہ اگر احمدیت کو سمجھ لیا جائے تو اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ کسی عہدیدار کے بارے میں تادیبی کارروائی کی نوبت آئے۔ یہ مسائل دراصل وہاں پیدا ہوتے ہیں جہاں مرکز سے دوری ہوتی ہے۔لوگوں کو مرکز سلسلہ میں جانے کا موقع نہیں ملتا۔اس لئے ہر احمدی کا فرض ہے کہ وہ نظام سلسلہ کے طریق کار اور اس کی روح کو سمجھنے کی کوشش کرے۔اسی طرح بیرونی جماعتوں کو بھی یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ان کے کیا کیا اختیارات ہیں۔ پھر اپنے اپنے دائرہ کار میں رہتے ہوئے پورے جذبہ کے ساتھ ایک دوسرے سے تعاون کرنا چاہیے اور کسی کو شکایت کا موقع نہیں دینا چاہیے۔ جو بھی امیر مقرر کیا جائے اس کے ہر معروف حکم کو ماننے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔اگر کوئی مشنری انچارج اپنے اختیارات سے تجاوز کرتا ہے تو مرکز میں اس کی رپورٹ کی جائے۔ جب تک مرکز کوئی کارروائی نہیں کرتا شکایت کنندہ خاموش رہے۔اسی طرح اگر کوئی امیر اپنے اختیارات سے بڑھ جائے تو اس کی شکایت بھی کی جائے لیکن امیر کی معرفت کی جائے۔اس طرح ایک تو امیر زیادہ محتاط ہو جائے گا دوسرے شکایت کرنے والا جب بھی امیر کی وساطت سے شکایت کرے گا تو زیادہ ذمہ داری اور احتیاط سے بات کرے گا۔شکایت میں ذاتی تلخیوں کو داخل نہ کیا جائے۔شکایت بروقت ہو۔ایسا نہ ہو کہ جماعتی نقصان ہو رہا ہو اور دوست خاموش تماشائی بنے بیٹھے رہیں۔

ایک اہم فیصلہ

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نیشنل پریذیڈنٹ اور امیر کے درمیان Friction (اختلاف) کی وجہ سے کبھی کبھی نیشنل پریذیڈنٹ کا عہدہ ختم کر دیا جاتا رہا ہے لیکن اب آئندہ کے لئے ایسا نہیں ہوگا۔ جو شخص Friction (اختلاف) پیدا کرتا ہے وہ قابلِ مواخذہ ہوگا اور اس کو معزول کیا جائے گا خواہ وہ امیر ہو یا نیشنل صدر ہو۔فرمایا میں بار بار جماعت کو نصیحت کرتا ہوں کہ نفرت کی بجائے باہمی محبت پیدا کریں۔ایک دوسرے کے ساتھ بھائی چارہ کریں اور اُخوت کی روح کو زندہ رکھیں۔

جماعت ہائے احمدیہ فجی کی مجلس شوریٰ کے پروگرام کے مطابق ۲۴ ستمبر بروز ہفتہ مقرر تھی لیکن حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے بعض مصالح کے پیش نظر بیس ستمبر کی تاریخ مقرر فرمائی اور اس روز ہونے والی پریس

کانفرنس کو ۲۴؍ستمبر تک ملتوی کر دیا۔اس پر ایک دوست نے عرض کیا کہ مجلس مشاورت کسی چھٹی والے دن رکھنی چاہیے۔حضور نے فرمایا خلیفہ وقت آپ کے پروگرام کے تابع نہیں ہے۔آپ کو خلیفۂ وقت کے پروگرام کے تابع ہونا چاہیے۔نیز فرمایا مجلس شوریٰ جس میں خلیفہ وقت موجود ہوں وہ بہت غیر معمولی شوریٰ ہوتی ہے۔ایک Ideal موقع ہوتا ہے جس میں نوجوانوں کی تربیت مقصود ہوتی ہے۔اس لئے اس میں نوجوانوں کو زیادہ سے زیادہ شامل کیا جائے۔عہدیدار (Office Bearers) تو زیادہ تر بوڑھے ہوتے ہیں۔نوجوانوں کو موقع دیں تا کہ وہ آگے چل کر ذمہ داریوں کے بوجھ اٹھانے کے اہل بنیں۔وہ شوریٰ کی کارروائی سنیں اور اس سے سبق سیکھیں۔مَیں خدام کو بہت سے کاموں کا ذمہ دار بنانا چاہتا ہوں اور یہ اسی صورت میں ممکن ہے کہ نوجوان شوریٰ میں شریک ہو کر مشورے دیں۔

(روزنامہ الفضل 19؍اکتوبر 1983ء صفحہ 5-4)

دورۂ فجی کے دوران قصبہ سوموسومو (Somo Somo) کے اسکول میں

طلبہ وطالبات سے خطاب ۔1983ء

☆ خدا تعالیٰ کو کیسے ڈھونڈیں۔
☆ خدا تعالیٰ کو ملنے سے زندگی کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔
☆ خدا تعالیٰ کو پانے کے لئے خود خدا تعالیٰ سے دعا کی عادت ڈالیں۔
☆ خدا تعالیٰ بچوں سے پیار کرتا ہے۔
☆ بچپن سے دعا کی عادت ڈالیں۔
☆ پہلے اپنے خدا سے تعلق جوڑیں پھر اپنے ماں باپ سے۔

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:۔

بچوں سے آسان اردو میں باتیں

مجھے اس وقت آپ سے کچھ باتیں کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔اس لئے میں آپ سے کچھ باتیں کروں گا آسان اردوزبان میں۔تاکہ بچے بھی سمجھ سکیں اور جن لوگوں کو زیادہ اردو زبان نہیں آتی ان کو بھی پتہ لگ جائے کہ میں' کیا کہہ رہا ہوں۔اور آسان انگریزی میں بھی۔اگرچہ آپ میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جو اچھی انگریزی جاننے والے ہیں۔لیکن کچھ ایسے بھی ہوں گے جن کو اردو زبان نہیں آتی اور انگریزی بھی زیادہ نہیں جانتے۔اس لئے میں کوشش کروں گا کہ جو میں کہنا چاہتا ہوں اسے آسان زبان میں بیان کروں تاکہ آپ لوگ سمجھ سکیں۔

زندہ خدا پر پختہ یقین

میرا فرقہ جس سے میرا تعلق ہے وہ ایک مذہبی فرقہ ہے۔ایک مذہبی جماعت ہے اور اس کا نام ہے احمدیہ (......) کمیونٹی۔یعنی (دین حق) کی احمدیہ جماعت۔ ہماری جماعت کو بہت سے مسلمان، مسلمان نہیں سمجھتے۔وہ کہتے ہیں تم اپنا نام جو مرضی رکھ دو ہم تمہارا مسلمان ہونا قبول نہیں کریں گے۔اور اس وجہ سے بعض ملکوں نے بھی ہمیں (دین حق) سے نکال رکھا ہے۔اس کے باوجود ہم بڑے گہرے مذہبی ہیں اور اس بات پر بڑا پکا یقین رکھتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ایک زندہ خدا ہے اور اسلام ایک سچا مذہب ہے۔

عقلمند انسان کا کام

میں آپ کو تفصیل سے یہ نہیں بتاؤں گا کہ ہمارے اور دوسرے (مومنوں) میں فرق کیا ہے کیونکہ اس کا

وقت نہیں ہے۔ میں صرف یہ بتانا چاہتا ہوں کہ ہم کون ہیں۔ ہمیں کیا سمجھا جاتا ہے۔ پھر جو میں باتیں کروں گا آپ کی مرضی ہے ان کو قبول کریں یا نہ کریں۔ اتنا ضرور کہوں گا کہ جو میری باتیں ہیں ان کے متعلق یہ دیکھیں کہ وہ درست ہیں یا غلط ہیں۔ یہ نہ سوچیں کہ کس کی طرف سے آئی ہیں۔ پس جو باتیں میں کہوں گا آپ یہ دیکھیں کہ وہ اچھی ہیں یا بری ہیں۔ اگر میں آپ سے اچھی باتیں کہتا ہوں تو آپ ان باتوں کو مان لیں۔ کیونکہ عقلمند انسان کا یہ کام ہے کہ یہ دیکھے کہ جو بات ہو رہی ہے وہ اچھی ہے یا بری ہے۔ اچھی بات اگر مٹی میں سے ملے تو انسان کو چاہیے اس کو قبول کرلے۔ اور اگر گندگی ریشم کے کپڑے میں لپیٹ کر رکھی گئی ہو تب بھی اسے رد کر دے۔ یہ زندگی کا صحیح طریق ہے جسے آپ کو اختیار کرنا چاہیے۔

کائنات کو پیدا کرنے والا ایک خدا ہے

میرا پیغام آپ کو یہ ہے کہ ہم سب ایک خدا کے بندے ہیں اور ہمارا مالک ایک ہے۔ وہ مذہب بھی جو ایک سے زیادہ خداؤں کی عبادت کرنے کی تلقین کرتے ہیں ان کا بھی عقیدہ یہی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ اس میں کوئی فرق نہیں۔ وہ سب مانتے ہیں کہ جہاں تک انسان کا تعلق ہے یا اس کائنات کا تعلق ہے اس کا پیدا کرنے والا بہرحال ایک ہے۔ وہ یہ نہیں کہتے کہ کچھ لوگوں کو کسی ایک خدا نے پیدا کیا اور کچھ دوسروں کو کسی دوسرے خدا نے پیدا کیا۔ اس لئے اگر ہم ایک جگہ اکٹھے ہونا چاہتے ہیں، اگر ہر انسان ایک دوسرے سے پیار کرنا چاہتا ہے تو اس طرف توجہ کرنی پڑے گی کہ ہم ایک خدا کے پیدا کردہ لوگ ہیں۔ کیونکہ اگر ایک خدا کے نہیں تو پھر ہمارے اکٹھے ہونے کا کوئی سامان نہیں ہوسکتا۔ اگر ہم ایک خدا کی مخلوق ہیں تو پھر جس طرح ایک ماں باپ کی اولاد آپس میں محبت کرتی ہے اسی طرح انسان کو لازماً ایک دوسرے سے محبت کرنی پڑے گی۔

ایک اہم سوال

ہم جب یہ سمجھ چکے کہ ہمارا ایک ہی خدا ہے جس نے ہم سب کو پیدا کیا۔ فجیئن (Fijian) کو بھی اور ہندوستانیوں کو بھی۔ انگریزوں کو بھی اور امریکن کو بھی۔ تو کیوں پیدا کیا؟۔ یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ اس کے لئے ہمیں اپنے خدا کی طرف جانا پڑے گا۔ جس نے پیدا کیا وہی جانتا ہے کہ کیوں پیدا کیا اور وہی علم رکھتا

ہے کہ ہمیں کیا کرنا چاہیے۔اس لئے ہر انسان کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے خدا کو تلاش کرے۔

خدا کو کیسے ڈھونڈیں

یہ دو باتیں جب آپ سمجھ جاتے ہیں تو ایک تیسرا سوال پیدا ہوتا ہے جو بظاہر بڑا مشکل معلوم ہوتا ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اس سوال کا جواب انسان نہیں دے سکے گا اور پھنس جائے گا۔ وہ سوال یہ ہے کہ ہم اس خدا کو کیسے ڈھونڈیں۔ کس مذہب کے ذریعہ خدا کو پائیں۔لیکن اگر ہم غور کریں تو اس کے لئے ایک آسان رستہ بھی مل جاتا ہے۔

خالق سے ملانے کے دعویدار

یہ سوال مشکل اس لئے ہے کہ دنیا میں سینکڑوں مذاہب ہیں اور ہر مذہب کا دعویٰ ہے کہ خدا میرے پاس ہے۔ ہر مذہب کا یہی اعلان ہے کہ اگر تم اپنے (Creator) خالق سے ملنا چاہتے ہو تو میرے پاس آؤ۔ اب انسان بڑی مشکل میں پڑ گیا۔ کہ ایک (Commodity) جنس ہے جو ہم نے لینی ہے اور سینکڑوں دکانیں ہیں۔اور سب دکانیں کہتی ہیں کہ ہمارے پاس ہے۔اور ہے کسی ایک کے پاس۔ یہ تو خطرہ ہے کہ شاید ان میں سے کسی کے پاس بھی نہ ہو۔لیکن ان سب کے پاس نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ ہر ایک الگ الگ رستہ بتا رہا ہے۔ یہ مشکل پڑ گئی۔اس لئے میں نے کہا تھا کہ یہ سوال آپ کو بہت مشکل نظر آئے گا۔

بھوکے کو روٹی کی تلاش

اب مشکل یہ ہے کہ یہ دکانیں جو میں بتا رہا ہوں جو کہتی ہیں خدا ہمارے پاس ہے ان کے متعلق تھوڑی دیر کے لئے سوچئے کہ وہ خدا کی بجائے روٹی دیتی ہیں اور آپ بھوکے ہیں اور ہر دکان میں بے شمار ڈبے پڑے ہوئے ہیں اور خود دکاندار کو پتہ نہیں کہ کس ڈبے میں روٹی ملے گی۔اور وہ کہتا ہے کہ ٹھہرو میں تلاش کرتا ہوں اور وہ دیکھتا ہے اور آپ بھی دیکھتے ہیں کہ ہے بھی یا نہیں۔ گپ تو نہیں مار رہا، جھوٹ تو نہیں بول رہا۔ اور اتنا وقت لگ جاتا ہے کہ اگر آپ دو یا تین دکانوں میں گھومیں اور روٹی تلاش کریں تو پیشتر اس کے کہ آپ کو روٹی ملے آپ بھوک سے مر جائیں۔

سارے مذاہب کا مطالعہ امر محال

یہ اس وقت دنیا کا حال ہے۔اور حقیقت یہی ہے کہ بالکل یہی حال ہے۔ یہاں فجی میں اس تاوے یونی جزیرہ میں پیدا ہونے والا انسان یہ طاقت ہی نہیں رکھتا کہ ساری دنیا کی زبانیں سمجھے، ساری دنیا کے مذاہب کا مطالعہ کرے کہ خدا کہاں ہے۔آپ کی تو نسلیں گزر جائیں گی۔ایک کے بعد دوسری نسل پیدا ہو اور وہ بھی تحقیق کرے تب بھی ساری دنیا کے مذاہب کی زبانیں پڑھنا، ان کا مطالعہ کرنا، پھر یہ مقابلہ کرنا کہ کون سچا ہے کون جھوٹا ہے۔کس کے پاس دلیل ہے کس کے پاس نہیں ہے۔ یہ ناممکن ہے۔

خدا سے ملنے کا ڈھنگ

بعض لوگ کہتے ہیں کہ اس کا بہت آسان جواب ہے اور وہ یہ ہے کہ جس مذہب کی بھی تم پیروی کرو گے آخر خدا تک پہنچ جاؤ گے۔اس لئے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ جہاں ہو وہیں بیٹھے رہو۔ جو چاہو کسی مذہب کے مطابق زندگی اختیار کر لو تم اپنے خدا سے مل جاؤ گے۔ یہ بڑا آسان جواب ہے اور سب کو خوشی ہوگی کہ اب کسی تحقیق کی ضرورت نہیں رہی۔جس جگہ ہم پیدا ہوئے وہیں بیٹھے رہیں کافی ہے۔ہمیں خدا مل جائے گا۔ یہ آسان تو ہے لیکن معقول جواب نہیں ہے، بالکل معقول جواب نہیں۔ کیونکہ ہر چیز ہر جگہ اس لئے نہیں مل سکتی کہ ہر چیز کا اک نہ اک نشان ہوتا ہے۔مثلاً کسی جگہ زمین میں سونا ہے تو وہ سونا اپنا اثر ظاہر کرتا ہے تبھی لوگوں کو پتہ لگتا ہے کہ یہاں سونا ہوگا۔پھر وہ زمین کھودتے ہیں۔کہیں کوئی پھول کھلا ہو اس کی خوشبو سے آپ معلوم کر لیتے ہیں کہ یہاں پھول ہے۔اگر کہیں کسی اور دھات کا مادہ پایا جاتا ہے۔مثلاً کہیں تانبا ہے، کہیں ہیرے ہیں تو سائنسدان معلوم کر لیتے ہیں۔کیونکہ ان کو علم ہوتا ہے کہ ان دھاتوں کی یہ یہ نشانیاں ہیں اور وہ سطح زمین پر ظاہر ہو جاتی ہیں۔ ورنہ یہ کہنا کہ جس جگہ زمین کھودو گے سونا مل جائے گا، جہاں کھودو گے تانبا مل جائے گا۔ یہ ہے تو بڑا آسان طریقہ لیکن اس طرح ساری عمر کھودتے رہیں گے ملے گا کچھ نہیں۔ کیونکہ ملنے کے لئے طریقہ اور ڈھنگ ہونا چاہیے۔اسی طرح خدا کی علامتیں بھی ہر جگہ ملنی چاہئیں اور جب تک یہ معلوم نہیں کریں گے کہ خدا سے ملنے کا ڈھنگ کیا ہے اس وقت تک آپ کو کامیابی حاصل نہیں ہوگی۔ آپ کی کوششیں بے کار جائیں گی۔

ہر مذہب خدا تک نہیں لے جا سکتا

لیکن جب ہم مذاہب کو دیکھتے ہیں اور ان کی تعلیمات پر غور کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ہر مذہب میں خدا مل ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ مذاہب کا آپس میں بھی بہت گہرا اختلاف ہے۔ کوئی خدا کا کچھ تصور پیش کرتا ہے اور کوئی کچھ اور تصور پیش کرتا ہے۔ پھر سچے خدا کا سوال پیدا ہوگا وہ کہاں ہے۔ کیونکہ بعض مذاہب خدا کی طرف بات منسوب کر کے کہتے ہیں کہ گویا خدا کہتا ہے کہ میں ایک سے زیادہ ہوں۔ میں لاکھوں ہوں، تم لاکھوں چیزوں کی پوجا کرو تب تم مجھے ملو گے۔ ایک اور مذہب کہتا ہے کہ نہیں میں صرف ایک ہوں۔ لاکھوں نہیں ہوں۔ قانونِ قدرت دیکھو۔ ہر جگہ میں ہی نظر آؤں گا۔ میرے مظاہر نظر آئیں گے۔ دو خداؤں کی مخلوقات نظر نہیں آئیں گی۔ اس لئے میں اکیلا خدا ہوں، مجھے مانو۔ اب ظاہر ہے دونوں مذہب ایک وقت میں تو سچے نہیں ہو سکتے۔ ایک یہ کہے کہ میں لاکھوں خدا ہوں اور ایک کہے کہ میں ایک خدا ہوں۔ مثلاً یہودیت کہتی ہے ایک خدا ہے اور عیسائیت کہتی ہے نہیں، تین ہو گئے۔ شروع میں ایک خدا تھا۔ لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آنے کے بعد تین خدا ہو گئے۔ یعنی باپ، بیٹا اور روح القدس۔ اب یہ باتیں ایک وقت میں تو سچی نہیں ہو سکتیں کہ خدا ایک بھی ہو اور تین بھی ہوں۔ ایک بھی ہو اور ہزار بھی ہوں۔ پھر تعلیم میں اتنا فرق پڑ جاتا ہے۔ مثلاً ایک مذہب کا خدا کہتا ہے۔ میں یہاں کے سوا کہیں نہیں ہوں۔ دوسرے مذہب کا خدا کہتا ہے کہ میں یہاں کے سوا اور کہیں نہیں ہوں۔ اب بتایئے! آپ کو ہر مذہب میں خدا کہاں سے مل جائے گا؟ اس لئے یہ تو صحیح ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے لیکن یہ کہنا غلط اور جھوٹ ہے کہ ہر مذہب خدا تک لے جاتا ہے۔

جائیں تو جائیں کہاں

اب مشکل یہ ہے کہ جیسا کہ میں نے بتایا ہے ہر مذہب کا خدا الگ الگ باتیں کر رہا ہے۔ جب اپنے متعلق بات الگ الگ کرتا ہے اور جس خدا کو یہ بھی پتہ نہیں کہ میں کون ہوں وہ سچا خدا کہاں سے ہو گیا۔ یا ایک مذہب میں کہتا ہے میں ایک ہوں۔ دوسرے میں یہ کہتا ہے میں تین ہوں۔ تیسرے میں کہتا ہے میں پندرہ بیس ہوں۔ چوتھے میں کہتا ہے میں کئی ہزار ہوں تو اب ہم کس کی بات مانیں۔ صاف پتہ لگا کہ ہر بات سچی نہیں ہے ایک ہی سچی ہوگی۔ اس لئے پھر وہی مشکل درپیش۔ ہمیں اس سوال کا کوئی حل تو نہ ملا۔ پھر ہم

اسی مصیبت میں دوبارہ پھنس گئے۔اب خدا سے ملنا ہے،مرنے سے پہلے ملنا ہے۔اس لئے اسے کہاں سے ڈھونڈیں؟

خدا کے ملنے سے زندگی کا مقصد پورا ہوتا ہے

ہر مذہب کی بات چھوڑیئے۔فی الحال ہم واپس انسان کی طرف جاتے ہیں۔دنیا کے پردے پر ہزاروں قسم کے انسان موجود ہیں اور ہر انسان سے خدا کہتا ہے کہ میں تمہارا مالک اور خالق ہوں۔میں نے تمہیں پیدا کیا ہے۔تم مجھ سے ملو گے تو تمہاری زندگی کا مقصد پورا ہوگا۔میں تمہیں رہنا سکھاؤں گا۔میں تمہیں جینا سکھاؤں گا۔میں تمہیں بتاؤں گا کہ کس طرح میرے پاس لوٹنا ہے۔واپس میرے پاس کیسے آنا ہے۔اور مختلف قسم کے جو انسان ہیں ان میں بھاری تعداد ایسے لوگوں کی ہے جن کو لکھنا پڑھنا بھی نہیں آتا اور لکھنا پڑھنا سیکھنے کے لئے ان کے پاس کوئی طاقت نہیں کیونکہ غریب لوگ ہیں۔ان کو یہ طاقت نہیں ہے کہ وہ غیر ملکوں میں جائیں اور تحقیق کریں۔

خدا کو پانے کے لئے خود خدا سے دعا کریں

پس یہ مسئلہ تو پھر وہیں کا وہیں رہا۔جہاں سے بات شروع ہوئی وہیں جا ٹھہری۔اس لئے سوچنے والی بات یہ ہے کہ اس کا علاج کیا ہے۔اس کا علاج میں آپ کو بتاتا ہوں۔اس کے سوا کوئی علاج نہیں۔علاج یہ ہے کہ خود خدا سے ہدایت پانے کی دعا کی جائے۔چنانچہ قرآن کریم نے اس مسئلے کا یہی حل پیش کیا ہے۔قرآن کریم ہماری کتاب یعنی اسلام کی کتاب ہے اور کہتی ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے کہ اگر بندہ چاہے اور دعا کرے تو وہ اس کو ہدایت دے گا۔پس ہدایت اللہ سے ملتی ہے۔انسان جب کبھی اللہ سے ہدایت پانے کے لئے دعا کرتا ہے تو اللہ اس کی پکار سن کر جواب دیتا ہے۔چنانچہ قرآن کریم کہتا ہے کہ سارے انسانوں کو خوشخبری ہو کہ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ جب تم مجھے پکارو گے اور مجھے ڈھونڈو گے تو میں تمہیں ہدایت کی طرف رستہ دکھاؤں گا۔فرماتا ہے:۔

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70)

پھر فرماتا ہے:

وَ اِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
(البقرہ:187)

یہ جو دو آیتیں میں نے قرآن کی پڑھی ہیں ان میں اس سوال کا حل موجود ہے۔

قرآن کریم نے معقول حل پیش کیا ہے

اب آپ دیکھئے کہ آپ کے دل کو یہ حل پسند آتا ہے کہ نہیں۔ آپ کے دماغ کو اچھا لگتا ہے کہ نہیں۔ اگر اچھا لگتا ہے تو پھر اس بات کا کیا غصہ کہ یہ قرآن میں ہے جس کو ہم نہیں مانتے اس لئے ہم یہ حل نہیں مانیں گے۔ معقول آدمی کا تو کام ہے اگر سونے کی خواہش ہے تو جہاں سے سونا ملے اس کو قبول کرے۔ اچھا حل، اچھا جواب جہاں سے ملے اس کو لے لینا چاہیے اور میں یہ بتاتا ہوں کہ قرآن کریم میں اس سوال کا جواب موجود ہے اور ہے بھی بہت معقول اور بڑا اچھا۔ اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جو مجھے تلاش کرنا چاہتے ہیں مجھ پر فرض ہے کہ میں ان کو اپنا رستہ دکھاؤں، اپنا قرب عطا کروں۔ کیونکہ انسان تو کمزور ہے لیکن خدا اور خالق اور مالک اور God اور پرماتما اور پرمیشور (جو نام آپ اس کا رکھیں) وہ تو کمزور نہیں۔ اس کو پتہ ہے میں کہاں ہوں۔ انسان اس کو ڈھونڈ ہی نہیں سکتا جب تک وہ خود نہ بتائے۔ اس لئے خدا نے اپنے آپ کو ظاہر کرنے کی اپنے اوپر ذمہ داری ڈالی۔ چنانچہ خدا کہتا ہے کہ تم نے میرے پاس آنا ہے تو مجھ سے پوچھو۔ میں کہاں ہوں بجائے اس کے کہ لوگوں سے پوچھتے رہو۔ پنڈت کے پاس جاؤ، کبھی پادری کے پاس جاؤ اور ان سے پوچھو کہ میں کہاں ہوں۔ تم کہاں کہاں دھکے کھاؤ گے، کس کس دروازے کی بھیک مانگو گے، کس کس دکان پر پہنچ کر تلاشیاں لو گے کہ خدا ہے یا نہیں۔ خدا فرماتا ہے تم مجھے آواز دو میں تمہاری آواز کو سنتا ہوں۔ میں ہر جگہ موجود ہوں۔ میں تمہاری آواز کا جواب دوں گا۔ میں تمہیں بتاؤں گا کہ میں کہاں ہوں اور کس طرح مل سکتا ہوں۔ میں تمہیں ہدایت دوں گا، تم سے پیار شروع کر دوں گا۔

بچپن میں دعا کی عادت ڈالئے

پس یہ تو بالکل الٹ قصہ نکلا۔ خدا کا پانا جتنا مشکل نظر آ رہا تھا اتنا ہی یہ تو بہت ہی آسان ہو گیا کہ انسان کا کام ہے دعا کرے اور خدا سے پوچھے کہ اے خدا! تو کہاں ہے۔ خدا کہتا ہے اے میرے بندو! تم مجھے بلاؤ تو سہی میں تمہارے پاس ہوں گا اور تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔ چنانچہ قرآن کریم سے ہمیں پتہ چلتا ہے کہ

خدا بچوں سے بھی پیار کرتا ہے اور بوڑھوں سے بھی۔ کالوں سے بھی پیار کرتا ہے اور گوروں سے بھی۔ وہ سب کا خدا ہے۔ اس لئے یہ نسخہ میں آپ کو بتانے کے لئے آیا ہوں کہ یہ معلوم کرنے کے لئے کہ اللہ کہاں ہے؟ اللہ سے پوچھنے کی عادت ڈالئے۔ اگر چھوٹے چھوٹے بچے بچپن میں ہی کسی چھوٹی بڑی مشکل یا مصیبت کے وقت خدا کو پکاریں۔ مثلاً کسی کی پنسل بھی گم ہو جائے اور وہ پیار سے، یقین سے دعا کرے کہ اے میرے خدا! مجھے تو کوئی طاقت نہیں۔ مجھے تو اپنی پنسل کا بھی پتہ نہیں کہاں گئی۔ تو میری مدد فرما۔ پھر وہ دیکھے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرماتا ہے۔ وہ حیران ہو جائے گا کہ خدا کتنا پیار کرنے والا ہے۔ چھوٹے چھوٹے بچوں سے بھی پیار کرتا ہے۔

آسان، یقینی اور معقول راستہ

اسی طرح جب آپ بچپن سے اپنے خدا سے محبت کرنا سیکھ جائیں گے، پیار کرنا سیکھ جائیں گے اللہ تعالیٰ آپ سے محبت و پیار شروع کر دے گا۔ پھر یہ خدا کی ذمہ داری ہے کہ آپ کو مرنے نہ دے جب تک اپنا رستہ نہ دکھا دے۔ اس سے زیادہ آسان، اس سے زیادہ یقینی اور اس سے زیادہ معقول رستہ خدا تک پہنچنے کا کوئی نہیں۔ اس لئے میں آپ کو جس خدا کی طرف بلا رہا ہوں یہ صرف فرضی خدا نہیں ہے۔ خیالی خدا نہیں ہے۔ یہ ایسا خدا ہے جس سے مجھے واسطہ پڑ چکا ہے۔ اب بھی پڑتا ہے۔ بچپن میں بھی پڑا اور میں نے اس کو اسی طرح ہمیشہ محبت کرنے والا، پیار کرنے والا اور دعاؤں کو قبول کرنے والا پایا ہے۔

ہر مشکل کے وقت خدا کو پکاریں

اور وہ بچوں کی دعاؤں کو بھی سنتا ہے۔ چنانچہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آپ اس بات کو تجربہ کر کے دیکھ لیجئے۔ میں نے اپنے بچوں کو بچپن سے یہی تربیت دی ہے کہ تم ہر مشکل کے وقت خدا کو کہا کرو اور اس سے دعا مانگا کرو۔ لیکن ہمارا خدا تو ہماری پیدائش سے بھی پہلے موجود تھا اور اس پر تو کبھی موت نہیں آئے گی۔ اس لئے بچوں کو یہ سکھانا ضروری ہے کہ پہلے اپنے خدا سے تعلق جوڑیں اور پھر اپنے ماں باپ سے۔ تب وہ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل ان پر نازل ہوں گے۔ چنانچہ میرے بچوں نے جب بھی دعائیں کیں ایسے حیرت انگیز طور پر پوری ہوئیں کہ کئی دفعہ ان کو یقین نہیں آتا تھا کہ خدا تعالیٰ اتنی جلدی قبول فرمالے گا۔

محبتِ الٰہی کے کرشمے

پس اپنے خدا کو جاننا ہو تو اس سے دعا کریں۔ محبت اور پیار کے ذریعہ اس سے تعلق قائم کریں پھر وہ خود آپ کو مل جائے گا۔ وہ آپ کو لے جائے گا اس مذہب کی طرف جو سچا مذہب ہے۔ وہ آپ کو روشنی عطا کرے گا۔ اس سے زیادہ نہ آپ کچھ کر سکتے ، ہیں نہ میں کچھ بتا سکتا ہوں۔ میں نے تو اسی کو سچائی پایا ہے اور یہی میں آپ کو بتانے کے لئے آج حاضر ہوا ہوں۔

(ماہنامہ تشحیذ الاذہان۔ جنوری 1984ء۔ صفحہ 10 تا 18)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے افتتاحی خطاب

فرمودہ 21/اکتوبر 1983ء

☆ ایک غلط رجحان کی اصلاح
☆ امام وقت سے اصل محبت اُس کے لئے دعا کرنا ہے نہ کہ نعرہ بازی
☆ اجتماع کی کامیابی پر حضور کا اظہار خوشنودی
☆ اپنے حوصلے بلند کریں، اپنی امیدوں کو بلند کریں
☆ مسیح موعود علیہ السلام کا انتظار کرنے والی کنواری اقوام میں سے ایک فجی قوم بھی ہے جو (دین حق) کے نقطہ نگاہ سے بالکل کنواری ہے
☆ اب زندگی بخش ساری قوتیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی گئی ہیں
☆ آپ کی محنت کو پھل نہیں لگے گا جب تک آپ دعائیں نہیں کریں گے
☆ میرے اللہ کی برکت جس دَم میں آجائے وہ دَمِ مسیح بن جایا کرتا ہے
☆ ایک قدم، ایک چھلانگ اور ایک جھپٹا اور سارا فجی اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پڑا ہو گا

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

ایک غلط رجحان کی بروقت اِصلاح

''سب سے پہلی بات تو میں یہ کہنی چاہتا ہوں جس کا مجھے ابھی خیال آیا ہے کہ اگرچہ آپ کا جوان خون ہے اور جوان خون میں لازماً جوش اور ولولہ پایا جاتا ہے اور فلک شگاف نعرے لگانے کو دل بھی چاہتا ہے لیکن نئے نئے نعرے نہ ایجاد کیا کریں مثلاً ابھی ایک نعرہ لگایا گیا ''مثیلِ مصلح موعودؓ'' میں تو ایک عاجز انسان ہوں۔ یہ اللہ کا کام ہے کہ کسی کو کسی کا مثیل بنائے یا نہ بنائے۔ انسان کا نہ تو یہ مقام ہے کہ وہ اپنی طرف سے ایسی باتیں بنائے نہ اس کے کہنے کی کوئی قدر و قیمت ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ انسان کے دیئے ہوئے القابات اگر شروع ہو جائیں تو ان کی کوئی حد ہی نہیں رہتی۔ ہندوستان میں پرانے زمانے میں جب نوابی قائم تھی تو نوابوں کو بہت بڑے بڑے القابات دیئے جاتے تھے۔ بے چارے دو کوڑی کی ریاست کے نواب ہوتے تھے اور پورا صفحہ ان کے نام کے ساتھ القابوں کا لگ جایا کرتا تھا۔ انسان کے دیئے ہوئے القاب کی قیمت بھی کوئی نہیں اور نہ صرف یہ کہ اس کی مثبت قیمت نہیں بلکہ اس کی منفی قیمت ہے۔ اس سے قوموں کے رجحان بگڑ جاتے ہیں۔ ان میں خود پسندی پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ وہ مقام آجاتا ہے کہ پیر تو نہیں لیکن مرید اسے خوب اڑاتے ہیں۔ میرا یہ فرض ہے کہ میں آپ کے اخلاق کی گہری نظر سے نگرانی کروں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے اس منصب پر فائز فرمایا ہے اس لئے پہلی نصیحت تو میں یہ کرتا ہوں کہ جذبات کا مناسب اظہار تو بہر حال جائز ہے اس سے آپ کو کوئی روک نہیں سکتا لیکن وہاں تک رہیں جہاں تک آپ کا دائرہ کار ہے اس سے آگے بڑھنے کی کوشش نہ کیا کریں۔ ہاں دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ خدمت کی توفیق بخشے۔ یہ ہے اصل محبت، نہ کہ نعرہ بازی۔

اجتماعات میں شریک ہونیوالے خدام

اس کے بعد اب میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا بے انتہا شکر ادا کرتا ہوں۔ پہلے بھی کر رہا تھا اب سورۃ فاتحہ کے دوران بھی خاص کر کیا اور اب پھر اس کا اظہار کرتا ہوں کہ ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی محض اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ اجتماع بہت ہی کامیاب اور پُر رونق نظر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ہر پہلو سے غیر معمولی ترقی عطا فرمائی ہے۔ گزشتہ سال جو اضافے ہوئے تھے خدام کی تعداد میں، آپ کی مجالس کی تعداد میں، اور انصار کی حاضری اور مقامی دوستوں کی حاضری میں، اس کی وجہ سے دل میں ایک خیال سا پیدا ہوا تھا کہ اب آئندہ سال تو شاید تھوڑی سی گنجائش ہو لیکن میرے سامنے جو اعداد و شمار رکھے گئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حیرت انگیز ہیں۔ چنانچہ پہلے دن ہی ہر پہلو کے لحاظ سے غیر معمولی اضافہ نظر آ رہا ہے۔ ۱۹۸۲ء میں پہلے دن خدام کی حاضری ۵۴۳۴ تھی اس کے مقابل پر آج ۱۹۸۳ء میں ۷۲۸۲ ہے اور ۱۸۴۸ خدام کا اضافہ ہوا ہے۔ گذشتہ سال ۴۱۸ مجالس پہلے روز شامل ہوئیں تھیں امسال خدا کے فضل سے اس وقت تک ۶۱۵ مجالس شامل ہو چکی ہیں۔ پچھلے سال زائرین کی حاضری پہلے دن افتتاح کے وقت ۲۰۰۰ تھی اور آج خدا کے فضل سے ۲۵۸۰ ہے۔

خدا کا یہ وعدہ ہے کہ میں اس جماعت کو بڑھاؤں گا

اسی طرح سائیکل سوار بھی مختلف علاقوں سے آئے ہیں اور بعض بڑی ہمت کر کے، پتھر کھا کے بھی پہنچے ہیں۔ انکی تعداد گذشتہ سال ۱۱۶۹ تھی اس سال ۱۳۱۶ صرف خدام کی تعداد ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بے انتہا احسان ہے کہ وہ ہر پہلو سے جماعت کو ترقی پر ترقی دیتا چلا جا رہا ہے۔ خدا کا یہ وعدہ تھا کہ میں اس جماعت کو بڑھاؤں گا چنانچہ ہم ہر روز بڑی شان کے ساتھ یہ پورا ہوتا دیکھتے ہیں۔ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے یہ پودا لگایا ہے اور اس کو پرورش دینا، اور اسے بڑھانا، اور اسے برکت دینا، یہ میرا کام ہے۔ پس یہ وعدہ جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ کیا گیا تھا یہ پوری شان کے ساتھ جماعت کی تمام تاریخ میں ہمیشہ پورا ہوتا نظر آتا ہے۔ پنڈال پہلے سے بہت بڑا بنایا گیا تھا اس خیال سے کہ جگہ تھوڑی ہو جاتی ہے اور باہر کھڑے ہونے والوں کو تکلیف پہنچتی ہے تو اب آپ دیکھ لیں کہ باہر کھڑے ہونے والے پھر بھی باہر کھڑے ہیں اور پنڈال بھرا ہوا ہے۔

خدام کو چاہیئے کہ وہ اپنے حوصلے بلند کریں

یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے وہ برکت پر برکت دیتا چلا جا رہا ہے۔اس لئے خدام کو چاہیے کہ وہ اپنے حوصلے بلند کریں۔اپنی امیدوں کو بلند کریں۔خدا تعالیٰ پر اپنے حسن ظن کو بلند کریں اور وسیع کریں پھر دیکھیں کہ اللہ کس طرح یہ ظرف بھی بھرتا چلا جائے گا اور ظرف بڑھاتا بھی چلا جائے گا کیونکہ ہمارا محسن خدا دیتا تو ظرف کے مطابق ہے لیکن اسی کو یہ طاقت بھی ہے کہ ظرف بھی ساتھ بڑھادے۔چنانچہ آج میں نے خطبہ جمعہ میں جس آیت کی تلاوت کی تھی اس میں یہی وعدہ دیا گیا ہے اِنَّ اللّٰہَ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ کہ تم میری رضا ڈھونڈو میں تمہیں رضا عطا کروں گا لیکن ساتھ ہی تمہارا ظرف بھی بڑھاتا چلا جاؤں گا۔وسعتیں پیدا کرتا چلا جاؤں گا تمہارے حوصلوں میں تاکہ میری زیادہ سے زیادہ رضا جذب کرسکو۔

دوسرا پہلو جو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ جیسا کہ میں نے آج خطبہ جمعہ میں کہا تھا فجی کے دورے کے مزید حالات بیان کرنے سے متعلق ہے لیکن جب میں نے اجتماع کا پروگرام دیکھا تو مجھے خیال آیا کہ پہلے ہی خاصی دیر ہو چکی ہے۔پروگرام کے مطابق سوا چار بجے اس افتتاحی خطاب کو ختم ہونا چاہیے اور کھیلوں کا پروگرام شروع ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ پروگرام کچھ تاخیر سے شروع ہوا ہے اس لئے کچھ وقت تو میں زائد لے سکتا ہوں لیکن بہرحال خدام نے کھیلوں میں حصہ لینا ہے۔یہ بھی پروگرام کا حصہ ہے اس لئے اس حصے کو کلیۃً قربان نہیں کیا جا سکتا۔اس لئے خوشخبریوں سے تعلق رکھنے والی ایک دو اہم باتیں بیان کرنے کے بعد میں انشاء اللہ افتتاحی دعا کروادوں گا پھر آپ اپنے پروگرام جاری رکھیں۔آخری دن کی تقریر میں چونکہ نسبتاً زیادہ وقت مل جاتا ہے اس وقت میں اس دورے کے بقیہ امور آپ کے سامنے رکھوں گا۔

سب سے پہلے تو ایک خوشخبری کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس کا میں پہلے کراچی کی جماعت میں بھی ذکر کر چکا ہوں۔لیکن خدام کے اس وسیع اجتماع میں یہ بتانا بہت ضروری ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ جماعت کو غیر معمولی خوشخبریاں عطا فرما رہا ہے۔اس دورے پر روانہ ہونے سے ایک دن پہلے سندھ کے ایک گاؤں کے ایک دوست کا خط ملا جس میں انہوں نے اپنی ایک رؤیا لکھی تھی کہ میں نے دیکھا کہ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کی ایک انگوٹھی ہے جس کے حروف میں سے شعاعیں نکل رہی ہیں۔پھر وہ حروف باہر آکر روشنی میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور فضا کو روشنی سے بھر دیتے ہیں۔اس وقت مجھے یہ بتایا گیا کہ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے ہے۔چنانچہ اس خواب سے میں یہی سمجھا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے وعدے پورے فرمائے ہیں اوران وعدوں کا ایفاء ویسے تو جاری وساری ہے لیکن خاص طور پر ان وعدوں کا ایفاء ہوتا میں دیکھوں گا اور اس سفر میں اللہ تعالیٰ کئی طرح سے یہ جلوے دکھائے گا کہ میں اپنے بندے کے لئے کافی ہوں اس سے مجھے بہت خوشی ہوئی اور حوصلہ ہوا۔

چنانچہ جب مَیں سفر پر گیا تو فجی میں اللہ تعالیٰ نے مجھے ایک ایسی رؤیا دکھائی جس کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اس کا بھی دراصل اسی رؤیا سے تعلق تھا جو ہمارے لئے دکھائی گئی تھی۔اس رؤیا میں میں نے دیکھا کہ ایک معزز اور بزرگ خاتون ہیں جن کو میں جانتا ہوں ان کا نام لینے کی ضرورت نہیں میری والدہ کے ساتھ اکٹھے انہوں نے دودھ پیا ہوا ہے وہ بچپن سے برص کی بیماری میں مبتلا ہوگئی تھیں اس لئے شادی بھی نہیں کی۔ معمر خاتون ہیں۔ میں نے ان کے متعلق کبھی رؤیا نہیں دیکھی۔ زندگی میں پہلی دفعہ ان کو رؤیا میں فجی میں دیکھا کہ وہ مادرانہ شفقت اور محبت سے مجھے گلے لگا رہی ہیں اور خواب میں مَیں بڑا تعجب کر رہا ہوں کہ انہوں نے پہلے تو کبھی اتنے پیار کا اظہار نہیں کیا تھا۔ باوجود اس کے کہ ان کے جسم پر ایک بیماری کا اثر ہے میں اس سے قطعاً کسی قسم کا کوئی تردّد محسوس نہیں کرتا اور اسی طرح ان کی محبت کا جواب دیتا ہوں۔صبح جب میری آنکھ کھلی تو میں یہ خواب بھول چکا تھا اور بالکل ذہن سے اتر چکی تھی۔اب اس کا اگلا پہلو بہت دلچسپ ہے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے اس رؤیا کو یاد کروانے کا انتظام کیا۔میرا طریق یہ تھا کہ صبح کی نماز کے بعد تھوڑا سا آرام کر کے پھر میں ڈاک دیکھتا تھا پھر دفتر چلا جاتا تھا وہاں چوہدری حمید اللہ صاحب کو ڈاک کے متعلق مختلف ہدایات دیتا تھا کچھ ڈاک ان کے پاس پڑی ہوتی تھی وہ پھر میں وہاں دیکھتا تھا تو انہوں نے جو ڈاک دی اس میں ایک خط نکلا جو میری ہمشیرہ کی طرف سے تھا اور اس میں ان کا نام لے کر یہ لکھا ہوا تھا کہ ان کیلئے دعا کریں وہ بیمار ہیں۔اور زندگی میں یہ پہلا واقعہ ہوا ہے کہ خط میں ان کا ذکر آیا ہو۔اسی وقت میں سمجھ گیا کہ خدا تعالیٰ نے اس میں بھی ایک حکمت رکھی تھی کہ میں اس کو بھول جاؤں اور پھر خاص طور پر یاد کروایا جاؤں تا کہ میں یہ نہ سمجھوں کہ کوئی عام خواب ہے ورنہ ایسا انسان بعض دفعہ تاثر لے لیتا ہے کہ ایک عام خواب ہے۔اتفاق سے خواب میں انسان اپنے کسی رشتے دار کو دیکھ بھی لیتا ہے۔دراصل اس میں دو پیغام تھے جس کا اس خوشخبری سے تعلق ہے جو پاکستان میں ایک دوست کو خواب کے ذریعہ دی گئی تھی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لئے اَلَیْسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبْدَہٗ کو روشن حروف میں دکھایا جا رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ پیشگوئی تھی جس کا بائیبل میں ذکر ہے کہ کنواریاں اس کا انتظار کریں گی اور مسیح کے متعلق اس کی صفات میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ برص زدہ کو اچھا کرے گا تو اللہ

تعالیٰ نے اس رؤیا میں دو خوشخبریاں عطا فرمائیں ایک یہ کہ مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جن کنواریوں کو برکت بخشنے کی خوشخبری دی گئی ہے اس سفر میں انشاء اللہ ایسی کنواری قوموں سے ہمارا واسطہ پڑے گا۔ اور پھر برص دکھائی گئی جو مسیح سے تعلق رکھتی ہے کہ مسیح جس بیماری کو شفاء بخشے گا اس میں سے ایک برص ہے۔ تو خدا تعالیٰ نے ان دونوں کو اکٹھا کر دیا ایک خاتون میں جو کنواری بھی ہیں اور جن کو برص بھی ہے اور ذاتی طور پر ان کے اندر نیکی پائی جاتی ہے۔ تو یہ بھی خوشخبری تھی کہ یہ بیماری سطحی ہے گہری نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کاموں میں سے جو یہ اہم کام ہے کہ قوموں کو (دین حق) سے روشناس کرائے گا اس کا وقت آپہنچا ہے۔ چنانچہ اس رؤیا کے بعد جب فجی قوم سے ہمارا تعارف ہوا تو معلوم یہ ہوا کہ فجی قوم بھی ان قوموں میں سے ایک قوم ہے جس کو خدا تعالیٰ نے بطور کنواری اور بیمار دکھایا۔ صورت یہ ہے کہ جب میں نے جائزہ لیا تو یہ دیکھ کر تعجب ہوا کہ فجینز (Fijians) میں مسیحیت تو پھیلی ہے لیکن (دین حق) نہیں پھیلا اور (دین حق) کے نقطہ نگاہ سے فجی قوم بالکل کنواری بیٹھی ہوئی ہے۔ حیرت کی بات ہے کہ ایک لمبے عرصے سے مسلمان بھی وہاں آباد ہیں اور عیسائی بھی آباد ہیں لیکن عیسائیوں کو تو توفیق ملی کہ وہ فجی قوم کو اپنے مذہب میں داخل کریں چنانچہ عیسائیت کی طرف سے بڑے وسیع پیمانے پر ان میں کام کیا گیا ہے لیکن بڑے دکھ کا موقع ہے اور بڑی تکلیف کا مقام ہے کہ عیسائیوں کی اس کوشش کو دیکھنے کے بعد بھی مسلمانوں کے دل میں یہ گدگدی نہیں اٹھی۔

ان کو یہ خیال نہیں آیا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا جاں بخش پیغام ان کو پہنچائیں کیونکہ اب مسیحیت میں زندہ کرنے کی کوئی طاقت باقی نہیں رہی۔ اب زندگی بخش ساری قوتیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا کر دی گئی ہیں اسی لئے قرآن کریم فرماتا ہے اِسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ (الانفال آیت ۲۵) آج ایک ہی آواز ہے جو تمہیں زندہ کرنے کے لئے اپنی طرف بلا رہی ہے اور وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز ہے۔ پس مجھے بڑا دکھ پہنچا یہ دیکھ کر کہ جہاں زندگی کا چشمہ تھا اس وقت تو بلانے والوں نے نہیں بلایا اور جہاں موت پھوٹ رہی تھی اور شرک بہہ رہا تھا۔ جہاں پانی کے اندر ایسا زہر ملا دیا گیا تھا کہ وہ پانی جو کسی زمانہ میں زندگی بخشتا تھا اب موت عطا کرنے والا پانی بن چکا تھا اس کی طرف لوگ بڑی کثرت کے ساتھ بلا رہے تھے اور نادان اس کی طرف جا بھی رہے تھے اور نقصان بھی اٹھا رہے تھے۔

غرض اس رؤیا نے مجھے متوجہ کر دیا کہ خاص طور پر فجی قوم میں (دعوۃ الی اللہ) کیلئے کوشش کی جائے اور

باقاعدی منصوبہ بنایا جائے اور اللہ تعالیٰ نے بڑا فضل کیا کہ اس کے بعد جب ہم نے مختلف زاویوں سے حالات کا جائزہ لیا، فجی قوم کا گہری نظر کے ساتھ مطالعہ کیا اور بعض فجینز (Fijians) سے ملاقاتیں کیں تو معلوم ہوا کہ یہ قوم اللہ کے فضل سے قبول (دین حق) کے لئے بالکل تیار بیٹھی ہے پس معمولی سی کوشش کی ضرورت ہے۔ شفاء بخشنے والا تو اللہ ہے، انسان تو کسی مبروص کو شفا نہیں دے سکتا۔ دم مسیح تو خواہ مخواہ مشہور ہے اصل تو میرے اللہ کی برکت تھی جس دم میں بھی آجائے وہ دم مسیح بن جایا کرتا ہے اس لئے ہم کمزوروں کے ہاتھوں اگر خدا نے یہ شفا مقدر فرمائی ہے تو یہ اس کا احسان ہے اور مجھے یقین ہے کہ ضرور شفا عطا فرمائے گا کیونکہ یہ رؤیا اس کے بغیر دکھائی نہیں جا سکتی تھی۔

چنانچہ اس واقعہ کے دوسرے یا تیسرے دن ہم ایک ایسے جزیرے میں بھی پہنچے جس کا نام Vanualevu (وینوالیوہ) ہے لیکن اس کے صدر مقام کا نام لمبا سا ہے وہاں بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شیدائی کافی تعداد میں موجود ہیں وہاں جب ان سے ملاقاتیں ہوئی تو انہوں نے شام کو ایک پروگرام رکھا ہوا تھا جس میں بعض فجینز (Fijians) جو اس علاقہ کے معززین شمار ہوتے تھے ان کو بھی مدعو کیا ہوا تھا اور پروگرام تو یہ تھا کہ صرف سرسری ملاقات ہوگی، چند باتیں ہوں گی، ایک دوسرے کا حال احوال پوچھنے کے بعد پھر ہمارا جماعت کا پروگرام شروع ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے وہاں بھی غیر معمولی طور پر خود ہی یہ انتظام فرما دیا کہ (دینی) گفتگو چل پڑی۔ ایک ہندو دوست بھی آئے ہوئے تھے انہوں نے ایک سوال چھیڑ دیا۔ پھر سوال کے بعد ایک اور سوال، پھر اور سوال۔ اس طرح وہاں اچھی خاصی لمبی مجلس لگ گئی اور جو فجین (Fijian) دوست تھے وہ عیسائی تھے۔ اکثر تعلیم یافتہ فجین وہاں عیسائی ہیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے بعد انہوں نے گہری دلچسپی لینی شروع کر دی اور یہ دیکھ کر مجھے تعجب ہوا کہ باوجود اس کے کہ ایک چھوٹی سی مجلس لگی ہے ایک دم تو انسان کے خیالات نہیں بدلا کرتے لیکن ان میں مَیں نے یہ حوصلہ بھی دیکھا، یہ ذہانت دیکھی، یہ دل کی سچائی دیکھی کہ جب بات میں ان کو سمجھاتا تھا تو وہ تسلیم کرتے تھے۔ ساتھ کہتے تھے ہاں یہ ٹھیک ہے اور جتنے مسائل بھی ہوئے ہیں ایک کے متعلق بھی اختلاف پیدا نہیں ہوا یہاں تک کہ جو ہندو دوست شامل تھے انہوں نے بھی تائید شروع کر دی۔ اور بعد میں انہوں نے کہا کہ آج جو مجلس لگی ہے اس کی ساری باتوں سے ہمیں اتفاق ہے چنانچہ یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور اس نے اس رؤیا میں جو خوشخبری دی تھی ساتھ ہی اس کو پورا ہوتے دیکھنے کی بھی توفیق عطا فرمائی اور یہ سمجھا دیا کہ ان کی بیماریاں صرف سطحی ہیں اگر ذرا بھی توجہ دی جائے گی تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ لوگ شفا پا جائیں گے۔

بغیر تیاری کے کس طرح خدمت دین ہوگی

علاوہ ازیں اور بھی کئی جگہ فجین (Fijian) سے رابطہ پیدا ہوا ہم نے ہر موقع پر ان کو اچھا دیا۔ جلدی متاثر ہوتے ہوئے دیکھا۔ چنانچہ ایک فجین احمدی وہاں تشریف لائے ہوئے تھے ہمارے ساتھ ایک دن سیر پر بھی گئے۔ ان کو نہ پوری طرح انگریزی آتی نہ اردو آتی تھی۔ وہاں تو زبان یا اردو چلتی تھی یا انگریزی چلتی تھی لیکن اس کے باوجود بڑے ہی انہماک سے صبح سے رات تک مجلسوں میں بیٹھے رہتے تھے۔ سیر پر گئے تو وہ بھی ساتھ تھے۔ میں نے ان سے چند باتیں کیں۔ مقامی دوستوں نے ہمیں ایک دوسرے کو اپنا مفہوم سمجھانے میں کچھ مدد دی۔ انہوں نے بتایا کہ ہمارے گاؤں میں ابھی تھوڑا عرصہ ہوا ہے احمدیت گئی ہے اور چھ احمدی ہو چکے ہیں اور اگر آپ آدمی بھیجیں دوبارہ، تو مجھے یقین ہے کہ تھوڑی دیر میں سارا گاؤں احمدی ہو جائے گا۔ اللہ کے فضل سے۔ چنانچہ جب میں نے جائزہ لیا کہ اب کس طرح دیہات میں (دعوۃ الی اللہ) کی جائے تو یہ کمزوری سامنے آئی کہ اکثر احمدی وہاں فجین (Fijian) زبان نہیں جانتے۔ یعنی ساری زندگی وہاں بسر ہوتی ہے، بچپن وہاں گزرتا ہے، جوانی وہاں آتی ہے، بڑھاپے تک بھی پہنچتے ہیں اور کئی نسلوں سے یہ ہو رہا ہے لیکن فجین کی کاویتی زبان کی طرف توجہ نہیں کی۔ پہلے جب کہ انگریزی حکومت تھی اور عیسائی پادری آیا کرتے تھے انہوں نے ان کے کلچر کا مطالعہ کیا، ان کی مختلف عادات، ان کے رہن سہن اور ان کے خیالات پر بڑی بڑی کتابیں لکھیں اور بڑی گہری تحقیق کی اور پھر ان کی زبانیں سیکھیں تب جا کر انہوں نے کام کیا ہے تو اب میں نے احمدی نوجوانوں کو خصوصیت سے متوجہ کیا ہے کہ آپ نے خدمت کے عہد کر رکھے ہیں اور اب میں آپ کے چہروں پر بڑا بھاری عزم بھی دیکھ رہا ہوں مجھے نظر آ رہا ہے کہ آپ جو کہتے ہیں سچ کہہ رہے ہیں۔ آپ کی خواہش ہے کہ (دین حق) کی خدمت کریں تو اس خدمت کی تیاری کی بھی تو کوشش کریں۔ بغیر تیاری کے کس طرح خدمت ہو جائے گی۔ اس لئے آپ اپنے بچوں کو شروع سے ہی اس نیت کے ساتھ فجی سکولوں میں داخل کرنا شروع کریں کہ وہ فجی زبان سیکھیں اور اس زبان کو صرف سیکھیں ہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ تعلقات استوار کریں۔ بچپن سے ان کے خاندانوں میں داخل ہوں، ان سے میل جول رکھیں، ان کے دیہات میں پھر جانا شروع کریں۔ جو بڑے ہیں وہ بھی سیکھنا شروع کریں۔ چنانچہ اس کا انتظام کیا گیا ہے۔ وہاں ہمارے ایک سے زائد مشن ہاؤسز ہیں۔ (بیوت الذکر) اور مشن کی عمارتیں ہیں وہاں با قاعدہ کلاس لگا کرے گی خدام کے لئے، بڑوں کے لئے اور جہاں تک ممکن ہو عورتیں بھی سیکھیں گی

اور بچوں کو فجی سکولوں میں داخل کیا جائے گا۔ اور یہ بھی پتہ لگا کہ ایک احمدی بچی ہے جو اتفاق سے فجی سکول میں داخل کی گئی، اصل میں اس کے والد بڑے مخلص اور فدائی احمدی ہیں اور (دعوۃ الی اللہ) کا بڑا جوش ہے چنانچہ ان کو یہ خیال آیا کہ میں اپنی بچی کو فجین پڑھاؤں تا کہ فجی قوم کے ساتھ رابطہ بھی قائم ہو جائے اور پھر (دعوۃ الی اللہ) کے کام میں، ترجموں کے کاموں میں آسانی پیدا ہو جائے، قرآن کریم کی خدمت میں اس بچی کا علم کام آئے، تو اس بچی کو اللہ تعالیٰ نے یہ توفیق دی کہ اپنے سکول میں فجی زبان میں اوّل آئی حالانکہ باقی سب فجین (Fijian) بچے تھے۔ تو اس سے مجھے امید اور بھی بڑھ گئی کہ اللہ تعالیٰ نے احمدی دماغ کو چمک عطا فرمائی ہوئی ہے غیر معمولی ذہانت بخشی ہوئی ہے۔ احمدی تھوڑی سی کوشش کریں گے تو اللہ کے فضل کے ساتھ بڑی جلدی اس زبان میں مہارت حاصل کر لیں گے۔ اس کا اب مکمل انتظام کیا جا چکا ہے اور وہاں جماعت نے وعدہ کیا ہے کہ نہ صرف ہم اپنے بچوں کو کاویتی سکولوں میں داخل کرائیں گے بلکہ بڑے بھی سیکھیں گے اور اس کے علاوہ تعلقات کے دائرے بھی بڑھائیں گے بلکہ ان سب امور میں براہ راست آپ کو رپورٹ کریں گے کیونکہ آخر میں مَیں نے ان کو یہ تاکید کی تھی کہ ان باتوں میں صرف مجھے دفتری رپورٹ بھیج کر آپ تسلی نہ پایا کریں مجھے آپ کی براہ راست رپورٹ چاہیے کہ آپ نے کتنے بچوں کو باقاعدہ فجی سکولوں میں داخل کرادیا ہے، کتنی جگہ کلاسیں شروع ہوگئی ہیں، کتنے بڑے باقاعدہ زبان سیکھ رہے ہیں۔

یہ عظیم لوگ ہیں جن کی وجہ سے سوسائٹی زندہ ہے

اس کے علاوہ وہاں ایک بات مَیں نے محسوس کی جو بہت خوشکن تھی کہ تعداد کے لحاظ سے تو جماعت بہت تھوڑی ہے لیکن اثر کے لحاظ سے غیر معمولی اثر رکھتی ہے۔ یہاں تک کہ ہندو اور سکھ لیڈر جو ہماری مجالس میں آئے انہوں نے بڑے کھلے لفظوں میں جماعت کی تعریف کی اور کہا کہ یہ عظیم الشان لوگ ہیں۔ یہ اس زمانے کے قابل احترام وجود ہیں جن کی وجہ سے سوسائٹی زندہ ہے، ان کا ماحول پر نیک اثر ہے۔ ایسے لوگوں سے جو دوسرے مذاہب سے تعلق رکھتے ہوں اس قسم کی کھلے لفظوں میں تعریف کا سننا یہ ایک حوصلہ بڑھانے والی بات تھی اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مجھے بہت ہی اطمینان نصیب ہوا ہے کہ جماعت کے اندر پھیلنے کا اور اثر قائم کرنے کا مادہ موجود ہے۔ پھر وہاں بعض ایسے اساتذہ ہیں جن کے ہاتھوں سے کئی نسلیں تعلیم

حاصل کرتی ہوئی نکلی ہیں۔احمدی اساتذہ کی نیکی اور بچوں سے شفقت اور پیار اور سچی ہمدردی کا بڑا گہرا اثر پایا جاتا ہے وہاں کی سوسائٹی میں۔چاروں طرف ان کے شاگرد پھیلے پڑے ہیں اور بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہیں۔وہ اپنے اساتذہ کا بہت احترام کرتے ہیں۔پس فجی کی جماعت میں اللہ کے فضل کے ساتھ کام کرنے کی بڑی صلاحیت موجود ہے اور وہ فیصلہ بھی کر چکے ہیں کہ وہ کام کریں گے۔میں نے ان کو دعاؤں کی طرف بھی توجہ دلائی ہے اور بتایا ہے کہ میں بھی انشاءاللہ تعالیٰ دعاؤں میں یاد رکھوں گا چنانچہ مجھے جہاں تک توفیق ملتی ہے میں ان کو باقاعدہ دعاؤں میں یاد رکھتا ہوں۔لیکن آپ کو بھی میں یہ کہتا ہوں کہ آپ بھی ان کے لئے بکثرت دعائیں کریں۔اللہ تعالیٰ ان کی توقعات سے بڑھ کر پھل عطا فرمائے ان کی عقلیں حیران رہ جائیں کہ اس طرح خدا تعالیٰ فضلوں کی بارش برسایا کرتا ہے۔

خدا کے فضل بارش کی طرح نازل ہونے والے ہیں

حقیقت یہ ہے کہ فجی کوئی بڑی جگہ نہیں ہے چند دنوں کا قصہ ہے۔بس ایک قدم،اور ایک چھلانگ،اور ایک جھپٹا مارنے کی دیر ہے سارا فجی اللہ تعالیٰ کے فضل سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں پڑا ہوگا اس لئے مَیں بڑا پُر اُمید ہو کر لوٹا ہوں اور اپنے رب سے بہت ہی توقعات وابستہ کر کے آیا ہوں لیکن میں جانتا ہوں۔میں کیا اور میری توقعات کیا۔میرے خدا کے فضل لا انتہا ہیں اور اس کی عطا کرنے کی قوتیں لامحدود ہیں۔جب وہ فضل کرنے پر آئے گا،جب وہ رحم فرمائے گا تو میری توقعات اس کے مقابل پر اس طرح لگیں گی جیسے کیڑی کا گھروندا ہو اور کوہ ہمالہ کے دامن میں پڑا ہوا ہو۔کوئی بھی اس کی حیثیت نظر نہیں آئے گی۔پس آپ بھی دعائیں کریں اور میں بھی دعائیں کروں گا ساری جماعت اللہ تعالیٰ کے فضلوں کا انتظار کرے کیونکہ میں دیکھ چکا ہوں،مجھے نظر آ رہا ہے کہ خدا کے فضل بارش کی طرح نازل ہونے والے ہیں اور ساری دنیا میں انشاءاللہ تعالیٰ (دین حق) کے پھیلنے کے دن قریب آ گئے ہیں''۔

(ماہنامہ خالد ربوہ جنوری 1984ء صفحہ 25 تا 34)

مجلس اطفال الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے خطاب

فرمودہ 22 اکتوبر 1983ء

☆ بچوں کے اخلاق بگاڑنے کے ذرائع سے بچنا ضروری ہے
☆ مغربی ممالک کی ان آزاد سوسائٹیوں کے ظلم کے نتیجہ میں وہ نفسیاتی مریض بن کر بڑے ہوتے ہیں
☆ بچوں کے خیالات پر بُرے اثرات نہ پڑنے دیں
☆ احمدی بچے خدا تعالیٰ سے تعلق جوڑیں
☆ بچّو! یاد رکھو سچ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے کردار کو بناتی ہے
☆ ٹوپی پہننا قومی شعار ہے
☆ خدام الاحمدیہ و اطفال الاحمدیہ کے شعبے کو چاہیے کہ وہ سارا سال اطفال کو تحریک کرتے رہیں کہ وہ ٹوپی پہنیں
☆ نظم خوانی کے پروگرام بنائے جائیں
☆ آئندہ نسلوں کی عظیم ذمہ داری آپ پر ہے

⚜

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

بچوں کے اخلاق بگاڑنے کے ذرائع

''دُنیا میں شیطان نے اپنے دام میں انسان کو پھنسانے کے لئے مختلف قسم کے جو جال پھیلائے ہیں وہ زندگی کے ہر شعبہ پر پھیلائے جا رہے ہیں۔ ان سے صرف بڑے لوگ ہی متاثر نہیں ہوتے بلکہ چھوٹوں کو بھی متاثر کیا جا رہا ہے۔ چنانچہ اب ریڈیو کے، ٹیلیویژن کے ذریعہ اور اسی قسم کے نئے مواصلات کے ذریعہ اور کیسٹ اور وڈیو کیسٹ ریکارڈنگ کے ذریعہ بچوں کے مزاج کو بگاڑا جا رہا ہے اور انہیں نت نئی گندگیوں کی طرف مائل کیا جاتا ہے۔ تاکہ جب وہ بڑے ہوں تو خدا کے نہ رہیں اور بلوغت تک پہنچتے پہنچتے اُن کے رُجحانات ہی بالکل بدل جائیں۔

بچو! تم اس جگہ بیٹھے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ دنیا میں شیطان نے کس طرح انسانی فطرت کو بگاڑنے کی زبردست مہم شروع کر رکھی ہے اور کتنی مخرب اخلاق چیزیں ہیں جن میں بچوں کو بھی رفتہ رفتہ ملوث کیا جا رہا ہے۔ اُن میں سے ایک چیز ہے جس کو pornography (پورنوگرافی) کہتے ہیں۔ اس سے امریکہ اور دوسرے ترقی یافتہ ممالک اتنے زیادہ متاثر ہو چکے ہیں کہ اب وہ اس کے چنگل سے آزاد ہونا بھی چاہیں تو نہیں ہو سکتے اور یہ نہایت ہی مکروہ خیال ہے اور ایسا بھیانک تصور ہے جو معصوم زندگیوں کو وسیع پیمانے پر تباہ و برباد کر رہا ہے۔ اس کے ذریعہ معصوم بچوں کو ایسی گندگی میں مبتلا کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے جس کا بیچارے تصور بھی نہیں کر سکتے۔ ابھی وہ بالغ ہوئے نہیں ہوتے لیکن بچپن ہی سے اُن کو گندگیوں میں ملوث کیا جا رہا ہے۔ ننگی تصویریں کھینچ کر بھی اور دوسرے ذرائع سے بھی۔ یہاں تک کہ اب امریکہ میں بچوں کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو انسانی جذبات سے کلیۃً محروم ہو گئی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ مغربی ممالک کی ان آزاد سوسائٹیوں میں بچوں پر اتنا ظلم کیا جانے لگا ہے کہ اس کے نتیجہ میں وہ نفسیاتی مریض بن کر بڑے ہوتے ہیں اور ایک نہیں، دو نہیں بلکہ ایسے بچے لکھو کھہا کی تعداد میں ہیں جن کی زندگی سے انہوں نے ساری لذتیں چھین لی ہیں اور وہ بڑے ہو کر یا پاگل خانوں میں پہنچ جاتے ہیں یا ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جس میں لذت یابی کی خاصیت ہی باقی نہیں رہتی۔

گندی تحریکات اور ان کا انسداد

ان سارے امور پر نظر کرتے ہوئے میرے ذہن میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ان گندی اور غلط تحریکات کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمارے بڑوں کی تقریروں اور اُن کا تصنیف کردہ لٹریچر کافی نہیں ہے۔ بلکہ ہمیں ایک مقابل کی تحریک چلانی چاہیے جو بچوں کی طرف سے جاری ہو اور ہمارے بچوں میں ان چیزوں کا مقابلہ کرنے کی اہلیت پیدا کی جائے اور اس کے لئے اگر چہ بڑے پروگرام بنائیں اور مضامین لکھ کر بچوں کی مدد کریں لیکن اس میں زیادہ تر ہمارے بچے حصہ لیں۔ مثلاً جب ہم بچوں کو نماز پڑھانے کا طریق بتاتے ہیں یا بچوں کو اللہ تعالیٰ کی محبت اور پیار کے قصے سناتے ہیں یا بچوں کو بتاتے ہیں کہ اس طرح پُرانے زمانوں میں یا اس زمانہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دور میں کس طرح بچے چھوٹی عمر میں ہی خدا والے بن گئے تھے۔ تو یہ وہ باتیں ہیں جن کو بجائے اس کے کہ کوئی بڑا ان کو سُنائے بچوں کے پروگرام بنائے جائیں اور ان کی وڈیو ریکارڈنگ کی جائے اور پھر ان کو مختلف زبانوں میں ڈھال کر انگریز بچے انگریزی میں اور جرمن بچے جرمن میں اور چینی بچے چینی میں اور انڈونیشین بچے انڈونیشین میں اپنی اپنی قوم کے بچوں کو سنبھالنے کا انتظام کریں اور وہ ان کو نمازیں پڑھنے کے طریق سکھائیں۔ نماز کے آداب بتائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام کے متعلق بچوں کو آگاہ کریں تا کہ اگلی نسل کی پوری پوری تربیت ہو اور ہمارے احمدی بچے ساری دنیا کی رہنمائی کرنے لگیں۔

پاکستانی بچوں کی منفرد حیثیت

اس سلسلہ میں سب سے پہلی ذمہ داری پاکستان کے بچوں پر عائد ہوتی ہے۔ کیونکہ پاکستان میں سلسلہ کا مرکز قائم ہے اور روحانی طور پر فائدہ اُٹھانے کا جتنا موقع یہاں کے بچوں کو حاصل ہے اُتنا باہر کے بچوں کو تو میسر نہیں آسکتا۔ اس لیے مجلس خدام الاحمدیہ کے شعبہ اطفال کے تحت اب ایسے پروگرام بننے

چاہئیں کہ جن کے نتیجہ میں ساری دنیا میں نئی قسم کی دلچسپیوں کے پروگرام اور طریقے رائج کئے جائیں کیسٹس (Cassettes) سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ بچوں کی معلوماتی فلموں سے بھی فائدہ اُٹھایا جائے اور وڈیو ریکارڈنگ سے بھی فائدہ اٹھایا جائے۔

بچوں کے خیالات پر بُرے اثرات

بے چارے بچوں کو اس قدر پاگل بنایا جا رہا ہے کہ اب ان کے تصورات ہی بگڑ گئے ہیں۔ انسانی زندگی کے احساسات وغیرہ جن کا میں نے پہلے ذکر کیا تھا ان کے علاوہ میں آپ کو ایک بات بتانا چاہتا ہوں یعنی وہ تو محض گندگی ہے جس کو pornography (پورنوگرافی) کہتے ہیں۔ بچوں کے عام خیالات بھی بگاڑے جارہے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی اور ادنی ادنی چیزوں کی طرف بچوں کے میلان بڑھائے جارہے ہیں۔ مثلاً بے ہودہ حرکتیں، خوشی کے لغو اظہار جن میں کوئی حکمت نہیں ہوتی، کوئی معنی نہیں ہوتے۔ ٹیلی ویژن کے اشتہارات بھی بچوں میں نئے نئے خیالات پیدا کرتے چلے جا رہے ہیں۔ یہاں تک کہ بچوں کا out look (آؤٹ لک) یعنی زندگی کا نظریہ ہی بدل گیا ہے۔ ان کے خیالات مسموم ہو چکے ہیں۔ ان کو پتہ نہیں سچی خوشی کس کو کہتے ہیں؟ بنی نوع انسان کے ساتھ تعلق میں اور غریب لوگوں کی خدمت میں کیا لذت محسوس ہوتی ہے۔ ان چیزوں سے وہ بالکل ناواقف ہو چکے ہیں۔

زندگی کو بچوں کا کھلونا بنادیا گیا ہے

اب تو یہ حال ہے کہ بچے کوئی اچھا چاکلیٹ دیکھیں، کوئی اچھی آئس کریم دیکھیں تو ان کو یہ پتہ ہے کہ کس طرح اچھلنا ہے، کس طرح شور مچانا ہے اور کس طرح مُنہ سے رالیں ٹپکانی ہیں اور ان کے اشتہار بھی ان کو یہی تربیت دے رہے ہیں۔ پاگلوں والی حرکتیں کر رہے ہیں اور ایسے ایسے لغو قصے ان کو بتائے جا رہے ہیں کہ جن سے بچوں کے ذہن اور تصور کی دنیا ہی بگڑ رہی ہے۔ مثلاً اب ان کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ کس طرح دوسری دنیا کے راکٹ آ رہے ہیں اور ان کے ساتھ لڑائیاں ہو رہی ہیں اور بچے ان کو فتح کر رہے ہیں اور اسی طرح ایسے کھلونے ان کے لیے بنا دیئے گئے ہیں، ایسی کھیلیں ایجاد کر دی گئی ہیں جن کے ذریعہ بچے منٹوں کے اندر آسمان سے گلیکسیز کو ختم کرتے اور ستاروں کو زمین پر مار گراتے ہیں۔ ستاروں کی مخلوق تباہ کر دیتے ہیں اور اپنی طرف سے گویا ان کا دماغ بہت بلند کیا جا رہا ہوتا ہے کہ دیکھو ہم کتنے بلند اور طاقتور ہیں۔ چنانچہ

ایک امریکن نے ایک رسالہ میں اس کا ذکر کیا ہے۔ میں نے خود پڑھا ہے۔ اس نے لکھا۔ میرا وہ چھوٹا سا بچہ جو بیٹھا ہوا ستاروں کے ستاروں کو تباہ کر رہا ہو بلکہ ستاروں کے جھرمٹ کو کھیلوں کے ذریعہ ہلاک کر رہا ہو اور بڑی بڑی آسمانی مخلوقات پر غلبہ پا رہا ہو اس بچے کو میں کیسے بتاؤں کہ ذرا اپنا ناک تو صاف کرو۔ یعنی ناک سے گندگی بہہ رہی ہے اور کھیلیں یہ کھیل رہا ہے کہ وہ ساری دنیا کے بڑے بڑے ستاروں پر غلبہ پا رہا ہے۔

یہ محض جہالت کے قصے ہیں اور رجحانات کو تباہ کرنے والی باتیں ہیں۔ یہ صرف کھیلیں ہیں جو چیزیں بیچنے والوں نے ایجاد کی ہیں تا کہ بچے ان میں زیادہ سے زیادہ دلچسپی لیں۔ سوائے مادی مقصد کے ان کا اور کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ ان کو کوئی پرواہ نہیں کہ قوم کے بچوں کی تربیت ہو رہی ہے کہ نہیں ہو رہی۔ ان میں اعلیٰ اخلاق پیدا ہو رہے ہیں کہ نہیں ہو رہے صرف اقتصادی دنیا ہے جس میں دولت کے حصول کے لیے ہر کوشش جائز ہو چکی ہے۔ اسی میں بچوں سے بھی کھیلا جا رہا ہے۔ اسی میں جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا۔ ایسے رسالے نکل رہے ہیں جو دنیا کو زیادہ گندگی کی طرف مائل کرتے چلے جا رہے ہیں اور بچوں کو بھی آلہ کار بنایا جا رہا ہے۔

احمدی بچے خدا سے تعلق جوڑیں

پس ان چیزوں کے مقابل پر احمدی بچوں کو جنگ لڑنے کے لیے تیار ہونا چاہیے۔ اس کے لئے نئے آلات کے ذریعہ ایسی اعلیٰ تصویریں بنائی جائیں اور ایسے اچھے کردار پیش کئے جائیں کہ ان کو دیکھ کر احمدی بچے بھی سنبھلیں۔ ان کو بھی پتہ لگے کہ ہمارا رستہ اور ہے اور غیر بھی دیکھیں تو ان کو بھی محسوس ہو کہ احمدی بچے کے کیا افکار ہیں۔ اس کی کیا بلند پروازیاں ہیں۔ وہ محض تصور میں آسمان کے ستاروں کو سر نہیں کر رہا بلکہ ان ستاروں کے خدا سے تعلق جوڑنے کی سوچ اور فکر کر رہا ہے۔ وہ مخلوق کو فتح کرنے کے ہوائی منصوبے نہیں بنا رہا بلکہ خالق کی نظر میں محبوب اور مقرب بننے کی کوششیں کر رہا ہے۔ احمدی بچے کا یہ کتنا بلند تر مقام ہے دنیا کے اس بچے کے مقابل پر جس نے محض مادی تسخیر کو اپنی زندگی کا مدعا بنا لیا ہے۔

نظم خوانی کے پروگرام بنائے جائیں

صرف یہی نہیں بلکہ احمدی بچوں کو مغربی تہذیب کی اچھی باتوں، دلچسپ چیزوں اور سائنسی علوم سے آشنا کرنے کے لئے کوئی مناسب اور دلچسپ انتظام بھی ہمیں بہر حال کرنا چاہیے۔ مثلاً ایسی وڈیو ریکارڈنگ

اور ایسی تصویریں جن میں سائنس کی ترقیات زندگی کے واقعات اور جانوروں کے حالات اور اس قسم کی دوسری چیزیں دکھائی جائیں جن کو دیکھ کر بچے لطف بھی اٹھاتے ہیں اور ان کا علم بھی بڑھتا ہے۔اس قسم کی چیزوں کو رواج دینا چاہیے۔ٹیلیویژن کے بے ہودہ کھیلوں اور گانوں کی بجائے ایسی وڈیو ریکارڈنگ تیار ہونی چاہیے جس میں بچہ نہایت ہی سریلی آواز سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام سنا رہا ہو یا اور نظمیں پڑھ رہا ہو۔اسی طرح تلاوت بھی بچوں کی نہایت ہی سریلی آواز میں سنائی جائے اور سکھائی جائے۔ اس قسم کے بہت سے پروگراموں کی ہمارے پاس گنجائش موجود ہے۔باہر سے بھی مطالبے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ میں جن ملکوں میں بھی گیا ہوں وہاں کی ہر جماعت کی طرف سے یہ مطالبہ بڑی شدت کے ساتھ کیا جاتا رہا ہے کہ بچوں کو گندے ماحول سے بچانے کا انتظام کیا جائے۔وہ کہتے ہیں ہم اپنے بچوں کو ایسے سکولوں میں بھیجنے پر مجبور ہیں جہاں وہ مغربی تہذیب کی برائیوں سے متاثر ہوتے ہیں۔ایسے اثرات کو مٹانے کے لئے جماعت ہماری مدد کرے۔ورنہ اگر ان باتوں میں زیادہ دیر گزر گئی تو ہوسکتا ہے ہمارے بچے ہاتھ سے نکل جائیں۔ان کے رجحانات بدل جائیں۔

لیکن میں نے دیکھا ہے کہ احمدی بچوں میں ابھی سعادت اور نیکی کا مادہ موجود ہے۔اس عمر میں ان کو سنبھالا جائے تو جلدی سنبھل سکتے ہیں۔ چنانچہ جہاں کہیں مجھے جانے کا موقع ملا میں نے دیکھا کہ جب ہم شروع میں جاتے تھے تو اُس ماحول کے پیدا ہوئے ہوئے بچوں کی آنکھوں میں عجیب اجنبیت پائی جاتی تھی۔بچوں کی طرز زندگی،اُن کا اُٹھنا بیٹھنا ہم سے بالکل مختلف ہوتا تھا۔وہ سمجھتے تھے پتہ نہیں کس دنیا کے لوگ یہاں آ گئے ہیں اور ہم سے کیا باتیں کریں گے۔جب اُن کے والدین کبھی پیار سے سمجھا کر اور کبھی تھوڑا سا ڈانٹ کر مجالس میں لے کر آتے تھے اور بٹھاتے تھے اور اُن کو باتیں سُناتے تھے۔پھر اُن کو کہتے تھے کہ تم اپنے سوال بھی کرو۔ چنانچہ بعض بچے اپنے چھوٹے چھوٹے مسائل کے متعلق سوال بھی کرتے رہے۔تو بلا استثنا ہم نے یہ دیکھا کہ تھوڑے عرصہ کے اندر اندر اُن بچوں کی یہ کیفیات بدل گئیں۔اُن کے اندر غیر معمولی محبت اور پیار کا جذبہ پیدا ہو گیا۔احمدیت کے ساتھ ایک گہرا تعلق قائم ہو گیا اور خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اُن کی نگاہوں کا اجنبی پن بالکل مٹ گیا۔یوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ اب باہر کی چیزیں نہیں بلکہ اندر کی چیزیں بن گئے ہیں۔وہ جماعت کے وجود کا ایک حصہ بنتے نظر آ رہے تھے۔

احمدی بچوں نے ساری دُنیا کے بوجھ اُٹھانے ہیں۔ پس اُن کا یہ مطالبہ تو درست ہے کہ ان کے بچوں کی تربیت کے لئے جماعت اُن کی مدد کرے۔لیکن یہ ممکن نہیں ہے کہ مرکز کی طرف سے ایسے دورے ہوں

کہ گویا ساری دُنیا میں مرکز کا کوئی نہ کوئی آدمی ہر وقت موجود رہے۔ مربیان ہیں۔ اُنکی تعداد بھی تھوڑی ہے اور وہ ہر جگہ ہر ملک میں نہ تو موجود ہیں۔ جہاں موجود بھی ہیں وہاں احمدیوں کی تعداد خدا تعالیٰ کے فضل سے اتنی زیادہ ہے کہ سب بچوں کی تربیت کر ہی نہیں سکتے۔ اس لئے صرف لٹریچر کے ذریعہ اس طرف توجہ نہیں کرنی چاہیے بلکہ نئے آلات کے ذریعہ ہمیں تربیت کے پروگرام بنانے پڑیں گے اور میں بچوں سے یہ کہتا ہوں کہ اب آپ نے بڑے ہوکر ساری دُنیا کے بوجھ اُٹھانے ہیں۔ اس لیے ابھی سے اپنی فکر کریں۔ اس عمر میں اگر آپ کی صحیح تربیت ہو جائے تو پھر ہمیشہ کے لئے آپ کو ضمانت مل جائے گی۔ آج جو اچھی عادتیں آپ اپنے اندر پیدا کرلیں گے وہ آپ کو ساری زندگی میں کام دیں گی۔ آج کا بچہ کل کا احمدی نوجوان بن رہا ہوگا۔ پرسوں کا احمدی بوڑھا بن رہا ہوگا۔ اس لئے آج ہی اپنے اخلاق کی طرف توجہ کریں اپنی عادات کی طرف توجہ کریں۔ اپنے حالات کی طرف توجہ کریں اور اُن کو درست کرنے کی کوشش کریں۔

سچ بولیں اور جھوٹ سے نفرت کریں

بچو! آپ سے ایک چھوٹا سا مطالبہ کیا جاتا ہے کہ آپ عہد کریں کہ ہمیشہ سچ بولیں گے اور گندی زبان استعمال نہیں کریں گے۔ لیکن دیکھنے والی بات یہ ہے کہ کتنے احمدی بچے ہیں جو اس عہد کو خاص طور پر پورا کر رہے ہیں۔ (اس موقع پر بہت سے اطفال نے ہاتھ اُٹھا لئے تو حضور نے فرمایا) ہاں ٹھیک ہے۔ میں نے ابھی ہاتھ اُٹھانے کے لیے نہیں کہا تھا خدا کرے یہ سارے بچے اپنے عہد کو پورا کر رہے ہوں۔ لیکن بعض دفعہ کوئی احمدی گالی دیتا ہے تو اس کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ میں گالی دے رہا ہوں۔ اس لئے اپنی طرف سے آپ نے سچائی سے بھی ہاتھ کھڑے کئے ہوں لیکن ابھی تک یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ یہ سارے بچے وہ ہیں جو بالکل گالی نہیں دیتے۔ جن کو گالی کی عادت پڑ گئی ہو ان کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ گالی دے رہے ہیں۔ قادیان میں ایک بزرگ ہوتے تھے جن کو لوگ ماٹا صاحب کہتے تھے۔ ماٹا صاحب مرحوم کے متعلق قصہ یہ مشہور ہے کہ ویسے تو وہ بڑے نیک آدمی تھے لیکن پیدائشی احمدی نہیں تھے۔ اُن کو بچپن سے گندی گالیاں دینے کی عادت پڑی ہوئی تھی۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاول نور اللہ مرقدہ کے پاس کسی نے شکایت کی کہ حضور آپ ان کو سمجھائیں۔ آپ اس سے بڑا پیار کرتے ہیں۔ گو یہ اچھے نوجوان ہیں (اُس زمانہ میں تو یہ نوجوان تھے) لیکن گندی گالیوں کی عادت ہے۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول نور اللہ مرقدہ نے اُن کو بلایا اور بڑے پیار سے سمجھایا کہ دیکھیں آپ بڑے اچھے آدمی ہیں، نیک ہیں، نمازی ہیں لیکن یہ جو آپ لوگوں کو

گندی گالیاں دیتے ہیں یہ ٹھیک نہیں۔ یہ بات آپ کو سجتی نہیں۔اس پر وہ نہایت گندی گالی دے کر کہنے لگے کہ کس جھوٹے نے حضور کو بتایا ہے۔ میں تو گالی دیتا ہی نہیں۔غرض بعض دفعہ پتہ بھی نہیں لگتا۔اس لئے یہ نظام سلسلہ کا کام ہے کہ وہ بچوں پر نظر رکھے اوران کو بتائے کہ تمہارے اندر یہ یہ بُرائیاں موجود ہیں۔تم ان کو دُور کرنے کی طرف توجہ دواوراپنی اصلاح کی فکر کرو۔

بچو! یادرکھو سچ ایک ایسی چیز ہے جو انسان کے کردار کو بناتی ہے۔مگر اب سچ غائب ہوتا چلا جارہا ہے۔ اب تو بڑوں کی سوسائٹی میں بھی یہ ایک ایسا جانور بن گیا ہے جس کو شاید کہیں کہیں آپ دیکھیں۔ورنہ عام طور پر یہ کہیں نظر ہی نہیں آتا اور بے چارے انسان کا عجیب حال ہے کہ دنیا کے جو عام جانور ہیں جب وہ کم ہونے شروع ہو جائیں تو اُس کو اُن کی فکر پڑ جاتی ہے اور کہتا ہے کہ ان کو بچانے کا انتظام کرو۔ چنانچہ آسٹریلیا میں ابھی لاکھوں کی تعداد میں کنگرو ہے۔لیکن ان کو فکر پڑی ہوئی ہے کہ یہ جانور نظروں سے غائب نہ ہو جائے۔یہ کم ہوتا چلا جارہا ہے۔اس کی حفاظت کا انتظام کیا جائے۔اسی طرح طوطوں کی حفاظت کا انتظام ہو رہا ہے۔ چیلوں کی حفاظت کا انتظام ہو رہا ہے۔گدھوں کی حفاظت کا انتظام ہو رہا ہے۔کوآلہ (Kuala) ایک جانور ہے۔اس کی حفاظت کا انتظام ہو رہا ہے۔

غرض ان قوموں کو تو یہ فکر ہے کہ جانور بھی نظروں سے غائب نہ ہو جائیں۔لیکن یہاں سچ غائب ہو رہا ہے اور کسی کو اس کی کوئی فکر نہیں۔ بلکہ کہتے ہیں سچ غائب ہو ہی جائے تو اچھا ہے۔ جہاں بھی ظاہر ہوتا ہے مصیبت ہی ڈالتا ہے۔مگر اے بچو! آپ نے اس کی حفاظت کرنی ہے۔آپ احمدی بچے ہیں۔آپ نے اس میدان کو جیتنا ہے۔اگر آپ نے سچ کی حفاظت نہ کی تو پھر آئندہ کبھی کوئی اس کی حفاظت کرنے والا نظر نہیں آئے گا۔ یہ سچ کی عادت ہے جو انسان کے کام آیا کرتی ہے۔اگر آج آپ کو خدانخواستہ جھوٹ کی عادت پڑ گئی تو پھر بڑے ہو کر آپ کوئی سچا نہیں بنا سکے گا۔اگر بنا سکے تو اس پر بہت محنت کرنی پڑے گی۔جھوٹ ایک ایسی گندی عادت ہے کہ وہ انسان کے اندر آہستہ آہستہ راسخ ہو جاتی ہے اور پھر جھوٹے کو بعض دفعہ پتہ بھی نہیں لگتا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے وہ جھوٹ بولتا چلا جاتا ہے۔کہانیاں بنائے جاتا ہے۔ یہ اس کی عادت بن جاتی ہے۔ چنانچہ ہمارے جھنگ کے ماحول میں ایسے لوگ بڑی کثرت سے ملتے ہیں جن کو جھوٹ بولنے کی عادت ہے۔اس ضلع میں بہت زیادہ کثرت کے ساتھ جھوٹ بولا جاتا ہے۔ جو لوگ جھوٹی باتیں کر رہے ہوتے ہیں اور نظر آرہا ہوتا ہے کہ جھوٹ بول رہے ہیں لیکن اُن کو پتہ ہی نہیں لگ رہا ہوتا۔ وہ بیٹھے بیٹھے جھوٹی کہانیاں بنائے جاتے ہیں۔

ترقی کا راز

پس اگر خدانخواستہ احمدی بچوں نے جھوٹ بھی بولنا شروع کر دیا تو پھر اس قوم کو سنبھالے گا کون؟ پھر تو یہ قوم ہمارے ہاتھ سے نکل گئی۔ کیونکہ یہ سچائی ہی ہے جو انسانی زندگی کے کام آتی ہے۔ سچائی سے ہی دنیا بنتی ہے اور سچائی سے ہی دین بنتا ہے۔ سچائی سے ہی مادی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اور سچائی ہی کے ساتھ رُوحانی ترقیات نصیب ہوتی ہیں۔ جھوٹ کے تو نہ یہاں قدم ٹکتے ہیں۔ نہ وہاں قدم ٹکتے ہیں اس لئے اے بچّو! آپ کی دُنیاوی ترقی کا راز بھی اس بات میں مضمر ہے کہ آپ سچے ہو جائیں۔ آپ کی دینی ترقی کا راز بھی اس بات میں ہے کہ آپ سچے احمدی بن جائیں اور سچ کو مضبوطی کے ساتھ اختیار کریں اور جھوٹی بات کو سننا بھی برداشت نہ کریں۔ اگر کوئی بچہ مذاق میں بھی جھوٹ بولتا ہے تو اُس کے جھوٹ پر بھی آپ بالکل نہ ہنسیں۔ بلکہ حیرت سے دیکھیں اور اُسے کہیں۔ یہ تم کیا بات کر رہے ہو۔ یہ مذاق کا قصہ نہیں ہے۔ مذاق کرنا ہے تو سچے مذاق کرو۔ ایک دوسرے کو لطیفے سناؤ اور اس قسم کی باتیں کرو جن سے حاضر جوابی کا مظاہرہ ہوتا ہو۔ جھوٹ بولنے سے مذاق کا کیا تعلق۔ یہ تو گندگی ہے۔ جہاں بھی جھوٹ دیکھیں وہاں اُس کو دبائیں اور اُس کی حوصلہ شکنی کریں۔ بلکہ اگر آپ کے ماں باپ میں یہ عادت ہے تو اُن کو بھی ادب سے کہیں کہ ابّا اُمّی آپ نے تو ہمیں سچائی سکھائی تھی۔ یہ آپ کیا کر رہے ہیں یا کیا کہہ رہے ہیں؟ احمدی والدین ہو کر جھوٹ بول رہے ہیں۔ یہ بات آپ کو سجتی نہیں۔ پس اگر سارے بچے سچ بولنے کی عادت ڈالیں گے تو وہ دیکھیں گے کہ اُن کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے کتنی نعمتیں اور کتنے فضل نصیب ہوتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں ہی کو ملتا ہے جو سچے ہوں۔ اگر آپ سچے بن جائیں گے تو اس بچپن کی عمر میں بھی آپ کو خدا مل جائے گا۔ اگر اس عمر میں جھوٹ بولنے کی عادت پڑ گئی تو بڑے ہو کر نہ خود خدا کے فضل حاصل کر سکو گے، نہ دُنیا کو خدا کی طرف بلا سکو گے۔ اس لئے میں سب بچوں کو بہت تاکید کرتا ہوں کہ ہمیشہ سچ بولیں اور سچائی کو بڑی مضبوطی کے ساتھ پکڑیں۔

ٹوپی پہننا قومی شعار ہے

بچو! اب آخر میں آپ سے ایک چھوٹی سی بات یہ کہتا ہوں کہ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے شاید میں نے گزشتہ سال بھی آپ سے یہ کہا تھا کہ مجالس میں ٹوپی پہنا کریں۔ احمدی مجالس میں ٹوپی پہن کر بیٹھنا چاہیے

لیکن اس وقت مجھے یہ نظر آ رہا ہے کہ اکثر بچے ننگے سر اس لئے بیٹھے ہیں کہ وہ گھر سے ٹوپی لے کر نہیں چلے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ٹوپی پہننے کی عادت اتنی مٹ گئی ہے کہ انہوں نے ٹوپی کو زادِراہ میں شامل ہی نہیں کیا۔ اب یہاں پہنچ کر شریف بچے اپنے سر کے گرد چادریں لپیٹ رہے ہیں۔ کوئی قمیص اونچی کر کے سر ڈھانک رہا ہے۔ کسی نے چادر سر پر رکھ لی ہے۔ کسی نے رومال لپیٹنا شروع کیا ہے۔ کسی نے مفلر باندھنا شروع کیا ہے۔ مگر بعضوں کے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ بے چارے کیا کریں اب وہ قمیص اتار کر سر پر تو نہیں پہن سکتے۔ گو تھوڑی بہت شرم و حیا دکھائی دیتی ہے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ ٹوپی پہننے کا تصور مٹتا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ بہت اہم چیز ہے اور بچوں کے کردار سنوارنے میں اِس کا بڑا دخل ہے۔ اِس لیے بچے اس کو معمولی چیز نہ سمجھیں۔ اگر سارے بچے ایک ہی قسم کی ٹوپیاں پہن کر یہاں بیٹھے ہوتے، اندازہ کریں یہ مجلس کتنی خوبصورت لگتی۔ اِس وقت میرے سامنے جو بچے بیٹھے ہوئے ہیں وہ ٹوپیاں پہن کر آئے ہیں۔ ان کو دیکھیں ماشاء اللہ کتنے اچھے لگ رہے ہیں۔ ان کے اندر ذمہ داری کا احساس نظر آ رہا ہے۔ یہ بے ٹوپیوں والوں کی نسبت زیادہ پیارے لگ رہے ہیں اور زیادہ اچھے دِکھائی دے رہے ہیں۔ اِس لئے میں ان بچوں سے جو ٹوپی نہیں پہنتے یہ کہتا ہوں کہ وہ دنیا کی تہذیب کو کیوں اپناتے ہیں۔ وہ احمدی بچے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ احمدیت نے دنیا کو ایک نئی تہذیب دینی ہے اور اس تہذیب میں یہ بات داخل ہے کہ ہم اپنے سر ڈھانک کر رکھیں۔ اس سے ذمہ داری کا بہت بڑا احساس پیدا ہوتا ہے۔

اطفال الاحمدیہ کا امتیازی نشان

پس اطفال الاحمدیہ کی مجالس میں آئندہ سے کوئی بچہ ننگے سر نظر نہیں آنا چاہیے۔ پس خدام الاحمدیہ یا اطفال الاحمدیہ کے شعبے کو چاہیے کہ وہ سارا سال اطفال کو تحریک کرتے رہیں کہ وہ ٹوپی پہنیں اور اگر ممکن ہو تو ایک ٹوپی سستی سی لیکن خوبصورت ڈیزائن کی مجلس خدام الاحمدیہ تیار کر کے اس کو عام رواج دے اور وہ اطفال الاحمدیہ کی ٹوپی ہو جس پر مثلاً کلمہ طیبہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ لکھا ہوا ہو۔ ٹوپی ہر احمدی بچّے کا نشان بن جائے گا۔ بہت پیاری سی ٹوپی پر کلمہ طیبہ کی خوبصورت سی لہر بن جائے۔ آج کل بچوں میں جو کپڑے رائج کئے جاتے ہیں اُن پر عجیب اُوٹ پٹانگ فقرے لکھے ہوئے ہوتے ہیں اور ایسی زبانوں میں لکھے ہوئے ہوتے ہیں جن کا بچوں کو کچھ پتہ ہی نہیں لگتا۔ بچے آنکھیں بند کر کے ان فیشنوں کے پیچھے چلتے رہتے ہیں۔ پس اپنے بچوں کو کوئی بہتر فیشن دینا پڑے گا تا کہ وہ بھی کوئی چیز دنیا کے سامنے پیش کریں ان

میں سے ایک یہ ٹوپی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ ٹوپی کے اُوپر ضرور کچھ نہ کچھ لکھا ہوا ہو۔ یہ میرا مقصد نہیں۔ میں کوئی حکم نہیں دے رہا لیکن ایک خیال ظاہر کر رہا ہوں یہ تجربہ بھی کیا جا سکتا ہے اور نہیں تو آپ کا جو بیج تھا جس پر کلمہ لکھا ہوتا تھا اس کو ساتھ پہننے کا رواج ہے۔ میں نے دیکھا ہے پرانے زمانہ میں جب اطفال اجتماع پر آیا کرتے تھے تو اسی بیج کو وہ اپنی ٹوپی پر بھی ٹانک دیا کرتے تھے۔ یا بعض دفعہ اپنی قمیص یا کوٹ کے اوپر لکھا کرتے تھے۔

اچھے اخلاق اور قومی روایات کی حفاظت کریں

پس یہ جو رواج ہیں یہ قوم کے اچھے اخلاق اور قومی روایات کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس لئے ان کو معمولی سمجھ کر بھلا نہیں دینا چاہیے ورنہ آج جو ننگے سر بچے بڑے ہو رہے ہیں اُن کے متعلق اس بات کا زیادہ احتمال ہے کہ وہ مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کئی قسم کی خرابیوں کا شکار ہو جائیں۔ پھر اگر مغربی تہذیب کہے گی کہ سر منڈوانا شروع کرو اور اُسترے پھرواؤ اور Skin Head (سکن ہیڈ) بن کر نکلو۔ وہی لوگ ہیں جنہوں نے بڑے ہو کر سر مونڈھنے ہیں۔ لیکن جن کو بچپن سے ٹوپی پہننے کی عادت ہو ٹوپی اُن کی حفاظت کرے گی۔ اور ایسے بچے مغربی تہذیب سے اول تو متاثر نہیں ہوں گے۔ اگر ہوئے بھی تو بہت کم ہوں گے۔ اس لئے یہ بہت اہم چیزیں ہیں۔ ان کی طرف آپ کو بہت توجہ کرنی چاہیے۔

ایک نصیحت۔ ایک حقیقت

اب ہم دُعا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے احمدی بچوں کو عظیم کردار عطا کرے اور بڑے ہو کر ساری دنیا کی تربیت کی توفیق عطا فرمائے (اس موقع پر بچوں نے زور زور سے آمین کہنی شروع کر دی تو حضور نے فرمایا) بچو! آہستہ دل میں آمین کہو۔ خدا کوئی بہرہ یا گونگا تو نہیں ہے نعوذ باللہ من ذالک۔ یا اُس کے کان خراب تو نہیں ہو گئے کہ جب تک آپ اُونچی آواز میں نہیں کہیں گے اُس کو سنائی نہیں دے گا۔ بعض دفعہ اُونچی آمین کہنے کے نتیجہ میں دل ساتھ حرکت ہی نہیں کر رہا ہوتا۔ صرف زبان سے ہی آمین نکل رہی ہوتی ہے۔ اس لئے آمین کا مطلب سمجھیں۔ آمین کا مطلب ہے اے میرے اللہ! میری اس دعا کو قبول فرما۔ تو اس آمین کہنے میں تو عاجزی ہونی چاہیے۔ مگر آپ کی آمین کہنے سے تو لگتا ہے کہ جس طرح آپ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے قبول کر لیا ہے۔ اس لئے آپ دل میں آمین کہیں۔ یہ خدا کی آواز ہے جو سب دنیا کی آوازوں

سے اونچی ہے اور ساری دنیا میں سنائی دیتی ہے۔ اگر وہ آپ کی دعا قبول کرتے ہوئے آپ پر فضل نازل فرمائے تو پھر تو مزہ آئے گا۔ لیکن آپ اونچی آمین کہہ رہے ہوں اور اللہ میاں توجہ ہی نہ کرے۔ کیونکہ دل سے آواز نہ اٹھ رہی ہو تو یہ اچھی بات نہیں ہے۔ اس لئے جب میں دعا کا کہتا ہوں تو میرا مطلب یہ ہے کہ دل میں دعا کریں اور اگر آمین کہنا ہو تو بالکل ہلکی آواز میں کہیں۔ یعنی منت اور عجز اور انکساری کے ساتھ دعا کے رنگ میں آمین کہیں۔

آئندہ نسلوں کی عظیم ذمہ داری آپ پر ہے

میں دعا کرتا ہوں اللہ تعالیٰ ہمارے احمدی بچوں کو اس بات کی توفیق عطا فرمائے کہ وہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں رنگین ہو کر اخلاق فاضلہ سیکھیں، ان کے اندر اعلیٰ کردار پیدا ہو، دنیا کو فتح کرنے والا کردار۔ احساس کمتری اُن کے دِل سے مٹ جائے۔ اُن کو اس بات کا یقین ہو کہ وہ ایک اچھے معاشرہ کے محافظ ہیں اور دُنیا کو اچھی قدریں دینے کے لئے نکلے ہیں اُن کو یہ بھی پتہ ہو کہ وہ دُنیا کے رہنما بننے والے ہیں۔ دُنیا سے جھوٹ اور جھوٹی عزتوں کو مٹا کر اُنہوں نے ساری دُنیا کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں داخل کرنا ہے۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔ ہماری نسلیں صحیح تعلیم و تربیت پا کر بڑی ہو رہی ہوں اور دُنیا کی خدمت و راہنمائی کی عظیم ذمہ داریوں کو کماحقہ اُٹھانے والی ہوں۔ اللہ کرے کہ ہم بھی وہ دن دیکھیں!'' (آمین)

(مشعلِ راہ جلد چہارم صفحہ 338 تا 347)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع کے اختتامی خطاب سے اقتباس

فرمودہ 23/اکتوبر 1983ء

☆ ایک عظیم انقلاب اور ہماری ذمہ داریاں
☆ آپ جو خدام الاحمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ آپ کا عبادت کا زمانہ ہے
☆ وہ لوگ جو جوانی میں عبادت نہیں کرنا جانتے ان کی بڑھاپے کی عبادتیں بھی بے کار ہوتی ہیں
☆ بنی نوع انسان کی ہمدردی
☆ اے احمدی نوجوانو! اٹھو اور دنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کی محبت کی وہ بنسیاں بجاؤ جو اس دور کے کرشن نے تمہیں عطا کی ہیں

⚜

حضور رحمہ اللہ نے دورۂ فجی کے بعد مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کے سالانہ اجتماع سے جو خطاب فرمایا اُس کا متعلقہ حصہ پیش ہے:-

ایک عظیم انقلاب اور ہماری ذمہ داری

......اب میں آخر پر آپ کو دو باتوں کی طرف خصوصیت سے توجہ دلانا چاہتا ہوں۔اس سارے سفر میں مَیں نے یہ محسوس کیا اور میں بار بار پہلے بھی بیان کر چکا ہوں کہ ہماری مجموعی طاقت بھی اس لائق نہیں ہے کہ دنیا میں وہ عظیم انقلاب برپا کر سکے جس کی ذمہ داری ہمارے نازک کندھوں پر ڈالی گئی ہے لیکن خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا

کہ میں کسی نفس پر بوجھ ڈالتا ہی نہیں جب تک اس میں وسعت نہ ہو تو ہمارے تخمینے جو بھی کہیں یہ ہمیں معلوم ہے کہ ہم میں کوئی نہ کوئی مخفی وسعتیں ضرور ہیں جن کی وجہ سے خدا تعالیٰ نے ہم پر یہ بوجھ ڈالا ہے۔وہ وسعتیں کیا ہیں؟ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے نمونہ بنا کر بھجوایا اور ایک کامیاب نمونہ کے طور پر آپ نے زندگی گزاری اور حیرت انگیز ناممکن کام کر کے دکھا دیئے تو خدا تعالیٰ نے ہمیں جو وسعت عطا کی ہے وہ غلامی کی وسعت ہے۔راز کی بات یہ بنی جہاں جا کر تان ٹوٹتی ہے کہ اگر تم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے غلام بن جاؤ گے تو میں تمہاری وسعتوں کو بڑھاتا چلا جاؤں گا۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت تو بہت تفصیلی مضمون ہے لیکن قرآن کریم نے اس کا دو لفظوں میں خلاصہ بیان فرما دیا ہے کہ انسان کے تعلقات کے دو ہی رخ ہیں۔ایک سمت خدا ہے اور ایک طرف مخلوق ہے۔یا خدا سے تعلق ہے یا مخلوق سے۔

جہاں تک خدا تعالیٰ سے تعلق کا مضمون ہے سب سے زیادہ سب سے عظیم الشان جو القاب عطا فرمایا گیا وہ عبداللہ کا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے غلام، اللہ کے بندے تھے اور عبودیت کے تمام باریک سے باریک پہلو جو ممکن ہیں، جو انسان سوچ سکتا ہے یا نہیں بھی سوچ سکتا ان سب پہلوؤں تک آپ کی رسائی اور آپ کی نظر تھی اور آپ نے انہیں اپنے عمل میں ڈھال لیا تو کامل عبد بن گئے۔ یعنی خدا تعالیٰ سے تعلق کے اظہار کا آخری نتیجہ یہ بنتا ہے کہ انسان اپنے مولیٰ کا غلام ہو جاتا ہے۔ غلام کن معنوں میں ہو جاتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

(الانعام:163)

کہ اب میرا اپنا کچھ بھی نہیں رہا جو کچھ ہے وہ خدا کا ہو چکا ہے پس ان معنوں میں اگر ہم اپنے رب سے تعلق مضبوط کریں اور اللہ کے غلام بن جائیں، اللہ کی عبادت کے گر سیکھ جائیں تو ہمارا ایک پہلو بڑا مضبوط ہو جاتا ہے جب لڑائی کرنے والا لڑائی کے لئے جاتا ہے تو اس کے دو پہلو ہوتے ہیں تو دونوں پہلو مضبوط ہونے چاہئیں۔ ایک پہلو تو ہمارا بڑا مضبوط ہو جاتا ہے اور دوسرا پہلو کونسا ہے دوسرا پہلو بنی نوع سے تعلق ہے اس سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا یہ خلاصہ بیان فرمایا گیا ہے کہ وہ رحمۃ للعالمین تھے۔ تمام بنی نوع انسان تمام جہانوں کے لئے آپؐ رحمت تھے۔ تو یہ دو گُر ہیں انہیں آپ سیکھ جائیں اور ان پر عمل کرنا شروع کر دیں تو ساری دنیا آپ کے قدموں میں پڑی ہوگی پھر دنیا کی کوئی طاقت آپ کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔ کیونکہ خدا کے وہ بندے جو عبادت کے حقوق بھی ادا کرتے ہیں اور بنی نوع انسان پر رحمت اور شفقت کے ساتھ مائل ہوتے ہیں اور ان کے لئے قربانیاں کرتے ہیں خدا کے یہ بندے ہمیشہ فتح کے لئے پیدا کئے جاتے ہیں اور ان کے مقدر میں مغلوب ہونا نہیں لکھا جاتا۔ پس خدا کے عبادت کرنے والے بندے بنیں۔

عبادت کرنے کی طرف توجہ کریں

''عبادت'' میں جو بڑے وسیع مفہوم ہیں وہ انسانی زندگی کے ہر دائرہ پر حاوی ہیں جن کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور رحمۃ للعالمین میں جو مضامین ہیں وہ انسانی زندگی کے اس سارے دائرہ پر حاوی ہیں جس کا تعلق بنی نوع انسان سے ہے لیکن میں یہ دیکھتا ہوں کہ ابھی عبادت کی طرف جیسا کہ حق ہے پوری طرح

توجہ نہیں ہے۔ عبادت کے کئی مراحل ہیں اور آپ جو خدام الاحمدیہ سے تعلق رکھتے ہیں یہ آپ کا عبادت کا زمانہ ہے وہ لوگ جو جوانی میں عبادت نہیں کرنا جانتے ان کی بڑھاپے کی عبادتیں بھی بے کار ہوتی ہیں سوائے اس کے کہ خدا تعالیٰ کا فضل غیر معمولی طور پر کسی کو توفیق عطا فرمائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جوانی ہی وہ دور ہے جس میں عبادت کرنے کا مزہ بھی آتا ہے اور عبادت کرنے کی توفیق بھی زیادہ ملتی ہے بڑھاپے میں تو کمزوریاں اور بیماریاں ہیں ہڈیاں دکھتی ہیں انسان خواہش بھی کرتا ہے تو بعض دفعہ آنکھ نہیں کھلتی، آنکھ کھلتی ہے تو دماغ سستی اور کمزوری کا شکار ہو چکا ہوتا ہے۔ طبیعت میں زور نہیں رہتا اور انسان اپنی عبادت میں جان نہیں ڈال سکتا۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے استثناء ہیں، جو استثناء آپ کو نظر آئیں گے ان میں سے اکثر وہ لوگ نظر آئیں گے جنہیں جوانی میں عبادت کی عادت پڑی تھی وہی عبادتیں ہی جو پھر آگے بڑھاپے میں بھی ان کا ساتھ دیتی رہیں تو عبادت کی طرف توجہ کریں۔ اور بڑے اہتمام اور توجہ سے نماز باجماعت قائم کریں اور صرف نماز باجماعت ہی کو قائم نہ کریں بلکہ خدام کو بار بار یاددہانی کروائیں کہ وہ نماز میں اللہ تعالیٰ کے تعلق کو ہمیشہ یاد رکھا کریں اور زندہ رکھا کریں۔ اکثر نماز پڑھنے والے ایسے ہیں کہ وہ نماز پڑھنے کے عادی بھی ہیں لیکن غفلت کی حالت میں نماز ادا کرتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ ایک ایسا بڑا خزانہ ہے جو نہ ختم ہونے والا ہے لیکن اس پر بھی پورا غور نہیں کرتے۔

پس جب مَیں یہ کہتا ہوں کہ عبادت قائم کریں تو مراد یہ ہے کہ عبادت کو اس کی سچی روح کے ساتھ قائم کریں۔ عورتیں بھی، بچے بھی، مرد بھی، بوڑھے اور جوان بھی۔ جہاں جہاں احمدی ہو وہ خدا کا سب سے زیادہ عبادت کرنے والا بندہ بن جائے اور عبادت کا جھنڈا اُٹھا لے کیونکہ خدا تعالیٰ عبادت کرنے والوں کو کبھی ضائع نہیں کیا کرتا۔ ناممکن ہے کہ خدا تعالیٰ دنیا کے مقابل پر عبادت کرنے والوں کو ہلاک ہونے دے۔ اس لئے جتنی زیادہ مخالفت باہر سے ہوتی ہے اتنی ہی زیادہ آپ کو عبادت کی ضرورت ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ یہی وہ مرکزی نقطہ تھا جس کو آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بدر کے دن دعا کے لئے اختیار فرمایا، جب ایسی نازک حالت تھی کہ یوں معلوم ہوتا تھا کہ چند لمحوں کے اندر دشمن کی قوی فوج چند بیچارے نہتے اور کمزور اور ایسے مسلمانوں کو جن میں بوڑھے بچے اور بہت ہی کمزور، بیمار اور لنگڑے بھی شامل تھے، انہیں تہِ تیغ کر کے رکھ دیں گے۔ ان کے ٹکڑے اُڑا دینگے اس وقت بظاہر تو یہی نظر آ رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عرفان نے آپ کو یہ گر سکھایا کہ آج سب سے زیادہ مقبول دعا وہ ہوگی جس میں عبادت کا حوالہ دیا جائے گا۔ اس دن آپؐ نے خدا کے حضور روتے ہوئے یہ عرض کیا کہ اے خدا! اگر آج تو نے اس

کمزور سی جماعت کو ہلاک ہونے دیا، فَلَنْ تُعْبَدَ فِي الْاَرْضِ اَبَدًا ۔ پھر کبھی قیامت تک تیری عبادت نہیں کی جائے گی کیونکہ عبادت کرنے والے تو مَیں نے تیار کئے ہیں اور مَیں نے عبادت کے گر تجھ سے سیکھے تھے۔ کبھی کسی عبادت کرنے والے نے تیری ایسی عبادت نہیں کی تھی۔ جیسی محبت اور پیار اور عشق کے ساتھ مَیں نے کی۔ یہ لوگ میرے پروردہ ہیں انہیں عبادت کے راز مَیں نے سکھائے ہیں۔ اے خدا! اگر آج تو انہیں مٹنے دے گا تو کون ہے پھر جو تیری عبادت کرے گا۔ اس میں دھمکی نہیں تھی (نعوذ باللہ من ذالک) اس کا تصور بھی نہیں ہوسکتا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گویا خدا کو دھمکی دے رہے ہیں۔ یہ بھی عشق کا اظہار تھا کہ میرا دل برداشت نہیں کرسکتا کہ دنیا تیری عبادت سے خالی ہو جائے۔ میری اتنی محنت ہے۔ مَیں نے اس رستہ میں اپنا خون بہایا۔ تیری راہ میں تکلیفیں اٹھائیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ عبادت کرنے والے پیدا کردوں اور آج مجھے نظر آ رہا ہے کہ یہ بظاہر ایک طاقتور دشمن کے مقابل پر مغلوب ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، اگر تیرا فضل شامل نہ ہو۔ خدا نے اس دعا کو کس طرح سنا؟ ان چند لوگوں کو یہ قوت عطا فرمائی کہ انہوں نے سارے مکہ کے جگر کاٹ کر پھینک دیئے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ اہل مکہ نے اپنے جگر پیش کر دیے تھے۔ جنہیں مسلمانوں کی تلواروں سے ٹکڑے ٹکڑے کیا گیا۔ ان کے سارے غرور اس دن توڑ دیے گئے اور اسلام کی فتح کی داغ بیل اگر ڈالی گئی تھی تو بدر کے دن ڈالی گئی تھی۔ بہت ہی عظیم الشان وہ دن تھا لیکن عبادت کے زور پر جیتا گیا ہے کسی انسانی طاقت سے نہیں جیتا گیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی وہ عارفانہ دعا تھی جس نے اس دن کی کایا پلٹی ہے۔

ہماری سب سے بڑی دولت

پس آج ہم اس ساری دنیا کا مقابلہ کرنے کے لئے نکلے ہیں آج تو ہماری وہ نسبت بھی نہیں ہے۔ ۳۱۳ اور ایک ہزار میں تو کوئی نسبت ہوسکتی ہے لیکن ارب ہا ارب انسانوں کے مقابل پر ہم احمدیوں کی حیثیت ہی کیا ہے۔ ایک کروڑ کا اندازہ لگایا گیا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ پورا کروڑ ہو۔ کم و بیش بھی ہوسکتا ہے لیکن اس کے مقابل پر کئی ارب آبادی ہے اور پھر ساری طاقتیں بھی ان لوگوں کے ہاتھ میں ہیں اور وہ لوگ دنیا کی طاقتوں کے سرچشموں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ سیاست ان کے ہاتھ میں ہے۔ دولتیں ان کے پاس ہیں۔ دنیا کے دیگر نظام فلسفہ، سائنس اور دیگر علوم ان سب کے سرچشموں پر وہ بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ حسب توفیق دنیا میں بانٹ رہے ہیں۔ اب احمدیوں کے پاس کیا ہے؟ اس دنیا کے مقابل پر تو کچھ بھی نہیں لیکن

ایک چیز ہے جو دنیا کے ہاتھ میں نہیں ہے۔ اس لحاظ سے دنیا تہی دست اور فقیر ہے خالی دامن لے کر بیٹھی ہوئی ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔

پس اگر اس دولت سے بھی آپ ہاتھ دھو بیٹھیں، اگر اس دولت سے بھی بے اعتنائی کر جائیں۔ اجتماعوں میں حاضر ہوں اور یہاں پانچ نمازیں بھی پڑھیں اور تہجد بھی پڑھیں اور واپس جا کر یہ بوجھ اس طرح اتار کر پھینکیں جس طرح گدھا سفر کی صعوبت کے بعد جب گھر پہنچتا ہے تو اس کے بوجھ اتار کر پھینک دیئے جاتے ہیں۔ تو پھر تو اس زندگی کا کوئی مقصد نہیں ہوگا۔ اس اجتماع کی رونق کا کوئی مقصد نہیں ہوگا۔ بالکل بے کار جائے گی۔ میری نظر میں اس کی کوئی بھی قیمت نہیں اس لئے کہ میرے خدا کی نظر میں اس کی کوئی قیمت نہیں ہے آپ عبادت سیکھنے کے لئے یہاں آئے ہیں۔ عبادت سیکھ کر جائیں اور اپنی عبادت میں روح بھر دیں اور اپنی عبادت میں خدا تعالیٰ کی محبت اور عشق کی چاشنی ملا دیں پھر دیکھیں آپ ایک بدلی ہوئی قوم ہوں گے۔ ایک نئی قوم کے طور پر دنیا میں ابھریں گے۔ خدا کی محبت اور پیار کی نظریں ہر اس جگہ پر پڑیں گی۔ جہاں خدا کی عبادت کرنے والا احمدی بس رہا ہوگا۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ دنیا آپ کو شکست دے سکے۔ پھر کیسے ہوسکتا ہے کہ آپ نہ جیتیں اور دشمن جیت جائے جبکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ؎

گڑھے میں تو نے سب دشمن اتارے
ہمارے کر دیئے اونچے منارے

تو عبادت کے منارے ہی تھے جو اونچے کئے جا رہے تھے اور وہ خدا سے دوری کے گڑھے تھے جن میں وہ دشمن اتارے جا رہے تھے۔ پس اس بلند و بالا مینار پر قدم رکھیں جو عبادت کا مینار ہے اور خدا کے حضور جھک جائیں اور اپنی روحوں کو اللہ تعالیٰ کے حضور ہمیشہ سجدہ ریز رکھیں۔ عبادت کرنا سیکھیں اور لوگوں کو سمجھائیں اور اگر عبادت میں کچھ عرصہ گزر جائے اور آپ کی آنکھیں تر نہ ہوں آپ کے دل میں ہیجان پیدا نہ ہو تو اپنی فکر کریں۔

ایک جرمن احمدی کا واقعہ

ایک جرمن احمدی دوست تھے جو اپنی بڑی عمر میں ہی احمدی ہوئے تھے اور احمدی ہوئے ابھی دو چار سال گزرے تھے تو وہ مجھے ملے۔ ان کی یہ بات مجھے بڑی پیاری لگی انہوں نے کہا کہ اگر ایک ہفتہ ایسا گزر جائے کہ جب اللہ کی راہ میں میری بدقسمت آنکھیں آنسو نہ بہائیں تو مجھے بڑی تکلیف پہنچتی ہے اور میں کہتا

ہوں خاک ہے ان آنکھوں پر کیوں مجھے یہ آنکھیں ملی ہیں؟ جو اللہ کی راہ میں آنسو پہ آنسو نہیں بہانا جانتیں۔ اور پھر میرا دل اس غم سے ایسا بھر جاتا ہے کہ پھر عشق خدا ابھرا بھر کر اور ابل ابل کر میری آنکھوں سے برسنے لگتا ہے۔ تو اگر آپ کو یہ توفیق نہ ملے تو اس قسم کی دردناک باتیں سوچا کریں جیسے اس جرمن کو خدا نے توفیق عطا فرمائی۔ کوشش کریں اور بے شک مصنوعی طریق اختیار کریں لیکن محبت میں تصنع نہ ہو درد پیدا کرنے میں بے شک تصنع سے کام لیں۔ اگر یہ درد ایک دفعہ دل میں پیدا ہو جائے تو پھر وہ خود پکڑے گا اور آپ کی ساری ہستی پر یہ غالب آ جائے گا۔ اس لئے خدا تعالیٰ کی عبادت اس طرح کریں کہ اس میں پیار اور محبت شامل ہو جائے۔

بنی نوع انسان کی ہمدردی

جہاں تک دوسرے حصہ کا تعلق ہے یعنی بنی نوع انسان کی ہمدردی اس میں رحمۃ للعالمین کا خطاب جو اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا فرمایا وہ اس جنگ میں ہمارا دوسرا باز و مضبوط کر رہا ہے۔ آپ کی حفاظت کے لئے دائیں طرف عبادت کھڑی ہو جائے گی اور بائیں طرف بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی آپ کی حفاظت کر رہی ہوگی۔ اس ہمدردی کا راز یہ ہے اور رحمت قرار دینے میں حکمت یہ ہے کہ الٰہی جماعتوں کی شدید مخالفتیں ہوا کرتی ہیں اور الٰہی جماعتوں کے خلاف شدید نفرتیں پیدا کی جاتی ہیں اور بعض دفعہ کم حوصلہ لوگ رستہ میں ہمت ہار بیٹھتے ہیں اور پھر نفرتوں کا جواب نفرت سے دینے لگ جاتے ہیں یا جہاں جہاں انہیں طاقت نصیب ہو وہاں وہ سمجھتے ہیں کہ اب ہمارا حق ہے کہ نفرت کا جواب نفرت سے، پتھر کا جواب پتھر سے، جوتی کا جواب جوتی سے دیں۔ رحمۃ للعالمین ایک ایسی کیفیت ہے جو کسی وقت بھی نفرت میں تبدیل نہیں ہوتی کسی حال میں بھی انسان کو منتقم نہیں بناتی بلکہ بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی کی یہ کیفیت مسلسل زندہ رکھتی ہے۔

پس جماعت احمدیہ کے لئے یہ بہت ہی ضروری ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غلامی میں رحمت بننے کی کوشش کریں۔ دنیا آپ کو لاکھ گالیاں دے آپ پر پتھراؤ کرے۔ آپ کے گھروں کو جلانے کے عزائم کرے۔ لاکھ سکیمیں بنائے اور دنیا کے ملک ملک میں آپ کے خلاف تحریکیں چلائے۔ آپ کے امن کو برباد کر دے لاکھ کوشش کرے کہ جڑوں سے اکھیڑ کر پھینک دے۔ ایک ایک احمدی کو اپنے گھروں میں اور پھر ان کے گھروں کو جلا کر خاکستر کر دے۔ نفرتیں جو بد شکل اختیار کر سکتی ہے وہ کر جائیں جو

بھیانک صورتیں سچائی کی دشمنی اختیار کرسکتی ہے۔ جو روپ دھار سکتی ہے وہ روپ دھار لے اس کے باوجود رحمۃ للعالمینؐ کی غلامی کا تقاضا یہ ہے کہ آپ کی رحمت پر آنچ نہ آئے اگر آپ کی رحمت پر آنچ نہیں آئے گی تو آپ کی ذات پر بھی آنچ نہیں آئے گی آپ کو ہر نفرت کا جواب محبت سے دینا پڑے گا۔ اپنے دلوں کو ٹٹول ٹٹول کر نفرت کے خیالات کو دلوں سے نکال کر باہر پھینک دینا ہوگا۔ پاک کریں اپنے دلوں کو اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے اسوہ سے رنگین کرلیں پھر دیکھیں کہ خدا تعالیٰ آپ کو ہر مقام پر، ہر میدان میں، ہر ملک میں، ہر براعظم میں کیسی عظیم الشان فتوحات عطا فرماتا چلا جائے گا۔ آج دنیا کو خدا تعالیٰ کی محبت کی ضرورت ہے۔

اللہ کی محبت اختیار کریں

عبادت اور رحمت ان دونوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی محبت میں محو ہو جائے۔ سچی رحمت بھی خدا کی محبت سے ہی پھوٹتی ہے یہاں جا کر توحید کا مضمون کامل ہوتا ہے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب خدا کے عابد بنے اور عبد بنے اور بنی نوع انسان کے لئے رحمت بنے تو یہ ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ اللہ ہی کی محبت ہے جو کبھی خدا کی عبادت کے رنگ اختیار کر جاتی ہے اور کبھی بنی نوع انسان کے لئے رحمت کا رنگ اختیار کر جاتی ہے پس آپ کو خدا کی محبت کے گیت گانے پڑیں گے۔ ساری دنیا میں وہ سر الاپنے پڑیں گے جو ساری دنیا کو خدائے واحد کی طرف واپس کھینچ کر لے آئیں۔

فرانس کا ایک واقعہ

آپ نے شاید وہ واقعہ سنا ہو یا نہ سنا ہو لیکن ایک کہانی کے طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ فرانس کے ایک قصبہ میں ایک دفعہ چوہوں کی وبا بہت پھیل گئی اور ان چوہوں کی وجہ سے اس قصبہ کے باشندوں کے لئے جینا عذاب ہوگیا۔ چوہے ان کی ہر غذا کھا جاتے تھے۔ بیماریاں پھیلاتے تھے۔ ان کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے تھے۔ کسی طرح ان کی پیش نہیں جاتی تھی اور وہ بڑھتے چلے جا رہے تھے یہاں تک (قصہ میں یہ بیان ہوا ہے کہ) ایک دن انہوں نے دیکھا کہ ایک بنسی بجانے والا آیا جو کہ اجنبی تھا اور اس کے متعلق جو تحقیق ہوئی ہے وہ کہتے ہیں کہ اس قسم کا ایک واقعہ ضرور ہوا ہے اور وہ بنسی بجانے والا آیا ضرور تھا اگرچہ بعد میں مبالغہ آرائی کرلی گئی لیکن وہ کسی ذریعہ سے ان کے بچوں کو جیسا کہ بعد میں کہانی بتاتی ہے۔ اغوا کرنے میں

بھی کامیاب ہو گیا تھا یعنی اس کہانی کی جو آج کل تحقیق ہوئی ہے وہ ہمیں بتا رہی ہے۔ ہمیں اس سے بحث نہیں ہے کہ وہ کہاں سے آیا۔ بہرحال اس نے کہا کہ مجھے اس طرح بنسی بجانی آتی ہے کہ آپ کے سارے چوہے میری بنسی کی لے پر میرے پیچھے چل پڑیں گے۔ مجھ سے سودا کرو مجھے اتنی قیمت دو تو میں تمہارے شہر کو چوہوں سے پاک کر دیتا ہوں۔ اہل شہر اتنے تنگ آئے ہوئے تھے کہ اس کی منہ مانگی مراد انہوں نے دینے کا وعدہ کرلیا۔ اس نے بنسی بجائی اور کہانی ہمیں بتاتی ہے کہ اس کی لے پر ہر طرف سے چوہے اچھلتے کودتے ایک دوسرے کے اوپر گرتے پڑتے دوڑتے ہوئے اس کی طرف چلے آئے۔ بلوں سے نکل نکل کر چھتوں، پر چھتیوں سے اتر اتر کر دیواروں اور جنگلوں سے شہر کی گلیوں، کونوں، کھدروں سے الغرض ہر طرف سے بے انتہاء چوہے نکلے وہ آگے آگے بنسی بجاتا ہوا چلا جا رہا تھا اور چوہے اس کے پیچھے دوڑتے چلے آ رہے تھے یہاں تک کہ وہ ایک دریا کے کنارے پر پہنچا اور بنسی بجاتا ہوا دریا میں داخل ہو گیا اور وہ سرے چوہے اس کے پیچھے چلتے ہوئے دریا میں داخل ہوئے اور غرق ہو گئے۔

چنانچہ وہ واپس آیا اور اہل شہر سے کہا کہ لاؤ اب میرا منہ مانگا انعام دو۔ انہوں نے کہا جاؤ جاؤ گھر بیٹھو جا کر۔ چوہوں کو دوبارہ لا سکتے ہو تو بے شک لے آؤ۔ اب وہ ڈوبے ہوئے چوہے تو بنسی کی آواز نہیں سن سکتے تھے۔ اس نے کہا بہت اچھا، اگر آپ ایسے بدعہد ہیں تو مجھے اس بنسی کی اور بھی سریں یاد ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن اس نے ایک ایسی سر بنسی میں پھونکی کہ جس کے نتیجہ میں ان کے بچے اس کی محبت میں پاگل ہو گئے چھوٹے چھوٹے بچے ماؤں کی گودوں میں اچھلنے لگے کہ ہم اس آدمی کے پیچھے جانا چاہتے ہیں۔ ماؤں اور باپوں نے روکا مگر وہ ان کے ہاتھوں کی بندشیں اور جکڑیں تڑا تڑا کر اس کے پیچھے بھاگ پڑے اور سارے قصبہ کے بچے اس کے پیچھے چلے گئے۔ کہتے ہیں کہ ایک چٹان تک اسے جاتے دیکھا گیا پھر پتہ نہیں چلا کہ وہ بھی ان کے ساتھ ہی چٹان سے کود کر ہلاک ہوا یا صرف بچے ہی ہلاک ہوئے لیکن سارے کے سارے بچے اس چٹان سے کود گئے اور پھر اہل شہر کو ان کی کوئی خبر نہیں ملی۔

شیطان کی بنسی

یہ ایک کہانی ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ آج یورپ اور امریکہ اور مغربی دنیا اور ان کے زیر اثر ملکوں کا یہی حال ہے آج مغربیت کی لے پر شیطان بنسی بجا رہا ہے اور خدا کے بندے دھوکہ کھا کر لاعلمی میں اس بنسی کی سر اور دھن میں مسحور ہو کر ہلاکتوں کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہیں۔ ایک ایک ملک میں وہ بنسی

بجانے والا مغربیت کے نام پر ظاہر ہوتا ہے اور قوموں کی قوموں کو تباہ کرتا چلا جا رہا ہے۔ انسانیت کے ٹکڑے اڑا رہا ہے اور وہ آنکھیں کھول کر دیکھ رہے ہیں کہ ہم کدھر جا رہے ہیں لیکن بے بس اور بے اختیار ہیں۔ وہ شیطان ہلاکت کی چٹانوں کی طرف اس بنسی کی سر میں انہیں مسحور کر کے اور پاگل بنا کر لے جاتا ہے اور انہیں ہلاک کر کے پھر واپس لوٹتا ہے پھر اور نسلوں کو ہلاک کرنے کے لئے آتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بنسی

آپ اس کا مقابلہ کیسے کریں گے؟ آپ کے پاس وہ کونسا جادو ہے جو اس بنسی کے اثر کو توڑ دے۔ وہ میں آپ کو بتاتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے الہاماً بتادیا ہے کہ وہ کون سا جادو ہے۔ ایک نبی ایسا تھا جو بنسی بجانے والا نبی تھا اس کا نام کرشنؑ تھا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس دور کے غلام کو بھی کرشن کا نام عطا کیا گیا ہے وہ خدا کی محبت کی سریں الاپا کرتا تھا اور اسی وجہ سے اسے بنسی بجانے والا کرشن کنہیا کہا جاتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ اس زمانہ کے امام کو کہ میں وہ راگ عطا کرنے والا ہوں۔ ایسے سر عطا کروں گا کہ ساری دنیا کے دل خدا کے لئے جیت لئے جائیں گے اور یہ بنسی جیتے گی اور شیطان کی بنسی اس کے مقابل پر ہار جائے گی اور ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی۔

اے احمدی نوجوانو! اٹھو!

پس اے احمدی نوجوانو! اٹھو اور دنیا میں پھیل جاؤ اور خدا کی محبت کی وہ بنسیاں بجاؤ جو اس دور کے کرشن نے تمہیں عطا کی ہیں وہ بنسیاں جو دنیا کی بنسیاں ہیں ان کے دن لکھے جا چکے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ؎

راگ وہ گاتے ہیں جن کو آسمان گاتا نہیں
وہ ارادے ہیں کہ جو ہیں برخلاف شہریار

تو اس یقین کے ساتھ آپ اٹھیں کہ ان کی بنسیوں کے دن گنے جا چکے ہیں یہ ماضی کا قصہ بننے والے راگ ہیں یہ وہ راگ الاپ رہے ہیں جو خدا نہیں گاتا۔ خدا نہیں سکھاتا اور شہریار خدا کے ارادوں کے برخلاف راگ الاپ رہے ہیں۔ آپ کون سے گیت گائیں گے؟ آپ کو کونسی بنسی عطا ہوئی ہے جو ایسے سر الاپے جو خدا کی مرضی کے تابع ہوں۔ اس کے متعلق مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

آدمی زاد تو کیا چیز فرشتے بھی تمام
مدح میں تیری وہ گاتے ہیں جو گایا ہم نے

پس یہ مسیح موعود علیہ السلام کے عشقِ خدا اور عشقِ رسولؐ کے گیت لے کر دنیا میں نکل جائیں اور پھر آپ کی لے پر فرشتے بھی آپ کے پیچھے یہ گیت گائیں گے اور ساری دنیا کو محبت اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق سے بھر دیں گے۔ آپ ہیں جن کی بنسیاں جیتیں گی۔ آپ ہی ہیں جن کے پیچھے دنیا کے دل موڑے جائیں گے اور وہ آپ کے پیچھے ہجوم در ہجوم اور جوق در جوق محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور خدا کی محبت کی جنت میں داخل ہونے کے لئے آجائیں گے مگر آج اس بنسی کی آواز مدھم ہے آپ کو اس آواز کو بلند کرنا پڑے گا۔ آپ کو جگہ جگہ پیار اور محبت کے گیت اتنے بلند سروں میں گانے پڑیں گے کہ دنیا کی بنسیوں کی آوازیں اس کے نیچے دبتی چلی جائیں۔

پس اے احمدی نوجوانو! اُٹھو کہ تم سے آج دُنیا کی تقدیر وابستہ ہے تم نے حیات بخش نغمے گانے ہیں۔ تم نے خدا کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت عطا کر کے زندہ کرنا ہے۔ جاؤ اور پھیل جاؤ دنیا میں، جاؤ فتح و نصرت تمہارے قدم چومے گی، کیونکہ خدا کی یہ تقدیر ہے جو بہر حال پوری ہوگی۔ دنیا میں کوئی نہیں جو اس تقدیر کو بدل سکے۔

اب آئیں مل کر الحاح اور درد کے ساتھ اپنے رب کے حضور جھکیں اور دعائیں کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے نیک ارادوں کو دوام بخشے اور ہماری توقعات سے بہت بڑھ کر پورا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت ایسی عطا کرے کہ جو ہمارے سارے وجود پر غالب آجائے۔ ہم اپنے رب کے لئے جئیں اپنے رب کے لئے مریں اس کے لئے ساری دنیا میں دیوانے بن کر خدا تعالیٰ کے سادھو بن جائیں۔ اس کرشن کے جو اس دنیا میں آیا ہے اس نے ہمیں خدا کا تابع بنانے کے لئے ایک راگ الاپا ہے۔ خدا کرے کہ ہمیں یہ توفیق ملے اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ مجھے نظر آرہا ہے کہ احمدیت کی فتح کے دن قریب سے قریب تر آرہے ہیں اور میں اس کی چاپ سن رہا ہوں۔ خدا کی قسم! اس لئے آپ اپنے دل بدلیں۔ خدا کی تقدیر فیصلہ کر چکی ہے کہ آپ کو غالب کرے۔

(الفضل ''جلسہ سالانہ نمبر'' 1983ء صفحہ 7 تا 15)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کی طرف سے دیئے گئے استقبالیہ سے خطاب

فرمودہ 23 اکتوبر 1983ء

☆ سپاسنامے پیش کرنے کی رسم کو توڑیں۔
☆ جتنا آپ دورِ نبوت سے دور جاتے ہیں اتنا احتیاط زیادہ کرنی پڑتی ہے۔
☆ منصبِ خلافت کی خاطر میری ہر چیز قربان ہے۔
☆ تمام عہدیداران کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہر احمدی کے قربانی کے معیار کو بلند کیا جائے۔
☆ تفسیر قرآن اگر کرنی ہے تو اس نے کرنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے گا۔
☆ امنِ عالم کو درپیش خطرات سے کس طرح بچا جا سکتا ہے۔
☆ ہمیشہ خلافت کے تابع رہیں۔ ہر حالت میں امام کے پیچھے چلیں۔

⚜

حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:-

اظہار تشکر کا مومنانہ طریق

اس موقع پر کھانے کے بعد سب سے پہلے تلاوت قرآن کریم ہوئی جو محترم حافظ مظفر احمد صاحب نے کی۔تلاوت کے لئے انہوں نے سورۃ کہف کے گیارھویں رکوع کا انتخاب کیا جو یَسْـئَلُوْنَکَ عَنْ ذِی الْقَـرْنَیْنِ سے شروع ہوتا ہے۔تلاوت کے بعد مکرم مرزا محمد الدین ناز صاحب نے سپاسنامہ پیش کرنا تھا۔ اس کے متعلق حضور نے فرمایا:-

''سپاسنامہ تو مناسب نہیں ہے کہ خواہ مخواہ بیٹھ کر میری تعریف شروع کر دیں۔نعوذ باللہ من ذالک۔ یہ فضول رسم ہے۔اگر ویسے سفر سے میری واپسی پر اللہ تعالیٰ کے شکر کے اظہار کے طور پر کچھ کہنا چاہتے ہیں تو پھر بے شک کہیں۔ سپاسنامے پیش کرنے کی رسم کو توڑیں۔ اس بات کو ختم کریں۔ یہ فضول چیز ہے۔اس سے بچیں۔ ہاں اس موقع پر دعائیہ کلمات کہہ دیئے جائیں تو اچھی بات ہے لیکن لمبے چوڑے سپاسنامے پیش کرنے سے پھر آہستہ آہستہ آپ غلط راستوں پر چل پڑیں گے۔ایک وقت تک ہو گیا اگر ہوا ہے۔ بات حد کے اندر رہے تو ٹھیک رہتی ہے لیکن جتنا آپ دور نبوت سے دور جاتے ہیں اتنا احتیاط زیادہ کرنی پڑتی ہے ورنہ یہ چیزیں اگر شروع میں معصومیت میں بھی کی گئی ہوں تو آگے جا کر پھر ان سے بگاڑ پیدا ہو جاتا ہے پھر خواہ مخواہ زمین و آسمان کے قلابے ملنے شروع ہو جاتے یں اس لئے میں ان چیزوں کو پسند نہیں کرتا۔

اب آپ نے کچھ کہنا ہے تو وہ جو مبالغہ آمیزیاں ہیں ان کو چھوڑ کر آپ بے شک کہیں۔اگر اس میں

کوئی غلط بات ہوئی تو میں کہہ دوں گا کہ یہ غلط ہے۔''

اس پر ناز صاحب نے سپاسنامہ پیش کیا۔

اور پھر تشہد تعوّذ اور تسمیہ کے بعد حضور نے فرمایا:-

''میں مجلس خدام الاحمدیہ کے تمام اراکین کا، مجلس عاملہ کا بھی اور مجالس عامہ کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے اس دعوت پر مجھے مدعو کیا اور اپنے اس خطاب میں جو بھی استقبالیہ کے طور پر پیش کیا گیا ہے اس میں جملہ خدام کی قربانی کے جذبات کو نہایت عمدہ لفظوں میں پیش کیا گیا ہے۔

نظریات کو واقعات کے ساتھ ہم آہنگ کرنا ضروری ہے

یہ درست ہے کہ ہر احمدی کا دل اللہ تعالیٰ کی راہ میں فدا ہونا چاہیے اور یقیناً اس کے دل کے جذبات وہی ہوں گے جو پیش کئے گئے ہیں۔ یہ کہ جان۔ مال۔ عزت آبرو غرضیکہ زندگی کا ذرہ ذرہ خدا کے دین پر نچھاور کرنے کے لئے تیار رہیں گے۔ لیکن اگر آپ واقعاتی لحاظ سے حالات پر نظر ڈال کر دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ہمارے اندر بہت کمزوریاں پائی جاتی ہیں نظریاتی قربانیوں کا معیار اونچا ہے اور عملی قربانیوں کا معیار نیچا ہے اور ان کے درمیان پلیٹ فارمز کا فرق ہے۔ ایک اور پلیٹ فارم پر واقع ہے اور دوسری اور پلیٹ فارم پر واقع ہے۔ تاہم یہ مراد نہیں ہے کہ نعوذ باللہ سب کا یہ حال ہے۔ سب ایسے نہیں لیکن ایسے واقعات کثرت سے نظر آتے ہیں کہ جب ادنیٰ ادنیٰ ابتلاء آئیں تو لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ چھوٹی قربانی کرنی پڑے تو بعض پیچھے ہٹ جاتے ہیں۔ قائد خدام الاحمدیہ بلانے کے لئے جاتا ہے تو اندر سے پیغام آجاتا ہے کہ ابا جان گھر پر نہیں ہیں۔ قائد مجلس کسی اجلاس کے لئے ان کو روکتا ہے تو کہتے ہیں ہمیں جلدی ہے ہم نے جانا ہے۔ ان کا نفس کئی بہانے بناتا ہے۔ ان واقعات کو دیکھ کر محض لفظوں پر دل کس طرح تسلی پا سکتا ہے اس لئے میں آپ کو یہ نصیحت کرتا ہوں کہ جذبات کے لحاظ سے یہ درست ہے کہ ہمیں تیار ہونا چاہیے لیکن نظریات کو جب تک واقعات کے ساتھ ہم آہنگ نہیں کریں گے۔ جب تک جذبات کو واقعیت عطا نہیں کریں گے اس وقت تک ہم بڑے انقلاب کے خواب نہیں دیکھ سکتے۔ دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کی کوئی تعبیر نہیں ہوگی کیونکہ یہ بھی خوابیں ہیں اور وہ بھی خوابیں ہیں ان سے کچھ حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے میں آپ کو

پھر نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں تک خلافت کے ساتھ محبت کا تعلق ہے اس کا اظہار بے شک کریں میں خود اس دور سے گذر چکا ہوں۔ میرا اپنا بھی یہی جذبہ تھا میری بھی یہی کیفیت تھی اور اب بھی ہے۔ جو آپ کی ہے۔

ان جذبات میں تو کوئی مبالغہ نہیں ہے یہی ہونا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ایک بہت بڑا انعام ہے جو دنیا کو ایک لمبے عرصہ کی محرومی کے بعد دوبارہ عطا ہوا ہے۔ اس لئے اس کو ہرگز مبالغہ نہیں کہتا۔ خلافت سے محبت وعقیدت کے جذبات کو، مگر میں یہ بھی کہتا ہوں کہ جذبات محبت کو حقیقت بھی تو بننا چاہیے۔ صرف دلوں کے ساتھ کھیلنے والے جذبات نہیں ہونے چاہئیں۔

خدام الاحمدیہ کا عہد اور اس کے تقاضے

صرف نظریات میں بسنے والے جذبات نہیں ہونے چاہئیں بلکہ تمام عہدیداران کی یہ کوشش ہونی چاہیے کہ ہر احمدی کے قربانی کے معیار کو بلند کیا جائے اور جب اس کا دل کسی تقاضے سے گھبرائے تو اس کو کچوکا دیا کریں۔ ان کو جگایا کریں اس سے پوچھا کریں کہ تم یہ جو باتیں کرتے ہو کہ ہم یہ کریں گے وہ کریں گے اور ہر دفعہ عہد دہراتے ہوئے کہتے ہو کہ میں جان۔ مال۔ وقت اور عزت کو قربان کرنے کے لئے ہر دم تیار رہوں گا تو کیا یہ دم وہ دم نہیں ہے جس دم کے تم نے وعدے کئے تھے۔ کیا یہ عزت وہ عزت نہیں ہے۔ کیا یہ مال وہ مال نہیں ہے جسے قربان کرنے کے لئے تم نے عہد کیا تھا؟

حقیقت یہ ہے کہ عزتوں کی قربانی میں بھی معیار بہت کمزور ہے کیونکہ بہت باتوں پر لوگ بڑی جلدی سیخ پا ہو کر شکایتیں بھیجتے رہتے ہیں کہ یوں ہماری عزت میں فرق پڑ گیا۔ فلاں نے اسطرح سے سلوک کیا۔ فلاں نے یوں کیا۔ حالانکہ زندگی کی یہ ساری باتیں ہمارے عہد کے اندر داخل ہیں۔ یہ باتیں ہوتی رہتی ہیں۔ اگر کسی عہدیدار کی غلطی سے کسی کی بظاہر بے عزتی بھی ہو جائے تب بھی جس نے یہ عہد کر رکھا ہے کہ میرا رہا ہی کچھ نہیں سب کچھ اللہ کی راہ میں قربان ہے شکایت تو بعد میں کر دے تا کہ زیادتی کرنے والے کی اصلاح ہو جائے لیکن اپنا صدمہ اس کو نہیں ہونا چاہیے۔ کیونکہ جس کے دل میں سچا ایمان اور خلوص ہوتا ہے وہ بہر حال اس یقین پر قائم ہوتا ہے کہ جتنا میں کسی کی غلطی سے گرایا گیا ہوں اتنا اللہ کی نظر میں اٹھایا گیا ہوں اور خدا کی نظر میں میرا مرتبہ بڑھ چکا ہے۔ یہ ہے وہ حقیقت حال جس کے ساتھ خدام کو زندہ رہنا چاہیے۔

حقائق کی دنیا میں رہنا سیکھیں

دوسری بات میں یہ کہوں گا کہ اس وقت قرآن کریم کی تلاوت کے لئے جن آیات کا انتخاب کیا گیا ہے اس سے میرا ماتھا ٹھنکا تھا کہ کچھ اس قسم کی باتیں سپاسنامہ میں کریں گے چنانچہ سپاسنامہ کے بارہ میں میرا ردِّعمل اسی وجہ سے تھا۔ میں نے آپ کو بارہا سمجھایا ہے۔ میرا فرض ہے میں آپ کو سمجھاؤں، آپ کے جذبات محبت کی قدر بھی کروں لیکن آپ کو حقائق کی دنیا میں رکھوں اور آپ کے دائرہ کار سے آپ کو باہر قدم نہ رکھنے دوں۔ قرآن کریم کی اس طرح کی تفسیر کر دینا کہ گویا ایک خلیفہ وقت نے پچھلے سال مغرب کا سفر کیا اور پھر اب مشرق کا سفر کیا تو گویا وہ ذوالقرنین بن گیا۔ صحیح نہیں ہے۔ یہ تو انسان کے بس کی باتیں نہیں ہیں نہ آپ کے ساتھ اس کا تعلق ہے۔ تفسیرِ قرآن اگر کرنی ہے تو اس نے کرنی ہے جس کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے گا۔ جس کو اس منصب پر مقرر کیا ہے اس کی جب راہنمائی فرمائے گا تو وہ تفسیر کرے گا لیکن ان باتوں میں اتنی جلدی فیصلے کر لینا اور ان کو قومی فیصلے بنا لینا اور ان کو نعروں میں اتار لینا اور سپاسناموں میں پیش کرنا، یہ چیز مجھے پسند نہیں ہے اور اس لئے پسند نہیں ہے کہ یہ غلط طریق ہے۔ مجھے اس میں خطرات نظر آرہے ہیں۔ اگر اس رجحان کو بند نہ کیا جائے تو اس طرح قوم آہستہ آہستہ بگڑنے لگ جاتی ہے۔ پس اس کا ایک فائدہ تو ہو گیا کہ جو غلطی مجھے نظر آرہی تھی وہ کھل کر سامنے آگئی۔ پہلے اشاروں اشاروں میں باتیں ہو رہی تھیں اور میں انتظار میں تھا کہ کہیں کھل کر باتیں ہوں تو میں پکڑوں۔

ذوالقرنین کے متعلق قرآن کریم میں جو مضمون بیان ہوا ہے ایک بہت وسیع مضمون ہے اس کو ایک چھوٹے سے دائرہ میں محدود کر کے بچگانہ ترجمہ کرنا صحیح نہیں ہے یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عظیم دور سے تعلق رکھنے والا مضمون ہے جو کئی ٹکڑوں میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے اور عجز کے ساتھ اس سے مانگا جائے کہ خدا موجودہ خلافت کے دور میں بھی اس کی بعض خوشکن صورتیں ظاہر فرما دے اور ہمیں اس کے پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ یہ تو بڑی نیک خواہش ہے اس کے لئے دعا کرنی چاہیے نہ کہ نعرہ بازی کرنی چاہیے۔

پیشگوئی کا ایک پہلو اور فتنہ دجالیت کا قلع قمع

حقیقت یہ ہے کہ اگر آپ اس مضمون کی تفصیل میں جائیں تو پتہ لگتا ہے کہ مغرب میں جانے اور مشرق

میں آنے کا اس سے کوئی تعلق نہیں البتہ اس کا ایک پہلو ہے جس کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے تعلق ہے۔ مشرق اور مغرب کے سفر کی جو تمثیل ہے وہ اور رنگ میں پوری ہوئی ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ خدا نے دنیا کو دو رشتوں میں تقسیم کر رکھا تھا اور مغرب اور مشرق کے درمیان تقدیر الٰہی کی ایک دیوار حائل تھی۔ مشرق کو یہ اجازت نہیں تھی کہ وہ موجزنی کرتے ہوئے مغرب پر حاوی ہو جائے یا مغرب موجزنی کرتے ہوئے مشرق پر حاوی ہو جائے۔ حیرت انگیز ہے قرآن کریم کا یہ کلام! جو گزشتہ ساری تاریخ میں پورا ہوتا دکھائی دیتا ہے۔ چنانچہ مشرق کی موجیں چلتی تھیں تو کبھی وی آنا سے ٹکرا کر واپس لوٹ آتی تھیں اور کبھی سپین تک پہنچتیں اور واپس آ گئیں آگے بڑھ کر ان کو مغربی دنیا میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ملی۔ مورخین یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ جاتے ہیں اور ان کو وجہ سمجھ نہیں آتی کہ یہ کیا بات ہے کہ مشرق سے ایک رو چلتی ہے اور مغرب سے ٹکرا کر واپس آ جاتی ہے اور اسے مغرب میں داخل ہونے کی توفیق نہیں ملتی حالانکہ اس وقت مشرق طاقتور تھا۔ مشرق کو مغرب کی حفاظت کا ذریعہ بنایا گیا تھا کیونکہ خدا کی تقدیر نے مغرب کو اٹھانا تھا اور دجال نے وہاں سے پیدا ہونا تھا۔ پھر دجال کو روکنے کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد مانگی جانی تھی۔ آپ نے روحانی طور پر وہ انتظام فرمانے تھے جس کے نتیجہ میں دجال کے بد اثرات سے قوموں کو بچایا جانا تھا۔ پس یہ تو تفسیر کا ایک پہلو ہے اس کے بعض پہلو بہت وسیع ہیں اور مختلف زبانوں میں ان کے مختلف حصے پورے ہوتے رہتے ہیں۔

محبت کے نتیجہ میں مبالغہ آمیزی سے احتراز

ان چیزوں کے سوچنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ پہلے آپ بلوغت تک تو پہنچیں۔ محبت ایک الگ اور بڑی قابل قدر چیز ہے۔ لیکن محبت کے نتیجہ میں آپ کے اعمال میں ٹھوس تبدیلیاں رونما ہونی چاہئیں جو آپ کی محبت کو سچا کر دکھائیں۔ محبت کے نتیجہ میں ساری قوم کو تیار رہنا چاہیے کہ جو کچھ وہ کہتی ہے جب وقت آئے تو عملاً سب کچھ پیش کر کے اپنے دعویٰ کو سچا کر دکھائے۔ لیکن محبت کے نتیجہ میں آپ کو مبالغہ آمیزیاں کرنے یا ان مسائل میں دخل اندازیاں کرنے کا آپ کو کوئی حق نہیں جو آپ کے لئے بنائے نہیں گئے۔ کیونکہ آپ کا دائرہ کار اور ہے ہاں اگر خدا تعالیٰ کسی خلیفہ کو خبر دے کہ میں تمثیلی طور پر تجھے فلاں بناتا ہوں اور وہ یہ اعلان کرے تو ہر مومن احمدی کا دل خود بخود حمد سے بھر جائے گا اور وہ تسلیم کرے گا لیکن یہ آواز (masses) عوام الناس سے نہیں اٹھ کر اوپر جائے گی۔ یہ بالکل جھوٹا تصور ہے۔ اس طرح قومیں تباہ ہو جایا کرتی ہیں۔

جب عوام الناس کسی کے مرتبے بڑھانے شروع کر دیتے ہیں۔ بعضوں کی زندگی میں شروع کر دیتے ہیں اور بعضوں کی موت کے بعد شروع کر دیتے ہیں۔ یہ تاریخ کا اتنا دردناک سبق ہے اور آپ اس کو بھول جاتے ہیں اس لئے اپنی فکر کریں اور حکمت کے ساتھ بات کیا کریں۔ جذبات کو الگ رکھیں عقل اور تقویٰ کے ساتھ جذبات کو قابو میں رکھیں۔ اگرچہ عقل بھی جذبات پر حاوی ہے لیکن سب سے بڑی چیز جو جذبات پر حاوی ہوتی ہے وہ تقویٰ ہے۔

پس جہاں تک آپ کی محبت اور خلوص کے جذبات کے اظہار کا تعلق ہے وہ مجھے قبول ہیں ان کے نتیجہ میں میرے دل میں بھی محبت کی جوابی لہریں اٹھ رہی ہیں میں آپ کو ان معنوں میں نہیں ڈانٹ رہا کہ میں آپ سے ناراض ہوں۔ آپ کو سمجھانا میرے فرائض میں شامل ہے اس لئے دعا کریں کہ ذوالقرنین کی پیشگوئی جو دراصل حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دور سے تعلق رکھتی ہے اس کے کچھ خوشکن پہلو اللہ تعالیٰ ہمارے ذریعہ بھی پورے فرما دے۔ میرے ذریعہ بھی اور آپ کے ذریعہ بھی لیکن جب وہ پورے ہوں گے تو دنیا کو نظر آئیں گے پھر آپ کو یہ نہیں بتانا پڑے گا کہ یہ واقعہ ہو گیا ہے۔ دنیا دیکھے گی۔ آپ کے دل حمد باری سے بھر جائیں گے اور آپ کی خوشی کی کوئی انتہا نہیں رہے گی۔

ذوالقرنین کی پیشگوئی اور اس کا مظہر

جہاں تک اس بات کا تعلق ہے کہ کیوں دماغ میں یہ باتیں آنی شروع ہوئیں میں سمجھتا ہوں اس کی وجہ فجی کی وہ ڈیٹ لائن ہے جو مطلع الشمس بنتی ہے یہ تو ٹھیک ہے کہ وہ مطلع الشمس ہے لیکن وہ ظاہری معنوں میں مطلع الشمس ہے وہاں تک پہنچ کر اس لحاظ سے تو ہمارا دل ضرور ایمان سے بھر گیا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ خوشخبری دی تھی کہ زمین کے کناروں تک تمہارا پیغام پہنچاؤں گا اور مشرق تک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیغام کے پہنچنے سے آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ ذوالقرنین کی پیشگوئی کا ایک حصہ پورا ہو گیا اور معنوی طور پر احمدیت کی صداقت کے لئے پورا ہوا ہے۔ اس صورت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ذوالقرنین کے مظہر بنیں گے مگر وہ ذوالقرنین نہیں جو پرانا بادشاہ بیان کیا جاتا ہے بلکہ ذوالقرنین ان معنوں میں کہ یہ پیشگوئی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے اور آپؐ کے دو ادوار کے لئے تھی۔ آپؐ کو دو ادوار نصیب ہوئے۔ آپؐ دو قرنوں کے مالک ہیں۔ آپؐ کے ایک دور کے مظہر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں تو ان معنوں میں یہ درست ہے کہ

یہ پیشگوئی کچھ پہلے پوری ہو چکی ہوگی اور آئندہ بھی پوری ہوتی رہے گی لیکن ایک خلافت کے ساتھ اس کا تعلق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونے کا یہ ایک سلسلہ ہے جو ہمیشہ سے جاری ہے۔

اس دفعہ جو کچھ حصہ پورا ہوا ہے اس کا ایک پہلو میں بیان کر دیتا ہوں۔ ابھی جب یہ تلاوت ہو رہی تھی تو اس وقت مجھے خیال آیا کہ جہاں تک مطلع الشمس کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر جغرافیائی نقطۂ نگاہ سے کسی جگہ کو مطلع الشمس قرار دیا جا سکتا ہے تو وہ وہی Date Line ہے۔ کیونکہ ویسے تو سورج چونکہ 24 گھنٹے ہر وقت ابھر رہا ہے۔ اس لئے یا تو ساری دنیا مطلع الشمس ہے یا پھر کوئی ایک جگہ ہے تو لازماً وہی جگہ ہو سکتی ہے جہاں تاریخ بدلتی ہے۔ یعنی جہاں سورج ایک نئی تاریخ لے کر آتا ہے وہاں تاریخ بنانے والی ایک فرضی لائن بنی ہوئی ہے۔ جو فجی کے ایک جزیرہ پر سے گزر رہی ہے۔ وہاں ایک طرف گزرا ہوا دن ہے تو دوسری طرف آج کا دن ہے۔ ایک طرف آج کا دن ہے تو دوسری طرف آنے والا کل ہے۔ ایک قدم آپ ادھر رکھ دیں تو ''آج'' میں آجائیں گے ایک قدم آپ ادھر رکھ دیں تو آنے والے ''کل'' میں چلے جائیں گے۔ یہ معاملہ آپ کو سمجھ نہیں آئے گا۔ میں نے اس کو جغرافیہ پر بڑا غور کر کے سمجھا ہے لیکن عام آدمی اس پر صرف ایمان بالغیب لائے گا کہ ہاں یہ ہو جاتا ہے۔ پس اس لحاظ سے یہ ایک دلچسپ جگہ ہے کہ یہاں ایک طرف آج ہے اور دوسری طرف کل ہے اس لائن پر اگر آپ کھڑے ہوں تو بارہ بجے رات ایک ایسا وقت آئے گا۔ جب مثلاً ہفتہ ہے تو ساری دنیا پر سو فیصد ہی ہفتہ ہوگا اور پہلی دفعہ جب ہفتہ اتوار میں تبدیل ہوتا ہے تو وہاں ہوتا ہے۔ رات کے بارہ بجے کا وقت تو ان کے حسابی لحاظ سے ہوتا ہے۔ سورج کے لحاظ سے جب سورج کی پہلی شعائیں وہاں دکھائی دیتی ہیں تو اس وقت اس دنیا کو ایک نیا دن ملتا ہے۔ ان معنوں میں یہ مطلع الشمس ہے اور وہاں اتفاق سے اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے تابع سوالات مجھ سے یہ ہوئے کہ ہمیں نصیحت کریں کہ دنیا کے بد اثرات سے بچنے کے لئے ہم کیا کریں۔

عالمی خطرات سے بچاؤ کا طریق

دنیا پر اس وقت خطرات کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ چنانچہ واضح طور پر یاجوج ماجوج یعنی روس اور امریکہ کا ذکر کر کے مجھ سے پوچھا کہ ان کی آپس کی لڑائیاں ہیں اور دنیا کیلئے جنگ کے خطرات ہیں۔ ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ چنانچہ میں نے ان کو یہی نصیحت کی کہ آپ کیلئے سب سے بڑا اور مہلک خطرہ مادہ پرستی کا خطرہ ہے۔ جب تک آپ مادہ پرستی کی لعنت سے نہیں بچتے اس وقت تک آپ امن میں

آ ہی نہیں سکتے۔ اس لئے مغربیت سے بھی بچیں دہریت سے بھی بچیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کریں کہ وہ اپنے فضل سے آپ کو ان سب خطرات سے محفوظ رکھے۔ فجی ایک دور کا مقام ہے ابھی تک بہت سی بدیاں وہاں نہیں پہنچیں اس لئے میں نے ان کو یہ نصیحت کی کہ ان خطرات سے وہ اپنی حفاظت کریں۔

قرآن کریم کا یہ پیغام جس میں یاجوج اور ماجوج یعنی امریکہ اور روس دونوں سے خطرہ کی نشان دہی کی گئی ہے۔ یعنی دائیں طرف کی قوموں سے بھی خطرہ ہے اور بائیں طرف کی قوموں سے بھی۔ یہ صرف فجی کو نہیں ہم سب اس سے دوچار ہیں۔ اور اس کا علاج یہی ہے کہ خدا تعالیٰ سے دعائیں کرتے ہوئے اللہ کی حفظ و امان میں آجائیں۔ خدا تعالیٰ کی حفاظت اور تقدیر کی دیوار بیچ میں قائم کر دیں۔ جو آپ کو ان سب خطرات سے بچالے گی۔

قرآنی تمثیلات گہرے مطالعہ کی متقاضی ہیں

پس ان آیات کو آپ وقت کے لحاظ سے الٹا کر ایک مضمون چلائیں گے تو اور جواب آجائے گا ایک دوسرا مضمون چلائیں گے تو اور جواب آجائے گا۔ اس لئے قرآن کریم کی تفسیر کا معاملہ اور بیان تمثیلات کا مضمون بڑے گہرے مطالعہ کا متقاضی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی خاص راہ نمائی کے بغیر انسان پر یہ مضمون نہیں کھلتے خصوصاً ایسے مواقع کی سمجھ نہیں آتی۔ جیسا کہ یہ ذوالقرنین والا واقعہ ہے۔ جو بڑا الجھا ہوا نظر آرہا ہے اس کی تفسیر کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ یہ اللہ کا فضل ہی ہے جو انسان کو روشنی عطا کرتا ہے۔ حضرت مصلح موعود (اللہ آپ سے راضی ہو) نے اگرچہ تفسیر کبیر میں اس پر بڑی تفصیل سے روشنی ڈالی ہے لیکن وہاں بھی تشنگی رہ جاتی ہے معلوم ہوتا ہے ابھی کچھ چیزیں بیان نہیں ہوئیں یا خدا نے کچھ چیزیں مخفی رکھی ہوئی ہیں اور ان کے ظاہر کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا مگر رفتہ رفتہ خدا جب چاہے گا تو یہ مضمون واقعاتی لحاظ سے بھی کھلتے چلے جائیں گے۔

نعرہ بازی کو چھوڑ دیں

پس ہمیں اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتے رہنا چاہیے کہ اللہ اپنے فضل سے ہمیں یہ توفیق عطا فرمائے کہ ان پیشگوئیوں کے جو اچھے پہلو ہیں ان کو پورا کرنے کا ہم ذریعہ بن جائیں۔ خدا تعالیٰ خود ہی ہمیں اس کا موقع دے خود ہی اس کی توفیق عطا فرمائے اور خود ہی اس کی جزا بھی دے۔ سب کچھ اسی نے کرنا ہے۔ ہماری

ذات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔اس لئے میں آپ کو ایک بار پھر یہ نصیحت کرتا ہوں کہ نعرہ بازی سے اجتناب کریں جو آپ کا مقام نہیں ہے۔اس میں خواہ مخواہ دخل اندازی نہ کریں اور دعائیں کرتے رہیں کہ خدا تعالیٰ ہمیں ہزاروں سال تک احمدیت کا پیغام ظاہری اور معنوی حفاظت کے ساتھ آگے سے آگے بڑھاتے چلے جانے کی توفیق عطا فرمائے۔

ہر حالت میں امام کے پیچھے چلیں

اسی طرح آپ نے خلافت کی حفاظت کا جو وعدہ کیا ہوا ہے اس میں بھی یہ بات داخل ہے کہ خلافت کے مزاج کو نہ بگڑنے دیں۔خلافت کے مزاج کو بگاڑنے کی ہرگز کوشش نہ کریں ہمیشہ اس کے تابع رہیں۔ ہر حالت میں امام کے پیچھے چلیں۔امام آپ کی راہ نمائی کے لئے بنایا گیا ہے اس لئے کسی وقت بھی اس سے آگے نہ بڑھیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے اور مجھے بھی توفیق عطا فرمائے کہ میں اپنی ذمہ داریوں کو ادا کروں۔آؤ اب دعا کرلیں۔

(الفضل 11 فروری 1984ء)

آمین کی ایک تقریب سے خطاب

فرمودہ 16 مئی 1985

☆ اس تقریب کا نہایت ضروری اور اہم حصہ دعا ہے
☆ بچپن کے قبولیت دعا کے واقعات
☆ اپنے بچوں کے دل میں خدا اور اس کی حقیقی محبت ڈالیں

⚜

ایک بچی کی تقریب آمین پر حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:-

''آج کا روز بھی جسے ہم بہت اہمیت دیتے ہیں اس وجہ سے کہ ہمارے بچے نے قرآن کریم جو خدا تعالیٰ کی الہامی کتاب ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی خدا کے فضل سے مکمل کر لی اور اس موقع پر کوئی تصنع، کوئی بناوٹ اور بے معنی خوشی نہیں ہے۔ بلکہ بچے سے قرآنِ کریم کا ایک حصہ سن لیا، اجتماعی دعا کر لی اور چائے کے ساتھ کچھ مٹھائی وغیرہ کھالی۔

اس تقریب کا نہایت اہم اور ضروری حصہ دعا ہے نہ کہ تحفے تحائف دینا اور لینا اور یہی ہم اپنے بچے کو بھی سکھانا چاہتے ہیں۔ آج بھی یہاں جو مہمان آئے ہیں وہ بھی بغیر تحائف کے آئے ہیں۔ یہ رسم ہم میں داخل ہونا شروع ہوگئی تھی اس لئے گزشتہ اسی قسم کے ایک موقع پر میں نے جماعت کو تحائف دینے پر اس وجہ سے پابندی لگا دی تھی تا کہ ہماری سوسائٹی پر غیر ضروری بوجھ نہ پڑنے شروع ہو جائیں۔ کیونکہ یہ دیکھا گیا ہے کہ وقت کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی رسوم جو بظاہر نقصان دہ نہیں لگتیں اور لوگ کہتے ہیں کہ بچے کو ایک چھوٹا سا تحفہ دینے میں کون سی قباحت ہے، لیکن آہستہ آہستہ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہمیں اندھیروں کی طرف دھکیل دیتی ہیں اور یہی چیز پھر تصنع میں تبدیل ہو جاتی ہے اور خواہ کوئی اسے برداشت کر سکے یا نہ، وہ اسے ضروری سمجھنے لگ جاتے ہیں۔ چنانچہ میں نے اس رواج کو مزید فروغ دینے پر پابندی عائد کر دی۔ اور مجھے یہ جان کر نہایت خوشی ہوئی کہ اس چھوٹی سی معصوم بچی نے جسے گزشتہ موقع پر تحفے دیئے گئے، ہنستے مسکراتے ہوئے واپس لوٹا دیئے۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ ہم بچوں کو تحائف وغیرہ جیسی رسوم میں ملوث کر دیتے ان کی توجہ دعاؤں کی طرف مبذول کروا دی تا کہ وہ تحائف کی نسبت دعا کو زیادہ اہمیت دیں اور اس کی اہمیت کو سمجھنے لگیں اور اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ بے صبری سے تحفوں کی امید میں ہی لگے رہتے ہیں''۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ:

''ہم اپنے بچوں کی توجہ دعاؤں کی طرف اس لئے مبذول کرواتے ہیں تا کہ انہیں یہ اہمیت واضح ہو کہ اس کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کے فضل نازل ہوں گے اور شاید ہی کوئی ایسا احمدی گھرانہ ہو جس کے بچے نے اپنی دعاؤں کے پھل نہ پائے ہوں۔ اور اگر بالفرض ہم بعض اوقات ناامید بھی ہو جائیں تو ہمارے بچے یقین دلا دیتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ہماری دعاؤں کے نتیجہ میں ضرور فضل فرمائے گا۔ لہٰذا بجائے اس کے کہ والدین اپنے بچوں کو کہیں کہ فکر کی بات نہیں ہے، بچے اپنے والدین کی فکرمندی دور کر دیتے ہیں۔ اور یہی چیز ایک حقیقت حال بن کر سامنے آجاتی ہے اور دعاؤں کے معجزات کی وجہ سے ان کے اندر ایک نئی قوت پیدا ہو جاتی ہے''۔

حضور نے فرمایا:-

''**مجھے اپنا ایک ایسا واقعہ یاد ہے** جس نے بچپن سے آج تک میرے دل پر گہرے نقوش جما رکھے ہیں اور میں اپنے والد گرامی حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) کا اس تحفے کے لئے بے حد احسان مند ہوں جو آپ نے مجھے دیا''۔

فرمایا کہ:-

''ایک دفعہ بچپن میں ہم اپنے والدین کے ساتھ پہاڑی مقام سے قادیان واپس آرہے تھے تو راستہ میں یہ معلوم ہونے پر کہ کار میں پٹرول ختم ہے حضرت فضل عمر (نور اللہ مرقدہ) نے اپنے بچوں سے کہا کہ جس بچے کی دعا کے نتیجہ میں ہم خیر و عافیت سے گھر پہنچ جائیں گے اس بچے کو دو گیلن پٹرول بطور انعام دیا جائے گا۔ پٹرول کے ختم ہونے کا پتہ بھی اس وقت چلا جب کہ رات پڑ چکی تھی اور راستہ بھی سخت خطرناک تھا۔ گو بحیثیت جماعت کے سربراہ اور (خلیفہ) ہونے کی حیثیت سے آپ کی دعا زیادہ قابلِ قبول تھی لیکن آپ چونکہ ہمیں دعا کی اہمیت سکھانا چاہتے تھے اور یہ بتانا چاہتے تھے کہ خدا تعالیٰ جو رحمت اور محبت کا سرچشمہ ہے وہ کسی کی بھی دعا خواہ وہ کوئی بھی ہو اور خصوصاً بچوں کی دعا زیادہ قبول فرماتا ہے۔ کیونکہ بچے معصوم عن الخطاء اور خدا تعالیٰ کے زیادہ مقرب ہوتے ہیں۔ اگر وہ دعا کو قبول کرنا چاہے تو کچھ بعید نہیں کہ بچوں کی دعا بھی قبول فرمالے اور یہی وہ اعلیٰ سبق تھا جو ہمیں سکھانا مقصود تھا۔ سفر خدا کے فضل سے گزرتا گیا اور بظاہر یوں لگتا تھا کہ سارے بچے دعا کرنا بھول چکے تھے۔ لیکن جیسے

ہی ہم قادیان میں داخل ہو گئے تو میں خوشی سے چلا اٹھا اور کہنے لگا کہ یہ میری مسلسل دعاؤں کے نتیجہ میں ہی ہم بخیر و عافیت پہنچ گئے ہیں۔ لہذا اب مجھے دو گیلن پٹرول کا تحفہ دے دیا جائے اور حقیقت میں بھی میں دعائیں کرتا رہا تھا۔ چنانچہ مجھے میرا تحفہ دے دیا گیا اور اس ناقابل فراموش واقعہ نے میری زندگی پر انمٹ نقوش ثبت کر دیئے۔ اور یہی عادت میں بھی اپنے بچوں کو ڈالتا رہا"۔

اس ضمن میں حضور نے اپنی سب سے چھوٹی بیٹی عزیزہ طوبیٰ کے بچپن کا ایک دلچسپ اور ایمان افروز واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:-

"ایک دفعہ میں اسے سائیکل پر آگے بٹھائے ہوئے اپنے فارم پر سے جہاں ایک چھوٹا سا Fish Pond اور Swimming Pool تھا واپس آ رہا تھا۔ بچی نے اس روز پیارا سا نیا جوتا پہن رکھا تھا۔ پاؤں کے سو جانے کی وجہ سے یہ جوتا راستہ میں کہیں گر گیا جس کا بچی کو احساس نہ ہو سکا اور جب اسے علم ہوا تو کافی راستہ گزر چکا تھا اور ویسے بھی اندھیرا ہو رہا تھا۔ ہم نے واپس جا کر تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ چنانچہ ہم گھر واپس جا رہے تھے تو اچانک اس نے اونچی اور اپنی توتلی زبان میں یہ دعا پڑھی اِنَّا لِلّٰہِ رَاجِعُوْن (چھوٹی عمر کی وجہ سے وہ پوری دعا اِنَّـا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ادا نہ کر سکتی تھی۔) میں نے اپنے بچوں کو یہ دعا سکھا رکھی تھی کہ کسی چیز کے کھو جانے پر یہ دعا پڑھ لینی چاہیے۔ چنانچہ اسے یاد آ گیا کہ اس لئے اسے جس طرح بھی آتی تھی پڑھ دی اور جیسے ہی اس نے یہ دعا پڑھی تو مخالف سمت سے ایک شخص سائیکل پر آیا اور اس کے ہاتھ میں وہی جوتی پکڑی ہوئی تھی۔ مجھے یہ دیکھ کر تعجب ہوا اور میں نے اس سے پوچھا کہ وہ تو مخالف سمت سے آ رہا تھا تو اسے جوتی کس طرح مل گئی۔ اس پر اس نے بتایا کہ کچھ دیر پہلے جب وہ حضور کے پاس سے گزر کر گیا تو اسے یہ جوتی ملی۔ لہٰذا یہ سوچ کر کہ یہ تو ایک ہی تھی واپس لے آیا اور اتفاق سے یہ واقعہ حقیقتاً اسی وقت پیش آیا جبکہ بچی کے منہ سے دعائیہ الفاظ نکلے"۔

فرمایا:-

"ایسے ہی متعدد واقعات ہر احمدی گھر میں پیش آتے ہیں۔ اس میں صرف میرا یا میری بچی کا ہی کمال نہیں ہے۔ بلکہ اپنے بچوں کو تعلیم دینے اور دعاؤں کی برکات سکھانے کے نتیجہ

میں ہی ایسا ہوتا ہے۔ اور یہ ورثہ صرف مسلمانوں کا ہی نہیں بلکہ تمام انسانوں کے لئے ایک پیغام ہے اور یہی بات میں آپ سب کے ذہنوں میں راسخ کرنا چاہتا ہوں کہ اپنے بچوں کے دل میں خدا اور اس کی حقیقی محبت ڈالیں اور پھر دیکھیں کہ ہر گھر میں کس طرح معجزات ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

بچے کا تو کوئی مذہب نہیں ہوتا وہ تو بالکل معصوم ہوتا ہے۔ بچہ خواہ مسلمان گھر میں پیدا ہو یا عیسائی کے گھر میں یا کسی اور کے، خدا تعالیٰ کا وجود ان سب کے لئے ایک جیسا ہوتا ہے۔ یہی ایک طریق ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسلوں کو تیار کر سکتے ہیں۔ لیکن کس قدر افسوس ہے کہ ہم اپنی آئندہ نسل کو اپنے ہاتھوں اب تباہ و برباد کر رہے ہیں۔ مذہب سے لگاؤ کم ہوتا چلا جارہا ہے اور ایک نسل کے بعد دوسری نسل بگڑتی اور ضائع ہوتی چلی جارہی ہے۔ اب یہی ایک فارمولا رہ گیا ہے جو میں آپ سب کے لئے تجویز کرتا ہوں۔ اسی ذریعے سے آپ اپنے بچوں کو خالقِ حقیقی کی طرف واپس لا سکتے ہیں اور پھر اسی پر توکل کریں اور اسی پر چھوڑ دیں کہ وہ انہیں صراط مستقیم پر چلائے۔

میرے نزدیک یہی ایک طریق ہے (دعا کا) جس کے بہت بڑے نتائج برآمد ہو سکتے ہیں۔ ایسے تمام لوگوں کے بچے اپنے مالک سے پیار کرنے والے بن جائیں گے اور خدا تعالیٰ کبھی بھی انہیں ضائع نہیں کرے گا۔ اس کے علاوہ تمام حربے جو کہ انسان کو تباہ و برباد کر سکتے ہیں اس کے مقابل پر کچھ بھی حیثیت نہ رکھیں گے۔

آج اگر تمام دنیا اس پر عمل کرنا شروع کر دے تو تمام جھوٹے قصے اور اسلحہ کے استعمال سے پیش آمدہ تباہی کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔

پس اپنے بچوں کو خدا تعالیٰ سے پیار کرنا سکھائیں اور پھر دیکھیں کہ وہ کبھی ضائع نہیں کرے گا اور یہی وقت کا اہم تقاضا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فضل ہمیشہ آپ کے شاملِ حال ہو۔ آمین''۔

(ماہنامہ تشحیذ الاذہان۔ دسمبر 1985ء۔ صفحہ 10 تا 15)

مجلس خدام الاحمدیہ کے دوسرے سالانہ یورپین اجتماع کے موقع پر شائع ہونے والے سووینیئر کے لئے پیغام

☆ احمدی نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور سچی غم خواری میں وقف رہیں

☆ بنی نوع انسان......کی مادی فلاح و بہبود سے بڑھ کر ان کی روحانی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کریں

☆ مغرب کی طرف سے آفتاب طلوع ہونے کی پیشگوئی پورا ہونے کا وقت آ گیا ہے

☆ اپنی پوری صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے اس دن کو قریب لانے کی کوشش کریں جس کا آغاز آسمان پر مقدر ہو چکا ہے۔

☆ پوری جانکاہی اور دل سوزی سے دعوت الی اللہ کا فریضہ ادا کریں اور دُعا سے کبھی غافل نہ ہوں

⚜

مجلس خدام الاحمدیہ UK نے مورخہ 24,23 اور 25 اگست 1985ء کو دوسرا یورپین اجتماع منعقد کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اس موقع پر خدام الاحمدیہ نے ایک سوونیئر شائع کیا جس کے لئے حضور رحمہ اللہ نے ازراہِ شفقت ایک پیغام مرحمت فرمایا۔ اصل پیغام انگلش میں ہے۔ اس کا ترجمہ پیش خدمت ہے۔

....

''مجھے یہ معلوم کر کے از حد خوشی ہوئی ہے کہ مجلس خدام الاحمدیہ انگلستان، یورپ کی مجالس خدام الاحمدیہ کے دوسرے اجتماع کے موقع پر ایک سوونیئر شائع کر رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو تمام یورپ کے لئے عظیم روحانی انقلاب کا پیش خیمہ بنادے اور نوجوانانِ احمدیت کو ایسا زبردست جوش غیر معمولی ولولہ اور بے مثال جذبہ عطا فرمائے کہ وہ مستقبل کی ہر ذمہ داری کو کمال خوبی کے ساتھ ادا کر سکیں آمین۔

میرے نہایت پیارے عزیزو!..................

حضرت مصلح موعود نور اللہ مرقدہ نے خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی

احمدیت کے نونہالو! ہمارے محبوب امام جماعت (حضرت فضل عمر نور اللہ مرقدہ) نے 1938ء میں مجلس خدام الاحمدیہ کی بنیاد رکھی اور احمدی نوجوانوں کا نام خدام الاحمدیہ تجویز فرمایا تا احمدیت کے معیار کے مطابق صرف اپنے ملک اپنی قوم اور اپنی جماعت ہی کی نہیں پوری دنیا کی خدمت کرنے والے ہوں۔ مَیں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ اس عظیم الشان نصب العین کی تکمیل کے لئے آپ کی نظر ہمیشہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اس ارشاد پر رہنی چاہیے۔

(اس کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے حضرت بانی سلسلہ کی کتاب ازالہ اوہام صفحہ 836 سے ایک اقتباس پیش فرمایا۔ جس میں حضرت بانی سلسلہ نے فرمایا ہے کہ چاہیے کہ دین حق کی ساری تصویر تمہارے

وجود میں نمودار ہو اور تمہاری پیشانیوں میں اثر سجود نظر آوے اور خدا تعالیٰ کی بندگی تم میں قائم ہو۔ اگر قرآن اور حدیث کے مقابل پر ایک جہان عقلی دلائل کا دیکھو تو ہرگز اس کو قبول نہ کرو اور یقیناً سمجھو کہ عقل نے لغزش کھائی ہے۔ توحید پر قائم رہو اور نماز کے پابند ہو جاؤ اور اپنے مولائے حقیقی کے حکموں پر سب کو مقدم رکھو اور دین حق کے لئے سارے دکھ اُٹھاؤ۔)

یورپ کے احمدی نوجوانوں کے فرائض

یورپ کے احمدی نوجوانوں کا دوسرا فرض یہ ہے کہ وہ زندگی بھر اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کی خدمت اور ہمدردی اور چارہ جوئی اور سچی غم خواری میں وقف رہیں اور نہ صرف زبان سے بلکہ اپنے عمل سے اور پاک نمونہ سے ثابت کر دیں کہ انسانی تعلقات کے دائرہ میں بھی (دین حق) کی تعلیم ہر دوسری تعلیم سے افضل و اعلیٰ اور اکمل اور احسن ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس تعلیم کا نچوڑ چند فقروں میں یہ بیان فرماتے ہیں کہ۔

''قرآن انجیل کی طرح یہ نہیں کہتا کہ اپنے دشمنوں سے پیار کرو بلکہ وہ کہتا ہے کہ چاہیے کہ نفسانی رنگ میں تیرا کوئی بھی دشمن نہ ہو۔ اور تیری ہمدردی ہر ایک کے لئے عام ہو۔ مگر جو تیرے خدا کا دشمن تیرے رسول کا دشمن اور کتاب اللہ کا دشمن ہے وہی تیرا دشمن ہوگا تو ایسے کو بھی دعوت اور دعا سے محروم نہ رکھ اور چاہیے کہ تو ان کے اعمال سے دشمنی رکھے نہ ان کی ذات سے اور کوشش کرے کہ وہ درست ہو جائیں اور اس بارے میں فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ یَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَ الۡاِحۡسَانِ وَ اِیۡتَآءِ ذِی الۡقُرۡبٰی (النحل:91)۔ یعنی خدا تم سے کیا چاہتا ہے۔ بس یہی کہ تم نوع انسان سے عدل کے ساتھ پیش آیا کرو۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ ان سے بھی نیکی کرو جنہوں نے تم سے کوئی نیکی نہیں کی۔ پھر اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ تم مخلوق خدا سے ایسی ہمدردی سے پیش آؤ کہ گویا تم ان کے حقیقی رشتہ دار ہو۔ جیسا کہ مائیں اپنے بچوں سے پیش آتی ہیں کیونکہ احسان میں ایک خودنمائی کا مادہ بھی مخفی ہوتا ہے اور احسان کرنے والا کبھی اپنے احسان کو جتلا بھی دیتا ہے لیکن وہ جو ماں کی طرح طبعی جوش سے نیکی کرتا ہے وہ کبھی خودنمائی نہیں کرسکتا۔ پس آخری درجہ نیکیوں کا طبعی جوش ہے جو ماں کی طرح ہو۔'' (کشتی نوح صفحہ 28)

بنی نوع انسان سے سچی ہمدردی کا اوّلین تقاضہ یہ ہے کہ ان کی مادی فلاح و بہبود سے بڑھ کر ان کی روحانی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کریں اور اس کوشش میں اپنے آقا و مولےٰ پیغمبر کامل حضرت اقدس

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسلوب سیکھیں اور آپؐ ہی کے رنگ پکڑیں۔ جس طرح آپؐ بنی نوع انسان کی ہدایت کے لئے ہمہ وقت غم وافسردگی میں مبتلا رہتے تھے اور اپنی جان کو یہ ایک روگ سا لگا رکھا تھا۔ چاہیے کہ آپ میں سے بھی ہر ایک اس جانکاہی اور دلسوزی کے ساتھ فریضہ (دعوت الی اللہ) ادا کرے۔ اور چین سے نہ بیٹھے جب تک مغرب سے سچائی کے سورج کے طلوع ہونے کے آثار ہویدا نہ ہو جائیں اور وہ صبح صادق نمودار نہ ہو جائے جس کی بشارت مخبر صادقؐ نے ہمیں 1400 برس پہلے دی تھی۔ مغرب سے اس طلوع آفتاب کا ذکر کرتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:-

(اس کے بعد حضور نے حضرت بانی سلسلہ کی کتاب ازالہ اوہام صفحہ 515 میں سے ایک اقتباس پیش فرمایا جس میں حضرت بانی سلسلہ نے فرمایا ہے اس عاجز پر جو ایک رؤیا میں ظاہر کیا گیا وہ یہ ہے جو مغرب کی طرف سے آفتاب کا چڑھنا یہ معنی رکھتا ہے کہ ممالک مغربی جو قدیم سے ظلمت کفر وضلالت میں ہیں آفتاب صداقت سے منور کیے جائیں گے اور ان کو دین حق سے حصہ ملے گا۔ حضرت بانی سلسلہ نے فرمایا ہے کہ میں نے دیکھا کہ میں شہر لنڈن میں ایک منبر پر کھڑا ہوں اور انگریزی زبان میں ایک نہایت مدلل بیان سے دین حق کی صداقت بیان کر رہا ہوں بعد اس کے میں نے بہت سے پرندے پکڑے جو چھوٹے چھوٹے درختوں پر بیٹھے ہوئے تھے اور ان کے رنگ سفید تھے اور شاید تیتر کے جسم کے موافق ان کا جسم ہوگا اور میں نے اس کی یہ تعبیر کی کہ اگرچہ میں نہیں مگر میری تحریریں ان لوگوں میں پھیلیں گی اور بہت سے راستباز انگریز صداقت کا شکار ہو جائیں گے۔ درحقیقت آج تک مغربی ملکوں کی مناسبت دینی سچائیوں کے ساتھ بہت کم رہی ہے۔ گویا خدا تعالیٰ نے دین کی تمام عقل ایشیاء کو دے دی اور دنیا کی عقل تمام یورپ اور امریکہ کو۔ نبیوں کا سلسلہ بھی اول سے آخر تک ایشیاء کے ہی حصہ میں رہا اور ولایت کے کمالات بھی انہیں لوگوں کو ملے۔ اب خدا تعالیٰ ان لوگوں پر نظر رحمت ڈالنا چاہتا ہے)

دُعا ہی ہے جو ہماری کوشش کے بے رنگ خاکوں میں رنگ بھرتی ہے

پس اے میرے عزیزو! آپ کامل یقین اور توکل اور صبر اور استقلال اور جانسوزی اور وفاداری کے ساتھ اپنی تمام صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے ان روشن دنوں کو قریب تر لانے کی کوشش کرتے رہیں جن کا آنا آسمان پر مقدّر ہو چکا ہے اور دعا سے بھی کسی وقت غافل نہ رہیں۔ کیونکہ دُعا ہی ہے جو ہماری کوشش کے بے رنگ خاکوں میں رنگ بھرتی ہے اور ہمارے منصوبوں کی بے جان تصویروں کو زندگی عطا کرتی ہے۔

بظاہر یہ کام ہماری طاقت سے بڑھ کر اور سخت مشکل بلکہ محال نظر آتا ہے مگر بہر حالت یہ ہو کر رہے گا۔ یہ ایک تقدیر مبرم ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

(اس مرحلے پر حضرت امام جماعت احمدیہ نے حضرت بانی سلسلہ کا ایک اقتباس تذکرہ صفحہ 286 سے بیان فرمایا جس میں حضرت بانی سلسلہ نے فرمایا کہ ''وہ دن نزدیک آتے ہیں کہ جو سچائی کا آفتاب مغرب سے چڑھے گا۔ اور یورپ کو سچے خدا کا پتہ لگے گا......... قریب ہے کہ سب ملتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کُند ہوگا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے)

والسلام خاکسار

(دستخط)

مرزا طاہر احمد امام جماعت احمدیہ

28 وفا 1324 ہش مطابق 28 جولائی 1985ء

(ضمیمہ ماہنامہ تحریکِ جدید ربوہ ستمبر 1985ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 8 نومبر 1985ء

☆ ذیلی تنظیموں کی اہمیت اور ذمہ داری
☆ مجلس عاملہ کا ہر ماہ ایک اجلاس خاص نماز کے موضوع پر ہو
☆ پھر یہ خدا کا کام ہوگا کہ آپ کی حفاظت فرمائے......... اس دن کو قریب تر لائے جو ظاہری فتح کا دن بھی ہوا کرتا ہے

⚜

حضور رحمہ اللہ نے ذیلی تنظیموں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:۔

ذیلی تنظیموں کی ذمہ داری

......جب میں نے جماعت کو تنبیہ کی تو خصوصیت سے انصار اللہ، خدام الاحمدیہ اور لجنہ، یہ تینوں تنظیمیں میرے سامنے تھیں۔ جماعت احمدیہ کے اصل بنیادی نظام کا ڈھانچہ تو صدارت یا امارت کا نظام ہے لیکن اس قسم کے کاموں میں جہاں War Footing (جنگی بنیادوں) پر کام کرنے ہوتے ہیں وہاں تقسیم کار کے اصول پر کاربند ہونا ضروری ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر جب کوئی قوم ایک عظیم جنگ میں مصروف ہو جائے تو اگر کاموں کو تنظیموں کے اندر بانٹ دیا جائے تو وہ کام زیادہ عمدگی کے ساتھ زیادہ تفصیل کے ساتھ نظر رکھتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔ اس لئے جماعتوں کی ان تین تنظیموں سے میں خصوصیت کے ساتھ مخاطب ہوں کہ یہ اپنے اپنے دائرے میں بہت محنت اور کوشش کریں۔ ماؤں پر، بہنوں پر بھائیوں پر یعنی خاندان کے اندر والدین پر بہت بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے اس لئے کہ وہ آخری صورت میں خدا کے سامنے جواب دہ ہیں۔ ہر خاندانی یونٹ کسی نہ کسی تنظیم سے تعلق رکھتا ہے اس لئے جیسا کہ قرآن کریم نے بیان فرمایا ہے کہ نماز کے قیام کا آخری کارخانہ خاندان ہی ہوگا اس کارخانے تک پہنچنے کے لئے اسے بیدار کرنے کے لئے اسے حرکت دینے کے لئے جماعت کی مختلف تنظیمیں قائم ہیں۔ پس لجنہ عورتوں کو تو متوجہ کرے اور آخری نظر اس بات پر رکھے کہ اہل خانہ کے اندر نماز قائم کرنے کی ذمہ داری خود اہل خانہ کی ہے۔ <u>لجنہ عورتوں سے کہے کہ آپ ہم سے سیکھیں اور پھر اپنے بچوں کو سکھائیں، اپنے</u> خاوندوں کو اپنے بیٹوں کو اپنی بیٹیوں کو بار بار پانچ وقت نماز کی طرف متوجہ کرتی رہیں۔ جو مرد یا بچے نماز کے وقت گھر میں بیٹھے ہوئے ہیں...... عورتیں ان کو اٹھائیں کہ تم نماز پڑھنے جاؤ، نماز پڑھ کر واپس آؤ پھر آرام سے بیٹھ کر کھانا کھائیں

گے اسی طرح بچوں کو بھی نماز کے لئے تیار کریں اور گھر کی بیٹیوں پر نظر رکھیں کہ وہ نماز ادا کر رہی ہیں۔ والدین میں سے باپ کی ذمہ داری ہے مگر بیٹیوں کے معاملہ میں باپ کے اوپر کچھ مشکلات بھی ہوتی ہیں اس کو یہ پتہ نہیں لگتا کہ اس نے کب نماز پڑھنی ہے کب نہیں پڑھنی اس لئے وہاں جب تک ماں مدد نہ کرے اُس وقت تک باپ پوری طرح اپنے فرائض کو ادا نہیں کرسکتا۔ اور بھی بہت سے مسائل ہیں نماز سے تعلق رکھنے والے جو ماں سکھا سکتی ہے۔ اس لئے جہاں تک لجنہ کا تعلق ہے وہ عورتوں کو سنبھالیں اور بچیوں کو سنبھالیں اور گھر کے اندران کو طریقے بتائیں کہ اس طرح تم نے اپنے گھروں میں نماز کو قائم کرنا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ لجنہ نماز کی تلقین شروع کردے میں یہ کہہ رہا ہوں کہ لجنہ گھروں میں نماز قائم کرنے کے طریقے سمجھائے اور مستورات کو یہ بتائے کہ تم نے نماز کے قیام کے سلسلہ میں سوسائٹی کی کیا مدد کرنی ہے۔ اور پھر لجنہ یہ رپورٹیں لے کہ عورتیں کس حد تک نماز کو اپنے گھروں میں قائم کرنے میں کامیاب ہو چکی ہیں۔ یہ ذمہ داری ہے جو میں لجنہ پر ڈال رہا ہوں۔

اسی طرح خدام نوجوانوں کو صرف یہ تلقین نہ کریں کہ تم نماز میں آؤ بلکہ یہ تلقین کریں کہ تم خود بھی آؤ اور اپنے بھائیوں کو بھی نماز پر قائم کرو اور اپنے والدین کو بھی نماز پر قائم کرنے کی کوشش کرو کیونکہ بعض جگہ ایسا بھی ہو رہا ہے کہ بچے تو نماز کے پابند ہیں لیکن بڑے خود نماز کی ادائیگی میں غفلت برت رہے ہیں۔ بعض نوجوان بچے مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہمیں بہت تکلیف ہے، ہمارے والد صاحب نماز نہیں پڑھتے، ہم بہت سمجھاتے ہیں لیکن وہ توجہ نہیں دیتے ان کو نماز کی عادت ہی نہیں اس لئے آپ ان کو خط لکھیں۔ چنانچہ ایک بچے نے بڑے درد سے مجھے لکھا، میں نے اس کی خواہش کے مطابق اس کے والد کو خط لکھا اور پھر مجھے وہاں کی امارت سے اطلاع ملی کہ اس خط نے اثر کیا ہے اور خدا کے فضل سے اُس نے نماز شروع کر دی ہے۔ مجھے بڑی خوشی ہوئی۔ اگر ایسے نوجوان اپنے والدین کو نماز کا پابند بنانے کے لئے بے قرار ہوں تو وہ بھی بڑا کام کر سکتے ہیں اِس کے ساتھ اگر وہ دعا بھی مانگیں کے تو اس سے بہت غیر معمولی فائدہ پہنچے گا۔ دوسروں کو دعاؤں کی تحریک کریں گے تو اس طرح بھی خدا کے فضل سے فائدہ پہنچے گا۔

انصار کو یہ توجہ دلانی چاہیے اپنے ممبران کو، کہ تم اِس عمر میں داخل ہو گئے ہو جس میں جواب دہی کے قریب تر جا رہے ہو۔ ویسے تو ہر شخص ایک لحاظ سے ہر وقت ہی جواب دہی کے قریب رہتا ہے لیکن انصار بحیثیت جماعت کے اپنی جواب دہی میں قریب تر ہیں۔ اور جو وقت پہلے گزر چکا ہے اس میں اگر کچھ خلا رہ

گئے ہیں وہ ان کو بھی پورا کرنا شروع کریں، اس طرح ان کا کام اور ذمہ داری دوہری ہو جاتی ہے۔ ان کو چاہیے کہ وہ موجودہ وقت کی ذمہ داریاں بھی پوری کریں اور گزشتہ گزرے ہوئے وقت کے خلا بھی پورے کریں۔ انصار اپنے ساتھیوں کو بتا بتا کر اس طرح بیدار کریں کہ اُن کو اپنی فکر پیدا ہو۔ وہ انہیں بتائیں کہ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کی آیت تم پر سب سے زیادہ اطلاق پاتی ہے تمہیں کل کے لئے فکر کرنی چاہیے کہ تم نے کیا آگے بھیجا ہے۔ وہاں غد کا معنی روزِ قیامت بن جائے گا۔ سوال و جواب اور محشر کا وقت بن جائے گا، اس لئے ان کو بیدار کریں جگائیں اور کہیں کہ اگر تم اپنے گھروں میں نماز قائم کئے بغیر آنکھیں بند کر گئے تو کتنا حسرت ناک انجام ہوگا، بے نمازی نسلیں جو اپنے مقصد سے عاری ہیں جن کو خدا نے پیدا تو کسی اور غرض سے کیا تھا اور وہ کسی اور طرف رخ اختیار کر چکی ہیں وہ پیچھے چھوڑ کر جا رہے ہو تمہارے ہاتھ بالکل خالی ہیں، وہاں پیش کرنے کے لئے تمہارے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہا، خدا کو کیا جواب دو گے کہ جو امانت اس نے تمہارے سُپرد کی تھی تم نے ان کو کیا سے کیا بنا ڈالا، کیسے حال میں انہیں پیچھے چھوڑ کر آئے ہو۔ اس رنگ میں انہیں بیدار کریں، خاص تعہد کے ساتھ اپنا پروگرام ایسا بنائیں کہ پھر ان کو سونے نہ دیں۔

معین پروگرام کی اہمیت

تنظیمیں نسبتاً زیادہ بیدار رہ سکتی ہیں اگر وہ ایک معین پروگرام بنالیں کہ ہر ہفتے یا ہر مہینے میں ایک دفعہ خاص نماز کے موضوع پر غور کرنے کے لئے اکٹھے مل کر بیٹھا کریں گے، ہمیشہ کے لئے مجلس عاملہ کا ایک اجلاس مقرر ہو جائے جس کا موضوع سوائے نماز کے کچھ نہ ہو۔ اس دن لجنہ بھی نماز پر غور کر رہی ہوں۔ خدام بھی نماز پر غور کر رہے ہوں، انصار بھی نماز پر غور کر رہے ہیں۔ سب اپنی اپنی جگہ ہمیشہ کے لئے یہ فیصلہ کر لیں کہ اب ہم نے ہر مہینہ میں کم از کم ایک مرتبہ ضرور اس موضوع پر بیٹھ کر غور کرنا ہے۔ جہاں حالات ایسے ہیں کہ ہر مہینے اکٹھے نہ ہو سکتے ہوں۔ وہاں دو مہینے میں ایک اجلاس مقرر کر لیں، تین مہینے میں مقرر کر لیں مگر جب مقرر کر لیں پھر اس پر قائم رہیں، اس پر صبر دکھائیں ہر دفعہ جائزہ لیا کریں کہ ہمیں اس عرصہ میں کتنا فائدہ پہنچا ہے اس عرصے میں کتنے نئے نمازی بنے ہیں۔ کتنوں کی نمازوں کی حالت ہم نے درست کی۔ کتنوں کو نماز میں لطف حاصل کرنے کے ذرائع بتائے اور ان کی مدد کی۔ اور بہت سے پہلو ہیں وہ ان سب پہلوؤں پر غور کیا کریں اور ہر دفعہ اپنا محاسبہ کریں کہ ہم کچھ مزید حاصل کر سکے ہیں یا نہیں۔ اگر اس جہت سے اس طریق پر وہ کام شروع کریں گے تو اُمید ہے کہ ہم بہت تیزی کے

ساتھ اپنے اس مقصد کی طرف بڑھ رہے ہوں گے جس کی خاطر ہمیں پیدا کیا گیا ہے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ اور جب ہم مقصد کی طرف بڑھ جائیں اور جب ہم مقصد کو حاصل کر رہے ہوں تو پھر فتح ایک ثانوی چیز بن جاتی ہے۔ عددی اکثریت کے نصرت اور ظفر کے جو خواب آپ اب دیکھ رہے ہیں اس سے بڑھ کر یہ خواب آپ کے حق میں آپ کی ذاتوں میں پورے ہو چکے ہوں گے۔ پھر یہ خدا کا کام ہوگا کہ آپ کی حفاظت فرمائے پھر یہ خدا کا کام ہوگا کہ اُس دن کو قریب تر لائے جو ظاہری فتح کا دن بھی ہوا کرتا ہے۔ جنگِ بدر کے دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی تو واسطہ دیا تھا اپنے رب کو کہ اے خدا یہ تھوڑی سی جماعت میں نے تیار کی تیری عبادت کرنے والوں کی، یہ میری ساری محنتوں کا پھل ہے اور تو کہتا ہے کہ کائنات کا پھل ہے، اگر آج یہ لوگ مارے گئے تو پھر تیری عبادت کرنے والا دنیا میں کبھی کوئی پیدا نہیں ہوگا۔ اس قسم کے عبادت کرنے والے آپ بن جائیں تو اللہ کے پاک رسولؐ کی دعائیں آپ کو بھی پہنچ رہی ہوں گی وہ خدا! کا رسولؐ اس لحاظ سے آج بھی زندہ ہے آج بھی وہ دعا آپ کے حق میں خدا کو یہ واسطہ دے گی کہ اے خدا اگر یہ تیرے عبادت گزار بندے ہلاک ہو گئے یا ناکام مر گئے تو پھر کبھی دنیا میں تیری عبادت نہیں کی جائے گی۔ پھر کیسے ممکن ہے کہ آپ کو وہ فتح اور ظفر نصیب نہ ہو۔

(ضمیمہ ماہنامہ ''خالد'' و ''انصاراللہ'' دسمبر 1986ء)

مجلس خدام الاحمدیہ ساؤتھ ریجن UK کے سالانہ اجتماع کے لئے پیغام

1986ء

- ☆ نئی نسل کو خصوصاً اور بڑوں کو عموماً قرآن کریم سکھانے کی طرف توجہ دیں
- ☆ نماز کا ترجمہ اور تلفظ ہر ایک ذہن میں راسخ ہو اور نماز سے شدید محبت ہر ایک کے دل میں گھر کر لے
- ☆ قرآن کریم باترجمہ پڑھنے کا عزم پیدا کیا جائے
- ☆ یہ وہ بنیادی کام ہے جس پر جماعت کے ایمان اور تقویٰ کی بنیاد ہے

⚜

حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:-

''آپ کو اس اجتماع کی بہت بہت مبارک ہو اور تمام حاضرین کو السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

اللہ تعالیٰ اس اجتماع کو ہر لحاظ سے کامیاب کرے اور دینی و دنیاوی برکتوں سے نوازے اور آپ کی مجلس کو ایک مثالی مجلس بنا دے۔ نئی نسل کو خصوصاً اور بڑوں کو عموماً قرآن کریم سیکھنے اور سکھانے کی طرف توجہ دیں۔ نماز، اس کا تلفظ اور ترجمہ ہر ایک ذہن میں پختہ طور پر راسخ ہو اور نماز سے شدید محبت ہر ایک کے دل میں گھر کر لے۔ یہ وہ بنیادی کام ہے جو نظر سے اوجھل ہو جاتا ہے اس لئے گھروں کی سہولت کے اعتبار سے چھوٹے چھوٹے مرکز درس کے لئے قائم کئے جائیں اور سو فیصدی بچوں کو، اسی طرح بڑوں کو بھی نماز صحیح تلفظ اور ترجمے کے ساتھ یاد کرائی جائے اور قرآن کریم پڑھایا جائے۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں حفظ کرائی جائیں اور پھر قرآن کریم باترجمہ پڑھنے کا عزم پیدا کیا جائے۔ یہ وہ بنیادی کام ہے جو ابتدائی لحاظ سے انتہائی ضروری ہے جس پر جماعت احمدیہ کے ایمان اور تقویٰ کی بنیاد ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق بخشے اور اس اجتماع کی برکتوں کو اتنا پھیلا دے کہ ہر بچہ اور ہر جوان اور ہر بوڑھا پکا نمازی بن جائے اور خدا تعالیٰ کی محبت اس کے رگ و ریشہ میں گھر کر لے۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ساتھ ہو''۔

(ضمیمہ ماہنامہ مصباح اپریل 1986ء صفحہ 9)

مجلس خدام الاحمدیہ کے تیسرے سالانہ یورپین اجتماع سے افتتاحی خطاب

فرمودہ 24؍اکتوبر 1986ء

☆ اسلام کا خلاصہ امن ہے
☆ ذکر الٰہی کے موضوع حضرت مصلح موعودکا ایک لیکچر
☆ ذکر الٰہی سے یہ مراد
☆ طمانیت بخش ذکر الٰہی
☆ ہر حالت میں خدا یاد رہے

⚜
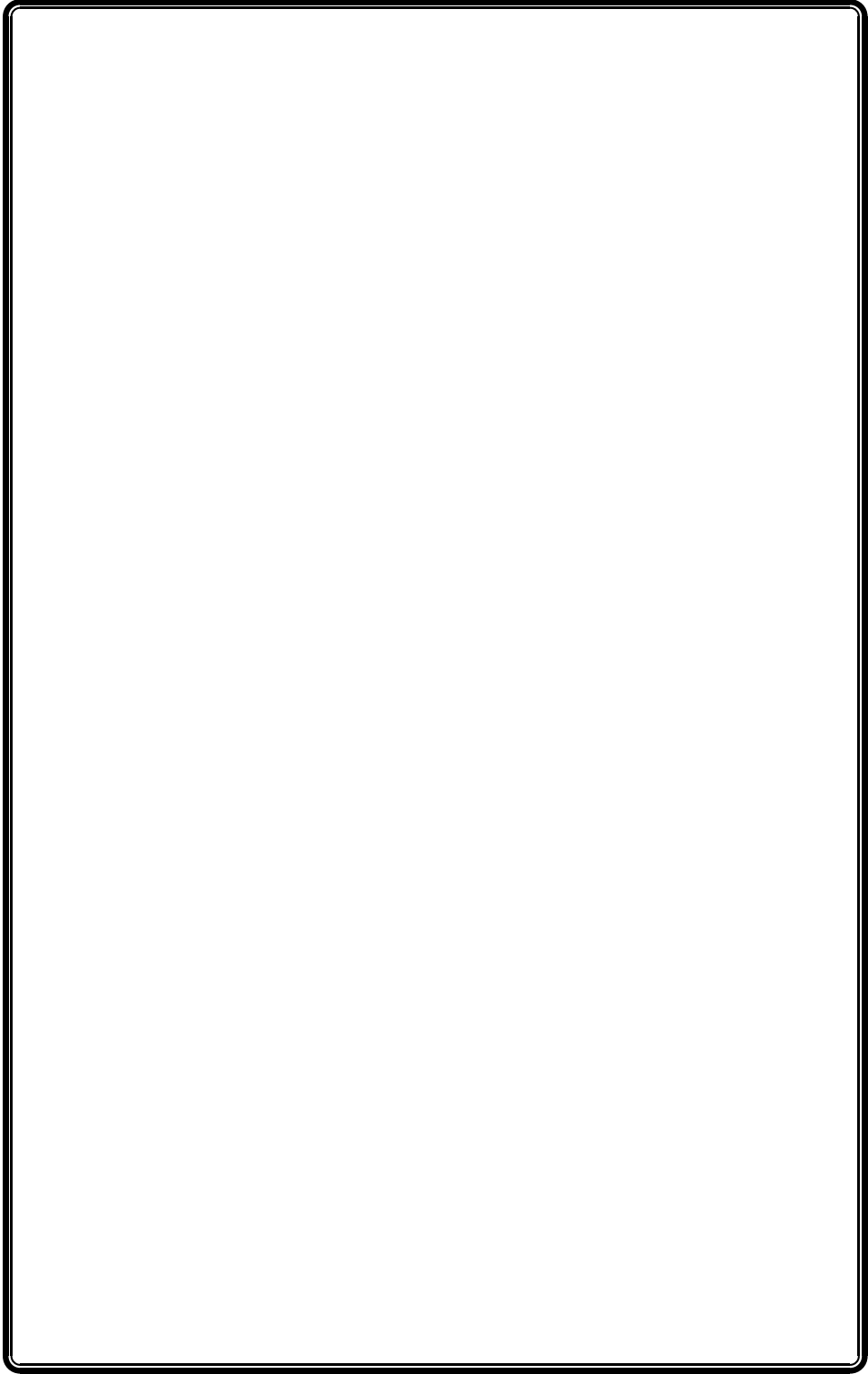
تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ مغربی جرمنی کو آج یہاں ایک یورپین اجتماع منعقد کرنے کی توفیق عطا فرما رہا ہے۔مختلف مواقع پر مختلف تقریبات میں مجھے مغربی جرمنی میں آکر شمولیت کی توفیق ملتی رہی ہے اور خدا تعالیٰ کا یہ ایک بڑا نمایاں غیر معمولی احسان ہے جسے مَیں ہر دفعہ محسوس کرتا ہوں کہ ہر مرتبہ حاضرین کی تعداد میں پہلے کی نسبت اضافہ پاتا ہوں اور کبھی یہ نہیں دیکھا کہ کسی تقریب میں حاضرین کی تعداد پچھلے دورے کی تقریب کے مقابل میں کم ہوگئی ہو۔گذشتہ مرتبہ یہاں ایک جماعتی جلسہ کے موقع پر حاضر ہوا تھا اور اگر یہ پنڈال اتنا ہی ہے جتنا اس وقت تھا تو آج یہاں حاضری اس عمومی جماعتی جلسے کے مقابل پر بھی دکھائی دے رہی ہے۔یہ درست ہے کہ خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں انصار بھی تشریف لے آتے ہیں اور لجنات میں سے بھی نمائندگی ہو جاتی ہے لیکن جہاں تک میری نظر بتا رہی ہے کہ حاضرین کی بڑی تعداد خدام ہی سے تعلق رکھنے والی ہے تو اس پہلو سے اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے،خدا تعالیٰ کا خاص فضل ہے کہ یورپ میں اس وقت جرمنی میں ایک بڑی مضبوط خدام کی تعداد تیار ہو رہی ہے جہاں یہ اللہ کا احسان ہے کہ وہ برکت بھی دے رہا ہے تعداد بڑھا رہا ہے ہر لحاظ سے اپنے فضل نازل فرما رہا ہے وہاں کچھ ذمہ داریاں بھی ہم پر عائد ہوتی ہیں۔

اسلام کا خلاصہ امن ہے

تفصیلی خطاب تو میں انشاءاللہ اجتماع کے آخر پر کروں گا یہ تو اختصار کے ساتھ محض ایک دعا کروانے کا بہانہ ہوا کرتا ہے جسے ہم افتتاحی خطاب کہتے ہیں۔لیکن جمعہ کے مضمون کے تسلسل میں ایک بات میں آپ سے ضرور کہوں گا۔میں نے اسلام کے متعلق تعارف کرواتے ہوئے قرآن ہی کی زبان میں یہ بتایا کہ اسلام کا خلاصہ امن ہے اور یہ امن انسان کی ذات سے شروع ہوتا ہے جب تک اس کا آغاز انسان کی ذات

سے شروع نہ ہو اس وقت تک بیرونی امن کا دعویٰ بالکل بے معنی اور لغوبات ہے۔ میں آج اس مجلس میں آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انسان کی ذات سے امن کیسے شروع ہوتا ہے۔

قرآن کریم فرماتا ہے

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (الرعد:29)

کہ سنو! خبردار اللہ کے ذکر ہی سے دل اطمینان پایا کرتے ہیں۔ پس جب ہم کہتے ہیں کہ انسان کی ذات سے امن شروع ہوتا ہے تو سوال یہ اُٹھتا ہے کہ وہ امن کیسے نصیب ہو؟ تو اس کا نہایت آسان اور نہایت مؤثر اور قوی ذریعہ ذکر الٰہی ہے۔ ذکر الٰہی کا مضمون تو بہت ہی وسیع ہے۔ انسان کو جو اندرونی امن نصیب ہوتا ہے، قرآن کریم کی تعلیم کے مطابق اس کا آغاز ذکر الٰہی سے ہوتا ہے اور بیرونی امن بھی تبھی دنیا میں انسان پھیلا سکتا ہے اگر اسے اندرونی امن وہ نصیب ہوا ہو جس کا آغاز ذکر الٰہی سے ہوتا ہے ورنہ کئی قسم کے اور بھی اندرونی امن ہیں جو درحقیقت نظر آنے والے امن ہیں۔ ان میں کوئی گہرائی نہیں اور کوئی حقیقت نہیں ہوا کرتی۔ وہ بالآخر اُس انسان کا بھی ساتھ چھوڑ دیتے ہیں جو بظاہر اُس امن کا حامل ہوتا ہے۔ DRUGS (ڈرگس) کے ذریعے بھی تو ایک امن نصیب ہو جاتا ہے۔ دنیا کی لذتوں میں ڈوب کر بھی ایک قسم کا امن نصیب ہو جاتا ہے مگر جس امن کی اسلام بات کرتا ہے وہ وہ امن نہیں۔ وہ وہ امن ہے جو خالصۃً ذکرِ الٰہی سے ملتا ہے۔

ذکر الٰہی کے موضوع حضرت مصلح موعود کا ایک لیکچر

پس ذکر الٰہی کا مضمون جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا بہت ہی وسیع مضمون ہے اس سلسلہ میں حضرت مصلح موعود کا ایک لیکچر ذکر الٰہی کے موضوع پر موجود ہے جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے اور خدام کو چاہیے کہ جس حد تک ممکن ہو اُسے پڑھیں کیونکہ اس میں ذکر کی بہت سی انواع بیان ہیں، طریقہ کار بیان ہیں، ذکر کیسے کیا جاتا ہے؟ اور کس طرح اُس سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کئے جاتے ہیں۔ مگر بہر حال مختصراً میں آپ سے یہ بیان کرنا چاہتا ہوں کہ ذکر بعض دفعہ تو انسان اس وقت شروع کرتا ہے جب اسے خود ضرورت محسوس ہوتی ہے مثلاً کسی مشکل میں وہ مبتلا ہے۔ Assylum کے لئے درخواست دی ہوئی ہے ردّ ہوتی چلی جارہی ہے درخواست۔ اور آخر وکیل کہہ دیتا ہے کہ اب اپیل میں بھی کوئی گنجائش نہیں اس وقت خدا یاد آجاتا ہے اور انسان کہتا ہے کہ میں ذکر کرتا ہوں مگر اطمینان مجھے پھر نصیب نہیں ہو رہا۔ میں نے بہت

دعائیں کیں پھر بھی میری خدا نے نہیں سنی۔ تو یہ وہ ذکر نہیں جو طمانیت قلب نصیب کرنے والا ذکر ہے۔ بعض دفعہ وقتی طور پر اگر اس ذکر میں بھی انسان خالص ہو تو وہاں بھی اس عرصہ کے لئے طمانیت قلب ضرور نصیب ہو جاتی ہے مگر ضرورت کا ذکر اگر طمانیت بخشے بھی تو یہ آنی فانی طمانیت ہوتی ہے۔ آئی اور غائب ہوگئی جس طرح کا ذکر چلا گیا اسی طرح اس کی طمانیت بھی چلی جاتی ہے اور طمانیت کا مضمون ایسا ہے جس میں ٹھہراؤ کا معنیٰ پایا جاتا ہے۔ آناً فاناً آنے جانے والی چیز کو آپ طمانیت بخش نہ کہہ سکتے ہیں نہ اس میں طمانیت کے مضمون کے ساتھ کسی قسم کی موافقت پائی جاتی ہے۔ اطمینان تو کہتے ہی ہیں اس چیز کو جسمیں بظاہر ٹھہراؤ سا ہو، سکینت ہو، کوئی چیز آ کر ٹھہر جائے اور گھر بنالے، مقام کر بیٹھے۔ اس نقشے کو یا جو نقشہ ذہن میں اُبھرتا ہے اس کے ساتھ طمانیت کا تعلق ہے۔

ذکر الٰہی سے یہ مراد

پس ذکر الٰہی سے یہ مراد ہے کہ کبھی ضرورت کے وقت آپ کو خدا یاد آ جائے جو آپ کی ضرورت کے وقت کا خدا ہو تو وہ آپ کو مستقل طمانیت بخش دے گا۔ وہ خدا یقیناً ایسا رحیم کریم خدا ہے کہ بعض دفعہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ بندہ ہے بے وفا مجھے اپنی ضرورت کے وقت یاد کرتا ہے میری ضرورت کے وقت یعنی میرے دین کی ضرورت کے وقت بُھلا دیتا ہے پھر بھی بسا اوقات رحمان و رحیم خدا اُس ذکر کے نتیجے میں بھی اسے وقتی طمانیت بخش دیتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم فرماتا ہے کہ بسا اوقات ٹھنڈی ہوائیں چل رہی ہوتی ہیں سمندر میں کشتی والے بڑے خوش مطمئن سفر کر رہے ہیں اچانک ہواؤں کا رخ پلٹتا ہے اور شدید طوفان برپا ہو جاتا ہے۔ ایسا خطرناک طوفان کہ بچنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ اس وقت ایسے لوگ بھی جو جب امن کی حالت میں تھے تو خدا تعالیٰ کو بُھلا بیٹھے تھے یا خدا کے ساتھ شریک کیا کرتے تھے اور فرضی خداؤں کی عبادت کیا کرتے تھے وہ بھی ایک خدا کو خالصۃً پکارنے لگ جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی اس پکار کو بھی سن لیتا ہے اور انہیں وقتی طور پر طمانیت بخشتا ہے یہاں تک کہ وہ پھر زمین کے محفوظ کناروں تک آرام سے پہنچ جاتے ہیں۔ اللہ فرماتا ہے کہ یہ جانتے ہوئے بھی خدا ایسا کرتا ہے کہ جب انہیں امن نصیب ہوگا تو پھر وہ مجھے بھلا دیں گے پھر اسی طرح فرضی خداؤں کو بلانے لگ جائیں گے جس طرح پہلے بلایا کرتے تھے تو یہ طمانیت تو مل جاتی ہے لیکن وقتی طمانیت ہوتی ہے۔

طمانیت بخش ذکر الٰہی

قرآن کریم الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب میں جس ذکر کا ذکر فرما رہا ہے وہ ذکر آ کر ٹھہر جانے والا ذکر ہے جو زندگی کا حصہ بن جائے۔ خدا دل میں داخل ہو اور ٹھہر جائے وہاں سکینت اختیار کر لے۔ وہی ذکر ہے جس کے متعلق خدا فرماتا ہے کہ وہ پھر طمانیت بخشے گا اور ساری زندگی مطمئن ہو جائے گی۔ وہیں سے (دین حق) کا آغاز ہوتا ہے۔ جن دلوں میں خدا تعالیٰ اس طرح داخل ہو جائے کہ ذکر خدا کی ذات کے ساتھ وابستہ ہو خدا ذکر کے ساتھ ہمیشہ وابستہ ہو اور انسانی وجود کا حصہ بن جائے۔ یعنی (خدا تو حصہ نہیں بن سکتا مگر اس کی یاد تو انسانی وجود کا حصہ بن جائے) ایسا شخص امن میں آ جاتا ہے اور ایسے شخص کا ماحول بھی پُر امن ہونے لگتا ہے۔ ایسا شخص جس کے ساتھ اللہ رہے یہ ممکن نہیں کہ وہ شخص دنیا میں بدامنی پھیلانے والا ہو۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ اس کا گھر بے سکون رہے وہ لازماً اپنے تعلقات میں ایک ایسی نئی بات خدا والی بات داخل کر لیتا ہے کہ جس طرح بندہ اپنے خدا سے محفوظ ہے خدا کے بندے اس سے محفوظ ہو جاتے ہیں۔

پس جب میں کہتا ہوں کہ آپ (دین حق) کا نام لے کر جب دنیا میں (دین حق) کی فتح کی باتیں کرتے ہیں تو اس کا آغاز اپنے نفس سے کریں تو قرآن کے بیان کے مطابق مَیں آپ کو یہ گُر بھی بتاتا ہوں کہ یہ آغاز کیسے ہوسکتا ہے۔ خدا کی باتوں سے یا بلند نعروں سے یہ بات حاصل نہیں ہوسکتی۔ نعرہ ہائے تکبیر آپ فلک شگاف بھی لگائیں تب بھی وہ اندرونی طمانیت آپ حاصل نہیں کر سکتے جو خدا سے سچے تعلق کے نتیجے میں خدا کے خود بخود یاد آتے رہنے کے ذریعے پیدا ہوتی ہے۔

ہر حالت میں خدا یاد رہے

پس جب خدا فرماتا ہے اَلَا بِذِکۡرِ اللّٰہِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ تو مراد یہ ہے کہ تم خدا کے اس رنگ میں ہو جاؤ کہ خدا سے تمہیں پیار پیدا ہو جائے اللہ کے ذکر میں لطف آنے لگے، وہ روزمرہ کی زندگی میں داخل ہو جائے، اُٹھتے بیٹھتے، سوتے جاگتے، مصیبت ہو یا امن ہو تمہیں ضرورت ہو یا دین کو تمہاری ضرورت ہو ہر حالت میں خدا یاد رہے اور اس کے ساتھ ایک دائمی تعلق اور پیار پیدا ہو جائے۔ یہ جب پیدا ہو تو یہ راز چھپا نہیں رہا کرتا۔ یہ ایسی بات نہیں جسے آپ دل میں سمیٹ کے دنیا کی نظر سے بچا کر رکھ سکیں پھر تو اس کی خوشبو اُٹھتی ہی اُٹھتی ہے پھر تو اس کے رنگ ضرور دکھائی دینے لگتے ہیں۔

جس طرح مٹی میں بعض دفعہ ایک مالی جادو جگاتا ہے اور مٹی کے بدرنگ سے حسین خوبصورت پھول اگا لیتا ہے اور پھولوں کا رنگ بھی بکھرتا ہے فضا میں اور اُن کی خوشبو بھی بکھرتی ہے۔ سارے دیکھنے والوں کے لئے طمانیت بخش ہوتا ہے وہ نظارہ۔ اسی طرح اللہ کی محبت کا بیج جب دل میں بویا جائے تو اس بیج سے اس سے زیادہ خوشنما، اس سے بہت زیادہ حسین رنگوں والا، اس سے بہت زیادہ دلکش خوشبوؤں والا ایک مرغزار اٹھ جاتا ہے اور انسانی دل کو وہ گلزار بنا دیتا ہے۔ یہ وہ ذکر الٰہی ہے جو سکینت بخشنے والا ہے اور (دین حق) کے سفر کا آغاز یہاں سے شروع ہوتا ہے۔

اگر دلوں میں یہ ذکر پیدا ہو جائے اور یہ طمانیت نصیب ہو جائے تو آپ سارے ماحول کو طمانیت بخشنے والے بن جائیں گے۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو۔ اب ہم دعا کرتے ہیں اس کے بعد آپ کے جلسہ کی کارروائی جاری رہے گی۔

(ماہنامہ اخبار احمدیہ جرمنی دسمبر 1986ء)

مجلس خدام الاحمدیہ کے تیسرے سالانہ یورپین اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 26 اکتوبر 1986ء

☆ خدا کے شیروں کی طرح ہمت بلند کرتے ہوئے......... یہ عزم لے کر اٹھیں کہ اس ملک کو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے آپ نے فتح کرنا ہے

☆ ملکوں اور جسموں پر قبضہ نہیں بلکہ فتح سے مراد دلوں اور روحوں پر قبضہ ہے

☆ جرمنی میں (دین حق) اور احمدیت کی ترقی کے نمایاں امکانات ہیں

☆ جرمن قوم یورپ کی باقی قوموں کی نسبت زیادہ سعید فطرت اور سعادت مند ہے اور ذمہ دار قوم ہے

☆ میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جرمن قوم میں (دین حق) قبول کرنے کی صلاحیتیں یورپ کی دوسری قوموں سے زیادہ ہیں

☆ ہر احمدی نوجوان، بوڑھے، عورت ہر احمدی بچے کو بھی (داعی الی اللہ) بننا پڑے گا

☆ سنجیدگی سے جرمن زبان سیکھنے کی طرف توجہ دیں اور اس پر عبور حاصل کریں

☆ یورپ کو اگر ہلاکت سے بچانا ہے تو جرمن قوم کو ہلاکت سے بچائے بغیر یورپ نہیں بچ سکتا

❦

تشہد،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کا یہ بے حد احسان ہے کہ اس نے خدام الاحمدیہ کے اس تیسرے اجتماع کو غیر معمولی رونق عطا فرمائی اور جتنی توقعات تھیں منتظمین کی ان سے بہت بڑھ کر اس اجتماع کی حاضری بڑھا دی۔ جب میں نے یہاں آنے کے بعد اندازے طلب کئے تو قائد صاحب کا اندازہ تو بارہ سو کے لگ بھگ تھا اور امیر صاحب کا اندازہ پندرہ سو کے قریب تھا لیکن اب معلوم ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اٹھارہ سو سے بھی زائد خدام یہاں اکھٹے ہو چکے ہیں۔

خدا کے شیروں کی طرح یہ عزم لے کر اُٹھیں

یہ خدا کا غیر معمولی احسان ہے کہ گذشتہ اجتماع کے آٹھ سو کے مقابل پر اٹھارہ سو کی تعداد بلکہ اس سے بھی زیادہ یہ بالکل غیر متوقع اللہ کا فضل ہے اتنی بڑی تعداد جماعت احمدیہ کے نوجوانوں کی خدا کی طرف سے ایک ملک کو عطا ہو جائے تو یقینی طور پر اس ملک کی فتح کی بنیادیں قائم ہو جانی چاہئیں اور اس حیثیت سے میں آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ آپ خدا تعالیٰ کے شیروں کی طرح ہمت بلند کرتے ہوئے ارادے بلند تر رکھتے ہوئے کامل یقین اور توکل کے ساتھ دعاؤں سے مدد مانگتے ہوئے آج یہ عزم لے کر اُٹھیں کہ اس ملک کو حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے دین کے لئے آپ نے فتح کرنا ہے جب ہم فتح کی باتیں کرتے ہیں تو (دین حق) کی اصطلاح میں فتح کی باتیں کرتے ہیں یہاں فتح سے مراد ملکوں اور جسموں پر قبضہ نہیں ہے بلکہ فتح سے مراد دلوں اور روحوں پر قبضہ ہے اور دلوں اور روحوں پر قبضے سے پہلے خود انسان کو مفتوح ہونا پڑتا ہے۔ کہتے ہیں۔

عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شوَد

عشق پہلے معشوق کے دل میں پیدا ہوا کرتا ہے۔ اگر شمع روشن نہ ہو تو پروانہ نہیں جلا کرتا اس لئے آپ کو انکی محبت میں پہلے خود مفتوح ہونا پڑے گا ان سے ایسا عشق اور پیار کا معاملہ کرنا پڑیگا کہ بالآخر انکے لئے چارہ نہ رہے آپ پر عاشق ہوئے بغیر یہ ہے دینی اور روحانی فتح کا منظر جو ہمیں قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور جو ہمیں احادیث نبویہ سے اور سنتِ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں کہ میری اور تمہاری مثال تو ایسے ہے جیسے تم دیوانہ وار ایک آگ کے گڑھے کی طرف دوڑے چلے جا رہے ہو اور میں تمہارے عشق اور تمہاری محبت میں والہانہ تمہیں بچانے کے لئے تمہارے پیچھے دوڑتا ہوں۔ کبھی کمر پر ہاتھ ڈالتا ہوں کبھی کندھے سے پکڑتا ہوں اور میری کوشش زیادہ سے زیادہ یہی ہے کہ کسی طرح میں تمہیں ہلاکت سے بچاؤں۔ پس حقیقت میں جب ہم فتح کی باتیں کرتے ہیں تو ہرگز دنیاوی اصطلاح کی فتح نہیں۔ نہ ہمارا وہ مقصود ہے نہ ہمیں اس سے کوئی دلچسپی ہے فتح سے مراد وہ روحانی فتح ہے جس کے نتیجہ میں جن پر ہم فتحیاب ہوتے ہیں وہ نجات پا جاتے ہیں جن پر ہم غالب آتے ہیں۔ ان کی محبت میں مغلوب ہو کر غالب آتے ہیں اس کے بغیر غالب نہیں آتے پس اس پہلو سے (دین حق) کا یہ جہاد ایک انتہائی عظیم الشان انسانی جہاد ہے اور انسانیت کی سطح کا بلند ترین جہاد ہے۔

اٹھارہ سو کے لگ بھگ خدام یہاں موجود ہیں جن میں سے غالباً دو سو کے قریب یا ایک سو پچھتر کے قریب باہر کے ملکوں کے ہونگے اور باقی سب جرمنی کے ہیں حالانکہ جرمنی کے سب خدام یہاں حاضر نہیں ہو سکے۔

یہاں احمدیت کی ترقی کے امکانات نمایاں ہیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فضل سے جرمنی میں مجلس خدام الاحمدیہ کی تعداد دو ہزار سے یقیناً زائد ہو چکی ہے اور دو ہزار کی تعداد تو ایک بہت عظیم الشان تعداد ہے جو خالصۃً جوانوں پر مبنی ہے دنیا کے کسی ملک میں بوڑھوں اور جوانوں کی وہ نسبت نہیں جو جرمنی میں ہے۔ یہاں نوجوانوں کی تعداد خاندانوں کی نسبت کے لحاظ سے غیر معمولی طور پر زیادہ ہے۔ اس لئے دو طرح سے یہاں اللہ تعالیٰ کے فضل سے (دین حق) اور احمدیت کی ترقی کے نمایاں امکانات ہیں۔ اوّل نوجوان میں ہمت ہوتی ہے کام کی اور خدمت کا جذبہ بھی ہوتا ہے وہ اپنے آپ کو مٹا دینے کی طاقت بھی پاتا ہے جب کہ بوڑھوں میں خواہ اخلاص کا معیار بلند بھی ہو تو وہ اس طرح انجام سے بے خبر ہو کر بے پرواہ ہو کر اپنی ذات کو کسی اعلیٰ مقصد کی خاطر

جھونکنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس لئے دنیا میں جتنی بھی بڑی جنگیں ہوئی ہیں سب سے زیادہ تعداد میں نوجوانوں نے اپنے آپ کو ملک کی خاطر پیش کیا اور سب سے زیادہ تعداد میں نوجوانوں نے اپنی زندگیاں پیش کیں۔ کچھ تو اس لحاظ سے بھی طبعی بات ہے کہ جوان ہی ایسے موقعوں پر آگے آیا کرتے ہیں مگر کچھ اس لحاظ سے بھی کہ جوانوں اور نسبتاً بڑی عمر کے سپاہیوں اور فوجیوں کا اگر آپس میں موازنہ کر کے دیکھا جائے تو نوجوانوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جانی قربانی اور بعض صورتوں میں مالی قربانی کی زیادہ استطاعت ہوتی ہے۔

جرمن قوم سعید فطرت ہے

پس اس پہلو سے جرمنی کو باقی ممالک پر ایک فوقیت حاصل ہے کہ یہاں احمدیوں کی زیادہ تر تعداد نوجوانوں پر مشتمل ہے ایک اور پہلو ہے وہ یہ کہ یہاں کی جو قوم ہے یعنی جرمن قوم وہ یورپ کی باقی قوموں کی نسبت زیادہ سعید فطرت اور سعادت مند ہے۔ جرمن قوم کے متعلق ایک وہ تصور تھا جو ہم نے دور سے سنا تھا یا دوسرے یورپینز کے پراپیگنڈا کے نتیجہ میں ہم تک پہنچا اور وہ یہ تھا کہ یہ نہایت کرخت قوم ہے اور انسانی قدروں سے تقریباً عاری ہے اور بہت ہی سخت مزاج اور غیروں کو نہ قبول کرنے والی، دھتکارنے والی لیکن ایک وہ جرمن قوم ہے جو قریب آنے سے ہم پر ظاہر ہوئی اور اس پہلو سے اُس تصور سے بالکل مختلف تصور ابھرتا ہے جو غیروں نے پراپیگنڈا کے طور پر جرمن قوم کا باہر کے ملکوں میں باندھا تھا ایک انتہائی سعید فطرت اور ذمہ دار قوم ہے جو سنجیدہ مزاج رکھتی ہے اور جس کام کو صحیح سمجھے اس کو بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس کی ذمہ داریاں ادا کرنے کی کوشش کرتی ہے جہاں تک غیروں کو قبول کرنے یا دھتکارنے کا تعلق ہے باوجود اس کے کہ یورپ کے بعض اور ممالک کی اقتصادی حالت مثلاً سویڈن کی اقتصادی حالت جرمنی کی اقتصادی حالت سے بہت بہتر ہے اور ملک کی وسعت کے لحاظ سے آبادی بھی بہت کم ہے اس کے مقابل پر جرمن قوم اقتصادی لحاظ سے اگرچہ بہت مضبوط ہے لیکن سویڈن کے مقابل پر نہیں اور ملک کی وسعت کے لحاظ سے اس قوم کی تعداد بہت زیادہ ہے اور Congestion ہے ضرورت سے زیادہ آدمیوں کا تھوڑے رقبے میں اکٹھے ہونے کا احساس پیدا ہوتا ہے۔ اس کے باوجود جرمن قوم نے جس فراخدلی کے ساتھ جس وسعتِ قلبی کے ساتھ باہر کے مظلوم انسانوں کے لئے اپنے ملک کے دروازے کھولے ہیں یورپ کی کوئی دوسری قوم اس کے قریب بھی نہیں پھٹکتی۔ اس لحاظ سے اسلئے اس قوم کو تنگ دل کہنا یا غیروں

کے اوپر سخت کہنا بالکل ایک ناجائز ظالمانہ حملہ ہے جس کی کوئی بھی حقیقت نہیں۔
تیسرا یہ میں نے غور سے دیکھا ہے بڑے لمبے تجربے کے بعد میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ جرمن قوم میں اسلام قبول کرنے کی صلاحیتیں یورپ کی دوسری قوموں سے زیادہ ہیں۔ چونکہ ظاہری کرختگی کے باوجود ان کے اندر فطرتاً سچائی کی محبت موجود ہے اور سعادت پائی جاتی ہے اور بناوٹی اور دکھاوے کے طور پر نہ ان کو باتیں کرنی آتی ہیں نہ ان کا مزاج ان کو ایسا کرنے کی اجازت دیتا ہے اس کے مقابل پر ساؤتھ آف یورپ میں آپ چلے جائیں وہاں آپ کو بہت ہی خوش مزاج لوگ ملیں گے جو جگہ جگہ بات بات پر بچھے جائیں گے آپ کے سامنے لیکن اس سے آگے نہیں۔ جب آپ ان کو کوئی سنجیدہ پیغام دینے کی کوشش کریں گے جب آپ ان کو کسی اعلیٰ مقصد کی طرف بلائیں گے تو السلام علیکم کہہ کر الگ ہو جائیں گے ابتداءً ان کی خوش دلی خوش مزاجی کی تہذیب نسبتاً ایک سطحی حیثیت رکھتی ہے جب کہ جرمن قوم میں یہ خوبی موجود ہے کہ ابتدءً سخت نظر آتے ہیں لیکن ذرا سا آپ ان کے وجود میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو اندر سے آپ ان کو نہایت اعلیٰ انسانی قدروں سے مزین پائیں گے۔ پس فطرتاً یہ اسلام کے قریب ہیں اور یہ جو میرا تجزیہ ہے یہ ایک فرضی بات نہیں حقائق پر مبنی تجزیہ ہے اور کچھ عرصہ پہلے مجھے یہ معلوم کر کے بے حد خوشی ہوئی کہ حضرت مصلح موعود نے جنگِ عظیم سے پہلے جب پہلا احمدیہ مشن جرمنی میں بنانے کا فیصلہ کیا تو اس وقت آپ کا بھی یہی جرمن قوم کے متعلق نظریہ تھا اور آپ نے اس کا اظہار اپنے خطبے میں کیا کہ میں جرمنی کو پہلے اس لئے چن رہا ہوں کہ میرے نزدیک جرمنی کے مستقبل سے (دین حق) کا مستقبل بہت حد تک وابستہ ہے اور اس قوم میں ایسی بنیادی خوبیاں پائی جاتی ہیں کہ اگر ہم اس کو (دین حق) کے لئے جیت لیں تو ساری دنیا (دین حق) کے لئے فتح کرنی آسان ہو جائے گی۔
اس پہلو سے ہماری ذمہ داریاں جہاں بہت بڑھ جاتی ہیں۔ چنانچہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ کچھ ہمیں باقی ملکوں کی نسبت اس ملک میں خدمت کے لئے بہت زیادہ آسانیاں میسر آتی ہیں لیکن ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کے دو ایسے پہلو ہیں جن کی طرف میں خصوصیت سے آج آپ کو توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ پہلی بات یہ کہ دعوت الی اللہ کے متعلق میں بارہا خطبات میں اعلان کر چکا ہوں اور بیان کر چکا ہوں اور اس کی اہمیت بیان کر چکا ہوں ہر رنگ میں مَیں نے سمجھانے کی کوشش کی ہے کہ جب تک ہر احمدی نوجوان (مربی) نہیں بن جاتا اس وقت تک (دین حق) کی فتح کی باتیں کرنے کا ہمیں حق ہی کوئی نہیں ہر احمدی جوان ہی کو نہیں ہر احمدی بوڑھے کو بھی (مربی) بننا پڑیگا ہر احمدی عورت کو بھی (مربی) بننا پڑے گا ہر احمدی

بچے کو بھی (مربی) بننا پڑیگا کیونکہ دنیا کے پھیلنے کی رفتار آج اسلام کے پھیلنے کی رفتار سے بہت زیادہ تیز ہے اور اگر ہمارے مجاہدین جو (دعوت الی اللہ) کے میدان عمل میں کود چکے ہیں اگر صرف ان پر ہی انحصار کیا جائے تو ہمیں ہزار ہا سال چاہئیں دنیا کو فتح کرنے کے لئے بشرطیکہ دنیا کی آبادی آگے بڑھنا بند کر دے اور اگر دنیا اسی رفتار سے آگے بھاگتی چلی جائے تو پھر تو غالب کے اس مصرع کے مصداق قصہ ہوگا کہ میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے۔ وہ کہتا ہے

ہر قدم دوریٔ منزل ہے نمایاں مجھ سے
میری رفتار سے بھاگے ہے بیاباں مجھ سے

ہر قدم پر میری منزل کی دوری کا احساس پہلے سے آگے زیادہ بڑھتا چلا جا رہا ہے کیونکہ بیابان میری ہی رفتار سے آگے بھاگ رہا ہے۔ پس اے دنیا کے بیابانوں کو چمنستانوں میں تبدیل کرنے کے دعوے دارو! کیا تم نہیں دیکھ رہے کہ یہ دنیا کے بیابان تو تمہاری رفتار سے بھی بہت زیادہ تیزی سے آگے بڑھتے چلے جا رہے ہیں اور مقابلۃً تمہارے قدم پیچھے رہتے چلے جا رہے ہیں اس لئے اگر تم اپنے اس دعوے میں سنجیدہ ہو کہ ساری دنیا کو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے لئے جو سچا دین ہے اور ایک ہی تنہا سچا دین ہے آج دنیا میں اس کے لئے فتح کرو گے اور تمام انسانیت کو (دین حق) کے امن بخش سائے میں لے آؤ گے تو پھر سنجیدگی سے غور کرو کہ اس دعوے کی صداقت کو ثابت کرنے کے لئے تم اپنے اندر کیا تبدیلی پیدا کر رہے ہو اور کس سنجیدگی کے ساتھ اس دعوے کی پیروی میں قدم آگے بڑھا رہے ہو۔

میں جب جائزہ لیتا ہوں تو مجھے یہ نظر آتا ہے کہ ہمارے اکثر احمدی نوجوان ابھی تک اپنی زندگی کا اکثر حصہ بیکار صرف کر رہے ہیں جیسا کہ حضرت مصلح موعود کا کلام آپ کے سامنے پڑھا گیا تھا ابھی تک ان کے ارادے چھوٹے ہیں، ابھی تک ان کی نگاہیں نیچی ہیں، ابھی تک ان کے مقصود بے معنی اور بے حقیقت ہیں۔ دنیا کی چند نوکریاں، دنیا کی چند لذتیں بہت زیادہ نمایاں طور پر یہی ان کے سامنے ہیں اس وقت۔ حالانکہ انسان کے لئے اپنے مقصد کو بلند تر کرنا کوئی مشکل نہیں بلند تر مقصد کی پیروی تو ضرور مشکل ہے لیکن مقصد کا بلند کرنا تو کچھ مشکل نہیں پہلے اپنے مقاصد تو بلند کریں کہ آپ نے (دین حق) کے مجاہد بن کر ساری دنیا کو (دین حق) کے لئے فتح کرنا ہے اگر یہ مقصود آپ کا بن جائے تو پھر آئندہ عمل کے بہتر ہونے کی بھی توقع کی جا سکتی ہے لیکن اگر مقصود ہی یہ نہ ہو اس طرف توجہ ہی نہ پیدا ہو تو پھر ساری زندگی رائیگاں جائے گی اور بہت

دیر کے بعد آپ کو یہ احساس ہوگا کہ خدا تعالیٰ نے آپ کو جو نعمت دی تھی وہ اکثر آپ نے دنیا کی پیروی میں ضائع کر دی اور کچھ بھی ایسی کمائی یہاں نہیں کر سکے جو اُخروی زندگی میں خدا کے حضور پیش کر سکیں نوجوانی کی عمر جہاں غیر ذمہ داری کی عمر ہے وہاں اصلاح کے لحاظ سے بھی جوانی کی عمر میں صلاحیت موجود ہے کہ جلد اصلاح پذیر ہو جاتی ہے۔ دنیا میں بھٹکنے کے امکانات بھی زیادہ احتمالات بھی زیادہ ہوتے ہیں اور جوانی کی عمر میں توبہ کرنے کی طاقت بھی زیادہ نصیب ہوتی ہے اور جلدی اپنے رستے کو بدلنے کی صلاحیت بھی زیادہ موجود ہوتی ہے۔ جس طرح چھوٹی عمر کے پودے ہیں ان کے اندر یہ صلاحیت ہوتی ہے کہ آپ ایک جگہ سے اکھاڑ کر دوسری جگہ لگا دیں تب بھی وہ بچ جائیں گے لیکن بڑی عمر کے پودوں کو آپ ایک جگہ سے اکھیڑ کر دوسری جگہ لگائیں گے تو وہ نہیں بچ سکتے چند دن کی فرضی رونق ان کی باقی رہے گی جو پچھلی کمائی کے نتیجہ میں ہے لیکن تازہ پانی سے وہ فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے، تازہ خوراک سے فائدہ نہیں اٹھا سکیں گے، کچھ دنوں بعد مرجھا جاتے ہیں۔

تو آپ نوجوان نسل سے تعلق رکھتے ہیں اگر پہلی زندگی میں آپ نے کچھ اور قسم کے مقصود بنائے ہوئے تھے، کچھ اور طرح کی باتوں کی پیروی کی تھی تو ابھی آپ میں صلاحیت موجود ہے کہ اپنی زندگی کے نقشے کو بدل ڈالیں۔ خدا تعالیٰ کے حضور سنجیدگی سے اپنے آپ کو پیش کریں اور خدا تعالیٰ کی فوج کے صفِ اوّل کے مجاہد بننے کا ارادہ کریں یہ ہر گز مشکل نہیں۔ میں اس کے متعلق مزید کچھ تھوڑی سی روشنی ڈالتا ہوں۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے اور یہ جائزہ میرا صرف خطوں کے ذریعہ اطلاعات پر مبنی نہیں بلکہ جماعتی رپورٹوں پر بھی مبنی ہے جس کا میں جائزہ لیتا رہتا ہوں بہت ہی تھوڑی تعداد ہے ابھی احمدی نوجوانوں کی جو دعوت اِلی اللہ کے کام میں سنجیدگی کے ساتھ ملوث ہو چکے ہیں جن کی زندگی کا مقصدِ اوّل دعوت الی اللہ بن چکا ہے۔ ایسے خدام جرمنی میں معدودے چند ہیں جو کوشش کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بخشے کہ صحیح معنوں میں وہ اس کوشش میں کامیاب ہوں لیکن باقی جتنے ہیں وہ ان چند لوگوں کی نیک کمائی کی کھٹی کھاتے ہیں۔ جرمنی کا نام اگر (دعوت الی اللہ) میں روشن ہے تو وہ سب کی وجہ سے نہیں صرف چند آدمیوں کی وجہ سے ہے۔ اگر آپ سارے فی الحقیقت سنجیدگی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے عہد کر کے داعی الی اللہ بننے کی کوشش کریں تو میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگلے سال اٹھارہ سو کی بجائے چھتیس سو خدام یہاں بیٹھے ہونے چاہئیں جن میں سے مزید اٹھارہ سو مقامی ملکی ہونے چاہئیں ہر گز مشکل نہیں ہے جو لوگ سنجیدگی سے

ارادے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو پھل عطا کر دیتا ہے۔ خدا تعالیٰ پھل دینے میں ہرگز خسیس نہیں انسان اپنی محنت میں کمی کر دیتا ہے اپنی کوشش میں کوتاہی کر بیٹھتا ہے جس کے نتیجہ میں بعض دفعہ وہ پھل سے محروم ہو جاتا ہے مگر خدا تعالیٰ پھل دینے میں بہت ہی وسیع الحوصلہ ہے۔

بارہا میں جماعت کو پہلے بھی توجہ دلا چکا ہوں کہ آپ کی دنیا کی محنتوں کا تو پھل وہ بہت دیتا ہے اور آپ کی محنت سے بڑھ کر دیتا ہے یہ کیسے ممکن ہے کہ اس کے دین کی خدمت میں آپ محنت کریں اور وہ آپ کو محنت کے پھل سے محروم کر دے یہ تو بڑا ہی بھیانک بہتان ہے اپنے خدا پر دین کی خاطر، خدا کی خاطر دین کی خدمت کرنے والوں کے پھل کو خدا کبھی ضائع نہیں کرتا توقع سے بڑھ کر ان کو عطا کرتا ہے۔ اس لئے آپ میں سے ہر خادم کا فرض ہے کہ وہ یہ فیصلہ کر کے اٹھے کہ میں اللہ کی رضا کی خاطر اپنے سب مقاصد میں سب سے اونچا مقصد یہ رکھوں گا کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فوج کا سپاہی بن جاؤں گا اور چین سے نہ بیٹھوں گا جب تک ہر سال آنحضرتؐ کے دین کے لئے مزید زمینیں سر نہ کرتا چلا جاؤں یہ ارادہ بہت بلند ہے اس کی پیروی کیسے کرنی ہے۔

اس کے متعلق میں چند باتیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ صرف ارادے سے دنیا تبدیل نہیں ہوا کرتی لیکن تبدیلی کے لئے ارادہ بہر حال سب سے پہلے آتا ہے دوسرا اس کا پہلو یہ ہے کہ ارادے کے ساتھ دعا کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا ہے۔ آپ لاکھ ارادے باندھیں آپ کو بسا اوقات ان ارادوں پر عمل کرنے کی توفیق ہی نہیں مل سکتی۔ بہت سی مشکلات آپ کی راہ میں حائل ہیں جو ارادوں کو عمل میں ڈھالنے کی راہ میں روک بن جاتی ہیں اس لئے بہت ہی اہم بات ہے کہ سنجیدگی کے ساتھ باقاعدہ دعا کر کے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔ پہلے فیصلہ کریں کہ میں نے اللہ کی راہ میں ایک مجاہد بننا ہے اور اوّل درجے کا مجاہد بننا ہے اور پھر دعائیں کریں اور باقاعدہ دعائیں کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھے توفیق عطا فرمائے۔ یہ دو قدم اٹھالیں تو آپ کی اصلاح کا ایک لامتناہی سلسلہ وہیں سے شروع ہو جاتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے اس ارادے کے بعد جب آپ روزانہ دعا کرتے ہوں کہ اے خدا! مجھے اپنی راہ کا مجاہد بنا دے اور پھر دوسرے دن جا کر اپنے دوستوں کی مجلس میں شراب نوشی شروع کر دیں پھر آپ سؤر بیچنے کا کاروبار شروع کر دیں پھر آپ لوگوں سے بددیانتیاں شروع کر دیں پھر لوگوں کے حقوق مارنے لگ جائیں۔ ہر روز کی دعا لعنت ڈالے گی ہر ایسے شخص پر اور اس کو شرمندہ کرے گی اور کہے گی کہ تم کیا مانگ رہے ہو خدا سے جبکہ تمہاری زندگی کا رخ بالکل دوسری

طرف ہے کیوں ہوش نہیں کرتے۔ جب خدا سے مانگتے ہو کہ وہ تمہیں مجاہد بنائے تو مجاہد بننے کی طرف قدم اٹھاؤ لوگوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی طرف تو قدم نہ اٹھاؤ۔ کتنا عظیم الشان پھل ہے جو دعا مانگتے ہی آپ کو حاصل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور دعا کی مقبولیت کے نتیجہ میں جو غیر معمولی تائیدات اور نصرت اللہ کی طرف سے ملتی ہے آپ کو نئے حوصلے عطا ہوتے ہیں نئی توفیق نصیب ہوتی ہیں اپنی اصلاح کی۔ وہ اس کے علاوہ ہیں یہ تو ایک طبعی فطرتی پھل ہے جو فوراً نصیب ہو جاتا ہے۔

جرمن زبان سیکھنے کی طرف توجہ کریں

جو شخص بھی دعا میں سنجیدہ ہے جب وہ اپنے لئے دعائیں کرتا ہے تو اس کے ساتھ ہی اس کے عمل کی اصلاح کے لئے ایک نظام از خود حرکت میں آجاتا ہے اور اس کے لئے کسی انتظار کی ضرورت نہیں پڑتی پھر اس دعا کے دوران جب روزمرّہ کی زندگی میں آپ کے لئے (دعوت الی اللہ) میں مشکلات آئیں گی تو سب سے پہلی چیز آپ کو یہ محسوس ہوگی کہ آپ کو زبان نہیں آتی بغیر زبان سیکھے آپ کس طرح دنیا کے خیالات تبدیل کر سکتے ہیں یا کسی قوم کے خیالات تبدیل کر سکتے ہیں اور اگر آپ دعا میں سنجیدہ ہیں تو زبان سیکھنے میں بھی طبعاً سنجیدہ ہو جائیں گے آپ کی مثال ویسی تو نہیں رہے گی پھر کہ

ع لڑتے ہیں اور ہاتھ میں تلوار بھی نہیں

پھر آپ تلوار ڈھونڈنے کی کوشش کریں گے اس لئے زبان کی طرف توجہ کرنا آپ کے لئے ایک لازمی قدم بن جائے گا اس کو اٹھائے بغیر آپ آگے نہیں بڑھ سکتے اور آج اگر احمدی نوجوانوں کا جائزہ لیا جائے کہ کتنے ان میں سے جرمن زبان سیکھ رہے ہیں اور سنجیدگی سے اس پر عبور حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں اور دینی مطالعہ میں کوشش کرتے ہیں کہ جرمن دینی محاورہ بھی ان کو آجائے تا کہ وہ اس محاورے کو (دعوت الی اللہ) کے وقت استعمال کرسکیں تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے معدودے چند نکلیں گے جو (دعوت الی اللہ) کرنے والے بھی ہیں۔ ان میں سے بھی اکثر اس بات کو تسلیم کرتے ہیں اپنی خط و کتابت میں یا ملاقات کے دوران کہ (دعوت الی اللہ) تو ہم نے شروع کر دی ہے مگر ہمیں زبان نہیں آتی۔ ہم کیسٹس لے کر دیتے ہیں یا بعض کتابیں لے کر اپنے دوستوں کو دیتے ہیں۔ کیسٹس لے کر دینا یا کتابیں لے کر دینا اپنی جگہ ایک نیک فعل ہے خدا اس کے بھی بڑے اچھے نتیجے نکالتا ہے مگر کہاں یہ بات کہ اپنے مافی الضمیر کو اپنے دل کی باتوں کو آپ اپنی

زبان میں خود اپنے دوست تک پہنچا سکیں۔ کئی قسم کی باتیں کئی قسم کے سوال اس کے دل میں اٹھتے ہیں جو ان کیسٹس میں ہوتے ہی نہیں جو آپ نے ان کو دی ہوتی ہیں۔ یہ تو ناممکن ہے کہ ہر ذہن بالکل ایک طرح کا ہو۔ ایک کیسٹ بنانے والے نے اپنے تصور سے بعض لوگوں کے خیالات کا اندازہ کر کے بعض جوابات دیئے ہوئے ہیں جبکہ ہر آدمی کے دل میں ضروری نہیں کہ وہی سوالات اٹھیں اُسی قسم کی الجھنیں ہوں بالکل مختلف قسم کی باتیں بھی آسکتی ہیں اس لئے ضروری ہے کہ آپ زبان دان ہوں اور زبان دانی میں بھی آپ کو عبور حاصل ہو ورنہ تھوڑی سی زبان سیکھ کر پھر وہی مسئلہ درپیش ہو گا کہ سننے والے کے خیالات اور مضمون کے ہیں اور آپ نے اور مضمون کی زبان سیکھی ہے آپ کا زبان کا دائرہ محدود ہے اس کا وسیع ہے بہت سی باتوں میں جا کر الجھن پیدا ہو جائے گی۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ راولپنڈی میں ایک چینی دوست تھے جو ریسٹورنٹ میں کام کرتے تھے۔ ہمارے عثمان چینی صاحب جو ہمارے بڑے مخلص دوست ہیں۔ پنڈی جانے سے پہلے میں نے اُن سے کہا کہ میں اس کو ذرا Pleasent Surprise دینا چاہتا ہوں آپ مجھے کوئی پچیس تیس فقرے یا کچھ زائد چینی زبان کے ایسے سکھا دیں میں خوب رٹ لوں گا اور میں جا کر اس سے چینی میں باتیں شروع کر دونگا اور وہی باتیں جو روزمرہ میں کام آتی ہیں وہ میں نے سوچ لیں میں اس کو جا کر کہوں گا آپ کا کیا حال ہے وہ یہ جواب دے گا پھر میں کہوں گا کھانے وانے کے لئے کیا ہے and so on خیر میں نے میرا خیال ہے کہ تیس کے قریب یا اس سے بھی زیادہ غالباً ستر فقرے تھے مختلف جو میں نے اس وقت یاد کر لئے اور جا کر میں نے اس سے پوچھا چینی زبان میں کہ کیا حال ہے تو اس نے فرفر چینی زبان بولنی شروع کر دی ایک لفظ بھی میرے پلے نہیں پڑا۔ وہ سمجھا کہ اس نے بڑے سلجھے ہوئے انداز سے کہا ہے کہ کیا حال ہے ضرور چینی آتی ہوگی اس کو۔

تو اس قسم کی Surprise ملیں گی آپ کو اگر آپ تھوڑی سی جرمن زبان سیکھ کے (دعوت الی اللہ) شروع کر دیں گے تو آگے سے وہ فرفر بولیں گے آپ کو کچھ پتہ نہیں لگے گا۔ اس لئے اپنے تجربے سے نہ سہی میرے تجربے سے فائدہ اٹھالیں۔ زبان سیکھیں اور زبان پر عبور حاصل کریں۔ بڑی سنجیدگی کے ساتھ سکولوں میں داخل ہونا پڑے تو سکولوں میں داخل ہوں اور فیصلہ یہ کریں کہ میں نے اللہ کی خاطر یہ کام کرنا ہے۔ ویسے بھی زبان نے آپ کو یہاں فائدہ دینا ہے۔ زبان نہ سیکھنے والا کسی ملک میں رہ کر جانوروں کی طرح رہتا ہے۔ بیچارہ گونگے بہروں کی طرح رہتا ہے کہاں زبان سیکھے ہوئے کی زندگی کہاں نہ سیکھے ہوئے کی زندگی بہت نمایاں فرق ہے۔ تو یہ زبان سیکھنا جو خدا کی خاطر ہو گا آپ کو دنیا کے بھی عظیم الشان فوائد دے جائے گا آپ کی

زندگیوں کی کایا پلٹ دے گا۔ بہت زیادہ آپ کو لطف آئے گا یہاں رہنے کا بہ نسبت اس کے کہ آپ اشاروں سے باتیں کریں یا پاکستانی ڈھونڈیں گپیں مارنے کے لئے۔ یہ وجہ ہے کہ ہمارے پاکستانی آپس میں بیٹھ جاتے ہیں گپیں مارنے کیلئے خصوصاً پنجابی۔ایسی بیماری ہے ان کو اکھٹے ہو کر ایک دوسرے سے پنجابی میں باتیں کرنے کی اور اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ دوسری زبانیں سیکھنے کا شوق ہی نہیں۔

زبان میں تلفظ کی اہمیت

اور ایک بیماری یہ ہے کہ اگر کوئی سیکھے اور اس قوم کا تلفظ سیکھے تو سارے پنجابی ہنستے ہیں اس کے اوپر۔اگر غلط بولے پنجابی کی طرح تو کہتے ہیں کہ ٹھیک ہے اور اگر شریفوں کی طرح اُن قوموں کی طرح بولے جن کی زبان ہے تو ہنستے ہیں کہ بڑا بیوقوف ہے کس طرح منہ ٹیڑھا کر رہا ہے۔ یہ ساری جہالت کی باتیں ہیں۔ان جہالت کے قصوں کو بارڈر کے پرلی طرف چھوڑ آئیں اور اگر غلطی سے ساتھ لے آئے ہیں تو Export کر دیں۔ہمیں احمدیوں میں نہیں چاہئیں یہ باتیں۔

بالغ نظر انسانوں کی طرح ان باتوں پر غور کریں اور دیکھیں کہ جب زبان سیکھی جاتی ہے تو اسی طرح سیکھی جاتی ہے جس طرح اہل زبان سیکھتے ہیں جس طرح کسی قوم کے بچے اور اس کے بڑے بولتے ہیں۔اس کے بغیر آپ کی عزت اور قدر نہیں ہوسکتی۔ایک دفعہ مجھے یاد ہے جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران کوئی بات شروع ہوئی تو کسی نے کسی کے اوپر اعتراض کیا کہ وہ دیکھو جی وہ انگریزی بولتا ہے اور منہ ٹیڑھا کر کر کے اور انگریز بننے کی کوشش کرتا ہے میں نے اس کو کہا کہ وہ غلط نہیں تم غلط ہو۔ میں نے کہا کہ تمہیں اندازہ نہیں کہ زبان میں تلفظ کو کتنی بڑی اہمیت حاصل ہے۔تم عربی بولتے ہو تو وہ بھی پنجابی کی طرح جاپانی بولتے ہو وہ بھی پنجابی کی طرح۔ستیاناس کر دیتے ہو دنیا کی زبانوں کا اور اتنی ہوش نہیں کہ تمہاری عزت تب ہوگی اگر تم صحیح طریق سے بولو گے۔ چنانچہ میں نے اس کو مثال دی، عثمان چینی صاحب بھی وہیں تھے ہمارے ساتھ پڑھا کرتے تھے میں نے کہا کہ چینی صاحب کو دیکھو وہ بولتے ہیں تو وہ ایک فقرہ بھی اگر صحیح تلفظ سے بول جائیں تو تم کہتے ہو بڑی زبان آگئی ہے اور اگر وہ دس فقرے بھی بولیں چینی تلفظ میں تو آپ ہنستے رہتے ہیں کہ ان کو کچھ نہیں پتہ ابھی تک زبان نہیں آئی۔زبان آنا اور بات ہے اور زبان سے ایک اثر اور مقام پیدا کرنا ایک اور چیز ہے۔ یونیورسٹی آف لندن میں مجھے یاد ہے کہ ایک ایسے فارسی کے ایم اے تھے جن کی وہاں مادری زبان یعنی لدھیانے وغیرہ کے پٹھانوں میں سے تھے وہ۔اس لئے ان کے خاندان میں فارسی بولی جاتی تھی پنجابی سٹائل

میں، کیونکہ لمبے عرصہ سے وہ لوگ آئے ہوئے تھے اس لئے فارسی کا تلفظ بدل چکا تھا۔ وہ وہاں پی ایچ ڈی کرنے کے لئے آئے۔ تو جو فارسی کے پروفیسر تھے وہاں انہوں نے ایک دن مجھے کہا کہ مجھے سمجھ نہیں آتی کہ یہ کونسی فارسی بولتا ہے مجھے ایک لفظ سمجھ نہیں آتی بالکل اور زبان لگتی ہے تو ساری عمر کی جو محنت تھی ان کی فارسی زبان کی وہ ضائع گئی۔ ایران میں جاتے تب بھی ان کو سمجھ نہ آتی۔

زبانیں سیکھیں اور زبان کا معیار بلند کریں

تو آپ زبانیں سیکھیں اور زبان کو صحیح تلفظ میں سیکھیں اور زبان کا معیار بلند کرنے کی کوشش کریں پھر یہ قوم آپ کو عزت سے دیکھے گی پھر یہ آپ کو اپنے اندر شامل ہونے دے گی۔ ورنہ یہاں احمدیت کی دو قومیں پیدا ہو جائیں گی ایک جرمن احمدی اور ایک غیر جرمن احمدی اور کسی جماعت کے مقصد کو نقصان پہنچانے کے لئے سب سے خطرناک بات یہ ہوا کرتی ہے۔ ایسی جماعت جس کے اندر فرقے بٹ جائیں اور ریسز کی طرح یعنی قومیتیں نظریئے کے اندر پیدا ہو جائیں وہ انتہائی نقصان دہ بات ہوا کرتی ہے کسی نظریّے کے لئے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بھی بہت سا نقصان پہنچ چکا ہے زبان کے نہ آنے کے نتیجہ میں آپ نفوذ نہیں کر سکتے۔ زبان کے نہ آنے کے نتیجہ میں آپ کے اندر جو Inferiority Complex یعنی احساس کمتری پیدا ہو جاتا ہے اس کا حل آپ یہ کرتے ہیں کہ آپس میں بولتے ہیں اور آپس میں تعلقات بڑھاتے ہیں۔ جرمن احمدی جو پیدا ہو رہا ہے اگر چہ آپ اس کو پیدا کر رہے ہیں لیکن پیدا کر کے اپنے سے پرے دھکیلنا شروع کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ اور قوم ہیں اور ہم اور قوم۔ اس کے نتیجہ میں چونکہ احمدیت آپ سے اس کو ملی، (دین حق) آپ سے اس نے سیکھا وہ آپ کے متعلق جو بدظنیاں، بُرے خیالات قائم کرتا ہے آپ کے مذہب کے متعلق بھی ویسے ہی خیالات آہستہ آہستہ قائم کرنے لگ جاتا ہے۔ آپ کی بدسلوکی اس کے اندر مذہب کے خلاف بھی ردّعمل پیدا کر دیتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یورپ میں اکثر ممالک میں جب سے احمدیت آئی ہے ایک بہت بڑا حصہ ہے۔ جو ایک طرف سے آئے اور کچھ دیر رہ کر اس کے بعد دوسرے دروازے سے باہر نکل گئے اور اس میں سب سے بڑا نقصان ہمارے اس قومی غلط رجحان نے پہنچایا ہے۔ غیر ہمارے اندر آتا ہے باوجود اس کے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قطعی طور پر نصیحت فرمائی ہے کہ جب کوئی شخص موجود ہو تو اس طرح باتیں نہ کرو آپس میں کہ ایک دوسرے کو پتہ نہ لگے۔ جب آپ آپس میں باتیں شروع کر دیتے ہیں اور اس کی زبان نہیں بولتے تو وہ سمجھتا ہے کہ میری یہاں ضرورت نہیں وہ سمجھتا ہے کہ میری بے عزتی کی گئی ہے

میرے سے ذلیل سلوک کیا گیا ہے مجھے پوچھا نہیں گیا اور رفتہ رفتہ وہ بد دل ہو کر باہر چلا جاتا ہے۔ انگلستان میں مجھے کئی انگریز اسی طرح ملے۔ جب میں شروع شروع میں یہاں آیا ہوں مجھ سے جب باتیں ہوئیں اس موضوع پر کہ کیا وجہ ہے کہ لوگ باہر نکل گئے۔ آئے اور باہر نکل گئے۔ کہنے لگے کہ اس وجہ سے نہیں کہ وہ (دین حق) پر مطمئن نہیں تھے۔ بڑی سنجیدگی سے انہوں نے (دین حق) قبول کیا۔ مطمئن تھے، قربانیاں دیں مگر ہمارے انگلستان کے احمدی معاشرے نے جو غیر ملکوں سے آیا تھا اس نے ایک طرف سے بلایا اور دوسری طرف سے دھکے دے دے کر نکال دیا بدسلوکی کی وجہ سے۔ اور بعض دفعہ بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ بدسلوکی عمداً نہیں ہوتی۔ ایک آدمی کو پتہ ہی نہیں لگتا کہ میں بد اخلاقی کر رہا ہوں لیکن عملاً بد اخلاقی کر رہا ہوتا ہے۔ اگر آپ فرض کریں کہ آپ افغانستان جائیں اور افغانستان میں کوئی مذہب ان کا ہو جو وہ آپ کو قبول کرنے پر آمادہ کر لیں اور اس کے بعد جب آپ جائیں وہ آپس میں پشتو بولنا شروع کر دیں اور آپ کو ایک طرف چھوڑ دیں تو کیا اثر آپ کے اوپر پڑے گا۔ بہت سی جرمن خواتین بھی ایسی ہیں جن کے ساتھ یہ بدسلوکی ہوئی۔ وہ خواتین میں آتی ہیں اور پاکستانی خواتین آپس میں باتیں شروع کر دیتی ہیں وہ بیچاری ایک طرف بیٹھی رہتی ہیں کوئی ان سے پوچھتا نہیں کہ آیئے تشریف رکھیے بیٹھیں آپ کے مسائل کیا ہیں ہم کس طرح خدمت کر سکتی ہیں۔ ان کے گرد حلقہ بنانا چاہیے ان کو محسوس ہونا چاہیے کہ ہم مرکز ہیں یہاں۔ کیونکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آپ نے محبت میں پہل کرنی ہے ورنہ آپ محبوب نہیں بنیں گے اس قوم کے۔

''عشق اوّل در دلِ معشوق پیدا می شود'' کا یہ مطلب ہے۔ آپ کو وارفتگی کا اظہار کرنا چاہیے ان سے (دین حق) کی خاطر جھکنا چاہیے اُن کے سامنے۔ جی آیاں نوں کی آوازیں دینی چاہئیں سر آنکھوں پر بٹھانا چاہیے ہر طرح عزت اور احترام اور پیار کا سلوک کرنا چاہیے اگر آپ یہ کریں گے تو آپ سے دس گنا بڑھ کر یہ (دین حق) کی خدمت کی اہلیت رکھتے ہیں میں آپ کو یہ یقین دلاتا ہوں۔ اس قوم میں بڑی ہمتیں ہیں بڑی خداداد صلاحیتیں ہیں بڑی محنت کی عادت ہے۔ بہت سنجیدہ ہیں اپنے مقاصد میں۔ اس لئے آپ (دین حق) کی خاطر ایک عظیم الشان قوم کے دل فتح کرنیوالے ہوں گے۔ اگر آپ یہ چھوٹی چھوٹی قربانیاں کریں لیکن بسا اوقات ان کی طرف کوئی توجہ نہیں باہر سے ہم یہاں آتے ہیں اکثر ایسے معاشرے سے آرہے ہیں جہاں اقتصادی معیار یہاں سے بہت تھوڑا ہے جہاں دیگر پابندیاں بہت ہیں۔ یہاں اقتصادی معیار بلند ہو جاتا ہے پابندیاں اٹھ جاتی ہیں نگران آنکھیں ہٹ جاتی ہیں والدین اس ملک میں بیٹھے ہیں کوئی دیکھنے والا نہیں کہ آپ کیا کر رہے ہیں۔ صرف یہ بات بھول جاتے ہیں کہ خدا دیکھنے والا ہے اور نتیجہ یہ

نکلتا ہے کہ آپ سمجھتے ہیں کہ چونکہ اب ہم آزاد بھی ہیں اب ہمیں خدا نے توفیق بھی دے دی ہے اس لئے جو چاہیں کرتے پھریں اس لئے کئی قسم کی اخلاقی کمزوریاں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ اگر آپ ان چھوٹی چھوٹی باتوں کو جو بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں آپ اہمیت دیں اس لئے کہ یہ چھوٹی باتیں نہیں ہیں (دین حق) کی اس عظیم جنگ میں فتح وشکست کا فیصلہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہو جانا ہے۔ اگر آپ ان کی طرف توجہ دیں اور ان کو اہمیت دیں اور بڑی سنجیدگی سے زبانیں سیکھیں اور بڑی سنجیدگی سے اعلیٰ اخلاق کا مظاہرہ کریں جن جرمن عورتوں سے آپ میں سے بعض نے شادیاں کی ہیں اگر شروع میں بد قسمتی سے یہ نیت بھی تھی کہ میں نے Asylum لینے کی خاطر یا وطنیت لینے کی خاطر شادی کی ہے تو اب استغفار کریں اور توبہ کریں ان سے حسنِ سلوک کریں ایسا حسن سلوک کریں کہ ان کا دل گواہی دے کہ (دین حق) سے زیادہ انسان کا کوئی محسن نہیں ہو سکتا۔

اس کے برعکس میں یہ نظارے بھی دیکھتا ہوں کہ بعض پاکستانی شادیاں کرتے ہیں ان کے حقوق ادا نہیں کرتے ان کی وجہ سے وطنیت لے لیتے ہیں ان کے سہارے اس وطن میں رہنے کا حق حاصل کر لیتے ہیں اس وطن کی زمین کا نمک چاٹتے ہیں اور پھر ان کا حق ادا نہیں کرتے۔ ان سے بدسلوکیاں کرتے ہیں بعض دفعہ مارتے بھی ہیں بعض دفعہ زیادتیاں کرتے ہیں بعض دفعہ شرابیں پیتے ہیں اور باہر رہ جاتے ہیں۔ آپ کہیں گے بہت کم تعداد ہے۔ چاہے کم بھی ہو سفید کپڑے کا داغ تو ضرور ہے اور یہ ممکن نہیں کہ سفید کپڑے کا داغ نظر نہ آئے سفید کپڑا نظروں سے غائب ہو جاتا ہے اور داغ نمایاں حیثیت اختیار کر لیتا ہے۔ دیکھنے والے انگلیاں اٹھاتے ہیں۔ یہ لوگ خود آپ کو اعتراض کا نشانہ بناتے ہیں کہتے ہیں کہ دیکھو یہ (دین حق) ہے کہنے کا کچھ اور ہے اور کرنے کا کچھ اور ہے اس طرح ان لوگوں نے ہم سے فائدے اٹھائے اور اس طرح بعد میں دھتکار دیا۔ آپ کا تو فرض ہے کہ دوہری محبت کے ساتھ، دوہری لگن کے ساتھ، دوہرے احساس ذمہ داری کے ساتھ ان قوموں کے حقوق ادا کریں اور ان کو یہ محسوس کرائیں کہ ہم آپ کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار ہیں۔ ایسا کرنے میں اگر آپ کامیاب ہو جائیں تو ہر سال آپ کا نقشہ بدلنے لگے گا۔ احمدیت ہر آئندہ سال کئی کئی منازل پرلی طرف آگے بڑھی ہوئی پائی جائے گی نہ کہ ہر دفعہ اسی مقام پر اور ہر دفعہ جرمن احمدیوں اور جرمن (مومنوں) کی تعداد میں اتنا نمایاں اضافہ ہوگا کہ خدا کے فضل کے ساتھ دیکھتے دیکھتے جماعت احمدیہ میں اکثریت جرمن احمدیوں کی بن جائے گی۔ یہ ایک انتہائی ضروری امر ہے میں بار بار آپ کو دوبارہ اس طرف توجہ دلاتا ہوں سہ بارہ توجہ دلاتا ہوں کہ یورپ کو اگر آپ نے

بچانا ہے ہلاکت سے تو جرمن قوم کو ہلاکت سے بچائے بغیر یورپ نہیں بچ سکتا۔ اس قوم کو اوّلیت حاصل ہے پہلے ان کی طرف توجہ دیں ان کو سنبھال لیں پھر یہ سارا کام خود کریں گے (دینِ حق) کی خاطر پھر یہ صف اوّل کے خادم دین بن جائیں گے۔

اور اگر آپ جرمن قوم کو سنبھال لیں تو میں یقین دلاتا ہوں کہ یورپ کی تقدیر بھی بدل جائے گی اور اگر یورپ (مومن) ہو جائے تو ساری دنیا کے لئے (مومن) ہوئے بغیر چارہ نہیں رہے گا۔ ایسی صورت میں میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ مغرب سے (دینِ حق) کا سورج طلوع ہوگا اور ضرور مغرب سے (دینِ حق) کا سورج طلوع ہوگا۔ اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیشگوئی حرف بہ حرف سچی نکلے گی۔ پس اے (دینِ حق) کے مغرب سے سورج طلوع ہونے کی تمنا رکھنے والو! تمہاری محنتوں سے تمہاری کوششوں سے تمہاری توجہ سے اور تمہاری قربانیوں سے یہ مغرب میں ڈوبتا ہوا سورج دوبارہ ابھر آئے گا اور سارے عالم کو روشن کر دے گا۔ پس یہی پیغام تھا جو میں نے آپ کو دینا تھا۔ میں امید کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا کہ اللہ تعالیٰ سنجیدگی سے آپ کو ان باتوں کو قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ایک نعرہ ہائے تکبیر تو وہ ہیں جو آپ زبان سے بلند کرتے ہیں ایک نعرہ ہائے تکبیر وہ ہیں جو دل کی گہرائیوں میں ادا ہوتے ہیں اور آسمان تک پہنچنے والے وہی نعرہ ہائے تکبیر ہیں جو دل کی گہرائیوں میں اور اس کے گوشوں میں سنے جاتے ہیں۔ خدا پاتال تک کی نظر رکھتا ہے اور پاتال تک پہنچتا ہے اور خدا کے نزدیک وہی سب سے زیادہ مقبول تکبیر کا نعرہ ہے جو دل کی گہرائیوں میں ادا ہو کیونکہ اس سے ساری زندگی پر اثر پڑتا ہے اس سے ساری زندگی کے ہر عمل پر خدا غالب آجاتا ہے اور حقیقتاً خدا بڑا ہو جاتا ہے۔ یعنی جہاں تک آپ کی ذات کا تعلق ہے آپ ایک بڑے خدا سے روشناس ہونے لگتے ہیں۔ پس خدا کرے کہ ایسا ہو اور خدا کرے کہ جلد تر احمدیت مغربی جرمنی میں پھر مشرقی جرمنی میں اور پھر یورپ اور پھر مشرق اور مغرب میں ہر طرف غالب آتی چلی جائے اور ہم جلد تر وہ فتح کا دن دیکھ لیں جس کا قرآن کریم میں وعدہ دیا گیا ہے۔ اب خدام کھڑے ہو کر عہد دہرائیں گے اس کے بعد ہم دعا کریں گے اس کے بعد اللہ کی حفاظت میں ہم آپ سے رخصت ہوں گے۔

خطبہ جمعہ فرمودہ 7 نومبر 1986ء

☆ عالمگیر سطح پر جماعتی تربیت کا لائحہ عمل
☆ اگر نوجوانوں کو اچھی طرح سے سنبھال لیا جائے تو وہ جرمنی کا مستقبل بنانے میں ایک بہت ہی عظیم کردار ادا کر سکتے ہیں
☆ جماعت احمدیہ حقیقی توحید پرست جماعت ہے۔ اسے خود اپنے اندر وحدت کا منظر پیش کرنا چاہیے
☆ توحید کا عملی تقاضا یہ ہے کہ دنیا بھر کے احمدیوں میں بہر طور کردار کی یکسانیت نظر آئے
☆ آئندہ نسلوں کی تربیت موجودہ نسلوں کو سنبھالنا ضروری ہے
☆ اگر موجودہ نسلوں کی تربیت ہو جائے تو ان کی نسلیں خود بخود ٹھیک ہو جائیں گی
☆ خدا کی توحید آسمانوں سے ہم نے زمین پر لانی ہے اور اس کو فرضی توحید نہیں رہنے دینا
☆ آج دنیا کی قیادت آپ کے سپرد کی گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر احمدی اپنی جگہ لیڈر رہنے
☆ جرمنی کے نوجوانوں میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ غیر معمولی جوش پایا جاتا ہے
☆ عالمی توحید کو پیدا کرنے کے لئے عالمی تمدن کے امتزاج کا ہونا بڑا ضروری ہے

⚜

7 نومبر 1986ء کو حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

ابھی جرمنی، بیلجیئم اور ہالینڈ کے ایک مختصر دورے سے واپس آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے یہ دورہ کئی پہلوؤں سے مفید ثابت ہوا، بہت سے امور کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ کئی امور خوشی والے تھے، کئی قابل توجہ تھے جو دور بیٹھے نظر نہیں آتے۔ مگر قریب کے رابطے اور دوستوں کے ساتھ ملاقاتوں کے نتیجہ میں کئی نئے نئے رستے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ اس لحاظ یہ دورے اللہ تعالیٰ کے فضل سے کافی مفید ثابت ہو رہے ہیں۔

جرمنی کے نوجوانوں میں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ غیر معمولی جوش پایا جاتا ہے

میرا تاثر یہ ہے کہ جرمنی میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے ترقی کے غیر معمولی امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ کیونکہ جہاں تک وہاں جماعت کا تعلق ہے اس کا ایک بڑا حصہ نوجوانوں پر مشتمل ہے۔ ان کے اندر خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ غیر معمولی جوش پایا جاتا ہے اور قربانی کا بہت مادہ ہے۔ اگر ان کو اچھی طرح سنبھال لیا جائے (اور یہی بات قابل توجہ ہے) تو وہ جرمنی کا مستقبل بنانے میں ایک بہت ہی عظیم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ اس طرح جرمن نوجوان بھی اور جرمن خواتین بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے نہایت ہی اعلیٰ معیار کے احمدی ہیں بلکہ بعض صورتوں میں تو ان کا معیار اتنا بلند ہے کہ ان کو دیکھ کر بعض پاکستانی احمدی جو باہر سے آئے ہوئے ہوتے ہیں۔ وہ ان کے مقابل پر درجہ دوئم کے احمدی نظر آنے لگتے ہیں۔ اس کے نتیجہ میں بعض دفعہ تشویشناک صورتحال بھی پیدا ہو جاتی ہے۔ مجھ سے دو جرمن احمدیوں نے ذکر کیا کہ پاکستان سے آنے والے بعض احمدیوں کا رویہ افسوسناک ہے۔ اس کے نتیجہ میں جرمن احمدیوں کے لئے ٹھوکر کا سامان پیدا ہوتا ہے۔ ان امور پر غور کرتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ ساری دنیا کی احمدی جماعتوں کو اس طرف متوجہ کرنا چاہیے۔ جہاں جہاں بھی اللہ تعالیٰ کے فضل سے مقامی جماعتیں عطا ہو رہی ہیں یعنی ایسی جماعتیں جن میں

اس ملک کے مقامی باشندے زیادہ نمایاں تعداد میں نظر آنے لگے ہیں اور نمایاں دلچسپی لینے لگے ہیں ایسی جگہوں میں ہمیں تربیت کی طرف دو طرح سے متوجہ ہونا پڑے گا۔ اوّل یہ کہ مجالس عاملہ کو مربیان کے پیچھے پیچھے چلنے والا تربیت کا ایک Follow up (یعنی بعد میں آنے والا) گروپ تیار کرنا چاہیے۔ وہ تربیتی امور کے ماہر ہوں۔ خصوصیت کے ساتھ ان کے سپرد یہ کام کیا جائے کہ آپ یہ سوچتے رہیں کہ نئے آنے والوں کی تربیت میں کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ ہر ملک کی ضرورت الگ الگ ہو گی۔ اس لئے مرکز سے تحریک جدید بھی کوئی معین ہدایت نہیں دے سکتی اور نہ مَیں یہاں بیٹھے معین طور پر ہر ایک ملک کی ضروریات کا تعین کر سکتا ہوں۔ دورے کے دوران جو چیزیں سامنے آتی ہیں ان سے متعلق تو ہدایات دی جاتی ہیں مگر یہ تو ممکن نہیں کہ انسان لٹو کی طرح ہر وقت تمام دنیا کی جماعتوں میں گھومتا رہے۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے سو سے زائد ممالک میں جماعتیں قائم ہو چکی ہیں اور جماعتوں کی کل تعداد آپ شمار کریں تو عملاً دس سال میں بھی ایک ایک دن کا دورہ پورا نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ان معاملات میں مقامی جماعتوں کو اپنی ذمہ داری کو خود ادا کرنا چاہیے اور بالغ نظری کے ساتھ ان معاملات کو سلجھانا چاہیے کیونکہ اگر وہ بھی ان کی طرف متوجہ نہ ہوئے تو آئندہ زیادہ دقتیں پیش آجائیں گی۔

جماعت کو طرزِ عمل میں توحید کا منظر پیش کرنا چاہیے

سب سے اہم بات جس کو تمام جماعت کی مجالس عاملہ کو ملحوظ رکھنا چاہیے وہ توحید ہے۔ توحید خالص کسی آسمان پر بسنے والی چیز کا نام نہیں ہے۔ (دینِ حق) جس خدا کو پیش کرتا ہے وہ آسمانوں کا بھی خدا ہے اور زمینوں کا بھی خدا ہے۔ اس سے کائنات کا کوئی حصہ بھی خالص نہیں۔ وہ نور السمٰوٰت والارض ہے۔ اس کی توحید کے دائرہ سے کوئی چیز بھی باہر نہیں۔ اس کی توحید کے اثر اور نفوذ سے کوئی چیز خالی نہیں ہونی چاہیے۔ اس لئے جماعت احمدیہ جو حقیقی توحید پرست جماعت ہے۔ اسے اپنے طرزِ عمل میں توحید کا منظر پیش کرنا چاہیے۔ اگر جماعت احمدیہ ایک الگ کردار لے کر اٹھ رہی ہو اور افریقہ کی جماعتیں ایک الگ کردار لے کر اٹھ رہی ہوں اور اسی طرح یورپ اور امریکہ، چین اور جاپان، انڈونیشیا اور ملائشیا کی اور دیگر ممالک کی جماعتیں اپنا اپنا ایک الگ کردار بنا رہی ہوں تو توحید قائم نہیں ہو سکتی۔ توحید عمل کی دنیا میں دکھائی دینی چاہیے۔ خدا کے نام پر اکٹھے ہونے والے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جمع ہونے والے ایک ہو جانے چاہئیں اور انہیں وحدت کا منظر پیش کرنا چاہیے۔ وحدت کے مناظر مختلف شکلوں سے مختلف

زاویوں سے دیکھے جاتے ہیں ایک وحدت کا منظر ہے آپس میں ایک دوسرے سے محبت کرنا اور ایک ہو جانا، جغرافیائی تفریقات کو بھلا دینا، رنگ اور نسل کے امتیازات کو فراموش کر دینا اور یک جان ہو جانا۔ اس پہلو سے بھی توحید کو دنیا میں قائم کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اور یہ محض تلقین سے قائم نہیں ہو سکتی بلکہ اس سلسلہ میں باقاعدہ منصوبہ بندی ہونی چاہیے۔

دین کے تمدن کی روح کو غالب رکھیں

اس پہلو پر غور کرتے ہوئے جو فوری چیز سامنے آتی ہے وہ ہر ملک کے مختلف نسلوں، مختلف رنگوں اور مختلف قوموں سے آنے والے لوگوں کے باہم امتزاج کا مسئلہ ہے۔ یہ مسئلہ ہر جگہ سر اٹھانے لگا ہے جس کی وجہ سے بعض غلط فہمیاں پیدا ہو رہی ہیں اور بعض خطرات سامنے ابھر رہے ہیں۔ اس لئے فوری طور پر جماعتوں کو اس طرف متوجہ ہونا چاہیے کہ اگر انگلستان میں انگریز احمدی ہوتے ہیں تو آپ حسن خلق سے ان سے پیار کر کے ان کو اپنے معاشرے میں جذب کرنے کی پوری کوشش کرتے ہوئے انہیں اس بات کا احساس نہ ہونے دیں کہ وہ تنہا ہو گئے ہیں، اس بات کا احساس نہ ہونے دیں کہ وہ ایک مغربی معاشرہ سے ایک ایسے معاشرہ کی طرف آئے ہیں جہاں انہیں مذہبی اقدار تو ملیں لیکن متبادل معاشرہ نصیب نہیں ہوا یعنی یہ توفیق نہیں ملی کہ وہ جس Civilization کو جس تمدن کو چھوڑ کر آئے تھے اس کے بدلے میں کوئی مخصوص تمدن اپنا سکیں۔ جہاں تک ان کو نئے تمدن سے روشناس کرانے کا تعلق ہے۔ اگر (دین حق) کے نام پر انہیں پاکستانی تمدن دیا جائے تو یہ ان کے ساتھ انصاف ہے نہ دین کے ساتھ انصاف ہے۔ حقیقت میں ہر قوم کے کچھ تمدنی پہلو ہیں جو اس قوم کی زندگی کا جزو بن چکے ہوتے ہیں اور کچھ مذہبی پہلو ہیں جو تمدن بن چکے ہیں۔ جہاں تک دین حق کے تمدن کا تعلق ہے ان دونوں دھاگوں کو الگ الگ کرنا پڑے گا۔ مقامی تمدن کے سیاہ دھاگوں کو (دین حق) کے تمدن کے سفید دھاگوں سے الگ کرنا پڑے گا۔ اور قوموں کو یہ پیغام دینا پڑے گا کہ جہاں تک دینی تمدن کا تعلق ہے۔ یہ وہ خطوط ہیں جن سے تم تجاوز نہیں کر سکتے۔ ان راہوں سے ہٹو گے تو دین کی راہوں سے ہٹو گے۔ اور یہ وہ خطوط ہیں جن میں تمہیں اختیار ہے لیکن عمومی دینی ہدایات کے تابع رہ کر اپنے لئے تمدن کی راہیں تلاش کرو، یا مقامی تمدن میں سے اچھی چیزیں اخذ کر لو۔ پاکستانی احمدیوں کو بھی اپنے تمدن میں اُسی حد تک تبدیلی پیدا کرنی چاہیے جس حد تک (دین حق) اجازت دیتا ہے یا جس حد تک دوسری قوم کو اپنے اندر شامل کرنے کے لئے ان کی خاطر کچھ تمدنی تبدیلیاں کرنے کی ضرورت ہے۔ جیسے

Give and Take کہا جاتا ہے۔اسے ملحوظ رکھتے ہوئے اگر آپ حکمت کے ساتھ بالغ نظری کے ساتھ دونوں سوسائٹیوں کی بری باتیں چھوڑ دیں اور دونوں سوسائٹیوں کی اچھی باتیں اختیار کر لیں اور (دین حق) کے تمدن کی روح کو غالب رکھیں تو اس پہلو سے جو بھی تمدن دنیا میں احمدی تمدن کے نام پر پیدا ہوگا اس میں ایک امتزاج پایا جائے گا۔دوسرے دینی تمدن کے پہلو کے لحاظ سے ایک عالمی قدر مشترک پائی جائے گی اور قدر مشترک ہی ملت واحدہ بنانے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ایک بھاری حصہ تمدن کا ایسا ہے جو مذہب سے متاثر ہوا ہوتا ہے۔اس حصہ کی حفاظت کرنا اور اسے نکھار کر دنیا کے سامنے پیش کرنا یہ وقت کی نہایت ہی اہم ضرورت ہے جس کی طرف متوجہ ہونا ضروری ہے ورنہ جیسا کہ یہاں گذشتہ تجربہ نے بتایا کہ محض اس توجہ کے فقدان کے نتیجہ میں بہت سے خاندان ایک رستہ سے آئے اور دوسرے رستہ سے چلے گئے۔محض اس توجہ کے فقدان کے نتیجہ میں جو مخلص تھے ان کے ایمان داغدار ہونے لگے۔ان کے دل افسردہ ہونے لگے وہ مایوس ہونے شروع ہوئے کہ ہم کس ویرانہ میں چلے آئے ہیں،جن لوگوں نے ہمیں خدا کی طرف بلایا تھا وہ خدا کا نمائندہ بن کر ہمیں چھاتی سے لگانے والے ثابت نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس دنیا میں ہمیں تنہا چھوڑ دیا ہے۔یہ کہہ کر کہ تم اپنے تمدن سے باغی ہو جاؤ اور ہم تمہارے لئے کوئی تمدن پیش نہیں کر سکتے،تم اپنے تعلقات توڑ لو ہم تمہارے لئے کوئی متبادل مہیا نہیں کر سکتے،تم اردو سیکھو لیکن ہم انگریزی نہیں سیکھیں گے،ہم جب بات کریں گے پنجابی یا اردو میں کریں گے،خواہ تم بیٹھے رہو ہم تمہاری طرف متوجہ نہیں ہوں گے اور جب بھی ہم آپس میں ملیں گے تو تم سرکتے سرکتے ایک طرف کونہ میں لگ جایا کرو۔ہم اپنی اجتماعی شکل میں آپس میں خوش گپیوں میں مشغول ہو جایا کریں گے۔اگر آپ یہ پیغام اسی طرح دیتے رہے تو ہر جگہ جتنے سفر آپ طے کریں گے وہ سارے فاصلے اپنے ہر قدم کے ساتھ منقطع بھی کرتے چلے جائیں گے۔ آپ زمینیں سر نہیں کریں گے بلکہ سر شدہ زمینیں بھی دوسروں کے سپرد کرتے چلے جائیں گے۔آپ کا سفر ایک ایسا سفر ہوگا۔جس میں آپ کی زمین وہی ہوگی جہاں آپ کھڑے ہوں گے۔آپ کی حالت یہ ہوگی کہ آپ قدم مار رہے ہیں اور گزشتہ زمینیں فتح کر کے غیروں کے سپرد کرتے چلے جاتے ہیں یہ تو کوئی ترقی کا طریق نہیں ہے،یہ تو کوئی زندہ رہنے کا فیشن نہیں ہے اس لئے جیسا کہ حضرت بانی سلسلہ احمدیہ کو الہام ہوا۔

''زندگی کے فیشن سے دور جا پڑے''(تذکرہ صفحہ 509 طبع سوم اکتوبر 1969ء)

آپ کبھی زندگی کے فیشن سے دور نہ جائیں۔زندہ رہنے کے اسلوب سمجھیں،سوچیں اور ان اسالیب

سے چمٹ جائیں۔

عالمی توحید کے لئے عالمی تمدن کے امتزاج کا ہونا ضروری ہے

عالمی توحید کو پیدا کرنے کے لئے عالمی تمدن کے امتزاج کا ہونا بڑا ضروری ہے۔ اس کی طرف جماعتوں کو خصوصیت کے ساتھ توجہ دینی چاہیے اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے ایسے گروہ ایسے چیدہ چیدہ صائب الرائے لوگوں کو اکٹھا کر کے ان کی مجالس قائم کرنی چاہئیں۔ خواہ وہ لوگ مجلس عاملہ میں سے چنے جائیں یا باہر سے اختیار کئے جائیں جن کے سپرد یہ کام ہو۔ اگر وہ باہر سے ہیں تو ان کی رپورٹیں مجلس عاملہ میں پیش ہوں۔ اگر وہ لوگ مجلس عاملہ کے ممبر ہیں تب بھی ان کی رپورٹیں مجلس عاملہ میں پیش ہوا کریں اور ملکی طور پر جو کچھ بھی لائحہ عمل تجویز ہو وہ مجھے بھجوا دیا جایا کرے تا کہ مَیں ایک نظر ڈال لوں۔ ایک تو مجھے اس کے نتیجہ میں علم ہوتا رہے گا کہ کونسا ملک بیدار مغزی سے کام کر رہا ہے۔ اور جو ملک غافل ہوں گے ان کو میں متوجہ کر سکوں گا۔ دوسرے ان حقائق کی روشنی میں جو انہوں نے جمع کئے ہوں گے مَیں ان کے لئے مزید راہنمائی کا موجب بن سکوں گا۔ اس لئے ساری جماعتیں ان مسائل پر غور کریں اور اپنی رپورٹیں مجھے بھجوانی شروع کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ اس کے نتیجہ میں ایک اور فائدہ یہ ہوگا کہ چونکہ ساری رپورٹیں دنیا بھر سے آرہی ہوں گی اس لئے دینی تمدن کی وہ توحید جو قرآن اور سنت کی روشنی میں مَیں قائم کرنا چاہتا ہوں وہ ساری دنیا کی رپورٹیں یکجائی طور پر نظر میں آنے کے نتیجہ میں زیادہ آسانی سے کر سکوں گا۔

یورپ میں بسنے والے نوجوانوں کی تربیت کا مسئلہ

دوسرا پہلو یہ ہے کہ جو پاکستانی احمدی باہر گئے ہوئے ہیں ان کی تربیت کرنا اور ان کو ابتدائی تعلیم کے لئے استعمال کرنا یہ بہت ہی اہم کام ہے اس کی اہمیت خاص طور پر جرمنی میں میرے سامنے آئی۔ جب میں ملاقاتیں کرتا رہا ہوں یا گفت وشنید کرتا رہا ہوں تو صرف حال احوال پوچھنا مقصد نہیں ہوتا کہ انہوں نے میرا حال پوچھ لیا اور مَیں نے ان کا حال پوچھ لیا۔ مَیں ان کے تمدنی حالات پوچھتا رہا ہوں اور درپیش مسائل پوچھتا رہا ہوں۔ دینی حالت کے متعلق کچھ تو شکلیں بتا دیتی تھیں اور کچھ سوالات کے بعد چیزیں سامنے آجاتی تھیں۔ ایک افسوسناک چیز جو سامنے آئی وہ یہ تھی کہ نوجوانوں میں جہاں اخلاص کا معیار بلند ہے وہاں علم کا معیار بہت کم ہے۔ بعض صورتوں میں تو بعض احمدی نوجوانوں کو نماز کا ترجمہ نہیں آتا تھا۔ وہ گھر

سے سیکھ کر ہی نہیں چلے۔ بہت سے ایسے احمدی نوجوان بھی دیکھے جو پاکستان میں کبھی نظر ہی نہیں آتے تھے ان کے یہاں آنے کا فائدہ یہ ہوا کہ وہ جماعت کے ساتھ منسلک ہو گئے۔ اب انہوں نے اپنے آپ کو پیش کر دیا ہے کہ جو چاہو ہم سے کام لو اور جس طرح چاہو ہمیں اچھا اور نیک بنا دو۔ پہلے وہ اپنے آپ کو پیش نہیں کرتے تھے اور جو لوگ ان کے پاس جاتے تھے وہ ان سے دور بھاگتے تھے۔ ایسا عنصر خاص طور پر جو پاکستان میں جماعت کی نظر سے الگ رہا اور جماعتی تربیت کے ہاتھ سے پیچھے ہٹتا رہا تھا وہ یہاں آ کر جماعت سے متعلق تو ہو گیا لیکن علمی لحاظ سے اور تربیتی لحاظ سے ابھی پیچھے ہے اور خطرہ یہ ہے کہ ان کا اخلاص اور جماعت کے ساتھ ان کا تعلق ضائع نہ ہو جائے یا نقصان کا موجب نہ بن جائے۔ یہ عنصر ضائع تو ان معنوں میں ہو سکتا ہے کہ یہ نوجوان اب اپنے آپ کو پیش کر رہے ہیں۔ تعلق بڑھا رہے ہیں اس کے باوجود ان کی اصلاح کے لئے ان کے اخلاق درست کرنے کے لئے ان کی اعلیٰ تربیت کے لئے کوئی کارروائی نہ کی جائے۔ اللہ تعالیٰ اتنا اچھا موقع مہیا کرے اور جماعت اس موقع سے استفادہ کرنے سے غافل رہ جائے، تو یہ بہت ہی بڑا نقصان ہے۔ دوسرا پہلو اس کا یہ ہے کہ ان نوجوانوں نے جو تعلق قائم کیا ہے اس تعلق کے باوجود اگر ان کے اخلاق وہی رہے اگر ان کا علمی معیار اور تربیتی معیار وہی رہا تو مقامی دوست تو خصوصیت کے ساتھ ان کو (دین حق) کا سفیر سمجھ رہے ہوں گے اور پاکستانی احمدیوں کے ساتھ معیار کو اس طرح جانچ رہے ہوں گے۔ اور واقعۃً ایسا ہوا بھی جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے کہ دو جرمن دوستوں نے اس بارہ میں بڑی تفصیل سے کھل کر مجھ سے گفتگو کی۔ ان میں سے ایک دوست ہمارے ساتھ سیر پر جاتے رہے۔ سیر کے دوران ان سے بات کرنے کا بڑا اچھا موقع میسر آیا۔ ان سے بڑی لمبی گفتگو ہوئی۔ انہوں نے جو باتیں بتائیں ان سے معلوم ہوا کہ یہ ایک بہت ہی بڑا اور حقیقی خطرہ ہے پہلے ان کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ کون لوگ ہیں جو وہاں سے آئے ہیں اور کس کس قسم کے لوگ ہیں۔ ہر آنے والے کے بارہ میں وہ سمجھتے تھے کہ خدا کے گھر سے آیا ہے، وہاں سے آ رہا ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام پیدا ہوئے، جہاں (رفقاء) نے نئی نسلوں کی تربیت کی۔

وہ ہر شکل کو احمدیت کے نمائندہ کے طور پر دیکھتے تھے۔ بعض دفعہ شکل وصورت کی طرز، رہنے سہنے، اوڑھنے بچھونے، لباس اور باتوں کی طرز ایسی ہوتی ہے جو بتا دیتی ہے کہ اس میں دین نہیں ہے۔ مَیں نے انہیں بتایا جب آپ ایسے لوگوں کو (دین حق) کے نمائندہ کے طور پر دیکھیں اور آپ کو پتہ نہ ہو کہ یہ وہاں بھی نمائندہ نہیں تھے، وہاں بھی پیچھے رہنے والوں میں سے تھے تو آپ یہ تأثر لیں گے کہ ہمیں تو کچھ اور

باتیں بتلائی جاتی تھیں ہم سے تو کچھ اور توقعات رکھی جاتی ہیں اور وہاں کچھ اور باتیں ہو رہی ہیں۔ بہرحال بڑی تفصیل سے ان کو رفتہ رفتہ سمجھانے کی کوشش کی اور پھر وہ سمجھ گئے بڑے ذہین آدمی تھے۔ ان کو مَیں نے آخر پر یہ بتایا کہ ان نوجوانوں کی غلطی کردار کی غلطی ہے لیکن آپ کی غلطی اس سے بھی زیادہ خطرناک ہے۔ آپ نے خدا کو پاکستان کا خدا سمجھ لیا ہے اور جرمن کا (دینِ حق) نہیں سمجھا۔ آپ کو تو ہم نے خدا سے روشناس کرایا ہے۔ جو کل عالم اور کل کائنات کا خدا ہے۔ آپ کو تو ہم نے (دینِ حق) سے روشناس کروایا ہے جو سارے عالم کا دین ہے۔ اس لئے جب آپ نے حاصل کر لیا تو اس کے بعد اپنی تربیت کے لئے کسی دوسرے کے محتاج کیوں ہیں۔ کیا اس کے پھر جانے سے آپ پھر جائیں گے؟ اگر غیر، خدا کو چھوڑتا ہے تو کیا آپ بھی اِس خدا سے دامن توڑ لیں گے؟ یہ رجحان سب سے زیادہ خطرناک ہے۔ آپ اس کی بجائے ایک اور ردِّعمل دکھا سکتے تھے۔ آپ ان خطوط پر بھی سوچ سکتے تھے کہ ان لوگوں نے بڑی مالی اور جانی قربانیاں کیں اور بڑی لمبی جدوجہد کی اور بڑی سخت مشکلات میں اپنے ایمان کی حفاظت کرتے رہے اور ہم تک پیغام پہنچایا۔ اس عرصہ میں ان میں سے کچھ لوگ زخمی بھی ہوئے کچھ بیمار ہوئے اور کچھ خود ان مقاصد سے دور جا پڑے، ہم اور طرح تو ان کے احسانات کا بدلہ نہیں دے سکتے کیوں نہ ان کی تربیت کر کے احسان کا بدلہ دیں، کیوں نہ ان کو بتلائیں کہ جو دین تم نے ہم کو پہنچایا تھا ہم نے اس کو بہت حسین پایا ہے ہم نے اس پر عمل کر کے دیکھا۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

ہم نے اسلام کو خود تجربہ کر کے دیکھا
نور ہے نور اٹھو دیکھو سنایا ہم نے

تم یہی اعلان کر سکتے تھے کہ ہم نے تو اسے اچھا پایا ہے اس نے تو ہماری زندگیوں میں پاک تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں۔ ہمارے کردار بدل کر رکھ دیئے ہیں، ہمیں گندگیوں سے نجات بخشی ہے اور روحانی تسکین عطا کی ہے، تم اپنی جانوں پر کیا ظلم کر رہے ہو کہ ہمیں بچا کر خود ہلاکت میں مبتلا ہو رہے ہو۔ مَیں نے انہیں سمجھایا کہ اگر تمہاری طرف سے یہ آواز ان پاکستانی نوجوانوں کے کانوں میں پڑے تو وہ بہت زیادہ مؤثر ہوگی اور وہ بہت زیادہ ان کو شرمندہ کرنے والی اور ان کی غیرت کو چرکہ لگانے والے ہوگی اور واقعۃً تم ایک احسان کا بدلہ اتارنے والے ہو گے۔ اگر تمہاری سوچیں ان رستوں پر چلتی رہی جن رستوں پر چل رہیں ہیں تو خود بھی نقصان اٹھاؤ گے اور ان کو بھی نقصان میں ڈال دو گے۔ یہ وہ طریق ہے جس میں دونوں طرف کی تربیت کی ضرورت ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ جس قوم کو خدا تعالیٰ نے دنیا کی اصلاح کے لئے چن لیا ہے اس کی اوّلیت کو کوئی چھین نہیں سکتا اور اس کی ضرورت کے احساس سے کوئی عقل مند انکار نہیں کر سکتا۔ وہ اوّلین طور پر ہندوستان میں جو ایک خطہ پنجاب ہے، اس سے تعلق رکھنے والی قوم ہے۔ اور اس دائرے کو جب بڑھاتے ہیں تو ہندوستان بحیثیت مجموعی آج کل پاکستان بھی ہے اور ہندوستان بھی ہے۔ یہ خطۂ سرزمین جسے ہندو پاکستان کا برصغیر کہا جاتا ہے۔ اس علاقہ کے لوگوں کو خدا نے اوّلین طور پر، ان میں کوئی اصلاحی مادہ ہے، ان میں بعض مخفی خوبیاں ہیں جن کو خدا کی نظر نے پہچانا ہے۔ اس لئے ان کو چنا ہے۔ خدا تعالیٰ جانتا تھا کہ دنیا کی اصلاح کے لئے ان کے اندر مادہ ضرور موجود تھا اس علاقہ کے لوگ جو سو سال سے مسلسل قربانیاں پیش کر رہے ہیں اور بڑی وفا کے ساتھ حق کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں۔ یہ بات بتاتی ہے کہ یقیناً خدا تعالیٰ کی نظر نے صحیح شناخت فرمائی۔ بہرحال ساری دنیا میں سے اس علاقہ کے لوگوں کا دین پھیلانے کے لئے استعمال ہونا دنیا کے آئندہ نقشہ کا ایک لازمی حصہ ہے۔ لازماً ہر ملک میں ابتداء میں اسی علاقہ کے لوگوں کو (دعوت الی اللہ) میں ایک مؤثر کردار ادا کرنا ہوگا۔ اس لئے جماعتوں کو اس پہلو سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ ہمیں لازماً مجبوراً پاکستانی اور ہندوستانی احمدیوں کے کردار کو خصوصیات کے ساتھ پیش نظر رکھنا ہوگا کیونکہ خدا نے انہیں استعمال کرنے کے لئے چنا ہے۔ اگر یہ کھوٹے پیسے بن گئے تو ہم انہیں استعمال نہیں کر سکیں گے اور اگر یہ اچھے پیسے بنے تو دین کی غیر معمولی خدمت دنیا میں کر سکتے ہیں۔

آئندہ نسلوں کی تربیت کے لئے موجودہ نسلوں کو سنبھالو

پھر دوسرا پہلو ان کی اگلی نسلوں کو سنبھالنے کا ہے لیکن وہ پہلے پہلو کا بچہ ہی ہے۔ جس طرح اگلی نسل موجودہ نسل کے بچے ہوتے ہیں اسی طرح موجودہ نسل کو آپ سنبھالیں اور صحیح خطوط پر چلائیں تو روحانی طور پر اگلی نسل لازماً بچ جاتی ہے۔ نقائص ڈھونڈنے کے لئے آپ دوسری نسل کی شکلوں کو نہ دیکھیں۔ جب بھی کوئی نقص ہو تو پہلی نسل کی شکلوں کو دیکھیں۔ وہاں سے ابتداء ہوتی ہے۔ یاد رکھیں قرآن کریم نے ہمیں یہ نکتہ عطا فرمایا ہے کہ آئندہ نسلوں کی تربیت کے لئے موجودہ نسلوں کو سنبھالو۔ فرماتا ہے۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ (سورۃ الحشر:19) اس کے وسیع مضمون میں ایک معنی یہ بھی ہے کہ اے آج کے بسنے والے (مومنو)! اے ایمان لانے والو! جن کو ہم مخاطب کر رہے ہیں۔ اگلی نسلوں کی تربیت کے تم ذمہ دار ہو اس لئے تم پوچھے جاؤ گے کہ کل کیا پیچھے چھوڑ کر جانے والے ہو۔ یہ سوال تم

سے کیا جائے گا۔اس لئے یہ نہایت ہی اہم بات ہے کہ موجودہ نسل کے احمدی جو دنیا کے کسی خطہ میں بھی آباد ہوں ان کی تربیت کی طرف فوری توجہ کریں۔اگر وہ متوازن کردار کے حامل بن جائیں تو ان کی نسلیں خو بخود ٹھیک ہونی شروع ہو جائیں گی اوران کے اندر بھی بعض غیر معمولی تبدیلیاں پیدا ہونی شروع ہو جائیں گی۔ اس ضمن میں اور بھی بہت سے امور سامنے آتے رہے جن کے متعلق مختلف وقتوں میں جماعتوں کی مجالس عاملہ کو ہدایات دیتا رہا ہوں۔لیکن مختصراًاب جماعتوں کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ جب وہ سر جوڑ کے بیٹھیں گے اور پروگرام بنائیں گے تو انشاءاللہ خود ان کے ذہن میں بھی بہت سی باتیں ابھریں گی،اللہ تعالیٰ ان پر نئے نئے رستے روشن فرمادے گا۔

تربیتی لٹریچر کی تیاری

ایک اوراہم پہلو جس کی طرف ساری دنیا کی مجالس عاملہ کو توجہ دینی چاہیے وہ تربیتی لٹریچر کی تیاری ہے۔ ہر ملک کے لحاظ سے اس کی ضروریات کو مدنظر رکھتے ہوئے تربیتی لٹریچر تیار ہونا ضروری ہے۔اس لٹریچر کی تیاری میں (دین حق) کے بنیادی تقاضوں کو ملحوظ رکھا جائے۔کم سے کم طور پر ایک شخص (مومن) کیسے بنتا ہے؟ اور اسے کیا معلوم ہو،تو وہ (مومن) بنتا ہے؟ یہ باتیں آپ لٹریچر اور تربیت کے ذریعہ سکھائیں گے۔

ہر احمدی کے لئے لیڈر بننا ضروری ہے

آپ کو یہ بات بھی پیش نظر رکھنی پڑے گی کہ (دین حق) میں محض مقتدی بنانے کا تصور نہیں بلکہ امام بنانے کا تصور ہے،لیڈر شپ پیدا کرنے کا تصور ہے۔اسی لئے (دین حق) میں کوئی پیشہ ور ملاں موجود نہیں ہے۔
ہر شخص سے دین توقع رکھتا ہے کہ اگر جماعتیں اس کو چنیں عوام اس پر اعتماد کریں تو وہ قیادت کی صلاحیتیں بھی اپنے اندر رکھتا ہو اور قیادت کے سلیقے جانتا ہو۔نماز کیسے پڑھائی جاتی ہے یہ بھی جاننا ضروری ہے۔صرف نماز پڑھنا ضروری نہیں بلکہ نماز پڑھانے کا علم بھی ضروری ہے۔محض یہ کافی نہیں ہے کہ وہ...... اپنی پیدائش اوراپنی موت کو بعض علماء کے سپرد کردے کہ جس طرح چاہیں وہ سلوک کریں۔اس کو خود سب مسائل کا علم ہونا چاہیے کہ بچے جو پیدا ہوتے ہیں ان کے کیا حقوق ہیں اور جب لوگ مرتے ہیں۔ان کے کیا حقوق ہیں۔ ہر احمدی کو اس بات کا علم ہونا چاہیے کہ (دین حق) میں جو کم سے کم قیادت کی ضرورتیں ہیں

ان سے وہ پوری طرح واقف اور آشنا ہو اور اسے تجربہ بھی ہو۔ محض دیکھنے سے بات حاصل نہیں ہوتی۔ مجھے یاد ہے وقف جدید میں ہم ظہر کی نمازیں وہیں پڑھا کرتے تھے کیونکہ کام کے وقت دوسری جگہ جانا مشکل ہوتا ہے۔ نزدیک ترین جو (بیت الذکر) تھی۔ اس سے زیادہ نمازی وہاں ہو جاتے تھے۔ چنانچہ باقاعدہ نماز ظہر کے لئے وہیں ایک کمرہ میں (بیت الذکر) بنائی ہوئی تھی۔

سپاہی پیدا کرنے کی بجائے لیڈر پیدا کریں

ایک دفعہ وہاں ایک اچھے خاصے مخلص دوست جو خدام الاحمدیہ کے کاموں بڑے پیش پیش اور ان کاموں کے واقف کار تھے تشریف لائے تو میں نے ان کو کہا کہ آج آپ نماز پڑھائیں۔ ظہر کی نماز تھی۔ انہوں نے کہا مجھے نماز پڑھانی نہیں آتی۔ اگر وہ ویسے کہہ دیتے کہ میں جھجکتا ہوں تو اور بات تھی۔ مَیں نے کہا کہ نماز پڑھانی نہیں آتی کیا مطلب! آپ کو بلکہ ہر احمدی کو نماز پڑھانی آنی چاہیے۔ اس کا کیا مطلب ہے کہ نماز پڑھانی نہیں آتی۔ انہوں نے کہا جی دیکھی ہوئی ہے لیکن کبھی پڑھائی نہیں۔ مَیں نے کہا پھر پڑھانے میں کیا حرج ہے۔ اگر آپ کو پڑھانی نہیں آتی تو آپ نے بارہا ساری عمر دوسروں کو نماز پڑھاتے دیکھا تو ہوا ہے۔ آج آپ آگے جا کر نماز پڑھائیں۔ چنانچہ ان کے نماز پڑھانے کے بعد مجھے محسوس ہوا کہ غلطی کی تھی ان کی پہلے کچھ تربیت ہونی ضروری تھی۔ کیونکہ وہ شائد میرے کہنے کی وجہ سے کچھ نروس یعنی گھبراہٹ کا شکار ہو گئے یا پہلی دفعہ نماز پڑھانے کے نتیجہ میں ایسا ہوا کہ اللہ اکبر کی جگہ **سمع اللّٰہ لمن حمدہ** اور **سمع اللّٰہ** کی بجائے اللہ اکبر سجدے میں جاتے وقت **ربنا لک الحمد** کہہ رہے ہیں ایسی اکھڑی ہوئی نماز تھی کہ پچھلے نمازیوں کے لئے ہنسی برداشت کرنی مشکل تھی بڑی مشکل سے نماز کا وہ وقت گزرا۔ اس وقت خاص طور پر مجھے خیال آیا کہ ہم ایک بات سے غافل ہو گئے ہیں (دین حق) ہم سے تقاضے کرتا ہے سید پیدا کرنے کا، سردار پیدا کرنے کا، امام پیدا کرنے کا اور ہم مقتدی پیدا کر کے سمجھتے ہیں کہ ہم نے اپنی ذمہ داریاں ادا کر دیں۔ یہ تو ایک ایسا عظیم الشان راز ہے قوموں کی ترقی کا، جس کو مسلمانوں نے بھلا دیا لیکن بعض غیر قوموں کے غیر معمولی لیڈروں نے اختیار کیا اور اس سے بڑا فائدہ اٹھایا لیکن انہوں نے یہ ظلم کیا کہ اس سے منفی رنگ میں فائدہ اٹھایا یعنی فائدہ تو اٹھایا لیکن اس سے فائدہ اٹھانے کے بعد اسے دنیا کی ہلاکت کے لئے استعمال کیا۔ بایں ہمہ بنیادی طور پر راز یہی تھا کہ نئی نسلوں کو لیڈر اور سردار بنایا جائے۔ جب جنگ عظیم اوّل ہوئی تو عالمی طاقتوں نے یہ غور کیا کہ جرمنی کے متعلق ایسی کارروائیاں کرنی چاہئیں کہ وہ پھر کبھی

اٹھ ہی نہ سکے اور اس کو پھر کبھی یہ خیال نہ آ سکے کہ مَیں بھی دنیا میں کوئی فوجی کردار ادا کر سکتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے جو بہت سے اقدامات کئے ان میں ایک اقدام یہ بھی تھا کہ ان پر پابندی لگ گئی کہ غالبًا ایک لاکھ یا اس کے لگ بھگ سے زیادہ فوج نہیں رکھ سکو گے اور نہ ہی تم اس سے زیادہ آدمیوں کو فوجی ٹریننگ دے سکتے ہو۔ ان کا خیال تھا کہ جنگیں ایک دم تو نہیں شروع ہو جاتیں۔ جس قوم کی فوج صرف ایک لاکھ ہو۔ یورپ جیسے ترقی یافتہ علاقے میں اس سے ہمیں کوئی خطرہ نہیں ہوگا اور بھی بعض ذرائع اختیار کئے لیکن اُدھر یہ تھا کہ ہٹلر کو ایک بہت ہی قابل جرنیل نے مشورہ دیا کہ اس مسئلہ کا حل کرنا تو بہت ہی آسان ہے۔ ہم ایک لاکھ سپاہی پیدا کرنے کی بجائی ایک لاکھ افسر تیار کرتے ہیں۔ جہاں تک تعداد کا تعلق ہے ان کو کیا پتہ لگے گا کہ عملاً اس تعداد میں پھیلنے کی غیر معمولی طاقت آ گئی ہے۔ میرا مشورہ یہ ہے کہ مجھے اجازت دی جائے میں بجائے سپاہی کی ٹریننگ کے فوجی تربیت کا ایسا منصوبہ تیار کرتا ہوں کہ ہم سپاہی تیار کرنے کی بجائے افسر تیار کریں۔ ایسا افسر جو انسٹرکٹر بننے کا اہل ہو۔ چنانچہ انہوں نے سپاہی بنانے کی بجائے ایک لاکھ انسٹرکٹر تیار کر دیئے۔ دوسری ترکیب انہوں نے یہ کی کہ ان کو تھوڑے تھوڑے عرصہ کے بعد چھٹی دینی شروع کر دی۔ دس ہزار آج نکال دیئے جو تربیت یافتہ تھے اور ان کی بجائے دس ہزار اور بھرتی کر لئے۔ جہاں جہاں وہ فارغ شدہ فوجی افسر گئے ان کو تعلیمی اداروں میں مقرر کیا اور کہا کہ اب تم طلبہ کو تیار کرو۔ چنانچہ چند سال کے اندر اندر اتنی عظیم الشان فوجی طاقت معرض وجود میں آ گئی کہ جب چرچل (Chirchull) نے توجہ دلائی (پہلا شخص یورپ میں چرچل تھا جس نے اس خطرہ کو بھانپا) تو اس نے بھی ان الفاظ میں توجہ دلائی کہ مَیں الارم کی گھنٹی تو بجا رہا ہوں لیکن مَیں جانتا ہوں کہ مَیں بھی لیٹ ہو چکا ہوں، اب ہمارا اختیار ہی کوئی نہیں رہا۔ اب غور یہ کرنا ہے کہ جو کچھ نقصان ہو چکا ہے اس کی تلافی کیسے کی جائے۔ نقصان بہرحال ہو چکا ہے، جو کچھ جرمنی نے کرنا تھا کر لیا ہے۔ اب سارے اتحادیوں کی اجتماعی طاقت بھی اکیلے جرمنی کے برابر نہیں ہے۔

آج دنیا کی سیادت آپ کے سپرد کی گئی

آج دنیا کی سیادت آپ کے سپرد ہے اور جب تک آپ خود سید نہیں بنیں گے تو دنیا کی سیادت کیسے کریں گے؟ کیسے نئے آنے والوں کو سردار بنا سکیں گے۔ اس لئے بہت ہی ضروری ہے کہ ہم اپنے Follow Up (یعنی بعد میں آنے والوں) کی تربیت میں ایسا پروگرام شامل کریں کہ جس کے نتیجے میں ہر احمدی کو کم سے کم سیادت کی تعلیم دی جائے یعنی کم از کم ایسی سیادت جس کے بغیر (مومن) کی تصویر

مکمل نہیں ہوتی۔اس کو راہنمائی کے اصول بتائے جائیں۔

اسے بتایا جائے اس پر جب اعتماد کیا جاتا ہے۔تو اس کو بتانا پڑے گا، اس کو اپنے اعتماد کی کن پہلوؤں سے خصوصیت کے ساتھ حفاظت کرنی چاہیے۔جب اس طرف آپ آئیں گے تو نظام جماعت کے بارہ میں بھی اس کو بتانا پڑے گا کہ ہم پر تمام دنیا کے احمدی اعتماد کرتے ہیں۔جب تک یہ اعتماد قائم رہے گا۔مالی نظام میں برکت رہے گی۔جب یہ اعتماد کھویا گیا تو مالی نظام ٹوٹ جائے گا۔اسی طرح باقی نظام سے یہ توقعات کی جاتی ہیں اور ہم تمہیں صرف ایک احمدی کے طور پر نہیں بلکہ مجلس عاملہ کے رکن کے طور پر تیار کرنا چاہتے ہیں تا کہ جب تم پر یہ ذمہ داریاں پڑیں تو تم اس اس طرح انہیں ادا کرو۔محض ایسے احمدی نہ بنو باہر بیٹھ کر مجلس عاملہ پر تبصرے کر رہے ہوں۔بلکہ ایسے احمدی بنائیں کہ جب لوگ تبصرہ کرنے کی کوشش کریں تو ان کے پاس مؤثر جواب ہوں۔پھر ہر پہلو سے انہیں آگاہ کریں ان کے حقوق کیا ہیں، ان کی ذمہ داریاں کیا ہیں، خلافت کا نظام کیا ہے، انصار اللہ کا نظام اور خدام الاحمدیہ کا نظام کیا ہے۔ان کی ذیلی تنظیموں کا کام کیا ہے، ان سارے امور سے ہر احمدی کو واقف کرانا اور پھر جماعت کی تاریخ سے ان کو آگاہ کرنا بھی ضروری ہے اور ایسے مؤثر کردار ادا کرنے والے احمدیوں کی زندگیوں کے حالات سے مطلع کرنا ضروری ہے جن کا کردار آج بھی زندہ ہے۔جب آپ اس کردار پر نظر ڈالتے ہیں تو وہ آپ کو مرتعش کر دیتا ہے۔حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب کی زندگی کے واقعات ہیں انہوں نے احمدیت میں بہت مختصر زندگی گزاری لیکن ایسی عظیم زندگی تھی کہ ہمیشہ دنیا اس کو رشک کی نگاہ سے دیکھتی رہے گی۔اور تمنا کرے گی کہ کاش ہمارے سینکڑوں سال کے بدلہ وہ مختصر زندگی ہمیں نصیب ہو جاتی۔جب آپ ان کے کردار پر نظر ڈالتے ہیں ان کے واقعات سے نئے آنے والوں کو آگاہ کرتے ہیں تو آپ کو زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں پڑتی کیونکہ آج بھی وہ کردار آپکی باتوں سے زیادہ زندہ ہے، آج بھی اس میں اس بات کی اہلیّت ہے کہ دلوں کو متحرک کر دے اور خون کو گرم کر دے اور انسانوں میں نئے حوصلے پیدا کرے اور ان کے سینوں میں نئے عزم بلند کرے۔ایسے لوگ جو حضرت بانی سلسلہ کے ساتھی تھے۔انہوں نے کیا کیا کارنامے انجام دیئے کس طرح دنیا میں قربانیاں پیش کیں، کس طرح دنیا کو تبدیل کیا، کس طرح قول اور فعل کے سچے ثابت ہوئے، وہ صادق القول تھے اور صادق العمل تھے ان سب باتوں سے آگاہ کرنا ضروری ہے جب ان سب باتوں پر آپ نظر ڈالیں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ اتنا بڑا کام ہے کہ اس کے لئے کئی سال کی محنت درکار رہے۔ساری دنیا کی زبانوں میں اس قسم کا لٹریچر تیار کرنا اور ایسے احمدی پیدا کرنا جو ساتھ ساتھ واقف ہوتے چلے جائیں اور

زبان ان باتوں کو آگے پھیلانے کے اہل ہوں کوئی معمولی کام نہیں ہے اس کے لئے تو بہت بڑی محنت کی ضرورت ہے۔

خدا کی توحید ہم نے آسمانوں سے زمین پر لانی ہے

جرمنی کے چند روز کے قیام میں اللہ تعالیٰ نے میرے ذہن میں جو منصوبے ڈالے ہیں وہ تو کافی وسیع ہیں۔ان میں سے ایک یہ ہے جس کی طرف میں نے اس وقت توجہ دلائی ہے اور بہت سی باتیں جو وقتاً فوقتاً جماعتوں کو ہدایتوں کی صورت میں بھجوائی جاتی رہیں گی۔ مجھے فکر یہ ہوتی ہے کہ اگر زیادہ ہدایتیں اکٹھی دی جائیں تو بعض دفعہ ہمت ٹوٹ جاتی ہے آدمی سمجھتا ہے کہ اتنی باتیں میں کر ہی نہیں سکتا چلو چھوڑو۔اس لئے مجھے بھی بڑا صبر کرنا پڑتا ہے۔ایک وقت میں تھوڑی تھوڑی غذا دینے کی کوشش کرتا ہوں تا کہ یہ ہضم ہو تو پھر آگے چلیں اس کے بعد پھر آگے چلیں تا کہ رفتار میں زیادہ تیزی آتی جائے اور رفتار تیز کرنے والی غذا بھی ساتھ ساتھ ملتی جائے۔سردست مَیں اسی پر اکتفاء کرتا ہوں۔ان دو پروگراموں کو جن کی طرف میں نے توجہ دلائی ہے آپ جاری کرنے کی کوشش کریں اور اس طرح کریں کہ جو پچھلے منصوبے تھے ان کو چھوڑ کر نہیں ان کے پہلو بہ پہلو ان کو جاری کریں۔اسی لئے میں بار بار اس طرف متوجہ کرتا ہوں کہ ہمیں مختلف کاموں کے لئے سپیشلسٹ ٹیمیں تیار کرنی پڑیں گی جو پہلے منصوبے ہیں وہ بعضوں کے سپرد کریں وہ بیدار مغزی سے ان کو عملی جامہ پہناتے رہیں اور یہ نیا منصوبہ کچھ اور لوگوں کے سپرد کریں۔اس کے دو پہلو ہیں اس کے لئے الگ الگ دو کمیٹیاں بنانی پڑیں گی۔اور بعض دفعہ مجبوراً چھوٹے علاقوں میں خصوصیت کے ساتھ ایک شخص ایک سے زائد کمیٹیوں کا ممبر بھی ہوسکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں لیکن اگر ہر کام کی الگ الگ کمیٹیاں ہوں تو اس کو اپنی اس شخصیت کا احساس ہمیشہ پیش نظر رہے گا کہ میری ایک شخصیت یہ ہے اور ایک شخصیت وہ ہے۔ اس سے اسے کام یاد رکھنے میں آسانی رہے گی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے۔

خدا تعالیٰ کی توحید آسمانوں سے ہم نے زمین پر لانی ہے اور اس کو فرضی توحید نہیں رہنے دینا اسے اپنے سینوں سے چمٹانا ہے، اپنے خون میں جاری کرنا ہے۔ایک ایسی جماعت پیدا کر کے دکھانی ہے جو موحد ہو حقیقتاً عمل کی دنیا میں موحد ہو صرف نظریات کی دنیا میں موحد نہ ہو۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا کرے۔

(ضمیمہ ماہنامہ انصاراللہ نومبر 1986ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 19 دسمبر 1986ء

- ☆ پیدائش سے سات سال تک کی عمر کے بچوں کو نظام کے سپرد نہ کرنے کی حکمت
- ☆ کم سن بچوں کی تربیت اور والدین کی ذمہ داری
- ☆ بچوں کی سات سال سے دس سال کی عمر بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے
یہ ایک اہم موڑ ہے
- ☆ چھوٹی عمر کے بچوں کی تربیت کا حق صرف ماں باپ کو ہی ہے
- ☆ بچے کی ابتدائی عمر کا زمانہ بڑا محنت طلب زمانہ ہوتا ہے
- ☆ ماں باپ کو بڑی ذہانت کے ساتھ اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے چھوٹے بچوں کے بارہ میں خصوصیت سے دلچسپی لینی چاہیے
- ☆ ٹیلی ویژن اور بچّے
- ☆ ماں باپ کی تربیت کا بھی اہتمام ضروری ہے اور یہ کام ذیلی تنظیموں کے سپرد کیا جا سکتا ہے
- ☆ بچپن میں تربیتی خلا نہ رہنے دیں

⚜

حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:-

یہ خطبہ جس کے لئے میں اس وقت کھڑا ہوا ہوں میرا ارادہ ہے کہ اس خطبہ میں کوئی تربیتی مضمون بیان کروں گا کیونکہ بعض تربیتی پہلو ایسے ہیں جن کے متعلق جماعت کو بار بار بتانا اور ان کو یاد دہانی کرواتے رہنا بہت ضروری ہے۔ چنانچہ اس غرض کے لئے مَیں وقتاً فوقتاً مختلف قسم کے مضامین چُنتا ہوں اور پھر کوشش کرتا ہوں کہ مَیں ان کے بعض پہلوؤں پر اچھی طرح روشنی ڈالوں۔ کچھ پہلو بچ جاتے ہیں ان کو پھر مَیں آئندہ خطبہ کے لئے اٹھا رکھتا ہوں۔ بیچ میں وقتی ضروریات کے ماتحت خطبے دینے پڑتے ہیں۔ بہرحال اس مرتبہ میں نے یہی ارادہ کیا تھا کہ تربیتی امور سے متعلق عمومی رنگ میں کچھ بیان کروں گا لیکن اس عرصہ میں پشاور سے ہمارے ایک مخلص احمدی دوست جو جوانی کی عمر میں خود احمدی ہوئے ہیں یعنی جوانی سے ذرا آگے بڑھ کر درمیان کی جو عمر ہے اس میں ان کو قبول احمدیت کی توفیق ملی ہے۔ بڑا علمی ذوق رکھتے ہیں۔ نفسیات ان کا مضمون رہا ہے جماعتی اور دینی معاملات میں ان کی سوچ بچار پر ان کے نفسیات کے مضمون کا بھی اثر پڑتا رہتا ہے ان کی طرف سے ایک ایسے ہی مضمون سے متعلق خطبہ دینے کے لئے یا جماعت کو عمومی نصیحت کرنے کے لئے مجھے متوجہ کیا گیا ہے۔ نصیحت کا ایک خاص پہلو ہے جو ان کے پیش نظر تھا ان کو چونکہ سوچ بچار کی عادت ہے مختلف تربیتی مسائل پر غور کرتے رہتے ہیں چنانچہ انہوں نے مجھے لکھا کہ مَیں نے جماعتی نظام پر بہت غور کیا اور کرتا رہتا ہوں اور جتنا غور کیا مَیں حیرت میں ڈوبتا چلا گیا کہ حضرت فضل عمر کو اللہ تعالیٰ نے کیسا عظیم الشان اور کامل تربیتی نظام قائم کرنے کی توفیق بخشی ہے لیکن ایک پہلو ایسا ہے جس کے متعلق میرا ذہن پوری طرح مطمئن نہیں ہوسکا۔ اور بارہا خیالات میرے دل کو کریدتے رہے کہ یہ پہلو کیوں تشنہ ہے اور وہ ہے پیدائش سے لے کر سات سال کی عمر تک بچوں کو کسی نظام کے سپرد نہ کرنا۔ وہ لکھتے ہیں کہ انسانی عمر کے جو مختلف ادوار ہیں نفسیاتی لحاظ سے سب سے اہم دَور یہ ابتدائی دَور ہے۔ اس دَور میں بچہ

جو سیکھ جائے وہ سیکھ جاتا ہے اور پھر مزید سیکھنے کی اہلیت اس میں پیدا ہو جاتی ہے۔اور اگر اس دَور میں کسی پہلو سے اس کی تعلیم میں تشنگی رہ جائے تو بسا اوقات بڑی عمر میں جا کر وہ تشنگی پوری ہو ہی نہیں سکتی اور وہ پہلو ہمیشہ کے لئے ایک خلا بن جاتا ہے جس طرح بعض دفعہ شیشہ ڈھالتے وقت اندر بلبلے رہ جاتے ہیں اس طرح انسانی دماغ میں بھی بعض علمی پہلوؤں سے بُلبلے رہ جاتے ہیں اور یہ بات ان کی درست ہے۔

کم سن بچوں کی تربیت اور والدین کی ذمہ داری

مَیں نے بھی جہاں تک مطالعہ کیا ہے اسی نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ بچے کی تربیت کا عمل اس کی پیدائش سے شروع ہو جاتا ہے چنانچہ بعض ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ اگر بچے کو چھوٹی عمر میں ہی زبان نہ سکھائی جائے ایک لمبا خلا مثلاً سات آٹھ سال تک مسلسل خلا چلا جائے تو اس کے بعد بچہ کوئی زبان سیکھ ہی نہیں سکتا۔پھر آپ جتنا چاہیں زور لگائیں جتنی چاہیں کوشش کر لیں مستقل خلا جو پیدا ہو جائے گا اس کو پُر کرنا مشکل ہے۔ اسی طرح بعض علوم یا بعض ذوق ایسے ہیں جو بچپن میں پیدا نہ ہوں تو پھر بعد میں آگے چل کر پیدا نہیں ہوتے۔غرض ان کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ کیوں سات سال سے چھوٹے بچوں کو کسی تنظیم کے سپرد نہیں کیا گیا۔

امر واقعہ یہ ہے کہ اس عمر میں بچے ماں اور باپ کے سپرد ہوتے ہیں۔قرآن کریم نے بھی اس پہلو سے روشنی ڈالی ہے اور احادیث میں بھی کثرت سے اس کا ذکر ملتا ہے ہاں یہ بات صحیح ہے کہ والدین کو اس طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے ان کو بار بار یاددہانی کی ضرورت ہے بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو اس کی پیدائش کے بعد چند لمحات کے اندر اندر بچے کے دائیں کان میں اذان دینا اور بائیں کان میں تکبیر کہنا اپنے اندر ایک بہت ہی عظیم الشان اور گہری حکمت رکھتا ہے۔یہ حکم بتانے کے لئے دیا گیا ہے کہ بچے کی عمر کا ایک لمحہ بھی ایسا نہیں ہے جو تربیت سے خالی رہے اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہے جس کے متعلق تم جواب دہ نہیں ہوگے عملاً جب اذان دیتے ہیں تو بچہ تو اس اذان کے لئے جواب دہ نہیں ہے نہ اس تکبیر کے لئے جواب دہ ہے اور نہ وہ ان باتوں کو سمجھ رہا ہوتا ہے اس میں دراصل ماں باپ کو متوجہ کیا جا رہا ہے کہ تم نے اپنے بچے کی پہلے دن سے دینی رنگ میں تربیت کرنی ہے اگر نہیں کرو گے تو تم جواب دہ ہو گے۔اس کی اَور بھی بہت سی حکمتیں ہیں لیکن ایک بڑی اہم حکمت یہی ہے جو مَیں نے بیان کی ہے............جہاں تک

اولاد کا تعلق ہے ان کے بچانے کا عمل ان کی پیدائش کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے۔ سات سال کی عمر خصوصیت کے ساتھ اہمیت رکھتی ہے جیسا کہ ماہرین نفسیات بھی کہتے ہیں اور ان میں سے بعض فرق بھی کرتے ہیں۔ بعض سات سال کو کچھ بڑھا دیتے ہیں بعض کچھ کم کر دیتے ہیں لیکن عموماً اس بات پر یہ اتفاق ہے کہ سات سال کے لگ بھگ عمر بہت ہی اہمیت رکھتی ہے بچہ جب اس عمر کو پہنچتا ہے تو نفسیاتی لحاظ سے گویا وہ پختگی میں داخل ہوتا ہے یعنی پختگی کی جانب تیزی سے قدم اٹھانے لگتا ہے اور وہ کچی عمر جو نفسیاتی لحاظ سے اثر قبول کرنے والی کہلاتی ہے اور جو بچے کی عمر کا سب سے زیادہ حسّاس دَور ہوتا ہے وہ سات سال سے پہلے ہی کی عمر کا دَور ہے اس لئے جہاں تک اس کی اہمیت کا تعلق ہے اس سے تو کوئی انکار نہیں ہے لیکن جب ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جہاں تک فرائض عائد ہونے کا تعلق ہے ان کا آغاز سات سال کی عمر سے ہو جاتا ہے لیکن نرمی کے ساتھ ہوتا ہے یعنی تربیت کا جو ظاہری رسمی دور ہے وہ سات سال کے بعد ہی شروع ہوتا ہے دس سال کی عمر کے بچے اگر نماز نہ پڑھیں تو ان کو مارنے کی بھی اجازت مل جاتی ہے۔ جب وہ بارہ سال کی عمر کو پہنچ جائیں تو ان کو اتنا پختہ سمجھا جاتا ہے کہ اب وہ بالکل آزاد ہیں ان کو نصیحت تو کی جائے لیکن ان پر ہاتھ نہ اٹھایا جائے۔ تربیتی لحاظ سے جو کچھ تم نے کرنا تھا وہ تم کر چکے ہو۔ اس خیال سے جماعتی نظام میں اطفال کی عمر سات سال کے بعد مقرر کی گئی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اس عمر کی یہ اہمیت تو بہر حال ملتی تھی کہ اس کے بعد تربیت رسمی طور پر بھی باقاعدہ شروع کر دی جائے۔ لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے ارشادات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ تربیت کا دور پہلے بھی جاری تھا۔

سات سال سے کم عمر کے بچہ کے بارہ میں بعض استثناء

اس کے کچھ اَور پہلو بھی ہیں پھر اس دور کے بعد کچھ اَور پہلو بھی سامنے آتے ہیں پس اس نقطۂ نگاہ سے جب ہم اس مسئلہ پر مزید غور کرتے ہیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بعض اور ارشادات نظر آتے ہیں جن کا اس مضمون سے تعلق ہے مثلاً یہ بات کہ بچے کی خیار کی عمر کیا ہے؟ یہ ایک ایسی بحث ہے جو فقہاء کے درمیان چل رہی ہے مثلاً یہاں بیوی کی علیحدگی کی صورت میں اگر بچے سے یہ پوچھنا ہو کہ تم نے ماں کے پاس رہنا ہے یا باپ کے پاس جانا ہے تو وہ کون سی عمر ہے جس میں یہ فیصلہ کیا جاتا ہے۔ بہت سے فقہاء

سات سال کی عمر بتاتے ہیں اور بہت سے ایسے ہیں جو نو سال یا دس سال کی عمر بتاتے ہیں لیکن سات سال سے کم کوئی نہیں بتاتا اس لحاظ سے سات سال کا یقیناً کوئی تعلق ضرور ہے۔

پس بچے کی سات سال سے دس سال کی عمر بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے یہ ایک اہم موڑ ہے جو بچے کی زندگی میں آتا ہے سات سال سے پہلے کا دَور اثر پذیر ہونے کا دَور ہے۔ سات سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے بچے کو اپنے فیصلے کا کچھ نہ کچھ اختیار حاصل ہو جاتا ہے اس کے اندر کچھ نہ کچھ شعور پیدا ہو جاتا ہے۔ اسی لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بچہ جب سات سال کا ہو جائے تو اس کو نصیحت کر کے نمازیں پڑھاؤ عبادت کے مزے چکھانے شروع کر دو۔ معلوم ہوتا ہے اس میں یہ فیصلے کی قوت پیدا ہو چکی ہے کہ ہاں مَیں نے کچھ کرنا ہے اس لئے اس اختیار سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کو یہ بتانا شروع کر دو لیکن وہ ایسے رنگ میں اثر قبول کرے جس میں ارادے کا نمایاں دخل نہ ہو کیونکہ یہ عمر جتنی چھوٹی ہوتی ہے اتنا ہی اس عمل میں زیادہ اثر پذیر ہوتا ہے۔ قوت فیصلہ کے ذریعہ نہیں بلکہ جبلّی طور پر۔ وہ جب ماں باپ کو مسکراتے دیکھ رہا ہوتا ہے تو بعض دفعہ ماں باپ کی مسکراہٹ کی ایک جھلک بلا ارادہ اس کی مسکراہٹ میں اس طرح داخل ہو جاتی ہے کہ وہ بڑھاپے تک قائم رہتی ہے ماں باپ کی باتیں کرنے کا طریق کیا ہوتا ہے ان کے غصے کا اظہار کیسے ہوتا ہے وہ خوش کیسے ہوتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں ہیں جن کو بچہ قبول کر رہا ہوتا ہے لیکن ارادہ کے ساتھ نہیں کر رہا ہوتا اور چونکہ ارادے کے ساتھ قبول نہیں کر رہا ہوتا اس لئے ایک فطرتی عمل کے طور پر یہ چیزیں اس کے اندر داخل ہو رہی ہوتی ہیں البتہ جو چیزیں اس دور میں فطرتی عمل کے طور پر اس کے اندر داخل ہو جائیں بعد میں ان کو بالا رادہ طور پر ڈھال لینا اور ان کو زیادہ خوبصورت بنا دینا یہ ممکن ہے لیکن جو باتیں اس عمر میں اس کے اندر داخل ہی نہ ہوئی ہوں وہ خلا ہیں جو بعد میں بھرے نہیں جا سکتے اس لئے جب ہم سات سال کی عمر سے پہلے بچے کو تنظیموں کے سپرد نہیں کرتے تو دوسری حکمتوں کے علاوہ ایک حکمت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح ارادے کو ڈھالنے کے لئے تو اجازت دی ہے کیونکہ شریعت میں اپنا ارادہ شامل ہونا ضروری ہے شریعت میں صرف دوسرے کا ارادہ کافی نہیں ہے اس لئے جہاں شرعی فرائض یا مناہی آ جاتے ہیں وہاں سات سال سے پہلے بچے کو ایسے احکام جاری کرنے کی اجازت نہیں ہے جن میں اس کے ارادے کا دخل ہو۔ پس یہ وہ فرق ہے جس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

چھوٹی عمر میں بچہ ماں باپ کے زیر اثر ہی رہنا چاہیے

رہی یہ بات کہ بہت چھوٹی عمر میں بچوں کو ماں باپ کے سوا کسی دوسرے کے زیرِ اثر رکھا جائے تو یہ تو خود ایک غیر نفسیاتی حرکت ہے۔ اگر آپ بہت چھوٹی عمر میں بچوں کو ان کے ماں باپ سے علیحدہ کر دیں گے یا ماں باپ کے متعلق یہ سمجھا جائے کہ ان کو اپنے بچوں کی تربیت کا حق نہیں بلکہ والدین سے زیادہ کسی اور تنظیم کو حق ہے تو عملاً یہ ایک نہایت ہی سنگین قدم ہے جو اشتراکیت کی طرف اُٹھتا ہوا نظر آتا ہے اور واقعۃً اشتراکی نظریے کے ساتھ اس کا گہرا جوڑ ہے چنانچہ ایسا نظریہ جو سطحی اشتراکیوں کا نظریہ نہیں بلکہ جوان کے فلسفے کی جان ہے یعنی اشتراکی نظریے کی روح ہے اگر آپ اس کو دیکھیں معلوم ہوتا ہے کہ اشتراکیوں کے نزدیک سوسائٹی بالغ ہی تب ہوگی جب پہلے ان کا بچہ بھی سٹیٹ کے زیر اثر ہو جائے۔ چنانچہ اس ضمن میں اشتراکی فلسفہ یہ کہتا ہے کہ جب ماں اور باپ بچوں پر ان کی ابتدائی عمر میں اثر ڈالنا شروع کریں تو اس کے بعد سٹیٹ پھر اپنی مرضی کے مطابق ان کو پوری طرح ڈھال ہی نہیں سکتی۔ پس وہ بھی چونکہ یہ جانتے ہیں اور اس حقیقت سے واقف ہیں کہ بچے کی زندگی کا ابتدائی دَور بہت اہمیت رکھتا ہے اس لئے وہ کہتے ہیں کہ پہلے دن کا بچہ ہی سٹیٹ کا بچہ ہے ماں باپ کا ہے ہی نہیں۔ کہتے ہیں کہ پہلے دن یہ ایک تصور پایا جاتا ہے کہ ماں باپ کا بچہ ہے اشتراکیت نے اس تصور کی جڑ ضرور کاٹنی ہے اس لئے شادی بیاہ کا نظام ہی اُٹھ جانا چاہیے۔ یہ ہے اشتراکیت کی آخری تھیوری یعنی نظریے کا آخری قدم۔ مذہبی سوسائٹی میں وہ جب باتیں کرتے ہیں تو وہ اپنے اس نظریے سے واقف نہیں کراتے کیونکہ ان کو یہ ڈر ہے کہ مثلاً پاکستان کے غرباء میں خواہ وہ کتنے ہی غریب کیوں نہ ہوں اگر یہ بتایا جائے کہ بالآخر جب تم کمیونسٹ ہو جاؤ گے اور اشتراکیت کا یہاں قبضہ ہو جائے گا ہم یہ سلوک تم سے کریں گے تمہارا شادی کا نظام ختم کر دیں گے تمہیں اپنے بچوں کا پتہ بھی نہیں لگنے دیں گے۔ ہسپتالوں میں جا کے بچے پیدا کروائے جائیں گے اور ہسپتالوں کے جو بچے ہیں وہ حکومت اٹھا لے گی ماں کو فارغ کر کے پھر کارخانے میں بھجوا دیا جائے گا یا جہاں بھی اس کو بھجوانا ہوگا بھجوایا جائے گا۔ یہ ایک ایسا بنیادی نظریہ ہے جس کو ٹالا نہیں جا سکتا۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ اس پر عمل کیوں نہیں کر رہے تو کہتے ہیں کہ ابھی ہم پختہ نہیں ہوئے ابھی اشتراکیت کی تعلیم کا بہت سا حصہ ایسا ہے جو عمل کی دنیا میں نہیں ڈھالا گیا کیونکہ ہم ابھی اس کو قبول کرنے کے لئے پوری طرح تیار نہیں ہوئے لیکن یہ آخری قدم لازماً اٹھنا ہے ورنہ اشتراکیت کا نظام اس کے بغیر مستحکم نہیں ہو سکتا اس کے اندر تضادات رہ جائیں گے۔

چھوٹے بچوں کو کسی نظام کے سپرد نہ کرنا حکمت پر مبنی ہے

پس اس پہلو سے بھی دیکھا جائے تو سات سال تک کی عمر کے بچے کی اہمیت ان لوگوں کے ذہن میں بھی واضح ہے لیکن (دین حق) اس کی اجازت نہیں دیتا کہ چھوٹے بچوں کو کسی نظام کے سپرد کر دیا جائے۔ اور وہ بچوں کو کلیۃً اپنا لے۔ ہاں (دین حق) ماں باپ پر ذمہ داریاں بڑھاتا چلا جاتا ہے اور ان کو بار بار توجہ دلاتا جاتا ہے کہ چھوٹے بچوں کی تربیت کا خیال رکھا جائے۔ کیونکہ (دین حق) کا ایک عائلی نظام ہے اور اس عائلی نظام کا سوشلسٹ تصور حیات سے ایک براہ راست ٹکراؤ ہے اس لئے یہ دونوں بیک وقت قائم نہیں رہ سکتے۔ حضرت فضلِ عمر دین کی گہری فراست رکھتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تائید اور ہدایت کے تابع جماعت احمدیہ کے لئے اصلاح کا ایک نظام قائم فرما رہے تھے۔ آپ کے اوپر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ان مقبول دعاؤں کا سایہ تھا جو آپ کی پیدائش سے بھی پہلے کی گئی تھیں اور آپ کی پیدائش سے بھی ان کی مقبولیت کے متعلق آپ کو کھلے لفظوں میں مطلع فرما دیا گیا تھا اور بتایا گیا تھا کہ جس طرح کا تم بیٹا چاہتے ہو ویسا ہی بیٹا میں تمہیں عطا کروں گا۔ اس لئے بنیادی معاملہ میں حضرت فضل عمر سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی تھی۔ پس جیسا کہ میں بتا چکا ہوں آپ نے احمدی بچوں کو سات سال کے بعد نظام سلسلہ کے سپرد کرنے اور اس سے پہلے دخل دینے کی اجازت نہ دینے کی جو ہدایت فرمائی ہے وہ حکمت پر مبنی ہے۔ یہ نظام بڑے گہرے شرعی فلسفے پر قائم کیا گیا ہے۔ آئندہ کوئی خلیفہ بھی اسے تبدیل نہیں کر سکتا لیکن اس میں اگر کہیں کوئی خلاء نظر آ رہا ہے تو اس کو پُر کرنے کی طرف توجہ دلانا خلیفہ کا کام ہے کہ وہ ماں باپ کو یاد دہانی کرائے کہ تمہارے بچے ہیں تمہارے سپرد ہیں تم ان کے متعلق پوچھے جاؤ گے ان کو قرآن کریم کا یہ حکم یاد دلایا جائے قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيْكُمْ نَارًا اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے آپ کو اور اپنے بیوی بچوں کو آگ کے عذاب سے بچاؤ۔

پس یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ سوسائٹی ان بچوں سے زیادہ پیار رکھتی ہے زیادہ ہمدردی رکھتی ہے ان پر زیادہ حق رکھتی ہے بہ نسبت ان کے اپنے والدین کے جنہوں نے بچپن کے زمانہ میں بڑی مصیبتیں جھیل کر اور بڑی قربانیاں دے کر اپنی اولاد کو پروان چڑھایا ہوتا ہے۔ والدین سے ان کے بچوں کو الگ نہیں کیا جا سکتا کیونکہ وہ ان کے خون سے بنے ہیں ان کی ہڈیوں کے حصے ان میں داخل ہوتے ہیں وہ ان کے عملاً جگر گوشے ہیں ان کو والدین سے الگ نہیں کیا جا سکتا البتہ والدین کو اولاد کی تربیت کے سلسلہ میں ان کی ذمہ داریوں کی

طرف متوجہ کیا جا سکتا ہے۔

بچے کی ابتدائی عمر کا محنت طلب زمانہ

پھر بچے کی ابتدائی عمر کا زمانہ بڑا محنت طلب زمانہ ہوتا ہے۔ چھوٹی عمر کے بچے سوسائٹی کی نظر میں اس وقت اچھے لگتے ہیں جب وہ تیار ہو کر سج دھج کر باہر نکلیں یعنی جب وہ بیمار نہ ہوں جب وہ ضد نہ کر رہے ہوں۔ جب وہ شور نہ مچا رہے ہوں جب وہ چیزوں کو توڑ نہ رہے ہوں اس وقت سوسائٹی کو بڑے پیارے لگتے ہیں۔ جب ان میں سے کوئی بچہ حرکت شروع کر دے تو دیکھنے والوں کے اچانک تیور بدلنے لگتے ہیں آپ کے گھر میں کسی دوست کا بچہ آ جائے تو آپ دیکھیں گے آپ کو کتنا پیارا لگے گا کیونکہ وہ سج دھج کر آیا ہوتا ہے اچھی اچھی باتیں کرتا ہے لیکن جوں ہی اس نے آپ کے گلدان کو توڑنے کے لئے ہاتھ ڈالا تو پھر دیکھیں آپ کے تیور کیسے بدلتے ہیں یا اگر کوئی بچہ پیشاب کر دے اور اس سے بدبو پھیل جائے اور پھر وہ اسی غلاظت کے ساتھ کرسیوں پر بیٹھنے لگے یا کھانے میں ہاتھ ڈال دے یا آپ کے کپڑوں کو خراب کرنے کی کوشش کرے تو پھر آپ کو پتہ چلے گا کہ بچے کیا ہوتے ہیں۔

پس اس چھوٹی عمر میں بچوں کو غیروں کے سپرد کر دینا جو اتنا حوصلہ ہی نہیں رکھتے کہ بچوں کے منفی پہلوؤں پر بھی بڑے حوصلے کے ساتھ چل سکیں، جن میں استطاعت ہی نہیں ہے کہ وہ ان کے تکلیف دہ حصوں کو کشادہ پیشانی کے ساتھ اور مسکراہٹ کے ساتھ برداشت کر سکیں۔ یہ تو ماؤں کا جگرا ہے کہ راتوں کو بھی اٹھتی ہیں اور بچوں کی ہر مصیبت اور تکلیف کے وقت ان کا ساتھ دیتی ہیں۔ اور ان کو صاف سُتھرا بناتی ہیں۔ پس بچے جب تیار ہو کر باہر آئیں تو ان سے پیار کرنا تو ایک طبعی اور فطرتی چیز ہے پھول سے بھی تو لوگ پیار کرتے ہیں البتہ کانٹوں سے پیار کرنا، یہ ہے اصل امتحان۔ اس امتحان پر مائیں پورا اُترا کرتی ہیں۔ یا کسی حد تک باپ پورا اُترتے ہیں۔ سوسائٹی اس بات کی اہل ہی نہیں ہے کہ وہ اس حالت میں بچوں کو پکڑے۔ لیکن جب وہ شعور کی دنیا میں داخل ہو رہے ہوں گے پھر آپ ایسی باتیں ان سے کہہ سکتے ہیں جس کی زبان وہ سمجھیں اور اس زبان میں وہ آپ کو جواب دیں۔

بچے کی عمر کا نہایت حسّاس دَور

پس (دینِ حق) کا نظام ایک بہت ہی گہرا اور مستحکم نظام ہے اس میں خلا کوئی نہیں ہے لیکن ذمہ داریاں

الگ الگ ہیں اور معیّن کی گئی ہیں اس لئے جہاں تک اس ضرورت کا تعلق ہے جو ہمارے اس مخلص دوست کو محسوس ہوئی اس سے مجھے ایک ذرہ بھر اختلاف نہیں ہے ہاں جو طرزِ اصلاح ان کے ذہن میں ابھری ہے اس سے مجھے اختلاف ہے جس کے بارہ میں دلائل مَیں نے بیان کئے ہیں کہ مجھے اس سے کیوں اختلاف ہے لیکن اس کے ساتھ مَیں والدین کو بھی متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ ان پر تربیت اولاد کی بہت بڑی ذمہ داری ہے خصوصاً ایسے علاقوں میں بسنے والے والدین پر یہ ذمہ داری اَور بھی زیادہ بڑھ جاتی ہے جیسا کہ یہ علاقہ ہے جس میں ہم آج کل بس رہے ہیں اور زندگی کے دن گزار رہے ہیں یا یورپ کے بعض دوسرے علاقے ہیں مشرقِ بعید کی بعض ریاستیں ہیں یا ہندوستان کے بعض علاقے ہیں ان سب علاقوں میں (دینی) قدریں غیر معمولی طور پر غالب ہیں۔ سکول جانے کی بچے کی جو عمر ہے وہ سات سال سے پہلے شروع ہو جاتی ہے یہ بچے کی عمر کا نہایت ہی حسّاس دَور ہوتا ہے یعنی چار ساڑھے چار سال سے سات سال تک کا زمانہ خصوصیت کے ساتھ خطرے کی گھنٹی بجاتا ہے کیونکہ ان علاقوں میں جو بچے ننگے بچوں کو کھیلتے دیکھتے ہیں ننگی لڑکیوں کو نہاتے دیکھتے ہیں اور اسی قسم کی اَور بہت سی حرکتیں مثلاً ناچ گانے وغیرہ دیکھتے ہیں تو آپ یہ نہ سمجھیں کہ وہ بچے ہیں، ان چیزوں کے ان کے اوپر بہت ہی گہرے اثرات مرتب ہو رہے ہوتے ہیں۔ چنانچہ بعض دفعہ اس رنگ میں احساسات ان کے ذہنوں پر نقش ونگار بنا رہے ہوتے ہیں کہ بعد میں آپ ان کو کھرچنے کی کوشش کریں تو زندگی کُھرچی جاسکتی ہے مگر وہ نقش ونگار نہیں کُھرچے جاسکتے ان کے نفسیاتی وجود کا ایک مستقل حصہ بن چکے ہوتے ہیں۔ جس طرح کسی سانچے میں کوئی چیز پگھلی ہوئی ڈال دی جائے وہ جم جائے گی تو پھر وہ توڑی جاسکتی ہے نئی شکل میں ڈھالی نہیں جاسکتی اس لئے بچوں کی عمر کا یہ نہایت ہی اہم دور ہے۔ اس دور میں ماں باپ کو اس طرح توجہ کرنی چاہیے کہ وہ اپنے بداثرات کے مقابل پر بالارادہ نیک اثرات پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اور اس میں ان کے لئے بہت سے ایسے پہلو ہیں جن پر ان کو خود عمل کرنا پڑے گا۔ وہ اپنی زندگی کی نہج بدلے بغیر اس عمر میں بچے پر نیک اثر نہیں ڈال سکتے۔ وہ سننے سے زیادہ دیکھ کر اثرات قبول کر رہا ہوتا ہے سُن کر بھی کرتا ہے لیکن وہ لاشعوری طور پر اثر قبول کر رہا ہوتا ہے۔ سمجھ کر نہیں کر رہا ہوتا۔ جو چیز اس کو اچھی لگتی ہے وہ طبعاً اور فطرتاً اس کا اثر قبول کرتا ہے اور جو چیز اُسے بُری لگ رہی ہوتی ہے وہ اس سے دور ہٹ رہا ہوتا ہے مثلاً کھانے کے معاملہ میں آپ دیکھ لیں اس عمر میں آپ بچے کو سمجھانے کی لاکھ کوشش کریں کہ یہ چیز اچھی ہے یہ کھاؤ وہ کہے گا کہ نہیں مجھے نہیں اچھی لگتی لیکن جب وہ کم وبیش سات سال کی عمر کو پہنچتا ہے تو پھر وہ بات کو سمجھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہاں میں کوشش کرتا ہوں اور کچھ دیر کوشش کے بعد اس کو اچھی بھی لگنے لگ جاتی ہے۔ بعض

بیوقوف مائیں ایسی بھی ہوتی ہیں کہ جو چیز ان کے نزدیک اچھی ہوتی ہے وہ بچے کو بار بار کھلا رہی ہوتی ہیں وہ یہ سوچ ہی نہیں سکتیں کہ یہ بہت بھیانک حرکت ہے بعض دفعہ اس سے بچے کو ماں سے ہمیشہ کے لئے نفرت پیدا ہوجاتی ہے بعض دفعہ نفسیاتی بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں اس لئے کبھی ایسی حرکت کرنے کی ہرگز کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اس عمر میں بچے کے ساتھ زبردستی بہرحال نہیں کرنی چاہیے۔ یہ پیار کی عمر ہے اور پیار کی عمر بھی ایسی کہ جو دلکشی کی عمر ہے۔ اگر آپ دلکشی کے ذریعہ سے بچے کی فطرت پر اثر انداز ہوں گے تو بچہ اثر قبول کرے گا بھیانک بن کر آپ اس پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔ ایسی صورت میں وہ آپ سے دور بھاگے گا اور آپ اپنی کوشش میں ناکام ہوجائیں گے بچہ اس چیز سے دُور بھاگے گا جس کی طرف آپ اُسے زبردستی لانا چاہتے ہیں۔ اس لئے اس کے ساتھ پیار کرنا ضروری ہے اور وہ دلکشی سے ہوسکتا ہے۔ زبردستی کا پیار کبھی ممکن ہی نہیں۔

پس ماں باپ کو بڑی ذہانت کے ساتھ اور بیدار مغزی کے ساتھ اپنے چھوٹے بچوں کے بارہ میں خصوصیت سے دلچسپی لینی چاہیے۔ بچے کے دل میں نماز کی محبت پیدا کرنا اوّلین کام ہے۔ اگر بچے اپنے ماں باپ کو باقاعدہ سج دھج کر پیار کے ساتھ اور سلیقہ کے ساتھ نماز پڑھتے دیکھیں گے تو پیشتر اس کے کہ وہ اسکول جانے لگیں ان کے دل میں بھی نماز کی محبت پیدا ہوجائے گی اسی طرح بعض اور عادات ہیں بچے ان کو دیکھیں گے تو ان کے دل میں ان کا بھی پیار پیدا ہوجائے گا۔

ٹیلی ویژن اور بچے

اس بارہ میں ٹیلیویژن کے پروگرام خصوصیت سے توجہ طلب ہیں۔ ان کے متعلق بہت سی باتیں کہنے والی ہیں وہ بعد میں کسی وقت انشاء اللہ وقت ملا تو کہوں گا۔ لیکن اس میں بھی اختیار کی باتیں ہیں۔ شروع میں چھوٹی عمر میں بچوں کو ٹیلی ویژن سے نوچ کر الگ تو پھینک نہیں سکتے اس لئے ان کو کسی حد تک ٹیلی ویژن دیکھنے دینا ہے۔ البتہ بچوں کو کیا دیکھنا ہے ان کے ساتھ بیٹھ کر کیا تبصرے کرنے ہیں کس طرح آہستہ آہستہ بعض اچھی چیزوں کا فطری طور پر پیار بڑھانا ہے بعض بُری چیزوں سے روکنا ہے۔ یہ ایک بہت ہی گہری حکمت کا کام ہے بڑی جان سوزی بھی چاہتا ہے اور دماغ سوزی بھی۔ ان سارے امور میں قرآن کریم نے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت نے ہمارے لئے راستے روشن کئے ہوئے ہیں۔ اگر آپ نے قرآن اور سنت کا مطالعہ کیا ہو تو کوئی ایک بھی راستہ ایسا نہیں کوئی ایک بھی پگڈنڈی ایسی نہیں جس پر آپ قدم رکھنا چاہیں اور اندھیرے آپ کو ڈرائیں کیونکہ جس رستے پر بھی اور جس پگڈنڈی پر بھی آپ قدم رکھنا چاہیں گے

وہاں قرآن اور سنت کی کوئی نہ کوئی مشعل روشن ہوگی وہ آپ کی رہنمائی کر رہی ہوگی۔

ماں باپ کی تربیت کا بھی اہتمام ضروری ہے

چونکہ اکثر ماں باپ ان باتوں میں خود نابلد ہوتے ہیں ان کو یہ پتہ ہی نہیں ہوتا کہ اس معاملہ میں کیا کرنا چاہیے اور ان میں اس بات کی اہلیت ہی نہیں ہوتی کہ وہ بچوں کی صحیح تربیت کر سکیں دوسری طرف چھوٹی عمر کے بچوں کی تربیت ہم براہ راست کر نہیں سکتے اس لئے اس کا ایک ہی علاج ہے کہ اس عمر کے بچے کی تربیت کے لئے ماں باپ کی تربیت کی جائے۔ یہ کام ہم تنظیموں کے سپرد کر سکتے ہیں انصار اپنے ہاتھ میں لیں خدام اپنے ہاتھ میں لیں اور لجنات اپنے ہاتھ میں لیں۔ ان کا کام یہ نہیں کہ بچوں کے معاملہ میں والدین کے کام میں براہ راست دخل دیں بلکہ ان کو چاہیے کہ وہ ایسے پروگرام بنائیں جو جلسوں کی شکل میں بھی ہوں عملی پروگراموں کی شکل میں بھی ہوں اور تربیتی رسالوں اور کتابوں کی شکل میں ہوں۔ ان کا مطمع نظر یہ ہو کہ ہم نے اوّلاً ماں باپ کی تربیت کرنی ہے اور ان کو بتانا ہے کہ وہ اپنے چھوٹے بچوں کی تربیت کیسے کریں۔ ان ذیلی تنظیموں کو اپنے پروگرام اس طرح بنانے چاہئیں کہ خشک نہ ہوں بلکہ ان میں دلچسپی ہو۔ اللہ تعالیٰ نے بعض ماؤں کو بچوں کی تربیت کا بڑا سلیقہ دیا ہوتا ہے۔ اسی طرح بعض باپوں کو بھی اللہ تعالیٰ نے خاص شعور بخشا ہوتا ہے وہ گہری نظر سے ساتھ ساتھ مطالعہ بھی کرتے چلے جاتے ہیں۔ تاریخ انبیاءؑ میں بھی اس قسم کے واقعات پھیلے پڑے ہیں۔ قرآن کریم نے انبیاءؑ کی جو تاریخ محفوظ کی ہے اس میں بھی یہ واقعات پھیلے پڑے ہیں۔ اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں یہ واقعات پھیلے پڑے ہیں۔ اور خود ہر انسان کے بچپن کی یادیں تازہ کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ جب بہت چھوٹے ہوتے تھے تو کن چیزوں نے آپ پر نیک اثرات ڈالے تھے۔ کون سی چیزیں ہیں جن کی یاد سے آج بھی دل مہک اٹھتا ہے اور وہ آپ کی بعض نیکیوں کے ساتھ متعلق ہیں قرآن کریم کے بیان کے مطابق اللہ تعالیٰ جو فرشتے مقرر فرماتا ہے ان کا ایک نہایت ہی لطیف نظام ہماری فطرت کے اندر جاری ہے۔ ہم اکثر اس کو محسوس نہیں کرتے۔ اگر آپ بیدار مغزی کے ساتھ فرشتوں سے تعلق جوڑنے کی کوشش کریں تو آپ کا تعلق ان سے قائم بھی ہو سکتا ہے۔

نیکی اور بدی کے محرکات

دراصل ہر انسان کے اندر کچھ خوبیاں ہوتی ہیں اور کچھ بدیاں ہوتی ہیں اور ان کی ایک تاریخ اس کے ذہن میں محفوظ چلی آرہی ہوتی ہے۔ اگر اس کو اپنے اندر ڈوبنے کا سلیقہ ہو سوچنے اور غور کرنے کی عادت ہو تو بسا اوقات یہ ممکن ہے کہ اگر ساری نہیں تو اکثر بدیوں کے ساتھ سفر کرتا ہوا وہ اپنے بچپن کے اس مقام تک پہنچ سکتا ہے جہاں پہلی دفعہ وہ بدی پیدا ہوئی تھی اور اس کے لئے دل میں کشش پیدا ہوئی تھی کیوں کشش پیدا ہوئی تھی؟ پس یہ وہ بدی کا محرک ہے جو انسان کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کو شیطان کہا جاتا ہے۔ انسان کو پتہ ہے کہ کون سا شیطان تھا کس وقت آیا تھا کس وقت اُس نے اس کے ذہن کے کس حصہ پر قبضہ کر لیا تھا اور آج تک وہ ساتھ چل رہا ہے اور اسی طرح اس بدی کو زندہ رکھے ہوئے ہے اور اس کے آگے بھاگتا چلا جاتا ہے اور اسے آگے بڑھاتا اور اُکساتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان اگر اپنی نیکیوں کا تجزیہ کرے تو اس کو معلوم ہوگا کہ بچپن میں کسی زمانہ میں کسی خاص چیز کے ساتھ کسی خاص وجہ سے پیار ہو گیا تھا اور وہ وجہ اس کی نیکی کا فرشتہ ہے وہ اس کی نیکی کی ہمیشہ حفاظت کرتا ہے اور اس کے قدم آگے بڑھاتا ہے۔

بچپن میں تربیتی خلا نہ رہنے دیں

پس اگر انسان شعوری طور پر آنکھیں کھول کر ذہن کو روشن کر کے انبیاءؑ کی سیرت اور سنت نبویؐ کا مطالعہ کرے اور پھر خود اپنے واقعات پر غور کرے اور اپنے نفس میں ڈوبے ہوئے اس کے اندر سے ایک نہایت ہی شاندار مربی رونما ہوگا۔ اس کی ذات کے اندر سے وہ شخص پیدا ہوگا جو اللہ کے فضل سے تربیت کے نہایت ہی عُمدہ طریقے جاننے والا ہوگا اور خدا کے فضل سے عملاً ایک اچھی نسل پیدا کرنے کی اہلیت رکھتا ہوگا۔ لیکن بہت سے لوگ بدقسمتی سے ان علمی روحانی اور نفسیاتی سفروں کے قابل نہیں ہوتے گو اس کی قابلیت تو اللہ تعالیٰ نے سب کو بخشی ہوتی ہے مگر اکثر ایسے ہیں جو اس کی عادت نہیں ڈالتے اور یہ قابلیت ان کے اندر بیدار نہیں ہو پاتی۔ غالباً یہ خلاء بچپن کا پیدا شدہ خلاء ہوتا ہے جو ساری عمر ساتھ چلتا ہے۔ پہلے سات سال یا چھوٹی عمر میں ان کا ذہن دوسری طرف مائل رہا یا سطحی چیزوں کی طرف مائل رہا۔ مثلاً آج کل ٹیلیویژن دیکھنے والے جو بچے ہیں ان کا دماغ اس دُنیا کی بجائے Space (خلا) میں زیادہ رہتا ہے۔ فرضی ہتھیاروں کے ساتھ حملہ کرنے والے یا اسی قسم کی دوسری چیزیں جو ٹیلیویژن پر دکھائی جاتی ہیں۔ بچے ان

میں بسنے لگ گئے ہیں گویا ان چیزوں نے ان کو روزمرّہ کے انسانی مسائل سے الگ کر دیا ہے شاذو نادر ہی آپ بچوں کا کوئی ایسا ٹی وی پروگرام دیکھیں گے جس میں انسانی ہمدردی سے تعلق رکھنے والے، انسانی بُرائیوں سے تعلق رکھنے والے، انسانی خوبیوں سے تعلق رکھنے والے پروگرام اس طرز سے دیئے گئے ہوں کہ بچے کو بُرائیوں سے نفرت اور خوبیوں سے پیار ہونے لگے۔

ماں باپ کی ذمہ داری

سکول کے Syllabus میں بھی اسی قسم کی نہایت ہی خوفناک تبدیلیاں آچکی ہیں اس پہلو سے بھی دیکھیں تو جماعت کی ذمہ داری بہت زیادہ بڑھ جاتی ہے اس لئے بڑے باشعور مربیوں کی ضرورت ہے چونکہ عملاً واقعۃً ایسا ہونا فوری طور پر ممکن نظر نہیں آرہا، جب سچائی کی نظر سے دیکھیں تو اکثر دوست بدقسمتی سے اس سے محروم ہیں، اس لئے ان لوگوں کی تربیت کے لئے یعنی ہر فردِ بشر کی تربیت کے لئے نظام جماعت کو یہ کام اپنے ہاتھ میں لینا چاہیے۔ان میں باشعور لوگ بھی ہوں گے ہر قسم کی عورتیں بھی ملیں گی۔ ہر قسم کے مرد بھی ملیں گے تو اپنی تنظیم میں پُول Pool بنائیں ان کے خیالات اور ان کے تجارب پر کتابیں لکھیں لیکن اس میں پیش نظر ماں باپ ہوں اور ماں باپ پیش نظر ہوں خاص عمر کے۔بچوں کی خاطر اس نقطہ نگاہ سے آپ کوشش کریں۔اور جن ماں باپ تک میری بات ویسے ہی براہ راست پہنچ رہی ہے ان کو انفرادی طور پر اپنی ذمہ داری کو قبول کرنا چاہیے اور بیدار رہنا چاہیے کیونکہ یہ وہ معاملہ ہے جس میں تنظیمیں آپ کی مدد کرنے کی کوشش تو ضرور کریں گی لیکن تنظیموں سے نہیں پوچھا جائے گا آپ سے پوچھا جائے گا۔اس عمر کے بچوں پر جو نقش آپ نے مرتسم کر دیئے اگر وہ جہنم میں لے جانے والے نقش ہیں تو بچوں سے ہی نہیں آپ سے بھی پوچھا جائے گا اور اگر ایسے نقش مرتسم کر دیئے جو جنت کے رہنے والوں کے نقوش ہوتے ہیں تو پھر آپ بڑے خوش نصیب لوگ ہیں کیونکہ آپ کی اولاد در اولاد در اولاد کی نیکیاں بھی آپ کے نام پر ہمیشہ لکھی جائیں گی جو آپ کے درجات کی بلندی کا موجب بنتی چلی جائیں گی۔

(ضمیمہ ماہنامہ خالد جنوری 1988ء و ضمیمہ ماہنامہ انصار اللہ جنوری 1988ء)

✵

مجلس خدام الاحمدیہ کے چوتھے سالانہ یورپین اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 14 جون 1987ء

☆ اجتماعات کا مقصد خالصۃً دینی ہے
☆ یورپ میں اسلام کی غلط شکل پیش کی گئی....
☆ یورپ کی نئی نسلیں یہ عزم لے کر اٹھی ہیں کہ .... ہمیں لازماً سچائی کو دیکھنا ہوگا اور پرکھنا ہوگا......
☆ اب عیسائیت کا تسلط یورپین ممالک پر بے حد کمزور ہو چکا ہے
☆ ان کی بھاری اکثریت اپنے ماضی سے پوری طرح غیر مطمئن ہو چکی ہے
☆ ان کو عملاً ایک تسکین بخش نظریئے کی نہیں بلکہ ایک تسکین بخش نمونے کی ضرورت ہے
☆ داعیانِ الی اللہ کے لئے ایک نصیحت کہ اپنے دعویٰ کو اپنے اعمال میں جاری کریں
☆ اہل یورپ کو خدا چاہیے......(حقیقی) خدا کو فرضی وجود کے طور پر پیش نہ کریں
☆ دلوں کو جیتیں... محبت اور پیار سے.... اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے خدا کے لئے
☆ دنیا کو روحانی معجزوں کی ضرورت ہے.........ایسے معجزے جو ان کو طمانیتِ قلب عطا کریں

⚜

تشہد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

اللہ تعالیٰ کا بے حد احسان ہے اور جتنا بھی اس کا شکر کیا جائے کم ہے۔ کہ اس نے اپنے فضل اور رحم کے ساتھ ہمیں بڑی کامیابی کے ساتھ ہالینڈ کا یہ پہلا یورپین اجتماع منعقد کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ یعنی یورپ کے خدام الاحمدیہ کا یورپین اجتماع۔ شروع میں ناتجربہ کاری کی وجہ سے اور اس وجہ سے کہ ہالینڈ کی جماعت ابھی چھوٹی ہے اور جو خدام یہاں تھے وہ بھی زیادہ تربیت یافتہ نہ تھے۔ اس لئے مہمانوں کو کچھ دقت پیش آئی۔ خصوصاً رہائش کے انتظام میں پہلی رات آنے والے مہمانوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ لیکن خندہ پیشانی سے اسے برداشت کیا۔ اور جہاں تک ممکن ہو سکا اس وقت تمام مقامی خدام نے اور میزبانوں نے جہاں جہاں بھی جگہ مناسب مل سکی ان کو مہیا کرنے کی کوشش کی۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ جماعت چھوٹی ہے ابھی اس لئے اس اجتماع میں میزبانوں اور مہمانوں کا فرق بالکل اٹھ گیا تھا۔ اور بعض صورتوں میں تو ہالینڈ کی جماعت مہمان بن گئی تھی اور آنے والے میزبان بنے ہوئے تھے۔ مثلاً کھانے کے انتظام میں انگلستان کا جو وفد آیا تھا اس نے بہت ہی محنت کے ساتھ اور بڑی مہارت کے ساتھ مہمانوں کا کھانا تیار کیا اور انہوں نے جو اپنے مہمانوں پر حسن ظن رکھا۔ آنیوالے مہمانوں نے اور مقامی مہمانوں نے اس حسن ظن کو بھی پورا کر دکھایا۔ اگر چہ ان کو بتایا گیا تھا کہ 500 مہمان ہوں گے لیکن حسن ظنی کرتے ہوئے کہ 500 مہمان کم از کم 700 کا کھانا کھائیں گے۔ انہوں نے 700 کا کھانا تیار کیا۔ خدا کے فضل سے کوئی کھانا ضائع نہیں گیا۔ اسلئے میں نہیں کہہ سکتا کہ اگر 800 کا پکاتے تو اس میں کوئی حصہ ضائع ہو جاتا۔

اجتماعات کا مقصد

حضور نے فرمایا اجتماعات کا مقصد خالصۃً دینی ہے۔ اور اگر چہ کھیلوں وغیرہ کا انتظام بھی کیا جاتا ہے عام علمی مقابلے بھی ہوتے ہیں لیکن آخری مقصد ومنتہا دین ہی ہے۔ ان قوموں میں جن میں ہم آ کر کچھ

نئے نئے آباد ہوئے ہیں۔ کچھ یہیں سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل کے ساتھ ہمیں سعید روحیں عطا کی ہیں۔ ان میں ہمارا دین ابھی بالکل نیا ہے۔ ہمارا دین ان معنوں میں نیا ہے۔ جن معنوں میں جماعت احمدیہ پیش کرتی ہے۔ یعنی حسن واحسان کا سرچشمہ۔ ایک ایسا دین جو کامل حسن رکھتا ہو۔ اور کامل طور پر اپنے متبعین کو حسین بنانے کی طاقت بھی رکھتا ہو۔ یہ دین ان لوگوں کیلئے بالکل نیا ہے۔ وہ دین جس سے یہ متعارف ہیں وہ دین کی صدیوں سے بگڑی ہوئی صورت ہے۔ جسے بگاڑنے میں بدقسمتی سے خود مسلمانوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور کچھ بدقسمتی سے ان کے علماء نے جو مستشرقین کہلاتے تھے، ایک افسوسناک کردار ادا کیا۔ انہوں نے اپنی کتب میں، اپنے لٹریچر میں، اپنے اخبارات میں، ہر قسم کے علمی ذرائع اختیار کرتے ہوئے پہلے ہی سے ان کو ہمارے دین سے بہت حد تک بدظن کر رکھا تھا۔ اور بالکل غلط شکل دین کی بنا کر ان کے سامنے پیش کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے جب بعد ازاں اس نئے دور میں بعض اسلامی ممالک کی طرف سے یا بعض اسلامی تحریکات کی طرف سے کچھ اس سے ملتی جلتی حرکتیں ہونی شروع ہوئیں۔ جو تصویر ان کے علماء نے ان کے سامنے پہلے ہی کھینچ رکھی تھی تو انہوں نے کامل طور پر یقین کر لیا کہ جو ہمارے بڑے، ہمارے صاحب علم کہا کرتے تھے وہ درست بات تھی اور یہ دین ایک جبر کا اور ایک استبداد کا مذہب ہے۔ یہ تلوار کے زور سے دلوں کو جیتنے کا دعویٰ کرتا ہے یہ قوت بازو سے سروں کو خم کرنے کے لئے پیدا ہوا ہے اور انسانیت کو تاریک ماضی کی طرف لوٹانے کے لئے آیا ہے۔ یہ دین ظلم جبر اور فساد کی تعلیم دیتا ہے۔ غرضیکہ ہر وہ چیز جو اس نئی دنیا میں ماضی میں پیچھے رہ گئی تھی، وہ جبر واستبداد کی تمام کہانیاں جو قصوں میں سنا کرتے تھے بدقسمتی سے اس کی کوئی نہ کوئی عملی صورت آج کی دنیا میں بعض مسلمان ممالک نے ان کے سامنے پیش کی۔ چنانچہ ان کا دین حق کا تصور اتنا بگڑا ہوا ہے اتنا بھیانک ہے بسا اوقات یہ ہمارے دین کے نام سے بھی خوف کھاتے ہیں۔ کہ جہاں بھی یہ دین داخل ہونا شروع ہوا اس کے پیچھے فتنہ وفساد ضرور داخل ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جماعت احمدیہ کو ان یورپین ممالک میں جہاں ابھی احمدیت پوری طرح صحیح مذہب کو متعارف ہیں کرواسکی، دقتیں پیش آتی ہیں۔

آسٹریا میں مشکلات

جب آسٹریا میں ہم نے مشن قائم کرنے کی کوشش کی تو تقریباً ڈیڑھ دو سال حکومت کو یہ اطمینان کرنے میں لگے کہ ہم اس قسم کے لوگ نہیں ہیں جو خنجر کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ اور توپ وتفنگ کے ساتھ دِلوں کو

جیتنے کا دعویٰ کرنے والے لوگ ہیں۔ اس قسم کے لوگ نہیں ہیں جو معصوم انسانوں کی جانوں سے کھیل کر اپنے مقاصد حاصل کرنے کا دعویٰ کرتے ہیں، Terrorism کی تعلیم دیتے ہیں۔ چنانچہ بڑی لمبی تحقیق انہوں نے کی جہاں جہاں احمدیت پہلے سے پوری طرح جاگزیں ہو چکی تھی۔ اپنی جگہیں بنا چکی تھی۔ اُن ممالک سے انہوں نے رابطے کئے اور آخر یہ تسلیم کیا کہ اگر احمدیت کو وہاں رجسٹر ہونے کی اجازت دی جائے تو اُن کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔ پس جماعت احمدیہ جس دین کو پیش کرنا چاہتی ہے وہ قدیم ترین بھی ہے اور جدید ترین بھی۔ قدیم ترین اس لئے کہ وہ دین حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دین ہے وہ حسین چہرہ ہمارے دین کا جو لوگوں کو فریفتہ کر لیتا ہے۔ جو دشمنوں کو بھی عاشق بنانے کی طاقت رکھتا ہے۔ جو انسانی طاقتوں کو رفتہ رفتہ اس طرح جلا بخشتا چلا جاتا ہے۔ کہ انسان خواہ دنیا کے لحاظ سے کتنا ہی اعلیٰ اخلاقی مقام پر بھی فائز ہو دین کی برکت سے اُسے نئی رفعتیں عطا ہوتی ہیں۔ یہ وہ دعویٰ ہے جو لے کر ہم ان ممالک میں آئے ہیں۔ اور اس دعویٰ کو اپنے اعمال سے سچا ثابت کرنا ہمارا کام ہے۔

یورپین قوموں کی ذہانت

اگر ہم یہ دعویٰ زبانی پیش کرتے رہے۔ تو یہ خیال مت کریں کہ یہ قومیں اس زبانی دعویٰ سے دھوکہ کھا جائیں گی۔ یہ بڑے ذہین لوگ ہیں۔ دنیا کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔ لمبی علمی جستجو کے ذریعہ مشاہداتی دنیا میں اپنے نظریات کو بار بار پرکھنے کے بعد ان میں خدا تعالیٰ نے اس فطری ملکہ کو بہت جلا بخش دی ہے جو انسان کو عطا ہوتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اسے بار بار استعمال کر کے اور اس میں مزید بہتری کے نقوش پیدا کرتے ہوئے اسے ایک بلند مقام تک پہنچا دیتے ہیں اور وہ فطری ملکہ ہے کسی دعویدار کے دعویٰ کو پرکھنا۔ کسی دعویدار کے دعویٰ کی پہچان کرنا۔ قوموں میں لمبے تجربہ کی وجہ سے یہ ملکہ خود چمک اٹھتا ہے۔ یہ قومیں لمبے عرصہ سے تاجر قوموں کے طور پر دنیا کے سامنے ظاہر ہوئیں۔ اور تجارت کی قوت کے ساتھ انہوں نے تمام دنیا میں نفوذ حاصل کیا اور عروج حاصل کیا۔ اس لئے ان کے اندر پہچان کا ملکہ خاص ترقی پا چکا ہے۔ ہر چیز کو پرکھ کر جان کر یہ معلوم کرنے کے عادی ہو چکے ہیں کہ دعویٰ سچا بھی ہے کہ نہیں۔ اور یہ چیز مفید بھی ہے کہ نہیں۔ پس ان کے سامنے بھی اپنے دین کو پیش کرنا یعنی اس دین کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حسین دلکش مذہب تھا۔ دو طرح سے ہمارے لئے بہت ہی مشکل امر ہے۔ اوّل یہ کہ ہمارے دین کی پہلی

تصویر جوان ذہنوں پر قائم ہے وہ بہت ہی بگڑی ہوئی ہے۔ ان نقوش کو پہلے ہمیں مٹانا ہوگا۔

نئی نسلیں سچائی کی تلاش میں ہیں

دوسرے محض دعویٰ اور دلائل سے یہ آپ کی بات نہیں مانیں گے۔ دعویٰ اور دلائل کے ذریعہ تو عیسائیت نے بھی بہت لمبا عرصہ ان کے دل و دماغ پر حکومت کی ہے۔ اور آج کی نئی نسلیں ان کے طلسم سے باہر آ رہی ہیں آج کی نئی نسلوں پر وہ جادو ٹوٹ چکا ہے۔ اور وہ یہ عزم لے کر اُٹھی ہیں۔ کہ ہم کسی نظریئے اور کسی دعویٰ کو نظریات کی بناء پر قبول نہیں کریں گی۔ بلکہ ہمیں لازماً سچائی کو دیکھنا ہوگا اور پرکھنا ہوگا۔ اور جب تک سچائی کو ہم مشہودات کی دنیا میں اپنے سامنے دیکھ نہ لیں اور محسوس نہ کر لیں اس وقت تک ہم اس کے سامنے سرِ تسلیم خم نہیں کریں گے۔ الفاظ میں تو یہ اعلان نہیں لیکن عملاً آج کا نئے دور کا یورپین نوجوان یہی اعلان کر رہا ہے۔ گزشتہ تمام نظریات اور تہذیبی تقاضوں اور تمدنی اقدار کے خلاف وہ علَم بغاوت بلند کر چکا ہے۔

دین کے زبانی دعوے کافی نہیں

ان کے سامنے جب آپ اپنا دین پیش کریں گے تو محض زبانی دعوؤں پر ہرگز اُسے تسلیم نہیں کریں گے اگر زبانی دعوؤں سے ہی کسی مذہب کو قبول کرنا ہوتا تو عیسائیت کے قبضہ سے نکل کر یہ باہر کی طرف سفر کیوں شروع کرتے۔ جب میں کہتا ہوں کہ عیسائیت کے قبضہ سے نکل کر، تو ممکن ہے کہ بہت سے یورپین عیسائی اس بات پر بُرا منائیں اور وہ یہ سمجھیں کہ یہ بات درست نہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ یورپ میں جہاں جہاں بھی میں نے سفر کیا اور جہاں جہاں بھی پریس کو انٹرویوز دیئے اور اصحاب علم و دانش سے ملاقاتیں کیں۔ وہاں ان سب مذاکرات کے بعد گفت و شنید کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ وہ لوگ جو سچائی کے ساتھ اپنے معاشرے کا مطالعہ کر رہے ہیں، وہ سب اس نتیجے پر پہنچ چکے ہیں کہ اب **عیسائیت کا تسلط یورپین ممالک پر بے حد کمزور ہو چکا ہے** اور وہ لوگ جو نظریات کے لحاظ سے عیسائی ہیں بھی۔ بہت تھوڑے سے ان میں سے ہیں جو فی الحقیقت کامل یقین کے ساتھ عیسائیت کے متبع ہیں اس پر پورا ایمان رکھتے ہیں۔ اور اس ایمان کو اپنے عمل میں ڈھال رہے ہیں۔

یورپین معاشرے کے دُکھ

روز بروز جو نئی زندگی کی دلچسپیوں اور مشاغل کی طرف توجہ پیدا ہو رہی ہے۔ نئے نئے ناچ گانوں کی قسمیں، نئی لذت یابی کے سامان، پھر تمدن اور اقدار کے خلاف بغاوت، اپنی روایات کے خلاف بغاوت، اپنے لباس کی طرز میں بغاوت، اپنے ہر رجحان میں ایک باغیانہ طرز کو اختیار کرنا، اپنے سر کے بالوں کے حلئے بگاڑ دینے، اچھے بھلے لباس کو تار تار کر کے اس طرح پہننا کہ گویا پھٹا ہوا لباس ہی ان کی نمایاں شان کے مطابق ہے اور اچھا لباس ان کی شان گرانے والا ہوگا۔ بظاہر یہ چھوٹی چھوٹی باتیں پاگل پن کی باتیں نظر آتی ہیں لیکن فی الحقیقت ان کے نیچے ان کے اندر ایک بہت گہرا ناسور ہے جو رس رہا ہے۔ ایک بہت بڑا دکھ ہے اِن کے اندر، ایک بہت بڑا دکھ ہے جس کی علامتوں کے طور پر ان سے یہ حرکتیں سرزد ہو رہی ہیں۔ **ان کی بھاری اکثریت آج اپنے ماضی سے پوری طرح غیر مطمئن ہو چکی ہے۔** اپنے ماضی پر انہیں کوئی اعتماد نہیں۔ اور کوئی یقین نہیں رہا۔ اور ایک بھیانک مستقبل ہے جو غیر یقینی مستقبل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اس طرح گھورتا ہے جس طرح کوئی بلا کسی پر جھپٹنے کے لئے اس کو گھور رہی ہوتی ہے۔ خوفناک ہتھیار اور ایسے خوفناک ہتھیار جو اگر تمام کے تمام اس دنیا میں استعمال ہوں تو دنیا کی بھاری اکثریت کو کلیۃً صفحۂ ہستی سے مٹا ڈالیں۔ بڑے بڑے ممالک کو رہائش کے قابل نہ رہنے دیں۔ صدیوں وہاں ویرانیاں بسیں اور آبادیوں کا کوئی سوال باقی نہ رہے۔ ایسے خطرناک ہتھیار یہ خود ایجاد کر چکے ہیں۔ اور جانتے ہیں کہ ہماری سیاسی لیڈر شپ اخلاقی قدروں کے لحاظ سے اتنی مضبوط نہیں ہے کہ ان ہتھیاروں کے معاملے میں ان پر اعتماد کیا جا سکے۔ وہ جانتے ہیں کہ کسی وقت بھی کوئی غیر ذمہ دار لیڈر ایسی حرکت کر سکتا ہے۔ کہ اس کے نتیجہ میں ان ہولناک ایٹمی ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہو جائے۔

پس یہ دو بلاؤں کے درمیان پس رہے ہیں ایک ماضی سے بے اطمینانی اپنی ہر روایت سے بے اطمینانی اور ایک مستقبل پر عدم اعتماد اور یہ یقین کہ ہماری کوئی منزل نہیں اور ہمارا کوئی رخ نہیں۔ ان دونوں مصیبتوں کے درمیان گھر کر ان کی فطرت نے ایک بغاوت کی ہے۔ اس بغاوت کا اظہار اس نئی طرز کے ناچ گانے، نئی طرز کے لباس، نئی طرز کے انداز میں ہو رہا ہے۔ جس کی ہر ہر ادا ماضی سے بغاوت کا اعلان کر رہی ہے اور مستقبل پر بے اطمینانی کا اظہار کر رہی ہے۔

یورپ میں انقلاب لانے کا دعویٰ

وہ یہ صورت حال ہے۔ چند گنتی کے احمدی یہ دعویٰ لے کر اٹھے ہیں کہ ہم ان قوموں کو اطمینان بخشیں گے۔ ہم ان کے لئے دائمی سکینت لے کر آئیں گے۔ ہم ان کی طمانیت کے سامان لے کر آئے ہیں اور وہ سارے خلاء جو ان کی فطرت میں پیدا ہو کر ان کے سینوں کو ویرانے بنا رہے ہیں ان سب خلاؤں کو نہایت ہی حسین دلکش بہاروں سے ہم نے بھرنا ہے۔ **یہ دعویٰ لے کر جماعت احمدیہ کے چند نوجوان، چند بوڑھے چند عورتیں، چند بچے ان ملکوں میں ایک نیا روحانی انقلاب پیدا کرنے میں کوشاں ہیں** لیکن جیسا کہ میں نے آپ کو بیان کیا ہے۔ محض یہ دعویٰ کسی کام نہیں آئے گا۔ کیونکہ دعوؤں سے یہ لوگ تھک چکے ہیں۔ بیزار ہو چکے ہیں۔ **ان کو عملاً ایک تسکین بخش نظریئے کی نہیں بلکہ ایک تسکین بخش نمونے کی ضرورت ہے** اس لئے ہر وہ احمدی جو داعی الی اللہ ہونے کا دعویٰ کرتا اور کوشش کرتا ہے کہ نظریات کی دنیا میں ان کو مطمئن کرائے کہ ہمارا دین بہتر ہے۔ ان کا مذہب ہمارے مذہب کے مقابلہ میں ان کے لئے کم نفع بخش ہے۔ بسا اوقات ایسا احمدی سالہا سال تک کوشش کرتا چلا جاتا ہے۔ اور اس کو کوئی پھل نہیں ملتا۔ کوئی شخص بھی اس کے مضبوط دلائل کے سننے کے نتیجہ میں ان سے مطمئن ہو کر احمدیت قبول نہیں کرتا۔ اور پھر یہ داعی الی اللہ مجھے شکوہ کے خط لکھتا ہے۔ شکوہ کے نہیں تو شکایت کے کہہ لیں۔ کہ ہم کیا کریں؟ ہم پوری کوشش کرتے ہیں دلائل سے اپنے مدّ مقابل کو ہر پہلو سے شکست دے دیتے ہیں۔ لیکن وہ ہمارے دین کو قبول کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا۔ اس کا کیا حل ہے؟

اپنے دعویٰ کے سامنے اپنے عمل کا سر خم کریں

میں انہیں آج یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اپنے دعویٰ کے سامنے اپنے عمل کا سر تو خم کریں۔ اپنے دعویٰ کو اپنے اعمال میں تو جاری کریں۔ خود ان دعاوی کے نتیجہ میں اپنے دل کیلئے تو تسکین کا سامان پیدا کریں نفس مطمئنہ بنیں۔ وہ نفس جو محض نظریوں پر اطمینان نہیں پاتا بلکہ نظریوں کو اپنے اعمال میں ڈھال کر ان کی صداقت کو پرکھ کر عملاً ایک جنت کی زندگی بسر کرنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ تبدیلی اگر آپ اپنے اندر پیدا کر لیں تو پھر آپ کے دعاوی میں ایک غیر معمولی طاقت پیدا ہو جائے گی۔ **خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان کو خدا چاہیے۔** لیکن اس راہ میں ان کے لئے مشکل یہ ہے کہ جس خدا کے تصوّر سے جس خدا پر ایمان لا کر انہوں نے زندگی کا سفر

شروع کیا تھا وہ خدا ایک فرسودہ خیالی خدا بن چکا ہے۔ایک کہانی بن گئی ہے۔عملاً وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان کے لئے کچھ نہیں کر سکا۔اس لئے آپ جب خدا کا تصور لے کر ان کے پاس آتے ہیں۔تو خواہ یہ الفاظ میں آپ سے کہیں یا نہ کہیں۔لیکن ان کا ردِعمل یہ ہوتا ہے کہ ہاں ہم نے دیکھے ہیں خداؤں والے۔پہلے بھی سالہا سال صدیوں تک خدا والوں نے ہم پر حکومتیں کی ہیں اور خدا کے نام پر ہمیں ہزار قسم کے دھوکوں میں مبتلا رکھا ہے۔آج اس خدا پر ایمان لانے کے نتیجہ میں یا ان خداؤں کی پیروی کے نتیجہ میں ہم اس حال کو پہنچے ہیں کہ دنیا کی تمام ترقیات کے باوجود ہمارا قلب، قلب مطمئنہ نہ بن سکا۔ہمارے دل کو سکون حاصل نہ ہو سکا۔اس لئے تم کس خدا کی بات کرنے آئے ہو۔کون سا خدا لے کر ہمارے پاس آئے ہو۔یہ وہ چیلنج ہے جو آپ کے سامنے مدّ مقابل بن کر کھڑا ہے اور بظاہر ہماری طاقت کے مقابل پر اس چیلنج کی طاقت بہت بڑی ہے اور بہت وسیع ہے اور بظاہر یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیلنج ہمارے سارے رستے روک کر کھڑا ہے۔

اہل یورپ کا چیلنج

اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ہم کس طرح اس چیلنج کو کامیابی کے ساتھ قبول کریں؟ اور اس پر غالب آئیں۔اس کا یہی جواب ہے جو میں پہلے بھی دے رہا ہوں۔اب پھر اس پر مزید زور دینا چاہتا ہوں اگر آپ اس دعویٰ میں سچے ہیں کہ **اس کائنات کا رحمان و رحیم رب مالک خدا وہی خدا ہے جسے آپ اس دنیا میں متعارف کروانا چاہتے ہیں تو پھر اس (حقیقی) خدا کو ایک فرضی وجود کے طور پر پیش نہ کریں۔** بلکہ ایک ایسے وجود کے طور پر پیش کریں جو آپ کی ذات میں اتر آیا ہو۔جب تک آپ خدا والے بن کر نہیں دکھاتے اس وقت تک آپ کی بات پر کوئی اعتماد نہیں کرے گا۔اور خدا والے بننے کے لئے عملاً خدا کی صفات کو اپنی ذات میں جاری کرنا پڑتا ہے۔یہ تو ممکن نہیں کہ کسی انسان سے بدبُو کے بھبھاکے اٹھ رہے ہوں اور دعویٰ یہ کرے کہ میں عطر بناتا ہوں اور عطر کی دکان سے باہر آ رہا ہوں۔اگر کوئی عطر بنانے کا دعویدار ہے تو کم از کم اس کے کپڑوں سے اس کی لمس سے خوشبو تو اٹھے۔یہ کیسے ممکن ہے کہ دعویٰ تو عطر بنانے کا ہو اور منہ کالا اور کپڑے گندے اور بدن سے سخت بدبو اٹھ رہی ہو۔اس لئے کوئی اس دعویدار کے دعویٰ کو قبول نہیں کرے گا۔خدا تعالیٰ تو تمام خوشبوؤں کا منبع ہے۔خدا تو ہر نور کا سرچشمہ ہے۔اگر خدا سے تعلق کا دعویٰ رکھنے والے لوگ واقعی اپنے دعویٰ میں سچے ہوں تو ان کے جسم میں نور کے نشان ظاہر ہونے چاہئیں اور یہی وہ دعویٰ ہے جو قرآن کریم کرتا ہے۔فرماتا ہے نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ کہ جب مومن یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا

کے ساتھ تعلق جوڑ چکا ہوں۔تو وہ دعویٰ ایک فرضی کہانی نہیں رہتی بلکہ عملاً اس کا نور آگے آگے دوڑتا ہے اور دنیا دیکھتی ہے کہ یہ نور کے ساتھ چل رہا ہے۔ان کے اندر ایک غیر معمولی تزکیہ کی قوت پیدا ہو جاتی ہے ان کی باتوں میں ایک غیر معمولی طاقت بخشی جاتی ہے۔اور ایک وزن پیدا ہو جاتا ہے۔ان میں اور ان کے غیر میں ایک فرق دکھائی دینے لگتا ہے۔دنیا والے جب ان پر نظر ڈالتے ہیں تو جانتے ہیں کہ اس دنیا میں ہوتے ہوئے بھی یہ کسی اور دنیا کے لوگ ہیں۔ان کی ہر ادا مختلف اور نرالی دکھائی دینے لگتی ہے۔وہ جانتے ہیں کہ ان کی ہر بات خلوص سے لبریز ہے۔ان کی ہر ادا سچی ہے۔یہ خالص ہمدردی بنی نوع انسان کی رکھتے ہیں اور محض اپنی انا کے لئے نہیں اپنے نظریے کے غلبہ کے لئے نہیں بلکہ ہمیں ہلاکتوں سے بچانے کے لئے یہ پیغام دے رہے ہیں۔

اس عملی تبدیلی کے ساتھ اگر آپ ان کو خدا کی طرف بلائیں گے کہ آپ کے اندر خدائی صفات جلوے دکھانے لگی ہیں۔خدا کے رنگ آپ پکڑ گئے ہیں۔تو پھر آپ دیکھیں کہ آپ کی دعوت میں کتنی غیر معمولی طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ہزار باتوں کی بجائے تقویٰ سے قوت پانے والا بعض اوقات ایک فقرہ ہی وہ رنگ دکھاتا ہے۔جو ہزار باتیں نہیں دکھا سکتیں۔اس لئے **سب سے زیادہ زور اس بات پر دیں کہ جس کے آپ نمائندہ ہیں اس کی نمائندگی کا حق ادا کرنے کی کوشش کریں۔اس دنیا میں رہتے ہوئے بھی عالم بقاء کے لوگ بننے کی کوشش کریں۔جو دنیا سے ہر طرح کا تعلق رکھتے ہوئے بھی دنیا سے بے نیاز ہیں۔**

مؤمن کے دنیا سے تعلق کی مثال

مولانا روم کی اس مثال کو پیشِ نظر رکھیں جس میں وہ بیان کرتے ہیں کہ پانی اور کشتی کا ایک ایسا اٹوٹ تعلق ہے کہ اگر کشتی کو پانی سے الگ رکھ دیا جائے تو کشتی کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔اُسے کشتی کہنا ہی بے معنی بات بن جاتی ہے۔لیکن کشتی تبھی دنیا کو غرق ہونے سے بچا سکتی ہے۔اور انسانوں کو غرق ہونے سے بچا سکتی ہے۔اگر وہ پانی کے اوپر رہے۔اگر پانی کشتی کے اوپر آجائے تو کشتی غرقابی سے بچانے کی بجائے غرقاب کرنے والا ایک ذریعہ بن جاتی ہے۔اسی طرح مؤمن کا دنیا سے تعلق ہے۔اس دنیا میں جب تک وہ زندگی بسر کرتا ہے تو ناممکن ہے کہ اس دنیا کے معاملات سے الگ رہے۔لیکن دنیا پر فائق رہ کر دنیا پر غالب رہ کر دنیا کی سطح کے اوپر حکومت کرتا ہے۔دنیا سے مغلوب ہو کر نہیں پس آپ بھی دنیا میں اس طرح رہیں کہ ہر طرح

کا تعلق جوڑنے کے باوجود اس سے مرعوب ہو کر نہ رہیں۔ اس پر غالب ہو کر رہیں۔ ہمیشہ یہ احساس اپنے ذہن میں غالب رکھیں کہ آپ خدا کے نمائندہ ہیں۔ اور جس طرح خدا ہر فیض کا سرچشمہ ہے آپ سے بھی فیض دنیا تک پہنچے۔ ہمیشہ یہ کوشش کرتے رہیں کہ آپ کسی نہ کسی رنگ میں کسی انسان کے لئے بھلائی کا موجب بن جائیں۔ خدمت کے موقعوں کی تلاش میں رہیں۔ حسنِ خُلق کے ذریعہ بھی یہ خدمت ہو سکتی ہے مسکراہٹوں اور پیار کے ذریعہ بھی یہ خدمت ہو سکتی ہے۔ مصیبت زدہ کو مصیبت سے نکالنے کی کوشش کے ذریعہ، بیمار پُرسی کرنے کے ذریعہ، خدا سے غافل لوگوں کو خدا کی طرف متوجہ کر کے دعاؤں سے آشنا کر کے بھی یہ خدمت ہو سکتی ہے غرضیکہ ایسے بن جائیں کہ ہمیشہ ذہن خدمت کی راہیں تلاش کرتا رہے ہمیشہ ذہن یہ سوچتا رہے کہ میں کس طرح فیض رساں وجود بنوں۔ اور میری ذات سے ان لوگوں کو ضرور کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچے۔ یہی وہ راز ہے جس کو نہ سمجھنے کے نتیجہ میں بعض دفعہ لوگ احادیث کو پڑھتے بھی ہیں لیکن ان کے اندر مخفی خزانوں سے ناواقف رہتے ہیں۔

خدا کا ذکر کرنے والوں کے واقعات

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ تمثیل کے طور پر خدا کا ذکر کرنے والوں کے بعض واقعات بیان فرمائے۔ ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار آپؐ نے ایسے واقعات بیان فرمائے جن میں سے ایک بات مَیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپؐ نے فرمایا کہ خدا کے فرشتے دنیا کے حالات کے متعلق جو کچھ دنیا میں گزر رہا ہے ریکارڈ رکھتے ہیں۔ اور یہ ریکارڈ ملاءِ اعلیٰ میں خدا کے حضور پیش کیا جاتا ہے ایسے ہی ایک مامور فرشتے نے خدا سے عرض کیا کہ اے خدا! فلاں وقت فلاں جگہ کچھ لوگ خالصۃً اس لئے اکٹھے ہوئے تھے کہ تیرا ذکر کریں۔ اور جب تک مَیں ان کی نگرانی کرتا رہا وہ تیرے ہی ذکر میں اور تیری ہی محبت کی باتوں میں مشغول رہے یہ بات جب اس نے پیش کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مَیں نے ان کے سارے گناہ بخش دیئے۔ اور میں انہیں مغفرت کی خوشخبری دیتا ہوں۔ اور جنت کی خوشخبری دیتا ہوں۔ اس پر اس پیش کرنے والے فرشتے نے عرض کیا کہ اے خدا! اس مجلس میں کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے تھے جو مسافر تھے ایک مجلس دیکھ کر وہاں رک گئے۔ اور ستانے کے لئے ٹھہر گئے ان کا مقصد ذکر الٰہی نہیں تھا کیا وہ بھی اس خوشخبری میں شامل ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہاں وہ بھی کیونکہ وہ لوگ جو میرا ذکر کرتے ہیں ان کے پاس آنے والے بھی ان کی برکتیں پا جاتے ہیں۔ ان کے قریب بیٹھنے والے بھی برکتوں سے محروم نہیں رہتے۔ اس کے نتیجہ میں اکثر لوگ

جب اس حدیث کو سنتے ہیں۔ تو یہ خیال کر لیتے ہیں کہ نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرنی چاہیے لیکن اس حدیث میں جو پیغام مخفی ہے اس پیغام کو نہیں سمجھ سکتے۔ پیغام یہ ہے کہ اگر تم واقعی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے ہو اور واقعتاً اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو ہمیشہ تمہارا فیض تمہارے ساتھیوں کو پہنچتا رہنا چاہیے۔

دنیا کی بھلائی خیرِ امت ہونے کی بنیاد ہے

یہ قانون طبعی ہے یہ ہو نہیں سکتا کہ خدا کا ذکر کرنے والا ہو اور اس کے ساتھی اس سے محروم رہ جائیں یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے فرمایا اے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والو! تم گو بہترین اُمت ہو جو کبھی بنی نوع انسان کے لئے نکالی گئی تھی۔ لیکن **اخرجت للنّاس** اس لئے بہترین امت ہو کہ تم بنی نوع انسان کو خیر پہنچانے کی خاطر پیدا کی گئی ہو۔ اس لئے کہ تمہاری خیر اور تمہاری بھلائی تم تک نہیں ٹھہرتی بلکہ بنی نوع انسان تک آگے پھیلتی چلی جاتی ہے پس اگر تم دنیا کی بھلائی کے کام چھوڑ دو گے تو **خیر امة** نہیں رہو گے اور **خیر امة** ہو تو اس لئے نہیں کہ تم نے ایک رسول کو قبول کر لیا۔ بلکہ اس لئے کہ اس رسول کے فیض کے نتیجہ میں تم تمام بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچانے والے بن گئے پس اگر آج یورپ میں بسنے والا احمدی اس بنیادی تعریف پر پورا اترتا ہے۔ اس قرآن کی آیت کے موضوع کو پیشِ نظر رکھتا ہے۔ اس حدیث کے مفہوم کو پیشِ نظر رکھتا ہے جو میں نے ابھی آپ کو سنائی تو یہ ممکن ہی نہیں کہ افاضہ خیر کے بغیر زندہ رہ سکے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے۔ کہ وہ لوگوں کی بھلائی کے تصور میں زندگی گزارے بغیر اطمینان پا سکے اس لئے آپ کا مقصدِ اعلیٰ جو قرآن کریم نے بیان فرمایا۔ آپ کی زندگی کا قبلہ و کعبہ جو خدا نے مقرر فرمایا۔ وہ یہی ہے کہ آپ بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہیں خواہ وہ آپ کی مانیں یا نہ مانیں خواہ وہ آپ سے حُسنِ سلوک کریں یا نہ کریں آپ ان کی بھلائی کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہیں ایسا کریں تو کافروں پر بھی خدا کی رحمت کی بارشیں برستی ہیں۔ اس کو گالیاں دینے والے بھی اس کے قانونِ قدرت سے فیض پا رہے ہیں ان کی فصلیں بھی پھل اگاتی ہیں۔ ان کی محنتیں بھی میٹھے ثمرات پیدا کرتی ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی رحمت کوئی تفریق نہیں کرتی کہ کون لوگ دہریہ ہیں۔ اور کون غیر دہریہ جہاں تک اس کی عام رحمت کا تعلق ہے وہ سب کے لئے یکساں جاری ہے سب کے لئے فیض رساں ہے۔ پس یہ وہ ادنیٰ تعریف ہے مومن کی جو مومن کی ذات میں جاری ہونی ضروری ہے کہ اس کے بغیر مومن کی آواز میں قوت پیدا نہیں ہوتی۔

دلوں کو جیتنے کا طریقہ

پس آپ اپنے گردوپیش کو اگر جیتنا چاہتے ہیں گو اپنے فیض کے ذریعہ جیتیں، اپنی محبت کے ذریعہ جیتیں اپنے پیار کے ذریعہ جیتیں اور اپنے لئے نہیں بلکہ اپنے خدا کے لئے جیتیں تا کہ آپ کی طمانیت ان کے وجود میں اس طرح منتقل ہو جیسے Radiation ایک وجود سے دوسرے وجود میں منتقل ہوتی ہے۔ تا کہ وہ بھی آپ کے رنگ ڈھنگ سیکھ کر خدا والے بنیں۔ اور بنی نوع انسان کے لئے فیض رساں وجود بنتے چلے جائیں۔ یہ کوشش تبھی کامیاب ہو سکتی ہے اگر دعاؤں کے ذریعہ خدا تعالیٰ کے حضور جھکتے ہوئے اس سے آپ مدد مانگتے رہیں اس سے پاک تبدیلیوں کے متمنی رہیں اس کی صفات سے محبت کرنے لگیں۔ اس کی صفات سے محبت کے نتیجہ میں اس کی صفات کو اپنے اندر جاری کرنے کے لئے ہمیشہ کوشش کرتے رہیں اگر آپ ایسا کریں گے اور دعاؤں کے ذریعہ مدد حاصل کریں گے تو یقیناً آپ ان علاقوں کی قسمت بدلنے والے بن جائیں گے وہ بھیانک خلا جو ان کے سینوں میں پیدا ہو چکے ہیں وہ بیقراریاں اور بے چینیاں جو ان کے وجود پر قابض ہو چکی ہیں۔ ان کا علاج آپ کے پاس ہے۔

لیکن یہ علاج ان تک پہنچائیں تو سہی۔ اس علاج کی افادیت ان پر ثابت کریں محض نظریاتی لڑائیوں سے یا محض یہ ثابت کرنے سے کہ قرآن یہ کہتا ہے اور بائیبل وہ کہتی ہے۔ اور ان دونوں کے موازنہ کرنے سے یہ بات درست نکلتی ہے اور وہ بات غلط نکلتی ہے۔ آپ کوئی عملی فتح ان قوموں پر حاصل نہیں کر سکتے آج بھاری اکثریت ان میں سے وہ ہے جو ان کتب پر کسی قسم کا کوئی ایمان نہیں رکھتی۔ اس لئے ان کے لئے یہ سب فرضی باتیں اور ڈھکوسلے ہیں۔

حقیقی خدا کی پیاس

یہاں عملاً ایک ایسے خدا پر یقین کرنے اور ایمان لانے کے لئے یہ آج بھی آمادہ ہیں، جو عملی زندگی میں انسانوں میں اتر کر ان میں جلوے دکھا سکتا ہو۔ اور اپنے سے تعلق جوڑنے والوں کے لئے کرشمے دکھا سکتا ہو۔ کرشموں سے مراد وہ کرشمے نہیں جو فرضی معجزے ہیں، تماشے ہیں مردوں کو زندہ کر دیا یا کوڑھیوں کو اچھا کر دیا اس سے بہت زیادہ وسیع پیمانے پر آج دنیا کے وہ لوگ جو خدا پر یقین نہیں رکھتے بنی نوع انسان کو فائدے پہنچا رہے ہیں۔ قبروں تک پہنچے ہوئے لوگوں کو وہ زندگی بخش رہے ہیں۔ لا علاج مریضوں کو شفا

بخش رہے ہیں۔حیرت انگیز سرجری کے کارنامے دکھا رہے ہیں۔

طمانیت قلب کا معجزہ

دنیا کو روحانی معجزوں کی ضرورت ہے جو ان کی روح کی کایا پلٹ دے۔ایسے معجزوں کی ضرورت ہے۔جو ان کو طمانیتِ قلب عطا کریں۔ ان کو یقین سے بھر دیں ایسے معجزے انسانوں کے اندر پاک تبدیلی کے بغیر دنیا کو نہیں دکھائے جا سکتے۔اگر آپ ایسا بن جائیں گے تو آپ کے کلام میں برکت رکھی جائے گی۔آپ کی دعاؤں کو قبولیت کا نشان عطا ہوگا۔آپ جتنی زیادہ ہمدردی سے ان لوگوں کے لئے دعا کریں گے۔اتنا ہی زیادہ قبولیت دعا کے نشان خدا تعالیٰ ان کو دکھائے گا۔اور ان کے دلوں کو اطمینان بخشے گا کہ ہاں یہ دعا کے نتیجہ میں ایسا ہوا تھا۔پس پاک اعمال کے ساتھ جب دعائیں اپنے جلوے دکھاتی ہیں تو ایسا ہی منظر پیدا ہوتا ہے جس طرح ایک زرخیز زمین پر آسمان سے بارش نازل ہونے لگتی ہے۔اور ہری بھری کھیتیاں اس زرخیز زمین سے پیدا ہونے لگیں جو اپنے پاک انجام تک پہنچیں جس سے بہت ہی مفید اور دنیا کے لئے لذت بخش پھل پیدا ہوں۔

وقت کی شدید ضرورت

یہ نقشہ ہے جو قرآن کریم مختلف رنگ میں مذہب کی افادیت کا پیش کرتا ہے۔عملاً خدا کرے کہ ہم لوگ ان باتوں کو محض نظریات کی دنیا میں نہیں بلکہ عمل کی دنیا میں ڈھال کر ان کے سامنے پیش کر سکیں۔اس کی بڑی شدید ضرورت ہے اور وقت تیزی سے ہمارے آگے بھاگ رہا ہے۔بہت سے احمدی ہیں جو مایوس ہو رہے ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معاشرہ بہت زیادہ غالب ہے۔ہم اس کے حالات کو بدل نہیں سکتے۔اور مایوسی کے نتیجہ میں وہ خود آہستہ آہستہ تبدیل ہونے لگے ہیں۔اور یہ حقیقت ہے کہ آپ سب اس خطرے کے مقام پر کھڑے ہیں اور اگر آپ نے ان کو تبدیل نہ کیا تو یہ ضرور آپ کو تبدیل کر دیں گے یہ زندگی و موت اور زندگی کے درمیان ایک جدوجہد ہے جس میں کامیابی کے نتیجہ میں زندگی حاصل ہوتی ہے اور ناکامیابی کے نتیجہ میں موت ہے۔کوئی درمیانی راہ نہیں کوئی جمود نہیں ہے۔اس لئے آپ کو لازماً ان پر غالب آنا ہے۔یعنی صفات حسنہ کے ذریعہ محبت کے ذریعہ اعلیٰ پیغام کے ذریعہ پاک تبدیلیوں کے ذریعہ ان کو طمانیت عطا کریں ورنہ یہ آپ کی طمانیت چھین لیں گے۔آپ کو دنیادار بنا دیں گے۔آپ کو اپنے پیچھے لگالیں گے۔آپ نہیں تو

آپ کی اولادیں آپ کی آنکھوں کے سامنے اپنے دین سے دور ہٹنی شروع ہو جائیں گی اس لئے اگر ان کی بھلائی کا خیال نہیں تو اپنی بھلائی کا خیال کریں۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جو نہیں بدل سکتا۔ اگر آج آپ نے اس کو پوری طرح آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا تو کل محسوس کریں گے یا آپ تبدیل کرنے والے ہیں یا تبدیل ہونے والے ہیں۔ درمیان کی کوئی اور صورت نہیں۔

دعوت الی اللہ کو سنجیدگی سے اختیار کریں

اس لئے لازماً دعوت الی اللہ کو بڑی سنجیدگی سے اختیار کریں۔ اور پاک اعمال اور دعاؤں کے ذریعہ ان کے حالات بدلیں ورنہ آپ تبدیل کر دیئے جائیں گے۔ خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہمارے بڑے، ہمارے چھوٹے، ہمارے بوڑھے اور ہمارے جوان اور ہمارے مرد اور ہماری عورتیں اور ہمارے بچے سب دعوت الی اللہ کے عملی پاک نمونے ان کو دکھائیں۔ اور ان میں سے اُن سعید روحوں کو پکڑ پکڑ کر اپنے دین میں داخل کریں۔ جن کو حضرت بانی سلسلہ کو کشفاً دکھایا گیا تھا کہ مَیں یورپ میں سفید پرندے پکڑ رہا ہوں ان میں ضرور سعید روحیں بڑی کثرت کے ساتھ موجود ہیں بہت نیک لوگ ان کے اندر بس رہے ہیں۔ آپ ان کی تلاش کریں۔ ان کو محفوظ مقامات تک یعنی دین کے محفوظ مقام تک ان کو پہنچائیں خدا آپ کے ساتھ ہو۔ خدا کرے کہ ایسا ہی ہو۔

آیئے اب ہم دعا کر لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فضل فرمائے اور جانے والوں کو اپنی خیر و عافیت کے سائے تلے اپنی حفاظت کے سائے تلے لے کر جائے اور وہ لوگ جنہوں نے فیری پکڑنی ہے وہ پریشان ہو رہے ہوں گے کہ گھنٹہ زیادہ ہو گیا ہے۔ اللہ ان کے لئے بھی سفر آسان فرمائے۔ اور سب احمدی دوست اور بعض غیر احمدی دوست اور بعض غیر مسلم دوست بھی جو دور سے اس اجتماع میں شرکت کے لئے تشریف لائے ہیں۔ اللہ اس اجتماع میں شرکت کے عمل کو قبول فرمائے اور ان کے گھر برکتوں سے بھر دے اپنی رحمتیں ان پر نازل فرمائے اور وہ محسوس کریں کہ اس اجتماع میں شمولیت سے پہلے ہم اور تھے اور اس اجتماع میں شمولیت کے بعد ہم کچھ اور ہو چکے ہیں۔ اور اللہ کی رحمتیں اپنے اوپر نازل ہوتا دیکھیں۔ تاکہ مزید خدا پر ان کا ایمان بڑھے۔ آیئے ہم دعا کر لیتے ہیں۔ (احمدیہ بلیٹن ہالینڈ شمارہ نمبر 2 جولائی 1987ء صفحہ 19 تا 25)

خطبہ جمعہ فرمودہ 27 نومبر 1987ء

☆ مجالس عاملہ اپنے اختیارات سے تجاوز نہ کریں۔
☆ اگلی صدی میں داخل ہونے کی تیاری۔
☆ امامِ وقت کا مقام و منصب اور منافقوں کا طریق کار۔
☆ ساری دنیا کے احمدیوں کو میں متنبہ کرتا ہوں کہ جو اختیار آپ کو دیا گیا ہے اس سے تجاوز نہیں کرنا اور اپنے مقام کو نہیں چھوڑنا۔

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے درج ذیل آیات کریمہ کی تلاوت فرمائی۔

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ O الَّذِيْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ط وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْغَفُوْرُ O الَّذِيْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَاتَرٰى فِيْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ O ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ كَرَّتَيْنِ يَنْقَلِبْ اِلَيْكَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِيْرٌ O (سورۃ الملک:2 تا5)

قرآن کریم کی جن آیات کی میں نے تلاوت کی ہے ان کا ترجمہ یہ ہے کہ بہت ہی برکتوں والی ہے وہ ذات جس کے قبضہ قدرت میں ہر قسم کی ملکیت ہے اور تمام ملکیت اسی کے ہاتھ میں ہے اور وہ ہر چیز پر اسی بناء پر قادر ہے کہ تمام ملکیتوں کی باگ ڈور آخری صورت میں اس کے ہاتھ میں ہے۔ وہی ذات ہے جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور زمین و آسمان یعنی ساری کائنات کی پیدائش میں تم کوئی تفاوت نہیں دیکھو گے فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰى مِنْ فُطُوْرٍ نظر دوڑا کے دیکھو تو سہی کیا تمہیں کوئی رخنہ کوئی سوراخ دکھائی دیتا ہے ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ پھر نظر کو دوڑاؤ تمہاری نظر تمہاری طرف تھکی ہاری لوٹ آئے گی لیکن خدا کی عظیم ترین کائنات میں تم کہیں کوئی رخنہ، کوئی سوراخ نہیں دیکھو گے۔

تخلیق کائنات میں کوئی تفاوت اور فتور نہیں

ان آیات کے سرسری مطالعہ سے ایک مضمون سامنے آتا ہے۔ پھر زیادہ قریب کی نظر سے ان آیات کا مطالعہ کیا جائے تو بظاہر نظر آنے والا ایک تضاد دکھائی دیتا ہے۔ پھر اور مزید گہری نظر سے دیکھا جائے تو وہ تضاد دور ہو کر اس مضمون کے درمیان ایک نہایت حسین موافقت نظر آتی ہے۔ اسی طرح انسان جب خدا کی کائنات میں جستجو کے سفر کرتا ہے تو اس کے اوپر یہ حالتیں آتی رہتی ہیں۔ پہلی سرسری نظر میں اسے کچھ دکھائی

نہیں دیتا۔ پھر جب تر دد کرتا ہے غور کرتا ہے تو اگر جب علم کامل نہ ہو، سفر آغاز میں ہو یہ تو وہ سمجھتا ہے کہ میں نے بہت سی خرابیاں محسوس کر لی ہیں، بہت سی خرابیاں دریافت کر لی ہیں۔ لیکن جب انسان اور زیادہ گہری اور عمیق نظر سے مطالعہ کرتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پہلا علم خام تھا۔ خدا کی کائنات میں کوئی خامی نہیں۔ سائنس نے جو معلوماتی سفر کیا ہے اس پر بھی یہ ادوار آئے اور قرآن کریم کے مطالعہ کرنے والوں پر بھی یہ ادوار آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنی حفاظت اور اپنی پناہ میں رکھتے ہوئے لمس شیطان سے پاک رکھتے ہوئے گہرے اور عمیق مضامین کے مطالعہ اور ان کے فہم کی توفیق عطا فرماتا ہے اور اس کے نتیجہ میں پھر اس آیت میں جو منظر بیان ہوا ہے کہ ساری کائنات میں تم کہیں کوئی فتور نہیں دیکھو گے اس مضمون میں انسان حق الیقین تک پہنچ جاتا ہے۔ جس سرسری نظر کے مطالعہ سے تضاد کا میں نے ذکر کیا ہے اس کے متعلق میں واضح طور پر آپ کے سامنے اس کی نشاندہی کرنا چاہتا ہوں۔ پہلے فرمایا اَلَّذِی خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ کہ اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا تا کہ وہ معلوم کرے کہ تم میں سے کون بہتر اعمال کرنے والا ہے اور جس کے نتیجہ میں وہ زندہ رہ سکتا ہے۔

اب مضمون کا آغاز ہی ایک جدوجہد کے بیان سے ہوا ہے۔ فرمایا زندگی اور موت کے درمیان ایک مسلسل جہد وجد ہے اور آگے چل کر فرمایا کہ ساری کائنات میں تم کوئی تفاوت نہیں دیکھو گے۔ تفاوت کی تفصیل میں ابھی بیان کروں گا لیکن عام معنی جو اس سے سمجھ آتا ہے وہ یہ ہے کہ مقابلہ۔ یعنی چیزوں کا آپس میں مدمقابل نہیں پاؤ گے۔ چنانچہ عربی لغات، تفاوت کا ایک معنی یہ بیان کرتی ہیں کہ کسی قسم کا مقابلہ نہیں دیکھو گے۔ تو بات مقابلے سے ہی شروع فرمائی گئی۔ کہا یہ گیا کہ ہم نے خود موت اور زندگی کو باہم متقابل پیدا کر دیا ہے اور اس مقابلے کا مقصد یہ ہے کہ تا تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون ایسے اعمال والا ہے جو Survival of the fittest کے مطابق زندہ رہنے کی اہلیت رکھتا ہے اور آگے بڑھنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ ساری کائنات میں ہر جگہ آپ کو زندگی موت کے مدمقابل دکھائی دے گی اور ساری کائنات کا فلسفہ اسی تقابل پر مبنی ہے اگر موت اور زندگی کی لڑائی ختم کر دی جائے تو کائنات کا وجود نظر سے غائب ہو جائے گا جو کچھ بھی ہمیں دکھائی دیتا ہے وہ اس تقابل کے نتیجہ میں دکھائی دیتا ہے اور اہل علم سائنسدان جانتے ہیں کہ اس تقابل کے محرکات کو اگر ختم کر دیا جائے تو ساری کائنات بے معنی ہو جائے گی۔ کوئی ترقی نہیں ہو سکتی کوئی ارتقاء نہیں ہو سکتا جمود پیدا ہو جائے گا یعنی آخری موت کی شکل ہمیں دکھائی دے گی اس لئے ایک طرف تو

مضمون یہ باندھا گیا اور یہ بہت ہی عظیم الشان مضمون ہے کہ ساری کائنات کا فلسفہ حیات یا فلسفہ وجود یہ ہے کہ تم موت اور زندگی کو باہم متقابل دیکھتے ہو اور اس مقابلے کے نتیجہ میں ہم تمہیں آزماتے ہیں یعنی ہر وجود کو آزماتے ہیں کہ وہ کیا اہلیت رکھتا ہے۔ دوسری طرف فرمایا گیا کہ تم کوئی مقابلہ نہیں دیکھو گے۔ پس یہ جو مقابلہ نہیں دیکھو گے کا لفظ ہے اس پر غور کی ضرورت ہے۔ تفاوت کا اصل معنی کیا ہے کیونکہ جس جگہ یہ دعویٰ کیا گیا کہ کوئی تفاوت نہیں دیکھو گے وہاں تفاوت ہو ہی نہیں سکتا ان دونوں کو ایک دوسرے کے سامنے رکھ دیا گیا۔ جس طرح موت کو زندگی کے مقابل رکھ دیا گیا اسی طرح یہ دو اعلان بظاہر ایک دوسرے کے سامنے کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ تفاوت کا مضمون آپ سمجھ جائیں گے تو یہ سارا مسئلہ حل ہو جائے گا کہ ان میں جو یہ رکھا ہی اس لئے گیا ہے تا کہ زندگی اور موت کے جدوجہد کے فلسفے کی حقیقت کو آپ سمجھ سکیں۔ مقابلہ تفاوت نہیں ہے۔ اس لئے اگر لغات میں کوئی سرسری طرح پر معنی مقابلہ کے دکھائی دیں گے تو وہ اس پر پوری طرح صادق نہیں آتے۔ تقابل باب مفاعلہ سے ہے اور تفاوت بھی باب مفاعلہ ہے اور اس کا مادہ فوت ہے۔ فوت ہونا اکثر جانتے ہیں موت کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ فَاتَ کا جو اصل عربی معنی ہے وہ یہ ہے کہ کوئی چیز ہاتھ سے کھوئی جائے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اپنے مقام سے ہٹ جائے، اپنے منصب سے ہٹ جائے۔ پس فَاتَ کے لفظ کے اندر اس مسئلہ کا حل ہے وہ مقابلہ جس کا تفاوت میں ذکر کیا گیا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ فلسفہ حیات سے ہٹ کر مقابلہ۔ اپنے منصب سے ہٹ کر مقابلہ۔ جن چیزوں کی خاطر کسی چیز کو پیدا کیا گیا ہے اگر اس اصول کو چھوڑ کر اپنی راہ سے ہٹ کر کسی اور کی راہ میں کوئی چیز دخل دیتی ہے تو وہ مقابلہ ہوتا ہے اس کے اوپر لفظ تفاوت صادق آتا ہے۔ پس تفاوت کا معنی خالی مقابلہ کرنا بالکل غلط ہے۔ تفاوت کا معنی ہے وہ مقابلہ جو بے محل ہو، جس چیز کی خاطر کسی چیز کو پیدا کیا گیا ہے اس سے ہٹ کر جب وہ چیز کسی دوسری چیز سے ٹکراتی ہے تو اس کو تفاوت کہتے ہیں۔

ان معنوں میں آپ مشین کے کل پرزوں پر غور کریں جب بھی کوئی کل پرزہ اپنے دائرہ سے ہٹ کر کسی دوسرے دائرے میں دخل اندازی شروع کرتا ہے وہیں فتور پیدا ہو جاتا ہے۔ تو فرمایا فتور یعنی فساد کی جڑ اپنے اپنے منصب سے ہٹ کر کسی دوسرے کے منصب میں دخل اندازی ہے۔ چونکہ خدا کی ساری کائنات میں کہیں کوئی فتور نہیں دیکھو گے کہیں کوئی تفاوت نہیں دیکھو گے اس لئے تمہیں کہیں فتور بھی نظر نہیں آئے گا۔
فتور حادثاتی موت کو کہتے ہیں کہ یعنی اگر ہم کائنات کی اصطلاح میں بات کریں تو اسے حادثاتی موت

قرار دیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ تفاوت کے لفظ میں مزید حسن قابل غور ہے کہ ایک فوت کا دوسرے فوت سے مقابلہ۔ فَـاتَ اس چیز پر اطلاق پاتا ہے جو اپنی جگہ سے ہٹ جائے وہ جب کسی ایسی چیز سے ٹکراتی ہے جو خود اپنی جگہ سے ہٹی ہوئی ہو تو اس کو تفاوت کہیں گے اور اگر کوئی چیز ہٹ کر کسی ایسی چیز سے ٹکراتی ہے جو اپنے مقام سے ٹلی نہیں ہے اپنے دائرے میں ہی موجود رہتی ہے تو وہ ٹکرانے والی چیز ناکام اور نامراد ہو جائے گی۔ اس کا کوئی نقصان نہیں پہنچے گا اس کو پھر تفاوت نہیں کہیں گے اس کو ایک ایسا حادثہ کہتے ہیں۔ جس طرح کہ قرآن کریم میں دوسری جگہ مضمون باندھا گیا ہے کہ بعض اہل دنیا جب سماء الدنیا میں دخل دینے کی کوشش کرتے ہیں تو اس کے لئے تفاوت کا لفظ استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ فرمایا ایک ناجائز کوشش ہے جس کا ان کو حق نہیں ہے۔ اس کے نتیجہ میں شہاب ثاقب ان کی پیروی کرتے ہیں اور آسمان کی طرف سے ان پر شعلے نازل کئے جاتے ہیں جو ان کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ لیکن آسمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ پس ہر چیز جو اپنے مدار پر قائم ہے وہ کسی دوسری چیز سے ٹکرا نہیں سکتی جو اپنے مدار پر قائم ہو۔ جو چیز اپنے مدار پر قائم ہے اس سے اگر کوئی چیز ٹکراتی ہے اور مدار پر قائم رہنے والی چیز اپنے منصب سے نہیں ہٹتی تو قرآن کریم کے فلسفے کے مطابق اس کو کوئی نقصان نہیں ہے ٹکرانے والی چیز کو نقصان ہوگا اور اس کے مقابل پر دوسری چیز بھی اپنے منصب کو چھوڑ دیتی ہے اور مقام سے ہٹ جاتی ہے تو پھر جو ٹکراؤ ہے اس کا نام قرآنی اصطلاح میں تفاوت ہے۔ چونکہ فوت ہونے کا مطلب بھی موت ہے اس لئے جب منصب سے ہٹ گئے تو موت خود بخود واقع ہو گئی۔ گویا دو موتوں کے درمیان تصادم ہے اور جب دو موتیں متصادم ہوں گی تو نتیجہ فتور ہی پیدا ہوگا اس سے زیادہ اور کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ عجیب حیرت انگیز کلام ہے جس کو باریک سے باریک نظر سے آپ دیکھیں اور اس میں تفاوت اور فتور تلاش کرنے کی کوشش کریں تو لازماً آپ کی نظر تھکی ہوئی واپس لوٹ آئے گی اور قرآن کریم کی کائنات میں بھی آپ کو کوئی تفاوت اور کوئی فتور دکھائی نہیں دے گا۔

دنیاوی نظاموں کی حفاظت کا راز

اس فلسفے میں (جو فلسفہ وجود پایا جاتا ہے) تمام دنیا کے نظام یا نظاموں کی حفاظت کا راز بیان فرما دیا گیا ہے۔ خواہ معاشرتی نظام ہو۔ خواہ اقتصادی نظام ہو۔ خواہ مذہبی نظام ہو۔ خواہ سیاسی نظام ہو خواہ کسی نوع کا بھی نظام ہو، اس میں اگر منتظمین یہ نگرانی کریں کہ تفاوت نہیں ہونے دیں گے اور اس نظام کے کل پرزے اس بات پر قائم ہو جائیں کہ وہ اپنے مدار سے کبھی نہیں ہٹیں گے تو پھر کوئی فتور دکھائی نہیں دے گا ورنہ

بظاہر چھوٹی چھوٹی باتیں آپ کو دکھائی دیتی ہیں جب بھی مدار سے ہٹا جائے گا اور مدمقابل بھی مدار سے ہٹ جائے گا یعنی اپنی مقرر کردہ راہوں سے اپنے مقررہ کردہ منصب سے کوئی چیز ہٹ جاتی ہے تو اس کے مقابل پر دوسری چیز کہتی ہے اچھا پھر ہم بھی ہٹتے ہیں۔ اس ٹکراؤ کا نام دو موتوں کی ٹکر ہے اور اس کا نتیجہ فتنہ اور فساد ہے مزید موتوں کا پیدا ہونا ہے۔ نظام جماعت کی حفاظت اور ہمارے معاشرے کی حفاظت کے لئے بھی یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم قرآن کریم کی ان آیات میں بیان فرمودہ بنیادی سبق پر غور کریں اور اس کو مضبوطی سے پکڑ لیں۔ آج کل میرے پیش نظر کئی ایسے مسائل ہیں جن کے متعلق میں سمجھتا ہوں کہ اگلی صدی میں جماعت کے داخل ہونے سے پہلے پہلے ان کی نوعیت اور ان کی ماہیت کو آپ کے سامنے خوب کھول کھول کر بیان کر دیا جائے تا کہ خدا کے حضور میں بری الذمہ ہو جاؤں۔ ان امور کے متعلق جن کے متعلق قومی زندگی کے لئے راہنمائی ضروری ہے اور لمبی زندگی کے لئے راہنمائی ضروری ہے جہاں تک مجھے توفیق ملی میں نے آپ کی راہنمائی کی۔

انفرادی اور اجتماعی زندگی کے عظیم الشان راز

شمالی امریکہ کے دورے میں میں نے دو خطبات اس موضوع پر دیئے تھے کہ بہت سے فساد Inferiority Complex یعنی احساس کمتری کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ بعض صورتوں میں کھول کھول کر بیان کیا۔ چنانچہ نسلی جھگڑے قومی تفریقیں اور فسادات جو ملکی، قومی، نسلی فرق کی بناء پر ہوں یہ سارے بنیادی طور پر احساس کمتری کے نتیجہ میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس مضمون کو بھی ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے لیکن یہ مضمون جو آج میں بیان کر رہا ہوں یہ بھی انتہائی اہمیت رکھتا ہے۔ آپ کے سامنے تفصیل کے ساتھ تو ساری مثالیں پیش نہیں کی جاسکتیں لیکن دو تین مثالیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ اس سے آپ کو اندازہ ہو گا کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت میں کتنے عظیم الشان زندگی کے راز موجود ہیں۔ انفرادی زندگی کے بھی اور معاشرتی زندگی کے بھی اور اجتماعی زندگی کے بھی۔ ایک عام آیت سمجھ کر آپ سرسری طور پر مطالعہ کر کے آگے گزر جاتے ہیں لیکن یہ نہیں جانتے کہ کتنا عظیم خزانہ یہاں دفن ہے اس لئے جماعت کے نظام کی حفاظت کے لئے اور اسلامی معاشرے کی حفاظت کے لئے اس اصول کو جو ان آیات میں بیان ہوا ہے خوب اچھی طرح ذہن نشین کر لیجئے اور اس پر مضبوطی سے ہاتھ ڈال دیں کیونکہ اس کے بغیر ہماری قومی زندگی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاسکتی۔ ایک جگہ ایک واقعہ ہوتا ہے مثلاً کسی جماعت کے سامنے ایک برائی آتی ہے

اگر منتظمین جماعت اس برائی پر غور کرتے ہوئے پہلے اپنی حیثیت کی تعیین کریں کہ ہمارا منصب کیا ہے اور بے وجہ اس برائی سے ٹکرانے کی خاطر اپنے منصب اور اپنے دائرے سے الگ نہ ہوں تو کوئی تفاوت آپ کو نظر نہیں آئے گا اور اس کے نتیجہ میں کوئی فتور پیدا نہیں ہوگا۔

مجلس عاملہ اور نظام جماعت

مثلاً برائیاں کئی قسم کی ہیں بعض ایسی برائیاں ہیں، نجی جھگڑے ہیں، مثلاً میاں بیوی کے جھگڑے ہیں، خاندانی جھگڑے ہیں، براہ راست ان کا مجلس عاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مجلس عاملہ نظام جماعت کے تابع مخصوص کاموں کے لئے مقرر کی جاتی ہے اس میں ایک سیکرٹری امور عامہ بھی ہے ایک سیکرٹری اصلاح و ارشاد بھی ہے۔ ان کا تعلق ایسے جھگڑوں سے صرف اس حد تک ہے کہ وہ فریقین کو جا کر سمجھائیں اور ان کو یہ بتائیں کہ یہاں آپ کی غلطی ہے وہاں دوسرے کی غلطی ہے۔ پیار اور محبت کے ساتھ ان کو سمجھا کر ان کی کمزوریوں کی طرف متوجہ کریں لیکن ان کا یہ کام ہرگز نہیں ہے کہ انفرادی حیثیت سے یا اجتماعی حیثیت سے قاضی بن جائیں۔ قضاء کا الگ ایک نظام موجود ہے اور جتنے نجی جھگڑے ہیں وہ سارے اس نظام کا کام ہے کہ ان کو طے کروائے۔ اصلاحی کوششیں جو صرف نصیحت کا رنگ رکھتی ہیں وہ ضرور ہونی چاہئیں اور نصیحت کرنا تصادم نہیں ہے کیونکہ قرآن کریم نے ہر شخص کو نصیحت کے اوپر مامور فرما دیا ہے۔ اس لئے یہ بھی اچھی طرح سمجھ لیں کہ کسی کو نصیحت کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ آپ اس سے متصادم ہو رہے ہیں اس لئے اگر آپ کو کوئی نصیحت کرتا ہے تو آپ کو یہ حق نہیں ہے کہ تم اس کو کہو کہ تم میرے معاملات میں کیوں دخل دیتے ہو۔ جاؤ اپنے معاملہ میں اپنا معاملہ رکھو۔ یہ حماقت ہے۔ یہ جواب زندگی کی حقیقت کو نہ سمجھنے کی نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ جو آدمی نصیحت کرتا ہے وہ ٹکراتا نہیں ہے۔ وہ ایک مشورہ دیتا ہے ایک بیرونی آئینہ دکھاتا ہے اسی لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مومن کو دوسرے مومن کا آئینہ قرار دیا ہے۔ آئینہ اگر متصادم ہوگا تو ٹوٹ جائے گا لیکن آئینہ تو خاموشی سے صحیح صورت اور رنگ دکھا دیتا ہے اور اس کا پروپیگنڈا نہیں کرتا، کسی اور کو کسی کے چہرے کا نقص نہیں بتاتا تو اس کا نام تصادم بہر حال نہیں ہے اس لئے نصیحت کرنا عہدیداران کا کام ہے اور جہاں امور عامہ کے سیکرٹری کو بعض معین اختیارات دیئے گئے ہیں وہاں ان اختیارات کو استعمال کرنا اس کا کام ہے لیکن نجی معاملات یا مالی اختلافات میں قاضی بن کر بیٹھ جانا اور فیصلوں کا پابند کرنے کی کوشش کرنا اور جو ان فیصلوں کی پابندی نہ کرے ان کے خلاف شکائتیں کرنا کہ ان کو

سزا ملنی چاہیے، یہ سارا محض فساد ہے۔ اگر کوئی ایسا فریق جس کے متعلق کوئی شخص مدار سے ہٹ کر کارروائی کرتا ہے، جواباً بدتمیزی اختیار نہیں کرتا، گالی گلوچ سے کام نہیں لیتا، عوام الناس میں پروپیگنڈا نہیں کرتا بلکہ اپنے دائرہ اختیار میں رہتے ہوئے بالا منتظمین تک بات کو پہنچا دیتا ہے تو اس کا نام تصادم نہیں ہے۔ اگر ایسا واقعہ ہو تو کوئی فساد آپ کو نظر نہیں آئے گا۔ جس نے غلطی کی اس کی غلطی کے متعلق افسران تک پہنچائی جاتی ہے وہ اس کو درست کر لیتے ہیں اور کوئی ٹکراؤ کی صورت پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن اگر ایک طرف سے بھی غلطی ہو رہی ہو۔ اور دوسری طرف سے بھی غلطی ہو رہی ہو تو پھر یہ تفاوت بن جاتا ہے اور اس کے نتیجہ میں لازماً فتور پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے یک طرفہ غلطی بھی بری چیز ہے اس کے نتیجہ میں بھی نقصان پہنچ سکتے ہیں لیکن نظام تباہ نہیں ہوا کرتے۔ اگر ٹکراؤ والی غلطی پیدا ہو جائے تو نظام تباہ ہو جایا کرتے ہیں۔ مشین کے کل پرزوں پر آپ دوبارہ غور کریں ایک پرزہ اپنی ذات میں خراب ہو جاتا ہے موٹر کو اس سے بھی نقصان پہنچتا ہے لیکن ایک پرزہ جب دوسرے پرزے کی راہ میں اٹکتا ہے تو اس کا نقصان اس سے بہت زیادہ شدید نوعیت کا ہوتا ہے۔ اس سے دھماکہ پیدا ہوتا ہے۔ اس سے تصادم پیدا ہوتا ہے اس لئے تفاوت کے مضمون کو پیش نظر رکھتے ہوئے میری پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ اپنے مدار کو بہر حال نہ چھوڑیں اگر آپ اپنے مدار کو چھوڑیں گے تو تصادم کا بڑا بھاری احتمال موجود ہے۔ چونکہ عوام الناس اکثر ان مضامین کو نہیں سمجھتے اس لئے آپ کے مدار چھوڑنے کے نتیجہ میں کوئی دوسرا بھی اپنے مدار کو چھوڑ دے گا اور جب وہ اپنے منصب سے ہٹ کر آپ سے ٹکرائے گا تو اس کے نتیجہ میں آپ دونوں کی بھی ہلاکت ہے اور نظام جماعت کو بھی شدید نقصان پہنچنے کا خطرہ ہے۔

اپنے اپنے دائرہ کار میں فرائض منصبی کی ادائیگی اور مجالس عاملہ کی ذمہ داریاں

پہلی مثال کی طرف واپس آتے ہوئے مَیں اس پر مزید روشنی ڈالتا ہوں۔ میاں بیوی کا جھگڑا ہوتا ہے مجلس عاملہ اس کے اوپر غور کرنے بیٹھ جاتی ہے اور خود ہی فیصلے کرتی ہے اور فیصلے صرف اس لحاظ سے نہیں کہ وہ نجی جھگڑے سے متعلق فیصلے ہوں کہ ان کو کیسے سلجھایا جائے۔ افتاء کا اختیار بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتی ہے یکطرفہ باتیں سنتی ہے۔ پھر ایک فریق کو موقع دیئے بغیر قضاء کا کام اس طرح کرتی ہے کہ وہ قضاء کے بھی منافی ہوتا ہے یعنی قضاء کے ادنیٰ تقاضے بھی پورے نہیں کرتی یعنی دوسرے فریق کو بلاتی نہیں ہے ان کو پوری طرح موقع ہی نہیں دیتی حالانکہ اس کو اول تو اس طرح قاضی بننے کا بنیادی طور پر مجلس عاملہ کو حق ہی کوئی نہیں مجلس عاملہ قاضی بن کر قضاء کا کردار ادا کرنے لگ جاتی ہے اور وہ بھی ٹیڑھا اور لنگڑا۔ کیونکہ انہیں قاضی

بنانے کے لئے مقرر نہیں کیا گیا۔ اس لئے اس میں وہ صلاحیتیں ہی موجود نہیں ہیں جو قاضی میں ہونی چاہئیں پھر اسی پہ اکتفاء نہیں کرتی قضاء کے دوران بہت سے معاملات ایسے ہیں جن میں فتوے چاہئیں اور ایک متقی قاضی خدا کا خوف رکھنے والا جب کسی معاملے میں نہیں جانتا کہ قرآن یا سنت کا اس بارہ میں واضح حکم کیا ہے تو وہ اس معاملہ کو مجلس افتاء یا دارالافتاء کی طرف بھیجتا ہے اور جانتا ہے کہ یہ فتویٰ دینا قاضی کا کام نہیں ہے۔ قاضی کا کام صرف اتنا ہے کہ جو فتاویٰ موجود ہیں ان کے اندر رہتے ہوئے وہ اپنے فیصلے صادر کرے۔

ایک مجلس عاملہ اٹھتی ہے اپنے مقام کو ایک جگہ بھی چھوڑتی ہے اور دوسری جگہ بھی چھوڑتی ہے اور جہاں افتاء کی ضرورت پیش آتی ہے وہاں خود ہی مفتی بن جاتی ہے اور فیصلے صادر کر دیتی ہے اور پھر اس کے نتیجہ میں فحشاء پھیلتی ہیں۔ جو وہ نقائص وہ سمجھتی ہے، چونکہ ان نقائص کی پورح طرح چھان بین بھی نہیں ہوسکی، قضا کا منشاء ہے اور ذاتی حقوق جو خاندانوں کے ہیں ان کے بعض معاملات میں ان کی پردہ پوشی کی جائے ان کے معاملات کو منظر پر نہ لایا جائے اس بنیادی اصول سے بھی وہ روگردانی کرتے ہوئے ایک اور معاملے میں ایک اور طرف بھی رخ کرتی ہے۔ جہاں اس کو رخ کرنے کا کوئی حق نہیں ہوتا اور سارے معاشرے میں بدظنی، بے چینی اور فحشاء پھیلا دیتی ہے۔ ایسے کاموں کے لئے مجالس عاملہ کو مقرر ہی نہیں کیا گیا۔ اگر وہ مجالس اس طرح کریں گی اور ان طریقوں پر جن کی حق تلفی کی جائے جن کو ٹکراؤ کی دعوت دی جائے گی وہ آگے سے ٹکراؤ کریں گے تو سارا نظام جماعت ٹکڑے ٹکڑے ہو کر بکھر جائے گا اور اگر نہیں کریں گے تب بھی یہ مجلس عاملہ ظالم رہے گی جس نے ناجائز کسی فریق کے اوپر ظلم کیا۔ اس کو کوئی حق نہیں تھا۔

اس قسم کے بعض معاملات میرے علم میں آئے۔ میں نے فوری طور پر مجالس عاملہ کو معطل کیا لیکن مجھے اس موقع پر بیان کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جو کمیشن مقرر کیا گیا وہ بظاہر ایسے لوگوں پر مشتمل تھا جو بڑی سمجھ بوجھ رکھتے ہیں لیکن اس کمیشن نے ان بنیادی باتوں کو نوٹ کئے بغیر کہ وہاں کیا ہو گیا ہے کیا قیامت برپا ہوئی ہے، قرآن کریم کے بنیادی اصول کو چھوڑ کر خود قاضی بننے کی کوشش کی ہے اور یہ فیصلہ کرنے کی کوشش شروع کر دی کہ کونسا فریق ٹھیک تھا اور کونسا غلط تھا چنانچہ مجھے اپنے فیصلہ میں پھر یہ بھی لکھنا پڑا کہ آئندہ یہ جو کمیشن کے ممبران ہیں ان کو کم از کم ایک سال تک کے لئے کوئی تحقیقی کام نہ دیا جائے کیونکہ یہ بنیادی طور پر اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ مجھے خیال آیا کہ اگر ایسے ممبران جو بڑے مخلص ہیں تجربہ کار ہیں نظام جماعت میں ان کو بھی بعض باتوں کے بنیادی فرق معلوم نہیں ہیں اس لئے ضروری ہے کہ ساری جماعت کو مخاطب کرتے یہ معاملات ان کے سامنے لائے جائیں تا کہ قرآن کریم کی اس آیت کو نظر انداز کرتے

ہوئے جماعت احمدیہ میں کسی قسم کے بھی تصادم کی صورت پیدا نہ ہو۔ مجھے تعجب ہے کہ یہ بات کس طرح اب تک میری نظر سے اوجھل رہی کہ ہماری مجالس عاملہ کو بھی بہت بڑی تربیت کی ضرورت ہے اس سلسلہ میں غور کر رہا ہوں انشاء اللہ تعالیٰ حسب توفیق بعض اور اقدامات میں کروں گا لیکن سردست ساری جماعت کی تربیت کی ضرورت ہے، ان کو بتایا جانا چاہیے کہ رخنے کس طرح پیدا ہوتے ہیں۔ دراصل کسی نہ کسی قرآنی تعلیم کو نظرانداز کرنے کے نتیجہ میں ہی فساد پیدا ہوتا ہے۔

معاملہ فہمی کا شرعی اور جماعتی طریق کار

چنانچہ دوسری مثال میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں کہ ایک جگہ لجنہ کا ایک اجلاس ہو رہا ہے اور لجنہ کی بڑی اہم تقریب ہو رہی ہے سارے ملک سے ممبرات آئی ہوئی ہیں اس لئے کہ ان کی تربیت کی جائے اور جب ان کی اپنی تربیت کا امتحان ہوتا ہے تو تربیت کے سارے تقاضے یا پرانی تعلیمات کو قطعاً بھلا کر وہ نظام جماعت سے تصادم کی راہ اختیار کر لیتی ہیں۔ ایک ایسے ہی موقع پر ایک جگہ ایک لڑکی روتی ہوئی واویلا کرتی ہوئی بلند آواز میں اپنے خاوند کے خلاف اور اس کے باقی رشتہ داروں کے خلاف باتیں کرتی ہوئی لجنہ کی تقریب میں پہنچ جاتی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ آپ کے قریب ہی فلاں خاوند نے مجھ پر ظلم کیا مجھے زدوکوب کیا۔ مجھے یہ کیا وہ کیا اس کے والدین نے ہمیں یہ کیا اور یہ مظالم کئے اس نے میرے والدین کو یہ کہا۔ نظام جماعت کا تقاضا یہ ہے کہ لجنہ اماء اللہ کی عہدیداران فوراً اس کی زبان بندی کریں۔ اور اسے کہیں کہ ہوسکتا ہے کہ تم مظلوم ہو لیکن ہم اس مقام پر فائز نہیں ہیں کہ تمہارے ظلم کی یک طرفہ داستان سنیں۔ اول تو یک طرفہ داستان سننا ہی انصاف کے تقاضے کے خلاف ہے اگر کوئی سرسری طور پر سنا دیتا ہے مثلاً بعض خطوں میں وہی بات میرے سامنے آجاتی ہے تو پھر سننے والے کا جو سرسری طور پر سن لیتا ہے یا گزرتے ہوئے اس کے کان میں پڑ جاتی ہے، یہ بنیادی فرض ہے کہ یکطرفہ رائے سن کر کوئی نتیجہ اپنے ذہن میں قائم نہ کرے، کوئی بداثر قائم نہ کرے۔ لیکن ایک نہیں دو نہیں بار بار وہ منتظمین جو لوگوں کی تربیت کے لئے تقریب منعقد کر رہے ہیں وہ عہدیداران یہ ردعمل دکھاتی ہیں کہ نہ وہ قاضی نہ ان کو یہ حق کہ ان معاملات میں فیصلہ کریں بجائے اس کے کہ اس فریق کو جو اپنے منصب سے ہٹ کر ان کے پاس آیا تھا، اپنے دائرہ اختیار سے ہٹ کر ان کے پاس آیا تھا اس کو سمجھاتیں کہ بلند آواز سے فحشاء کا ذکر کرنا جائز نہیں ہے، غیرمحل جگہ میں یہ باتیں کرنا جائز نہیں ہے، تم فتور پیدا کر رہی ہو۔ ہمیں اس سے کوئی غرض نہیں ہے کہ تم مظلوم ہو یا ظالم ہو لیکن اپنے اس فعل سے

نظام جماعت پر تم ضرور ظلم کر رہی ہو اس لئے تم قاضی کے پاس رجوع کرو یا امور عامہ کے پاس جاؤ کیونکہ ابتدائی معاملے شعبہ امور عامہ طے کیا کرتا ہے یا اگر وہ طے نہیں کرتا تو اصلاح وارشاد کے پاس جاؤ یا امیر کے پاس پہنچو، ان کو کہو کہ تم میرے باپ کی جگہ ہو، تم سارے نظام کے امیر مقرر کئے گئے ہو، تمہارے دائرہ میں ایک واقعہ ہو رہا ہے، تحقیقات کرواؤ۔ اسے سمجھانے کی کوشش کرو۔ اگر نہیں سمجھتا تو پھر ہمیں بتاؤ کہ ہمیں کیسی کارروائی کرنی چاہیے تا کہ معاملہ فہمی ہو سکے۔

لجنہ کی عہدیداروں کو یہ بھی خیال نہیں آتا کہ قرآن کریم جو بار بار وہ پڑھتی ہیں اور عہدیداروں میں سے اکثر ترجمہ بھی جانتی ہیں اس میں لکھا ہوا ہے کہ جب بھی جھگڑے ہوں تو **فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَ حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا** (النساء:36) دو فریق مقرر ہوں ایک مرد کے اہل سے اور ایک عورت کے اہل سے۔ جو حکم مقرر ہوں ان میں فیصلہ کرنے کی طاقت ہو۔ خدا تعالیٰ نے ان کو حکمت عطا کی ہو ایسے آدمی چنو جو وہ آپس میں مل بیٹھیں اور معاملے طے کریں۔ اگر وہ طے نہیں ہو سکتے تو پھر ہر شخص کے لئے قضاء کا رستہ کھلا ہے۔ یہ سب کچھ کرنے کی بجائے ان باتوں میں اس قدر چسکا اٹھایا گیا کہ سارا نظام درہم برہم ہو گیا، اجلاس ملتوی ہو گئے، اس لڑکی کے ارد گرد گھیرے پڑ گئے اور سارے اکٹھے ہو گئے جلسہ کی تقریریں سننے کی بجائے محفل لگی اور باتیں شروع ہو گئیں کہ بڑا ظلم ہو گیا، بڑا اندھیر ہو گیا۔ فلاں نے یہ کر دیا فلاں نے وہ کر دیا۔ اور پھر اس لڑکی نے اپنی زبان درازیوں اور طعن میں خلیفہ وقت کو بھی نہیں چھوڑا اس نے پھر اور بھی درد ناک باتیں کیں کہ میرے والدین سے یک طرفہ باتیں سن کر خلفیہ وقت نے بائیکاٹ کر دیا ہے ان کی طرف (یعنی خاوند کی طرف) متوجہ نہیں ہوتا اس لئے کہ اس کے ارد گرد دو تین حاشی مواشی ایسے ہیں جو یک طرفہ باتیں اس کے کانوں میں ڈالتے ہیں۔ اس وقت بھی کسی کو خدا کا خوف نہیں آیا کہ اب حملہ ایسی جگہ کیا جا رہا ہے جہاں حد سے زیادہ تصادم ہے جیسے دنیا نے سماء الدنیا پر حملہ کر دیا ہے اس قسم کا واقعہ ہے یا اس سے بڑھ کر نوعیت کا ہے اور کسی کو خیال نہیں آتا۔ دو قسم کے مزاج کے لوگ ایک ہی بات کرتے ہیں اس کے نتیجہ میں اس کا منہ پھر بھی بند نہیں کروایا جاتا یعنی میرا مطلب ہے محبت اور پیار سے سمجھا کر، سختی سے مراد نہیں ہے اس کو یہ نہیں کہتے کہ پہلے تم اپنے خاوند کے خلاف یک طرفہ باتیں کر رہی تھی اب تم خلیفہ وقت کے خلاف یکطرفہ باتیں کر رہی ہو۔ تمہارے خاوند کو تو ہم نہیں جانتیں لیکن خلفیہ وقت کے ہاتھ پر ہم نے منصف سمجھ کر بیعت کی ہوئی ہے۔ یہ ایمان رکھتے ہوئے بیعت کی ہے کہ وہ خود منصف نہیں بلکہ دنیا میں انصاف کا محافظ ہے تم ایسے شخص کے اوپر عدل کے خلاف الزام لگا رہی ہو اس لئے اگر پہلے تمہاری باتیں سن بھی لی تھیں، ناجائز چسکے

اٹھائے بھی تھے تو اب ہم تمہاری مزید باتیں نہیں سنیں گی۔ اس کی بجائے کہتی ہیں ہاں ہاں یہ تو فلاں شخص کی وجہ سے یا فلاں اشخاص کی وجہ سے ہو رہا ہے پرائیویٹ سیکرٹری اس کا دوست ہے، افسر حفاظت اس کا دوست ہے، وہ فلاں اس کا دوست ہے، اس کی یک طرفہ باتیں سنتا ہے۔ اور مجبور ہو گیا ہے۔

اب امر واقعہ یہ ہے کہ ایسی باتیں کرنے والے دو قسم کے ہو سکتے ہیں یا منافقین یا وہ جو خلیفہ وقت کے اوپر حملہ نہیں کرنا چاہتے وہ اپنی طرف سے اس کا دفاع کر رہے ہوتے ہیں اور بات ایک ہی ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو بھی بیان فرما دیا ہے۔ نہ صرف یہ فرمایا کہ تم خدا کی کائنات میں کوئی تفاوت نہیں دیکھو گے بلکہ روحانی کائنات میں جہاں جہاں تفاوت کے احتمالات ہیں ان سب کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا ہوا ہے۔ خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات پر بھی ایسے حملے ہوئے آپ کے متعلق باتیں کی گئیں کہ هُوَ اُذُنٌ وہ تو مجسم کان ہے یعنی لوگوں کی باتیں سنتا ہے اور مان جاتا ہے اس کے نتیجے میں بعض دوسرے لوگوں کے خلاف فیصلے کر دیتا ہے **نعوذ باللہ من ذالک** یا ان سے متنفر ہو جاتا ہے اور ان سے پیچھے ہٹ جاتا ہے۔ قرآن کریم نے اس کا بہت پیارا جواب دیا ہے فرمایا اُذُنُ خَيْرٍ لَّكُمْ کان تو ہے لیکن صرف بھلائی کا کان ہے برائی کا کان نہیں ہے۔ جب تمہارے متعلق کسی سے بری باتیں سنتا ہے تو تم پر حسن ظن رکھتا ہے اور یک طرفہ فیصلے نہیں کرتا جب اچھی باتیں سنتا ہے تو قبول کر لیتا ہے کیونکہ وہ تم سے پیار کرتا ہے تمہارے اوپر حسن ظن رکھتا ہے اس لئے کان بے شک کہو لیکن خیر کا کان کہو، بھلائی کا کان کہو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں آپ کے سب غلاموں کی یہی کوشش ہونی چاہیے اور ہوتی ہے۔ خلفاء وقت کے لئے بھی یہی وہ سنت ہے جس کی وہ عملاً پیروی کرتے ہیں اس لئے یہ بھی جواب کسی نے نہیں دیا کہ اُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ تمہارے لئے بھلائی کا کان تو ہو سکتا ہے ہم برائی کے کان کے طور پر اس کو تسلیم نہیں کر سکتے بلکہ اپنی طرف سے یہ دفاع پیش کیا کہ ہاں ہے تو کان لیکن کان بیچارے کا کیا قصور وہ تو اس زبان کا قصور ہے جس نے پاگلوں والی جھوٹی لغو باتیں اس تک پہنچائیں۔

فتنہ پردازوں سے بچیں

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ ایسی باتیں کرنے والے دو قسم کے ہو سکتے ہیں۔ میں حسن ظنی رکھتا ہوں لجنہ پر اور یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے اپنی طرف سے میرا دفاع کیا ہے۔ اپنی طرف سے مجھے معذور قرار دیا ہے لیکن منافق بھی تو اسی طرح حملے کرتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اعتماد اٹھانے کے لئے بھی

اسی قسم کی باتیں کی گئیں تھیں اور وہ لازماً منافقین تھے۔ اب بھی معاشرے میں جب خلیفہ وقت پر حملہ کیا جاتا ہے یا پہلے جب بھی کیا گیا ہمیشہ اسی طرح کیا جاتا ہے کہ اس کے اوپر ایک الزام کو تسلیم کر کے اس کی ایک وجہ جواز بیان کی جاتی ہے کہ فلاں خلیفہ وقت فلاں کی باتوں میں آ گئے۔

قادیان میں مجھے یاد ہے بچپن میں بڑے بڑے فتنے پیدا ہوئے اور فتنہ پردازوں نے آغاز ہمیشہ نظارت امور عامہ یا نظارت اصلاح وارشاد یا نظارت تعلیم پر حملہ سے کیا اور کہا کہ خلیفہ وقت کو تو پتہ ہی نہیں اس کے سامنے جھوٹی فائلیں پیش کی گئیں یا قضاء پر حملہ کیا اور کہا کہ دیکھو قضاء نے کتنا ظلم کیا ہے کہ خلیفہ وقت کے سامنے غلط معاملات پیش کر کے ان سے غلط فیصلے لے لئے۔ قرآن کریم نے تو ہمیشہ کے لئے یہ باتیں پیش کر کے آپ کی راہنمائی فرما دی تھی آپ کی آنکھیں کھول دی تھیں آپ کے کان کھول دئے تھے اور بتایا تھا کہ اس طرح حملے ہوا کرتے ہیں ان حملوں سے باخبر ہو اور جو تمہارا منصب نہیں ہے اس منصب سے ہٹ کر تم نے کوئی بات نہیں سننی، نہ کوئی بات کرنی ہے۔ چنانچہ اگر آپ اپنے منصب اور دائرے میں رہیں تو پھر کوئی فتور پیدا نہیں ہو سکتا جو تفاوت کے نتیجہ میں پیدا ہوتا ہے۔ اب اس معاملے میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں شخص نے، فلاں خلیفہ نے فلاں کی بات سن لی مولوی ابوالعطاء صاحب مرحوم کے متعلق کہا جاتا تھا کہ اس کی بات سن لی، میر داؤد احمد کی بات سن لی، فلاں کی سن لی، فلاں کی سن لی یا ناظر امور عامہ کی سن لی یا سید ولی اللہ شاہ صاحب کی بات سن لی یا قاضی کی بات سن لی تو سننے والے کا فرض تھا کہ اگر یہ بات ہے تو میں کون ہوں مجھے تم کیوں بتا رہے ہو میرا یہ منصب نہیں ہے کہ میں قضاء پر یا نظارت اصلاح وارشاد پر یا کسی اور نظارت پر محاکمہ کروں یا ان پر جج بن کر بیٹھ جاؤں اس لئے تم مجھے کیوں بتا رہے ہو۔ تم اپنے منصب سے ہٹ چکے ہو اور چاہتے ہو کہ میں بھی اپنے منصب سے ہٹ جاؤں۔ تمہارا فرض ہے کہ اگر تم سمجھتے ہو کہ خلیفہ وقت واقعۃً معصوم ہے تو جن باتوں میں تم سمجھتے ہو کہ وہ آ گئے ہیں تم خلیفہ وقت کو بتاؤ کہ تم ان باتوں میں نہ آؤ اس کو لکھ کر بھیجو اور تمہارے لئے دو ہی رستے ہیں یا تو پھر اس کے عدل پر حملہ کرو یہ نہ کہو کہ ناظر امور عامہ بددیانت ہے پھر جرأت کے ساتھ تقویٰ کے ساتھ یہ فیصلہ کرو جو بھی تمہیں تقویٰ نصیب ہو اس کے مطابق فیصلہ کرو کہ خلیفہ وقت جھوٹا ہے خلیفہ وقت بددیانت ہے اور اس کو چھوڑ دو۔ اگر چھوڑ دو تب بھی رخنہ پیدا نہیں ہو گا لیکن جب تم تصادم کی راہ اختیار کرو گے تو تفاوت پیدا ہو گا اور تفاوت کے نتیجہ میں لازماً فتور ہو گا یہ ہم برداشت نہیں کر سکتے۔ اگر لوگ ہمیشہ یہ مسلک اختیار کرتے تو کبھی کوئی فتنہ پیدا نہ ہوتا کوئی فتنہ کبھی سر ہی نہیں اٹھا سکتا تھا۔ آج بھی پاکستان میں بھی اور باہر بھی جہاں بھی مفتنی پیدا ہوتے ہیں وہ پہلا حملہ خلیفہ وقت

پر نہیں کیا کرتے۔ وہ کہتے ہیں کہ فلاں شخص نے ہماری دشمنی میں خلیفہ وقت تک یہ بات پہنچائی۔فلاں شخص نے فلاں آدمی سے پیسے کھا لئے اس کی دعوتیں اڑائیں اور پھر خلیفہ وقت سے یہ بات کہی۔ایک مخرج ہے اس وقت وہ لوگوں کے پاس پہنچتا ہے اور بڑی چاپلوسی سے کہتا ہے کہ میں تو خلیفہ وقت کا عاشق ہوں، خلیفہ وقت تو بہت ہی بلند مقام رکھتے ہیں۔ میں تو معافیوں کی عاجزانہ درخواستیں بھی کر رہا ہوں لیکن معافی نہیں ملتی۔ ناظر امور عامہ ایسا ذلیل آدمی ہے کہ وہ راشی ہے وہ فریق ثانی سے دعوتیں اڑا چکا ہے۔فریق ثانی سے پیسے کھا چکا ہے حالانکہ جو مخرج ہے اس کے متعلق میں جانتا ہوں کہ اس کو لوگوں کے پیسے چڑھانے اور دعوتیں کھلانے کی عادت ہے۔ میں نے آغاز خلافت ہی میں عہدیداروں کو اس کے متعلق متنبہ کر دیا تھا کہ آپ نے اس کی کوئی دعوت قبول نہیں کرنی۔اب وہ چونکہ خود اس مرض کا شکار ہے اس لئے دوسروں کے متعلق یا ناظر امور عامہ کے متعلق باتیں کرتا ہے اور ظلم کی بات یہ ہے کہ سننے والے سن لیتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ ہاں خلیفہ وقت نے ناظر امور عامہ کی بات سن لی ہے اس لئے اس بچارے پر ظلم ہو رہا ہے حالانکہ اس سے اگلا نتیجہ نہیں نکالتے۔ جو خلیفہ اتنا بیوقوف اور احمق ہو کہ اس کو معاملہ فہمی ہو ہی کوئی نہیں۔جس طرف سے بات سنی اس کو فوراً قبول کر لیا وہ اس لائق کہاں کہ تم اس کی بیعت میں رہو۔اس لئے تمہارے تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ اگر تم متقی ہو تو اس کی بیعت سے الگ ہو جاؤ۔لیکن بیعت پر قائم رہتے ہوئے تمہیں تصادم کی اجازت نہیں دی جا سکتی یہ وہ بات ہے جس کے متعلق قرآن کریم کی ایک آیت ہمیں ہمیشہ کے لئے متنبہ کر چکی ہے کہ خبردار تفاوت کی راہ اختیار نہ کرنا۔تفاوت نام ہے دو موتوں کے ٹکرانے کا، دو ایسی چیزوں کے ٹکرانے کا جو دونوں اپنے منصب سے ہٹ چکی ہوں۔اس لئے اگر ایک کو اپنا منصب نہ چھوڑتے ہوئے دیکھو بھی تو تم اس رو میں بہہ کر اپنا منصب نہ چھوڑ دینا۔

اصلاح کے نام پر فتنہ پردازیاں اور ان کا تدارک

پس ایسے فتنے تو پیدا ہوتے رہیں گے اور ہمیشہ اصلاح کے نام پر پیدا ہوں گے کیونکہ قرآن کریم فرماتا ہے اِذَا قِیۡلَ لَهُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ (سورۃ البقرہ:12) جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم زمین میں فساد برپا نہ کرو تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کی خاطر بات کر رہے ہیں۔ نظام جماعت میں فتنہ پیدا ہو رہا ہے اس کے متعلق ہم عوام الناس کی رائے عامہ کو بیدار کر رہے ہیں اور بتا رہے ہیں کہ ایسی ایسی خطرناک باتیں پیدا ہو رہی ہیں ان کے متعلق یہ کیوں کہہ دیا اَلَاۤ اِنَّهُمۡ هُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ

وَلٰکِنْ لَّایَشْعُرُوْنَ (سورۃ البقرہ:۱۳) خبردار! وہ خود مفسد ہیں اوران کوعلم نہیں ہے۔اس میں بظاہر کوئی دلیل نہیں ہے۔انہوں نے کہا ہم اصلاح کرتے ہیں انہوں نے کہا نہیں تم مفسد ہو۔کس دلیل سے ان کو مفسد قرار دیا جا سکتا ہے وہ وہی دلیل ہے جس کا اس آیت کریمہ میں ذکر ہے جس کی میں نے آغاز میں تلاوت کی تھی۔ایک شخص جب اپنے منصب سے ہٹ کر باتیں کرتا ہے تو خواہ وہ اصلاح کی باتیں ہوں وہ ضرور مفسد ہے کیونکہ قرآن کریم نے فساد کی تعریف ہی منصب سے ہٹنا قرار دی ہے۔جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تفاوت عربی زبان کے مطابق ان دو چیزوں کے ٹکراؤ کا نام ہے جو اپنے منصب سے الگ ہو چکی ہیں اپنے مقام کو چھوڑ کر فوت ہو چکی ہیں۔پس جس شخص نے کوئی اصلاح کی بات کی ہو اور اصلاح کی بات کرنے کا اس کا مقام ہی نہ ہو۔کبھی وہ قضاء میں دخل دے رہا ہے کبھی امور عامہ میں داخل دے رہا ہے کبھی تعلیم میں دخل دے رہا ہے نہ اس کو ناظر امور عامہ مقرر کیا گیا نہ قاضی مقرر کیا گیا اور نہ اور عہدے دیئے گئے اپنے محلّہ کا سیکرٹری بھی نہیں ہے اگر سیکرٹری بھی ہے تو اس کا کام ہے مجلس عاملہ میں بات کرنا یا اوپر کے عہدے دار کو متنبہ کرنا یا عوام الناس میں بغیر کسی کی ذات پر حملے کئے عمومی نصیحت کرنا۔

ان چیزوں پر اگر کوئی قائم رہتا ہے تو فساد پیدا کر ہی نہیں سکتا اس لئے اگر وہ کہتا ہے کہ میں مصلح ہوں تو بے شک مصلح کا دعویٰ کرتا پھرے اس پر ہمیں کوئی اعتراض نہیں قرآن کریم اس کو اجازت دیتا ہے لیکن اصلاح کی بات کر رہا ہو خواہ سچی بھی ہو لیکن منصب سے ہٹ کر کر رہا ہے تو وہ لازماً مفسد ہے اور بہت سے مفسد ایسے ہیں جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ بعض دفعہ وہ عمداً مجرم نہیں ہوتے وَلٰکِنْ لَّایَشْعُرُوْنَ ان بیچاروں کو پتہ ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں اس لئے دونوں قسم کے لوگ نظام کو بہرحال نقصان پہنچا دیتے ہیں عمداً مفسد ہوں گے تو خدا کے ہاں مزید سزا پائیں گے اور بغیر عمد کے مفسد ہوں گے تو نظام کو تو بہرحال نقصان پہنچائیں گے۔ان کو اس درجہ کی سزا ملے یا نہ ملے جو باشعور جرم کرنے والے کو ملتی ہے یہ الگ مسئلہ ہے۔اس لئے لَایَشْعُرُوْنَ والے پہلو کے تابع جب ان کے اوپر پکڑ کی جاتی ہے تو کئی لوگ مجھے لکھتے ہیں ہم نے جان بوجھ کر نہیں کیں ہم نیک دلی سے یہ کرنے والے تھے ان کو میرا یہی جواب ہے کہ تم چاہو نیک دلی سے کسی کو قتل کرو یا بد دلی سے قتل کرو وہ تو مارا گیا جس کو قتل کر دیا گیا یہ فیصلہ کرنا خدا کا کام ہے تم نے بد نیتی سے اس کو مارا تھا یا نیک نیتی سے مارا تھا جیسا کہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا کہ تم نے کیوں مار دیا انہوں نے بتایا کہ مارا تو ہے لیکن نیک نیتی سے مارا ہے کیونکہ خدا کا حکم تھا۔بعض دفعہ ایسی باتیں بھی ہو جاتی ہیں کہ کسی کے قتل کا کسی کی موت کا قانون فیصلہ کر دیتا ہے اور چونکہ

خدا قانون کا مرجع اور منبع ہے اس لئے جب خدا کسی کو حکم دیتا ہے تو وہ اور مسئلہ بن جاتا ہے لیکن جہاں تک مرنے والے کا تعلق ہے اور جہاں تک دیکھنے والے کا تعلق ہے، وہ قتل ہی کہلائے گا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہی اعتراض کیا کہ تم نے کسی کو ناحق کیوں مار دیا حالانکہ وہ خدا کے نبی تھے لیکن دیکھنے والے کے نقطہ نگاہ سے ان کا اعتراض درست تھا۔

پس جہاں تک معاشرے کا تعلق ہے جو شخص بھی اپنے مقام اور مرتبے سے ہٹ کر بات کرتا ہے اپنے دائرے سے نکل کر بات کرتا ہے ساری جماعت کو اس بات کا حق ہے اس پر فرض ہے کہ اس کو متوجہ کرے اور کہے کہ جہاں تک قرآنی تعلیم کا تعلق ہے ہمارے نزدیک تم مفسد ہو اور ہم تمہارا یہ دعویٰ قبول نہیں کریں گے کہ تم نے اصلاح کی خاطر یہ بات کی تھی۔ یہ دعویٰ تم جانو اور خدا جانے ہمیں اس سے غرض نہیں لیکن جو کام تم کر رہے ہو اس کے نتیجہ میں جماعت میں فتنہ وفساد پیدا ہوگا۔

سنی سنائی باتوں پر یقین کر لینے کے نقصانات

پھر انفرادی طور پر بعض لوگ فحشاء پھیلانے والے ہوتے ہیں جو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتے ہیں کہ فلاں بدکردار ہے فلاں بدکردار ہے اور ظلم کی بات یہ ہے کہ لوگ ان کی باتوں کو سن لیتے ہیں۔ سوائے ایک صورت کے اور کسی صورت میں یہ بات سننا جائز نہیں ہے۔ اس موقع پر سننے والے کا منہ بند کرنا ضروری ہے اور یہ کہنا ضروری ہے کہ قرآن کریم نے اس بات کی تمہیں اجازت نہیں دی۔ ہر آدمی اور قرآنی اصطلاح میں تم جھوٹے ہو کیونکہ تم غلط جگہ بات کر رہے ہو اور جو بات کر رہے ہو اس کے گواہ تمہارے پاس نہیں اگر گواہ ہیں تو پھر بھی ہمارے پاس بات نہ کرو۔ پھر بھی تمہیں چاہیے کہ نظام جماعت کے پاس جاؤ جو لوگ اس بات پر مقرر ہیں ان سے بات کرو۔ یہ بات سننا کسی کے لئے جائز ہی نہیں ہے کیونکہ اسی سے آگے فحشاء پھیلتی ہیں سوائے ایک صورت کے کہ وہ ایک مریض کے متعلق نظام جماعت کو مطلع کرنے کی خاطر اس کی بات سنتا ہے تاکہ نظام جماعت کو معلوم ہو جائے کہ ایک بیماری کا گڑھ ہے جو وائرس کا شکار ہے اور جگہ جگہ پھر رہا ہے اور اس وائرس کو پھیلا رہا ہے جس طرح بعض مریض ہیں بیماریاں پھیلاتے ہیں ان کے متعلق بروقت اطلاع کر دی جاتی ہے بعض کتے پھر رہے ہوتے ہیں باولے ان کے کاٹنے سے پاگل پن ہو جاتا ہے جن کو کاٹتے ہیں وہ پاگل ہو جاتے ہیں ان کے متعلق اطلاع کرنا تو فرض ہے اس لئے اگر کوئی اطلاع کی خاطر کسی بات کو غور سے سنے اور اچھی طرح ذہن نشین کر لے تا کہ اس کی طرف غلط بات منسوب نہ کرے پھر وہ بات

نظام جماعت تک پہنچائے ،تو یہ سننا ناجائز نہیں ہے۔لیکن شرط یہ ہے کہ بلاکم وکاست اس بات کو پھر نظام جماعت تک ضرور پہنچائے اس کے بغیر اس کو کوئی حق نہیں ہے۔پس جتنے فحشاء پھیلتے ہیں نظام جماعت سے جتنے اعتماد اٹھتے ہیں، جتنے فساد پیدا ہوتے ہیں ان کے نتیجہ میں آپ کی زندگی کا ہر اجتماعی شعبہ متاثر ہو جاتا ہے کسی اجتماعی شعبے کی حفاظت کی یقین دہانی نہیں کرائی جاسکتی گویا کہ اوپر سے نیچے تک آپ دشمن کے سامنے اپنے سینے ننگے کر کے کھڑے ہیں اس کے لئے قرآن کریم نے آپ کو جو ڈھال دی تھی اس کو آپ چھوڑ بیٹھے ہیں اور وہ ڈھال اسی آیت میں بیان فرمائی گئی ہے۔

جماعت احمدیہ کے ہر ممبر کا فرض ہے اس نے ابھی لمبے سفر طے کرنے ہیں اپنے معاشرے، اپنے نظام کی حفاظت کرنی ہے کیونکہ یہ جماعت ایک سو سال کے لئے تو نہیں ہے۔ابھی تو ہمیں اپنے اعلیٰ تر مقصد کو حاصل کرنے میں یعنی دین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تمام ادیان پر غالب کرنے میں بڑا وقت درکار ہے۔ اس وقت سے پہلے اگر آپ ان قدروں سے ہٹ جائیں گے، ان بنیادی اصولوں سے ہٹ جائیں گے جن کے ہٹنے کی قرآن کریم کسی قیمت پر اجازت نہیں دیتا، جن کے متعلق کھول کر بیان کر رہا ہے کہ ایک ذرہ بھی تم ان مناصب سے ہٹو گے تو اس کا نتیجہ لازماً موت ہے اور فساد ہے اور بے نظمی ہے، تمہارے پاس کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔اتنی واضح نصیحت کے باوجود اگر آپ بار باران باتوں کو نظر انداز کریں گے بار بار نصیحت کو سنیں گے اور پھر بھی اپنے اندر فحشاء کو پھیلنے دیں گے چسکوں کی خاطر یا عورتوں اور مردوں کے جھگڑوں کو اپنے کانوں کے چسکوں کی خاطر سنیں گے تو آپ قومی مجرم ہیں۔نیت بھلائی کی ہے یا نہیں یہ میں نہیں جانتا لیکن آپ قومی مجرم ضرور ہیں۔اس لئے ساری دنیا کے احمدیوں کو اس بات میں متنبہ ہو جانا چاہیے کہ جو اختیار ان کو دیا گیا ہے اس سے انہوں نے نہیں دوڑنا۔جو اختیار قرآن کریم نے بنی نوع انسان کو دیئے ہیں اس سے اگر وہ ہٹتے ہیں تو پھر آپ نہ ہٹیں اور ان کو یک طرفہ ٹکرانے والا سمجھ لیں لیکن آپ نے اپنے مقام کو چھوڑ کر ان کی طرف مائل نہیں ہونا اگر یہ ہوگا تو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پھر تفاوت نہیں ہوگا پھر اگر آپ سے کوئی یک طرفہ ٹکراتا ہے اپنے منصب کو چھوڑتا ہے اور جماعتی نظام پر حملہ کرتا ہے تو خدا نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ اس نے اس کے لئے شعلہ بردار مقرر فرمار کھے ہیں جو اسے جہنم تک پہنچا کے چھوڑیں گے اس کو ضرور ناکام اور نامراد کر کے دکھائیں گے۔اس لئے آپ کو کیا خطرہ ہے کہ آپ اٹھتے ہیں اور اس سے متصادم ہونے کے لئے اپنی راہیں چھوڑ دیتے ہیں، اپنے رستوں سے ہٹ جاتے ہیں۔

خلافت احمدیہ کی حفاظت کے لئے ہر قربانی کے لئے تیار رہیں

ان امور پر میں کئی دفعہ خطبات دے چکا ہوں لیکن پھر بار بار یہ باتیں سامنے آتی ہیں کیونکہ لوگ سمجھتے ہیں یہ معمولی باتیں ہیں کیا فرق پڑا اگر ہم نے چپکے سے فلاں کی بات سن لی، ساتھ ساتھ اپنی دانست میں خلیفہ وقت کی حفاظت بھی کر لی۔ کہہ دیا کہ ہاں ہاں کسی کی باتوں میں آ گیا ہوگا۔ خود تو اپنی ذات میں شریف آدمی لگتا ہے خود تو جھوٹا اور غیر منصف نظر نہیں آتا اس لئے ضرور باتوں میں آ گیا ہوگا۔ یعنی غیر منصف بھی قرار دے دیا اور ساتھ ہی بے وقوف بھی قرار دے دیا۔ اچھا دفاع کیا ہے خلیفہ وقت کا۔ یعنی پہلے تو صرف ظالم کہا تھا آپ نے کہا کہ ظالم صرف نہیں ہے، احمق بھی بڑا سخت ہے اس کو چغلیوں کی بھی عادت ہے یک طرفہ باتیں سنتا ہے اور فیصلے دیتا چلا جاتا ہے۔ حسن ظنی میں مَیں کہتا ہوں کہ آپ نے اپنی طرف سے دفاع کیا لیکن یہ کیا دفاع ہے اس پر تو غالب کا یہ مصرع آپ پر صادق آتا ہے کہ ؏

ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسمان کیوں ہو

اگر آپ نے خلافت کا ایسا ہی دفاع کرنا ہے آپ کے یہی عزم تھے جب آپ نے عہد کئے تھے کہ ہم قیامت تک اپنی نسلوں کو بھی یہ یاد دلاتے رہیں گے کہ تم نے خلافت احمدیہ کی حفاظت کرنی ہے اور اس کے لئے ہر چیز کی قربانی کے لئے تیار رہو گے اگر عہد سے آپ کی یہی مراد ہے تو یہ عہد مجھے نہیں چاہیے۔ خلافت احمدیہ کو یہ عہد نہیں چاہیے۔ کیونکہ اس قسم کی حفاظت نقصان پہنچانے والی ہے فائدہ پہنچانے والی نہیں ہے۔ لیکن یہ صرف ایک خلافت کا معاملہ نہیں ہے سارے نظام (دین حق) کا معاملہ ہے تمام (دینی) قدروں کا معاملہ ہے۔ ہم تو دور کے مسافر ہیں ایک صدی کا ہمارا سفر نہیں ہے سینکڑوں سال تک اور خدا کرے ہزاروں سال تک ہم (دین حق) کی امانت کو حفاظت کے ساتھ نسلاً بعد نسلٍ دوسروں تک منتقل کرتے چلے جائیں ان اہم مقاصد کے لئے آپ کو پوری طرح ہتھیار بند ہونا چاہیے آپ ان معاملوں میں کیوں بار بار شیطان کے حملوں کے لئے اپنے سینوں کو پیش کرتے ہیں جن میں قرآن کریم نے آپ کو کھول کھول کر بیان فرما دیا ہے کہ ان اصولوں سے ہٹو گے تو موت کے سوا تمہارا کوئی مقدر نہیں ہے۔''

(ضمیمہ ماہنامہ انصار اللہ دسمبر 1987ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ یکم جنوری 1988ء

☆ بچوں کی دینی تربیت کی خاطر اور اُن کو زندہ رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ان کو جمعہ کا عادی بنایا جائے۔

☆ جمعۃ المبارک کے دن کی برکات

☆ جماعت احمدیہ کو اس لئے قائم کیا گیا ہے کہ وہ اہل ایمان کی کھوئی ہوئی عظمتیں دوبارہ حاصل کر کے انہیں دے

☆ جمعہ سے غافل بچوں کا جماعتی لحاظ سے کوئی مستقبل نہیں

☆ جمعۃ المبارک کے لئے رخصت کی مہم سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چلائی

تشہد وتعوذ اور سورہ فاتحہ کے بعد حضور رحمہ اللہ نے مندرجہ ذیل آیات کی تلاوت فرمائی:-

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَ ذَرُوا الْبَيْعَ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ O فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِى الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا لَّعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ O وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوَا ا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَ تَرَكُوْكَ قَآئِمًا ؕ قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَ مِنَ التِّجَارَةِ ؕ وَاللّٰهُ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ O

(الجمعۃ: آیت 10 تا 12)

اور پھر فرمایا:-

جمعۃ المبارک غیر معمولی برکتوں اور رحمتوں کا حامل دن

آج نئے سال کا پہلا دن ہے اور چونکہ یہ پہلا دن جمعۃ المبارک کا دن ہے اس لئے نیا سال جمعۃ المبارک سے شروع ہو رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جمعہ میں غیر معمولی برکتیں رکھی ہیں اور اس مبارک دن کے لئے ہمیں سال بھر کا انتظار نہیں کروایا جاتا بلکہ ہر ہفتے جمعہ نئی برکتیں لے کر آتا ہے اور مومن کو اپنے کھوئے ہوئے مقامات کو دوبارہ حاصل کرنے میں مدد دیتا ہے اور نئی منازل کی طرف بڑھنے کی طرف اشارہ کرتا ہے اور بعض لوگوں کا تو ہاتھ پکڑ کر ان کو نئی منازل کی طرف آگے بڑھا بھی دیتا ہے۔ سو گویا جمعہ کا مبارک دن مومنوں کو صرف بڑھنے میں مدد نہیں کرتا، بڑھنے کی طرف توجہ ہی نہیں دلاتا بلکہ عملاً بہت سے مومن ایسے بھی ہیں جو جمعوں کی برکت سے کئی نئی مسافتیں طے کر لیتے ہیں۔ لیکن جمعہ کی یہ جو برکتیں عموماً لوگوں کی نظر سے مخفی رہتی ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس مضمون پر بار بار روشنی ڈالی ہے اور مسلمانوں کو توجہ دلائی ہے کہ جمعہ میں کتنی برکتیں ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن

جمعہ کی نماز سے عصر کے وقت تک ایسی مبارک ساعتیں آتی ہیں جن میں مومن کی ہر دعا قبول ہو جاتی ہے اور اس کے علاوہ جمعہ کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مثبت رنگ میں جو کچھ فرمایا ہے وہ بھی ایک طویل مضمون ہے لیکن خلاصہ کلام یہی ہے کہ مومنوں کے لئے جمعہ کا دن بہت ہی اہمیت رکھنے والا دن ہے اور غیر معمولی برکتوں اور رحمتوں کا موجب ہے۔

جماعت احمدیہ کے معیار کے لحاظ سے فکر انگیز بات

پس یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ نئے سال کا آغاز جمعہ کے دن سے ہو رہا ہے۔ اس میں ہمارے لئے دو خوشیاں اکٹھی ہو گئی ہیں۔ لیکن ان خوشیوں کے ساتھ ایک غم کا احساس اور فکر کا احساس بھی شامل ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے جماعت احمدیہ کے بھی تمام افراد نہ صرف یہ کہ جمعہ کی برکتوں سے پوری طرح واقف نہیں بلکہ بہت سے ایسے ہیں جو جمعہ کے فرض کی ادائیگی سے بھی غافل ہیں اور ایسے لوگ دنیا میں ہر جگہ موجود ہیں۔ پاکستان میں نسبتاً کم ہوں گے۔ بہت کم بھی کہہ لیں تب بھی جمعہ نہ پڑھنے والوں کی اتنی بڑی تعداد ضرور موجود ہے جو جماعت احمدیہ کے معیار کے لحاظ سے کسی طرح بھی قابل برداشت نہیں۔ غیر ممالک میں تو یہ نسبت بہت زیادہ خطرناک حد تک بڑھ جاتی ہے۔ جہاں ملک کے پھیلاؤ کی طرح جماعتوں کا پھیلاؤ بہت زیادہ وسعت اختیار کر گیا ہے، حالانکہ وہاں احمدیوں کی تعداد تھوڑی ہے۔ وہاں جمعہ پڑھنے کے لئے کئی قسم کے مسائل پیش آتے ہیں۔ جماعت کو اس سلسلہ میں جو جگہ میسر آتی ہے خواہ وہ (بیت الذکر) ہو یا کسی کے گھر کا کمرہ ہو، وہ عموماً لوگوں کے گھروں سے بہت دور ہوتی ہے کیونکہ پھیلاؤ کے ساتھ اگر تعداد نہ بڑھے تو پھر لوگوں کے درمیان بہت زیادہ فاصلے حائل ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ امریکہ میں مَیں نے خاص طور پر دیکھا ہے کہ وہاں بعض جگہیں ایسی ہیں جہاں جمعہ تو پڑھا جاتا ہے لیکن وہاں بعض لوگوں کو سو سو میل کا سفر کر کے آنا پڑتا ہے۔ ایک جگہ ایسی تھی جہاں ایک ڈاکٹر صاحب صرف اس وجہ سے جمعہ پڑھ سکتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ذاتی جہاز دیا ہوا تھا ورنہ ان کے لئے موٹر کے ذریعہ (بیت الذکر) تک پہنچنا ممکن ہی نہیں تھا۔

عیسائی ممالک میں جمعہ کی ادائیگی میں ایک خطرناک روک

میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جب ملک جغرافیائی طور پر وسیع ہو تو جماعت بھی ملک کے ساتھ ہی

پھیلے گی ، ہر طرف کہیں نہ کہیں جماعت کے کچھ افراد موجود ہوں گے۔لیکن اگر تعداد زیادہ نہ ہو تو پھر خلا بیچ میں بہت بڑھ جاتے ہیں اس لئے جمعہ پڑھنے کی راہ میں اب طبعی روک حائل ہو جاتی ہے۔لیکن اس روک کے علاوہ اس سے بھی زیادہ خطرناک روک یہ ہے کہ اکثر عیسائی ممالک میں بلکہ غالباً تمام عیسائی ممالک میں جمعہ کے روز کوئی رخصت نہیں ہوتی اور اس کے مقابل پر اتوار ہی کو نہیں بلکہ ہفتہ کو بھی رخصت دی جاتی ہے اس لئے اور مسلمانوں کو کوئی ایسی رخصت نہیں ملتی جس سے وہ سمجھیں کہ آج ہمارا مذہبی دن ہے اور اسے ہم نے خالصۃً مذہبی رنگ میں منانا ہے۔ جمعہ ایک عام دن کی طرح آتا بھی ہے اور گزر بھی جاتا ہے۔

چنانچہ مغربی ممالک میں بسنے والے بہت سے احمدی یا دوسرے (مومن) اس کی اہمیت سے بے خبر ہو جاتے ہیں اور بسا اوقات ان کو یہ بھی یاد نہیں ہوتا کہ آج جمعہ کا دن ہے۔ چنانچہ انگلستان ہی کا واقعہ ہے ایک جمعہ کے موقع پر جس دن رخصت بھی تھی جب جماعت کے صدر نے پتہ کیا کہ بہت سے لوگ جمعہ پڑھنے کے لئے کیوں نہیں آئے تو بہت سے احمدیوں نے ان کو جواب دیا کہ اوہو! یہ جمعہ کا دن تھا۔ ہمیں تو پتہ نہیں چلا یعنی روزمرہ کے کاموں میں جمعہ کے دن کو کوئی بھی اہمیت نہیں دی جاتی۔اس لئے جمعہ کا دن ایک عام دن کی طرح آتا اور گزرجاتا رہا۔ان کو قطعاً اس بات کا خیال ہی نہیں آیا کہ آج جمعہ کا دن ہے، رخصت بھی ہے اس لئے ہمیں (بیت الذکر) میں پہنچنا چاہیے۔ چنانچہ جب مَیں امریکہ گیا تو اس صورت حال نے مجھے خاص طور پر بہت پریشان کیا۔ کیونکہ وہاں بچوں کی تربیت اور جماعت کی عمومی تربیت کے سلسلہ میں میرے ذہن میں یہ بات آئی کہ جب تک ہم اپنی جماعت کو جمعہ کی اہمیت پوری طرح سمجھاتے نہیں اور نظام جمعہ کا پورا احترام نہیں کرتے اور اس دن باقاعدہ عبادت کے لئے اکٹھے نہیں ہوتے اس وقت تک ہماری تمام دیگر تربیتی کوششیں کامیاب نہیں ہوسکتیں کیونکہ خدا تعالیٰ نے خود مومن کی تربیت کے لئے جمعہ کا دن رکھا ہے۔ خدا تعالیٰ نے ہر مذہب کے لئے کوئی نہ کوئی اجتماعی دن ایسا ضرور رکھا ہوا ہے کہ جس میں اس مذہب کے ماننے والوں کی تربیت ہوتی تھی۔ وہ اکٹھے ہوتے تھے، ان کو نئی زندگی ملتی تھی، پرانے داغ دھونے کا موقع ملتا تھا اور اس ایک دن کی وجہ سے بہت سی دیگر برکتیں نصیب ہوتی تھیں۔

چنانچہ ہفتہ کا دن یہود کے لئے مقرر تھا اور اس کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی۔قرآن کریم نے ہفتہ کے دن کے عدم احترام کے نتیجہ میں یہود کا ملعون ہونا بیان فرمایا ہے۔ان پر لعنت پڑی ان کے دلوں پر مہر لگی اس کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ تھی کہ وہ ہفتہ کے دن کا احترام نہیں کرتے تھے۔عیسائیوں کے لئے اتوار کا دن ہے۔ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے اب تک عیسائیت کے زندہ رہنے کی بڑی وجہ اتوار کا دن ہے ہر

ہفتے اگر اتوار کا دن نہ منایا جائے تو عیسائیت کب کی مر چکی ہوتی ۔اتوار کے دن ساری قوم کو چھٹی ہوتی ہے بچے تیار ہوتے ہیں اچھے کپڑے پہنا کر مائیں ان کو ساتھ لے کر گرجا گھروں میں جاتی ہیں ۔ چنانچہ یہ Institution عیسائیت جب بعض دیگر عوامل کی وجہ سے طبعی موت مرنا شروع ہوئی یعنی ظاہری طور پر عیسائی رہتے ہوئے بھی بہت سے عیسائی عملاً عیسائی نہیں رہے تو اس کا ایک مظاہرہ اس طرح ہوا کہ چرچ خالی ہونے شروع ہو گئے ۔ بڑے بڑے وسیع چرچ جو کسی زمانہ میں پوری طرح آباد ہوا کرتے تھے وہ خالی ہو کر رہ گئے یہاں تک کہ بالآخران عیسائی تنظیموں کو جن کی ملکیت میں وہ چرچ تھے وہ چرچ بیچنے پڑے تھے یہ رجحان صدیوں میں جا کر مکمل ہوا کرتا ہے ۔

مسلمانوں میں جمعہ کا رجحان

مسلمانوں میں ایک زمانے میں مساجد غیر معمولی طور پر آباد ہوا کرتی تھیں جن شہروں میں آج اس زمانے کی مسجدیں نظر آتی ہیں ان میں مسلمان نسبتاً کم تھے آبادیاں تھوڑی تھیں لیکن اس کے باوجود اس وقت مسجدیں بہت وسیع بنائی گئیں ۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ جمعہ کے دن کو بڑی سنجیدگی سے لیا کرتے تھے وہ جوق در جوق اکٹھے ہوا کرتے تھے اور اس دن کے تقاضے پورے کیا کرتے تھے ۔ ورنہ اتنی بڑی بڑی اور وسیع مسجدوں کا ان شہروں میں موجود ہونا کوئی مصلحت نہیں رکھتا یا کوئی حکمت نہیں رکھتا ۔ چنانچہ لاہور کی بادشاہی مسجد کو آپ دیکھیں تو حیرت ہوتی ہے کہ کتنی وسیع مسجد ہے اور وہ سال میں کبھی عید کے دن بھرتی ہے ۔ عام جمعوں میں اس کا اکثر حصہ خالی رہتا ہے ۔ وجہ یہ ہے کہ اس زمانہ میں جمعہ کا احترام بہت زیادہ تھا اور لوگ بڑی کثرت سے جمعہ پڑھا کرتے تھے شاذ ہی کوئی ہوگا جو جمعہ کے دن کسی معذوری کی وجہ سے مسجد تک نہ پہنچتا ہو ۔ ورنہ ہر آدمی جس کو توفیق تھی وہ جمعہ پڑھا کرتا تھا ۔ اور اب ایک بڑی تعداد ایسی ہے جو پاکستان جیسے ملک میں بھی (جو اسلامی ملک کہلاتا ہے جہاں اسلام پر غیر معمولی زور دیا جاتا ہے وہاں بھی) ایک بڑی تعداد ہے جو جمعہ کے دن کلیتہً جمعہ کی نماز سے غافل رہتی ہے ۔ مسجد تک جانا عموماً غرباء کا کام سمجھا جاتا ہے ۔ غرباء میں سے بھی سب جمعہ نہیں پڑھتے ۔غرباء کا ایک طبقہ ہے جو جمعہ پڑھنے کے لئے مسجد پہنچتا ہے ۔ ورنہ باقی غرباء اپنے دوسرے کاموں میں مصروف رہتے ہیں ۔

چنانچہ آپ جائزہ لے کر دیکھیں تو آپ حیران ہوں گے کہ بعض دفعہ جمعہ کے دن لوگ سنیما دیکھنے چلے جاتے ہیں ۔ سنیما کا ایک پروگرام ہے جسے مٹینی شو کہتے ہیں ۔ یہ پروگرام کم و بیش جمعہ کی نماز کے وقت

ہی رکھا جاتا ہے۔ اس دن آپ مسجدوں کے پاس سے گزریں تو مسجدوں کے باہر یا مسجدوں کی طرف بڑھتے ہوئے بہت کم مسلمان دکھائی دیں گے جب کہ مٹینی شو میں جاتے ہوئے اس سے کہیں زیادہ کثرت کے ساتھ ہجوم دکھائی دیں گے۔ مجھے یاد ہے کراچی میں وکٹوریہ روڈ کی جو (بیت الذکر) تھی وہاں سے ایک دفعہ جب ہم جمعہ پڑھ کر واپس جا رہے تھے تو وہاں پر سڑک بلاک ہوئی ہوئی تھی۔ میں نے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے اتنا ہجوم کس بات کا ہے تو پتہ لگا کہ کوئی فرلانگ بھر لمبا Queue لگا ہوا تھا۔ اس دن کوئی فلم دکھائی جانی تھی جس کا مٹینی شو تھا۔ مٹینی کا پتہ نہیں کیا مطلب ہے مگر وہ بعد دوپہر جمعہ کی نماز کے وقت کے لگ بھگ دکھایا جاتا ہے۔ اس وقت سینما کے سامنے تو بہت رش تھا لیکن مسجدوں کے سامنے کوئی رش نہیں تھا، ویسے بھی میں نے ایک دفعہ مساجد کی Capacity کا جائزہ لیا تو مجھے یہ دیکھ کر بڑا تعجب ہوا کہ مسجدوں میں کل رقبہ جو مہیا ہے وہ ایک شہر میں جتنے افراد جمعہ پڑھنے کے اہل ہوتے ہیں ان سے کہیں کم ہوتا ہے۔ اگر وہ سارے مسلمان جو کسی شہر میں بستے ہیں جمعہ پڑھنے کے لئے مسجدوں میں داخل ہونے کی کوشش کریں تو تقریباً دو تہائی یا کم سے کم نصف ایسے ہوں گے جن کو مسجدوں میں جگہ مل ہی نہیں سکتی، خواہ کتنا ہی سمٹ کر کیوں نہ بیٹھیں مسجدوں کا اتنا رقبہ ہی نہیں ہے کہ وہ سارے شہر کو اپنے اندر سمیٹ سکیں۔ پھر بعض جگہ خواتین جمعہ پڑھنے جاتی ہیں۔ احمدیوں میں تو خاص طور پر خواتین میں یہ رواج ہے، ایسی صورت میں ان کے لئے تو بالکل جگہ ملنے کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ پس یہ رجحان بہت ہی قابلِ فکر رجحان ہے۔ اسلام میں جمعہ کو بہت اہمیت حاصل ہے۔

جمعہ پڑھنے کا قرآنی حکم اور ایک خطرناک فتنے کی طرف اشارہ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاں اس کے مثبت پہلو بیان فرمائے ہیں وہاں جمعہ نہ پڑھنے کے نتیجہ میں جو منفی پہلو بیان فرماتے ہیں وہ بہت ہی دل ہلا دینے والے ہیں۔ ان میں سے چند ایک کا ذکر میں ابھی کروں گا لیکن اس سلسلہ میں پہلے میں آپ کو قرآن کریم کی ان آیات کا مطلب بتاتا ہوں جو میں نے ابھی آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ

کہ اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو جب بھی نماز کے لئے بلایا جائے جمعہ کے دن فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ تو دوڑتے ہوئے خدا کے ذکر کے لئے چلے آیا کرو، وَذَرُوا الْبَيْعَ، اور تجارت کو چھوڑ دیا کرو

ذٰلِکُمْ خَیْرٌ لَّکُمْ یہ تمہارے لئے بہت بہتر ہے، اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کاش کہ تم جانتے اور تمہیں اس بات کی خبر ہوتی کہ اس میں کتنی برکت ہے۔ فَاِذَا قُضِیَتِ الصَّلٰوۃُ فَانْتَشِرُوْا فِی الْاَرْضِ ہاں جب نماز ختم ہوجائے یا نماز سے فارغ ہوجاؤ پھر بے شک زمین میں پھیل جایا کرو، وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰہِ اور اللہ تعالیٰ کا فضل چاہو ، وَاذْکُرُوا اللّٰہَ کَثِیْراً لَّعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ اور اپنے کاموں میں مصروف ہونے کے ساتھ ساتھ ذکر الٰہی بھی کثرت سے کرتے رہو تا کہ تم نجات پاؤ اور کامیابی حاصل کرو۔ یعنی مومنوں کو جمعہ کے دن کام سے نہیں روکا خصوصاً نماز جمعہ کی ادائیگی کے بعد۔ لیکن ذکر الٰہی کی طرف توجہ دلا کر فرمایا کہ جمعہ عبادت کا دن ہے اور یہ دن صرف نماز جمعہ کے ساتھ تعلق نہیں رکھتا بلکہ یہ سارا دن ہی عبادت کا دن ہے اس لئے جب تم کاموں میں مصروف ہوا کرو تو اس وقت بھی کثرت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرو۔

پھر فرمایا وَ اِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَاًانْفَضُّوْا اِلَیْھَا وَ تَرَکُوْکَ قَآئِماً ۔عربی گرائمر کے لحاظ سے اس آیت کے دو ترجمے ممکن ہیں۔ جب ماضی کا صیغہ ہو اس سے پہلے اِذَا لگایا جائے تو وہ ماضی کو مستقبل میں بدل دیتا ہے۔ یعنی عربی زبان کے محاورہ کے لحاظ سے مضارع میں تبدیل کر دیتا ہے۔ اور مضارع میں حال کے معنے بھی پائے جاتے ہیں اور استقبال کے بھی پس اس لحاظ سے اس آیت کا یہ ترجمہ بھی ہوسکتا ہے کہ وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَۃً اَوْ لَھْوَا اِنْفَضُّوْا اِلَیْھَا کہ یہ لوگ جب کوئی تجارت دیکھتے ہیں یا کھیل تماشا دیکھتے ہیں تو اس کی طرف مائل ہوجاتے ہیں اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں۔ وَ تَرَکُوْکَ قَآئِمًا اور اے محمد! (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تجھے خدا کی عبادت میں مصروف اکیلا چھوڑ دیتے ہیں۔ قُلْ مَا عِنْدَاللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ تو کہہ دے کہ جو خدا کے پاس ہے وہ لھو یعنی کھیلوں، مشاغل اور دلچسپیوں سے بھی بہتر ہے اور تجارت سے بھی بہتر ہے ، واللّٰہُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ اور اللہ بہت بہتر رزق دینے والا ہے۔

اس آیت کے پہلے حصہ کا مستقبل کے لحاظ سے دوسرا ترجمہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ جب کوئی تجارت دیکھیں گے یا کوئی دلچسپی کا مشغلہ دیکھیں گے تو اس کی طرف مائل ہوجائیں گے اور تجھے چھوڑ دیں گے ایسے حال میں کہ تو اکیلا کھڑا رہ جائے گا قُلْ مَا عِنْدَاللّٰہِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّھْوِ وَمِنَ التِّجَارَۃِ

تو کہہ دے کہ جو اللہ کے پاس ہے وہ بہت بہتر ہے لَھْو سے بھی اور تجارت سے بھی۔ اس آیت کا عموماً پہلا ترجمہ کیا جاتا ہے یعنی جمعہ کے دن لَھْو یا تجارت کو دیکھتے ہیں تو تجھے چھوڑ کر اس کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فدائیت کے نظارے

میں نے سالہا سال پہلے لاہور میں جمعہ کے وقت اس مضمون کی طرف توجہ دلائی تھی اور بتایا تھا کہ میرا دل اس بات کو تسلیم نہیں کرتا نہ تاریخ اسلام اس بات پر گواہی دیتی ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہؓ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تربیت یافتہ مسلمان عادۃً نعوذ باللّٰہ مِنْ ذٰلِک آپؐ کو جمعہ کے دن اکیلا چھوڑ کر کھیل تماشے کی طرف دوڑ جاتے ہوں۔ احادیث میں جو روایات ملتی ہیں ان سے تو صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اشارہ پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک دعوت پر لوگ ہر دوسرے کام کو چھوڑ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف جوق در جوق دوڑے آیا کرتے تھے یہاں تک کہ نہایت ہی خطرناک وقتوں میں بھی انہوں نے اپنی اس اطاعت کی روح کو زندہ رکھا اور اپنے جسموں کے مرنے کی کوئی پرواہ نہیں کی۔ چنانچہ جنگ حنین کے وقت ہم یہ نظارہ دیکھتے ہیں کہ ایک موقع پر جب کہ لشکر اسلام کے پاؤں اکھڑ گئے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد سوائے چند گنتی کے صحابہ رضی اللہ عنھم کے اور کوئی میدان میں کھڑا نہ رہ سکا اس وقت مختلف صحابہ رضی اللہ عنھم نے آوازیں دے کر مسلمانوں کو بلانا شروع کیا لیکن وقت ایسا تھا ایسا زور کا ریلا پڑا تھا کہ اکھڑے ہوئے پاؤں جمتے نہیں تھے اور دوڑتے ہوئے سپاہی واپس نہیں آسکتے تھے اس وقت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھ کھڑے ہوئے غلاموں کو تاکید فرمائی کہ یہ اعلان کرتے چلے جاؤ کہ خدا کا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہیں اپنی طرف بلاتا ہے۔ صحابہ رضی اللہ عنھم بیان کرتے ہیں کہ جب ہمارے کانوں میں یہ آواز پڑی تو کوئی اور ہوش نہیں رہا سوائے اس کے کہ ہر قیمت پر ہم نے واپس جانا ہے۔ چنانچہ بعض صحابہؓ روایت کرتے ہیں کہ ہماری وہ سواریاں جو اتنی منہ زور ہو چکی تھیں ایسی بھگدڑ پڑی ہوئی تھی کہ سواریوں کو بھی ہوش نہیں رہی تھی۔ ہم نے اپنی تلواریں نکال کر ان کی گردنیں کاٹ دیں اور پھر پیدل حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دوڑے پڑے جس جماعت کی قربانی کا یہ نظارہ ہو اور اطاعت کا یہ جذبہ ہو اس کے متعلق یہ تصور کر لینا کہ جمعہ کے دن کھیل تماشے کی خاطر یا تجارت کی خاطر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اکیلا چھوڑ کر دوڑ جاتے ہوں یہ بات میری بات سمجھ میں آنے والی نہیں ہے، میرے دل میں یہ بات جچتی نہیں۔ قرآن کریم کی ایک اور آیت بھی اس ترجمے کی تصدیق کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَقَالَ الرَّسُوْلُ یَا رَبِّ اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْراً (الفرقان آیت:31) کہ رسول

نے اپنے رب سے عرض کیا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کی طرح چھوڑ دیا ہے۔پس جو قرآن کو چھوڑے گا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی چھوڑے گا اور قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ یہ خبر واضح طور پر مستقبل کی خبر تھی۔قرآن کو چھوڑنا اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑنا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔

پس سورۃ جمعہ کی اس آیت کا بھی مستقبل سے تعلق ہے اور اس میں ایک نہایت ہی خطرناک فتنے کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔فرمایا گیا ہے کہ ایسے دن آنے والے ہیں جب کہ مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ دیں گے اور تجارتوں کی طرف ایسے مائل ہو جائیں گے کہ جمعہ کے دن بھی ان کو جمعہ کی آواز پر لبیک کہنے کی توفیق نہیں ملے گی یہاں کلام کا ایک بڑا ہی لطیف رنگ ہے۔یہ نہیں فرمایا کہ جب خدا کا رسول انہیں جمعہ کی نماز کی طرف بلاتا ہے کیونکہ خدا کا رسول تو جس طرف بھی بلاتا تھا مسلمان دوڑے چلے آتے تھے۔یہاں لفظ نُوْدِیَ رکھ دیا گیا جس کا مطلب ہے جب بھی بلایا جاتا ہے یعنی مؤذن کوئی بھی ہو اس سے بحث نہیں جب بھی تمہیں بلایا جائے تمہارے کانوں میں یہ آواز پڑے کہ جمعہ کا دن آگیا ہے اور جمعہ کے دن تمہیں نماز کے لئے اکٹھا ہونا چاہیے۔قطع نظر اس کے کہ بلانے والا کون ہے تمہیں خدا کے ذکر کے لئے اکٹھے ہو جانا چاہیے۔چنانچہ یہ ندا سارے زمانوں پر حاوی ہو جاتی ہے۔قطع نظر اس کے کہ کون بلا رہا ہے کون جمعہ پڑھا رہا ہے کس کی امامت میں آج نماز ہوگی چونکہ جمعہ کا دن خدا کی یاد کا دن ہے خدا کی خاطر اکٹھے ہونا ہے اس لئے آواز دینے والے کا کوئی ذکر نہیں فرمایا۔جب بھی تمہیں جمعہ کی نماز کے لئے آواز دی جائے تمہیں اس پر لبیک کہنا چاہیے۔

لاہور کے ایک دورہ کا ذکر

چنانچہ مجھے یاد ہے میں نے اس وقت لاہور میں اس پہلو سے بھی جماعت کو توجہ دلائی۔میں نے ان کو کہا کہ آپ یہ نہ دیکھا کریں کہ جمعہ کے دن نماز پڑھانے کے لئے کون آرہا ہے یہ دیکھا کریں کہ جمعہ کی نماز پڑھنے اور اس کی برکتیں حاصل کرنے کے لئے جانا ہے۔میں غالباً خدام الاحمدیہ کے صدر کی حیثیت سے وہاں گیا تھا یا کسی اور حیثیت سے مجھے یاد نہیں رہا لیکن اس روز جمعہ میں حاضری عام حاضری کی نسبت زیادہ تھی۔چنانچہ مجھے یہ بتایا گیا تھا کہ آج اتنی حاضری ہے۔تو اس کے نتیجہ میں میں نے جو تجزیہ کیا وہ یہ تھا کہ اس غیر معمولی حاضری کی وجہ یا تو یہ ہے کہ ایسے علاقے کے دوست تشریف لائے ہوں گے جو دوسری (بیوت

الذکر) میں جمعہ پڑھا کرتے تھے وہ اس وجہ سے آ گئے ہوں کہ کسی خاص مقصد کے لئے یا کسی خاص نصیحت کی خاطر اکٹھا کیا جا رہا ہے اس لئے ہم اس (بیت الذکر) میں چلے جاتے ہیں اس پر تو کوئی اعتراض نہیں ہے، یہ تو ایک بالکل جائز فعل ہے۔ لیکن اس روز مجھے یہ بھی خطرہ محسوس ہوا کہ جمعہ پڑھنے والوں میں ایسے لوگ بھی تھے خصوصاً احمدی نوجوان جو عام دنوں میں اسی (بیت الذکر) میں جمعہ پڑھتے ہیں یا جن کو اس (بیت الذکر) میں جمعہ پڑھنا چاہیے وہ عام دنوں میں اس (بیت الذکر) میں نہیں آتے مگر جب کوئی صدر خدام الاحمدیہ آ جائے یا کوئی اور مرکزی عہدیدار یا ناظر آ جائے یا حضرت خلیفۃ المسیح اس زمانے میں جب لاہور تشریف لاتے تھے۔ ان کے آنے پر جمعہ کے لئے حاضر ہو جاتے ہیں۔ یہ قرآن کریم کی اس آیت کی روح کے بالکل منافی ہے۔ کیونکہ یہاں یہ نہیں فرمایا گیا کہ جب فلاں آدمی تمہیں آواز دے تو اکٹھے ہو جایا کرو۔ بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ جمعہ کا دن اہمیت رکھتا ہے اس لئے جمعہ کے دن خواہ کسی کی طرف سے بھی تمہارے کان میں آواز پڑے کہ نماز کا وقت آ گیا ہے تو تمہیں نماز کے لئے اکٹھے ہو جانا چاہیے۔

جمعہ کے لئے توحید کامل کی خاطر اللہ کے نام پر اکٹھے ہونے کی ہدایت

جمعہ کی اذان کا توحید سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ اذان دینے والے کو نظر انداز فرما دیا گیا ہے۔ اور توحید کامل کی خاطر محض خدا کے نام پر اکٹھے ہونے کی ہدایت فرمائی گئی ہے۔ اس لئے یہ کہنا کہ اس (بیت الذکر) میں (مثلاً (بیت الذکر) فضل لندن میں) مثلاً کسی وقت خلیفۃ المسیح موجود ہوتے ہیں اور کسی وقت نہیں اور اس کی وجہ سے اگر جمعہ کی حاضری میں فرق پڑ جاتا ہے تو یہ بات بالکل نا قابل قبول ہے اور یہ تصور بھی نہایت خطرناک ہے ایسے لوگ جو یہاں عام حالات میں جمعہ پڑھنے آ سکتے ہوں جب تک خلیفۃ المسیح یہاں جمعہ پڑھاتا ہے وہ آتے رہیں اور جب وہ چلا جائے تو اس (بیت الذکر) کی رونق میں اس لئے فرق پڑ جائے کہ کوئی اور جمعہ پڑھانے آ گیا ہے تو یہ صحیح نہیں سوائے اس کے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ باہر کے علاقوں سے بعض لوگ اس لئے جمعہ کے دن یہاں آتے ہیں کہ اگرچہ وہ دوسری (بیوت الذکر) میں بھی جا سکتے تھے یا جایا کرتے تھے لیکن اس خیال سے کہ وہ خود براہ راست خلیفۂ وقت کی بات سنیں، وہ یہاں چلے آئیں ایسے لوگوں پر کوئی اعتراض نہیں ان کا یہ فعل جائز ہے۔ لیکن وہ لوگ جو خلیفۂ وقت کی موجودگی میں جمعہ پر آ جاتے ہیں اور ویسے جمعہ پڑھتے ہی نہیں، ان کی حالت بڑی خطرناک ہے۔ اس مضمون کے پیش نظر میں نے امریکہ میں یہ تحریک کی اور بڑے زور کے ساتھ تحریک کی کہ جمعہ کے احترام کو قائم کرنا جمعہ کی عبادت کے

نظام کو از سرِ نو مستحکم کرنا اور ہر احمدی کو اس بات کا عادی بنا دینا کہ وہ جمعہ کی نماز پڑھے، یہ اس دور کی اور اس سال کی خصوصی مہم بن جانی چاہیے۔

بچوں کی تعلیم و تربیت کے نقطۂ نظر سے جمعۃ المبارک کی اہمیت

امریکہ کے حالات کے مطابق میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہاں کے احمدی دوست ایسا نہیں کریں گے تو ان کی اولادوں کی حفاظت کی کوئی ذمہ دار نہیں لی جاسکتی۔ یہاں برطانیہ کے متعلق بھی میں جانتا ہوں کہ اور یورپ میں بھی جو احمدی بستے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو ان کی اولادوں کے ایمان اور اعمال صالحہ کی کوئی ضمانت نہیں ہوسکتی۔ امر واقعہ یہ ہے کہ میں سوچ رہا تھا کہ مجھ سے اس بارہ میں کوتاہی ہوئی اور دیر ہوگئی ہے مجھے بہت پہلے اس مضمون کی طرف توجہ دلانی چاہیے تھی۔ لیکن جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے بعض دفعہ تربیت کے مسائل پر غور کرتے کرتے ایک خیال بڑی قوت کے ساتھ دل میں ابھرآتا ہے اور بعض دفعہ اس کی طرف خیال بھی نہیں جاتا۔ اس لئے بہر حال غلطی تو ہے لیکن اب جب کہ میرے دل میں یہ خیال قائم ہوا ہے اور آج جب کہ نیا سال جمعہ کے دن سے شروع ہو رہا ہے اس لئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس کے متعلق پورے زور کے ساتھ نصیحت کروں اور جماعت کو اس کی اہمیت کی طرف توجہ دلاؤں کہ جماعت نے اگر اپنے بچوں کی حفاظت کرنی ہے ان کو دین دار بنانا ہے اور ان کو (مومن) رکھنا ہے تو ان پر جمعہ کی اہمیت واضح کئے بغیر ان کو جمعہ کی نماز کا عادی بنائے بغیر وہ ایسا نہیں کرسکیں گے یہ کیسا دردناک منظر ہوتا ہے کہ عیسائی بچے تو ایک دن تیار ہو رہے ہوتے ہیں چرچوں میں جانے کے لئے عبادت کرنے کے لئے اور (مومن) بچوں کو پتہ ہی کچھ نہیں ہوتا ان کی مائیں ان کو سکول کے لئے تیار کر رہی ہوتی ہیں اور ماؤں کو پتہ ہی نہیں کہ ہمارے ہاں عبادت کا بھی کوئی خاص دن مقرر ہے۔ ایسی نسل جب بڑی ہوگی اس کے متعلق یہ توقع رکھنا کہ وہ اسلام پر کاربند ہوگی یا ان کے اندر دین کی اہمیت باقی رہے گی یہ ایک دیوانے کا خواب ہے، اس سے زیادہ اس میں کوئی حقیقت نہیں۔

یاد رکھیں بچوں پر جمعہ کی نماز کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ جمعہ کا یہ نظام کچھ ایسا ہے کہ جمعہ سے پہلے کا حصہ اس میں بہت اہم کردار ادا کرتا ہے۔ چنانچہ وہ لوگ جو مسلمان ملکوں میں جوان ہوتے ہیں یعنی وہیں بچپن گزار کر بڑے ہوتے ہیں ان کو ہمیشہ یہ بات یاد رہتی ہے کہ جمعہ کے دن خاص طور پر ان کو نہلایا دھلایا جاتا تھا۔ نئے کپڑے پہنائے جاتے تھے۔ اگر وہ بھاگتے دوڑتے تھے یا کھیلتے تھے تو ان کو پکڑ کر لایا جاتا تھا۔

بعض گھروں میں تو باقاعدہ نہانے والی نائنیں آیا کرتی تھیں وہ اپنے خاص طریق پر پانی گرم کرتیں اور بچوں کو غسل دیتیں۔ جمعہ کی نماز سے پہلے کی یہ تیاری دل پر ایک گہرا اثر چھوڑتی تھی اور ایسے نقش جمادیتی تھی جو پھر کبھی مٹ نہیں سکتے۔ پھر بڑے اہتمام کے ساتھ جمعہ پر جانا اور جمعہ میں بیٹھ کر نصائح سننا، جمعہ کے آداب سے واقف ہونا اور ایسے مسائل جو روزمرہ کی زندگی میں انسان کے سامنے نہیں آتے جمعہ کے خطبہ کے ذریعہ انسان تک پہنچ سکتے ہیں۔ بچے خود ان کو سنتے ہیں۔ چنانچہ میں نے جب اپنی حالت پر غور کیا تو مجھے بھی یہ محسوس ہوا کہ بچپن کے زمانہ میں سب سے زیادہ تعلیم و تربیت میں اگر کوئی چیز ممد تھی تو وہ جمعۃ المبارک تھا۔

حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) کے خطبات آپ کے قریب بیٹھ کر سننے کا موقع ملتا تھا۔ تمام دنیا کے مسائل کا آپ کے خطبات میں مختلف رنگ میں ذکر آتا چلا جاتا تھا۔ دین کا بھی ذکر ہوتا اور دنیا کا بھی۔ پھر ان کے باہمی تعلقات کا ذکر ہوتا تھا۔ سیاست جہاں مذہب سے ملتی ہے اور جہاں مذہب سے الگ ہوتی ہے غرضیکہ ان سب مسائل کا ذکر ہوتا تھا۔ چنانچہ قادیان میں یہی جمعہ تھا جس کے نتیجہ میں ہر کس و ناکس، ہر بڑے چھوٹے اور ہر تعلیم یافتہ و غیر تعلیم یافتہ کی ایک ایسی تربیت ہو رہی تھی جو بنیادی طور پر سب میں قدر مشترک تھی یعنی پڑھا لکھا یا ان پڑھ، امیر یا غریب اس لحاظ سے کوئی فرق نہیں رکھتا تھا کہ بنیادی طور پر احمدیت کی تعلیم اور احمدیت کی تربیت کے علاوہ دنیا کا شعور کبھی حاصل ہو جایا کرتا تھا۔ چنانچہ بہت سے احمدی طلبہ جب مقابلے کے مختلف امتحانات میں اپنی تعداد کی نسبت سے زیادہ کامیابی حاصل کرتے تھے تو بہت سے افسر ہمیشہ تعجب سے اس بات کا اظہار کیا کرتے تھے کہ احمدی طلبہ میں کیا بات ہے کہ ان کا دماغ زیادہ روشن نظر آتا ہے، ان کو عام دنیا کا زیادہ علم ہے، ان کے اندر مختلف علوم کے درمیان ربط قائم کرنے کی زیادہ صلاحیت ہے۔

اس مسئلہ کو ایک دفعہ مولوی ظفر علی خان صاحب نے بھی چھیڑا۔ انہوں نے ایک موقع پر کہا کہ تم مرزا محمود کا کیا مقابلہ کرتے ہو۔ مرزا محمود نے اپنے احمدیوں کی جس طرح تربیت کی ہے جس طرح ان کو تعلیم دیتا ہے تم اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ احمدیوں کا یہ حال ہے اگر کوئی سیاست دان یہ سمجھتا ہو کہ اسے بڑی سیاست آتی ہے اس نے اگر سیاست بھی سیکھی ہو تو وہ قادیان سے بٹالہ تک کسی قادیان والے کے یکے میں بیٹھ کر سفر کرے تب اس کو سمجھ آئے گی کہ سیاست ہوتی کیا ہے۔ قادیان کا یکہ بان بھی سیاست دانوں کو سیاست کے گر سمجھا سکتا ہے۔ اس نے حضرت مصلح موعود (نور اللہ مرقدہ) کو یہ خراج تحسین دیا حالانکہ وہ احمدیت کا شدید دشمن تھا۔

واقعہ یہ ہے کہ یہ خراج تحسین دراصل جمعہ کی Institution کو تھا۔ جمعہ کے ذریعہ یہ ساری تربیت ہوتی تھی ہر جمعہ پر شوق سے بڑی دور دور سے لوگ اکٹھے ہوکر آیا کرتے تھے، (بیت الذکر) بھر جاتی تھی۔ گنجائش سے زیادہ لوگ جو (بیت الذکر) میں سا نہیں سکتے تھے گلیوں میں بیٹھ جایا کرتے تھے۔ ہمارے گھر میں بھی صبح سے شام تک بچوں اور عورتوں کا اجتماع رہتا تھا۔ (بیت الذکر) کے ایک حصہ میں عورتوں کے بیٹھنے کی جگہ تھی اس کے ساتھ ہمارا گھر ملا ہوا تھا۔ ساتھ کا کوٹھا بھر جاتا تھا صحن بھر جاتا تھا اس سے پرلے صحن تک عورتیں پہنچ جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ سارا دن ہمارے گھروں میں کثرت کے ساتھ دوسرے لوگوں کا ہجوم رہتا تھا۔ اس سے بچپن میں تکلیف بھی پہنچتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے بعد میں عقل دی تو معلوم ہوا کہ یہ تو بڑی نعمت تھی جو ہمیں حاصل رہی۔ اس سے زیادہ مبارک اور کیا تکلیف ہوسکتی ہے کہ خدا کے ذکر کی خاطر لوگ گھروں میں اکٹھے ہوں۔ چنانچہ اس کی وجہ سے جماعت کی عام تربیت ایسی ہوئی ہے اور احمدی طلبہ کی ایسی تربیت ہوئی ہے کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ دنیا کے ہر میدان میں وہ ترقی پانے کے زیادہ اہل ہو گئے یہاں تک کہ دشمن حسد کے مارے یہ کہنے لگ گیا کہ احمدیوں میں چالاکی یا کوئی ہوشیاری ہے یا طاقت ہے کہ اپنی تعداد کی نسبت سے زیادہ نوکریاں حاصل کر جاتے ہیں، زیادہ برکتیں حاصل کر جاتے ہیں، دنیا کے مفادات زیادہ حاصل کر جاتے ہیں۔ حالانکہ ان کو یہ نہیں پتہ تھا کہ یہ جمعے کی برکتیں ہیں اور ایسے جمعے کی برکتیں ہیں جہاں خدا تعالیٰ کی طرف سے جاری کردہ امامت کا نظام جاری ہو چکا ہے، جہاں خلافت کا منصب قائم ہے۔ ایسے جمعہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ غیر معمولی برکتیں پڑتی ہیں۔

جمعہ کے نظام سے غفلت ہلاکت کا موجب ہے

قرآن کریم کی جو آیات میں نے آپ کے سامنے پڑھ کر سنائی ہیں ان کی روشنی میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں پر کسی زمانے میں یہ ابتلاء آنا تھا کہ وہ جمعہ کے نظام سے غافل ہو جائیں گے اور یہ غفلت ایک بہت بڑی ہلاکت ہے کوئی معمولی ہلاکت نہیں ہے۔ جماعت احمدیہ کو اس لئے قائم فرمایا گیا ہے تاکہ وہ (مومنوں) کو ان کی کھوئی ہوئی عظمتیں دوبارہ حاصل کر کے دے ان کو اس پہلے مقام تک پہنچائے جہاں سے وہ گر چکے ہیں۔ لیکن جمعہ کے معاملہ میں میں نہیں سمجھتا کہ ہم اس بات کے اہل ہیں کیونکہ ہم نے خود بھی وہ مقام ابھی کما حقہ حاصل نہیں کیا، اگر حاصل کیا تھا تو اس کا کچھ حصہ کھو بیٹھے ہیں۔ مغربی ممالک میں تو اس لحاظ سے جماعت احمدیہ کی نہایت ہی دردناک حالت ہے۔ اکثر احمدی بچے جمعہ پڑھنے نہیں آتے، اکثر

عورتیں جمعہ پڑھنے نہیں آتیں۔عورتوں پر جمعہ پڑھنا فرض نہیں ہے اور آپ کہہ سکتے ہیں بچوں پر بھی فرض نہیں ہے مگر ان کی دینی تربیت کی خاطر اور ان کو زندہ رکھنے کے لئے یہ ایک انتہائی ضروری چیز ہے۔اگر آپ ان کو بچپن میں اس سے محروم کر دیں گے تو جب ان پر جمعہ فرض ہوگا اس وقت بھی وہ محروم رہیں گے۔چنانچہ یہاں انگلستان میں اور دوسرے یورپین ممالک میں جو بڑی نسلیں جمعہ کی عادی نہیں رہیں۔اس میں ان کے ماں باپ کا قصور ہے کہ انہوں نے بچپن میں ان کو عادی نہیں بنایا۔آپ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ہمارے بچوں کو سکول جانا ہوتا ہے اس کے جواب میں یہ کہوں گا کہ آپ کے لئے دو Choices یا اختیارات ہیں ان میں جس کو چاہیں چن لیں۔یا تو سکول کو اہمیت دیں یعنی دنیا کی تعلیم کو اہمیت دیں اور ان کی روحانی زندگی سے ہاتھ دھو بیٹھنے کا فیصلہ کر لیں یا پھر دین کو اہمیت دیں۔کیونکہ جمعہ کی نماز سے غافل بچوں کا جماعتی لحاظ سے کوئی مستقبل نہیں ہے سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ خاص فضل فرمائے اور کوئی اکا دکا واپس لے آئے مگر بالعموم نئی نسلیں آپ کی اقدار سے دور ہونا شروع ہو جائیں گی اور وقت کے گزرنے کے ساتھ یہ تنزل زیادہ تیز رفتار ہوتا چلا جائے گا۔اس لئے جمعہ کی طرف غیر معمولی توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔اس سلسلہ میں میں نے نظام جماعت کو ایک ہدایت دی ہے۔اس کی تفصیلات یہاں بیان کرنے کی ضرورت نہیں۔انشاءاللہ اس بارہ میں منظّم پروگرام بنائے جائیں گے اور ساری جماعت کے لئے ایک اجتماعی کوشش بھی کی جائے گی یعنی حکومتوں سے رابطہ کر کے نیز اشتہارات کے ذریعہ اور اخبارات میں پروپیگنڈہ کے ذریعہ مطالبہ کیا جائے گا کہ مسلمانوں کو جمعہ پڑھنے کی سہولتیں ملنی چاہئیں۔

جمعۃ المبارک کے لئے رخصت کی مہم سب سے پہلے حضرت مسیح موعودؑ نے چلائی

اس سلسلہ میں جیسا کہ میں نے امریکہ میں بھی دوستوں کو توجہ دلائی تھی ایک بہت ہی اہم بات جو ہے اور جماعت کی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہے ہمیں جو کبھی فراموش نہیں کرنی چاہیے اور وہ یہ ہے کہ صرف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں 1896ء میں پہلی مرتبہ جمعہ کے نام پر رخصت حاصل کرنے کی تحریک چلائی گئی ہے اور یہ تحریک حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خود چلائی ہے۔میرے علم میں نہیں کہ تاریخ اسلام میں کبھی کوئی ایسا واقعہ ہوا ہو کہ مسلمانوں کی طرف سے اجتماعی طور پر جمعہ کی رخصت کے لئے ایک مہم چلائی گئی ہو۔یہ پہلا واقعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں رونما ہوا۔خدا نے آپ ہی کو یہ توفیق بخشی کہ جمعہ کے تقدس کو قائم کرنے کے لئے ایک ملک گیر تحریک چلائیں اور حکومت کو توجہ

دلائیں کہ مسلمانوں کا یہ حق ان کو دیا جائے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یکم جنوری 1896ء کو دو اشتہار شائع فرمائے اور ایک اشتہار بعد میں شائع فرمایا۔ جس میں تمام مسلمانان ہند کو بھی متوجہ فرمایا گیا اور حکومت انگلستان کو بھی متوجہ فرمایا کہ بحیثیت حاکم ان کا یہ اخلاقی فرض ہے کہ مسلمانوں کے جمعہ کے تقدس کو قائم کریں اور اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی دعائیں حاصل کریں ان کا شکریہ حاصل کریں۔ آپ نے تاریخی لحاظ سے بتایا کہ کس طرح تمام مسلمان ممالک میں اس دن کا تقدس قائم تھا اور خود ہندوستان میں بھی ایک لمبے عرصے تک قائم رہا۔لیکن انگریزی حکومت کے آنے کے بعد رفتہ رفتہ جمعہ کی تعطیل کی بجائے اتوار کی تعطیل شروع ہوگئی۔ آپ نے فرمایا ٹھیک ہے اتوار کے دن آپ بے شک چھٹی منائیں اور ہندوؤں کو بھی چھٹی دیں لیکن مسلمانوں کو اس بنیادی حق سے آپ کیسے محروم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو تحریک فرمائی تھی اس کے بعد حضرت خلیفۃ المسیح الاول (نور اللہ مرقدہ) نے 1911ء میں دوبارہ اس تحریک کو چلایا اور پہلی مرتبہ حکومت برطانیہ نے 1913ء میں دوبارہ جمعہ کی رخصت کو ضروری طور پر منظور کیا خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ پھر رفتہ رفتہ یہ رجحان بڑھنا شروع ہوا بالآخر انگریزی حکومت کی طرف سے بھی مسلمانوں کے لئے جمعہ کی نماز ادا کرنے کے حق کو تسلیم کرلیا گیا گو ہر جگہ حکومت کی طرف سے رخصت کے دن کے طور پر قبول نہیں کیا گیا۔ پاکستان بننے کے بعد بھی ایک لمبے عرصہ تک اتوار ہی کو چھٹی ہوتی تھی جمعہ کو نہیں ہوتی تھی۔ یہ تو ابھی چند سال پہلے کی بات ہے کہ حکومت پاکستان نے جمعہ کی رخصت منظور کی ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ کی جمعۃ المبارک کی تحریک کو از سر نو شروع کرنے کی تحریک

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے 1896ء میں یہ تحریک شروع فرمائی تھی اور عجیب حسن اتفاق ہے کہ وہ بھی یکم جنوری کا دن تھا یعنی یکم جنوری 1896ء کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ تحریک جاری فرمائی اور بغیر اس کے کہ مجھے علم ہوتا کہ یکم جنوری کو ایسا ہوا تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تصرف ہی ایسا ہوا ہے کہ آج اللہ تعالیٰ ہی مجھے یہ توفیق عطا فرما رہا ہے کہ یکم جنوری 1988ء کو میں اس تحریک کو از سر نو شروع کرنے کے لئے جماعت کو نصیحت کرتا ہوں۔ دو طرح سے آپ کو یہ تحریک چلانی ہوگی اول جیسا کہ نظام جماعت آپ کے سامنے پروگرام رکھے گا آپ اخباروں میں خطوں کے ذریعہ، وفود کے ذریعہ حکومت کے افسروں سے مل کر، طلبہ کی خاطر حقوق لینے کے لئے مختلف سکولوں میں ان کی انتظامیہ سے مل کر اور دیگر جو بھی

ذرائع جماعت تجویز کرے گی ان کے مطابق ہر ملک کے احمدی ساری دنیا میں ایک عالمگیر مہم چلائیں کہ ساری دنیا میں ہر ملک میں جمعہ کے دن مسلمانوں کو جمعہ پڑھنے کا حق ملنا چاہیے۔اس سے پہلے عام طور پر یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ جو لوگ کوشش کرتے تھے وہ کہتے تھے کہ ہم جمعہ تک دفتر رہا کریں گے اور جمعہ کے وقت چھٹی لے کر گھر آ جایا کریں گے یعنی نصف دن کی چھٹی کا رجحان پایا جاتا تھا۔لیکن قرآن کریم کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ پہلے حصے کی رخصت اولیٰ ہے یعنی جمعہ کے بعد بے شک کام پر چلے جاؤ کیونکہ خدا تعالیٰ خود فرماتا ہے: فَإِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْأَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ کہ تم جمعہ کی نماز سے فارغ ہو کر بے شک زمین میں پھیل جایا کرو اور روزمرہ کے کام کیا کرو۔یہ یہودیوں کی طرح کا سبت کا دن نہیں ہے۔جمعہ کا دن اگر گھر کے ماحول میں ایک خاص انداز میں رخصت کے طور پر منایا جائے تو یہ امر بہت گہرے طور پر اثر انداز ہوتا ہے اور بچوں کی تربیت اچھی ہوتی ہے۔پھر آپ نے نہانا بھی ہے اور کئی قسم کے جمعہ کے دن کے کام کرنے ہوتے ہیں۔ذکر الٰہی زیادہ کرنا ہے قرآن کریم کی تلاوت زیادہ کرنی ہے اور بہت سی ایسی باتیں ہیں جو رخصت سے تعلق رکھتی ہیں اس سے بہت زیادہ برکت ملے گی اس لئے اگر نصف دن بھی لینا ہو تو اس کے لئے یہ تحریک چلانی چاہیے کہ جمعہ کی نماز تک کا پہلا حصہ رخصت کا ہو گا جمعہ کے بعد ہم زیادہ وقت بیٹھ جائیں گے یا نصف دن کی بے شک ہماری تنخواہ کاٹ لو جو بھی کرنا ہے کرو لیکن ہم نے جمعہ ضرور پڑھنا ہے۔

جمعۃ المبارک کے بغیر احمدی کی کوئی زندگی نہیں

اب سوال یہ ہے کہ آپ حکومت کے سامنے یہ تحریک کیسے رکھیں گے اگر آپ کا اپنا عمل نہ ہو۔آپ جمعہ سے بالکل غافل ہوں اور پرواہ ہی کچھ نہ کر رہے ہوں تو یہ تحریک آگے سے آگے جاری کریں گے اس لئے بہت ہی اہم بات ہے کہ آپ کو پہلے اپنے جمعوں کی ادائیگی کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔جماعت کے ہر فرد پر یہ بات واضح کر دینی چاہیے کہ جمعہ کے بغیر اس کی کوئی زندگی نہیں ہے۔اور جمعہ کے دن بچوں کو بھی سکولوں سے رخصت لے کر دینی چاہیے۔جب میں نے یہ باتیں وہاں امریکہ میں مجلس شوریٰ میں چھیڑیں تو اس وقت مجھے یاد ہے بعض دوستوں نے بتایا کہ پہلے ہم بھی جمعہ نہیں پڑھا کرتے تھے۔ایک دفعہ جب ہم تک جمعہ کے متعلق آواز پہنچی اور ہمیں اس کی اہمیت کا پتہ لگا تو جس کمپنی میں ہم ملازم تھے ان سے ہم نے درخواست کی تو انہوں نے کہا کہ ہم نہیں رخصت دے سکتے تمہارا کوئی حق نہیں۔ایک دوست نے بتایا کہ

میں نے کہا بہت اچھا تم مجھے تنخواہ نہ دو اس دن میں اس کے بغیر بھی زندہ رہ لوں گا لیکن جمعہ میں نے نہیں چھوڑنا۔ چنانچہ انہوں نے اس دن زبردستی فراغت حاصل کی اور باقاعدہ جمعہ پر جاتے رہے اور اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کو برکتیں عطا فرمائیں ان کا بھی انہوں نے ذکر کیا۔

پھر ایک خاتون نے ذکر کیا کہ ایک جگہ مسلمانوں کی طرف سے باقاعدہ یہ معاملہ پیش ہوا جو بالآخر عدالت تک پہنچا۔ اور اب ہمارے حق میں یہ عدالتی فیصلہ ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کو جمعہ کا حق ہے اور اس سے انہیں زبردستی روکا نہیں جا سکتا اس لئے کسی حد تک امریکہ میں کچھ کام ہوا ہے۔ یہاں بھی اگر احمدی ماں باپ سب سے پہلے اپنے بچوں کو روکنا شروع کر دیں پھر وفود لے کر اساتذہ اور انتظامیہ تک پہنچیں، اخباروں میں لکھیں جماعت اپنے طور پر کوشش کرے مثلاً ایم پی اے سے ملے تو میرے خیال میں بہت بڑی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر رخصت حاصل کرنے میں کامیابی نہ ہو تب بھی قربانی کرنی چاہیے اس کی طرف میں اب جماعت کو بلاتا ہوں دوست کوشش کریں کہ آپ کو رخصت مل جائے، آپ کے لئے آسانی پیدا ہو جائے لیکن اگر یہ نہیں کر سکتے تو جمعہ کے دن اپنے بچوں کو سکول بھیجنا بند کر دیں اور سکول والوں سے کہیں کہ جمعہ ہمارا مقدس دن ہے ہم نے بچوں کو جمعہ ضرور پڑھانا ہے اس دن ان کو نہلائیں دھلائیں ان کو جمعہ کے لئے خاص طور پر تیار کریں اس سے ان کو نہانے کی اہمیت کی طرف بھی توجہ ہوگی۔

میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ مغربی ممالک میں بسنے والے احمدیوں کو پاکی ناپاکی کا بھی اتنا زیادہ احساس نہیں رہتا اور ان کو پتہ ہی نہیں کہ بعض دنوں کے ساتھ غسل واجب ہے بعض امور کے ساتھ غسل کا گہرا تعلق ہے اور جمعہ ان میں سے ایک ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جمعہ کے دن ہر مسلمان پر غسل واجب ہے۔ اور اس کا اکثر احمدیوں کو بھی پتہ نہیں کہ یہ اتنی اہم نصیحت موجود ہے۔ اس لئے اس دن بچوں کو نہلایا دھلایا جائے، ان کو کہا جائے کہ آج جمعہ کی تیاری کرنی ہے۔ آج تلاوت ہوگی۔ آج اور نیک باتیں ہوں گی۔ ہم تمہیں عام دنوں کی نسبت دین کی زیادہ تعلیم دیں گے۔ اس طرح کریں تو میرے خیال میں ایک بہت ہی بابرکت اور پاکیزہ ماحول پیدا ہو جائے گا۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ ہمیں قانونی طور پر یہ تحفظ ضروری حاصل ہو جائے گا بشرطیکہ ہم اس مہم کو سنجیدگی سے شروع کریں اور قربانی کے لئے تیار رہیں۔ اگر بغیر قربانی کے مفت میں حاصل کرنے کی کوشش کریں گے تو ہماری دعاؤں میں اتنا اثر پیدا نہیں ہوگا۔ خدا کے حضور دعا کریں اور عرض کریں کہ ہم تو اب تیار ہو گئے ہیں اس لئے تو ہماری مدد فرما ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ اکثر ابتلاؤں سے بچا لیا کرتا ہے۔ اور اگر کچھ ابتلاء پیش بھی آجائیں تو اللہ تعالیٰ

اس کی بہترین جزا عطا فرمایا کرتا ہے اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

جمعہ نہ پڑھنے والوں کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتباہ

اب میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعض نصیحتوں سے آگاہ کرتا ہوں تا آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے الفاظ میں آپ کو جمعہ کی اہمیت کا علم ہو سکے۔ آپؐ نے فرمایا مَنْ تَرَکَ الْجُمُعَۃَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ تَھَاوُنًا بِھَا طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ (ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب فی ترک الجمعۃ من غیر عذر) آپؐ نے فرمایا کہ جو شخص تین جمعے مسلسل چھوڑ دے تَھَاوُنًا، یعنی جمعہ کی تخفیف کرتے ہوئے اس کی اہمیت نہ سمجھتے ہوئے اگر کوئی جمعہ پڑھنا چھوڑ دے اور اس کو مجبوری بھی کوئی نہ ہو بلکہ یہ سمجھے کہ کوئی فرق نہیں پڑتا بے شک چھوڑ دو تو طَبَعَ اللّٰہُ عَلٰی قَلْبِہٖ، اللہ اس کے دل پر مہر لگا دیتا ہے۔ قرآن کریم میں جب آپ اللہ کی طرف سے لگی ہوئی مہر کا ذکر پڑھتے ہیں تو کس طرح کانپ جاتے ہیں اور کیسا خوف کھاتے ہیں اس بات سے کہ نعوذ باللّٰہ من ذالک کسی کے دل پر مہر لگے۔ تو یہ دیکھ لیں عمداً جمعہ چھوڑنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کی طرف سے ناراضگی کا کتنا بڑا اظہار ہے۔ اگرچہ قرآن کریم میں اس ضمن میں یہ بات موجود نہیں مگر سبت کی بے حرمتی کے نتیجہ میں یہود کے دلوں پر مہر لگنے کا ذکر موجود ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے استنادقرآن کریم سے ہی فرمایا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس نصیحت کی جڑ قرآن کریم میں موجود ہے۔ جو قومیں اپنے اہم مذہبی دن کی تکریم سے غافل ہو جائیں اور اس کی بے حرمتی کریں تو بالآخر ان کے دلوں پر مہریں لگا دی جاتی ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک دوسری جگہ فرمایا:۔

لَیَنْتَھِیَنَّ اَقْوَامٌ عَنْ وَّدْعِھِمُ الْجُمُعَاتِ اَوْ لَیَخْتِمَنَّ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ ثُمَّ لَیَکُوْنُنَّ مِنَ الْغٰفِلِیْنَ
(صحیح مسلم کتاب الجمعۃ)

اس حدیث میں بھی مختلف الفاظ میں وہی مضمون بیان ہوا ہے جو ترمذی کی حدیث کے حوالے سے اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ قومیں اس بات سے باز رہیں کہ وہ اپنے جمعوں کو چھوڑ دیں۔ اس کے بعد صاف پتہ چلتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش نظر مستقبل کے خطرات تھے اور قرآن کریم میں جو پیشگوئی کی گئی ہے وہ مستقبل کی پیشگوئی ہے۔ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ خیال آیا کہ جب مسلمان کئی قوموں میں بٹ جائیں گے تو اس وقت یہ خطرات لاحق ہوں

گے کہ وہ جمعہ کے دن کی اہمیت سے غافل ہو جائیں۔فرمایا یا تو وہ جمعہ کو ترک کرنے سے باز رہیں یا پھر ضرور خدا تعالیٰ ان کے دلوں پر مہر لگا دے گا۔اور پھر وہ غافل ہو جائیں گے۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اور موقع پر فرمایا:۔

اِنَّ اللّٰہَ قَدِافۡتَرَضَ عَلَیۡکُمُ الۡجُمُعَۃَ فِیۡ مَقَامِیۡ ھٰذَا فِیۡ یَوۡمِیۡ ھٰذَا فِیۡ شَھۡرِیۡ ھٰذَا مِنۡ عَامِیۡ ھٰذَا اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ فَمَنۡ تَرَکَھَا فِیۡ حَیَاتِیۡ اَوۡ بَعۡدِیۡ وَلَہ اِمَامٌ عَادِلٌ اَوۡ جَائِرٌ اِسۡتِخۡفَافاً بِھَا اَوۡ جَحُوۡداً لَّھَا فَلَا جَمَعَ اللّٰہُ لَہ شَمۡلَہ، وَلَا بَارَکَ لَہ، فِی اَمۡرِہٖ اَلَا وَلَا صَلٰوۃَ لَہ، وَلَا زَکٰوۃَ لَہ، وَلَا حَجَّ لَہ، وَلَا صَوۡمَ لَہ، وَلَا بِرَّلَہ، حَتّٰی یَتُوۡبَ فَمَنۡ تَابَ، تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ۔

(سنن ابن ماجه كتاب الصلوٰة باب في فرض الجمعة)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے یہ روایت بیان کی گئی ہے۔آپ نے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے۔خدا تعالیٰ نے تم پر جمعہ کا دن فرض فرما دیا ہے **فی مقامی ھذا** میرے اس مقام پر **فی یومی ھذا** آج اس دن **فی شھری ھذا** آج اس مہینے میں، **من عامی ھذا** آج اس سال میں یعنی اہمیت کی خاطر اس کو بار بار دہرایا ہے کہ کیا واقعہ ہوا ہے۔آج اس دن، اس خاص شہر میں اس خاص مہینے میں، اس سال میں جمعہ فرض فرما دیا گیا **اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیَامَۃِ** آج کا واقعہ ہے لیکن قیامت تک کے لئے فرض ہو گیا ہے۔ **فَمَنۡ تَرَکَھَا فِیۡ حَیَاتِیۡ اَوۡ بَعۡدِی** پس جس نے بھی اسے چھوڑا خواہ میری زندگی میں چھوڑے یا میری وفات کے بعد چھوڑے **وَلَہ اِمَامٌ عَادِلٌ او جَائِرٌ** اور اسے امام میسر ہو خواہ وہ امام نیک ہو انصاف پسند ہو یا گناہگار اور بے راہ ہو اس سے بحث ہی کوئی نہیں۔جس طرح **نُودِیَ** میں مضمون تھا اس کو ایک اور رنگ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واضح فرمایا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں اس سے بحث نہیں کہ کون امامت کرنے والا تمہیں میسر ہے۔یہ عذر بھی قبول نہیں ہوا کہ تم سمجھتے تھے کہ گندا امام تھا اس لئے ہم نے جمعہ نہیں پڑھا فرمایا کسی قسم کا امام ہو میرے وصال کے بعد ہو، تمہیں میسر آئے سہی جمعہ کے لئے، پھر بھی تم جمعہ نہ پڑھو **اِسۡتِخۡفَافًا بِھَا اَوۡ جَحُوۡداً لَّھَا** خواہ جمعہ کو معمولی سمجھتے ہوئے خواہ اس کی اہمیت کا کھلم کھلا انکار کرتے ہوئے **فَلَا جَمَعَ اللّٰہُ شَمۡلَہ**، میری دعا یہ ہے کہ خدا اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو کبھی مجتمع نہ کرے۔یہ عظیم الشان کلام ہے جو اپنی فصاحت و بلاغت کے زور پر ثابت کر رہا ہے کہ خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کا کلام ہے۔جمعہ کا مطلب ہے جمع کرنا اور مسلمانوں کا، نیک لوگوں کا جمع ہونا اس جمعہ میں بیان ہوا ہے، مختلف زمانوں کا جمع ہونا اس جمعہ میں بیان

ہوا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھوں آخری دور میں جب ساری دنیا نے جمع ہونا تھا اس کا اسی سورہ جمعہ میں ذکر ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو آدمی جمعہ سے غافل ہوتا ہے اس کے لئے بہترین دعا یہی بنتی ہے کہ پھر خدا اس کے بکھرے ہوئے کاموں کو کبھی اکٹھا نہ کرے تا کہ اس کو احساس ہو کہ اس نے اجتماع کا کوئی موقع ہاتھ سے کھو دیا ہے، اجتماعیت کی برکت سے وہ محروم رہ گیا ہے۔ اب کیا آپ پسند کریں گے کہ نعوذ باللہ من ذالک آپ کے حق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ دعا قبول ہو یعنی آپ پر صادق آئے کیونکہ دعا تو حضور کی خدا تعالیٰ نے قبول فرمانی ہی ہے لیکن کیا آپ پسند کریں گے کہ آپ وہ ہوں جن پر یہ دعا صادق آئے۔ وَلَا بَارَکَ لَه فِیْ اَمْرِہٖ اور پھر اس کے کسی کام میں ہی برکت نہ رہے۔ فرمایا اَ لَا خبردار! ایسا شخص جو جمعہ کی اہمیت سے غافل ہے وَلَا صلوٰۃَ لَه، اس کی کوئی بھی نماز نہیں ہوتی وَلَا زَکٰوۃَ لَه، اس کی زکوٰۃ بھی کوئی نہیں وَلَا حَجّ لَه، اس کا حج بھی کوئی نہیں وَلَا صَوْمَ لَه، اس کا روزہ بھی کوئی نہیں۔ گویا جمعہ کی اتنی اہمیت ہے کہ جو شخص جمعہ کے دن سے غافل ہو جائے اس کی نمازیں بھی گئیں اس کے روزے بھی گئے اس کا حج بھی گیا۔ وہ لوگ جو کہتے ہیں چلو ایک دفعہ حج کر لیں گے سب کچھ بخشا جائے گا اس حدیث نے اس مضمون کو بالکل رد فرما دیا۔ پھر فرمایا وَلَا بِرَّ لَه، اس کی کوئی بھی نیکی کام نہیں آئے گی۔ اس کی نیکی کی کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔ حَتّٰی یَتُوْبَ یہاں تک کہ وہ توبہ کرے فَمَنْ تَابَ ، تَابَ اللّٰهُ عَلَیْهِ خدا تو توبہ قبول کرنے والا ہے وہ تو اپنے بندوں کی توبہ کا منتظر ہے تم میں سے جو بھی توبہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے گا۔

جمعہ کے نظام کو مستحکم کرنے کی خاطر قربانیاں دینے کے لئے تیار ہوں

اس نصیحت کے بعد کچھ مزید کہنے کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی اس لئے میں امید رکھتا ہوں کہ تمام دنیا میں احمدیہ جماعت کے افراد اور احمدیہ جماعت کے نظام جہاں جہاں بھی قائم ہیں وہ اس سال خصوصیت سے یہ کوشش کریں کہ جمعہ کے احترام کو پہلے اپنے گھروں میں قائم کریں، اپنے چھوٹے بڑوں میں قائم کریں، جمعہ کے نظام کو از سر نو زندہ اور مستحکم کرنے کے لئے قربانیاں دینے کے لئے تیار ہوں اور جہاں قربانیوں کی ضرورت پیش آئے وہاں قربانیاں دیں اور دنیا کے نظام کو بدلیں تا کہ (دین حق) کا نظام دنیا پر غالب آئے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا نے اس زمانہ کا امام بنایا ہے۔ اور آپ کی امامت کی علامتوں میں سے ایک یہ علامت ہے کہ ایک آپ ہی ہیں جنہیں یہ توفیق ملی تھی کہ جمعہ کے نظام کے لئے

ایک عالمگیر تحریک چلائیں۔ آج آپ کے غلاموں ہی کو یہ توفیق ملنی چاہیے۔ ساری امت مسلمہ پر جماعت احمدیہ کا یہ احسان ہوگا اگر ہر جگہ مسلمانوں کو ان کا بنیادی دینی حق میسر آ جائے کہ حکومتیں یہ تسلیم کر لیں کہ ہاں جمعہ کے دن مسلمانوں کو کم سے کم اتنی رخصت ضرور ملنی چاہیے کہ وہ جمعہ کے فرائض سے سبکدوش ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔

(ضمیمہ ماہنامہ انصاراللہ جنوری 1988ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 22/اپریل1988ء سے اقتباس

☆بچوں کو روزے رکھنے اور ان کے لوازمات کی طرف بھی توجہ دلانی چاہیے
☆رمضان میں تہجد اور نوافل کی اہمیت
☆اپنے بچوں کو خصوصیت سے تہجد کی تلقین کریں
☆نماز تراویح دراصل تہجد کا بدل ہے
☆بچوں کو قرآنِ مجید کی زیادہ سے زیادہ سورتیں یاد کرائیں
☆اچھی عادات کی بنیادیں بچپن میں ہی پڑتی ہیں ان کی اس عمر سے استفادہ کریں

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

نئی نسلوں میں روزہ رکھنے کی عادت ڈالیں

گزشتہ جمعے کے موقع پر میں نے جماعت کو یہ نصیحت کی تھی کہ روزہ رکھنے کی عادت نئی نسلوں کو خصوصیت کے ساتھ ڈالنی چاہیے کیونکہ عموماً میرا یہ تأثر ہے کہ ہماری نئی نسلوں میں خاص طور پر وہ جو یورپ اور امریکہ یا بعض دیگر ممالک میں پیدا ہو کر بڑی ہوتی ہیں ان میں روزے کا پورا احترام نہیں ہے اور اس کی پوری اہمیت ان پر واضح نہیں۔ اس کا بہت حد تک ماں باپ کا بھی قصور ہے کہ رمضان شریف آ کر گزر جاتا ہے اور وہ اپنے روزوں پر ہی اکتفا کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ انہوں نے روزوں کا حق ادا کر دیا حالانکہ جب تک اولاد کو صحیح معنوں میں دین کے فرائض سے آگاہ نہ کیا جائے اور ان کو روزے اختیار کرنے میں ان پر عمل کرنے میں ان کی مدد نہ کی جائے اس وقت تک والدین کا حق ادا نہیں ہوتا۔

اس تحریک کے بعد خدا تعالیٰ کے فضل سے جو اطلاعیں مل رہی ہیں وہ بہت امید افزاء ہیں بہت خوشکن ہیں۔ انگلستان ہی میں نہیں بلکہ بعض دوسرے ممالک میں بھی ذیلی تنظیموں نے مثلاً خدام الاحمدیہ نے، انصار اللہ نے اور لجنہ وغیرہ نے اپنے اپنے رنگ میں فوری طور پر کوشش کی۔ خدا کے فضل کے ساتھ اب تک جو اطلاعیں ملی ہیں۔ (ابھی وقت پڑا ہے مزید بھی آئیں گی) ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پہلو سے ایک بیداری پیدا ہوئی ہے۔ ایک احساس پیدا ہوا ہے اور جماعت نے ہر سطح پر منظّم کوشش شروع کر دی ہے۔

اس ضمن میں کچھ اور باتیں بھی بیان کرنی ضروری ہیں۔ ان ممالک میں جہاں بچپن سے تربیت کا وہ ماحول میسر نہیں جو بڑے معاشرے کے نتیجہ میں میسر آ جایا کرتا ہے۔ مثلاً ربوہ یا قادیان یا پاکستان کی دیگر جماعتیں جہاں جماعت کے افراد کی تعداد اتنی ہے کہ وہ اپنا ایک معاشرہ قائم کر سکیں، ایک معاشرے کا ماحول

پیدا کر سکیں وہاں بچوں کی تربیت از خود ہوتی ہے اور اس کیلئے اتنی زیادہ محنت نہیں کرنی پڑتی۔ مگر جہاں جماعت احمدیہ کے افراد بکھرے ہوئے ہوں اور اجتماعی حیثیت کی بجائے بالعموم انفرادی حیثیت میں رہتے ہوں وہاں بچوں کے لئے بہت سی دِقتیں پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ معاشرہ غیر ہے، غیر ہی نہیں بلکہ معاندانہ معاشرہ ہے۔ اسلامی قدروں سے بالکل برعکس ہی نہیں ان پر حملہ کرنے والا معاشرہ ہے۔ اس پہلو سے والدین کو عام حالات کے مقابل پر زیادہ محنت کرنی چاہیے لیکن افسوس یہ ہے کہ وہ عام حالات سے نسبتاً کم محنت کرتے ہیں اور جو کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ان کو پھل بھی دیتا ہے۔ اس معاشرہ میں رہتے ہوئے جو لوگ اپنے بچوں کی طرف بچپن سے ہی توجہ کرتے ہیں ان کے دل میں دین کی محبت ڈالتے ہیں، اچھی عادتیں ان کے اندر پیدا کرتے ہیں ان کو اللہ کے فضل کے ساتھ بڑے ہو کر کوئی خطرہ نہیں رہتا۔ اس لئے رمضان المبارک میں خصوصیت سے اس گزشتہ کمی کو جہاں جہاں بھی محسوس ہو پورا کرنا چاہیے۔

رمضان میں صرف روزوں کی تلقین نہیں کرنی چاہیے بلکہ روزوں کے لوازمات کی طرف بھی توجہ دینی چاہیے۔ میں نے ایک دفعہ سرسری طور پر جائزہ لیا نوجوانوں سے پوچھنا شروع کیا روزہ رکھا ہے یا نہیں رکھا۔ کیسا رہا؟ کس طرح رکھا؟ تو اکثر یہ دیکھا گیا یعنی اکثر یہ جواب ملا کہ ہم نے صبح سحری کھا کر روزہ رکھا اور نفلوں کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ حالانکہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک موقع پر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے رمضان کے روزے فرض کئے ہیں۔ اور مَیں نے اس میں تہجد کی سنت قائم کر کے تمہارے لئے مزید برکتوں کے راستے پیدا کر دیئے ہیں۔ پس تہجد تو ویسے بھی بہت اچھی چیز ہے۔ قرآن کریم نے اس کو بہت ہی تعریف کے رنگ میں پیش فرمایا ہے اور اس کی بہت سی برکتیں بیان فرمائی ہیں۔ یہ مقام محمود تک لے جانے والی چیز ہے لیکن رمضان المبارک سے تہجد کا بہت گہرا تعلق ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں کہ میں نے رمضان کے سوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اتنی لمبی تہجد کی نماز پڑھتے کبھی نہیں دیکھا۔ بعض دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تقریباً ساری رات کھڑے ہو کر گزار دیتے تھے۔

رمضان المبارک کے ساتھ تہجد کا گہرا تعلق ہے

پس رمضان کے ساتھ تہجد کا بہت ہی گہرا تعلق ہے وہ روزے جو تہجد سے خالی ہیں وہ بالکل ادھورے اور بے معنی سے روزے ہیں۔ اس لئے بچوں کو خصوصیت کے ساتھ تہجد کی تلقین کرنی چاہیے۔ قادیان یا ربوہ کے جس ماحول کا میں نے ذکر کیا ہے اس میں تو عموماً یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا تھا خصوصاً قادیان میں کہ کوئی بچہ

اٹھ کر آنکھیں ملتا ہوا کھانے کی میز پر آجائے اس کے لئے لازمی تھا کہ وہ ضرور پہلے نفل پڑھے۔ لازمی ان معنوں میں کہ سبھی ایسا کرتے تھے اس نے یہی دیکھا تھا اور وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ بعض دفعہ بچے کی Late آنکھ کھلتی ہے یعنی وہ زیادہ دیر ہو جاتی ہے تو کھانا بھی جلدی میں کھاتا ہے لیکن قادیان کے بچے پھر تہجد بھی جلدی میں پڑھتے تھے۔ یہ نہیں کرتے تھے کہ اب تہجد پڑھنے کا وقت نہیں رہا صرف کھانا کھائیں بلکہ اگر کھانے کے لئے تھوڑا وقت ہے تو تہجد کے لئے بھی تھوڑا وقت تقسیم کر دیا کرتے تھے۔ دو نفل جس کو عام طور پر ٹکریں مارنا کہتے ہیں اس طرح کے نفل پڑھے اور اسی طرح کا کھانا کھایا یعنی دو لقمے جلدی جلدی کھا لئے۔ لیکن انصاف کا تقاضا یہ تھا کہ روحانی غذا کی طرف بھی توجہ دیں اور جسمانی غذا کی طرف بھی توجہ دیں اور یہ انصاف ان کے اندر پایا جاتا تھا جو ان کو بچپن سے ماؤں نے دودھ میں پلایا ہوا تھا۔ اس لئے وہ نسلیں جو قادیان میں پل کے بڑی ہوئیں ان میں تہجد اور رمضان کا چولی دامن کا ساتھ سمجھا جاتا تھا۔ کوئی وہم بھی نہیں کر سکتا تھا کہ بغیر تہجد پڑھے بھی روزہ ہو سکتا ہے۔ ہاں کچھ ان میں سے ایسے بھی تھے جو تہجد کے وقت اٹھ نہیں سکتے تھے اور کچھ ایسے تھے جو صرف تہجد نہیں پڑھنا چاہتے تھے بلکہ قرآن کریم کی تلاوت بھی سننا چاہتے تھے۔ چنانچہ ایسے احباب کے لئے یا مردوزن کے لئے تراویح کا انتظام ہوا کرتا تھا۔

نمازِ تراویح روحانی تربیت کا ایک اہم ذریعہ

تراویح کے متعلق یہ روایت آتی ہے کہ تراویح کی نماز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہوئی اور اس کے متعلق بعض دفعہ بعد میں اعتراضات بھی ہوئے خصوصاً جو لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے طعن زنی کے طور پر تراویح کو عمری سنت کہنا شروع کر دیا۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ تراویح کی بنیاد خود حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں پڑ چکی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان شریف میں باجماعت نوافل پڑھانے شروع کئے۔ صرف چند دن ایسا کیا اور اس کے بعد اس خیال سے کہ امت میں یہ فرض نہ سمجھ لیا جائے اس کو ترک فرما دیا۔ چنانچہ روایت آتی ہے کہ چوتھے یا پانچویں روز جب صحابہ رضی اللہ عنھم پھر اکٹھے ہوئے تو انہوں نے بلند آواز سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بلانے کی خاطر یا یہ خیال کر کے کہ کسی دوسرے کام میں مصروف ہوں گے، صلوٰۃ صلوٰۃ بھی کہنا شروع کر دیا۔ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف نہیں لائے اور پھر دوسرے دن وضاحت فرمائی کہ میں عمداً نہیں آیا کیونکہ میں جانتا ہوں کہ پھر بعد میں آنے والوں پر بہت بوجھ پڑ جائے گا، تکلیف مالا یُطاق ہو

جائے گی۔ پس سنت کی بنیاد تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ڈال دی تھی۔ حضرت عمرؓ نے صرف ان مزدوروں کی خاطر جو بہت تھک جایا کرتے تھے اور صبح ان کے لئے اٹھنا ممکن نہیں ہوتا تھا ایسا کیا کہ صبح تہجد پڑھنے کی بجائے وہ پہلے ہی پڑھ لیا کریں۔ اور بالعموم تراویح کی یہ رکعتیں اس زمانہ میں بیس بیس تک بھی پڑھی جاتی تھیں جبکہ حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت عموماً یہ ہے کہ آپ آٹھ رکعتیں پڑھتے تھے۔ پھر دو رکعتیں وتر کی اور پھر ایک رکعت ساری نماز کو وتر بنانے کے لئے پڑھتے تھے۔ تو گویا گیارہ رکعتوں کی سنت بالعموم ثابت ہے اسی لئے جماعت احمدیہ میں بھی یہی طریق ہے۔

بچوں کو بتائیں کہ تراویح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے

قادیان میں ہمیں گیارہ رکعتیں ہی سکھائی جاتی تھیں اور رمضان کے علاوہ اس سے کم کا بھی ذکر ملتا ہے مثلاً چار نوافل اور پھر پہلے دو رکعتیں اور پھر ایک وتر بنانے کی رکعت اس طرح چار نوافل اور دو اور ایک تین کل سات رکعتوں کا بھی ذکر ملتا ہے۔ پس بچوں کو اگر گیارہ رکعتیں پڑھنے کی توفیق نہیں تو یہ سات رکعتوں والے نوافل پڑھنے شروع کر دیں اور ان کو بتائیں کہ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت تھی۔ چنانچہ اس سے ان کے دل میں نوافل کے لئے دہری محبت پیدا ہوگی اور ذہن میں یہ بات جانشین ہو جائے گی کہ میں اس لئے پڑھ رہا ہوں کہ ہمارے آقا و مولا حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس طرح پڑھا کرتے تھے۔ تربیت کا یہ بہت ہی اچھا موقع ہے اگر بچوں کو اس طرح سکھایا جائے تو یہ ہرگز مشکل نہیں ہے۔

چنانچہ قادیان میں جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے تراویح کے وقت بھی بعض لوگ اس لئے اکٹھے ہوتے تھے کہ صبح نہیں اٹھ سکتے یا کسی لحاظ سے کوئی دقت تھی مگر کچھ لوگ اس لئے بھی اکٹھے ہوتے تھے کہ تراویح میں پورے قرآن کریم کا دور ہو جائے گا اور ہر روز ایک پارہ سے کچھ زائد سننے کا موقع ملے گا۔ ان میں سے بہت سے ایسے بھی تھے جو پھر تہجد کے لئے بھی اٹھتے تھے۔ تو یہ تو اپنی اپنی توفیق کی بات ہے مصروفیات کی بھی بات ہے جس کو توفیق ملے اس کو تراویح کے لئے بھی لانا شروع کریں جہاں تراویح کا انتظام ہے۔ اور جہاں تک اس (بیت الذکر) کا تعلق ہے اس میں تراویح کا انتظام ہے مگر تراویح میں یہ جو خیال کیا جاتا ہے کہ ضروری ہے کہ روزانہ پورا ایک پارہ پڑھا جائے یا کچھ زائد تاکہ 29 دنوں میں ایک دفعہ پورے قرآن کریم کا دور مکمل کیا جا سکے۔ اس قسم کا یہ خیال سختی کے ساتھ عمل کرنے والا خیال نہیں ہے کہ اس کے بغیر تراویح نہیں ہو

سکتی۔تراویح کی روح دراصل تہجد کا متبادل ہے یعنی وہ نوافل جو تہجد میں پڑھتے ہیں وہ آپ رات کو پڑھ لیں تہجد کے متعلق قرآن کریم نے جو اصولی تعلیم دی ہے وہ یہ ہے کہ جس قدر بھی قرآن کریم میسر آجائے پڑھ لیا جائے۔میسر آنے سے مراد یہ ہے کہ ہر شخص کی اپنی توفیق ہے اپنا علم ہے جتنی سورتیں یاد ہیں اس کے مطابق وہ تہجد کے وقت پڑھ سکتا ہے ورنہ کتاب کھول کے تو نہیں پڑھ سکتا۔

پس یہ سنت جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ہی جاری ہوئی اس میں بھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک زائد حسن پیدا کرنے کی خاطر یہ بات پیدا کی۔فرمایا اگر باجماعت تراویح کا انتظام کرنا ہی ہے تو کیوں نہ میں ایک قاری کو مقرر کردوں۔چنانچہ ایک قاری جو بہت ہی خوش الحان تھے ان کو آپ نے مقرر فرمادیا۔ابھی یہ بھی قطعی طور پر ثابت نہیں ہے کہ وہ پورا قرآن کریم پڑھ لیا کرتے تھے۔مگر بالعموم نتیجہ یہی نکالا جاتا ہے کہ ان کو غالباً سارا قرآن کریم حفظ ہوگا اور سارے قرآن کریم کا دور کرتے ہوں گے۔تو سارا دور ضروری بھی نہیں ہے یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ سارے قرآن کریم کا دور مکمل کیا جائے۔بعض بدعتیں بھی مسلمانوں میں پیدا ہونی شروع ہوگئیں۔چنانچہ بعض جگہ قرآن کریم سامنے کھول کر رکھا جاتا ہے اور وہاں سے پڑھ کر تراویح کی جاتی ہے۔حالانکہ باہر سے اگر قرآن کریم پڑھنا ہے تو تہجد کی نماز تو ختم ہوگئی اس کا تو کچھ بھی باقی نہ رہا۔تہجد کی نماز تو اس بات کی اجازت ہی نہیں دیتی کہ آپ کی توجہ کسی دوسری چیز کی طرف ہو اس لئے قرآن کریم کی جو روح اور اس کا منشا ہے اس کو پورا کرنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ۔قرآن کریم سے جو بھی میسر آجائے اس کو آپ پڑھیں۔اس لئے خواہ مخواہ تکلفات سے کام نہ لیں بلکہ جس حد تک بھی حفاظ موجود ہیں اس حد تک قرآن کریم کی تلاوت کی جائے۔ایک تو تنوع پیدا کرنے کے لئے اور دوسرے اس حکمت کے پیش نظر کہ بعض لوگوں کو بعض سورتیں یاد ہوتی ہیں،بعض دوسروں کو دوسری یاد ہوتی ہیں۔آپ باریاں مقرر کر سکتے ہیں یعنی بجائے اس کے کہ ایک ہی آدمی ہمیشہ تراویح پڑھائے جماعت اس بات کا جائزہ لے کر مختلف دوستوں کو جتنی سورتیں یاد ہیں ان کو جمع کر کے یہ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ قرآن کریم اس وقت سننے کا موقع مل جائے۔

تربیت اولاد کا ایک اور پہلو حفظ قرآن کریم

اس ضمن میں تربیت کے ایک اور پہلو سے بھی غافل نہیں رہنا چاہیے اور وہ یہ ہے کہ ہمارے بہت سے ایسے بچے ہیں جو ایسے ممالک میں پلنے والے ہیں جیسے انگلستان ہے یا دوسرے مغربی ممالک ہیں۔جہاں وہ

قرآن کریم کی بہت تھوڑی سورتیں حفظ کرتے ہیں۔ میں نے اس بارہ میں جو سرسری جائزہ لیا ہے اس سے معلوم ہوا ہے کہ بعض دفعہ تو سوائے قُلْ ھُوَ اللّٰہُ (سورہ اخلاص) کے ان کو کوئی بھی سورۃ یاد نہیں ہوتی۔ اور یہ ایک بہت ہی ناپسندیدہ بات ہے۔ احمدیوں کو جس حد تک قرآن کریم حفظ ہو سکے حفظ کرنا چاہیے اور بالعموم اتنی کوشش تو کرنی چاہیے کہ سارا قرآن کریم نہیں تو ایک پارے کے برابر مختلف جگہوں سے حفظ ہو اور اگر اتنی بھی توفیق نہیں تو بچوں کو کم سے کم چیدہ چیدہ اتنی سورتیں یاد ہو جانی چاہئیں کہ وہ مختلف نمازوں میں مختلف سورتیں پڑھ سکیں۔ عموماً وہ احمدی جن کی تربیت اس لحاظ سے نہیں ہوئی وہ سورہ فاتحہ کے بعد ہر رکعت میں قُلْ ھُوَ اللّٰہُ ہی پڑھ لیتے ہیں اور وہ بھی ایک ایسی روٹین (Routine) بن جاتی ہے کہ ان کو قُلْ ھُوَ اللّٰہُ کی بھی کوئی سمجھ نہیں آتی کہ کیا پڑھ رہے ہیں۔ تنوع سے ذہن بیدار ہوتا ہے۔

سورۃ فاتحہ کے مضامین لامتناہی ہیں

جب آپ سورہ فاتحہ کے بعد سورتیں بدلتے ہیں تو اس کے نتیجہ میں توجہ خاص طور پر نئے مضمون کی طرف مرکوز ہو جاتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوسکتا ہے کہ پھر سورہ فاتحہ کا کیوں حکم ہے کہ وہ ہر رکعت میں پڑھی جائے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ ام القرآن ہے اور ہر دوسری سورۃ اس کے اندر شامل ہے لیکن سورہ فاتحہ ہر سورۃ میں یا ہر آیت میں شامل نہیں ہے اس لئے سورہ فاتحہ کے مضامین تو اتنے لامتناہی ہیں اتنے وسیع ہیں کہ اگر ایک انسان غور کی عادت ڈالے اور ساری عمر غور کرتا رہے تو سورہ فاتحہ کے مضامین اس کے لئے ختم نہیں ہو سکتے۔ نسلاً بعد نسلٍ قوموں کے لئے یہ مضامین ختم نہیں ہو سکتے۔ قرآن کریم کی دیگر آیات میں بھی بہت گہرائی ہے بہت وسعت ہے مگر جب قرآن کریم میں سے بعض حصوں کا بعض سے مقابلہ کیا جائے تو ہر ایک کے متعلق بعینہٖ یہ بات صادق نہیں آتی اس لئے سورہ فاتحہ تو نماز کی جان ہے۔ اور سارے قرآن کریم کا خلاصہ ہے اسے تو بہر حال ہر صورت میں ہر رکعت میں پڑھنا ہے۔ مگر فرائض کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے بعد قرآن کریم کا کوئی حصہ پڑھنے کے لئے بچوں کو کم سے کم اتنی سورتیں یاد ہونی چاہئیں کہ وہ بدل بدل کر پڑھ سکیں۔ قرآن کریم کے آخر سے چھوٹی چھوٹی سورتیں یاد کرائی جاسکتی ہیں۔

اس وقت یہ موقع ہے آج کل آپ گھر میں مل کر اکٹھے روزے رکھیں اور بچوں کی تربیت کریں ان کو سورتیں یاد کروائیں۔ یاد کرنے کے لئے معین سورتیں دی جاسکتی ہیں اور اس کا تلفظ بھی ساتھ بتانا پڑے گا کیونکہ یہ تلفظ کی بہت کمزوری ہے۔ بعض دفعہ جماعتیں تربیت کے سلسلہ میں چھوٹے چھوٹے پمفلٹ تیار کر

دیتی ہیں مثلاً ہوسکتا ہے انگلستان کی جماعت فوری طور پر بچوں کے لئے کچھ سورتیں چن کران کی اشاعت کا انتظام کرے اوران کا ترجمہ ساتھ شائع کردے۔ بعض دفعہ رومن (Roman) طرزتحریر میں اس کا تلفظ ادا کرنے کی بھی کوشش کی جاسکتی ہے مگر قرآن کریم ایسی چیز ہے جس میں تلفظ میں بہت زیادہ احتیاط چاہیے اس لئے محض رومن طرزتحریر میں اس کا تلفظ لکھنے پر آپ اکتفا نہ کریں۔ بلکہ میں نے دیکھا ہے کہ اس طریق پر جولوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں تلفظ آ گیا ہے بالکل غلط بھی پڑھ لیتے ہیں۔ عربی زبان تو ایسی ہے جہاں زیر زبر کی غلطی یا لمبا اور چھوٹا کرنے کی غلطی کے نتیجہ میں مضمون بالکل بدل جاتا ہے۔ اس لئے بچوں کو جو سورتیں بھی آپ یاد کروانا چاہیں توجہ سے یاد کروائیں گھروں میں خود یاد کروانی پڑیں گی۔ اگر گھروں میں ماں باپ کو توفیق نہیں تو جماعتوں کو ایسے چھوٹے چھوٹے مراکز بنا دینے چاہئیں جہاں زیادہ بوجھ ڈالے بغیر رمضان شریف میں چند سورتیں یاد کروائی جاسکیں اوران کا تلفظ بھی اچھی طرح سکھایا جاسکے۔

رمضان المبارک میں تربیتِ اولاد پر خاص زور دیں

رمضان میں جو مثبت اقدار ہیں ان میں ایک تو نوافل ہیں جن کا رمضان سے گہرا تعلق ہے۔ دوسرے صدقات ہیں جن کے ذریعہ غریب کی ہمدردی کی جاتی ہے۔ یہ مضمون بھی بدقسمتی سے ان علاقوں میں یعنی مغرب کے علاقوں میں فراموش ہوجاتا ہے کیونکہ اکثر ایسا معاشرہ ہے جس کی ضرورتیں حکومتیں پوری کردیتی ہیں۔ پس غربت کا جو تصور ہمارے ہاں ملتا ہے وہ یہاں دیکھنے میں نہیں آتا۔ جو غریب ہیں وہ اور طرح کے غریب ہیں کچھ ایسے غریب ہیں جن کو ڈرگز (Drugs) کی لت پڑ گئی ہے اوراس کے نتیجہ میں وہ فاقہ کش بن گئے ہیں۔ لیکن ڈرگز نہیں چھوڑیں گے یا شراب کے متوالے ہیں۔

ان کا حال یہ ہے کہ ایک دفعہ مجھے یاد ہے جب میں یہاں طالب علم تھا تو ایک شخص جو زمین پر ٹیک لگا کر بیٹھا ہوا تھا اس کو میں نے کچھ پیسے دیئے۔ میں یہ دیکھ کر حیران ہوگیا کہ پیسے لیتے ہی وہ فوراً یعنی شراب خانے میں داخل ہوگیا جو اس کے پاس ہی تھا۔ بعد میں مجھے بعض دوستوں نے بتایا کہ یہ تو بیٹھتے ہی (Pub) پب کے اردگرد ہیں تاکہ جو خیرات ملے اس کی کچھ شراب لے کر پی لیں۔ پس ایسے بھی غریب ہیں لیکن ہم تو ایسے غریبوں کے لئے صدقہ وخیرات نہیں کرتے جن کا ہمیں علم ہو کہ انہوں نے اپنی جان پر ظلم کرنا ہے ہاں لاعلمی میں ایسا ہوجائے تو الگ بات ہے۔ تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ ایسے ممالک میں صدقہ وخیرات کی اہمیت کا احساس نہیں رہتا اور ذاتی طور پر غریب کی جو ہمدردی پیدا ہوتی ہے اس میں کمی آجاتی ہے۔ لیکن اگر

ماں باپ بچوں کی بھول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو یاد کروانا شروع کریں کہ دنیا میں خدا کے بندے ایسے بھی ہیں جو شدید بھوک میں مبتلا ہیں فاقہ کشی کر رہے ہیں ان کی غربت کا یہ حال ہے وغیرہ۔ ایسی باتیں کرنی شروع کریں تو ان کے دل میں ہمدردی کے جذبات پیدا ہو سکتے ہیں اور پھر ان کو صدقات کی طرف متوجہ کریں اور ان سے کچھ لے کر صدقات کی مد میں دیں۔ بچے بہت ہی جلدی اثر قبول کرتے ہیں۔ بعض دفعہ اتنا قبول کرتے ہیں کہ انسان سمجھتا ہے کہ جتنی ضرورت تھی اس سے زیادہ انہوں نے ردعمل دکھایا ہے۔ بعض دفعہ وہ اپنا سب کچھ پیش کرنے کے لئے فوراً آمادہ ہو جاتے ہیں۔ اس لئے آپ بچوں پر اعتماد کریں خدا تعالیٰ نے ان کے اندر نیکی کا بیج رکھا ہے نیکی کی نشوونما کے لئے بڑی زرخیز مٹی عطا فرمائی ہے خواہ مخواہ لاعلمی کے نتیجہ میں یا عدم توجہ کے نتیجہ میں رمضان آتا ہے اور چلا جاتا ہے اور آپ اس کو ضائع کر دیتے ہیں اور آپ کے بچے وہیں کے وہیں رہ جاتے ہیں، بعد میں جب رمضان گزر جاتا ہے اس وقت صرف روزے رکھنا کام نہیں آتا کیونکہ روزوں کا وقت گزر چکا ہوتا ہے وہ سمجھتے ہیں کہ بس روزے گئے اور سب باتیں ساتھ ختم ہو گئیں لیکن جو نمازیں آپ ان کو پڑھا دیں گے جو تہجد پڑھائیں گے جو سورتیں یاد کرائیں گے غریب کی جو ہمدردی ان کے دل میں پیدا کریں گے یہ رمضان کے ساتھ چلی جانے والی باتیں نہیں ہیں یہ ان کی زندگی کا حصہ بن جائیں گی ان کی زندگی کا سرمایہ بن جائیں گی۔ اس لئے رمضان کو اولاد کی تربیت کے لئے خصوصیت سے استعمال کریں۔

بچپن کی تربیت دائمی نقش چھوڑ جاتی ہے

علاوہ ازیں بعض چیزوں سے منع ہونے کا حکم ہے وہ ساری باتیں وہی ہیں جن سے روزمرہ کی زندگی میں بھی پرہیز لازم ہے مثلاً جھوٹ ہے لغو بیانی ہے وقت کا ضیاع ہے لیکن بعض چیزیں روزہ مرہ کی زندگی میں کسی حد تک قابل قبول ہو جاتی ہیں۔ اور یہ ممکن نہیں ہے کہ انسان ہر چیز کو اپنے بہترین معیار کے مطابق ہر روز ادا کر سکے۔ لیکن رمضان المبارک میں جب معیار بلند کیا جاتا ہے تو مراد یہ ہے کہ جب رمضان گزر جائے تو معیار گرے بھی تو اتنا نہ گرے کہ پہلی سطح پر آپ واپس آ جائیں بلکہ سطح بلند ہو جائے اس لئے انفرادی طور پر جب آپ بچوں کو ان امور کی طرف متوجہ کریں گے کہ آپ نے جھوٹ نہیں بولنا تو یہ کہہ کر متوجہ کرنا ہے کہ جھوٹ تو رمضان کے بعد بھی نہیں بولنا لیکن رمضان میں اگر بولا تو پھر کچھ بھی حاصل نہیں، تمہارے بھوکے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں اس لئے جب آپ رمضان کے 30 دن ان کو جھوٹ نہ بولنے کی اہمیت یاد

دلاتے ہیں تو ساتھ ساتھ یہ بھی بتاتے رہیں کہ رمضان تو ایسی برکتوں کا مجموعہ ہے۔ جو ایک مہینے کے اندر ختم نہیں ہوتیں بلکہ یہ دن سارے سال کے لئے تمہارے لئے ایک خزانہ لے کر آتے ہیں۔ اور ایسا رزق عطا کر جاتے ہیں جسے تم سارا سال کھاؤ۔ جھوٹ نہ بولنے کا یہ مطلب ہے کہ رمضان تمہیں متوجہ کر رہا ہے اور رمضان کے گزرنے کے بعد بھی جھوٹ نہیں بولنا اور اس بات کی کوشش کرو کہ جب بھی جھوٹ کی طرف ذہن جائے تو یاد کیا کرو کہ آج تو رمضان ہے اور جب رمضان کا سوچو گے تو ساتھ یہ بھی سوچا کرو کہ یہ تو پریکٹس کا وقت ہے آئندہ بھی جھوٹ نہیں بولنا۔ اس طرح پیار کے ساتھ چھوٹی چھوٹی باتیں بچوں کو سمجھائیں جائیں تو وہ سمجھتے ہیں اور بعض دفعہ اس کو اچھی طرح سے مضبوطی سے پکڑ لیتے ہیں۔ میرا ذاتی طور پر یہی تجربہ ہے کہ بہت سی ایسی باتیں جو بچپن میں اس طرح سمجھائی گئیں وہ ہمیشہ کے لئے دل پر نقش ہو گئیں۔ اور بعد میں آنے والی جو بڑی بڑی نصیحتیں ہیں وہ اتنا گہرا اثر نہیں کر سکیں جتنا بچپن کی چھوٹی چھوٹی باتیں جو دل پر اثر کر جاتی ہیں وہ ایک نقش دوام بن جاتی ہیں اس لئے اس عمر سے آپ کو استفادہ کرنا چاہیے۔

میں نے پہلے بھی ایک دفعہ توجہ دلائی تھی کہ آپ اپنی زندگی پر غور کر کے دیکھیں آپ کی بہت سی خوبیاں جو خدا نے آپ کو عطا کی ہیں ان کی بنیادیں بچپن میں ڈالی گئی ہیں۔ جو رسوم ایک دفعہ دل پر مرتسم ہو جائیں یا جو تحریریں بچپن میں لکھی جائیں وہ وقت کے ساتھ مٹنے کی بجائے مضبوط ہوتی چلی جاتی اور زندگی کا حصہ بنتی چلی جاتی ہیں۔ بعد کے زمانے میں تحریریں بنتی بھی ہیں اور مٹ بھی جاتی ہیں لیکن بچپن میں خدا تعالیٰ نے یہ خاص بات رکھی ہے چنانچہ وہ لوگ جو بعد میں ذہنی طور پر بیمار ہو جاتے ہیں ان کی یادداشت نہیں رہتی ایسے بیمار سے آپ بات کر کے دیکھیں اس کل کی بات یاد نہیں ہوگی آج کی بات بھی یاد نہیں ہوگی لیکن بچپن کی باتیں ساری یاد ہوں گی اور ایسی وضاحت کے ساتھ یاد ہوتی ہیں کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ اس سے اس وقت جب آپ بچپن کی باتیں کر رہے ہوں آپ وہم بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ذہنی طور پر بیمار ہے۔ لیکن جب وہ آپ سے سوال کرے گا کہ تو نے مجھے کھانا کھلا دیا؟ حالانکہ آدھا گھنٹہ پہلے آپ نے کھانا کھلایا ہوگا یا وہ کہے گا پانی پلا دیا تھا؟ حالانکہ آپ نے پانی بھی پلایا ہوگا تب آپ حیران ہوں گے کہ یہ کیا باتیں کر رہا ہے اس کا ذہن فوری باتیں یاد رکھنے کے قابل ہی نہیں رہا۔ تو اس لحاظ سے خدا تعالیٰ نے خصوصیت سے یادوں میں یہ سلسلہ پیدا کیا ہے کہ بچپن کی یادیں وقت کے ساتھ گہری ہوتی چلی جاتی ہیں مٹتی نہیں ہیں۔ اور یادوں سے مراد وہ یادیں ہیں جن کا تعلق محض دماغ سے نہ ہو دل سے ہو گیا ہو۔

چنانچہ آپ جب بچپن کی یادوں پر غور کریں گے تو ہمیشہ آپ یہ محسوس کریں گے کہ وہی یادیں پختہ ہیں جن کا دل کے ساتھ کوئی جوڑ پیدا ہو گیا تھا اور وہ مستقل ہو گئی ہیں جن یادوں کا دل سے جوڑ نہیں ہوا آپ وہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ اس لئے رمضان شریف میں جو یادیں آپ نے مستقل بنانی ہیں ان کا دل سے تعلق قائم کریں۔ اللہ تعالیٰ کی محبت کے حوالے سے باتیں کریں۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبت کے حوالے سے باتیں کریں۔ بنی نوع انسان غریب کی ہمدردی اور اس کی محبت کے حوالے سے بات کریں پھر جو باتیں آپ بچوں کو سکھا دیں گے وہ بچوں کے دل میں ایک دائمی نقش بن جائیں گی پھر وہ کبھی نہیں مٹ سکیں گی اس لئے یہ جو برائیوں سے روکنے والی باتیں ہیں ان کا بھی اس سے تعلق پیدا کریں۔ بچے وقت ضائع کرتے ہیں اس کے متعلق کوئی ایسی باتیں ان کو بتائی جائیں جو انبیاء اور بزرگوں کی ذات سے تعلق رکھنے والی ہیں کہ وہ کس طرح اپنے وقت کا استعمال کرتے ہیں۔ وقت ضائع نہیں کیا جاتا اسے اچھی چیزوں پر صرف کرنا چاہیے۔ پس ہر ایک کے اپنے اپنے ڈھنگ ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہر ایک کو کوئی نہ کوئی ڈھنگ عطا فرمایا ہوا ہے۔ اگر وہ بالارادہ کوشش کرے تو اپنے بچوں کو اس مہینے میں بہت کچھ سکھا سکتا ہے۔ چنانچہ جب یہ مہینہ ختم ہوگا تو اس کا نتیجہ دیکھ کر آپ حیران ہوں گے کہ اللہ کے فضل کے ساتھ آپ کی نسل پہلے سے بہت بہتر معیار پر ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری دنیا میں جماعتیں ہر رمضان میں پہلے سے اونچے معیار پر آجائیں گی۔ اس میں شک نہیں کہ رمضان کے بعد معیار ضرور گرتا ہے مگر کوشش یہ ہونی چاہیے کہ اتنا نہ گرے کہ پہلی منزل سے بھی نیچے چلا جائے۔ جہاں آپ رمضان میں داخل ہوئے تھے جب رمضان سے نکلیں تو اس مقام سے بالا مقام ہو اس سطح سے اوپر کی سطح ہو۔ یہ ہے وہ مقصد جو پیش نظر رہنا چاہیے اور میں امید رکھتا ہوں کہ اس طرح روزانہ کچھ نہ کچھ وقت دیں تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کی اگلی نسلوں کی تربیت کے لئے بہتر انتظام ہو جائے گا۔

(ضمیمہ ماہنامہ خالد مئی 1988ء)

✵

خطبہ جمعہ فرمودہ 22 جولائی 1988ء

- ☆ جماعت کی آئندہ صدی اور نماز کی اہمیت
- ☆ تمام عبادتوں کی روح نماز ہے۔ انسانی پیدائش کا مقصد نماز سے حاصل ہوتا ہے
- ☆ نماز کے متعلق نسلوں کی ذمہ داری اور مغربی ممالک
- ☆ جماعت کے عمومی اخلاص کا معیار بلند ہوا ہے.... میرا دل حمد سے بھر جاتا ہے
- ☆ جب تک اولادیں نمازی نہ بن جائیں اس وقت تک احمدیت کے مستقبل کے متعلق خوش آئند امنگیں رکھنے کا ہمیں کوئی حق نہیں
- ☆ جس حالت میں ہم آج اپنے بچوں کو پاتے ہیں یہ ہرگز اطمینان بخش نہیں
- ☆ ہر باپ کو اپنی بیوی اور بچوں کا نگران ہونا چاہیے
- ☆ اسماعیلی صفت اپنے اندر پیدا کریں اپنی بیویوں کی نمازوں اور اپنے بچوں کی نمازوں کی طرف متوجہ ہوں
- ☆ گہرائی سے اپنی اولاد کا جائزہ لیں پھر اپنا جائزہ لیں اور پھر دونوں مل کر دعائیں کرتے ہوئے اس سفر کو آگے بڑھاتے جائیں
- ☆ کبھی نہ بھولیں کہ اگر کامیاب نصیحت کرنی ہے تو آپ کو ہمیشہ اپنی بیوی اپنے بچوں کے قریب رہنا ہوگا

⚜

تشہّد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ العنکبوت آیت 46 کی تلاوت فرمائی۔
اس کے بعد فرمایا:-

نماز سب سے زیادہ اہم ہے

جماعت احمدیہ کی تاریخ کے پہلے سو سال عنقریب پورے ہونے کو ہیں۔ جوں جوں اگلی صدی قریب تر آتی چلی جارہی ہے مَیں جماعت کو مختلف رنگ میں بعض تربیتی امور کی طرف متوجہ کر رہا ہوں اور اس سلسلے میں گزشتہ ایک سال سے مسلسل ایک مربوط مضمون کی شکل میں یکے بعد دیگرے کئی خطبات دیئے لیکن ان سب میں سب سے زیادہ اہم امر جس کی طرف آج میں دوبارہ جماعت احمدیہ عالمگیر کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں وہ نماز باجماعت کے قیام کے سلسلے میں ہے۔

تمام عبادتوں کی روح نماز ہے انسانی پیدائش کا مقصد نماز ہے اور نماز سے حاصل ہوتا ہے نماز میں ہر قسم کی فلاح کی کنجیاں ہیں اور جیسے جیسے انسان نماز میں ترقی کرتا چلا جاتا ہے اسے خدا تعالیٰ کی طرف سے فلاح کی مزید کنجیاں عطا ہوتی رہتی ہیں۔ مَیں نے عمداً لفظ کنجی استعمال نہیں کیا بلکہ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ کیونکہ میرا تجربہ ہے کہ نماز کی کیفیت کے بدلنے کے ساتھ ساتھ انسان کو اللہ تعالیٰ نئے امور کا فہم عطا کرتا چلا جاتا ہے اور نئے مضامین اس پر کھلتے چلے جاتے ہیں اس ضمن میں حضرت اقدس بانی سلسلہ کے ارشادات میں سے متعدد اقتباسات مَیں جماعت کے سامنے پہلے رکھ چکا ہوں لیکن آج زیادہ تر توجہ نماز کی ابتدائی منازل کی طرف دلانا چاہتا ہوں۔

آئندہ نسلوں کی ذمہ داری

کیونکہ مَیں نے بارہا اپنے سفر کے دوران خصوصاً مغرب کے ممالک میں یہ مشاہدہ کیا ہے کہ جماعت

احمدیہ کا ایک طبقہ ایسا ہے جو ابھی تک نماز کی ابتدائی حالتوں پر بھی قائم نہیں ہو سکا۔ انگلستان میں بھی مَیں نے عمومی جائزہ لیا اور بعض خاندانوں سے تفصیلی گفتگو بھی کی ان کے بچوں کے حالات معلوم کئے تو مجھے یہ دیکھ کر بہت تکلیف پہنچی کہ ہم ابھی تک نماز کے سلسلے میں اپنی نسلوں کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کر سکے اور یہی وہ امر ہے جو میرے لئے پہلی صدی کے آخر پر سب سے زیادہ فکر کا موجب بن رہا ہے۔ جماعت احمدیہ کے قیام کا مقصد پورا نہیں ہو سکتا اگر جماعت احمدیہ اگلی صدی میں اس حال میں داخل ہو کہ ہماری اگلی نسلیں نماز سے غافل ہوں۔ یہ ایک ایسی فکر انگیز بات ہے اور ایسی قابلِ فکر بات ہے کہ جب تک ہر دل میں اس کی فکر پیدا نہ ہو مَیں سمجھتا ہوں کہ مَیں اپنی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہیں ہو سکا۔ اور بار بار توجہ دلانے کے باوجود جس رنگ میں یہ فکر دلوں میں پیدا کرنی چاہتا ہوں مَیں دیکھ رہا ہوں کہ اس رنگ میں یہ فکر بہت سے دلوں میں پیدا نہیں کر سکا۔

جماعت کا عمومی اخلاص کا معیار بلند ہوا ہے اور اس کی حفاظت کا طریق

جہاں تک جماعت کے عمومی اخلاص کا تعلق ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ابتلاء کے موجودہ دور میں جماعت کے اخلاص کا عمومی معیار بہت بلند ہوا ہے اور نیک کاموں میں تعاون کی روح میں ایک نئی جلا پیدا ہو گئی ہے۔ ایک آواز پر لبیک کہنے کے لئے کثرت کے ساتھ دل بے چین ہیں جب بھی جماعت کو نیکی کی طرف بلایا جاتا ہے جس طرح اخلاص کے ساتھ اس آواز پر جماعت لبیک کہتی ہے اس سے میرا دل حمد سے بھر جاتا ہے۔ لیکن یہ اخلاص فی ذاتہٖ کچھ چیز نہیں اگر اس اخلاص کے نتیجے میں خدا تعالیٰ سے ایک مستقل تعلق پیدا نہ ہو جائے۔ یہ اخلاص اپنی ذات میں محفوظ نہیں۔ اگر اس اخلاص کو نماز کے اور عبادت کے برتنوں میں محفوظ نہ کیا جائے اس لحاظ سے یہ اخلاص ایک آنے جانے والے موسم کی شکل اختیار کر سکتا ہے بعض دفعہ سخت گرمیوں کے بعد اچھا موسم آتا ہے ٹھنڈی ہواؤں کے جھونکے آتے ہیں بعض دفعہ سخت سردی کے بعد خوشگوار موسم کے دور آتے ہیں لیکن یہ چیزیں آنے جانے والی ہیں ٹھہر جانے والی نہیں عبادت کوئی موسمی کیفیت کا نام نہیں۔ عبادت ایک مستقل زندگی کا رابطہ ہے۔

عبادت کی مثال ایسی ہے جیسے ہم ہوا میں سانس لیتے ہیں کئی قسم کے زندہ رہنے کے طریق ہیں جو انسان کو لازم کئے گئے ہیں مگر ہوا اور سانس کا جو رشتہ زندگی سے ہے ایسا مستقل، دائمی، لازمی اور ہر لمحہ جاری رہنے والا رشتہ اور کسی چیز کا نہیں۔ پس عبادت کو یہی رشتہ انسان کی روحانی زندگی سے ہے۔ یہ عبادت ذکر

الٰہی ہے جس کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا۔اس لئے خصوصیت کے ساتھ آج پھر جماعت کو نماز کی اہمیت کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔

آئندہ نسلوں کی نماز کی حالت پر غور کریں

مَیں جانتا ہوں کہ اکثر احباب جو اس مجلس میں حاضر ہیں خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ نمازوں کے پابند ہیں مگر مَیں حال کے موجودہ دور کی بات نہیں کر رہا مَیں مستقبل کی بات کر رہا ہوں۔ وہ لوگ جو آج نمازی ہیں جب تک ان کی اولادیں نمازی نہ بن جائیں جب تک آئندہ نسلیں ان کی آنکھوں کے سامنے نماز پر قائم نہ ہو جائیں اس وقت تک احمدیت کے مستقبل کے متعلق خوش آئند اُمنگیں رکھنے کا ہمیں کوئی حق نہیں پہنچتا اس لئے بالعموم ہر احمدی بالغ سے خواہ وہ مرد ہو یا عورت ہو مَیں بڑے عجز کے ساتھ یہ استدعا کرتا ہوں کہ اپنے گھروں میں اپنی آئندہ نسلوں کی نمازوں کی حالت پر غور کریں ان کا جائزہ لیں ان سے پوچھ لیں اور روز پوچھا کریں کہ وہ کتنی نمازیں پڑھتے ہیں۔معلوم کریں کہ جو کچھ وہ نماز میں پڑھتے ہیں اس کا مطلب بھی ان کو آتا ہے یا نہیں اور اگر مطلب آتا ہے تو غور سے پڑھتے ہیں یا اس انداز سے پڑھتے ہیں کہ جتنی جلدی بوجھ گلے سے اتار پھینکا جا سکے اتنی جلدی نماز سے فارغ ہو کر دنیا طلبی کے کاموں میں مصروف ہو جائیں۔اس پہلو سے اگر آپ جائزہ لیں اور حق کی نظر سے جائزہ لیں گے سچ کی نظر سے جائزہ لیں گے تو مجھے ڈر ہے کہ جو جواب آپ کے سامنے ابھریں گے وہ دلوں کو بے چین کر دینے والے جواب ہوں گے۔

سچائی کے اقرار کی جرأت پیدا کریں

کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ ایسی بات ،ایسی مجلس میں کرنا جس میں تمام دنیا سے مختلف ممالک کے نمائندے آئے ہوں یہ اچھا اثر پیدا نہیں کرے گا۔کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ یہ اقرار جو تمام دنیا میں تشہیر پا سکتا ہے اور مخالف اس سے خوش ہو سکتے ہیں ایسی مجلس میں کرنا کوئی اچھی بات نہیں مگر مجھے اس کی ادنیٰ بھی پرواہ نہیں کہ دنیا سچائی کے اقرار کے نتیجے میں ہمیں کیا کہتی ہے۔ جب تک آپ سچائی کے اقرار کی جرأت پیدا نہیں کرتے آپ کی دینی حالت درست نہیں ہو سکتی۔آپ کی اخلاقی حالت درست نہیں ہو سکتی۔آپ کی روحانی حالت درست نہیں ہو سکتی۔ ہمارا حال سب خدا کے سامنے ہے اور خدا کی نظر کے سامنے ہم ہمیشہ کھلی ہوئی کتاب کی

طرح پڑے رہتے ہیں اس لئے ہمارے جو بھی اقرار ہیں وہ اپنے خدا کے حضور ہیں اور یہ شعور بیدار کرنے کے لئے جماعت کے دلوں کو جھنجوڑنے کے لئے مَیں نے ضروری سمجھا کہ آج اس خطبے میں آپ کو خصوصیت کے ساتھ اس مرض کی طرف توجہ دلاؤں جس کے متعلق خطرہ ہے کہ ہماری اگلی نسلوں کے لئے بعض صورتوں میں مہلک ثابت ہوسکتا ہے۔

اپنے بچوں کے متعلق ذمہ داری کا احساس

جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے خصوصیت کے ساتھ مغربی ممالک میں یہ مرض پایا جاتا ہے اور بڑھ رہا ہے لیکن جب مَیں غور کی نظر سے مشرقی ممالک کو دیکھتا ہوں تو ان کی حالت بھی اس سے کوئی بہت زیادہ بہتر نہیں پاتا۔ یہاں تک کہ مَیں جب پاکستان کے حالات پر نظر ڈالتا ہوں تو وہاں کی جماعتوں کی حالت بھی کئی پہلوؤں سے قابل فکر دیکھتا ہوں۔

مجھے خدام الاحمدیہ کے ساتھ وابستہ رہنے کے نتیجے میں اور وقفِ جدید کے ساتھ وابستہ رہنے کے نتیجے میں اور انصاراللہ کے ساتھ وابستہ رہنے کے نتیجے میں دیہاتی جماعتوں میں پھرنے کا ایک لمبا تجربہ ہے۔ مجھے دیہاتی جماعتوں کے حالات کو قریب کی نظر سے دیکھنے کا موقع ملا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے میرا مزاج ایسا بنایا ہے کہ اعداد و شمار پر نظر رکھنے کی عادت ہے اس لئے مَیں نے تمام دوروں میں ہمیشہ تقریریں کرنے کی بجائے تفصیل سے حالات کا جائزہ لینے کی کوشش کی۔ بعض مجالس میں تقریر کے پروگرام کے ہوتے ہوئے بھی اس پروگرام کو منسوخ کیا اور نوجوانوں اور بچوں کو کھڑا کر کے ان سے پوچھنا شروع کیا کہ بتاؤ تم نماز میں کیسے ہو تمہیں نماز پڑھنی آتی بھی ہے یا نہیں۔ آتی ہے تو پڑھ کے سناؤ اور سناتے ہو تو پھر اس کا مطلب بھی بتاؤ غرضیکہ بڑی تفصیل سے مَیں نے جائزہ لیا ہے اور مسلسل ان دوروں کے وقت جماعت کو متنبہ کرتا رہا ہوں کہ جس حالت میں ہم آج اپنے بچوں کو پاتے ہیں یہ ہرگز اطمینان بخش نہیں ہے۔ اس لئے محض مغرب کو متّہم کرنا بھی مناسب نہیں۔ مغرب کے ملکوں کے بعض ایسے زائد محرکات ہیں جو نماز سے غیر اللہ کی طرف کھینچنے میں مزید ابتلاء پیدا کرتے ہیں۔ لیکن مشرقی ممالک میں کچھ اور قسم کے محرکات ہیں وہاں کی غربت، وہاں کی بدحالی، وہاں کے موسموں کی کڑی آزمائشیں، بہت سے ایسے محرکات ہیں جن کے نتیجے میں انسان میں بسا اوقات گھر واپس آنے کے بعد یہ طاقت نہیں رہتی کہ اپنی اولاد کی طرف صحیح توجہ دے سکے۔ اس لئے تمام دنیا میں جہاں جہاں بھی جماعت احمدیہ اللہ کے فضل سے اس وقت موجود

ہے،اس وقت 114 سے زائد ممالک میں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ قائم ہو چکی ہے۔ہمیں آج کے بعد کا بقیہ سال خصوصیت سے نماز کو قائم کرنے کی کوششوں میں صرف کرنا چاہیے۔تم میں سے ہر کوئی پوچھا جائے گا۔ یہ درست ہے کہ خدام الاحمدیہ کی ذمہ داریاں بھی ہیں انصار اللہ کی بھی ذمہ داریاں ہیں اور نظام جماعت کی من حیث الجماعت بھی ذمہ داریاں ہیں لیکن حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تربیت کا ہمیں گُر سکھایا وہ یہ نہیں تھا کہ تم اپنے نظام کے اوپر اپنے تربیت کے کاموں کا انحصار کرو بلکہ فرمایا کُلُّکُمْ رَاعٍ وَکُلُّکُمْ مَسْئُوْلٌ عَنْ رَعِیَّتِہٖ کہ خبردار تم میں سے ہر ایک سے اپنی رعیت کے متعلق پوچھا جائے گا۔مسلمان اگر یاد رکھتے تو کبھی بھی وہ انحطاط پذیر نہیں ہو سکتے تھے۔ ہر فرد بشر جو ایک گھر رکھتا ہے یا گھر سے بڑھ کر اپنے معاشرے میں کوئی حیثیت رکھتا ہے۔ایسے ہر شخص پر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان اطلاق پاتا ہے اور کیسے خوبصورت انداز میں ہمیں اپنی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ فرمایا۔

فرمایا تم میں سے ہر ایک ایک گڈریا ہے، مالک نہیں ہے رَاعٍ کا لفظ اُس گڈریے کے متعلق استعمال ہوتا ہے جو لوگوں کی بھیڑیں لے کر ان کو چرانے کے لئے باہر جاتا ہے۔تو یہ نہیں فرمایا کہ تم اپنی اولاد کے مالک ہو اور اپنی اولاد کے بارے میں تم پوچھے جاؤ گے یا جن لوگوں پر تمہارا اثر رسوخ ہے یا جس قوم میں تمہارا نفوذ ہے ان لوگوں یا اس قوم کے متعلق اس لئے پوچھے جاؤ گے کہ تم ان پر کوئی مالکانہ حقوق رکھتے ہو۔ فرمایا ہرگز نہیں۔تم جس حیثیت میں بھی ہو۔ایک چھوٹے دائرے میں ایک مقام تمہیں نصیب ہوا ہے، تمہارا مقام ایک گڈریے کا سا مقام ہے اور جو کچھ تمہاری رعیت ہے جو کچھ تمہارے تابع فرمان لوگ ہیں یہ سارے خدا کی ملکیت ہیں ۔ خدا کی بھیڑیں ہیں اور جس طرح بھیڑوں کا مالک گڈریے سے ان کا حساب لیا کرتا ہے اور بعض دفعہ ایک ایک بھیڑ کو گن کر وصول کرتا ہے اور نقصان کے عذر قبول نہیں کرتا اسی طرح تم میں سے ہر ایک خدا کے حضور جواب دہ ہے۔تم اپنی اولاد کے بھی مالک نہیں۔ یہ تمہارے سپرد امانتیں ہیں۔ اس لئے سب سے اہم ذمہ داری خود گھر والے کی ہے اور پھر حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مضمون کو آگے بڑھاتے ہوئے تفصیل سے یہ ذکر بھی فرمایا کہ گھر کی مالکہ بھی اپنے دائرہ اختیار میں مسئولہ ہوگی اس سے بھی پوچھا جائے گا۔اور کُلُّکُمْ نے تو سارے بنی نوع انسان کو محیط کر لیا ہے۔کسی قسم کا کوئی انسان بھی اس فرمان کے دائرہ کار سے باہر نہیں رہا اس لئے یہی وہ بہترین گُر ہے، یہی وہ بہترین ارشاد ہے جس کو سمجھنے کے بعد اور جس پر عمل کرنے کے بعد ہم فی الحقیقت زندہ رہنے کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ اس لئے ہر وہ شخص جو کسی حیثیت سے کوئی اثر رکھتا ہے اُسے نماز کا نگران ہو جانا چاہیے۔ ہر باپ کو اپنی

بیوی اور بچوں کا نگران ہونا چاہیے۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی پاکیزہ عادت

قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے بیوی اور بچوں کو باقاعدہ مستقل مزاجی کے ساتھ نماز کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ بہت پرانی بات ہے ہزاروں سال پہلے کا واقعہ ہے تمام انبیاء قوم کو نصیحت کیا کرتے ہیں مگر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام اس معاملے میں ایسا دل ڈال کر ایسی جان ڈال کر نصیحت فرمایا کرتے تھے اور ایسے بے قرار رہتے تھے اس بارے میں کہ اللہ تعالیٰ کے پیار اور محبت کی نظر ان پر پڑی اور قرآن کریم کی دائمی کتاب میں ان کا ذکر محفوظ فرما دیا۔ اس سے ایک سبق بھی ہمیں ملتا ہے کہ ہم کوئی کام خواہ کیسے ہی دنیا کی نظر سے مخفی طور پر کریں۔ دنیا کی نظر سے اوجھل رہ کر بھی کریں، آباد شہروں کے بیچ میں کریں یا صحراؤں کے درمیان ایک چھوٹی سی بستی میں کریں۔ شہر کی گلیوں میں کریں یا اپنے گھر کے خلوت خانے میں کریں، خدا کی نظر ہر کام پر پڑتی ہے اور جس کام کو خدا قبولیت عطا فرماتا ہے اس کام پر محبت اور پیار کی نظر رکھتا ہے اور اس کام کو ضائع ہونے نہیں دیتا اس نصیحت کی جو جزاء آپ کو اخروی دنیا میں ملے گی وہ ایک الگ جزاء ہے لیکن آپ کی مثال کو قیامت تک کے لئے دنیا کے سامنے زندہ کر کے پیش کر دینا خود اپنی ذات میں ایک اتنی عظیم الشان جزا ہے کہ اس کی مثال کم دنیا میں دکھائی دیتی ہے۔

یہ نصیحت بچپن سے شروع کریں

پس وہ اسماعیلی صفت اپنے اندر پیدا کریں اپنی بیویوں کی نمازوں کے متعلق متوجہ ہوں اپنے بچوں کی نمازوں کی طرف متوجہ ہوں۔ اپنی بچیوں کی نمازوں کی طرف متوجہ ہوں اور یاد رکھیں کہ اس کام کو جب تک بچپن سے آپ شروع نہیں کریں گے یہ کام ثمر دار ثابت نہیں ہوگا اس محنت کا ویسا پھل آپ کو نہیں مل سکتا جیسا کہ آپ توقع رکھتے ہیں۔ یہ وہ دوسری نصیحت ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی جب آپ نے یہ فرمایا کہ بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان کہو۔ جب آپ نے یہ فرمایا کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے اس کے بائیں کان میں تکبیر کہو تو درحقیقت انسانی فطرت کا یہ گہرا راز ہمیں سمجھا دیا کہ تربیت کے لئے کسی خاص عمر کا انتظار نہیں کیا جاتا جونہی بچہ ماں کے پیٹ سے باہر آتا ہے وہ تمہاری ذمہ

داری بن جاتا ہے اور اس دن سے اس کی تربیت کا آغاز ہو جاتا ہے۔ اس مضمون پر اس سے پہلے بھی مَیں روشنی ڈال چکا ہوں کہ گزشتہ زمانوں میں تو ایک جاہل انسان یہ اعتراض کر سکتا تھا کہ یہ ارشاد بے معنی اور مہمل ہے کیونکہ پہلے دن کے بچے کو تو کچھ سمجھ نہیں آتا۔ وہ تو نہ زبان سمجھتا ہے نہ اشارے جانتا ہے۔ اپنے ماں باپ تک کو پہچان نہیں سکتا۔ اس کے کان میں اذان دینے کا کیا مطلب ہے۔ مگر آج کی تحقیق نے بڑی وضاحت کے ساتھ یہ معاملہ کھول دیا ہے اور اس مقدمے کو حل کر دیا ہے کہ بچہ نہ صرف یہ کہ ماں کے پیٹ سے باہر آنے پر فوری طور پر اثر قبول کرنے لگ جاتا ہے بلکہ اب تو سائنسدان یہ بات بھی دریافت کر چکے ہیں کہ ماں کے پیٹ میں پیدائش سے پہلے بھی وہ بیرونی دنیا کے اثرات کو قبول کرتا ہے اس پر غور کرتے ہوئے میری توجہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک اور نصیحت کی طرف مبذول ہوئی۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب میاں بیوی تعلقات قائم کرتے ہیں تو اس وقت بھی دعا کیا کرو۔ اس وقت بھی شیطان کے لمس سے محفوظ رہنے کی دعا کیا کرو اور خدا سے پناہ مانگا کرو تو معلوم ہوا کہ پیدائش کے بعد تربیت کا ایک خاص مرحلہ شروع ہوتا ہے لیکن دراصل پیدائش سے پہلے بھی تربیت کا ایک مرحلہ شروع ہو جاتا ہے اور بچہ بننے کے وقت یا اُس کے آغاز کے وقت یا اس کے آغاز کے امکان کے وقت بھی انسان کو اپنی آئندہ نسلوں کی تربیت کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور خدا تعالیٰ سے استدعا کرنی چاہیے۔

آئندہ آنیوالی نسلوں کے لئے دعا کریں

پھر مزید میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ یہ مضمون تو اس سے بھی زیادہ گہرا ہے اور اس سے بھی زیادہ وسیع تر ہے۔ انبیاء کی تاریخ ہمیں بتلاتی ہے کہ وہ مدتوں بعد پیدا ہونے والی نسلوں کے لئے بھی دعا کیا کرتے تھے جن کا کوئی وجود نہیں تھا۔ وہ شہر مکہ جو آج تمام دنیا کے لئے مرجع خلائق ہے جب اس کے کھنڈرات کو از سر نو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بلند کرنا شروع کیا تو اُس وقت قیامت تک اپنی آنے والی نسلوں کے لئے دعائیں مانگیں پس حقیقت یہ ہے کہ تربیت کا آغاز بچے کے بڑے ہونے کے وقت کا منتظر نہیں ہوتا بلکہ اس کی پیدائش کے ساتھ اُس کی پیدائش سے پہلے بلکہ اس سے بھی پہلے شروع ہو جاتا ہے۔ یعنی آپ صرف اپنی اولاد کے لئے دعا نہ کریں بلکہ اولاد در اولاد اور آئندہ آنے والی نسلوں کے لئے بھی دعا کریں۔

دعا کے بغیر خشک نمازی پیدا ہوں گے

ان باتوں پر غور کرتے ہوئے میری توجہ پھر اس بات پر آ کر ٹھہر گئی کہ ہر بات کا مرکزی نقطہ تو دعا بنتی ہے۔ دعا کے بغیر کسی کوشش کو پھل نہیں لگتا۔ دعا کے بغیر کوئی محنت ثمر دار ثابت نہیں ہوتی۔ پس وہ ماں باپ جو اپنی اولاد کی تربیت میں دعا سے کام نہیں لیتے وہ جتنی محنت کریں حقیقت یہ ہے کہ ان کی محنت کو پھل نہیں لگ سکتا اگر دعا کے پانی کے بغیر خشک محنت کریں گے تو یاد رکھیں کہ وہ خشک نمازی پیدا کر دیں گے لیکن حقیقی عبادت کرنے والے پیدا نہیں کر سکتے۔ اس مسئلے پر غور کرتے ہوئے جب مَیں نے اپنے تجربہ پر نظر ڈالی تو اس وقت مجھے سمجھ آئی کہ کیوں بعض سخت گیر ماں باپ کی اولاد نماز پر تو قائم ہوئی لیکن وہ لوگ نماز کی روح سے خالی رہے اور جس طرح ایک مشین گھومتی ہے یا ایک روبوٹ چلتا ہے جو بظاہر زندگی والے آثار رکھتا ہے لیکن حقیقت میں زندگی سے خالی ہوتا ہے۔ ایسی عبادتیں بھی ہو جاتی ہیں۔ پس آخری بات یا یوں کہنا چاہیے کہ پہلی بات جو آخری بھی ہے اور پہلی بھی ہے وہ یہی ہے کہ اپنی آئندہ نسلوں کو عبادتوں پر قائم کرنے کیلئے دعا کی طرف متوجہ ہوں اور دعاؤں میں ابتہال پیدا کریں۔ دعاؤں میں درد پیدا کریں دعاؤں میں گریہ وزاری پیدا کریں۔ دعاؤں میں خدا تعالیٰ آپ کی بے چینی و بے آرامی کو محسوس کرے اور وہ جان لے کہ آپ واقعۃً اپنی اولادوں اور آئندہ دور تک آنے والی نسلوں کو خدا کے عبادت گزار بندے بنانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آئندہ سفر اختیار کرنے کے لئے آپ صراط مستقیم کے کنارے پر کھڑے ہوں گے۔ آپ کے صراطِ مستقیم پر چلنے کا آغاز ہو جائے گا۔ پھر جوں جوں اس راہ میں قدم آگے بڑھائیں ہمیشہ دعا کو یاد رکھیں اور دعا سے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہیں۔ دعا سے عجائب کام ہوتے ہیں۔ حیرت انگیز پاک تبدیلیاں پیدا ہوتی ہیں۔ نصیحت کو اک نیا شعور ملتا ہے وہ نصیحت کرنے والا جو دعا کا عادی نہیں اور دعا سے خالی نصیحت کرتا ہے اس کی نصیحت میں جان نہیں ہوتی اس کی نصیحت میں روح نہیں ہوتی۔ اس کی نصیحت بعض دفعہ خوبیاں پیدا کرنے کی بجائے طرح طرح کی خرابیاں پیدا کر دیتی ہے ایسا شخص جو دعا کا عادی نہیں اور ہر لمحہ اس کی اپنے خدا پر نظر نہیں اس کی نصیحت بعض دفعہ خود اس کے لئے بھی ہلاکت کا موجب بن جاتی ہے۔ کیونکہ اس کی نصیحت کی خشکی اس کی روح کے پانی کو چوس جاتی ہے۔ اور رفتہ رفتہ وہ خود ایک مشین بن جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک خشک نصیحت کرنے والا متکبّر ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک خشک نصیحت کرنے والا متکبّر بن کر نہ صرف خود خدا تعالیٰ کی راہوں سے دور چلا جاتا ہے بلکہ جن کو نصیحت کرتا ہے ان کو نیکیوں کی

طرف بلانے کی بجائے بدیوں کی طرف دھکیلتا ہے اور ایسی نصیحتیں نہ اس کے کام آتی ہیں اور نہ اُن کے کام آتی ہیں جن کو نصیحت کی جاتی ہے۔

خشک نصیحتوں والے مُلک

کئی ملک ہیں جو مثال کے طور پر آپ کے سامنے پیش کئے جاتے ہیں ان میں خدا کے نام پر کئی تحریکات پہنچائی جا رہی ہیں لیکن کوئی بھی اثر نہیں رکھتے۔ کیونکہ وہ نصیحتیں تقویٰ سے عاری ہیں وہ نصیحتیں دعا سے عاری ہیں۔ جماعت احمدیہ کو ایسا نہیں بننا۔ جماعت احمدیہ تمام دنیا کے لئے آج وہ آخری نمونہ ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونے کا احیاء ہے۔ اگر یہ نمونہ جماعت احمدیہ میں زندہ نہ ہوا تو ساری دنیا ہمیشہ کے لئے مر جائے گی۔ اس لئے حضرت بانی سلسلہ کے الفاظ میں مَیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی وہ آخری جماعت ہو جس پر کائنات کے خدا کی نظر ہے۔ جس سے ساری دنیا کی زندگی وابستہ ہو چکی ہے اور یہ عظیم الشان کام دعا کی مدد کے بغیر ممکن نہیں ہے اور یہ عظیم الشان کام ممکن نہیں ہے جب تک آپ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والی نسلیں اپنے پیچھے چھوڑ کر نہ جائیں جب تک ایسا نہ ہو کہ مرنے سے پہلے آپ کی نظریں اپنی اولاد کے چہروں پر اس طرح پڑ رہی ہوں کہ آپ کے دل سکینت واطمینان سے بھر جائیں کہ ہاں ہم نے خدا کی راہ میں عبادت کرنے والی اولاد پیچھے چھوڑی ہے۔ جب تک ان کا تقویٰ نہ آپ دیکھیں اس وقت تک آپ کی زندگی بھی بیکار ہے اور آپ کی موت بھی بے کار ہے۔ اس لئے اس امر کی طرف بہت زیادہ گہری توجہ دیں۔ ہر وقت بے قراری محسوس کریں کیوں آپ چین سے بیٹھتے ہیں جب آپ اپنی اولاد کو اپنے گھر میں بے نماز دیکھتے ہیں۔

آغاز سفر انجام سفر تو نہیں

پھر جب آپ غور کریں گے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ آغاز سفر کوئی انجام سفر تو نہیں۔ یہ سفر تو ایسا ہے جس میں لامتناہی مراحل آتے ہیں۔ اب بظاہر اپنی اولاد کو اگر دعاؤں کی مدد سے نماز پر قائم بھی کر دیں اور غور سے مطالعہ کریں تو آپ کو معلوم ہو گا کہ بہت سے نماز کے ایسے آداب ہیں جن سے وہ عاری ہیں۔ بہت سے نماز کے ایسے فوائد ہیں جو ان کو ملنے چاہئیں اور نہیں مل رہے نماز ان کی توجہ دنیا سے ہٹا کر دین کی طرف نہیں کرتی۔ ان کا دل اسی طرح دنیا میں اٹکا ہوا ہے جس طرح نماز پڑھنے سے پہلے اٹکا ہوا تھا۔ پس

جب ان باتوں کو آپ غور کی نظر سے دیکھیں گے تو پھر ان کی نمازوں کی حالت کو بہتر اور بہتر بنانے کی کوشش کرتے چلے جائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جیسا کہ مَیں نے بعض پچھلے خطبات میں حضرت بانی سلسلہ کے اقتباسات پڑھ کر سنائے اور بڑی تفصیل سے مضمون کی گہرائی میں جا کر آپ کو سمجھانے کی کوشش کی کہ نماز کا آغاز محض وہ مقصد نہیں ہے جس سے ہم ہمیشہ کی زندگی پا سکتے ہیں نماز کے آغاز کے بعد پھر آگے لامتناہی مراحل ہیں جو مسلسل جاری رہیں گے اور اس کے سوا کوئی اور صورت ممکن نہیں ہے۔ دنیا کا کوئی عبادت کرنے والا عبادت میں اپنے آخری مقام کو نہیں پا سکتا جب تک وہ اس مضمون کو نہ سمجھے کہ جس کی عبادت کی جاتی ہے اس کا کوئی آخری مقام نہیں ہے اور جب اس مضمون کو وہ سمجھ جاتا ہے تو پھر آخری منزل جس کی کوئی منزل نہیں، یعنی خدا تعالیٰ کی طرف مسلسل اور پیہم حرکت کا نام ہی نمازوں کی تکمیل یا نماز کے مقاصد کا حصول بن جاتا ہے۔ اس سے یہ راز ہمیں سمجھ آ گیا کہ وہ نماز جو ایک حالت پر ٹھہر جاتی ہے وہ زندہ نماز نہیں رہتی۔ وہ نماز جس کی حالت آگے بڑھنے سے رُک جاتی ہے وہ یقیناً زندگی کے پانی سے محروم ہونا شروع ہو جاتی ہے۔ عبادت ایک ایسا مضمون ہے جس میں کوئی ٹھہراؤ نہیں ہے چنانچہ جب اس پہلو کو خوب سمجھنے کے بعد آپ اپنی اولاد کی طرف متوجہ ہوں گے تو آپ اپنے نفس کی طرف متوجہ ہوں گے۔ پھر آپ کو حضرت بانی سلسلہ کے اس شعر کا مضمون سمجھ میں آئے گا کہ

ہم ہوئے خیر اُمم تجھ سے ہی اے خیرِ رُسل
تیرے بڑھنے سے قدم آگے بڑھایا ہم نے

پھر آپ کو قدم آگے بڑھانے پڑیں گے تاکہ آپ کی اولاد آپ کے پیچھے پیچھے اپنے قدم بڑھائے پھر یہ مضمون یک طرفہ نصیحت کا مضمون نہیں رہے گا آپ خوب سمجھ لیں گے اور اس بات کا عرفان حاصل کر لیں گے کہ آپ کو ہمیشہ اپنی نمازوں کی حالت کو پہلے سے بہتر بنانا ہوگا اور اس کے ساتھ ساتھ اپنی اولاد کو اپنے پیچھے چلنے کے اشارے کرنے ہوں گے۔ اپنے پیچھے چلے آنے کی تلقین کرنی ہوگی اور نمازوں کے جو پھل آپ حاصل کریں گے ان پھلوں میں اپنی اولاد کو شریک کرنا ہوگا اس طرح ان کو یہ معلوم ہوگا کہ یہ کوئی محض دکھاوے کا بُوٹا نہیں یہ وہ پھلدار درخت ہے جسے واقعۃً اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور فضلوں اور اس کے قرب اور اس کے پیار کے پھل لگتے ہیں۔ پھر یہ نمازیں ثمر دار ہو جائیں گی پھر یہ نمازیں ہمیشہ نشوونما پاتی رہیں

گی۔پس نماز کی حقیقت کی طرف نظر کریں۔

اس راہ میں ہمت نہ ہاریں

گہرائی سے اپنی اولاد کا جائزہ لیں پھر اپنا جائزہ لیں اور پھر دونوں مل کر دعائیں کرتے ہوئے اس سفر کو آگے بڑھاتے جائیں۔ اس راہ میں بہت ہی محنت درکار ہے۔ بہت سے مراحل آتے ہیں جن میں انسان تھک جاتا ہے۔ ہمت ہار دیتا ہے۔ سمجھتا ہے کہ کب تک مَیں یہ کام کرتا رہوں گا۔ بسا اوقات اپنی اولاد کو نصیحت کرتا ہے مہینوں سالوں اور اولادان کی طرف متوجہ نہیں ہوتی بعض دفعہ دل میں سخت درد پیدا ہوتا ہے کہ مَیں کیا کروں کس زبان سے انہیں سمجھاؤں کہ عبادت میں تمہاری زندگی ہے۔مگر بندہ عاجز ہے، بے بس ہے کوئی پیش اس کی نہیں جاتی۔لیکن یاد رکھیں ایسے موقعوں پر ہرگز مایوس نہیں ہونا اس وقت پھر یاد کریں کہ درحقیقت آپ کا تمام تر انحصار عاجزانہ دعاؤں پر ہے ایسی صورت میں جب آپ اپنی نصیحت کی ناکامی سے دل میں دکھ محسوس کریں وہ وقت خصوصیت کے ساتھ دعا کا وقت ہے۔مَیں جانتا ہوں کہ آپ میں سے بہتوں نے یہ تجربہ کیا ہوگا لیکن کئی ایسے بھی ہوں گے جن کو ذاتی طور پر شاید اس کا تجربہ نہ ہوا ہو اس لئے ان کو بتانے کی خاطر مَیں آپ کو بتاتا ہوں۔

مایوسی میں سے زندگی کا پانی

مَیں نے بارہا اپنی زندگی میں یہ محسوس کیا ہے کہ مایوسی کے وقت مایوسی میں سے زندگی کا پانی نکلتا ہے اگر آپ دعا کی طرف متوجہ ہو جائیں۔ جب آپ کی کوششیں بے کار جا رہی ہوں جب کوئی نتیجہ نہ نکل رہا ہو۔ اس وقت اگر آپ خدا کو الحاح کے ساتھ پکاریں، عاجزی اور خشوع کے ساتھ پکاریں تو انہی ناکامیوں میں سے مراد کا ایک ایسا چشمہ پھوٹتا ہے جو سبیل بن جاتا ہے جو ہمیشہ کے لئے آپ کو زندگی بخشتا ہے۔ پس اس روح کے ساتھ اپنی اولادوں کو نمازوں کو پر قائم کریں اور جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے آپ کو آغاز بہر حال پہلے سبق سے کرنا ہوگا پہلے ان کو روزمرّہ کی نمازوں کی عادت ڈالنی ہوگی۔

یہ کام سختی سے نہیں ہوگا

لیکن یہ یاد رکھیں یہ کام سختی سے نہیں ہوگا۔ دعا کے بعد آپ کے دل میں ایک قسم کی نرمی پیدا

ہوجائے گی۔ دعا کے بعد آپ کے دل میں ایک قسم کا عجز پیدا ہوجائے گا اور دعا کے نتیجے میں آپ کی اولاد کے دل بھی نرم ہوں گے آپ ان کو پیار اور محبت سے سمجھائیں اور ضروری نہیں کہ پہلے دن ہی آپ کی اولاد پانچ وقت کی نمازی بن جائے ضروری نہیں کہ آپ کی اولاد جب پانچ وقت کی نمازی بن جائے تو وضو میں بھی ویسا ہی اہتمام کرتی ہو اور دیگر لوازمات میں بھی ویسا ہی اہتمام کرتی ہو۔ ایسی خواتین بھی ملیں گی آپ کو ایسی بچیاں بھی ملیں گی جو اپنے سنگھار کو بچانے کی خاطر تیمّم کرلیں گی اس وقت ان کو تحقیر کی نظر سے نہ دیکھیں اس وقت ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ نہ بنائیں ورنہ آپ کی نصیحت سارا اثر کھودے گی۔ آپ ان کے قریب آنے کی بجائے دور ہٹ جائیں گے اور دور کی آواز وہ اثر نہیں کرتی جو قریب کی آواز اثر کیا کرتی ہے۔ ایک محبت کرنے والا جو اپنے محبوب کے کان میں سرگوشی کرتا ہے دنیا کی بلند ترین آواز رکھنے والا بھی وہ اثر اپنی آواز میں نہیں رکھ سکتا جب اس کی آواز دور کی آواز ہوا کرتی ہے۔

یہ راز کبھی نہ بھولیں

اس لئے آپ قریب رہیں۔ یہ یاد رکھیں اور کبھی نہ بھولیں کہ اگر کامیاب نصیحت کرنی ہے تو آپ کو ہمیشہ اپنی بیوی اپنے بچوں کے قریب رہنا ہوگا روحانی طور پر اپنے دلی تعلقات کے لحاظ سے کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ اور ان کے درمیان کوئی خلیج حائل ہوجائے۔ حوصلہ کریں، وسعتِ قلبی کا ثبوت دیں، ان کی کمزوریوں کو دیکھیں تو اپنی کمزوریاں بھی تو یاد کیا کریں آپ بھی کب پہلے دن سے ہمیشہ کے لئے نمازی بن گئے تھے۔ کئی مراحل میں سے آپ گزرے ہیں۔ کئی کمزوریاں ہیں جو آپ کی ذات میں موجود ہیں جن کے ساتھ آپ زندہ رہ رہے ہیں۔ جن کے ساتھ آپ نے ایک قسم کی صلح کررکھی ہے۔ آخر وہ بھی تو انسان ہیں ان کے اندر بھی کمزوریاں ہیں ان کے اندر بھی ایسے جذبات ہیں جو بچپن کی عمر میں بعض دفعہ غیر اللہ کی طرف زیادہ مائل ہوجایا کرتے ہیں اور ان کی تادیب کی ضرورت ہے ان کو رفتہ رفتہ تربیت دے کر ایک خاص نہج پر چلانے کی ضرورت ہے اس لئے یہ شوخیاں اور تیزیاں اور تحقیر کی باتیں کام نہیں دیں گی حوصلہ کرنا ہوگا مگر حوصلے کا یہ مطلب نہیں کہ آپ اپنی آنکھیں بند کرلیں۔ مَیں نے دو طرح کے لوگ دیکھے ہیں بعض اپنی اولاد سے اس قسم کا حوصلے کا سلوک کرتے ہیں کہ وہ جو مرضی کرتی رہے ان کو پرواہ کوئی نہیں یہ حوصلہ نہیں ہے یہ تو بے حسی ہے یہ تو موت ہے۔

اپنی اولاد کی بے دینی کا دکھ

حوصلہ یہ ہے کہ دکھ محسوس کریں اور دکھ کے ساتھ رہیں اور اس دکھ کو برداشت کر کے پھر اخلاق کا ثبوت دیں۔ اگر آپ ان کمزوریوں کو دیکھیں اور آپ کی روح بے چین نہ ہو جائے تو خدا کی قسم آپ حوصلے والے نہیں آپ مُردہ ہو چکے ہیں تکلیف کی آزمائش کے وقت حوصلہ دکھانا اور اُن محرکات کے وقت غصّے کو قابو میں رکھنا جبکہ انسان لازماً طیش کا شکار ہو جاتا ہے اس کو حوصلہ کہتے ہیں اور تربیت کے لئے اس حوصلے کی ضرورت ہے۔

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک دلگداز واقعہ

حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ایک ایسے صحابیؓ روایت کرتے ہیں جو ایک لمبے عرصے تک اسلام سے غافل رہے اور صحرا میں انہوں نے پرورش پائی اس لئے شہروں کے آداب اور اخلاق واطوار سے وہ ناواقف تھے۔ وہ کہتے ہیں کہ جب مَیں پہلی دفعہ مدینے میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا، تو مجھے نہ تو شہری تہذیب وتمدّن کا کوئی حال معلوم تھا نہ نماز کے آداب سے کوئی واقفیت تھی چنانچہ نماز کے دوران مَیں نے ایسی حرکتیں کیں جو نماز میں نمازی کو زیب نہیں دیتیں وہ کہتے ہیں کہ جب نماز ختم ہوئی تو ارد گرد سے صحابہؓ کی نظریں مجھ پر اس طرح پڑیں جیسے مجھے کھا جائیں گی کیونکہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور وہ جانتے تھے کہ آپؐ کی نماز میں یہ حرکتیں خلل انداز ہوئی ہیں اور یہ چیز وہ برداشت نہیں کر سکتے تھے وہ صحابی کہتے ہیں مَیں نے محسوس کیا کہ جیسے وہ خونی آنکھوں سے مجھے دیکھ رہے ہیں کہ یہ کیا حیثا نہ حرکتیں مَیں نے کیں۔ وہ کہتے ہیں مَیں نے خوف محسوس کیا لیکن اچانک میری نظر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر پڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں میں پیار بھرا ہوا تھا۔ ایسی محبت تھی ایسی شفقت تھی کہ جیسے ماں بہت ہی پیار کی حالت میں اپنے بچے کو دیکھ رہی ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو نماز میں یوں نہیں کیا کرتے، یوں کیا کرتے ہیں۔ آؤ مَیں تمہیں بتاؤں کہ نماز کس طرح پڑھا کرتے ہیں۔ ایسی ایک نہیں دو نہیں بیسیوں مثالیں ہیں کہ بڑوں سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حوصلے کا ثبوت دیا۔ بڑوں کے ساتھ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شفقت اور حلم کا سلوک کیا اور چھوٹوں کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک فرمایا۔ جاہلوں کے ساتھ بھی عالموں کے ساتھ بھی۔ یہ وہ مربی ہے جو ساری دنیا کو زندہ کرنے پر مامور فرمایا گیا تھا۔

اس مربی کے آثار کو اپنی ذات میں اپنے وجود میں جاری کرنا ہوگا اور اس مربی سے خود زندگی کے گُر پانے ہوں گے اور زندہ کرنے کے گُر سیکھنے ہوں گے اس لئے اپنی اولاد اور اپنی بیویوں کی تربیت میں ہرگز نہ عجلت سے کام لیں نہ سہل انگاری سے کام لیں یہ دونوں چیزیں مہلک ہیں نہ ان کی بیماریوں سے غافل ہوں نہ ان بیماریوں سے بے پرواہ ہوں اپنے احساس کو زندہ رکھیں اور اس دکھ کو زندہ رکھیں جو برائیوں کو دیکھنے کے نتیجہ میں ایک مومن کے دل میں لازمی پیدا ہوتا ہے۔

(ضمیمہ ماہنامہ تحریک جدید ستمبر 1988ء)

مجلس خدام الاحمدیہ کے پانچویں سالانہ یورپین اجتماع سے اختتامی خطاب (خلاصہ)

فرمودہ 9 اکتوبر 1988ء

☆ اجتماعات میں شمولیت کی برکت اور فائدہ
☆ ذکر الٰہی کی مجالس میں فرشتوں کا نزول اور اس کے مشاہدات
☆ ربوہ میں مخالفین کی اجتماعات پر پابندی لگانے کی بزدلانہ کوشش اور اس کا پس منظر
☆ دینی معلومات کی تمام تر ذمہ داری تنظیموں پر عائد ہوتی ہے
☆ ہماری کھیلوں کا معیار دنیا کے معیاروں سے بہت پیچھے ہے اس کو بلند کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے۔
☆ مباہلہ ...... عالمی روحانی مقابلہ اور اس کے نشانات
☆ اس قسم کے روحانی مقابلے بعض دفعہ ہزاروں سال کے بعد نصیب ہوا کرتے ہیں۔ آپ خوش نصیب ہیں جو اس زمانے میں رہ رہے ہیں

⚜

مجلس خدام الاحمدیہ کا پانچواں سالانہ یورپین اجتماع اسلام آباد (لندن) میں 9,8,7 اکتوبر کو منعقد ہوا۔ اس میں کُل 551 خدام نے شرکت کی۔ برطانیہ کے علاوہ جرمنی، ہالینڈ اور ناروے وغیرہ سے خدام تشریف لائے۔ حضور نے تقسیم انعامات کے بعد جو خطاب فرمایا اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

حضور نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فضل سے یورپین خدام الاحمدیہ کا اجتماع بخیر وخوبی اختتام کو پہنچ رہا ہے۔ جیسا کہ آپ نے سُنا کہ اس اجتماع میں .... یورپ سے جس قدر مہمانوں کی توقع تھی وہ کسی وجہ سے تشریف نہیں لا سکے اور ساتھ یہ بھی تسلیم کیا گیا ہے کہ برطانیہ سے بھی خدام کما حقہ شریک نہیں ہو سکے۔

اجتماعات میں شمولیت کا فائدہ

حضور نے فرمایا: خدام وانصار کے اجتماعات میں شرکت کی کمی کا رجحان قابل تشویش ہے۔ ان میں شامل ہونے والوں کے اندر نئے ولولے، نئی امنگیں جاگتیں ہیں اور جماعت پر اُن کا اعتقاد اور ایمان بہت بڑھ جاتا ہے۔ اور ان اجتماعات میں شامل ہونے والے بہت سے خاموش فیصلے کرتے ہیں۔ ہر اجتماع اور جلسہ سے جب مہمان واپس جاتے ہیں تو ان کے خطوں سے ان کے فیصلوں کا مجھے علم ہوتا ہے۔ جو ان کے دل خاموشی سے دوران اجتماع کرتے ہیں اور پھر یہ فیصلے ان کی کایا پلٹ دیتے ہیں۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ذکر الٰہی کی مجالس میں فرشتوں کے نزول والی حدیث کے حوالے سے بتایا کہ ہر اجتماع میں شرکت کرنے والے ان سے بہت سی برکتیں پاتے ہیں کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمّت کو اس تمثیل کے ذریعہ یہ خوشخبری دے رکھی ہے کہ ان مجالس میں بلا ارادہ بیٹھنے والے بھی خدا کی رحمتوں اور برکتوں سے حصہ پاتے جاتے ہیں۔ حضور نے فرمایا کہ یہ ہے تو تمثیل لیکن اس میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے وہ بعینہٖ درست اور حق ہے اور ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ جماعت کے اجتماعات اور جلسوں میں وہ شامل ہونے والے بھی برکات پا جاتے ہیں جو کسی اور غرض سے آتے ہیں۔ اس ضمن میں بعض واقعات کا

ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ حضرت مصلح موعود کے زمانہ میں چار سی آئی ڈی انسپکٹر احمدی ہوئے۔ حالانکہ وہ منفی مقاصد کے لئے اور رپورٹ کی تیاری کے لئے آئے ہوئے تھے۔ مگر ان اجتماعات کی برکت سے احمدی ہو گئے اور پھر مخلص احمدی رہے۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنے امریکہ اور افریقہ کے دورہ کے دوران اپنے ساتھ پیش آنے والے بعض واقعات کا بھی ذکر فرمایا اور بتایا کہ پروٹوکول اور دیگر کاموں کے لئے حکومت کی طرف سے ہمارے ساتھ آدمی لگائے گئے تھے لیکن وقت کے ساتھ دورہ میں ہی ان کے اطوار میں فرق پڑنے لگ جاتا۔ چنانچہ ایک ملک میں ایسے ہی دو افراد نے بیعت بھی کی۔

حضور نے فرمایا یہ واقعہ ایک دفعہ نہیں بارہا ہو چکا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے 1400 سال پہلے تمثیلاً جو بات بتائی تھی بعض دنیا دار اور شک کی نظر سے دیکھنے والے سمجھتے ہوں گے کہ یہ محض کہانیاں ہیں کہاں فرشتے اترتے ہوں گے۔ لیکن ہم نے ایک دفعہ نہیں بیسیوں دفعہ اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ یقیناً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ بات آج بھی پوری ہو رہی ہے اور کل بھی پوری ہو گی۔

حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے ان اجتماعات میں شرکت کا رجحان پیدا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ آئندہ سے خدام وانصار کو بہت پہلے سے ہی ایسی مہم جاری کرنی چاہیے کہ کثرت سے ایسی مجالس میں خدام وانصار اور اسی طرح لجنہ بھی جب کہ ان کی مجلس ہو شامل ہوں۔ اگر ایسا ہوا تو اس کے نتیجہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کے فضل سے بہت نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوں گی۔

ربوہ میں اجتماعات پر پابندی لگانے کا پس منظر

حضور انور نے ان اجتماعات پر غیر از جماعت کو بھی لانے کی تلقین فرمائی اور بتایا کہ ربوہ میں ایسے ہی آنے والوں میں سے ہر سال کچھ نہ کچھ بیعتیں ہو جایا کرتی تھیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے ہمارے مخالفین نے ربوہ میں ہونے والے کھیلوں کے اجتماعات کے خلاف اعتراض کیا اور حکومت سے دل آزاری کا بہانہ بنا کر انہیں بند کروا دیا گیا۔

حضور نے فرمایا ان کا اعتراض کھیلوں کی وجہ سے نہیں بلکہ کھیلوں کے ان اثرات کی وجہ سے تھا اور وہ جانتے تھے کہ احمدی خواہ کھیلوں کے لئے اکٹھے ہوں ان کے مذہبی اور روحانی مشاغل ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ اسی وجہ سے آج ہمارے اسیران راہ مولیٰ جیلوں میں بکثرت احمدی بنا کر سنّت یوسفی کو زندہ کر چکے

ہیں۔اس لئے ان میں شرکت کو ہلکا نہ سمجھیں اور یہ نہ سمجھا جائے کہ کچھ شامل ہو جائیں تو ٹھیک اور اگر شامل نہ ہوں تو کچھ فرق نہیں پڑتا۔ بلکہ بکثرت شرکت سے ان کے بہت اچھے نتائج ظاہر ہوں گے۔

مختلف مقابلوں کے معیار کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ موجودہ معیار کسی حد تک اچھا رہا ہے مگر ابھی بہت سا خلاء ہے اپنے معیار کو بہت بلند کرنے اور ان خلاؤں کو بھرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ایک احمدی بچے کو جس قدر معلوم ہونا چاہیے ابھی اتنا اسے معلوم نہیں۔

دینی معلومات اور ذیلی تنظیم کی ذمہ داری

حضور نے فرمایا وقتی میلانات تو بعض اوقات پلٹ جایا کرتے ہیں لیکن مستقل ضمانت تو منتظمین ہی کے ذریعہ دی جاسکتی ہے۔اس لئے آج کے بعد خدام الاحمدیہ کو اس طرف پوری توجہ کرنی چاہیے اور بہت سے مستعد خدام کو علمی اور تربیتی کاموں کی طرف ڈالنا چاہیے کھیلوں کے معیار خدام کی توجہ کے محتاج نہیں کیونکہ جس ملک میں ہم رہ رہے ہیں وہاں پہلے ہی سے اس کی طرف بہت توجہ ہے۔ مگر جہاں تک دینی معلومات کا اور حالت کا تعلق ہے۔وہ تمام تر ہماری تنظیموں پر عائد ہوتی ہے۔ کھیلوں کے پہلو سے صرف بار بار خدام کو بتانے کی ضرورت ہے کہ آپ اپنی جسمانی صحت سے غافل نہ رہیں اور جہاں جہاں رہتے ہیں وہاں اپنے علاقہ یا اپنے سکول میں ہمت کے ساتھ یہ ارادہ کر کے ان میں حصہ لیں کہ آپ نے ایک احمدی کی حیثیت سے ان میں شامل ہونا ہے اور نام پیدا کرنا ہے تا کہ آپ کے نام کے ساتھ دین کا نام بھی روشن ہو۔اس پہلو سے اگر حصہ لیں گے تو خدا تعالیٰ کی طرف سے بہت برکتیں آپ کو ملیں گی۔

کھیلوں کا معیار بلند کریں

حضور نے فرمایا مَیں کل بھی اور آج بھی کھیلوں کے مقابلے دیکھتا رہا ہوں۔میں نے جائزہ لیا ہے کہ ہماری کھیلوں کا معیار دنیا کے معیاروں سے بہت پیچھے ہے۔فرق بہت زیادہ ہے اس کی توقع تو تھی ہی لیکن اس کے لئے اگر خاص طور پر خدام کو مختلف کھیلوں کے عالمی ریکارڈ سے وقتاً فوقتاً مطلع کیا جایا کرے تو اس سے ہمارے نوجوانوں کی کھیلوں کا معیار بہت بلند ہو جائے گا۔اگر معلومات مہیّا کی جائیں تو دلچسپی بھی بڑھتی ہے اور فائدہ بھی ہوتا ہے اور اپنا معیار جانچنے کا موقع ملتا ہے۔اور اس طرح انسان آگے بڑھتا ہے۔

مباہلہ کے اعجازی نشانات

آخر پر ایک اور مقابلے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا کہ یہ مباہلے کا مقابلہ ہے جو جاری ہو چکا

ہے۔ ہر احمدی کو اس میں تماش بین کی طرح نہیں بلکہ حصّہ لینے والوں کی طرح شامل ہونا چاہیے۔ آپ میں سے جتنے اس میں شامل ہوں گے اتنے ہی زیادہ برکتیں اور نشانات ظاہر ہوں گے۔ حضور نے فرمایا اس مباہلہ کے نتیجہ میں جب کہ خدا نے نصرت کے نشان دکھائے ہیں۔ دنیا بھر سے بکثرت بیعتوں کے خطوط ملنے لگے ہیں۔ ان کا تعلق صرف پاکستان و ہندوستان سے نہیں بلکہ فجی، امریکہ، یورپ اور افریقہ سے بھی ہے اور لکھنے والے لکھتے ہیں کہ یہ اعجازی نشان دیکھ کر ہم پوری شرح صدر کے ساتھ شامل ہو رہے ہیں۔ حضور نے فرمایا وہ لوگ جو براہ راست تکلیف کے ذریعہ پھل پانے سے محروم رہتے ہیں ان کے لئے اس موقع پر اس رنگ میں شامل ہونے کا ایک وقت میسّر آ گیا ہے۔ اس وقت میں وہ مباہلے کی تیاری کریں۔ حضور نے فرمایا نشانات کا سلسلہ جو جاری ہو چکا ہے وہ رکنے والا نہیں۔ کیونکہ جب خدا کی طرف سے یہ سلسلہ جاری ہو تو اس کا کوئی منتہیٰ بھی ہوا کرتا ہے۔ مباہلوں اور روحانی مقابلوں کے نتیجہ میں فیصلہ خدا کی ان دو انگلیوں کے درمیان ہوا کرتا ہے جن کے درمیان دل بے اختیار ہوا کرتے ہیں کہ جس طرف چاہے جب چاہے خدا کی تقدیر ان کا رخ پلٹ سکتی ہے۔ اس لئے آپ اپنی عبادت کے معیار کو بڑھائیں۔ گناہوں کو جھاڑنا، کمزوریوں کو دور کرنا شروع کریں۔ محض للہ بعض تبدیلیاں پیدا کریں اور دعائیں کریں کہ اے خدا تو احمدیت کے دشمنوں کے دلوں میں تبدیلیاں پیدا کر اور ایسے اعجازی نشان دکھا جو بظاہر قہری ہوں لیکن فی الحقیقت اپنے اندر تیرے جلال کی تجلیات لئے ہوں اور ان کی کشش اور حسن کے نتیجہ میں کثرت کے ساتھ دنیا کے دل احمدیت کی طرف مائل ہوں۔ پس اس عالمی مقابلے میں مَیں آپ کو شامل ہونے کی دعوت دیتا ہوں کیونکہ دنیا کی اولمپکس تو ہر چار سال کے بعد آ جایا کرتی ہیں۔ مگر اس قسم کے روحانی مقابلے بعض دفعہ ہزاروں سال کے بعد نصیب ہوا کرتے ہیں۔ آپ خوش نصیب ہیں۔ جو اس زمانے میں رہ رہے ہیں۔ لیکن موسیٰؑ کی قوم کی طرح ان معنوں میں نہ بڑھیں کہ آپ یہ کہیں کہ جا تو اور تیرا خدا لڑتے پھرو۔ ہم یہاں بیٹھ رہنے والے ہیں۔ بلکہ اٹھیں اور اس سفر میں میرے ساتھ شریک رہیں قدم قدم میں میرا ساتھ دیں اور دعاؤں کے ذریعہ اور پاک تبدیلیوں کے ذریعہ وہ انقلاب برپا کرنے کے لئے میری مدد کریں۔ جس کے لئے خدا نے مجھے نہیں بلکہ ہم سب کو مامور کیا ہے۔ خدا کرے کہ جلد تر وہ انقلاب دنیا میں رونما ہو۔ آمین

(ضمیمہ ماہنامہ مصباح اکتوبر 88ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 10 فروری 1989ء

☆ آئندہ صدی کے واقفین نو اور ہماری ذمہ داری
☆ ہمیں وقف کی روح رکھنے والے واقفین چاہئیں
☆ وقف نو میں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تربیت بھی نہایت ضروری ہے
☆ اگر ہم واقفین نو کی تربیت سے غافل رہے تو خدا کے مجرم ٹھہریں گے
☆ ہر واقف زندگی بچہ جو وقف نو میں شامل ہے بچپن سے ہی اس کو سچ سے محبت اور جھوٹ سے نفرت ہونی چاہیے
☆ بچوں کے مزاج میں شگفتگی، خوش مزاجی اور تحمل کی صفات پیدا کریں
☆ اچھے مزاح کو جاری کریں اور برے مزاح سے نفرت اور کراہت پیدا کریں
☆ بچوں میں تلاوت قرآن کریم کی عادت ڈالی جائے
☆ واقفین نو بچوں کو جنرل نالج بڑھانے کی طرف توجہ کرنی چاہیے

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

آئندہ صدی کے واقفینِ نو

آئندہ صدی کی تیاری کے سلسلہ میں ایک بہت ہی اہم تیاری کا تعلق واقفینِ نو سے ہے۔ مَیں نے وقف نو کی جو تحریک کی تھی اس کے نتیجہ میں خدا تعالیٰ کے فضل سے بارہ سو سے زائد ایسے بچوں کے متعلق اطلاع مل چکی ہے جو وقف نو کی نیت کے ساتھ دعائیں مانگتے ہوئے خدا سے مانگے گئے تھے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے ان کی خیر و عافیت کے ساتھ ولادت کا سامان فرمایا۔ **یہ چھوٹے چھوٹے بچے آئندہ صدی کے واقفینِ نو کہلاتے ہیں۔** اس کے علاوہ اور بھی بہت سے خطوط مسلسل ملتے چلے جارہے ہیں۔ اس سلسلہ میں دو طرح کی تیاریاں میرے پیش نظر ہیں۔ مگر اس سے پہلے کہ میں اس تیاری کا ذکر کروں میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ وقف نو کے لئے جتنی تعداد کی توقع تھی اتنی تعداد بلکہ اس کا ایک حصہ بھی ابھی پورا نہیں ہو سکا اور جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے اس میں پیغام پہنچانے والوں کا قصور ہے۔ بہت سے ایسے ممالک ہیں جہاں عامۃ الناس تک یہ پیغام پہنچایا ہی نہیں گیا اور جن دنوں میں یہ تحریک کی گئی تھی ان دنوں کیسٹ کا نظام آج کی نسبت بہت کمزور حالت میں تھا اور افریقہ کے ممالک اور ایسے دیگر ممالک جہاں اردو زبان نہیں سمجھی جاتی اور بعض علاقوں میں انگریزی بھی نہیں سمجھی جاتی وہاں ترجمہ کر کے کیسٹیں پھیلانے کا عملاً کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس وجہ سے وہ جو براہ راست پیغام کا اثر ہو سکتا ہے اس سے بہت سے احمدی علاقے محروم رہ گئے۔ بعد ازاں مؤثر رنگ میں اس تحریک کو پہنچانا بھی انتظامیہ کی ذمہ داری تھی مگر بعض جگہ اس ذمہ داری کو ادا کیا گیا اور بعض جگہ یا تو ادا نہیں کیا گیا یا نیم دلی کے ساتھ ادا کیا گیا ہے۔ صرف پیغام پہنچانا کافی نہیں ہوا کرتا۔ کس جذبے کے ساتھ پیغام پہنچایا جاتا ہے، کس محنت اور کوشش اور خلوص کے ساتھ پیغام پہنچایا جاتا

ہے، یہ پیغام کے قبول کرنے کے ساتھ گہرا تعلق رکھتا ہے۔

دنیا میں مختلف پیغمبر آئے۔ بنیادی طور پر ان کا ایک ہی پیغام تھا یعنی خدا کا پیغام بندوں کے نام۔لیکن جس شان کے ساتھ وہ پیغام حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہنچایا اس شان سے کوئی اور پہنچا نہیں سکا اور جس عظمت اور قدر اور قربانی کی روح کے ساتھ آپؐ کا پیغام قبول کیا گیا۔ تاریخ انبیاء میں اس عظمت اور قدر اور قربانی کی روح کے ساتھ کسی اور نبی کا پیغام قبول نہیں کیا گیا۔ اس لئے پیغام پہنچانا کافی نہیں۔ کس رنگ میں اور کس جذبے کے ساتھ، کس خلوص کے ساتھ، کس درجہ محبت اور پیار کے ساتھ دعائیں کرتے ہوئے پیغام پہنچایا جاتا ہے، یہ وہ چیزیں ہیں جو پیغام کی قبولیت یا عدم قبولیت کا فیصلہ کیا کرتی ہیں۔ اس لئے میری خواہش یہ تھی کہ کم سے کم پانچ ہزار بچے اگلی صدی کے واقفین نو کے طور پر ہم خدا کے حضور پیش کریں۔ اس تعداد کو پورا کرنے میں ابھی کافی سفر باقی ہے۔ بعض دوست یہ لکھ رہے ہیں کہ جہاں تک ان کا تاثر تھا یا میں نے شروع میں خطبے میں بات کی تھی اس کا واقعتہً یہی نتیجہ نکلتا ہوگا کہ جو اس صدی سے پہلے پہلے بچے پیدا ہو جائیں گے وہ وقف نو میں لئے جائیں گے اور اس کے بعد یہ سلسلہ بند ہو جائے گا۔ لیکن جس طرح بعض دوستوں کے خطوط سے پتہ چل رہا ہے وہ خواہش رکھتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ کر کہ اب وقت نہیں رہا وہ اس خواہش کو پایہ تکمیل تک نہیں پہنچا سکتے۔ ان کیلئے اور مزید تمام دنیا کی جماعتوں کے لئے جن تک ابھی یہ پیغام ہی نہیں پہنچا۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ وقف نو میں شمولیت کیلئے مزید دو سال کا عرصہ بڑھایا جاتا ہے اور فی الحال یہ عرصہ دو سال کیلئے بڑھایا جا رہا ہے تا کہ خواہشمند دوست اس پہلی تحریک میں شامل ہو جائیں ورنہ یہ تحریک تو بار بار ہوتی ہی رہے گی۔ لیکن خصوصاً وہ تاریخی تحریک جس میں اگلی صدی کیلئے واقفین بچوں کی پہلی فوج تیار ہو رہی ہے اس کا عرصہ آئندہ دو سال تک بڑھایا جا رہا ہے۔ اس عرصے میں جماعتیں کوشش کر لیں اور جس حد تک بھی ممکن ہو، یہ فوج پانچ ہزاری تو ضرور ہو جائے۔ اس سے بڑھ جائے تو بہت ہی اچھا ہے۔

واقفین کے والدین پر عائد ہونیوالی ذمہ داری

بہت سے والدین مجھے لکھ رہے ہیں کہ **ان بچوں کے متعلق ہمیں کرنا کیا ہے؟ تو جیسا کہ میں نے بیان کیا تھا اس کے دو حصے ہیں اول یہ کہ جماعت کی انتظامیہ نے کیا کرنا ہے اور دوسرا یہ کہ بچوں کے والدین نے**

کیا کرنا ہے؟ جہاں تک انتظامیہ کا تعلق ہے اس کے متعلق وقتاً فوقتاً میں ہدایات دیتا رہا ہوں اور جو جو نئے خیال میرے دل میں آئیں یا بعض دوست مشورے کے طور پر لکھیں ان کو بھی اس منصوبے میں شامل کر لیا جاتا ہے۔ لیکن جہاں تک والدین کا تعلق ہے آج میں اس ذمہ داری سے متعلق کچھ باتیں کرنی چاہتا ہوں۔

خدا کے حضور بچے کو پیش کرنا ایک بہت ہی اہم واقعہ ہے۔ یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے اور آپ یاد رکھیں کہ وہ لوگ جو خلوص اور پیار کے ساتھ قربانیاں دیا کرتے ہیں وہ اپنے پیار کی نسبت سے ان قربانیوں کو سجا کر پیش کیا کرتے ہیں۔ قربانیاں اور تحفے دراصل ایک ہی ذیل میں آتے ہیں۔ آپ بازار سے شاپنگ کرتے ہیں۔ عام چیز جو گھر کیلئے لیتے ہیں اسے باقاعدہ خوبصورت کاغذوں میں لپیٹ کر اور فیتوں سے باندھ کر سجا کر آپ کو پیش نہیں کیا جاتا۔ لیکن جب آپ یہ کہتے ہیں کہ یہ ہم نے تحفہ لینا ہے تو پھر دکاندار بڑے اہتمام سے اسکو سجا کر پیش کرتا ہے۔ پس قربانیاں تحفوں کا رنگ رکھتی ہیں اور ان کے ساتھ سجاوٹ ضروری ہے۔ آپ نے دیکھا ہوگا بعض لوگ تو مینڈھوں اور بکروں کو بھی خوب سجاتے ہیں اور بعض تو ان کو زیور پہنا کر پھر قربان گاہوں کی طرف لے کر جاتے ہیں، پھولوں کے ہار پہناتے ہیں اور کئی قسم کی سجاوٹیں کرتے ہیں۔ انسانی قربانی کی سجاوٹیں اور طرح کی ہوتی ہیں۔ انسانی زندگی کی سجاوٹ تقویٰ سے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے پیار اور اسکی محبت کے نتیجہ میں انسانی روح بن ٹھن کر تیار ہوا کرتی ہے۔ پس پیشتر اس کے کہ یہ بچے اتنے بڑے ہوں کہ جماعت کے سپرد کئے جائیں ان ماں باپ کی بہت ذمہ داری ہے کہ وہ ان قربانیوں کو اس طرح تیار کریں کہ ان کے دل کی حسرتیں پوری ہوں۔ جس شان کے ساتھ وہ خدا کے حضور ایک غیر معمولی تحفہ پیش کرنے کی تمنا رکھتے ہیں وہ تمنائیں پوری ہوں۔

اس سے پہلے مختلف ادوار میں جو واقفین جماعت کے سامنے پیش کئے جاتے رہے انکی تاریخ پر نظر رکھتے ہوئے میں سمجھتا ہوں کہ کئی قسم کے واقفین ہیں۔ کچھ تو وہ تھے جنہوں نے بڑی عمروں میں ایسی حالت میں اپنے آپ کو خود پیش کیا کہ خوش قسمتی کے ساتھ ان کی اپنی تربیت بہت اچھی ہوئی تھی اور وقف نہ بھی کرتے تب بھی وہ وقف کی روح رکھنے والے لوگ تھے۔ وہ (رفقاء) کی اولاد یا اول تابعین کی اولاد تھے۔ انہوں نے اچھے ماحول میں اچھی پرورش پائی اور وہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اچھی عادات سے سجے ہوئے لوگ تھے۔ واقفین کا یہ گروہ خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر پہلو سے زندگی کے ہر شعبہ میں نہایت کامیاب رہا۔

پھر ایک ایسا دور آیا جب بچے وقف کرنے شروع کئے گئے یعنی والدین نے اپنی اولاد کو خود وقف کرنا چاہا۔ اس دور میں مختلف قسم کے واقفین ہمارے سامنے آئے ہیں۔ بہت سے وہ ہیں جن کے متعلق والدین سمجھتے ہیں کہ جب ہم ان کو جماعت کے سپرد کریں گے تو وہ خود ہی انکی تربیت کریں گے اور اس عرصہ میں انہوں نے ان پر نظر نہیں رکھی۔ پس جب وہ جامعہ احمدیہ میں پیش ہوتے ہیں تو بالکل ایسے Raw Material یعنی ایسے خام مال کے طور پر پیش ہوتے ہیں جس کے اندر مختلف قسم کی بعض ملاوٹیں بھی شامل ہو چکی ہوتی ہیں۔ ان کو صاف کرنا ایک کارے دارد ہوا کرتا ہے۔ ان کو وقف کی روح کے مطابق ڈھالنا بعض دفعہ مشکل بلکہ محال ہو جایا کرتا ہے اور بعض بدعادتیں وہ ساتھ لیکر آتے ہیں۔ جماعت تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بعض لڑکوں کو جامعہ میں چوری کے نتیجہ میں وقف سے فارغ کیا گیا ہے۔ کسی کو جھوٹ کے نتیجہ میں وقف سے فارغ کیا گیا ہے۔ اب یہ باتیں ایسی ہیں کہ جن کے متعلق تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ اچھے نیک صالح احمدی میں پائی جائیں، کجا یہ کہ وہ واقفین زندگی میں پائی جائیں۔ لیکن معلوم یہی ہوتا ہے کہ **والدین نے پیش تو کر دیا لیکن تربیت کی طرف توجہ نہ کی یا اتنی دیر کے بعد ان کو وقف کا خیال آیا کہ اس وقت تربیت کا وقت باقی نہیں رہا تھا۔** بعض والدین سے تو یہ بھی پتہ چلا کہ انہوں نے اس وجہ سے بچہ وقف کیا تھا کہ عادتیں نہایت بگڑی ہوئی تھیں اور وہ سمجھتے تھے کہ اس طرح تو ٹھیک نہیں ہوتا۔ وقف کر دو تو خود ہی جماعت سنبھالے گی اور ٹھیک کرے گی۔ جس طرح پرانے زمانے میں بعض دفعہ بگڑے ہوئے بچوں کے متعلق کہتے تھے۔ اچھا ان کو تھانیدار بنوا دیں گے۔ تو جماعت میں چونکہ نیکی کی روح ہے اس لئے ان کو تھانیداری کا تو خیال نہیں آتا لیکن واقف زندگی بنانے کا خیال آجاتا ہے۔ حالانکہ تھانیداری سے تو ایسے بچوں کا تعلق ہو سکتا ہے، وقف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہو سکتا۔ یہ لوگ بہت بعید کی بات سوچتے ہیں۔ تھانیداری والا تو لطیفہ ہے لیکن یہ تو دردناک واقعہ ہے۔ وہ تو ایک ہنسنے والی کہاوت کے طور پر مشہور ہے لیکن یہ تو زندگی کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ خدا کے حضور پیش کرنے کیلئے آپ کو بس گندہ بچہ ہی نظر آیا ہے ناکارہ محض بچہ نظر آیا ہے جو ایسی گندی عادتیں لیکر پلا ہے کہ آپ اس کو ٹھیک نہیں کر سکتے۔

اس لیے بچوں کی یہ جو تازہ کھیپ آنے والی ہے اس میں ہمارے پاس خدا کے فضل سے بہت سا وقت ہے۔ اور اگر اب **ہم انکی پرورش اور تربیت سے غافل رہے تو خدا کے حضور مجرم ٹھہریں گے اور** پھر ہرگز یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اتفاقاً یہ واقعات ہو گئے ہیں۔ **اسلئے والدین کو چاہیے کہ ان بچوں کے اوپر سب سے پہلے خود گہری نظر رکھیں** اور جیسا کہ میں بیان کروں گا، بعض تربیتی امور کی طرف خصوصیت سے توجہ دیں اور

اگر خدانخواستہ وہ سمجھتے ہوں کہ بچہ اپنی افتادِ طبع کے لحاظ سے وقف کا اہل نہیں ہے تو ان کو دیانتداری اور تقویٰ کے ساتھ جماعت کو مطلع کرنا چاہیے کہ میں نے تو اپنی صاف نیت سے خدا کے حضور ایک تحفہ پیش کرنا چاہا تھا مگر بدقسمتی سے اس بچے میں یہ یہ باتیں ہیں۔ اگر ان کے باوجود جماعت اس کو لینے کے لئے تیار ہے تو میں حاضر ہوں، ورنہ اس وقف کو منسوخ کر دیا جائے۔ پس اس طریق پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ اب ہمیں آئندہ ان واقفینِ نو کی تربیت کرنی ہے۔

بچوں میں اخلاقِ حسنہ کی آبیاری کی اہمیت

جہاں تک اخلاقِ حسنہ کا تعلق ہے اس سلسلہ میں جو صفات جماعت میں نظر آنی چاہئیں وہی صفات واقفین میں بھی نظر آنی چاہئیں بلکہ اُن میں وہ بدرجہ اولیٰ نظر آنی چاہئیں۔ ان صفاتِ حسنہ یا اخلاق سے متعلق میں مختلف خطبات میں آپ کے سامنے مختلف پروگرام رکھتا رہا ہوں۔ ان سب کو ان بچوں کی تربیت میں خصوصیت سے پیش نظر رکھیں۔ خلاصۃً **ہر واقف زندگی بچہ جو وقف نو میں شامل ہے بچپن سے ہی اس کو سچ سے محبت اور جھوٹ سے نفرت ہونی چاہیے** اور یہ نفرت اس کو گویا ماں کے دودھ میں ملنی چاہیے۔ جس طرح Radiation کسی چیز کے اندر سرایت کرتی ہے اس طرح پرورش کرنے والی باپ کی بانہوں میں سچائی اس بچہ کے دل میں ڈوبنی چاہیے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ والدین کو پہلے سے بہت بڑھ کر سچا ہونا پڑے گا۔ ضروری نہیں ہے کہ سب واقفینِ زندگی کے والدین سچائی کے اس اعلیٰ معیار پر قائم ہوں جو اعلیٰ درجہ کے مومنوں کے لئے ضروری ہے۔ اس لئے اب ان بچوں کی خاطر ان کو اپنی تربیت کی طرف بھی توجہ کرنی ہوگی اور پہلے سے کہیں زیادہ احتیاط کے ساتھ گھر میں گفتگو کا انداز اپنانا ہوگا اور احتیاط کرنی ہوگی کہ لغو باتوں کے طور پر یا مذاق کے طور پر بھی وہ آئندہ جھوٹ نہیں بولیں گے۔ کیونکہ یہ خدا کی مقدس امانت اب آپ کے گھر میں پل رہی ہے اور اس مقدس امانت کے کچھ تقاضے ہیں جن کو بہرحال آپ نے پورا کرنا ہے۔ اس لئے ایسے گھروں کے ماحول سچائی کے لحاظ سے نہایت صاف ستھرے اور پاکیزہ ہو جانے چاہئیں۔ قناعت کے متعلق مَیں نے کہا تھا، اس کا واقفین سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ بچپن ہی سے ان بچوں کو قانع بنانا چاہیے اور حرص و ہوا سے بے رغبتی پیدا کرنی چاہیے۔ عقل اور فہم کے ساتھ اگر والدین شروع سے تربیت کریں تو ایسا ہونا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ غرض دیانت اور امانت کے اعلیٰ مقام تک ان بچوں کو پہنچانا ضروری ہے۔

علاوہ ازیں بچپن سے ایسے بچوں کے مزاج میں شگفتگی پیدا کرنی چاہیے۔ ترش رُوئی وقف کے ساتھ پہلو بہ پہلو نہیں چل سکتی۔ ترش رُو واقفینِ زندگی ہمیشہ جماعت میں مسائل پیدا کیا کرتے ہیں اور بعض دفعہ خطرناک فتنے بھی پیدا کر دیا کرتے ہیں۔ اس لئے **خوش مزاجی اور اس کے ساتھ تحمل یعنی کسی کی بات کو برداشت کرنا، یہ دونوں صفات واقفین بچوں میں بہت ضروری ہیں۔** مذاق یعنی مزاح اچھی چیز ہے لیکن مزاح کے اندر پاکیزگی ہونی چاہیے اور مزاح کی پاکیزگی کئی طرح سے ہو سکتی ہے۔ لیکن میرے ذہن میں اس وقت خاص طور پر دو باتیں ہیں۔ ایک تو یہ کہ گندے لطائف کے ذریعہ اپنے یا غیروں کے دل بہلانے کی عادت نہیں ہونی چاہیے اور دوسرے یہ کہ اس میں لطافت ہو۔ مذاق اور مزاح کے لئے ہم لطافت کا لفظ بھی استعمال کرتے ہیں یعنی اس کو لطیفہ کہتے ہیں۔ لطیفہ کا مطلب ہی یہ ہے کہ یہ بہت ہی نفیس چیز ہے۔ ہر قسم کی کرختگی اور بھونڈا پن لطافت سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ کثافت سے تعلق رکھتا ہے۔ چنانچہ ہندوستان کی اعلیٰ تہذیب میں جب بھی ایسے خاندانوں میں جہاں اچھی روایات ہیں کوئی بچہ ایسا لطیفہ بیان کرتا تھا جو بھونڈا ہو تو اسے کہا جاتا تھا کہ یہ لطیفہ نہیں ہے۔ یہ کثیفہ ہے۔ یہ تو بھانڈ پن ہے۔ تو بھانڈ پن اور اچھے مزاح میں بڑا فرق ہے۔ **اس لئے جو مزاح ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کی زندگی میں کہیں کہیں نظر آتا ہے۔ کیونکہ اکثر وہ مزاح کے واقعات اب محفوظ نہیں ہیں۔ اس میں پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپؑ کے (رفقاء) کی زندگی میں بھی مزاح نظر آتا ہے اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی کی طبیعت میں بھی بڑا مزاح تھا لیکن اس مزاح کے ساتھ دونوں قسم کی پاکیزگی تھی۔** لیکن بعض ایسے دوستوں کو بھی میں نے دیکھا ہے جنہوں نے مزاح سے یہ رخصت تو حاصل کر لی کہ مزاح میں کبھی وقت گزار لینا کوئی بری بات نہیں ہے لیکن وہ یہ فرق نہیں کر سکے کہ مزاح کے ساتھ پاکیزگی ضروری ہے۔ چنانچہ وہ بعض نہایت گندے اور بھونڈے لطیفے بھی اپنی مجلسوں میں بیان کرتے رہے اور بعض لوگوں نے اس سے سمجھ لیا کہ کوئی فرق نہیں پڑتا۔ حالانکہ بہت فرق پڑتا ہے۔ **اپنے گھر میں اچھے مزاح کو جاری کریں، قائم کریں۔ لیکن برے مزاح کے خلاف بچوں کے دل میں بچپن سے ہی نفرت اور کراہت پیدا کریں۔** یہ بظاہر چھوٹی سی بات ہے اور اس پر میں نے اتنا وقت لیا ہے لیکن میں جانتا ہوں کہ انسانی زندگی میں خصوصاً وہ زندگی جو تکلیفوں سے تعلق رکھتی ہو، جو ذمہ داریوں سے تعلق رکھتی ہو اور جس میں کئی قسم کے اعصابی تناؤ ہوں وہاں مزاح بعض دفعہ بہت ہی اہم کردار ادا کرتا ہے اور انسانی ذہن اور انسانی نفسیات کی حفاظت کرتا ہے۔

غنا کے متعلق میں پہلے بیان کر چکا ہوں۔قناعت کے بعد پھر غنا کا مقام آتا ہے اور غنا کے نتیجہ میں جہاں ایک طرف امیر سے حسد پیدا نہیں ہوتا وہاں غریب سے شفقت ضرور پیدا ہوتی ہے۔غنا کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ غریب کی ضرورت سے انسان غنی ہو جائے۔انسان اپنی ضرورت سے غیر کی ضرورت کی خاطر غنی ہوتا ہے۔اسلامی غنا میں یہ ایک خاص پہلو ہے جسے نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔**اس لئے واقفین بچے ایسے ہونے چاہئیں جو غریب کی تکلیف سے غنی نہ بنیں لیکن امیر کی امارت سے غنی ہو جائیں** اور کسی کو اچھا دیکھ کر انہیں تکلیف نہ پہنچے لیکن کسی کو تکلیف میں دیکھ کر وہ ضرور تکلیف محسوس کریں۔

جہاں تک ان کی تعلیم کا تعلق ہے جامعہ کی تعلیم کا زمانہ تو بعد میں آئے گا لیکن ابتداء ہی سے ایسے بچوں کو قرآن کریم کی تعلیم کی طرف سنجیدگی سے متوجہ کرنا چاہیے اور اس سلسلہ میں انشاءاللہ یقیناً نظامِ جماعت بھی ضرور کچھ پروگرام بنائے گا۔ایسی صورت میں والدین نظامِ جماعت سے رابطہ رکھیں اور جب بچے اس عمر میں پہنچیں کہ جہاں وہ قرآن کریم اور دینی باتیں پڑھنے کے لائق ہو سکیں تو اپنے علاقے کے نظام سے یا براہِ راست مرکز کو لکھ کر ان سے معلوم کریں کہ اب ہم کس طرح ان کو اعلیٰ درجہ کی قرآن خوانی سکھا سکتے ہیں اور پھر قرآن کے مطالب سکھا سکتے ہیں۔کیونکہ قاری دو قسم کے ہوا کرتے ہیں۔ایک تو وہ جو اچھی تلاوت کرتے ہیں اور ان کی آواز میں ایک کشش پائی جاتی ہے اور تجوید کے لحاظ سے وہ درست ادائیگی کرتے ہیں۔لیکن محض پُر کشش آواز سے تلاوت میں جان نہیں پڑا کرتی۔ایسے قاری اگر قرآن کریم کے معنی نہ جانتے ہوں تو وہ تلاوت کا بت تو بنا دیتے ہیں، تلاوت کے زندہ پیکر نہیں بنا سکتے۔لیکن وہ قاری جو سمجھ کر تلاوت کرتے ہیں اور تلاوت کے اس مضمون کے نتیجہ میں ان کے دل پگھل رہے ہوتے ہیں، ان کے دل میں خدا کی محبت کے جذبات اُٹھ رہے ہوتے ہیں، ان کی تلاوت میں ایک ایسی بات پیدا ہو جاتی ہے جو اصل رُوح ہے تلاوت کی۔تو ایسے گھروں میں جہاں واقفینِ زندگی ہیں وہاں تلاوت کے اس پہلو پر بہت زور دینا چاہیے۔خواہ تھوڑا پڑھایا جائے لیکن ترجمہ کے ساتھ۔مطالب کے بیان کے ساتھ پڑھایا جائے اور **بچے کو یہ عادت ڈالی جائے کہ جو کچھ بھی وہ تلاوت کرتا ہے وہ سمجھ کر کرتا ہے۔** ایک تو روزمرہ کی صبح کی تلاوت ہے۔اس میں تو ہو سکتا ہے کہ بغیر سمجھ کے بھی ایک لمبے عرصہ تک آپ کو اسے قرآن کریم پڑھانا ہی ہوگا لیکن ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ سکھانے اور مطالب کی طرف متوجہ کرنے کا پروگرام بھی جاری رہنا چاہیے نماز کی پابندی اور نماز کے جو لوازمات ہیں ان کے متعلق بچپن سے تعلیم دینا اور سکھانا، یہ بھی جامعہ میں آکر سیکھنے والی باتیں نہیں۔اس سے بہت پہلے گھروں میں بچوں کو اپنے ماں باپ کی تربیت کے نیچے یہ باتیں آجانی چاہئیں۔

تعلیم میں وسعت پیدا کرنے کی اہمیت

اس کے علاوہ تعلیم میں وسعت پیدا کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہیے اور دینی تعلیم میں وسعت پیدا کرنے کا ایک طریق یہ ہے کہ مرکزی اخبار و رسائل کا مطالعہ کرتا رہے۔ بدقسمتی سے اس وقت بعض ممالک ایسے ہیں جہاں مقامی اخبار نہیں ہیں اور بعض زبانیں ایسی ہیں جن میں مقامی اخبار نہیں ہیں۔ لیکن ابھی ہمارے پاس وقت ہے اور گزشتہ چند سالوں میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعتوں میں اپنے اپنے اخبار جاری کرنے کے رجحان بڑھ چکے ہیں۔ تو ساری جماعت کی انتظامیہ کو یہ بات پیش نظر رکھنی چاہیے کہ جب آئندہ دو تین سال میں یہ بچے سمجھنے کے لائق ہو جائیں یا چار پانچ سال تک سمجھ لیں تو اس وقت واقفینِ نو کے لئے بعض مستقل پروگرام، بعض مستقل فیچر آپ کے رسالوں اور اخباروں میں شائع ہوتے رہنے چاہئیں کہ وقف نو کیا ہے؟ ہم ان سے کیا توقع رکھتے ہیں؟ اور بجائے اس کے کہ اکٹھا ایک دفعہ ایسا پروگرام دے دیا جائے جو کچھ عرصہ کے بعد بھول جائے، یہ اخبارات چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تربیتی پروگرام پیش کیا کریں اور جب ایک حصہ رائج ہو جائے تو پھر دوسرے کی طرف متوجہ ہوں، پھر تیسرے کی طرف متوجہ ہوں۔ **واقفین بچوں کی علمی بنیاد وسیع ہونی چاہیے۔** عام طور پر دینی علماء میں یہی کمزوری دکھائی دیتی ہے کہ دین کے علم کے لحاظ سے تو اُن کا علم کافی وسیع اور گہرا بھی ہوتا ہے لیکن دین کے دائرہ سے باہر دیگر دنیا کے دائروں میں وہ بالکل لاعلم ہوتے ہیں۔ علم کی اس کمی نے اسلام کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ وہ وجوہات جو مذاہب کے زوال کا موجب بنتی ہیں اُن میں سے یہ ایک بہت ہی اہم وجہ ہے۔ اس لئے جماعت احمدیہ کو اس سے سبق سیکھنا چاہیے اور علم کی وسیع بنیاد پر قائم دینی علم کو فروغ دینا چاہیے۔ یعنی پہلے بنیاد عام دنیاوی علم کی وسیع ہو۔ پھر اُس پر دینی علم کا پیوند لگے تو بہت ہی خوبصورت اور بابرکت ایک شجرۂ طیبہ پیدا ہو سکتا ہے۔ تو اس لحاظ سے **بچپن ہی سے ان واقفین بچوں کو جنرل نالج بڑھانے کی طرف متوجہ کرنا چاہیے۔** آپ خود متوجہ ہوں تو ان کا علم آپ ہی آپ بڑھے گا۔ یعنی ماں باپ متوجہ ہوں اور بچوں کے لئے ایسے رسائل، ایسے اخبارات لگوایا کریں ایسی کتابیں پڑھنے کی ان کو عادت ڈالیں جس کے نتیجہ میں ان کا علم وسیع ہو اور جب وہ سکول میں جائیں تو ایسے مضامین کا انتخاب ہو جس سے سائنس کے متعلق بھی کچھ واقفیت ہو۔ عام دنیا کے جو آرٹس کے سیکولر مضامین ہیں مثلاً معیشت، اقتصادیات، فلسفہ، نفسیات، حساب، تجارت وغیرہ ایسے جتنے بھی متفرق امور ہیں ان سب میں سے کچھ نہ کچھ علم بچے کو ضرور ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں پڑھنے کی عادت ڈالنی

چاہیے کیونکہ سکولوں میں تو اتنا زیادہ انسان کے پاس اختیار نہیں ہوا کرتا۔ یعنی بچہ پانچ مضمون، چھ مضمون، سات مضمون رکھ لے گا، بعض دس بھی رکھ لیتے ہیں لیکن اس سے آگے نہیں جاسکتے۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے بچوں کو اپنے تدریسی مطالعہ کے علاوہ مطالعہ کی عادت ڈالنی چاہیے۔ اب یہ چیزیں ایسی ہیں جو ہمارے واقفینِ زندگی بچوں کے والدین میں سے اکثر کے بس کی نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ بہت سے بیچارے ایسے ہیں، افریقہ میں بھی اور ایشیا، یورپ اور امریکہ میں بھی جن کے اندر یہ استطاعت نہیں ہے کہ اس پروگرام کو وہ واقعۃً عملی طور پر اپنے بچوں میں رائج کرسکیں۔ اس لئے یہ جتنی باتیں ہیں تحریک جدید کے متعلقہ شعبہ کو یہ نوٹ کرنی چاہئیں اور اس خطبہ میں جو نکات ہیں ان کو آئندہ جماعت تک اس رنگ میں پہنچانے کا انتظام کرنا چاہیے کہ والدین کی اپنی کم علمی اور اپنی استطاعت کی کمی بچوں کی اعلیٰ تعلیم کی راہ میں روک نہ بن سکے۔ چنانچہ بعض جگہوں پر ایسے بچوں کی تربیت کا انتظام شروع ہی سے جماعت کو کرنا پڑے گا۔ بعض جگہ ذیلی تنظیموں سے استفادے کئے جاسکتے ہیں، مگر یہ بعد کی باتیں ہیں۔ اس وقت تو جو ذہن میں چند باتیں آرہی ہیں وہ میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ ہمیں کس قسم کے واقفین بچے چاہئیں۔

منضبط رویہ اپنانے کی تربیت

ایسے واقفین بچے چاہئیں جن کو شروع ہی سے اپنے غصے کو ضبط کرنے کی عادت ہونی چاہیے، جن کو اپنے سے کم علم کو حقارت سے نہیں دیکھنا چاہیے، جن کو یہ حوصلہ ہو کہ وہ مخالفانہ بات سنیں اور تحمل کا ثبوت دیں۔ جب ان سے کوئی بات پوچھی جائے تو تحمل کا ایک یہ بھی تقاضا ہے کہ ایک دم منہ سے کوئی بات نہ نکالیں بلکہ کچھ غور کر کے جواب دیں۔ یہ ساری ایسی باتیں ہیں جو بچپن ہی سے طبیعتوں میں اور عادتوں میں رائج کرنی پڑتی ہیں۔ اگر بچپن سے یہ عادتیں پختہ نہ ہوں تو بڑے ہو کر بعض دفعہ ایک انسان علم کے ایک بہت بلند معیار تک پہنچنے کے باوجود بھی ان عام سادہ سادہ باتوں سے محروم رہ جاتا ہے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ جب کسی سے کوئی سوال کیا جاتا ہے تو فوراً جواب دیتا ہے خواہ اس بات کا پتہ ہو یا نہ ہو۔ پھر بعض دفعہ یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ ایک بات پوچھی اور جس شخص سے پوچھی گئی ہے اس کے علم میں یہ تو ہے کہ یہ بات ہونے والی تھی لیکن یہ علم میں نہیں ہے کہ ہو چکی ہے۔ اس کے باوجود بسا اوقات وہ کہہ دیتا ہے کہ ہاں ہو چکی ہے۔ واقفینِ زندگی کے اندر یہ چیز بہت بڑی خرابی پیدا کرسکتی ہے۔ میں نے اپنے انتظامی تجربہ میں بارہا دیکھا ہے کہ اس قسم کی خبروں سے بعض دفعہ بہت سخت نقصان پہنچ جاتا ہے۔ مثلاً لنگر خانے میں مَیں ناظم ہوتا

تھا تو فون پر پوچھا کہ اتنے ہزار روٹی پک چکی ہے؟ تو جواب ملا کہ جی ہاں پک چکی ہے۔ اس پر تسلی ہوگئی۔ جب وہاں پہنچا تو پتہ لگا کہ ابھی کئی ہزار کی کمی ہے۔ میں نے کہا آپ نے یہ کیا ظلم کیا ہے۔ یہ جھوٹ بولا، غلط بیانی کی اور اس سے بڑا نقصان پہنچا ہے۔ کہنے لگے کہ نہیں جی۔ جب میں نے بات کی تھی اس سے آدھا گھنٹہ پہلے اتنے ہزار ہو چکی تھی تو آدھے گھنٹے میں اتنی تو ضرور بنی چاہیے تھی۔ یہ فارمولا تو ٹھیک ہے۔ لیکن واقعاتی دنیا میں فارمولے تو نہیں چلا کرتے۔ واقعۃً ایسی صورت میں یہ بات نکلی کہ وہاں کچھ خرابی پیدا ہوگئی۔ مزدوروں کی آپس میں کوئی لڑائی ہوگئی، گیس بند ہوگئی۔ کئی قسم کی خرابیاں ایسی پیدا ہو جاتی تھیں تو جس آدھے گھنٹے میں اس نے کئی ہزار کا حساب لگایا ہوا تھا وہ آدھا گھنٹہ کام ہی نہیں ہو رہا تھا۔ تو یہ عادت عام ہے۔ میں نے اپنے وسیع تجربے میں دیکھا ہے کہ ایشیا میں خصوصیت کے ساتھ یہ عادت بہت زیادہ پائی جاتی ہے کہ ایک چیز کا اندازہ لگا کر اس کو واقعات کے طور پر بیان کر دیتے ہیں اور واقفینِ زندگی میں بھی یہ عادت آ جاتی ہے۔ یعنی جو پہلے سے واقفین آئے ہوئے ہیں ان کی رپورٹوں میں بھی بعض دفعہ ایسے نقص نکلتے ہیں جس کی وجہ سے جماعت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس لئے **اس بات کی بچپن سے عادت ڈالنی چاہیے کہ جتنا علم ہے اس کو علم کے طور پر بیان کریں۔ جتنا اندازہ ہے اس کو اندازے کے طور پر بیان کریں** اور اگر بچپن میں آپ نے یہ عادت نہ ڈالی تو بڑے ہو کر پھر دوبارہ بڑی عمر میں اسے رائج کرنا بہت مشکل کام ہوا کرتا ہے کیونکہ ایسی باتیں انسان بغیر سوچے کرتا ہے۔ عادت کا مطلب ہی یہ ہے کہ خود بخود منہ سے ایک بات نکلتی ہے اور یہ بے احتیاطی بعض دفعہ پھر انسان کو جھوٹ کی طرف بھی لے جاتی ہے اور بڑی مشکل صورتِ حال پیدا کر دیتی ہے۔ کیونکہ ایسے لوگوں میں سے بہت سے میں نے ایسے دیکھے ہیں کہ جب ان سے پوچھا جائے کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ تو بجائے اس کے کہ وہ صاف صاف بیان کریں کہ ہم سے غلطی ہوگئی، ہم نے اندازہ لگایا تھا، وہ اپنی پہلی غلطی کو چھپانے کے لئے دوسری دفعہ پھر جھوٹ بولتے ہیں اور کوئی ایسا عذر تلاش کرتے ہیں جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔ جب اس عذر کو پکڑیں تو پھر ایک اور جُھوٹ بولتے ہیں۔ خجالت الگ، شرمندگی الگ، سب دنیا ان پر ہنس رہی ہوتی ہے اور وہ بیچارے جھوٹ پر جھوٹ بول کر اپنی عزت بچانے کی کوشش کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ چیزیں بچپن سے شروع ہوتی ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے جب کسی بات پر گھر میں پکڑے جاتے ہیں کہ آپ نے یہ کہا تھا یہ نہیں ہوا، اس وقت وہ ایسی حرکتیں کرتے ہیں اور ماں باپ اُس کا نوٹس نہیں لیتے۔ اس کے نتیجہ میں مزاج بگڑ جاتے ہیں اور پھر بعض دفعہ ایسے بگڑتے ہیں کہ ٹھیک ہو ہی نہیں سکتے۔ عادتاً وہ یہ کام شروع کر دیتے ہیں۔ یعنی جھوٹ نہیں ہوا کرتا، عادت ہے کہ تخمینے یا اندازے کو حقیقت بنا کر پیش کر دیا جاتا ہے۔ تو

ایسے واقفین اگر جامعہ میں آ جائیں گے تو جامعہ میں تو کوئی ایسا جادو نہیں ہے کہ پرانے بگڑے ہوئے رنگ اچانک درست ہو جائیں۔ ایسے رنگ درست ہوا کرتے ہیں غیر معمولی اندرونی انقلابات کے ذریعہ۔ وہ ایک الگ مضمون ہے۔ ہم ایسے انقلابات کے امکانات کو رد نہیں کر سکتے لیکن یہ دستور عام نہیں ہے۔ اس لئے ہم جب حکمت کے ساتھ اپنی زندگی کے پروگرام بناتے ہیں تو اتفاقات پر نہیں بنایا کرتے بلکہ دستور عام پر بنایا کرتے ہیں۔ پس اس پہلو سے بچوں کو بہت گہری تربیت دینے کی ضرورت ہے۔

مالی امور میں خصوصی احتیاط کی تعلیم

پھر عمومی تعلیم میں واقفین بچوں کی بنیاد وسیع کرنے کی خاطر جو ٹائپ سیکھ سکتے ہیں ان کو ٹائپ سکھانا چاہیے۔ اکاؤنٹس رکھنے کی تربیت دینی چاہیے دیانت پر جیسا کہ میں نے کہا تھا بہت زور ہونا چاہیے۔ اموال میں خیانت کی جو کمزوری ہے یہ بہت ہی بھیانک ہو جاتی ہے اگر واقفینِ زندگی میں پائی جائے۔ اس کے بعض دفعہ نہایت ہی خطرناک نتائج نکلتے ہیں۔ وہ جماعت جو خالصۃً طوعی چندوں پر چل رہی ہے اس میں دیانت کو اتنی غیر معمولی اہمیت حاصل ہے۔ گویا دیانت کا ہماری شہ رگ کی حفاظت سے تعلق ہے۔ سارا مالی نظام جو جماعت احمدیہ کا جاری ہے وہ اعتماد اور دیانت کی وجہ سے جاری ہے۔ اگر خدانخواستہ جماعت میں یہ احساس پیدا ہو گیا کہ واقفینِ زندگی اور سلسلہ کے شعبہ اموال میں کام کرنے والے خود بددیانت ہیں تو ان کو چندے دینے کی جو توفیق نصیب ہوتی ہے اس توفیق کا گلا گھونٹا جائے گا۔ لوگ چاہیں گے بھی تو پھر بھی ان کو واقعۃً چندہ دینے کی توفیق نہیں ملے گی۔ اس لئے واقفین کو خصوصیت کے ساتھ مالی لحاظ سے بہت ہی درست ہونا چاہیے اور اس لحاظ سے اکاؤنٹس کا بھی ایک گہرا تعلق ہے۔ جو لوگ اکاؤنٹس نہیں رکھ سکتے ان سے بعض دفعہ مالی غلطیاں ہو جاتی ہیں اور دیکھنے والا سمجھتا ہے کہ بددیانتی ہوئی ہے اور بعض دفعہ مالی غلطیوں کے نتیجہ میں وہ لوگ جن کو اکاؤنٹس کا طریقہ نہ آتا ہو بددیانتی کرتے ہیں اور افسر متعلقہ اس میں ذمہ دار ہو جاتا ہے۔ وہ لوگ جو اموال پر مقرر ہیں خدا تعالیٰ کے فضل سے ان کا مالی لحاظ سے دیانت کا معیار جماعت احمدیہ میں اتنا بلند ہے کہ دنیا کی کوئی جماعت بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ لیکن خرابیاں پھر بھی دکھائی دیتی ہیں۔ عمداً بددیانتی کی مثالیں تو بہت شاذ ہیں یعنی انگلیوں پر گنی جا سکتی ہیں۔ لیکن ایسے واقعات کی مثالیں بہت سی ہیں (یعنی بہت سی سے مراد یہ ہے کہ مقابلۃً بہت ہیں) کہ جن میں ایک شخص کو حساب رکھنا نہیں آتا، ایک شخص کو یہ نہیں پتہ کہ میں دستخط کرنے لگا ہوں تو اس کے نتیجہ میں میری کیا ذمہ داری ہے؟ مجھے کیا دیکھنا

چاہیے؟ جس کو جمع تفریق نہیں آتی اس بیچارے کے نیچے بعض دفعہ بد دیانتیاں ہو جاتی ہیں اور بعد میں پھر الزام اس پر لگتے ہیں اور بعض دفعہ تحقیق کے نتیجہ میں وہ بری بھی ہو جاتا ہے۔

بعض دفعہ معاملہ اُلجھا ہی رہتا ہے۔ پھر ہمیشہ ابہام باقی رہ جاتا ہے کہ پتہ نہیں بد دیانت تھا یا نہیں۔ اس لئے اکاؤنٹس کے متعلق تمام واقفین بچوں کو شروع سے ہی تربیت دینی چاہیے۔ تبھی میں نے حساب کا ذکر کیا تھا کہ ان کا حساب بھی اچھا ہو اور ان کو بچپن سے تربیت دی جائے کہ کس طرح اموال کا حساب رکھا جاتا ہے۔ روزمرہ سودے کے ذریعہ سے ہی ان کو یہ تربیت دی جاسکتی ہے اور پھر سودا اگر ان کے ذریعے کبھی منگوایا جائے تو اس سے ان کی دیانتداری کی نوک پلک مزید درست کی جاسکتی ہے۔ مثلاً بعض بچوں سے ماں باپ سودا منگواتے ہیں تو وہ چند پیسے جو بچتے ہیں وہ جیب میں رکھ لیتے ہیں، بددیانتی کے طور پر نہیں اُن کے ماں باپ کا مال ہے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ پیسے کیا واپس کرنے ہیں۔ وہ وقت ہے تربیت کرنے کا۔ اس وقت ان کو کہنا چاہیے کہ سودا منگوانے میں اگر ایک دھیلا، ایک دمڑی بھی باقی بچی ہو تو واپس کرنی چاہیے۔ پھر چاہے دھیلے کی بجائے دس روپے مانگو، اسکا کوئی حرج نہیں۔ لیکن بغیر بتائے کے جو دھیلا جیب میں ڈالا جاتا ہے کہ یہ بچ گیا تھا، اس کا کیا واپس کرنا تھا۔ اس نے آئندہ بددیانتی کے بیج بو دیئے ہیں، آئندہ بے احتیاطیوں کے بیج بو دیئے ہیں۔ تو قومیں جو بگڑتی اور بنتی ہیں وہ دراصل گھروں میں ہی بگڑتی اور بنتی ہیں۔ ماں باپ اگر باریک نظر سے اپنے بچوں کی تربیت کر رہے ہوں تو وہ عظیم مستقبل کی تعمیر کر رہے ہوتے ہیں یعنی بڑی شاندار قومیں ان کے گھروں میں تخلیق پاتی ہیں۔ لیکن یہ چھوٹی چھوٹی بے احتیاطیاں بڑے بڑے عظیم اور بعض دفعہ سنگین نتائج پر منتج ہو جایا کرتی ہیں۔ پس مالی لحاظ سے واقفین بچوں کو تقویٰ کی باریک راہیں سکھائیں۔ یہ جتنی باتیں میں کہہ رہا ہوں ان سب کا اصل میں تقویٰ سے تعلق ہے۔ تو تقویٰ کی کچھ موٹی راہیں ہیں جو عام لوگوں کو آتی ہیں۔ کچھ مزید باریک ہیں اور واقفین کو ہمیں نہایت لطیف رنگ میں تقویٰ کی تربیت دینی چاہیے۔

اس کے علاوہ واقفین بچوں میں سخت جانی کی عادت ڈالنا، نظام جماعت کی اطاعت کی بچپن سے عادت ڈالنا، اطفال الاحمدیہ سے وابستہ کرنا، ناصرات سے وابستہ کرنا، خدام الاحمدیہ سے وابستہ کرنا بھی بہت ضروری ہے۔ انصار اللہ کی ذمہ داری تو بعد میں آئے گی لیکن ۱۵ سال کی عمر تک، خدام کی حد تک تو آپ تربیت کر سکتے ہیں۔ **خدام کی حد تک اگر تربیت ہو جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے** پھر انصار کی عمر میں بگڑنے کا امکان شاذ کے

طور پر ہی کوئی ہوگا۔ ورنہ جتنی لمبی نالی سے گولی چلائی جائے اتنی دیر تک سیدھی رہتی ہے۔ خدام کی حد تک اگر تربیت کی نالی لمبی ہو جائے تو خدا کے فضل سے پھر موت تک وہ انسان سیدھا ہی چلے گا الا ماشاء اللہ۔ تو اس پہلو سے بہت ضروری ہے کہ نظام کا احترام سکھایا جائے۔ پھر اپنے گھروں میں کبھی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے نظام جماعت کی تخفیف ہوتی ہو یا کسی عہدیدار کے خلاف شکوہ ہو۔ وہ شکوہ اگر سچا بھی ہے پھر بھی اگر آپ نے اپنے گھر میں کیا تو آپ کے بچے ہمیشہ کیلئے اس سے زخمی ہو جائیں گے۔ آپ تو شکوہ کرنے کے باوجود اپنے ایمان کی حفاظت کر سکتے ہیں لیکن آپ کے بچے زیادہ گہرا زخم محسوس کریں گے۔ یہ ایسا زخم ہوا کرتا ہے کہ جس کو لگتا ہے اسکو کم لگتا ہے۔ جو قریب کا دیکھنے والا ہے اس کو زیادہ لگتا ہے۔ اس لئے اکثر وہ لوگ جو نظام جماعت پر تبصرے کرنے میں بے احتیاطی کرتے ہیں انکی اولادوں کو کم و بیش ضرور نقصان پہنچتا ہے اور بعض ہمیشہ کے لئے ضائع ہو جاتی ہیں۔ واقفین بچوں کو نہ صرف اس لحاظ سے بتانا چاہیے بلکہ یہ بھی سمجھانا چاہیے کہ اگر تمہیں کسی سے کوئی شکایت ہے خواہ تمہاری توقعات اس کے متعلق کتنی عظیم کیوں نہ ہوں، اس کے نتیجہ میں تمہیں اپنے نفس کو ضائع نہیں کرنا چاہیے۔ اگر کوئی امیر جماعت ہے اور اس سے ہر انسان کو توقع ہے کہ یہ کرے اور وہ کرے اور کسی توقع کو اس سے ٹھوکر لگ جاتی ہے تو واقفین زندگی کیلئے یہ بہت ضروری ہے کہ ان کو یہ خاص طور پر سمجھایا جائے کہ اس ٹھوکر کے نتیجہ میں تمہیں ہلاک نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بھی اسی قسم کے زخم والی بات ہے جس کا میں نے ذکر کیا ہے۔ یعنی دراصل ٹھوکر تو کھاتا ہے کوئی عہدیدار اور لحد میں اتر جاتا ہے دیکھنے والا۔ وہ تو ٹھوکر کھا کر پھر بھی اپنے دین کی حفاظت کر لیتا ہے۔ اپنی غلطی پر انسان استغفار کرتا ہے اور سنبھل جاتا ہے وہ اکثر ہلاک نہیں ہو جایا کرتا سوائے اس کے کہ بعض خاص غلطیاں ایسی ہوں۔ لیکن جن کا مزاج ٹھوکر کھانیوالا ہے وہ ان غلطیوں کو دیکھ کر بعض دفعہ ہلاک ہی ہو جایا کرتے ہیں، دین سے ہی متنفر ہو جایا کرتے ہیں اور پھر جراثیم پھیلانے والے بن جاتے ہیں۔ مجلسوں میں بیٹھ کر جہاں دوستوں میں تذکرے ہوتے ہیں وہاں کہہ دیا۔ جی فلاں صاحب نے تو یہ کیا تھا اور فلاں صاحب نے یہ کیا تھا۔ اس طرح وہ ساری قوم کی ہلاکت کا موجب بن جاتے ہیں۔ تو بچوں کو پہلے تو اس بلا سے محفوظ رکھیں۔ پھر جب ذرا بڑی عمر کے ہوں تو ان کو سمجھائیں کہ اصل محبت تو خدا اور اُس کے دین سے ہے۔ کوئی ایسی بات نہیں کرنی چاہیے جس سے خدائی جماعت کو نقصان پہنچتا ہو۔ آپ کو اگر کسی کی ذات سے تکلیف پہنچی ہے یا نقصان پہنچا ہے تو اس کا ہرگز یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ آپ کو حق ہے کہ اپنے ماحول، اپنے دوستوں، اپنے بچوں اور اپنی اولاد کے ایمانوں کو بھی آپ زخمی کرنا شروع کر دیں۔ اپنا زخم

حوصلے کے ساتھ اپنے تک رکھیں اور اس کے اندر مال کے جو ذرائع با قاعدہ خدا تعالیٰ نے مہیا فرمائے ہیں ان کو اختیار کریں لیکن لوگوں میں ایسی باتیں کرنے سے پرہیز کریں۔

آئندہ صدی کی عظیم لیڈر شپ کا اہل بنانے والی تربیت

آج بھی جماعت میں ایسی باتیں ہو رہی ہیں اور ایسے واقعات میری نظر میں آتے رہتے ہیں۔ مثلاً ایک شخص کو کوئی تکلیف پہنچی ہے اور اس نے بعض مخلصین کے سامنے وہ باتیں بیان کیں۔ وہ باتیں اگرچہ سچی تھیں لیکن اس نے یہ نہیں سوچا کہ ان مخلصین کے ایمان کو کتنا بڑا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ بعض واقفینِ زندگی نے بھی ایسی حرکتیں کیں۔ ان کو انتظامیہ سے یا تبشیر سے شکوہ ہوا۔ غیر ملکوں کے نو احمدی مخلصین بیچارے ساری عمر بڑے اخلاص کے ساتھ جماعت سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کو اپنا ہمدرد بنانے کی خاطر، یہ بتانے کے لئے کہ دیکھیں جی ہمارے ساتھ یہ ہوا ہے، وہ قصے بیان کرنے شروع کئے۔ خود تو اس طرح بچ کے واپس اپنے ملک میں چلے گئے اور پیچھے کئی زخمی رُوحیں چھوڑ گئے۔ ان کا گناہ کس کے سر پہ ہوگا۔ یہ بھی ابھی طے نہیں ہوا کہ انتظامیہ کی غلطی تھی بھی یا نہیں اور جہاں تک میں نے جائزہ لیا غلطی انتظامیہ کی نہیں تھی۔ بدظنی سے سارا سلسلہ شروع ہوا لیکن اگر غلطی ہوتی بھی تب بھی کسی کا یہ حق نہیں ہے کہ اپنی تکلیف کی وجہ سے دوسروں کے ایمان ضائع کرے۔ پس سچا وفادار وہ ہوا کرتا ہے جو خدا تعالیٰ کی جماعت پر نظر رکھے۔ اس کی صحت پر نظر رکھے۔ پیار کا وہی ثبوت سچا ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام نے تجویز کیا تھا اور اس سے زیادہ بہتر قابل اعتماد اور کوئی بات نہیں۔ آپ نے سنا ہے، بارہا مجھ سے بھی سنا ہے، پہلے بھی سنتے رہے ہیں کہ ایک دفعہ حضرت سلیمانؑ کی عدالت میں دو دعویدار ماؤں کا جھگڑا پہنچا جن کے پاس ایک ہی بچہ تھا۔ کبھی ایک گھسیٹ کر اپنی طرف لے جاتی تھی، کبھی دوسری گھسیٹ کر اپنی طرف لے جاتی تھی اور دونوں روتی اور شور مچاتی تھیں کہ یہ میرا بچہ ہے۔ کسی صاحبِ فہم کو سمجھ نہیں آئی کہ اس مسئلہ کو کیسے طے کیا جائے۔ چنانچہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی عدالت میں یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا کہ یہ طے کرنا تو بڑا مشکل ہے کہ یہ کس کا بچہ ہے۔ اگر ایک کا بچہ ہوا اور دوسری کو دے دیا گیا تو بڑا ظلم ہوگا۔ اس لئے کیوں نہ اس بچے کو دو ٹکڑے کر دیا جائے اور ایک ٹکڑا ایک کو دے دیا جائے اور دوسرا ٹکڑا دوسری کو دے دیا جائے تاکہ ناانصافی نہ ہو۔ چنانچہ انہوں نے جلاد سے کہا کہ آؤ اس بچے کو عین بیچ سے نصف سے دو ٹکڑے کر کے ایک، ایک کو دے دو اور دوسرا، دوسری کو دے دو۔ جو ماں

تھی وہ روتی چیختی ہوئی بچے پر گر پڑی کہ میرے ٹکڑے کر دو اور یہ بچہ اس کو دے دو۔ لیکن خدا کے لئے اس بچہ کو کوئی گزند نہ پہنچے۔ اس وقت حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ بچہ اس کا ہے۔ پس جو خدا کی خاطر جماعت سے محبت رکھتا ہے، کیسے ممکن ہے کہ وہ جماعت کو ٹکڑے ہونے دے اور ایسی باتیں برداشت کر جائے کہ جس کے نتیجہ میں کسی کے ایمان کو گزند پہنچتا ہو۔ وہ اپنی جان پر سب وبال لے لیگا اور یہی اس کی سچائی کی علامت ہے۔ لیکن اپنی تکلیف کو دوسرے کی رُوح کو زخمی کرنے کے لئے استعمال نہیں کرے گا، واقفین میں اس تربیت کی غیر معمولی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ ایک دفعہ واقعہ نہیں ہوا، دو دفعہ نہیں ہوا۔ بیسیوں مرتبہ پہلے ہو چکا ہے اور اس کے نتیجہ میں بعض دفعہ بڑے فتنے پیدا ہوئے ہیں۔ ایک شخص سمجھتا ہے کہ میں نے خوب چالاکی کی ہے خوب انتقام لیا ہے۔ اس طرح تحریک جدید نے مجھ سے کیا اور اس طرح پھر مَیں نے اس کا جواب دیا۔ اب دیکھو میرے پیچھے کتنا بڑا گروہ ہے اور یہ نہیں سوچا کہ وہ گروہ اس کے پیچھے نہیں، وہ شیطان کے پیچھے تھا۔ وہ بجائے متقیوں کا امام بننے کے منافقین کا امام بن گیا ہے اور اپنے آپ کو بھی ہلاک کیا ہے اور اپنے پیچھے چلنے والوں کو بھی ہلاک کیا۔ پس یہ چھوٹی چھوٹی باتیں سہی لیکن غیر معمولی نتائج پیدا کرنے والی باتیں ہیں۔ آپ بچپن سے ہی اپنے واقفینِ نو کو یہ باتیں سمجھائیں اور پیار و محبت سے ان کی تربیت کریں تا کہ وہ آئندہ صدی کی عظیم لیڈر شپ کے اہل بن سکیں۔

واقفین بچوں میں وفا کا مادہ پیدا کریں

اور بہت سی باتوں میں سے ایک اہم بات جو میں آخر پر کہنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ واقفین بچوں کو وفا سکھائیں۔ وقف زندگی کا وفا سے بہت گہرا تعلق ہے۔ وہ واقف زندگی جو وفا کے ساتھ آخری سانس تک اپنے وقف کے ساتھ نہیں چمٹتا وہ جب الگ ہوتا ہے تو خواہ جماعت اس کو سزا دے یا نہ دے وہ اپنی روح پر غداری کا داغ لگا لیتا ہے اور یہ بہت بڑا داغ ہے۔ اس لئے آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اپنے بچوں کو وقف کرنے کا، یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ اس فیصلے کے نتیجہ میں یا تو یہ بچے عظیم اولیاء بنیں گے یا پھر عام حال سے بھی جاتے رہیں گے اور ان کو شدید نقصان پہنچنے کا بھی احتمال ہے۔ جتنی بلندی ہو اتنا ہی بلندی سے گرنے کا خطرہ بھی تو بڑھ جایا کرتا ہے۔ اس لئے بہت احتیاط سے ان کی تربیت کریں اور ان کو وفا کے سبق دیں اور بار بار دیں۔ بعض دفعہ ایسے واقفین جو وقف چھوڑتے ہیں وہ اپنی طرف سے چالاکی سے چھوڑتے ہیں اور سمجھتے

ہیں کہ اب ہم جماعت کی حد سے باہر نکل گئے، اب ہم آزاد ہو گئے، اب ہمارا کچھ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ چالاکی تو ہوتی ہے لیکن عقل نہیں ہوتی۔ وہ چالاکی سے اپنا نقصان کرنے والے ہوتے ہیں۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے میرے سامنے ایک ایسے واقف زندگی کا معاملہ آیا جس کی ایسے ملک میں تقرری تھی کہ اگر وہاں ایک معین عرصہ تک وہ رہے تو وہاں کی Nationality کا حق دار بن جاتا تھا۔ بعض وجوہات سے میں نے اس کا تبادلہ ضروری سمجھا۔ چنانچہ جب میں نے اس کا تبادلہ کیا تو چھ یا سات ماہ ابھی اس مدت میں باقی تھے جس کے بعد وہ نیشنیلٹی کا حقدار بنتا تھا۔ تو اس کے بڑے لجاجت کے اور محبت اور خلوص کے خط آنے شروع ہوئے کہ مجھے یہاں قیام کی کچھ مزید مہلت دی جائے۔ میں نے وہ مہلت دے دی۔ بعض صاحب فہم لوگوں نے یہ سمجھا کہ وہ مجھے بیوقوف بنا گیا ہے۔ چنانچہ انہوں نے لکھا کہ جناب یہ تو آپ کے ساتھ چالاکی کر گیا ہے اور یہ تو چاہتا ہے کہ عرصہ پورا ہو اور پھر وقف سے آزاد ہو جائے، پھر اس کو پرواہ کوئی نہ رہے۔ میں نے ان کو بتایا یا لکھا کہ مجھے سب پتہ ہے۔ آپ کیا سمجھتے ہیں کہ میرے علم میں نہیں کہ یہ کیوں ایسا کر رہا ہے۔ لیکن وہ میرے ساتھ چالاکی نہیں کر رہا۔ وہ اپنے نفس کے ساتھ چالاکی کر رہا ہے۔ وہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے یُخٰدِعُونَ اللّٰہَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ (البقرہ:۱۰) اس لئے میں اس کی ڈور ڈھیلی چھوڑ رہا ہوں تا کہ یہ جو مجھے ظن ہے اور آپ کو بھی ہے یہ کہیں بدظنی نہ ہو۔ اگر وہ اس قسم کا ہے جیسا آپ سمجھ رہے ہیں اور جیسا مجھے بھی گمان ہے تو پھر وقف میں رہنے کے لائق نہیں ہے۔ بدظنی کے نتیجہ میں یعنی اس ظن کے نتیجہ میں جو بدظنی بھی ہو سکتی ہے، بجائے اس کے کہ ہم اس کو بدلتے پھریں اور اس کو بچاتے پھریں اس کو موقع ملنا چاہیے۔ چنانچہ وہ حیران رہ گیا کہ میں نے اس کو اجازت دے دی ہے۔ پھر اس نے کہا اب مزید اتنا عرصہ مل جائے تو اتنا روپیہ بھی مجھے مل جائے گا۔ میں نے کہا بیشک تم وہ بھی لے لو اور جب وہ واپس گیا تو اس کے بعد وہی ہوا جو ہونا تھا۔ کیسی بے وقوفوں والی چالاکی ہے۔ بظاہر سمجھ کی وہ بات جو تقویٰ سے خالی ہوا کرتی ہے اس کو ہم عام دنیا میں چالاکی کہتے ہیں۔ پس اپنے بچوں کو سطحی چالاکیوں سے بھی بچائیں۔

بعض بچے شوخیاں کرتے ہیں اور چالاکیاں کرتے ہیں اور ان کو عادت پڑ جاتی ہے۔ وہ دین میں بھی پھر ایسی شوخیوں اور چالاکیوں سے کام لیتے رہتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں بعض دفعہ ان شوخیوں کی تیزی خود ان کے نفس کو ہلاک کر دیتی ہے۔ اس لئے وقف کا معاملہ بہت اہم ہے۔ واقفین بچوں کو یہ سمجھائیں کہ خدا

کے ساتھ ایک عہد ہے جو ہم نے تو بڑے خلوص کے ساتھ کیا ہے۔لیکن اگر تم اس بات کے متحمل نہیں ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ تم واپس چلے جاؤ۔ایک گیٹ اور بھی آئے گا جب یہ بچے بلوغت کے قریب پہنچ رہے ہوں گے۔اس وقت دوبارہ جماعت ان سے پوچھے گی کہ وقف میں رہنا چاہتے ہو یا نہیں چاہتے۔ایک دفعہ امریکہ میں ڈزنی لینڈ میں جانے کا اتفاق ہوا۔وہاں ایک Ride ایسی تھی جس میں بہت ہی زیادہ خوفناک موڑ آتے تھے اور اس کی رفتار بھی تیز تھی اور اچانک بڑی تیزی کے ساتھ مڑتی تھی،تو کمزور دل والوں کو اس سے خطرہ تھا کہ ممکن ہے کسی کا دل ہی نہ بیٹھ جائے۔چنانچہ انہوں نے Warnings لگائی ہوئی تھیں کہ اب بھی واپس جا سکتے ہو،اب بھی واپس جا سکتے ہو اور پھر آخری وارننگ تھی سرخ رنگ میں کہ اب یہ آخری ہے، اب واپس نہیں جا سکو گے۔تو وہ بھی ایک گیٹ جماعت میں آنے والا ہے جب ان بچوں سے جو آج وقف ہوئے ہیں ان سے پوچھا جائے گا کہ اب یہ آخری دروازہ ہے، پھر تم واپس نہیں جا سکتے۔اگر زندگی کا سودا کرنے کی ہمت ہے،اگر اس بات کی توفیق ہے کہ اپنا سب کچھ خدا کے حضور پیش کر دو اور پھر کبھی واپس نہ لو، پھر تم آگے آؤ ورنہ تم اُلٹے قدموں واپس مڑ جاؤ۔تو اس دروازے میں داخلے کے لئے آج سے ان کو تیار کریں۔وقف وہی ہے جس پر آدمی وفا کے ساتھ تادمِ آخر قائم رہتا ہے۔ہر قسم کے زخموں کے باوجود انسان گھسٹتا ہوا بھی اسی راہ پر بڑھتا ہے۔واپس نہیں مڑا کرتا۔ایسے وقف کے لئے اپنی آئندہ نسلوں کو تیار کریں۔ اللہ آپ کے ساتھ ہو۔اللہ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم واقفین کی ایک ایسی فوج خدا کی راہ میں پیش کریں جو ہر قسم کے ان ہتھیاروں سے مزین ہو جو خدا کی راہ میں جہاد کرنے کے لئے ضروری ہوا کرتے ہیں اور پھر اُن پر ان کو کامل دسترس ہو۔

خطبہ جمعہ فرمودہ 17 فروری 1989ء

☆ بچپن سے ہی بچوں کی صحت کی بہت احتیاط کے ساتھ نگہداشت کریں
☆ بچے کی جس کھیل کی طرف رغبت ہو، اسی کھیل کی تربیت دلانے کی کوشش کریں
☆ اچھی کہانیوں سے بچوں کی قوت استدلال تیز ہوتی ہے
☆ بچوں کو عربی اور اردو زبان سکھانے کی اہمیت
☆ اپنی واقفین نسلوں کو کم از کم تین زبانوں کا ماہر بنائیں
☆ بچوں کو ان معنوں میں خوش اخلاق بنائیں کہ میٹھے بول بول سکتے ہوں
☆ واقفین بچیاں واقفین سے ہی بیاہی جائیں

⚜

تشہد،تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:-

میں نے گزشتہ خطبے میں واقفین کی نئی نسل کی تیاری کے سلسلے میں کچھ نصائح کی تھیں۔یعنی واقفین کی اس نسل کی تیاری کے سلسلے میں جو اگلی صدی کے تحفے کے طور پر جماعت احمدیہ خدا تعالیٰ کے حضور پیش کر رہی ہے۔چونکہ یہ مضمون پوری طرح گزشتہ خطبے میں ادا نہیں ہو سکا،بعض پہلو رہ گئے اور بعض مزید وضاحت کے محتاج تھے اس لئے آج مختصراً میں اسی مضمون کو بیان کرونگا۔واقفین کی تیاری کے سلسلے میں ان کی بدنی صحت کا بھی خاص طور پر خیال رکھنا ضروری ہے۔وہ واقفین جو مختلف عوارض کا شکار رہتے ہیں اگرچہ بعض ان میں سے خدا تعالیٰ سے توفیق پا کر غیر معمولی خدمت بھی سرانجام دے سکتے ہیں لیکن بالعموم صحت مند واقفین بیمار واقفین کے مقابل پر زیادہ خدمت کے اہل ثابت ہوتے ہیں۔**اس لئے بچپن ہی سے ان کی صحت کی بہت احتیاط کے ساتھ نگہداشت ضروری ہے۔** پھر ان کو مختلف کھیلوں میں آگے بڑھانے کی باقاعدہ کوشش کرنی چاہیے۔ہر شخص کا مزاج کھیلوں کے معاملے میں مختلف ہے۔**پس جس کھیل سے بھی کسی واقف بچے کو رغبت ہو اس کھیل میں حتی المقدور کوشش کے ساتھ ماہرین کے ذریعے اس کو تربیت دلانے کی کوشش کرنی چاہیے۔** بعض دفعہ ایک ایسا مربی جو کسی کھیل میں مہارت رکھتا ہو محض اس کھیل کی وساطت سے لوگوں پر کافی اثر ورسوخ قائم کر لیتا ہے اور نوجوان نسلیں اس کے ساتھ خاص طور پر وابستہ ہو جاتی ہیں۔پس ہم تربیت کا کوئی بھی راستہ اختیار کریں،کیونکہ ہماری نیتیں خالص ہیں اس لئے وہ رستہ خدا ہی کی طرف جائے گا۔دنیاوی تعلیم کے سلسلے میں مَیں نے بیان کیا تھا کہ ان کی تعلیم کا دائرہ وسیع کرنا چاہیے،ان کے علم کا دائرہ وسیع کرنا چاہیے۔اس سلسلے میں قوموں کی تاریخ اور مختلف ممالک کے جغرافیہ کو خصوصیت کے ساتھ ان کی تعلیم میں شامل کرنا چاہیے۔لیکن تعلیم میں بچے کے طبعی بچپن کے رجحانات کو ضرور پیش نظر رکھنا ہوگا اور محض تعلیم میں ایسی سنجیدگی اختیار نہیں کرنی چاہیے جس سے وہ بچہ یا تو بالکل تعلیم سے بے رغبتی اختیار کر

جائے یا دوسرے بچوں سے اپنے آپ کو بالکل الگ شمار کرنے لگے اور اس کا طبعی رابطہ دوسرے بچوں سے منقطع ہو جائے۔

کہانیوں سے ان کی تربیت کریں

مثلاً بچے کہانیاں بھی پسند کرتے ہیں اور ایک عمر میں جا کر ان کو ناولز کے مطالعہ سے بھی دور نہیں رکھنا چاہیے۔ لیکن بعض قسم کی لغو کہانیاں جو انسانی طبیعت پر گندے اور گہرے بد اثرات چھوڑ جاتی ہیں ان سے ان کو بچانا چاہیے خواہ نمونے کے طور پر ایک آدھ کہانی انہیں پڑھا بھی دی جائے۔ بعض بچے (Detective Stories) یعنی جاسوسی کہانیوں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں لیکن اگر انہیں اسی قسم کی لغو جاسوسی کہانیاں پڑھائی جائیں جیسے آج کل پاکستان میں رائج ہیں اور بعض مصنف بچوں میں غیر معمولی شہرت اختیار کر چکے ہیں جاسوسی کہانیوں کے مصنف کے طور پر تو بجائے اس کے کہ ان کا ذہن تیز ہو۔ ان کی استدلال کی طاقتیں صیقل ہو جائیں اور زیادہ پہلے سے بڑھ کر ان میں استدلال کی قوت چمکے وہ ایسے جاہلانہ جاسوسی تصورات میں مبتلا ہو جائیں گے کہ جس کا نتیجہ عقل کے ماؤف ہونے کے سوا اور کچھ نہیں نکل سکتا۔ شرلک ہومز کو تمام دنیا میں جو غیر معمولی عظمت حاصل ہوئی ہے وہ بھی تو جاسوسی ناول لکھنے والا انسان تھا لیکن اس کی جاسوسی کہانیاں دنیا کی اتنی زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں کہ آج تک کسی دوسرے مصنف کی اس طرز کی کہانیاں دوسری زبانوں میں اس طرح ترجمہ نہیں کی گئیں۔ جس طرح شیکسپیئر کے نام پر انگریز قوم کو فخر ہے۔ اسی طرح اس جاسوسی ناول نگار کے نام پر بھی انگریز قوم فخر کرتی ہے۔ یہ محض اس لئے ہے کہ اس کے استدلال میں معقولیت تھی اگرچہ کہانیاں فرضی تھیں۔ اس لئے اس قسم کی جاسوسی کہانیاں بچوں کو ضرور پڑھائی جائیں جن سے استدلال کی قوتیں تیز ہوں۔ لیکن احمقانہ جاسوسی کہانیاں تو استدلال کی قوتوں کو پہلے سے تیز کرنے کی بجائے ماؤف کرتی ہیں۔ اسی طرح ایک رواج ہندوستان میں اور پاکستان میں آجکل بہت بڑھ رہا ہے اور وہ بچوں کو دیومالائی کہانیاں پڑھانے کا رواج ہے اور ہندوستان کی دیومالائی کہانیوں میں اس قسم کے لغو تصورات بکثرت ملتے ہیں جو بچے کو بھوتوں اور جادو کا قائل کریں۔ اس قسم کے تصورات اس کے دل میں جاگزیں کریں کہ گویا سانپ ایک عمر میں جا کر اس قابل ہو جاتا ہے کہ دنیا کے ہر جانور کا روپ دھار لے اور اسی طرح جادوگرنیاں اور ڈائنیں انسانی زندگی میں ایک گہرا کردار ادا کرتی ہیں۔ یہ سارے فرضی قصے اگر بڑا

پڑھے تو جانتا ہے کہ یہ محض دل بہلاوے کی من گھڑت کہانیاں ہیں لیکن جب بچہ پڑھتا ہے تو ہمیشہ کے لئے اس کے دل پہ بعض اثرات قائم ہو جاتے ہیں۔ جو بچہ ایک دفعہ ان کہانیوں کے اثر سے ڈرپوک ہو جائے اور اندھیرے اور انہونی چیزوں سے خوف کھانے لگے پھر تمام عمر اس کی یہ کمزوری دور نہیں کی جاسکتی۔ بعض لوگ بچپن کے خوف اپنے بڑھاپے تک لے جاتے ہیں۔ اس لئے کہانیوں میں بھی ایسی کہانیوں کو ترجیح دینا ضروری ہے جن سے کردار میں عظمت پیدا ہو، حقیقت پسندی پیدا ہو، بہادری پیدا ہو۔ دیگر انسانی اخلاق میں سے بعض نمایاں کر کے پیش کئے گئے ہوں۔ ایسی کہانیاں خواہ جانوروں کی زبان میں بھی پیش کی جائیں وہ نقصان کی بجائے فائدہ ہی دیتی ہیں۔ عربی کہانیاں لکھنے والوں میں یہ رجحان پایا جاتا تھا کہ وہ جانوروں کی کہانیوں کی صورت میں بہت سے اخلاقی سبق دیتے تھے اور الف لیلیٰ کے جو قصے تمام دنیا میں مشہور ہوئے ہیں ان میں اگرچہ بعض بہت گندی کہانیاں بھی شامل ہیں لیکن ان کے پس پردہ روح یہی تھی کہ مختلف قصوں کے ذریعہ بعض انسانی اخلاق کو نمایاں طور پر پیش کیا جائے۔ مثلاً یہ قصہ کہ ایک بادشاہ نے اپنی ملکہ کو ایک کتے کی طرح باندھ کر ایک جگہ رکھا ہوا تھا اور جانوروں کی طرح اس سے سلوک کیا جارہا تھا اور کتے کو بڑے اہتمام کے ساتھ معزز انسانوں کی طرح محلات میں بٹھایا گیا تھا اور اس کی خدمت پر نوکر مامور تھے۔ یہ قصہ ظاہر ہے کہ بالکل فرضی ہے لیکن جو اعلیٰ خلق پیش کرنا مقصود تھا وہ یہ تھا کہ کتا مالک کا وفادار تھا اور ملکہ دغا باز اور احسان فراموش تھی۔ پس ایسی کہانیاں پڑھ کر بچہ کبھی یہ سبق نہیں لیتا کہ بیوی پر ظلم کرنا چاہیے بلکہ یہ سبق لیتا ہے کہ انسان کو دوسرے انسان کا وفادار اور احسان مند رہنا چاہیے۔ اسی طرح مولانا روم کی مثنوی بعض کہانیاں ایسی بھی پیش کرتی ہے جو پڑھ کر بعض انسان سمجھتے ہیں کہ یہ کیسے مولانا ہیں جو اتنی گندی کہانیاں بھی اپنی مثنوی میں شامل کئے ہوئے ہیں جن کو پڑھ کر انسان یہ سمجھتا ہے کہ ان کی ساری توجہ جنسیات کی طرف ہے اور اس کے باہر یہ سوچ بھی نہیں سکتے۔ چنانچہ ایک دفعہ لاہور کے ایک معزز غیر احمدی سیاستدان نے مجھے مولانا روم کی مثنوی پیش کی جس میں جگہ جگہ نشان لگائے ہوئے تھے اور ساتھ یہ کہا کہ آپ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بزرگ انسان تھا یہ اتنا بڑا مرتبہ تھا، ایسا بڑا فلسفی تھا، ایسا صوفی تھا۔ لیکن یہ واقعات آپ پڑھیں اور مجھے بتائیں کہ کوئی شریف انسان یہ برداشت کرے گا کہ اس کی بہو بیٹیاں ان کہانیوں کو پڑھیں۔ چنانچہ جب میں نے ان حصوں کو خصوصیت سے پڑھا تو یہ معلوم ہوا کہ نتیجہ نکالنے میں اس دوست نے غلطی کی ہے۔ یہ کہانیاں جنسیات سے ہی تعلق رکھتی تھیں لیکن ان کا آخری نتیجہ ایسا تھا کہ انسان کو جنسی بے راہ روی

سے سخت متنفر کر دیتا تھا اور انجام ایسا تھا جس سے جنسی جذبات کو انگیخت ہونے کی بجائے پاکیزگی کی طرف انسانی ذہن مائل ہوتا تھا۔ پس یہ تو اس وقت میرا مقصد نہیں کہ تفصیل سے لٹریچر کی مختلف قسموں پر تبصرہ کروں۔ یہ چند مثالیں اس لئے آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں کہ اپنے بچوں کو جو کچھ آپ پڑھاتے ہیں اس کے متعلق خوب متنبہ رہیں کہ اگر غلط لٹریچر بچپن میں پڑھایا گیا تو اس کے بداثرات بعض موت تک ساتھ چمٹے رہتے ہیں اور اگر اچھا لٹریچر پڑھایا جائے تو اس کے نیک اثرات بھی بہت ہی شاندار نتائج پیدا کرتے ہیں اور بعض انسانوں کی زندگیاں سنوار دیا کرتے ہیں۔

<u>جہاں تک زبانوں کا تعلق ہے سب سے زیادہ زور شروع ہی سے عربی زبان پر دینا چاہیے۔</u> کیونکہ ایک (مربی) عربی کے گہرے مطالعہ کے بغیر اور اس کے باریک در باریک مفاہیم کو سمجھے بغیر قرآن کریم اور احادیث نبویہ سے پوری طرح استفادہ نہیں کرسکتا۔ اس لئے بچپن ہی سے عربی زبان کے لئے بنیاد قائم کرنی چاہیے اور جہاں ذرائع میسر ہوں اس کی بول چال کی تربیت بھی دینی چاہیے۔ قادیان اور ربوہ میں ایک زمانے میں جب ہم طالبعلم تھے عربی زبان کی طرف توجہ تھی لیکن بول چال کا محاورہ نہیں سکھایا جاتا تھا یعنی توجہ سے نہیں سکھایا جاتا تھا۔ اس لئے اس کا بھی ایک نقصان بعد میں سامنے آیا۔ آج کل جو رواج ہے کہ بول چال سکھائی جارہی ہے لیکن زبان کے گہرے معانی کی طرف پوری توجہ نہیں کی جاتی۔ اس لئے بہت سے عرب بھی ایسے ہیں اور تجارت کی غرض سے عربی سیکھنے والے بھی ایسے ہیں جو زبان بولنا تو سیکھ گئے ہیں لیکن عربی کی گہرائی سے ناواقف ہیں اور اس کی گرائمر پر عبور نہیں ہے۔ پس اپنی واقفین نسلوں کو ان دونوں پہلوؤں سے متوازن تعلیم دیں۔ عربی کے بعد اردو بھی بہت اہمیت رکھتی ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل غلامی میں اس زمانے کا جو امام بنایا گیا ہے اس کا اکثر لٹریچر اردو میں ہے۔ احمدیہ لٹریچر چونکہ خالصۃً قرآن اور حدیث کی تفسیر میں ہے اس لئے عرب پڑھنے والے بھی جب آپ کے عربی لٹریچر کا مطالعہ کرتے ہیں تو حیران رہ جاتے ہیں کہ قرآن اور حدیث پر ایک ایسی گہری معرفت اس انسان کو حاصل ہے کہ جو اِن لوگوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتی تھی جو مادری لحاظ سے عربی زبان سیکھنے اور بولنے والے ہیں۔ چنانچہ ہمارے عربی مجلّہ التقویٰ میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کے جو اقتباسات شائع ہوتے ہیں ان کو پڑھ کر بعض غیر احمدی عرب علماء کے ایسے عظیم الشان تحسین کے خط ملے ہیں کہ انسان حیران رہ جاتا ہے۔ بعض ان میں سے مفتیوں کے بیٹے ہیں۔ اس عظمت کے آدمیوں کے بیٹے ہیں جن کو دین پر عبور ہے اور دین میں

معروف مفتی ہیں۔ان کا نام لینا یہاں مناسب نہیں لیکن انہوں نے مجھے خط لکھا کہ ہم تو حیران رہ گئے ہیں دیکھ کر اور بعض عربوں نے کہا کہ ایسی خوبصورت زبان ہے، ایسی دلکش عربی زبان ہے حضرت مسیح موعودؑ کی۔ ایک شخص نے کہا۔ میں بہت شوقین ہوں عربی لٹریچر کا مگر آج تک اس عظمت کا لکھنے والا میں نے کوئی عربی نہیں دیکھا۔ پس عربی کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح موعود کے اردو لٹریچر کا مطالعہ بھی ضروری ہے اور بچوں کو اتنے معیار کی اردو سکھانی ضروری ہے کہ وہ حضرت مسیح موعودؑ کے اردو لٹریچر سے براہ راست فائدہ اٹھا سکیں۔ جہاں تک دنیا کی دیگر زبانوں کا تعلق ہے خدا تعالیٰ کے فضل سے اب دنیا کے اکثر اہم ممالک میں ایسی احمدی نسلیں تیار ہو رہی ہیں جو مقامی زبان نہایت شستگی کے ساتھ اہل زبان کی طرح بولتی ہیں اور یہاں ہالینڈ میں بھی ایسے بچوں کی کمی نہیں ہے جو باہر سے آنے کے باوجود ہالینڈ کی زبان ہالینڈ کے باشندوں کی طرح نہایت شستگی اور صفائی سے بولنے والے ہیں۔لیکن افسوس یہ ہے کہ ان کا اردو کا معیار ویسا نہیں رہا۔ چنانچہ بعض بچوں سے جب میں نے پوچھا تو معلوم ہوا کہ ہالینڈش زبان میں تو وہ بہت ترقی کر چکے ہیں لیکن اردو زبان پر عبور خاصا قابل توجہ ہے یعنی عبور حاصل نہیں ہے اور معیار خاصہ قابل توجہ ہے۔ پس آئندہ اپنی واقفین نسلوں کو کم از کم تین زبانوں کا ماہر بنانا ہوگا۔عربی، اردو اور مقامی زبان۔ پھر ہمیں انشاء اللہ آئندہ صدی کے لئے دیگر ممالک میں احمدیت یعنی حقیقی (دین حق) کی تعلیم پیش کرنے والے بہت اچھے (مربی) مہیا ہو جائیں گے۔آئندہ جماعت کی ضروریات میں بعض انسانی خلق سے تعلق رکھنے والی ضروریات ہیں جن کا میں نے پہلے بھی ذکر کیا تھا اور اب دوبارہ اس پہلو پر زور دینا چاہتا ہوں۔ پس واقفین بچوں کے اخلاق پر خصوصیت سے توجہ کی ضرورت ہے۔ انہیں خوش اخلاق بنانا چاہیے۔ایک تو اخلاق کا لفظ ہے جو زیادہ گہرے خصائل سے تعلق رکھتا ہے۔اس کے متعلق میں پہلے کئی دفعہ بات کر چکا ہوں۔لیکن ایک اخلاق کا معنی عرف عام میں انسان کی میل جول کی اس صلاحیت کو کہتے ہیں جس سے وہ دشمن کم بناتا ہے اور دوست زیادہ۔کوئی بدمزاج انسان اچھا واقف زندگی ثابت نہیں ہوسکتا اور کوئی خشک مزاج انسان ملاں تو کہلا سکتا ہے، صحیح معنوں میں روحانی انسان نہیں بن سکتا۔ایک دفعہ ایک واقف زندگی کے متعلق ایک جگہ سے شکایتیں ملیں کہ یہ بد خلق ہے اور ترش روئی سے لوگوں سے سلوک کرتا ہے۔ جب میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی تو اس نے یہ جواب دیا کہ سب جھوٹ بولتے ہیں۔ میں تو بالکل درست اور صحیح چل رہا ہوں اور انکی خرابیاں ہیں۔ جب توجہ دلاتا ہوں تو پھر آگے سے غصہ کرتے ہیں۔ میں نے ان سے کہا کہ خرابیوں کی طرف تو سب

سے زیادہ توجہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دلائی تھی اور جتنی دوری اس دنیا کے لوگوں کی آپ سے تھی اسکا ہزارواں حصہ بھی جماعت احمدیہ کے نوجوان آپ سے فاصلے پر نہیں کھڑے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کامل طور پر معصوم تھے اور آپ خود اپنے اندر کچھ خرابیاں رکھتے ہیں۔ جن سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخاطب تھے وہ تمام برائیوں کی آماجگاہ تھے۔ مگر یہ نوجوان تو کئی پہلوؤں سے سلجھے ہوئے، منجھے ہوئے اور باہر کی دنیا کے جوانوں سے سینکڑوں گنا بہتر ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ جب نصیحت کریں تو وہ بدکتے ہیں اور متنفر ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ جب نصیحت فرماتے تھے وہ آپ کے عاشق ہو جایا کرتے تھے۔ دوسرے میں نے ان سے کہا کہ ایک آدھ شکایت تو ہر (مربی) کے متعلق، ہر ایسے شخص کے متعلق آ ہی جاتی ہے جو کسی کام پر مامور ہو۔ ہر شخص کو وہ راضی نہیں کر سکتا۔ کچھ لوگ ضرور ناراض ہو جایا کرتے ہیں لیکن ایک شخص کے متعلق شکایتوں کا تانتا لگ جائے تو اس پر غالب کا یہ شعر اطلاق پاتا ہے۔

سختی سہی کلام میں لیکن نہ اس قدر
کی جس سے بات اس نے شکایت ضرور کی

بچوں کو خوش اخلاق بنائیں

پس اپنے بچوں کو خوش اخلاق ان معنوں میں بنائیں کہ میٹھے بول بول سکتے ہوں۔ لوگوں کو پیار سے جیت سکتے ہوں۔ غیروں اور دشمنوں کے دلوں میں راہ پا سکتے ہوں۔ اعلیٰ سوسائٹی میں سرایت کر سکتے ہوں۔ کیوں کہ اسکے بغیر نہ تربیت ہو سکتی، نہ (دعوت الی اللہ) ممکن ہے۔ بعض (مربیان) کو اللہ تعالیٰ نے یہ صلاحیت عطا فرمائی ہے۔ اسلئے اپنے ملک کے بڑے سے بڑے لوگوں سے جب وہ ملتے ہیں تو تھوڑی سی ملاقات میں وہ انکے گرویدہ ہو جاتے ہیں اور اسکے نتیجے میں خدا تعالیٰ کے فضل سے (دعوت الی اللہ) کی عظیم الشان راہیں کھل جاتی ہیں۔ جہاں تک بچیوں کا تعلق ہے اس سلسلے میں بھی بار ہا ماں باپ سوال کرتے ہیں کہ ہم انہیں کیا بنائیں؟ وہ تمام باتیں جو مردوں کے متعلق یا لڑکوں کے متعلق میں نے بیان کی ہیں وہ ان پر بھی اطلاق پاتی ہیں۔ لیکن اسکے علاوہ انہیں گھر گرہستی کی اعلیٰ تعلیم دینی بہت ضروری ہے اور گھریلو اقتصادیات سکھانا ضروری ہے۔ کیونکہ بعید نہیں کہ وہ واقفین بچیاں واقفین کے ساتھ ہی بیاہی جائیں۔ جب میں کہتا ہوں کہ بعید نہیں تو مراد یہ ہے **کہ آپکی دلی خواہش یہی ہونی چاہیے کہ واقفین بچیاں**

واقفین سے ہی بیاہی جائیں ورنہ غیر واقفین کے ساتھ ان کی زندگی مشکل گزرے گی اور مزاج میں بعض دفعہ ایسی دوری ہوسکتی ہے کہ ایک واقف زندگی بچی کا اپنے غیر واقف خاوند کے ساتھ مذہب میں اسکی کم دلچسپی کی وجہ سے گزارا نہ ہو اور واقفین کے ساتھ شادی کے نتیجے میں بعض دوسرے مسائل اسکو درپیش ہوسکتے ہیں۔ اگر وہ امیر گھرانے کی بچی ہے۔ اسکی پرورش ناز و نعم میں ہے اور اعلیٰ معیار کی زندگی گزار رہی ہے تو جب تک شروع ہی سے اسے اس بات کے لئے ذہنی طور پر آمادہ نہ کیا جائے کہ وہ سادہ، سخت زندگی اور مشقت کی زندگی برداشت کر سکے اور یہ سلیقہ نہ سکھایا جائے کہ تھوڑے پر بھی انسان راضی ہوسکتا ہے اور تھوڑے پر بھی سلیقے کے ساتھ انسان زندہ رہ سکتا ہے۔ پس ایسی لڑکیاں جن کو بچپن سے مطالبوں کی عادت ہوتی ہے وہ جب واقفین زندگی کے گھروں میں جاتی ہیں تو انکے لئے بھی جہنم پیدا کرتی ہیں اور اپنے لئے بھی۔ مطالبے میں فی ذاتہ کوئی نقص نہیں لیکن اگر مطالبہ توفیق سے بڑھ کر ہو تو پھر خواہ خاوند سے ہو یا ماں باپ سے یا دوستوں سے تو زندگی کو اجیرن بنا دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملے میں ہمیں کیا خوبصورت سبق دیا جب فرمایا۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کہ خدا کسی کی توفیق سے بڑھ کر اس سے مطالبہ نہیں کرتا۔ تو بندوں کا کیا حق ہے کہ توفیق سے بڑھ کر مطالبے کریں۔ پس واقفین زندگی کی بیویوں کے لئے یا واقفین زندگی لڑکیوں کے لئے ضروری ہے کہ یہ سلیقہ سیکھیں کہ کسی سے اسکی توفیق سے بڑھ کر نہ توقع رکھیں، نہ مطالبہ کریں اور قناعت کے ساتھ کم پر راضی رہنا سیکھ لیں۔ اس ضمن میں ایک اہم بات جو بتانی چاہتا ہوں کہ حضرت مصلح موعود نے واقفین کی تحریک کے ساتھ ایک یہ بھی تحریک فرمائی کہ امیر گھروں کے بچوں کے باقی افراد کو یہ قربانی کرنی چاہیے کہ اسکے وقف کی وجہ سے اسکے لئے خصوصیت کے ساتھ کچھ مالی مراعات مہیا کریں اور یہ سمجھیں کہ جتنا مالی لحاظ سے ہم اسکو بے نیاز بنائیں گے اتنا بہتر رنگ میں وہ قومی ذمہ داریوں کی امانت کا حق ادا کر سکے گا۔ اس نصیحت کا اطلاق صرف امیر گھرانوں پر نہیں بلکہ غریب گھرانوں پر بھی ہوتا ہے۔ ہر واقف زندگی گھر کو یعنی ہر گھر جس میں کوئی واقف زندگی ہے آج ہی سے یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ خدا ہمیں جس پر رکھے گا ہم اپنے واقف زندگی تعلق والے کو اس سے کم معیار پر نہیں رہنے دیں گے۔ یعنی جماعت کے مطالبے کی بجائے بھائی اور بہنیں یا ماں باپ اگر زندہ ہوں اور توفیق رکھتے ہوں یا دیگر قریبی مل کر یہ ایسا نظام بنائیں گے کہ واقف زندگی بچہ اپنے زندگی کے معیار میں اپنے گھر والوں کے ماحول اور انکے معیار سے کم تر نہ رہے۔ چنانچہ ایسے بچے جب زندگی کی دوڑ میں حصہ لیتے ہیں تو کسی قسم کے (Inferiority Complex) یعنی احساس کمتری کا شکار نہیں رہتے اور امانت کا حق زیادہ بہتر ادا کر سکتے ہیں۔ جہاں تک بچیوں کی تعلیم کا تعلق ہے اس

میں خصوصیت کے ساتھ تعلیم دینے کی تعلیم دلانا یعنی ایجوکیشن کی انسٹرکشن جسے Bachelor Degree in Education غالباً کہا جاتا ہے یا جو بھی اسکا نام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ انکو استانیاں بننے کی ٹریننگ دلوانا، خواہ انکو استانی بنانا ہو یا نہ بنانا ہو انکے لئے مفید ہوسکتا ہے۔ اسی طرح لیڈی ڈاکٹرز کی جماعت کو خدمت کے میدان میں بہت ضرورت ہے۔ پھر کمپیوٹر سپیشلسٹ کی ضرورت ہے اور ٹائپسٹ کی ضرورت ہے اور یہ سارے کام عورتیں مردوں کے ملے جلے بغیر، سوائے ڈاکٹری کے، باقی سارے کام عمدگی سے سرانجام دے سکتی ہیں۔ پھر زبانوں کا ماہر بھی انکو بنایا جائے یعنی لٹریری (Literary) نقطہ نگاہ سے، ادبی نقطہ نگاہ سے انکو زبانوں کا چوٹی کا ماہر بنانا چاہیے تاکہ یہ جماعت کی تصنیفی خدمات کرسکیں۔ اس طرح اگر ہم سب اپنی آئندہ واقفین نسلوں کی نگہداشت کریں اور انکی پرورش کریں انکو بہترین واقف بنانے میں مل کر جماعتی لحاظ سے اور انفرادی لحاظ سے سعی کریں تو میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ صدی کے اوپر جماعت احمدیہ کی اس صدی کی نسلوں کا ایک ایسا احسان ہوگا کہ جسے وہ ہمیشہ جذبہ تشکر اور دعاؤں کے ساتھ یاد کریں گے۔

آخر پر یہ بتانا ضروری ہے کہ سب سے زیادہ زور تربیت میں دعا پر ہونا چاہیے۔ ان بچوں کے لئے ہمیشہ دردمندانہ دعائیں کرنا اور ان بچوں کو دعا کرنا سکھانا اور دعا کرنے کی تربیت دینا تاکہ بچپن ہی سے یہ اپنے رب سے ایک ذاتی گہرا تعلق قائم کرلیں اور اس تعلق کے پھل کھانے شروع کردیں۔ جو بچہ دعا کے ذریعے اپنے رب کے احسانات کا مشاہدہ کرنے لگتا ہے وہ بچپن ہی سے ایک ایسی روحانی شخصیت حاصل کرلیتا ہے جس کا مربی ہمیشہ خدا بنا رہتا ہے اور دن بدن اسکے اندر وہ تقدس پیدا ہونا شروع ہوجاتا ہے جو خدا کے سچے تعلق کے بغیر پیدا نہیں ہوسکتا اور دنیا کی کوئی تعلیم اور کوئی تربیت وہ اندرونی تقدس انسان کو نہیں بخش سکتی جو خدا تعالیٰ کی معرفت اور اسکے پیار اسکی محبت کے نتیجے میں نصیب ہوتا ہے۔ پس ان بچوں کی تربیت میں دعاؤں سے بہت زیادہ کام لیں۔ خود انکے لئے دعا کریں اور انکو دعا کرنے والے بچے بنائیں۔ میں امید رکھتا ہوں کہ ان ذرائع کو اختیار کرکے انشاء اللہ تعالیٰ جماعت کے سپرد کرنے سے پہلے پہلے ہی یہ بچے ہر قسم کے حسن سے آراستہ ہوچکے ہوں گے اور ایسے ماں باپ بڑی خوشی کے ساتھ اور کامل اطمینان کے ساتھ ایک ایسی قربانی خدا کے حضور پیش کررہے ہوں گے جسے انہوں نے اپنی توفیق کے مطابق خوب سجا کر اور بنا کر خدا کے حضور پیش کیا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان اعلیٰ تقاضوں کو پورا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مجلس خدام الاحمدیہ کے چھٹے سالانہ یورپین اجتماع سے افتتاحی خطاب

فرمودہ 15 ستمبر 1989ء

☆ خدام الاحمدیہ دیگر تنظیمات سے روابط پیدا کرے
☆ (دین حق) کی طرف یورپ کا بڑھتا ہوا رجحان
☆ حسین (دین حق) کی تصویر خدام نے دکھانی ہے
☆ خدام گردوپیش سے ایسا تعلق پیدا کریں جوان کو حرکت میں لائے
☆ جماعت احمدیہ کی موثر قوت عمل......وقار عمل

❦

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

خدام الاحمدیہ دیگر تنظیمات سے روابط پیدا کرے

مجلس خدام الاحمدیہ یورپ کا یہ اگلی صدی کا پہلا سالانہ اجتماع ہے اور اس پہلو سے اس اولیت کی بناء پر اسے خاص تاریخی مقام حاصل ہے۔ جہاں تک مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کا تعلق ہے اسے اللہ تعالیٰ نے یورپ میں ایک مرکزی حیثیت عطا فرمادی ہے۔ اور باوجود اس کے کہ بعض دوسرے یورپین ممالک میں بھی خدام الاحمدیہ بفضلہٖ تعالیٰ مستعد ہیں اور حسب توفیق خدمت دین بجالانے میں خدام پیچھے نہیں رہتے لیکن جرمنی کے خدام کو جس طرح غیر معمولی انہاک، محنت، خلوص اور استقلال کے ساتھ بہت سے مواقع پر خدمت دین کی توفیق ملی ہے یہ وہ ایک خاص اور ممتاز مقام ہے جو خدا تعالیٰ نے ان کو عطا فرمایا ہے لیکن جہاں تک غیر دنیا کا تعلق ہے ابھی تک میں یہ محسوس کر رہا ہوں کہ جرمنی کے خدام ابھی اپنے ماحول پر اثر انداز نہیں ہوسکے۔ اس پہلو سے یورپ کے دیگر خدام بھی میرے مخاطب ہیں۔ ہر چند کہ اندرونی طور پر مجالس خدام الاحمدیہ میں غیر معمولی سرگرمی کے آثار پائے جاتے ہیں لیکن جہاں تک بیرونی دنیا سے تعلق کا سوال ہے اس پہلو سے سہرا جرمنی کے خدام کے سر نہیں بلکہ خدام الاحمدیہ یونائیٹڈ کنگڈم یعنی انگلستان کے سر پر ہے وہ اس لحاظ سے آپ سے آگے بڑھ چکے ہیں اور بہت سے مواقع پر انہوں نے ایسی تقریبات منعقد کیں اور ابھی بھی اسی قسم کی اور تقریبات منعقد کرنے کے کچھ منصوبے بنا چکے ہیں، کچھ آئندہ بنائیں گے جن سے خدام الاحمدیہ کو اپنی ہی قسم کی دوسری تنظیمات سے رابطہ پیدا کرنے کا موقع ملے اور وہ خدام الاحمدیہ کے اخلاق اور خدام الاحمدیہ کے خاص کردار سے متاثر ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ جرمنی کی جماعت کے لئے اس میدان میں آگے بڑھنے کے بہت سے مواقع موجود ہیں اور انگلستان کی جماعت کے لئے بھی ابھی اور بہت سے آگے بڑھنے کے مواقع موجود ہیں اور یہ کام نہایت ضروری ہے۔ اگرچہ (دعوت الی اللہ) کے لحاظ

سے میں اس بات پر ہمیشہ زور دیتا ہوں کہ انفرادی (دعوت الی اللہ) ہی سے درحقیقت کامیابیاں وابستہ ہوا کرتی ہیں اور اجتماعی اور لٹریچر کے ذریعہ پیغام پہنچانے کی جو کوششیں ہوتی ہیں وہ دلوں پر عمومی اثر تو ڈال دیتی ہیں، دماغوں کو بالعموم مائل تو کر دیتی ہیں مگر انسانی واسطے اور انسانی تعلق کے بغیر، خصوصاً انفرادی کردار کو دیکھے بغیر لوگ مذہب تبدیل کرنے کا فیصلہ نہیں کیا کرتے۔ پس وہ نصیحت اپنی جگہ ہے اور اس موضوع پر میں بارہا پہلے بھی آپ سے خطاب کر چکا ہوں لیکن جہاں تک اجتماعی تعلق کا سوال ہے یعنی اجتماعی طور پر دوسری تنظیموں کے ساتھ رابطہ پیدا کرنا اس کو بھی اس سلسلہ میں ایک بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ آج کل یورپ میں جوانوں کی تنظیمیں بہت ہی زیادہ مستعد ہو رہی ہیں اور بالعموم آج کے دور میں یورپ کے نوجوان جب بھی کوئی تنظیم کی شکل اختیار کرتے ہیں تو وہ تنظیم اپنے ماضی کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر رہی ہوتی ہے اور یہ قدر مشترک صرف یورپ کے نوجوانوں کی تنظیم کی ہی نہیں بلکہ امریکہ اور دیگر مغربی دنیا میں بھی یہی رجحانات ہیں جو سر اٹھا رہے ہیں۔ پس ایک طرف تو خدام الاحمدیہ کی تنظیم ہے جو اپنے ماضی کے ساتھ اپنے روابط کو مضبوط کرنے کے لئے کوشاں ہے اور ماضی کی کھوئی ہوئی قدروں کو دوبارہ اپنی ذات میں زندہ کرنے کے لئے پروگرام بنا رہی ہے دوسری طرف دنیا کے یہ نوجوان ہیں جن کا رخ اپنے ماضی سے ہٹ کر کسی ایسی سمت میں ہے جسے ابھی تک وہ معین نہیں کر سکے۔ اس پہلو سے ہمارا ان سے رابطہ اور تعلق بہت ضروری ہے لیکن میں آپ کو یہ بات سمجھا دینا چاہتا ہوں کہ بظاہر یہ دو رُخ مختلف ہیں لیکن حقیقت میں یہ رخ مختلف نہیں ہیں۔

(دین حق) کی طرف یورپ کا بڑھتا ہوا رجحان

یورپ کا ماضی (دین حق) سے زیادہ دور تھا۔ یورپ کے ماضی کا مزاج (دین حق) کے خلاف بہت زیادہ مشتعل تھا اور حد سے زیادہ غلط فہمیوں پر مبنی تھا۔ اس لئے اگر یورپ کے نوجوان اپنے ماضی کے خلاف بغاوت کرتے ہیں تو وہ (دین حق) سے دور نہیں ہٹتے بلکہ (دین حق) کی قدروں کے قریب تک آتے ہیں یا آ سکتے ہیں۔ اس لئے ان کی بغاوت یعنی ان کی اپنے ماضی سے بغاوت آپ کے اپنے ماضی سے قریب ہونے کے مخالف رو پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کے موافق رَو پیدا کرتی ہے جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا کہ ۔

آ رہا ہے اس طرف احرار یورپ کا مزاج
نبض پھر چلنے لگی مُردوں کی ناگاہ زندہ وار

تو ابھی اس تبدیلی کے آثار یورپ میں نمایاں نہیں تھے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے جو فراست عطا فرمائی تھی، یہ اس فراست کا کرشمہ تھا کہ آئندہ پیدا ہونے والے رجحانات کو آپؑ نے ایک سو سال پہلے مشاہدہ کیا اور اس مشاہدے کو یقینی اور قطعی سمجھتے ہوئے اس پر بناء کرتے ہوئے آپؑ نے دنیا کو یہ خوشخبری دی کہ خواہ تم مجھے دیوانہ سمجھو، (دین حق) کی طرف میں یورپ کے مزاج کو آتا ہوا دیکھ رہا ہوں اور مجھے فتح (دین حق) کا وہ یوسف دکھائی دینے لگا ہے، اس کی خوشبو آ رہی ہے۔ جیسے حضرت یعقوبؑ کو اپنے پیارے یوسفؑ کی خوشبو آئی تھی۔ جیسے یعقوبؑ کو اس کے بیٹوں نے دیوانہ کہا تھا اور کہا تھا تو تو یوسف کے عشق میں پاگل ہو چکا ہے اور ایسی فرضی باتیں سوچتا رہتا ہے جن کا کوئی وجود نہیں۔ اسی طرح میں (دین حق) کی فتح کا دیوانہ ہو چکا ہوں۔ لاکھ تم مجھے دیوانہ کہتے رہو، مگر مجھے تو اپنے یوسفؑ کی خوشبو آنی شروع ہوگئی ہے۔ یہ سو سال پہلے کی بات ہے آج تو وہ خوشبو اپنی مہک کے ساتھ بڑی نمایاں ہو چکی ہے اور ان نوجوانوں کا جن کا میں نے ذکر کیا ہے رجحان اپنے ماضی سے ہٹ کر کسی ایسے مستقبل کی طرف مائل ہوا ہے جس کی نشان دہی وہ ابھی تک نہیں کر سکے۔

آج بھی ان کو معلوم نہیں کہ وہ کیا چاہتے ہیں۔ کس طرف ان کا رخ ہے اور کون سا ایسا مقام ہے جس کی جانب بڑھنے سے ان کے دلوں کو اطمینان نصیب ہو سکتا ہے۔ مگر حضرت حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آج سے سو سال پہلے اس مقام کی نشان دہی فرما دی۔ آپ نے فرمایا کہ ان کا مزاج (دین حق) کے طرف مائل ہو رہا ہے۔ اب بظاہر آج بھی (دین حق) کے خلاف غلط فہمیاں موجود ہیں اور بظاہر آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر صحابہ کرام کے مقام کو یہ لوگ نہیں سمجھ رہے اور بعض اپنی بدنصیبی اور بدبختی کی وجہ سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف دشنام طرازی سے بھی باز نہیں آتے اور ایسے خبیثانہ لٹریچر جیسے سلمان رشدی نے لکھا اس کی تعریف میں بھی رطب اللسان دکھائی دیتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود یہ کہنا غلط نہیں ہے کہ ان کا مزاج بالعموم (دین حق) کی طرف مائل ہو رہا ہے کیونکہ یہ زیادہ معقولیت اختیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔ فرضی تصوف میں یقین رکھنے سے یہ انکار کر چکے ہیں اور جو بھی سچائی کی حقیقت ان پر روشن ہوئی اس کو قبول کرنے پر ان کے دل آمادہ ہیں۔ پس غلط فہمیوں کو دور کرنا یہ آپ کا کام ہے۔ یہ میرا کام ہے، یہ ہم سب کا مشترکہ کام ہے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہیں فرمایا کہ یہ (مومن) ہو رہے ہیں۔ فرمایا: ان کا مزاج (دین حق) کے قریب آ رہا ہے پس جہاں تک نبض شناسی کا تعلق ہے اگر قومی لحاظ سے آپ مغرب کے نوجوانوں کی نبض پر ہاتھ رکھیں تو یہ کہنے میں کوئی بھی باک محسوس

نہیں کریں گے کہ ان کا مزاج دن بدن (دین حق) کے قریب آ رہا ہے۔ان کے تکبر ٹوٹ رہے ہیں۔

انسان اور انسان کے درمیان جو نفرت کی دیواریں تھیں وہ بہت سی جگہ کم ہو رہی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ نوجوان ایک نئی دنیا ایک نئے نظام کی تلاش میں ہیں۔پس اس پہلو سے ان سے جماعت احمدیہ کا وسیع پیمانے پر رابطہ ضروری ہے اگر آپ نے ایسا نہ کیا، اگر ایسا کرنے میں آپ نے دیر کر دی تو بعض دوسری تنظیمیں جو وقتی طور پر چمک دمک رکھتی ہیں، ایک عارضی کشش رکھتی ہیں وہ ان کی توجہ کو اپنی طرف سمیٹ لیں گی۔ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جو ابھی ہرے کرشنا تحریک کی طرف مائل دکھائی دیتے ہیں۔کئی ان میں سے بدھسٹ ہو رہے ہیں۔کئی اور کئی قسم کے مشرقی مذاہب کی جستجو کر رہے ہیں۔کسی کو اگر اور دلچسپی (دین حق) میں نہ بھی نظر آئے تو صوفی ازم کی طرف ان کا میلان نمایاں نظر آ رہا ہے۔ ہر ایسی چیز کی تلاش میں ہیں جن سے اپنا حال اور اپنے ماحول کو بھلا کر کسی خیال میں گم ہو جائیں۔اگر آپ مزاج شناسی کی اہلیت رکھتے ہوں تو آپ یقیناً اس بات کی تصدیق کریں گے کہ یہ اس وقت بھاگنا چاہتے ہیں، شعور سے بھاگنا چاہتے ہیں، اب باہر کی دھوپ سے بھاگنا چاہتے ہیں اور بھاگنا چاہتے ہیں کسی ایسی جگہ جس کا علم ان کو نہیں مگر سمجھتے ہیں کہ ہم تھک چکے ہیں دنیا کی پیروی سے۔ہمیں اطمینان چاہیے اور وہ اطمینان ان فرضی اطمینان گاہوں میں حاصل کر رہے ہیں جن کا میں نے آپ کے سامنے ذکر کیا ہے۔لیکن لمبا عرصہ تک یہ تحریکات یہ نظریات ان کے دلوں کو مطمئن نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ایک سطحی کشش ہے۔ان باتوں میں گہرائی کوئی نہیں۔ ہرے کرشنا میں اگر کوئی کشش ہے تو یہی کہ چمٹے بجا کر اور گانے کے ذریعے ان کے اندر جو بعض تمدنی رجحانات پائے جاتے ہیں ان کی وہ تسکین کریں اور دوسری ذمہ داریوں سے ان کو آزاد کریں اور وقتی طور پر ایک قسم کے نشہ میں مبتلا ہو کر یہ سمجھیں کہ ہم نے اپنے لئے جنت حاصل کر لی ہے مگر جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ ان کا شعور بھی بیدار ہو رہا ہے ایک پہلو سے ان کے اندر منطق کی قوتیں جس طرح آج روشن ہیں اس سے پہلے کبھی روشن نہیں ہوئی تھیں۔اس لئے زیادہ دیر تک ایک بے دلیل جنت میں یہ رہ نہیں سکتے ان کو مطمئن کرنے کے لئے (دین حق) کی منطق کی ضرورت ہے، ایک ایسی منطق جو دل اور دماغ کے درمیان فاصلے دور کر دے جہاں سوچ اور جذبات ایک ہی ساتھ دھڑکتے ہوں اور جہاں خدا کے قول اور خدا کے فعل میں کوئی فرق دکھائی نہیں دیتا۔یہ وہ چیز ہے جو (دین حق) کے سوا کسی مذہب میں اس وقت موجود ہے نہ کوئی مذہب اس پہلو سے (دین حق) کے قریب تر پہنچا ہے۔

حسین (دین حق) کی تصویر خدام نے دکھانی ہے۔

پس یہ (دین حق) ہی ہے جس نے بالآخر قوموں کے لئے قلبی سکون کا کام کرنا ہے لیکن کون سا (دین حق)؟ یقیناً وہ (دین حق) نہیں جو ایران کے شیشے میں دیکھا جاتا ہے یا لیبیا کے آئینے میں دکھائی دیتا ہے یا سعودی عرب کے چہرے پر جس کے آثار دکھائی دیتے ہیں اور جس سے آزاد قوموں کی طبیعتیں متنفر ہوتی ہیں اور دور بھاگتی ہیں۔ وہی (دین حق) اور صرف وہی (دین حق) آج انہیں قائل کرسکتا ہے جو خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا (دین حق) تھا جس میں دل جیتنے کی ویسی ہی طاقت تھی جتنی دماغ جیتنے کی طاقت تھی۔ جو بیک وقت دلوں اور دماغوں کو مطمئن کرنے والا (دین حق) تھا۔ جس کے اندر غیر معمولی رحمت تھی اور تمام بنی نوع انسان کی طرف جو پیار سے جھکنے والا (دین حق) تھا یہ وہی (دین حق) ہے جسے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آج دوبارہ زندہ کرکے آپ کے سامنے پیش کیا اور آج آپ اس کے نمائندہ ہیں۔

پس اس پہلو سے یہ حسین (دین حق) انسان کے کردار میں جو پاک تبدیلیاں پیدا کرتا ہے اور جو حسین تبدیلیاں پیدا کرتا ہے اس کی تصویر ہمارے خدام کو دکھانی ہے کیونکہ یہ (دین حق) محض تصورات کی دنیا میں رہتے ہوئے ان لوگوں کو اپنے حسن کا گرویدہ نہیں کرسکتا۔ یہ (دین حق) زندہ وجودوں کی صورت میں دکھائی دینا چاہیے۔ ایسی تنظیمات کی شکل میں اس (دین حق) کو ان سے رابطہ کرنا ہوگا، جیسی خدام الاحمدیہ کی تنظیمات ہیں۔ اسے وہ آپ کی ذات میں جاری ہوتا دیکھیں گے تو پھر اس کے حسن کے گرویدہ ہوں گے۔ پس قومی سطح پر وسیع لحاظ سے خدام الاحمدیہ کو نوجوانوں کی دیگر تنظیمات سے رابطے کے ایسے پروگرام بنانے چاہئیں کہ یہ یا ان کے نمائندے آپ کی تقریبات میں آئیں اور تقریبات کو اس مقصد کی خاطر تشکیل دیا جائے کہ آنے والے یہ سمجھیں کہ یہ نوجوان ہم سے زیادہ مطمئن زندگی گذار رہے ہیں ان نوجوانوں کو کچھ ایسی دولت مل گئی ہے کہ ان کے چہروں پر جو طمانیت ہے اس کی کوئی مثال دوسری جگہ دکھائی نہیں دیتی۔ ان کے کردار میں ایک نئی شان پیدا ہو چکی ہے اور وہ شان ایسی ہے کہ جو حاصل کئے بغیر انسان کو عطا ہوا نہیں کرتی۔ کئی دفعہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ ہمارے قافلے کے ساتھ جو سفر کرنے والے نوجوان ہوتے ہیں اگر ان کو کھانا نہ کھلایا گیا ہو تو ان کے چہرے پر بھوک کے آثار ظاہر ہو جاتے ہیں۔ ان کی آنکھیں دیکھ کر اور چہرے کا رنگ دیکھ کر میں ان سے پوچھتا ہوں کیوں ابھی تک آپ کو کسی نے کھانا نہیں دیا اور جب انہوں

نے کھانا کھایا ہوتو چہرے کی طمانیت کا رنگ ہی اور ہوتا ہے۔انسان دیکھتے ہی پہچان جاتا ہے کہ آج نہ صرف کھانا ملا ہے بلکہ اچھا کھانا ملا ہے اور سیر ہو کر کھایا گیا ہے۔تو روحانی کھانے کا کیوں طبیعتوں پر ایسا اثر نہ ہو کیسے ممکن ہے کہ (دین حق) آپ کی روحوں کو سیراب کر چکا ہوں (دین حق) کی غذا آپ کے دِلوں کو مطمئن کر چکی ہو اور آپ کے چہروں پر وہ غیر قومیں طمانیت کے آثار نہ دیکھیں۔ناممکن ہے۔

پس خالی دلوں کو لے کر ایسے خون کے ساتھ جس میں (دین حق) سرایت نہ کر چکا ہو آپ دنیا کی قوموں کو نہ اپنی طرف متوجہ کر سکتے ہیں نہ (دین حق) کی طرف متوجہ کر سکتے ہیں۔پس تقریبات ایسی منعقد کیا کریں۔بعض دفعہ جن میں غیر تنظیموں کو بلایا جائے۔ان کے ساتھ قدر مشترک ڈھونڈی جائے ان کو بتایا جائے کہ ایک طریقہ تم نے اختیار کیا ہے جسے تم سمجھتے ہو کہ تمہارے دلوں کی پیاس بجھ رہی ہے ایک ہمارا بھی طریقہ ہے اس کو بھی آ کر دیکھو اور دیکھو کہ ان دونوں کے درمیان کتنا فرق ہے۔

ہمیں ایک ایسی طمانیت نصیب ہو چکی ہے جس کے بعد ہم سمجھتے ہیں کہ صرف یہ دنیا ہی نہیں بلکہ اس دنیا کے بعد کے مقاصد کو بھی ہم نے پالیا ہے۔یہ وہ مقصد ہے جسے خدام الاحمدیہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے ماحول کی اپنے گرد و پیش کی تنظیمات سے رابطے قائم کرنے چاہئیں۔آپ کے اندر خواہ کتنا ہی جوش وخروش ہو،خواہ آپ کے اندر کتنی ہی حرکت پائی جائے اور قوت عمل جاری و ساری دکھائی دے روابط کے بغیر آپ اپنے ماحول کو متحرک نہیں کر سکتے۔

خدام گرد و پیش سے ایسا تعلق پیدا کریں جو ان کو حرکت میں لائے

آپ نے موٹروں کو دیکھا ہے یعنی موٹر کاروں کو۔اس میں کلچ ہوتے ہیں،گیئرز ہوتے ہیں۔انجن خواہ کتنی ہی تیز رفتاری سے گھوم رہا ہو اگر کلچ کے ذریعہ آپ گیئر کے ساتھ انجن کا تعلق پیدا نہ کریں تو کار حرکت میں نہیں آئے گی۔اس لئے آپ کو خدا تعالیٰ نے کار کے طور پر نہیں انجن کے طور پر پیدا کیا ہے آپ نے ساری دنیا کی گاڑی کو چلانا ہے۔آپ کی اندرونی حرکت اپنی ذات میں آپ صحت کی علامت تو ہے لیکن آپ کی زندگی کا آخری مقصد نہیں جب تک ایسے گیئر کا انتظام نہ کیا جائے جس سے آپ کی حرکت آپ کے گرد و پیش میں منتقل ہونے لگے اور گرد و پیش کی تنظیمات کو متحرک کر دے جب تک ایسا نہ ہو اس وقت تک آپ اپنے اعلیٰ مقصد کو حاصل نہیں کر سکتے یا جس مقصد کی خاطر آپ کو پیدا کیا گیا ہے اس کی تکمیل سے آپ اگر پوری طرح محروم نہیں رہیں گے تو بہت حد تک محروم رہیں گے تو اس لئے اب ضرورت ہے اس

بات کی بھی کہ ہم اپنے گردوپیش سے ایسا تعلق پیدا کریں جو ان کو حرکت میں لائے۔اس ضمن میں ایک تنبیہہ کی بھی ضرورت ہے اور جیسا کہ میں نے مثال پیش کی تھی عمداً اس غرض سے یہ مثال چنی تھی تا کہ اس کے اندر جو تنبیہہ شامل ہے اس سے بھی میں آپ کو واقف کردوں، کاروں میں گیئرز کا انتظام ہوتا ہے یعنی پہلا گیئر ،دوسرا گیئر ،تیسرا گیئر ،چوتھا گیئر اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر اچانک انجن پر زیادہ بوجھ پڑ جائے تو بعض دفعہ انجن ٹوٹ جایا کرتا ہے اور اچانک بوجھ کو برداشت نہیں کرسکتا۔ باوجود اس کے کہ اس کے اندر طاقت ہوتی ہے مثلاً ایک کار کے انجن میں یہ بھی طاقت ہے کہ وہ سو میل کی رفتار سے گاڑی کو چلائے یا ایک سو بیس میل یا ایک سو چالیس میل کی رفتار سے گاڑی کو چلائے لیکن جب آپ انجن کا تعلق گیئر سے کرتے ہیں تو پہلے اس گیئر سے کرتے ہیں جو دس میل سے زیادہ رفتار سے گاڑی نہیں بڑھاتا اس کے بعد چالیس میل یا پچاس میل والے گیئر سے تعلق پیدا کرتے ہیں اس سے بڑھکر پھر اس آخری گیئر سے جس پر انجن پوری قوت کو اپنے ماحول میں منتقل کردیتا ہے۔پس ایسے موقعوں پر جہاں ایک قوت کا ایک ساکت چیز سے رابطہ قائم کرنا ہو ایک جامد چیز سے رابطہ قائم کرنا ضروری ہوا کرتا ہے کہ حکمت اور تدبیر کے ساتھ کام کیا جائے اور تدریج کو اختیار کیا جائے ورنہ آپ کے انجن پر بداثرات پڑیں گے۔اگر اچانک مثلاً آپ ان غیر قوموں کی تنظیمات سے پورا رابطہ قائم کرلیں تو آپ میں سے بہت سے ہیں جن کے دلوں کو زنگ لگ جائیں گے، بہت سے ایسے ہیں جو اس رابطے کا Impact برداشت نہیں کرسکیں گے وہ سمجھیں گے کہ یہ تو غالب لوگ ہیں یہ تو طاقت والے لوگ ہیں یہ زیادہ مزے اٹھا رہے ہیں اور بجائے اس کے کہ گہرائی کے ساتھ ان کی لذتوں کا جائزہ لے سکیں اور یہ معلوم کرسکیں کہ ان کی لذتیں عارضی اور فانی ہیں ان کی لذتوں کے بعد سر دردیاں ہیں، بہت سی تکلیفیں ہیں بہت سے دکھ ہیں جن میں خود بھی مبتلا ہوتے ہیں اور سوسائٹی کو بھی مبتلا کرتے ہیں آپ وقتی طور پر نوجوان ہونے کے باعث سمجھ سکتے ہیں کہ اوہو۔ یہ تو ہم سے زیادہ اچھی زندگی بسر کررہے ہیں کیوں نہ خدام الاحمدیہ سے نکل کر ان لوگوں میں شامل ہوجایا جائے۔پس آپ کا انجن ان کو متحرک کرنے کی بجائے خود جامد ہوجائے گا اس لئے رابطوں میں تدریج کی ضرورت ہے اور حکمت بھی بہت ضروری ہے۔پس اس لئے میں نے افراد کو نہیں کہا کہ آپ رابطے کریں، میں نے تنظیم کو کہا ہے کہ تنظیم باقاعدہ منصوبے بنا کر اپنے غیروں سے ایسے روابط پیدا کرے کہ ان کو رفتہ رفتہ طاقت کے مطابق اپنے ساتھ جذب کریں اور (دین حق) کے پہیے کے مطابق ان کو حرکت میں لائیں۔ان بہترین صفات کو حرکت میں لائیں جو نوبل یعنی اعلیٰ پائے کی معزز صفات کہلاسکتی ہیں۔ بزرگ صفات کہلاتی ہیں جن صفات کے

اندر یہ خدا تعالیٰ نے خاصیت رکھی ہے کہ ان صفات کے متحرک ہونے کے نتیجہ میں انسان خود اپنے آپ کو بزرگ اور معزز سمجھنے لگتا ہے اور پھر بزرگ اور معزز ہستی سے اس کے تعلق قائم کرنے کے زیادہ امکانات پیدا ہو جاتے ہیں۔ پس اس پہلو سے بہت سے منصوبے بنانے کی ضرورت ہے۔ بہت سے پروگرام بنانے کی ضرورت ہے اور ان پروگراموں کو دلچسپ بنانے کی بھی ضرورت ہے۔ کیوں کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے کہ یہ قومیں سردست ظاہری کشش اور دلچسپیوں میں اتنا کھوئی جا چکی ہیں ان سے ایسی وابستہ ہو چکی ہیں کہ کوئی ایک حرکت جس میں کوئی چمک دمک نہ ہو ان کی آنکھوں کو خیرہ نہیں کر سکتیں، ان کے دلوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتیں۔ پس آپ ایسے پروگرام بھی بنا سکتے ہیں جن میں کوئی دلچسپی بھی ہو۔ مثلاً کھیلوں کے ذریعہ آپ ان سے روابط استوار کر سکتے ہیں آغاز میں اور بہت سے ایسے پروگرام دلچسپ سوچ سکتے ہیں جو علمی رنگ رکھتے ہوں لیکن دلچسپ ہوں اور ان کے نمائندگان کو دعوت دیں، ان سے روابط بڑھائیں۔ ان کو بتائیں کہ ہم یہ یہ کام کرتے ہیں اور پھر رفتہ رفتہ اپنے زیادہ سنجیدہ کاموں سے بھی ان کو متعارف کرانا شروع کریں۔ کوئی شخص بھی جماعت احمدیہ کی وقار عمل کی روح سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ سب سے زیادہ گہرا اثر کرنے والی چیز جو جماعت احمدیہ کی تنظیم میں پائی جاتی ہے جس کا بہت ہی وسیع اور گہرا اثر میں نے دیکھا ہے احمدیوں کی وقت کی قربانی اور اس قربانی کے نتیجہ میں عظیم الشان کام سرانجام دینا ہے۔

جماعت احمدیہ کی مؤثر قوتِ عمل

اب ہمارے جلسہ سالانہ انگلستان میں جو اس صدی کا پہلا ایسا جلسہ تھا جس میں خلیفۃ المسیح نے بھی شرکت کی تھی اس لحاظ سے اسے مرکزی حیثیت ہوئی۔ اب آئندہ وقت بتائے گا کہ یہی جلسہ مرکزی جلسہ بنتا ہے یا کسی اور جلسے کو خدا تعالیٰ یہ سعادت بخشے۔ مگر بہر حال سردست ہم یہ کہہ سکتے ہیں اس صدی کا پہلا مرکزی جلسہ وہی تھا جو انگلستان میں منعقد ہوا۔ آپ جانتے ہیں کہ دنیا بھر سے وہاں نمائندگان آئے اور ان میں سے ہر ایک نے جو تاثرات مجھ سے بیان کئے یا بعد میں خطوط کے ذریعے لکھے وہ جماعت احمدیہ کی للّٰہی قوت عمل سے بے حد متاثر دکھائی دیا۔ انہوں نے ہمارے پریس کو دیکھا، ہمارے روٹی پلانٹ کو دیکھا انہوں نے ہمارے طوعی خدمت کے نظاموں کو حرکت کرتے دیکھا، کھانا کھلاتے ہوئے لوگوں کو دیکھا۔ روٹیاں تقسیم کرتے ہوئے دیکھا۔ پہروں پر مستعد دیکھا۔ یہ ساری وقار عمل ہی کی مختلف شکلیں ہیں۔ پس اس کے نتیجے میں ان کے دلوں میں بہت ہی گہرے اثرات قائم ہوئے ہیں۔ آج ہی میں آنے سے پہلے ڈاک کا

مطالعہ کر رہا تھا تو دو وزراء جو مختلف ملکوں سے شریک ہوئے تھے ان کے خطوط دیکھے۔ دونوں الگ الگ ملکوں سے تعلق رکھتے ہیں مگر دونوں نے جماعت احمدیہ کی روح وقار عمل کی اتنی تعریف کی ہے اور کہتے ہیں کہ ہمارے دلوں کو تو آپ نے جیت لیا ہے اس چیز سے۔ اور وہ دونوں لکھتے ہیں ایک ہی بات کہ ہم نے ساری زندگی میں کبھی ایسی چیز نہیں دیکھی۔ تو آپ کے سنجیدہ کاموں میں بھی گہری کشش ہے، اور اتنی گہری کشش ہے کہ دنیا کی ترقی یافتہ قوموں کی راہنما بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ یہی بات انگلستان کے ایک بہت ہی معزز راہنما نے اپنے ایک خط میں امیر صاحب انگلستان کو لکھی ہے، اس سے پہلے کی بات ہے اور انہوں نے یہ بھی کہا کہ جب میں پولیس کے جو چیف کانسٹیبل ہیں اس سارے علاقے کے ان سے پوچھا کہ آپ بتائیں کہ آپ کا اس جلسے میں شامل ہونے والوں کے متعلق کیا تاثر ہے۔ تو وہ کہتے ہیں کہ اس نے مجھ سے یہی بات کہی کہ میں نے اپنے زندگی میں کبھی ایسے لوگ نہیں دیکھے۔ وہ کہتے ہیں کہ پولیس تو وہاں خواہ مخواہ کھڑی تھی وہاں پر اس سارے انتظام کو چلانے کی خاطر بلکہ ایک عام نظر رکھنے کے لئے ایک مرد کانسٹیبل اور عورت کانسٹیبل کافی تھے۔ عورت اس لئے کہ عورتوں کا نظام الگ تھا لیکن وہ اس لئے ضروری تھے کہ حکومت کی موجودگی وہاں ہونی چاہیے ورنہ وہ کہتے ہیں اس نے مجھے کہا جہاں تک نظام جماعت کا تعلق ہے ہم میں سے کسی کی کوئی ضرورت وہاں نہیں تھی، پھر انہوں نے اس دوسرے وقار عمل کے مظاہروں کی جو خاموش مظاہرے از خود ہوتے چلے جا رہے تھے ان کی بھی بہت تعریف کی۔

پھر جن ملکوں سے خطوط آ رہے ہیں جہاں واپس جا کر ان معززین نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے بلا استثناء ہر جگہ سے یہی اطلاع ملتی ہے کہ وہ جماعت احمدیہ کی قوت عمل سے اتنا مرعوب ہیں اور ایسا حسین تصور یہاں سے لے کر گئے ہیں کہ واپس جا کر اس کی تعریف کرتے نہیں تھکتے۔ پس آپ کے اندر خدا تعالیٰ نے وہ صفات رکھی ہیں جو بظاہر سرسری نگاہ میں کشش کا موجب نہ بھی ہوں مگر جو آپ کے قریب آئے گا جسے موقع ملے گا کہ گہری نظر سے دیکھے وہ متاثر ہوئے بغیر رہ ہی نہیں سکتا۔ پس اتنی قوت موثرہ کے حامل ہونے کے باوجود آپ اس کو (دین حق) کی خدمت میں استعمال نہ کریں اور اپنے ماحول کو اس قوت متاثرہ سے اجنبی اور ناواقف رکھیں یہ تو کوئی اچھی بات نہیں۔ آپ کو خدا نے ایک دولت دی ہے اس کو استعمال کریں، استعمال سے یہ وہ دولت ہے جو کم نہیں ہوگی بلکہ بڑھتی چلی جائے گی جتنے زیادہ لوگ آپ کی ان خاموش خوبیوں سے واقف ہوتے چلے جائیں گے اتنا ہی خدا تعالیٰ آپ کے اندر یہ جذبے اور بڑھاتا چلا جائے گا پس مجلس خدام الاحمدیہ کو میں یہ پروگرام دے رہا ہوں کہ وہ آئندہ غیر تنظیموں سے جو نوجوان تنظیمیں

ہیں اس رنگ میں رابطے استوار کریں کہ وہ با قاعدہ منصوبے کے مطابق رابطے بنائے گئے ہوں۔ اور ان کا مقصد یہ ہو کہ (دینِ حق) نوجوانوں کو جو طمانیت کی دولت بخشتا ہے، (دینِ حق) نوجوانوں میں جو قوتِ عمل عطا کرتا ہے اور اس قوت کے عملی نتیجے میں (مومن) نوجوان جس طرح ایک اعلیٰ روحانی لذت پاتے ہیں وہ نمونے کے طور پر ان کو دکھائی جائیں اور ان کو بتایا جائے کہ اصل دائمی زندگی یہی ہے۔ اور باقی باتیں جن کی تم پیروی کرتے ہو عارضی اور فانی اور بے حقیقت ہیں۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ خدام الاحمدیہ جرمنی جس کے متعلق میں نے پہلے بھی اظہار کیا ہے خدا کے فضل سے بڑی مستعد بڑی مخلص بڑی فعال جماعت ہے اور خدا تعالیٰ نے آپ کو قوتِ عمل کے نہ ختم ہونے والے ذخیرے عطا فرمائے ہوئے ہیں۔ ان ذخیروں سے با قاعدہ تنظیم کے مطابق جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے آپ استفادہ کریں اور دعا بھی کرتے رہیں تا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو ہمیشہ موثر رکھے اور متاثر نہ بنائے۔ ماحول میں بعض خوبیاں بھی ہیں ان کے متعلق میں آئندہ خطاب میں آپ سے بات کروں گا۔ میں ضمناً ان کا ذکر کروں گا لیکن اس سے پہلے گذشتہ خطابات میں میں یہ بات کھول چکا ہوں کہ یہ بات جھوٹی اور غلط ہے کہ گویا ہم ہی خوبیوں کے مالک ہیں اور باقی لوگ خوبیاں نہیں رکھتے۔ آپ کے ماحول میں دوسری تنظیمیں جو آپ سے روابط اختیار کریں گی، ان میں خوبیاں بھی پائی جاتی ہیں۔ پس آپ جب یہ روابط قائم کریں گے تو ان کی خوبیوں پر نظر رکھتے ہوئے یہ بھی کوشش کریں کہ آئندہ جب وہ آپ سے ملیں تو اپنی بہت سے خوبیاں آپ کے اندر پائیں اور آپ کی خوبیوں میں اضافہ ہوتا ہوا دیکھیں اور پھر جب وہ آپ سے دوبارہ ملیں تو پھر آپ کی خوبیوں میں اضافہ ہوتا ہوا دیکھیں۔ یہاں تک کہ ان کی خوبیوں کے بھی آپ ہی علمبردار بن جائیں اور اپنی خوبیوں کے بھی آپ ہی علمبردار بن جائیں اور حسن کے ایک ایسے اعلیٰ مقام پر فائز ہو جائیں جو اپنے ماحول کو عاشق بنا دیا کرتا ہے۔

پس یہ عشق اور محبت ہے جو دنیا کے دلوں پر فتح یاب ہو گی۔ محض تقریریں اور محض نظریات غالب نہیں آیا کرتے بلکہ دلوں کو مائل کرنا بہت ضروری ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مجلس خدام الاحمدیہ کے چھٹے سالانہ یورپین اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 17 ستمبر 1989ء

- ☆ خالق اور مخلوق کا رشتہ درحقیقت سب سے بڑا اور مضبوط رشتہ ہے
- ☆ جتنا بھی آپ خدا کی صفات کو اپنے اندر جاری کریں گے اتنا ہی آپ کی دعاؤں میں طاقت پیدا ہوگی
- ☆ اپنے اندر نوجوانی کی عمر میں الٰہی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کریں
- ☆ آپ لوگوں کو قوموں کے منجی کے طور پر دنیا میں لایا گیا ہے
- ☆ کامل عقل خدا سے تعلق کے بغیر نصیب نہیں ہوسکتی
- ☆ ایک نفس کا اندرونی مربی ہے۔ ٹیڑھی عادتوں کو اس کے سوا کوئی دوسرا صحیح نہیں کرسکتا
- ☆ اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا کی عظیم الشان تفسیر
- ☆ اپنے نفس پر رحم کرنا چھوڑ دیں، اپنے نفس کے ناقد بن جائیں
- ☆ خدام الاحمدیہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں، بنیادی مضبوطی کے کام اور عظیم قربانیاں خدام الاحمدیہ کو ہی کرنی ہیں

⚜

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ نے فرمایا:-

اگر چہ یہ اجتماع کا آخری دن نہیں اور عموماً دستور کے مطابق اختتامی خطاب کیا جاتا ہے خلیفۂ وقت کی طرف سے۔ وہ آخری روز ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ مجھے صد سالہ جشن تشکّر کے سال کے ضمن میں بہت سے سفر کرنے پڑ رہے ہیں۔ اس لئے میں زیادہ وقت کسی ایک جگہ نہیں دے سکتا۔ اس لئے ان کے اصرار پر یعنی خدام الاحمدیہ جرمنی کے اصرار پر میں نے اپنے سفر جرمنی کو دوبارہ شامل تو کر لیا ہے مگر صرف دو دن یہاں دے سکا ہوں۔ چنانچہ میری ہی درخواست پر انہوں نے آج کے دن دوسرے اجلاس میں آخری خطاب کے لئے وقت رکھ لیا لیکن آپ کا اجتماع انشاء اللہ کل بھی جاری رہے گا اور حسب دستور جو بھی کارروائی باقی ہے وہ بھی انشاء اللہ چلتی رہے گی۔ آج کے خطاب میں مَیں اسی مضمون کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں جس کا ذکر میں نے ہالینڈ سے شروع کیا اور اس بات کو آگے یہاں جرمنی میں خطبے میں بڑھایا اور اس کا تیسرا حصہ آج انشاء اللہ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

خالق اور مخلوق کا رشتہ سب سے بڑا اور مضبوط رشتہ ہے

میں نے ذکر کیا تھا کہ دعا خدا سے تعلق کے نتیجے میں تقویت پاتی ہے اور خدا سے تعلق کے سلسلے میں چند باتیں آپ کے سامنے کھول کر رکھی تھیں کہ جب تک خدا کی صفات کو آپ اپنے اندر جاری نہیں کریں گے اس وقت تک حقیقت میں آپ کی خدا سے شناسائی نہیں ہو سکتی۔ انسان اپنے روزمرہ کے تجربے میں یہ جانتا ہے کہ جس سے شناسائی ہو اس کی بات انسان زیادہ قبول کرتا ہے۔ یہ شناسائی آگے بڑھ کر گہرے تعلق میں تبدیل ہو جاتی ہے اور گہرے تعلقات پھر خونی رشتے کی شکل میں بھی ہمارے سامنے آتے ہیں اور خونی رشتوں میں پھر ماں بچے کا رشتہ ایک غیر معمولی طاقت رکھتا ہے۔ میں نے آپ کے سامنے یہ بات کھول کر

رکھی کہ خدا تعالیٰ سے اگر چہ خونی رشتہ تو کسی کا ممکن نہیں لیکن خالق اور مخلوق کا رشتہ در حقیقت سب سے بڑا اور مضبوط رشتہ ہے اور اس پہلو سے جب ہم خدا تعالیٰ کی صفات کو اپناتے ہیں تو اس رشتے کو مضبوط کرتے ہیں اور جو رشتہ ہونا چاہیے، وہ عملاً ظہور پذیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے پتہ چلتا ہے کہ ایک خَلق تو وہ ہے جو ہمیں اس رنگ میں عطا ہوئی کہ ہمارا اس میں کچھ بھی دخل نہیں۔ جو کچھ ہمیں عطا ہوا، جو صورت بخشی گئی، جو سیرت پیدائش کے طور پر فطرتاً ہمیں ملی، جو عادات واطوار اس قوی سیرت کے نتیجے میں ہمیں عطا ہوئیں، جو رنگ ملے، جو جسمانی، قلبی یا ذہنی طاقتیں نصیب ہوئیں، یہ سارے پہلی خلقت سے تعلق رکھتے ہیں اور ان میں بندے کا کچھ بھی اختیار نہیں۔ اس خلقت کے لحاظ سے تو خدا کا ہر مخلوق سے برابر کا تعلق ہے۔ پھر دعا کے ذریعے وہ زائد تعلق کونسا ہے جو کام آتا ہے۔ اُس تعلق کے ضمن میں مَیں نے کچھ مضمون بیان کیا تھا اس کی مزید میں یہ وضاحت کرتا ہوں کہ قرآن کریم نے اس زائد تعلق کا ذکر خَلق آخر کے تعلق میں ذکر فرمایا ہے کہ جب انسان خدا کا بندہ بن جائے۔ جب خدا اس میں اپنی روح پھونکنے لگے تو اسے ایک خَلق آخر عطا ہوتی ہے اور وہ خَلق آخر ہے روحانی طور پر جو انسان کو خدا کے مشابہہ بنانا شروع کر دیتی ہے۔ ویسے تو خدا کے مشابہہ کوئی بھی نہیں۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ (الشوریٰ:12) اس جیسی کوئی چیز بھی نہیں۔ پھر اس جیسا بننے کے متعلق قرآن کریم نے خود ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً (البقرۃ:139) اللہ کا رنگ اختیار کرو اور اس سے بہتر اور کون سا رنگ ہوسکتا ہے؟ پس خدا کے رنگ اختیار کرنے کا مطلب ہے کہ خدا جیسا ہونے کی کوشش کریں یعنی اس کی صفات حسنہ، اس کا جو حسن ساری کائنات میں جلوہ گر ہے، اس میں سے کچھ حصہ پانے کی کوشش کریں اور خدا کی صفات کو سمجھے بغیر یہ ممکن نہیں۔ اس لئے قرآن کریم کی مدد سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کی مدد سے اپنے رب کی صفات سے شناسائی ضروری ہے۔ یہ شناسائی کا مرحلہ پہلا ہے۔ اس کے بعد پھر شناسائی کے نتیجے میں ایک دوستی پیدا ہوتی ہے اور دوستی بڑھتے بڑھتے بعض دفعہ اتنی بڑھ جاتی ہے کہ قریب ترین تعلق یعنی خونی رشتے بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ یہ وہ منزل ہے جس کی طرف انسان کو آگے بڑھنا ہے اور اس منزل کی طرف آگے بڑھے بغیر انسان خدا تعالیٰ کے دین کا علمبردار نہیں ہوسکتا۔ یہ وہ پہلو ہے جو ہر داعی الی اللہ کو ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ کیونکہ اس پہلو کو سمجھے بغیر انسان حقیقت میں (دعوۃ الی اللہ) کا حق ادا نہیں کر سکتا۔ اس مضمون پر بہت کچھ میں جمعے کے خطبے میں کہہ چکا ہوں۔

آج کے خطاب میں مَیں نے اس کا جیسا کہ میں نے بیان کیا وہ حصہ چنا ہے جس میں بندے کے بندے سے تعلقات کا مضمون ہے۔ خدا سے تعلق کا مضمون تو آپ پر واضح ہو گیا کہ جتنا بھی آپ خدا کی صفات کو اپنے اندر جاری کرنے کی کوشش کریں گے اتنا ہی آپ کی دعاؤں میں طاقت پیدا ہو گی، اتنا ہی خدا سے تعلق آپ کا خدا کے پیار کی شکل میں آپ پر برسنے لگے گا۔ آپ کو محسوس ہو گا کہ آپ کی ذات میں ایک پاک تبدیلی پیدا ہو رہی ہے۔ آپ کو محسوس ہو گا کہ آپ دنیا سے مختلف ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ یہ تو خدا سے تعلق کا حصہ ہے۔ اس تعلق کے بعد پھر مخلوق سے تعلق جو مذہب کا دوسرا حصہ ہے یہ شروع ہوتا ہے اور جب تک پہلا تعلق نہ ہو دوسرا تعلق بے معنی اور بے حقیقت ہے۔ آپ جب خدا کے بندوں سے تعلق رکھتے ہیں تو کس حد تک آپ ان پر اثر انداز ہو سکتے ہیں یہ سوال ہے۔ اگر آپ کا خدا سے تعلق نہ ہو تو آپ کا وجود بالکل بے معنی اور بے حقیقت ہے اور دوسرے بنی نوع انسان کو اگر آپ اپنا خلق بخشنا شروع کریں، اپنی صفات عطا کرنا شروع کریں، تو وہ بے معنی بات ہے کیونکہ ان کا کوئی اعتبار نہیں۔ وہ آپ کی تمدنی صفات ہیں، آپ کی قومی صفات ہیں، آپ کو جو نسل عطا ہوئی ہے، اس نسل کی کچھ صفات ہوں گی، کچھ آپ کی تہذیبی صفات ہوں گی۔ آپ وہ صفات اگر دوسروں میں جاری کریں تو اس کا کوئی مقصد نہیں ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کی صفات اگر آپ کے اندر جاری ہوں تو پھر آپ خدا کی صفات کو دوسرے میں جاری کریں تو پھر ایک اعلیٰ مقصد ہے اور یہی مذہب کا اولین مقصود ہے جسے ہمیشہ پیش نظر رکھنا چاہیے۔ پہلے خدا والا بنیں پھر خدا والے بنانے کی کوشش کریں۔ اس کے بغیر دعوت الی اللہ کا مضمون بے معنی ہے صرف تعداد بڑھانے والی بات ہے اور محض تعداد بڑھانا کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ پس اس مضمون کو سمجھنے کے بعد آپ کو خوب اچھی طرح یہ حقیقت معلوم ہو جائے گی کہ کس حد تک آپ پاک تبدیلی کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ جتنی تبدیلی آپ اپنے اندر کرتے ہیں اتنی ہی آپ میں اہلیت ہے پاک تبدیلی پیدا کرنے کی۔ جو تبدیلی آپ کے اندر نہیں ہوئی وہ آپ غیروں میں کیسے کر سکتے ہیں۔ اس لئے اپنے نفوس کا محاسبہ انتہائی ضروری ہے اور تجزیہ کے طور پر ایک ایک اپنی صفت پر، ایک ایک عادت پر نظر رکھنی ہو گی۔ جو جو آپ کی صفت خدا کے تابع ہوتی چلی جائے، جو جو عادت اللہ والوں کی عادت بنتی چلی جائے، اس حد تک ان صفات اور ان عادات میں آپ بنی نوع انسان کو اپنے جیسا بنانے کی کوشش کریں تو یہ ایک نیک مقصد ہے۔ اور اگر اس کے بغیر اپنی صفات کو جاری کریں تو بجائے اس کے کہ آپ بنی نوع انسان کے لئے فلاح اور نجات کا موجب بنیں آپ بنی نوع انسان کی ہلاکت کا موجب بھی بن سکتے ہیں۔ دنیا کے اثرات تو آپ نے دیکھے ہیں۔ بڑی قومیں اپنی

تہذیب اور تمدن اور اپنے زندگی کے مشاغل کو جہاں جائیں .... پھیلاتی چلی جاتی ہیں۔امریکہ کو آج کل عروج حاصل ہے.............. اور امریکہ میں جو طرز زندگی ہے اس کا اثر جہاں جہاں امریکہ کا نفوذ ہو رہا ہے وہاں نمایاں ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جرمنی میں آپ دیکھیں گے کہ باوجود اس کے کہ جرمن قوم ایک آزاد............قوم ہے اور اپنی ذات میں مستقل صفات رکھنے والی قوم ہے لیکن یہاں بھی امریکن طرز زندگی کا بہت گہرا اثر پڑا ہے اور دنیا کے دیگر ممالک میں بلکہ روس اور چین میں بھی یہ نفوذ ہوا ہے۔ جاپان میں بڑی کثرت کے ساتھ امریکی طرز زندگی کا نفوذ ہوا ہے۔لیکن اس طرز زندگی کے ساتھ بہت سی قابل ملامت چیزیں بھی داخل ہو جاتی ہیں۔ایسی گندی عادات بھی داخل ہو جاتی ہیں جو قوموں کو بچانے کی بجائے ان کو ہلاک کر دیتی ہیں۔ پس آپ کو قوموں کے منجّی کے طور پر دنیا میں لایا گیا ہے۔قوموں کے نجات دہندہ ہونے کا دعویٰ رکھتے ہیں۔اس لئے جب تک آپ الٰہی صفات سے اپنے وجود کو مرصّع نہیں کرتے ، جب تک آپ صفات الٰہی کو اپنے اندر داخل کر کے ایک نئی خلقت اختیار نہیں کرتے ، اس وقت تک نہ آپ کو دنیا میں تبدیلی کا حق ہے نہ اس کا صحیح فائدہ ہے۔ پس جرمن جماعت کے نوجوانوں کو بالخصوص بلکہ آپ کی وساطت سے آپ کو مخاطب کرتے ہوئے دنیا کے تمام نوجوانوں کو میں خصوصیت سے یہ پیغام دیتا ہوں کہ اپنے اندر اس عمر میں الٰہی رنگ پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ بڑھاپے میں انسان جن بدیوں سے باز آجاتا ہے وہ بے اختیاری کی توبہ ہے۔ بڑھاپے میں بہت سے جوش از خود ٹھنڈے ہو جاتے ہیں، بڑھاپے میں بہت سی تمنائیں از خود مدّھم پڑ جاتی ہیں اور انسان دن بدن اپنی نفسانی تمناؤں اور خواہشوں کی غلامی سے ان خواہشوں اور تمناؤں کی کمزوری کی وجہ سے باہر نکلنا شروع ہو جاتا ہے۔ پس ایک بوڑھا آدمی جس کا دل ٹھنڈا پڑ اچکا ہو، جس کے خون میں گرمی باقی نہ رہی ہو، جس کو بعض بدیاں کرنے کی طاقت ہی نہ ملے اس کی توبہ تو کوئی توبہ نہیں ہے۔ اصل توبہ وہ ہے جب آپ کا خون جوش مار رہا ہو، جب آپ کے جذبات اپنی شدت میں ہوں اور آپ کو زیر کرنے کی کوشش کر رہے ہوں، اس وقت اگر ایک شہسوار کی طرح ان پر قابو پائیں اور ان کو اپنا غلام بنائیں اور خدا کی خاطر ان صفات کا غلام بننے کی بجائے ان کے بدلے الٰہی صفات کو اپنے اندر جاری کریں اور اپنی تمناؤں کو صفات الٰہی کا غلام بنا دیں۔ یہ وہ حقیقی جوانی ہے جو مومن کی جوانی ہے۔ یہ وہ جوانی ہے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی جوانی تھی۔ پس اس جوانی کے ذریعے آپ نے دنیا کو پچھاڑنا ہے۔اس کے سوا اور کوئی جوانی حقیقت نہیں رکھتی۔ پس احمدی نوجوانوں کو دنیا میں عظیم الشان کام سرانجام دینے ہیں اور وہ کام ادا کرنے کے لئے یہی ایک نسخہ ہے جو میں نے آپ کو بتایا۔

اس کے سوا اور کوئی نسخہ نہیں۔ادنیٰ سے اعلیٰ جب انسان بنتا ہے تو اس کے اندر غیر معمولی طاقتیں پیدا ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنے وجود میں ایک روشنی محسوس کرتا ہے۔اس نور کے نتیجے میں اس کی بصارت تیز ہوتی ہے۔وہ باتوں کی کنہ تک پہنچنا شروع ہو جاتا ہے۔حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے اس مضمون پر بارہا قلم اٹھایا ہے اور آپؑ فرماتے ہیں کہ عقل حقیقت میں تقویٰ کے نور سے ملتی ہے اور جب تک تقویٰ کا نور دل میں داخل نہ ہو انسان کو عقل نصیب نہیں ہو سکتی۔اہل بصیرت وہی ہیں جو خدا سے محبت رکھتے ہیں اور خدا کا تقویٰ ان کے دل میں اور ان کی عادات میں جاری ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ خدا کے فرشتے ان کے لئے روشنیاں لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ان کو روشنی عطا کرتے چلے جاتے ہیں۔ بڑی تیز آنکھ سے جو دنیا کو نصیب نہیں ہوتی وہ دنیا کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور ان کو ایک غیر معمولی بصیرت عطا ہوتی ہے۔پس آپ نے اولوا الالباب بننا ہے۔وہ اولوا الالباب بننا ہے جن کا قرآن کریم میں ذکر ملتا ہے۔ جو خدا سے تعلق قائم کئے بغیر کچھ بن ہی نہیں سکتے۔پس دنیا کی قومیں دنیا کی فراست میں اور دنیا کی عقلوں میں اگرچہ آپ سے بہت آگے نکل چکی ہیں۔مگر ان کو خدا کی طرف لانے کیلئے اس عقل کی ضرورت ہے جو خدا سے تعلق کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔اور وہ عقل کل ہے۔اس بات پر آپ جتنا بھی غور کریں اتنا ہی زیادہ آپ اس بات پر مطمئن ہوتے چلے جائیں گے کہ کامل عقل خدا سے تعلق کے بغیر نصیب نہیں ہو سکتی۔پس اس دور کو جو عقلی راہنمائی کی ضرورت ہے وہ بھی تعلق باللہ ہی سے ملے گی اور جو لوگ بھی خدا کی طرف بڑھتے ہیں وہ محسوس کرتے ہیں اور ان کے ذاتی تجربے میں یہ بات آتی ہے اور بارہا آتی ہے کہ اس تعلق میں آگے بڑھنے کے نتیجے میں ان کی بدیاں جھڑنی شروع ہو جاتی ہیں، ان کی ٹیڑھی سوچیں ختم ہونی شروع ہو جاتی ہیں۔سیدھا رستہ عطا ہوتا ہے اور درحقیقت وہی صراط مستقیم ہے۔

ہر شخص کی صراط مستقیم اس کے تقویٰ سے تعلق رکھتی ہے۔ظاہری طور پر تو آپ ایک ہی صراط مستقیم سمجھتے ہیں جس کا نام (دین حق) ہے۔ یہ درست ہے کہ (دین حق) صراط مستقیم ہے۔مگر یہ کہنا کہ ہر (مومن) جو صراط مستقیم (دین حق) پر چل رہا ہے اس کو ایک ہی جیسی صراط مستقیم نصیب ہے یہ درست نہیں۔اگر ایسا ہوتا تو سورہ فاتحہ آپ کو ہر نماز میں، ہر رکعت یہ دعا نہ سکھاتی اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ اے ہمارے رب ہمیں سیدھے رستے کی ہدایت دے۔ جو رستے پر چل رہا ہو وہ ہدایت کیوں مانگے۔ جو منزل مقصود تک پہنچ جائے وہ اس منزل کا رستہ تو نہیں پوچھا کرتا۔پس وہ کونسی صراط مستقیم ہے جس کی دعا قرآن کریم نے آپ کو

اس تاکید سے سکھائی کہ ہر نماز کی ہر رکعت میں وہ دعا مانگو اور خدا سے عرض کرتے چلے جاؤ کہ ہمیں صراط مستقیم عطا فرمائے۔ وہ صراط مستقیم وہی ہے جس کا میں ذکر کر رہا ہوں وہ دل سے پیدا ہوتی ہے۔ انسان اپنی سوچوں کو صحیح اور سیدھی بناتا ہے۔ خدا کے تصور سے وہ اپنی کجیوں کو دور کرتا ہے۔ اس کے وجود کا ہر ٹیڑھا حصہ سیدھا ہونے لگ جاتا ہے اور جوں جوں اس کے اندر کی کجیاں دور ہو کر اس کے اندر ایک صاف گوئی اور سیدھا رہنے کا شعور پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے وہی اس کی صراط مستقیم ہے اور سب سے زیادہ صراط مستقیم ان معنوں میں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا ہوئی اور قرآن کریم نے ان معنوں میں آپ کے متعلق فرمایا کہ لَا عِوَجَ لَهُ یہ ایسا نبی ہے جس کے اندر کوئی بھی کجی باقی نہیں رہی کوئی چیز ٹیڑھی نہیں۔ لَا عِوَجَ لَهُ کا مضمون حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق آخر کیوں بیان کیا گیا ہے؟ کسی میں کجی نہیں، یہ تو ہم اس کی بڑی تعریف نہیں سمجھتے۔ ہم تو سمجھتے ہیں کہ اگر کہیں کسی کے متعلق کہ کجی نہیں رہی، تو یہ ایک معمولی بات ہے۔ اس کے بعد پھر ترقی ہوتی ہے۔ پہلے آدمی ٹیڑھا نہ رہے پھر باقی ترقیات ہیں۔ تو اتنا بڑا Compliment، اتنا عظیم الشان تحسین کا کلمہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جو استعمال ہوا تو اس میں ضرور کوئی گہری بات ہے۔ بظاہر یہ فرمایا گیا اس میں کوئی کجی نہیں۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ کسی انسان کے متعلق یہ کہہ دینا کہ اس میں کوئی کجی نہیں اتنا بڑا تحسین کا کلمہ ہے کہ اس سے بڑا تحسین کا کلمہ اس کے متعلق بولا ہی نہیں جا سکتا۔ کیونکہ اس کا دوسرے لفظوں میں یہ معنی ہے کہ یہ خود صراط مستقیم بن گیا ہے۔ یہ ایک ایسا وجود بن چکا ہے جس کے وجود کا ہر حصہ خدا کی طرف مائل ہو چکا ہے اور اسی کا نام صراط مستقیم ہے۔ جس طرح ایک لوہے سے مقناطیس بنتا ہے، وہی مضمون ہے جو روحانی دنیا میں صراط مستقیم کا مضمون ہے۔ لوہے سے مقناطیس اس طرح بنتا ہے کہ لوہے کا ہر ذرہ ایک ہی طرف قبلہ رخ ہو جاتا ہے۔ قبلہ رخ کا محاورہ میں نے عملاً استعمال کیا ہے ورنہ اس کا وہ قبلہ تو نہیں جس کو ہم قبلہ سمجھتے ہیں لیکن خدا تعالیٰ نے اس کے اندر بھی ایک قبلہ مقرر فرما دیا ہے اور لوہے کے وجود میں جب ذرے اس کے قبلے کی طرف رخ کر لیتے ہیں جو خدا نے ان کی صفات میں داخل کیا ہے تو ہر ذرہ اس کا ایک ہی رخ کی طرف مائل ہو جاتا ہے، ایک ہی رخ اختیار کر لیتا ہے۔ اس کے نتیجے میں اتنی عظیم الشان طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہی طاقت ہے جو آج ساری دنیا کے ہر کارخانے کو چلا رہی ہے۔ وہی طاقت ہے جس کے ذریعے زمین اپنے محور کے گرد خاص طریق پر گھوم رہی ہے اور ہر معاملے کو سیدھا رکھے ہوئے ہے۔ اگر یہ مقناطیسی طاقت نہ ہو تو انسانی ساری ترقی ایک دم منہدم ہو کر زیرو پوائنٹ (Zero point) تک پہنچ جائے۔ اپنی پہلی منزل پر واپس پلٹ جائے۔ پس

مقناطیس کی طاقت سے یہ سبق سیکھیں کہ اس کی طاقت کا راز اس بات میں ہے کہ ایک ہی طرف رخ ہو جائے اور لَاعِوَجَ لَہٗ کا یہ مضمون ہے کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے وجود کی ہر طاقت ہر ذرے کو خدا کا رخ بخش دیا اور اس طرح قبلہ رو ہو گئے کہ ادنیٰ سی کجی بھی آپؐ کے وجود میں کہیں بھی تمہیں دکھائی نہیں دے گی۔

یہ وہی طاقت ہے جس کو طاقت محمد یہ کہہ سکتے ہیں، طاقت مصطفوی کہہ سکتے ہیں۔ وہ عظیم طاقت ہے جو آج تک کارفرما ہے۔ چودہ سو سال گزر گئے ہیں لیکن آج بھی وہ قوت انسانوں کی کایا پلٹ سکتی ہے۔ آج بھی وہی قوت ہے جو قوموں کی تقدیر بدلے گی۔ اسی قوت سے آپ کو فائدہ اٹھانا ہوگا اور اس قوت کا راز اسی میں ہے کہ اپنے وجود کو خدا کے تابع کر دیں اور اس کی صفات کو اپنانا شروع کر دیں۔ آپ کا قبلہ خدا ہو جائے، آپ کا رخ خدا کی طرف ہو۔ پھر جب آپ دنیا کی طرف رخ کرتے ہیں تو وہ دوسرا پول ہے۔ آپ کا رخ نہیں بدلتا۔ بلکہ آپ کے وجود کے دوسرے حصے میں بھی ایک طاقت پیدا ہو جاتی ہے۔ ایک وجود کا رخ خدا کی طرف رہتا ہے اور ایک وجود کا ایسا رُخ ہے جو اسی طاقت کو بنی نوع انسان کی طرف بھی منتقل کر رہا ہوتا ہے۔ پس مقناطیس کے دو پولوں کی طرح اس مومن کے اندر جو خدا تعالیٰ کا بن جائے ایک اور پول (pole) بن جاتا ہے ایک اور طاقت کا مرکز بن جاتا ہے۔ جو بنی نوع انسان کو خدا کی طرف کھینچنے کے کام آتا ہے اور اس کے بغیر کوئی دعوت الی اللہ کامیاب نہیں ہو سکتی۔

پس آپ نے جو دنیا میں عظیم الشان کام کرنے ہیں ان کے کاموں کی تیاری تو کریں۔ کتنا بڑا ذمہ داری کا کام ہے۔ ساری دنیا کو، تمام دنیا کے ہر قسم کے انسان جو یہاں بستے ہیں، ان عظیم طاقتوں کو جن کے مقابل پر تیسری دنیا کے ملک سارے بھی مل جائیں تو کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ ان سب کو آپ نے خدا والوں میں تبدیل کرنا ہے اور خدا والوں میں تبدیل کرنے کے لئے جتنی طاقت کی ضرورت ہے وہ آپ کے پاس ہے۔ جہاں تک دنیا کی طاقتوں کا تعلق ہے تو اس کے مقابل پر تو آپ کی اتنی بھی حیثیت نہیں جو ایک مچھر کو ایک ہاتھی کے مقابل پر ہوتی ہے۔ کوئی بھی طاقت نہیں، کچھ بھی آپ تبدیل نہیں کر سکتے۔ لیکن وہ طاقت جس کا میں ذکر کر رہا ہوں یعنی کائنات کے مالک سے تعلق جوڑ لیں اور اس کی طاقت سے اپنے وجود کو ملا ڈالیں اس کے نتیجے میں جو آپ کو طاقت نصیب ہوگی وہ تمام دنیا کی طاقتوں پر غالب آنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ اس پہلو سے آپ میں سے ہر ایک کو مختلف درجوں میں اللہ کا تعلق نصیب ہوگا اور آپ میں سے ہر ایک میں مختلف رنگ میں خدا جھلکنے لگے گا۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے بلب مختلف قوتوں

کے ہوتے ہیں۔ مختلف رنگوں کے ہوتے ہیں، بجلی وہی ہے بجلی کی قوت میں کوئی فرق نہیں۔ لیکن ایک واٹ کا بلب بھی اس بجلی سے لگایا جاسکتا ہے ہزار واٹ کا بھی لگایا جاسکتا ہے۔ دس لاکھ واٹ کا بھی جلایا جاسکتا ہے۔ ان دونوں یا تینوں میں چاروں میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ایک بلب ایسا ہے جو مشکل سے جس کی روشنی میں آپ کچھ پڑھ رہے ہوں اور عملاً وہ بلب بھی تار کے ذریعے اسی بجلی سے متعلق ہے جس سے ایک اور بلب بھی چمک رہا ہے، روشنی حاصل کر رہا ہے۔ یا روشنی کی قوت حاصل کر رہا ہے اور اتنا روشن ہوتا ہے کہ بعض دفعہ آنکھیں چندھیا جاتی ہیں۔ پس یہ اب آپ کا فیصلہ ہے آپ کی کوشش ہے اور آپ کی ہمت ہے اور کس حد تک آپ اپنے تعلق کو خدا سے جوڑتے ہیں۔ اور کون کون سے رنگ اس کے اختیار کرتے ہیں خدا کی صفات تو لا انتہا ہیں۔ ویسے تو ننانوے صفات ہمارے علم میں ہیں۔ یعنی احادیث سے پتا چلتا ہے ننانوے صفات کے متعلق۔ کچھ تعداد میں کمی بیشی کا ذکر بھی ملتا ہے لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ صفات آپس میں جب جوڑ کھاتی ہیں ان کے نتیجے میں بے شمار اور صفات پیدا ہوتی ہیں۔ ورنہ آپ کو یہ دنیا میں جو بے انتہا مختلف رنگ، مختلف وجود، وجودوں کی مختلف شکلیں، ان کے رنگ، ان کے مزاج ...... ان کے اقسام، ان کے عقلوں کے فرق، یہ آپ کو دکھائی نہیں دیتے کہ خدا تعالیٰ کی صفات کے آپس میں مل کر نئے وجود پیدا کرنے کے نتیجے میں ہے۔

اس کی ایک عام مثال یہ ہے کہ آپ جب کھانا کھاتے ہیں یا کوئی چیز پیتے ہیں تو آپ کو پتا ہے کہ کتنے مزے آپ کو ملتے ہیں۔ آپ سے پوچھا جائے کہ بتاؤ کل کتنے مزے ہیں؟ تو آپ کہیں گے بے شمار۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ میں مزے گن کر بتا سکوں کہ کتنے ہیں۔ ایک ہی پھل کے بعض دفعہ اتنے مختلف مزے ہو جاتے ہیں کہ انسان ان کو بھی اپنی گنتی کے احاطے میں نہیں لاسکتا۔ آموں کی قسمیں دیکھ لیجیے۔ ایک سو بیس سے زائد قسمیں تو ہمارے قادیان کے باغ میں ہوا کرتی تھیں اور پھر ان میں سے بھی ہر آم مختلف موسم کا ٹوٹا ہوا، مختلف حالت میں پکا ہوا، اپنے اپنے الگ مزے رکھتا تھا اور پھر ہر آم کو آپ چکھ کے دیکھیں تو ضروری نہیں کہ ایک آم میں ایک ہی مزا ہو۔ کسی کونے سے اور مزا ہے کسی اور کونے سے ایک اور مزا ہے اور پھر کھانے ہیں۔ ایک ہی قسم کے کھانے ہیں، مختلف عورتیں یا مختلف باورچی پکاتے ہیں اور مزے بدل جاتے ہیں۔ لیکن آپ یہ سن کر حیران ہوں گے کہ بنیادی مزے صرف چار ہیں اور ان چاروں کے آپس میں ادلنے بدلنے سے ان کے آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعلقات کے دائروں میں تبدیلی کے نتیجے میں بے انتہا مزے پیدا ہو جاتے ہیں۔ نمک ہے ایک مزا۔ ایک میٹھے کا مزا ہے۔ ایک خوشبو ہے کھانے کی۔ ایک

کڑواہٹ کا مزا ہے۔ یہ تو مزے ہیں۔نمکین ، میٹھا، کڑوا اور کھٹا۔ یہ چار مزے ہیں۔اور چار مزوں کے سوا اور کوئی مزا نہیں ہے جس کو آپ کی زبان یا آپ کی زبان کے غدود محسوس کرسکیں۔اس کے علاوہ پھر خوشبو ہے۔اس کو مزا تو نہیں کہہ سکتے لیکن وہ مدد کرتی ہے پھر اس کے کھانے کے جو لمس کے جو مختلف پہلو ہوتے ہیں وہ انسان کی زبان پر، اس کے منہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔اس کا ٹمپریچر زیادہ یا کم ہوتا ہے۔اس کے نتیجے میں بھی مزوں میں فرق پڑتا ہے۔تو چار بنیادی مزوں پر خوشبوؤں کا اضافہ کرلیں اس کی گرمی سردی کا اضافہ کرلیں اس کے لمس کا اضافہ کرلیں تو سات بن گئے ۔ان ساتوں کے اندر باریک تبدیلیوں کے نتیجے میں لاکھوں کروڑوں مزے پیدا ہوتے ہیں۔تو اب بتایئے کہ خدا کی صفات حسنہ جو ان مزوں سے بہت زیادہ گہرائی رکھتی ہیں وہ اگر ننانوے ہوں اور ننانوے آپس میں جوڑ کھائیں اور مختلف وقتوں میں مختلف مزاج پیدا کریں تو کتنی بے شمار صفات پیدا ہوں گی اور کتنے اس کے رنگ پیدا ہوں گے۔پس خدا سے تعلق رکھنے کے نتیجے میں یہ مطلب نہیں ہے کہ ہر شخص ایک ہی جیسا وجود بنے گا۔اس کے اپنے اندر کا جو ظرف ہے وہ یہ فیصلہ کرے گا کہ میں کس قسم کا خدا (چاہتا ہوں) اور ان میں سے ہر ایک کے رنگ الگ الگ دکھائی دیں گے۔لیکن وہ ہوں گے خدا کے رنگ، اس لئے ہر رنگ میں ایک حسن ہوگا، ہر رنگ میں ایک جاذبیت پائی جائے گی۔پس آپ جرمنی کے خدام مثلاً اگر چار ہزار ہیں تو چار ہزار مختلف خدا کی صفات کے نمونے دنیا کے سامنے پیش کر سکتے ہیں اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہر شخص ایک ہی رنگ اور ایک ہی چمک سے مرعوب نہیں ہوا کرتا، اس کی طرف مائل نہیں ہوا کرتا۔ ہر ایک اپنا ایک ذوق رکھتا ہے اور اپنے ذوق کے مطابق کھانے کے مزے بھی ڈھونڈتا ہے۔لذت کے مزے بھی ڈھونڈتا ہے۔ دوسرے music کے کان کے ذریعے جو لذتیں حاصل کرتا ہے اس کے بھی مزے الگ الگ ڈھونڈتا ہے۔اسی لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندے کے اندر ایسی صفات رکھی ہیں کہ خدا کی صفات سے مل کر وہ پھر مختلف شکلوں میں دنیا کے سامنے خدائی صفات کو پیش کرتا ہے اور اس کی وجہ سے پھر مختلف لوگ خدا کی طرف مائل ہوتے ہیں۔کوئی کسی ایک رستے سے داخل ہو رہا ہے کوئی کسی دوسرے رستے سے داخل ہو رہا ہے۔آپ حقیقت میں جتنے خدام ہیں اتنے ہی دروازے خدا کی طرف کھول رہے ہوں۔اگر آپ خدا والے بنیں گے تو کوئی ایک دروازے سے خدا کی طرف داخل ہوگا کوئی دوسرے دروازے سے خدا کی طرف داخل ہوگا۔ بے شمار دروازے، روشن دان، کھڑکیاں خدا کی طرف کھل رہی ہوں گی۔ان معنوں میں حقیقت میں آپ قوم کی زندگیاں تبدیل کر سکتے ہیں قوم کی تقدیر بدل سکتے ہیں۔اس کے بغیر اور کوئی نسخہ نہیں۔اس کے بغیر محض کھوکھلی باتیں ہیں، محض دعوے

ہیں،ان کی کوئی حقیقت نہیں۔

پس آپ کے لئے ضروری ہے کہ آپ خدا کی صفات کو اپنے اندر جاری کریں اور اپنا رخ خدا کی طرف کرلیں اور پھر ہمیشہ اپنی صفات پر نظر رکھیں کہ کونسی صفت ابھی تک ٹیڑھا مزاج رکھتی ہے۔آپ اس کو خدا کی طرف مائل کرتے ہیں پھر وہ ادھر دوسری طرف چلی جاتی ہے۔کتے کی دم کے متعلق کہتے ہیں کہ کسی نے بارہ سال تک اس کو ایک نالی میں سیدھا رکھا۔دیکھنے کے لئے کہ کتے کی دم سیدھی بھی ہوسکتی ہے یا نہیں۔کہتے ہیں بارہ سال کے بعد جب اس نے وہ نالی نکالی تو دم پھر ٹیڑھی کی ٹیڑھی۔تو بعض انسانوں میں بعض کجیاں اتنی شدت اختیار کر جاتی ہیں کہ ان کو آپ جتنا چاہیں تربیت دیتے چلے جائیں جب وہ تربیت کا دباؤ ہٹائیں گے تو پھر وہ ٹیڑھے ہوجائیں گے۔پھر وہی پرانی شکل واپس آجاتی ہے۔ایک نفس کا اندرونی مربی ہے۔ ان ٹیڑھی عادتوں کو اس کے سوا کوئی دوسرا صحیح نہیں کرسکتا لیکن وہ بھی دعا کی مدد سے یہ طاقت ملتی ہے۔ بیرونی اثرات ان طبیعتوں پر اثر انداز نہیں ہوسکتے۔آپ ہیں خود جو اپنے نگران بنیں تو کام بنے گا۔اگر آپ اپنے نگران نہیں بنیں گے تو کوئی زعیم، کوئی قائد، کوئی بیرونی اثر رکھنے والا انسان آپ کی نگرانی کا حق ادا نہیں کرسکتا......مگر بدقسمتی سے انسان اپنے وجود کو اپنے ساتھ نہیں رکھتا۔اپنے نگران کو سلا دیتا ہے۔اس کی نگرانی کی عادت کو تھپکا تھپکا کر ایسی نیند سلا دیتا ہے کہ پھر اس کا کوئی نگران باقی نہیں رہتا۔آپ میں سے اکثر جب اپنے نفس پر غور کریں گے تو حیران ہوں گے یہ دیکھ کر کہ خدا نے تو آپ کو ایک اندرونی نگران عطا فرمایا تھا مگر آپ نے اس سے فائدہ نہیں اٹھایا۔آپ نے اس کو کبھی موقع ہی نہیں دیا کہ وہ آپ کے اوپر اندرونی تبصرہ کرسکے۔اس کے برعکس آپ کا وہ نگران جو غیروں کے عیوب ڈھونڈتا ہے وہ ہمیشہ بیدار رہتا ہے۔اب دیکھیں کتنا بڑا ظلم ہے جو اپنی ذات سے آپ کررہے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو نگران اس لئے دیا تھا کہ آپ اپنی ذات کے عیوب دیکھیں اور اس کو تلاش کر کر کے جتنا پاک پانی سے دھوسکیں دھوئیں اور صاف کریں۔ان داغوں کو دور کریں اور جو کجیاں ہیں ان کو دور کریں۔اس کی بجائے اکثر دنیا میں یہ دیکھا گیا ہے کہ لوگ غیروں پر تو بڑی تیز نگاہ رکھتے ہیں اور بڑی سخت تنقید کی نگاہ سے ان پر تبصرے کیے جاتے ہیں لیکن اپنے وجود کو بھول جاتے ہیں۔پس اپنے نگران کو جگانا پڑے گا۔اس کے بغیر طبیعت کی کجی دور نہیں ہوسکتی۔اس کے بغیر معلوم نہیں ہوسکتا کہ کن باتوں میں غیر اللہ کی طرف مائل ہوں۔کونسے سے میرے وجود کے حصے ہیں جو ابھی تک سیدھے نہیں ہوئے۔پس اس اندرونی شعور کی بیداری سے حقیقت میں خدا کا رستہ ملتا ہے اور اس پہلو سے انسان کو اپنے اوپر ظلم کرنا پڑتا ہے۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ''اِنَّهٗ كَانَ

ظَلُوْمًا جَهُوْلًا‘‘ (الاحزاب:73) کی عظیم الشان تفسیر فرمائی۔ آپ نے فرمایا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر چل رہا ہے۔ آپؐ ہی کے متعلق فرمایا گیا ہے۔ جب زمین، آسمان، پہاڑوں نے امانت اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے۔ فَحَمَلَهَا الْاِنْسَانُ ۔ تو دیکھو انسان کامل آگے بڑھا اور اس نے اس عظیم امانت کا بوجھ اٹھا لیا جو دنیا میں کسی اور طاقت کو نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے معاً بعد فرمایا ’’اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا‘‘۔ یہ تو بڑا ظَلُوْم ہے، بڑا جَهُوْل ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ یہاں ظَلُوْم کا لفظ اور جَهُوْل کا لفظ ان عام معنوں میں استعمال ہوا ہو جو عموماً کسی کے اوپر تنقید کی جائے تو اس وقت استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ تنقید کے معنی تو نہیں رکھتے۔ یہ تو عظیم الشان تعریف کے معنی رکھتے ہیں۔ پس ظلوم کی آپ نے یہ تفسیر فرمائی کہ یہ اپنے نفس پر حد سے زیادہ ظلم کرنے والا ہے۔ یعنی اپنے نفس کی کوئی کمزوری بھی اس کی نظر سے الگ نہیں رہتی اور جہاں نفس کی کمزوری دیکھتا ہے اس کو پکڑتا ہے اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور جَهُوْلًا کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی خاطر اس نے یہ بوجھ اٹھا لیا ہے اور کوئی پروا نہیں کہ اس بوجھ سے اس کی ہستی چاہے دب کر پارہ پارہ ہو جائے اس کو کوئی پروا نہیں۔ اتنا عظیم الشان بوجھ اور اتنا وزنی بوجھ جس کو پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور عرض کیا کہ اے خدا! مجھ پر یہ امانت ڈال دے میں اس امانت کا حق ادا کروں گا۔ پس عواقب سے بے خبر ہو گئے اس کا معنی ہے جَهُوْلًا۔ پس حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے نفس کو جو خدا کے تابع کیا اس کے لئے دو باتوں کی ضرورت ثابت ہوئی۔ اول یہ کہ کوئی شخص بھی جو اپنے نفس پر رحم کرنے والا ہو وہ خدا کی خاطر اپنے نفس کو ڈھال نہیں سکتا۔ کیونکہ جو اپنے نفس پر رحم کرے گا اس نے کہاں خدا کی خاطر اپنے نفس میں پاک تبدیلیاں پیدا ہونے دینی ہیں۔ یہ ایسی بات ہے جیسے بعض مائیں اپنی جہالت میں صبح کے وقت بچوں پر رحم کرتی ہیں کہ اس کو کوئی نہ اٹھائے نماز کے لئے نہیں اٹھے تو کوئی بات نہیں۔ وہ رحم نہیں ہے وہ ظلم ہے۔ پس خدا کی خاطر اپنے نفس پر ظلم کرنا دراصل رحم ہے اور خدا کی خاطر عواقب سے بے خبر ہو جانا یہ دراصل دانش مندی ہے۔ پس ان معنوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے سب سے بڑا جو تحسین کا کلمہ جو قرآن کریم میں ملتا ہے وہ یہی ہے کہ ’’اِنَّهٗ كَانَ ظَلُوْمًا جَهُوْلًا‘‘ یہ تو اپنے نفس پر حد سے زیادہ ظلم کرنے والا نکلا۔ اور خدا کی خاطر عواقب سے کلیۃً بے پرواہ ہو گیا۔ جو ہوتی ہے میرے ساتھ گزر جائے مجھے کوئی پرواہ نہیں۔ پس آغاز نبوت سے لے کر دنیا نے جو آپ سے سلوک کیا ہے وہ اس بات کا گواہ ہے کہ ان معنوں میں آپ جَهُوْلًا تھے۔ ورنہ آنکھیں کھول کر دانش مندی کے ساتھ دنیا کی

عقل کے ساتھ دیکھتے ہوئے بھلا کون تھا جو اتنے بڑے ظلموں کے لئے اپنے آپ کو پیش کرتا سارا معاشرہ، سارا ماحول جو پہلے آپ کی صفات بیان کرتے ہوئے تھکتا نہیں تھا، جو آپ کے گن گاتے ہوئے اس طرح رطب اللسان رہتا تھا کہ گویا عرب میں سب سے عظیم الشان شخصیت یہی ہے اور تھی بھی۔ امین کا خطاب دیتا تھا صدیق کا خطاب دیتا تھا، ہر قسم کے اچھے ناموں سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد کیا جاتا تھا۔ لیکن جب امانت کا بوجھ اٹھایا تو اچانک سب دنیا نے آپ کے اوپر ہر قسم کی زبان طعن دراز کی، ہر قسم کے گند اچھالے، ہر قسم کی گالیاں دیں، ہر قسم کے عیب نکالنے کی کوشش کی اور پھر دیگر مظالم کی تو حد کر دی۔ پس یہ ہے جَهُــوْلًا کا معنی۔ آپ کس طرح اپنے نفس کو خدا کے تابع کریں گے اگر آپ اپنے نفس پر رحم کرنے والے ہوں گے۔ اگر آپ دنیا کی پروا کریں گے اور دنیا کی پروا کے نتیجے میں آپ خدا کی خاطر اپنے نفس سے غافل ہو جائیں گے یا ڈر جائیں گے کہ ہم کس طرح ان عواقب کو برداشت کریں گے جو خدا کی خاطر انسانوں کو برداشت کرنے پڑتے ہیں۔

پس یہ مضمون تو دیکھنے میں بڑا آسان ہے کہ خدا والے بن جائیں۔ لیکن خدا والے بننے کے لئے مشکلات ہیں۔ قربانیاں درپیش ہیں اور سب سے اہم نکتہ جو سمجھنے کے لئے لائق ہے یہ ہے کہ اپنے نفس پر رحم کرنا چھوڑ دیں۔ اپنے نفس کے ناقد بن جائیں۔ اپنے نفس کو باریک نظر سے دیکھیں اور ہر عیب جو اپنے نفس میں نظر آئے اسے تسلیم کریں۔ اور پھر اس کو کھنگالیں اور اس کو صاف کرنے کی کوشش کریں۔ دعائیں کریں، زور لگائیں اور پیچھے پڑ جائیں کہ میں نے یہ نفس نہیں رہنے دینا۔ یہ کام بہت لمبا ہے کیونکہ جب آپ اپنے وجود کے اندر نقص ڈھونڈیں گے تو آپ یہ معلوم کر کے حیران رہ جائیں گے کہ نقص اتنے ہیں کہ سمجھ نہیں آتی پہلے کس پہ ہاتھ ڈالیں۔ انسان جب شعور کی آنکھ پیدا کرتا ہے تو اس کو داغ نظر آنے شروع ہو جاتے ہیں۔ جب شعور کی آنکھ نہ ہو تو کوئی داغ دکھائی نہیں دیتا۔ اس لئے شعور کی آنکھ پیدا کرنا خدا والا بننے کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اپنے نفس کا بڑی باریک نظر کے ساتھ محاسبہ کیا کریں اور پھر عقل کے ساتھ یہ فیصلہ کریں کہ آپ میں کتنا صاف ہونے کی طاقت ہے۔ اتنا ذمہ اٹھائیں جس حد تک آپ اپنے اندر توفیق پاتے ہیں اور اس توفیق کے مطابق اپنے آپ کو صاف کرنا شروع کریں۔ یہ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ خدا کی خاطر جب آپ اپنی کمزوریوں کو دور کریں گے اور خدا کی صفات کو جاری کریں گے تو آپ کی طاقت بڑھنی شروع ہو جائے گی۔ صفات الٰہی ہر کپڑے، ہر رنگ پر نہیں جاری ہو سکتے۔ بعض رنگ گندے کپڑے پر نہیں چڑھ سکتے۔ اسی لئے رنگریز اس کپڑے کو پہلے خوب دھوتا اور صاف کرتا ہے اور

پاک کرتا ہے۔ بعض دوسرے رنگ جب چڑھے ہوں کپڑے پر تو بعض دوسرے رنگ نہیں چڑھ سکتے۔ کیسے ممکن ہے کہ آپ اپنے نفس کو دھوئے بغیر بیماریوں سے صاف کئے بغیر اللہ کے رنگ میں رنگین کر لیں۔ اسی لئے یہ کوئی آسان کام نہیں ہے یا بہت سادہ بات نہیں ہے کہ آپ خدا کی صفات کو اپنے اندر جاری کریں۔ اندرونی نفسانی جذبات سے اپنے وجود کو پہلے پاک کرنا ہوگا۔ بعض داغ دھونے ہیں بعض رنگوں سے اپنے جسم کے کپڑوں کو چھڑانا ہوگا۔ تب جا کر آپ دیکھیں گے کہ الٰہی صفات آپ کے اندر داخل ہونی شروع ہو جائیں گی۔

پس نفس کو جس طرح حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے جس طرح جھاڑو دیا جاتا ہے گھر کا اس طرح پہلے صفائی کرو۔ اور اپنے نفس میں ایسا جھاڑو دو کہ کوئی گند کا حصہ باقی نہ رہے۔ جوں جوں آپ صاف ہوتے چلے جائیں گے خدا آپ کے وجود میں داخل ہونا شروع ہو جائے گا اور اس کے نتیجے میں آپ کو سب طاقتیں نصیب ہوں گی۔ آپ دنیا کی باتوں سے کبھی پھر مرعوب نہ ہوں گے آپ کو وہ اپنے غم اور اپنے فکر معمولی دکھائی دینے لگیں۔ غم و فکر تو وہ کرتے ہیں۔ لیکن خدا والوں پر غم و فکر غالب نہیں آیا کرتا۔ جو بے خدا لوگ ہوں ان کو بعض دفعہ غم اور فکر نڈھال کر دیتے ہیں اور ان کو پیس کے رکھ دیا کرتے ہیں۔ لیکن جو خدا والے ہیں وہ بڑے سے بڑے صدمے کو بھی بڑے حوصلے سے برداشت کرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ تو نہیں کہ ان کو صدمہ نہیں پہنچتا مگر چونکہ خدا سے تعلق ہوتا ہے اس لئے وہ بڑے سے بڑے صدمے کو بھی برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔

خدا والے بننے کی کوشش کریں

پس دنیا کے مصائب سے نجات حاصل کرنی، دنیا کے دلدل سے نکلنا، دنیا کی فکروں سے رہائی پانی ان سب کا ایک ہی علاج ہے کہ آپ خدا والے بننے کی کوشش کریں۔ اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ کے متعلق خدا تعالیٰ کا یہ کلام لازماً اطلاق پائے گا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا اَلَآ اِنَّ اَوْلِیَآءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (یونس:63)۔ کہ خبردار اللہ کے ولی وہ ہیں جن پر کوئی خوف غالب نہیں آتا اور کوئی غم ان کو محزون نہیں کر دیتا۔ اب یہ تو کہنا غلط ہے کہ خدا کے اولیاء کو کوئی غم پیش نہیں ہوتا۔ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود مغموم ہو جایا کرتے تھے۔ یہ کہنا غلط ہے کہ کوئی خوف ان کے سامنے نہیں آتا۔ کئی قسم کے خوف درپیش ہوتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی کئی قسم کے خوف درپیش رہتے تھے اپنی

امت کا خوف، ان کی بیماریوں کا خوف ان کے گناہوں کے نیچے دب جانے کا خوف ...... غیروں کے اوپر ان کی ہلاکت کا خوف، بے شمار خوف تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو لاحق تھے۔ تو اس کا کیا مطلب ہے۔ عَلَيْهِمْ کا لفظ اس کا مطلب آپ کو سمجھائے گا۔ اَ لَااِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ کہ کوئی خوف ان پر غالب نہیں آ سکتا۔ خوف آئیں بھی تو بے حقیقت دکھائی دیتے ہیں ان کو، کیونکہ وہ خدا کے ساتھ رہتے ہیں۔ چنانچہ حزن بھی اسی طرح درپیش تو رہتے ہیں مگر ان پر غلبہ نہیں پا سکتے۔ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب غار ثور میں پناہ لی تو آپؐ کے ساتھ حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی تھے۔ انہوں نے فکر کا اظہار کیا تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (التوبہ:40)۔ حزن نہ کر خدا ہمارے ساتھ ہے۔ پس جب تک خدا ساتھ نہ ہو حزن سے نجات ممکن ہی نہیں۔ یہی راز ہے حزن مٹانے کا۔ دنیا سے محرومی کا غم صرف اس صورت میں مٹ سکتا ہے کہ دنیا سے بہتر چیز آپ کے پاس موجود ہو۔ ایک بہت امیر آدمی ہو اس کا تھوڑا سا نقصان ہو جائے معمولی، وہ کہتا ہے بعض دفعہ کہ پرواہ نہیں۔ ٹھیک ہے چھوڑ دو اس کو...... لیکن جس کے پاس اور کچھ بھی نہ ہو وہ تو مارا گیا۔ پس جس کے پاس خدا ہو اس کو حزن مغلوب نہیں کیا کرتا ہے۔ جس کے ساتھ خدا ہو اس پر کوئی خوف غالب نہیں آیا کرتا۔ قرآن کریم میں یہ مضمون دو طریق سے بیان ہوا ہے۔ ایک نسبتاً ابتدائی سفر کرنے والوں پر اطلاق پاتا ہے ایک ان پر جو اس مضمون میں آگے بڑھ جاتے ہیں اور خدا کے بہت قریب ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ دوسری جگہ فرمایا: اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَ اَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِىْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ (حم السجدہ:31)۔ کہ وہ لوگ جو یہ اعلان کرتے ہیں کہ اللہ ہمارا رب ہے پھر اس پر استقامت کرتے ہیں۔ ان کے متعلق فرمایا ان پر فرشتے مسلسل نازل ہوتے چلے جاتے ہیں اور ان کو یہ کہتے ہیں کہ غم نہ کرو، غم نہ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں اور خوش ہو جاؤ کیونکہ خدا نے تمہیں جنت کی بشارتیں دی ہیں پس یہ مومن کی ابتدائی حالت ہے۔ پہلے رَبُّنَا اللّٰهُ ۔ اللہ کو اپنا رب بنانا پھر اس سلسلے میں جتنے ابتلاء آتے ہیں، ان کا مقابلہ کرنا، ثابت قدم رہنا، غیر اللہ کی طرف نہ جھکنا۔ اس منزل پر خدا فرماتا ہے کہ فرشتے آ کر انہیں تسلیاں دیتے ہیں، سہارے دیتے ہیں کہ غم نہ کرو ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ پھر ایک اور اس سے اگلا مقام ہے۔ وہ ہے اولیاء اللہ والا مقام۔ اَ لَااِنَّ اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۔ فرشتوں کے نزول کا سوال نہیں رہتا پھر، خدا اُن کے ساتھ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا نے اس مضمون کو کھول دیا کہ کیوں ان پر کوئی غم نہیں ہوتا۔ اس لئے یہ بہت سی منازل ہیں جو آپ کو طے

کرنی ہیں اور جوں جوں آپ اس مضمون کو سمجھیں گے اس کی طرف آگے بڑھیں گے آپ کے اندر پہلے اندرونی انقلاب برپا ہوگا پھر بیرونی انقلاب کی آپ کو طاقت نصیب ہوگی۔

خدام الاحمدیہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں

خدام الاحمدیہ قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہیں اور تمام دنیا میں جو ہم نے انقلاب برپا کرنا ہے اگرچہ اس میں انصاراللہ کو بھی غیر معمولی دخل ہے ان کی عقل کی خدام کو ضرورت ہے، ان کے تجربے کی خدام کو ضرورت ہے، جو نیکیاں انہوں نے لمبی محنتوں سے کمائی ہیں ان نیکیوں کے نتیجے میں جو خدا کے فضل ان پر نازل ہوتے ہیں، ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں ان کی بھی آپ کو ضرورت ہے۔اسی لئے انصاراللہ سے تو آپ الگ نہیں ہو سکتے۔ لیکن جو بنیادی مضبوطی کے کام ہیں وہ خدام الاحمدیہ کو ہی کرنے ہیں۔ جو عظیم قربانیاں پیش کرنی ہیں وہ خدام الاحمدیہ کو ہی پیش کرنی ہیں۔اس لئے مجلس خدام الاحمدیہ کو اپنی اس حیثیت کو سمجھنا چاہیے اور بڑے وسیع پیمانے پر اگلی صدی کے اس کنارے پر جہاں آج آپ کھڑے ہیں اتنی محنت کے ساتھ اپنے وجود میں پاک تبدیلیاں پیدا کرنی ہیں کہ جو پھر ماحول کے رنگ میں بدل سکیں اور اس کے بعد پھر ایسی پاک نسلیں آپ پیچھے چھوڑ سکیں کہ جن کی نیکیوں کا پھل پھر آئندہ نسلاً بعد نسلٍ بنی نوع انسان کھاتے چلے جائیں۔

اب یہ اعلان ہے کہ بسیں جو منگوائی ہیں ان کا وقت ختم ہو گیا ہے اور ان کو روکنا اب مشکل ہو گیا ہے اس لئے بسیں نہیں رک سکتیں میں رک سکتا ہوں۔کوئی حرج نہیں مجھے پتا ہے وقت زیادہ ہو گیا ہے۔لیکن پروگرام ہی ایسا تھا اتنی ملاقاتیں بیچ میں رکھ دی تھیں کہ ناممکن تھا کہ آٹھ بجے یہ پروگرام شروع کیا جا سکے۔ بہر حال اب مجبوری ہے............اب الوداع............

خطبہ جمعہ فرمودہ 24 نومبر 1989ء

☆ سچائی
☆ نرم اور پاک زبان کا استعمال
☆ وسعتِ حوصلہ
☆ دوسروں کی تکلیف کا احساس اور اُسے دور کرنا
☆ مضبوط عزم و ہمت
☆ نماز با جماعت کا قیام
☆ تلاوت قرآن کریم
☆ نوجوانوں میں قیادت پیدا کریں
☆ ذیلی تنظیموں کی ذمہ داریاں
☆ قیام توحید کے لئے عزم و ہمت

⚜

تشہّد وتعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:-

وہ لوگ جو بڑے بڑے منصوبے بناتے ہیں۔ ان کو یہ رجحان پیدا کرنا چاہیے کہ ابتدائی باتوں کی طرف خصوصی توجہ دیں۔ بعض دفعہ بعض بہت ہی بلند بانگ منصوبے بنانے والے اور بلند بانگ دعاوی کرنے والے ابتدائی باتوں سے بے خبر رہ جاتے ہیں اور وہ چیزیں جو اُن کی نظر میں ابتدائی ہیں، درحقیقت بنیادی حیثیت رکھنے والی باتیں ہوا کرتی ہیں۔ اور جب تک بنیادیں قائم نہ ہوں۔ کوئی بلند عمارت تعمیر نہیں کی جاسکتی۔ یہ ایک ایسا قانون ہے جسے دنیا کا کوئی انجینئر ،کوئی ماہر فن تعمیر نظر انداز نہیں کر سکتا۔ قوموں کی تعمیر میں اور میری مراد مذہبی قومیں ہیں۔ مذہبی قوموں کی تعمیر میں دو باتیں بہت ہی بڑی اہمیت رکھتی ہیں اور انہیں کے گرد سارا فلسفۂ حیات گھومتا ہے۔ یعنی بندے سے تعلق اور خدا سے تعلق۔ ان دونوں تعلقات میں (دین حق) نے بہت ہی وسیع تعلیمات دی ہیں اور بہت ہی بلند منصوبے پیش کئے ہیں لیکن ان منصوبوں پر عمل تبھی ممکن ہے جب ان کے ابتدائی حصوں پر خصوصیت سے توجہ دی جائے صبر کے ساتھ بنیادیں تعمیر کی جائیں، پھر خدا تعالیٰ کے فضل سے توقع رکھی جائے کہ ان بنیادوں پر عظیم الشان عمارتیں تعمیر ہوں گی۔

زمانے کی دوری اخلاق سے پاٹی جاسکتی ہے

جماعت احمدیہ کا جو موجودہ دَور ہے، یہ غیر معمولی اہمیت رکھنے والا دَور ہے اور جیسا کہ مَیں نے بارہا پہلے توجہ دلائی ہے۔ ہم حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی صدی سے دور ہو رہے ہیں یعنی زمانے اور وقت کے لحاظ سے دور ہو رہے ہیں لیکن عین ممکن ہے بلکہ قرآن کریم نے اس کی معین پیشگوئی بھی فرمائی ہے کہ زمانے کی دُوری پاٹی جاسکتی ہے، عبور ہوسکتی ہے اگر اخلاق کو دُور نہ ہونے دیا جائے، اگر اعمال کو دُور نہ ہونے دیا جائے وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ۔ (سورۃ الجمعہ:4) میں یہی تو پیغام ہے اور

یہی تو خوشخبری ہے جس کو پورا ہوتے دیکھ کر ہمارے ایمان پھر زندہ ہوئے ہیں۔ پس بہت ہی اہم بات ہے۔ ہم نے آخَرِینَ ہو کر، قرآن کریم کی اس پیشگوئی کا مصداق بنتے ہوئے قطعی طور پر یہ دیکھ لیا اور دنیا پر ثابت کر دیا کہ زمانے کی دوری کو اخلاقی قربت کے ذریعے مٹایا جاسکتا ہے اور نیک اعمال کے نتیجے میں زمانے کے فاصلے ماضی میں بھی طے ہو سکتے ہیں اور مستقبل میں بھی طے ہو سکتے ہیں۔

پس اس پہلو سے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ہر صدی کے قدم پر یہ دیکھیں کہ ہمارا قدم پچھلی صدی کے ساتھ ملا ہوا ہے یا نہیں اور ہمارا اخلاقی اور عملی فاصلہ کہیں بڑھ تو نہیں رہا۔ پس آگے بڑھنا دو طرح سے ہوگا۔ ایک زمانے میں آگے بڑھنا۔ وہ تو ایسی مجبوری ہے جس پہ کسی کا کوئی اختیار نہیں اور ایک آگے بڑھنا یہ بھی ہوسکتا ہے جیسے قومیں بظاہر آگے بڑھتی ہیں لیکن بنیادی طور پر انحطاط کا شکار ہو جاتی ہیں۔ اخلاقی قدروں کے لحاظ سے انحطاط کا شکار ہو جاتی ہیں۔ وہ آگے بڑھنا تو تنزل کی علامت ہے۔ ہم نے اس پہلو سے آگے نہیں بڑھنا بلکہ واپس جانا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی جو سب سے بڑا معجزہ دکھایا۔ جو سب سے بڑا عظیم الشان کارنامہ کر کے دکھایا۔ وہ واپسی کا کارنامہ ہے۔ آگے بڑھنے کا کارنامہ نہیں۔ تیرہ سو سال کے فاصلے حائل تھے۔ کس طرح ایک ہی جست میں آپ اس زمانے میں جا پہنچے جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا زمانہ تھا۔ پس ہر صدی کی زمانی جست کے ساتھ ہمیں واپسی کی ایک جست بھی لگانی ہوگی اور بڑے معین فیصلے اور بڑے قطعی فیصلے کے ساتھ ایسا پروگرام طے کرنا ہوگا کہ جب ہم وقت میں آگے بڑھیں تو اخلاقی اور اعمالی قدروں میں واپس جا رہے ہوں۔ اس پہلو سے اس دور میں جب میں چاروں طرف دیکھتا ہوں تو جماعت کے پھیلاؤ کے ساتھ ساتھ اور بھی مسائل بڑھتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تیزی سے بڑھ رہی ہے اور اس کی رفتار ہر طرف پہلے سے بہت زیادہ ہو چکی ہے۔ پس بڑی جماعتوں میں رفتار کا پھیلاؤ جہاں مبارک بھی ہے وہاں خدشات بھی پیدا کرنے والا ہے اور فکریں بھی پیدا کرنے والا ہے۔ اسی طرح بڑی جماعتوں میں نسل پھیلتی ہے۔ تولید کے ذریعے جماعتیں بڑھتی ہیں۔ اس پہلو سے بھی ساتھ ہی تربیتی فکریں بڑھنے لگتی ہیں۔

ذیلی تنظیمیں براہ راست خلیفہ وقت کے تابع ہیں۔

پس جب میں نے مجلس خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنہ کو تمام ملکوں میں براہ راست اپنے تابع کرنے کا فیصلہ کیا تو اس میں یہ ایک بڑی حکمت پیش نظر تھی تا کہ میں ان مجالس سے براہ راست ایسے کام لوں جن

کے نتیجے میں خدا تعالیٰ کے فضل اور رحم کے ساتھ ہماری تربیتی ضرورتیں پوری ہوسکیں اور خدام الاحمدیہ اور انصاراللہ اور لجنہ اماءاللہ محض خوابوں کے محل تعمیر نہ کریں بلکہ چھوٹے چھوٹے ایسے اقدام کریں جن کے نتیجے میں غریبانہ سر چھپانے کی ضرورت تو پوری ہو۔ یہ وہ ضرورت ہے جس کے پیش نظر جیسا کہ مَیں نے بیان کیا، مجھے یہ اقدام کرنا پڑا۔ اس سلسلے میں آج مَیں دو ابتدائی پروگرام جماعت کے سامنے رکھتا ہوں اور یہ تینوں مجالس خصوصیت کے ساتھ میری مخاطب ہیں۔ ان کو تنظیمی ہدایات انشاءاللہ تعالیٰ پہنچتی رہیں گی اور چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں، چھوٹے چھوٹے آسان حصوں میں عملی پروگرام ان کے سپرد کئے جائیں گے لیکن جو بنیادی باتیں میرے پیش نظر ہیں، وہ میں آپ سب کے سامنے پہلے بھی مختلف حیثیتوں میں رکھتا رہا ہوں۔ آج پھر ان باتوں میں سے بعض کو دھرانا ضروری سمجھتا ہوں۔

اخلاقی تعمیر ذیلی تنظیموں نے کرنی ہے

مذہبی قومیں بغیر اخلاقی تعمیر کے تعمیر نہیں ہوسکتیں اور یہ تصور بالکل باطل ہے کہ انسان بداخلاق ہو اور باخدا ہو۔ اس لئے مذہبی قوموں کی تعمیر میں سب سے اہم بات ان کے اخلاق کی تعمیر ہے اور یہ تعمیر جتنی جلدی شروع ہو اُتنا ہی بہتر ہے اور اتنی ہی آسان ہوتی ہے۔ پس اس پہلو سے لجنہ اماءاللہ نے سب سے ابتدائی اور بنیادی کام کرنے ہیں اور یہی ابتدائی اور بنیادی کام عمر کے دوسرے حصوں میں خدام کے سُپرد بھی ہوں گے اور انصار کے بھی سپرد ہوں گے لیکن بنیادی طور پر ایک ہی چیزیں ہیں جو عمر کے مختلف حصوں میں مختلف مجالس کو خصوصیت سے سرانجام دینی ہیں۔

بچپن سے سچ کی عادت نہ ڈالی جائے تو بڑے ہوکر سچ کی عادت ڈالنا مشکل کام ہے۔

سب سے پہلی بات سچ کی عادت ہے۔ آج دنیا میں جتنی بدی پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں خرابی کا سب سے بڑا عنصر جھوٹ ہے۔ وہ قومیں جو ترقی یافتہ ہیں، جو بظاہر اعلیٰ اخلاق والی ہیں، وہ بھی اپنی ضرورت کے مطابق جھوٹ بولتی ہیں۔ اپنوں سے نہیں بولتیں تو غیروں سے جھوٹ بولتی ہیں۔ ان کے فلسفے جھوٹ پر مبنی ہیں ان کا نظام حیات جھوٹ پر مبنی ہے، ان کی اقتصادیات جھوٹ پر مبنی ہے۔ غرضیکہ اگر آپ باریک نظر سے دیکھیں تو اگرچہ بظاہر ان کے زندگی کے کاروبار پر Civilization اور اعلیٰ تہذیب کے ملمع چڑھے ہوئے ہیں۔ لیکن فی الحقیقت ان کے اندر مرکزی نقطہ جس کے گرد یہ قومیں گھوم رہی ہیں اور جس کے اُوپر ان کی تہذیبیں مبنی ہیں، وہ

جھوٹ ہی ہے۔لیکن یہ ایک الگ بحث ہے۔ مجھے تو اس وقت جماعت احمدیہ کے اندر دلچسپی ہے اور جماعت احمدیہ کے بچوں کے اُوپر مَیں خصوصیت کے ساتھ نظر رکھتا ہوں اور میرے نزدیک جب تک بچپن سے سچ کی عادت نہ ڈالی جائے، بڑے ہو کر سچ کی عادت ڈالنا بہت مشکل کام ہو جاتا ہے۔اور جیسا کہ میں نے اپنے بعض خطبات میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے سچ بولنا بھی مختلف درجات سے تعلق رکھتا ہے اور مختلف مراحل سے تعلق رکھتا ہے اور کم سچا اور زیادہ سچا اور اس سے زیادہ سچا اور اس سے زیادہ سچا۔ اتنے بے شمار مراحل ہیں سچ کے بھی کہ ان کو طے کرنا بالآخر نبوت تک پہنچاتا ہے اور صدّیق کے مرحلے سے آگے خدا تعالیٰ نے سچائی کا جو مقام تجویز فرمایا ہے۔اس کو نبوت کہا جاتا ہے ایسا سچا کہ جس کا کوئی پہلو بھی جھوٹ کی ملونی اپنے اندر نہ رکھتا ہو لیکن یہ ہیں بڑے اور اُونچے اور بلند منصوبے جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے پیش کئے ہیں۔ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (سورۃ النساء:70) کتنے عظیم الشان اور بلند منصوبے ہیں لیکن ان کا آغاز سچ سے ہوتا ہے اور کوئی شخص صالح بھی نہیں بن سکتا جب تک وہ سچا نہ ہو۔اس لئے بہت ہی اہم بات ہے کہ ہم اپنے بچوں کو شروع ہی سے نرمی سے بھی اور سختی سے بھی سچ پر قائم کریں اور کسی قیمت پر بھی ان کے جھوٹے مذاق کو بھی برداشت نہ کریں۔ یہ کام اگر مائیں کر لیں تو باقی مراحل جو ہیں،قوم کے لئے بہت ہی آسان ہو جائیں گے اور ایسے بچے جو سچے ہوں وہ اگر بعد میں لجنہ کی تنظیم کے سپرد کئے جائیں یا خدام الاحمدیہ کی تنظیم کے سپرد کئے جائیں۔ان سے وہ ہر قسم کا کام لے سکتے ہیں کیونکہ سچ کے بغیر وہ Fiber فائیبر میسر نہیں آتا۔وہ تانا بانا نہیں ملتا جس کے ذریعے آپ بوجھ ڈال سکتے ہیں یا منصوبے بنا کر ان کو ان میں استعمال کر سکتے ہیں۔جھوٹی قومیں کمزور ہوتی ہیں ان کے اندر اعلیٰ قدریں برداشت کرنے کی طاقت ہی نہیں ہوا کرتی لیکن یہ ایک بڑا لمبا تفصیلی مضمون ہے اس کو آپ فی الحال نظر انداز فرمائیں اور یہ یقین رکھیں کہ سچ کے بغیر کسی اعلیٰ قدر کی، کسی اعلیٰ منصوبے کی تعمیر ممکن نہیں ہے۔اس لئے جماعت احمدیہ میں بچپن سے ہی سچ کی عادت ڈالنا اور مضبوطی سے اپنی اولادوں کو سچ پر قائم کرنا نہایت ضروری ہے اور جو بڑے ہو چکے ہیں۔ان پر اس پہلو سے نظر رکھنا اور ایسے پروگرام بنانا کہ بار بار خدام اور انصار اور لجنات اس طرف متوجہ ہوتے رہیں کہ سچائی کی کتنی بڑی قیمت ہے اور اس وقت جماعت کو اور دنیا کو جماعت کی وساطت سے کتنی بڑی ضرورت ہے۔

نرم اور پاک زبان کا استعمال

تربیت کا دوسرا پہلو نرم اور پاک زبان استعمال کرنا اور ایک دوسرے کا ادب کرنا۔ یہ بھی بظاہر چھوٹی سی

بات ہے۔ابتدائی چیز ہے لیکن جہاں تک مَیں نے جائزہ لیا ہے، وہ سارے جھگڑے جو جماعت کے اندرنجی طور پر پیدا ہوتے ہیں یا ایک دوسرے سے تعلقات میں پیدا ہوتے ہیں ان میں جھوٹ کے بعد سب بڑا دخل اس بات کا ہے کہ بعض لوگوں کو نرم خوئی کے ساتھ کلام کرنا نہیں آتا۔ان کی زبان میں درشتگی پائی جاتی ہے۔ ان کی باتوں اور طرز میں تکلیف دینے کا ایک رجحان پایا جاتا ہے، جس سے بسااوقات وہ باخبر ہی نہیں ہوتے۔جس طرح کانٹے دُکھ دیتے ہیں ان کو پتہ نہیں کہ ہم کیا کررہے ہیں۔اسی طرح بعض لوگ روحانی طور پر سوکھ کے کانٹے بن جاتے ہیں اور ان کی روزمرہ کی باتیں چاروں طرف دُکھ بکھیر رہی ہوتی ہیں۔ تکلیف دے رہی ہوتی ہیں اور ان کو خبر بھی نہیں ہوتی کہ ہم کیا کررہے ہیں۔ایسے اگر مرد ہوں تو ان کی عورتیں بیچاری ہمیشہ ظلموں کا نشانہ بنی رہتی ہیں اور اگر عورتیں ہوں تو مردوں کی زندگی اجیرن ہوجاتی ہے۔یہ بات بھی ایسی ہے جس کو بچپن سے ہی پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔گھر میں بچے جب آپس میں ایک دوسرے سے کلام کرتے ہیں۔اگر وہ آپس میں ادب اور محبت سے کلام نہ کریں۔اگر چھوٹی چھوٹی بات پر تُو تُو مَیں مَیں اور جھگڑے شروع ہوجائیں تو آپ یقین جانئے کہ آپ ایک گندی نسل پیچھے چھوڑ کر جانے والے ہیں ایک ایسی نسل پیدا کررہے ہیں جو آئندہ زمانوں میں قوم کو تکلیفوں اور دکھوں سے بھر دے گی اور آپ اس بات کے ذمہ دار ہیں ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے بچوں نے ایک دوسرے سے زیادتیاں کیں، سختیاں کیں اور بدتمیزیاں کیں۔اور آپ نے ان کو ادب سکھانے کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور یہی نہیں ایسے بچے پھر ماں باپ سے بھی بدتر ہوتے چلے جاتے ہیں۔اور جن ماں باپ کے بچوں کی تعزیر کے لئے جلد ہاتھ اُٹھتے ہیں ان کے بچوں کے پھر اُن پر ہاتھ اٹھنے لگتے ہیں۔اس لئے روزمرہ کے حسن سلوک اور ادب کی طرف غیر معمولی توجہ دینے کی ضرورت ہے اور یہ بھی گھروں میں اگر بچپن ہی میں تربیت دے دی جائے تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت ہی آسانی کے ساتھ یہ کام ہوسکتے ہیں لیکن جب یہ اخلاق زندگی کا جزو بن چکے ہوں، جب ایسے بچے بڑے ہوجائیں تو پھر آپ دیکھیں گے کہ سکول میں جائیں تو کلاسوں میں یہ بچے بدتمیزی کے مظاہرے کرتے، شور ڈالتے، ایک دوسرے کو تکلیفیں پہنچاتے اور اساتذہ کے لئے ہمیشہ سر دردی بنے رہتے ہیں۔یہی بچے جب اطفال الاحمدیہ کے سپرد ہوں یا لجنات کے سپرد بچیوں کے طور پر ہوں تو وہاں ایک مصیبت کھڑی کردیتے ہیں۔ان بچوں کی تربیت کرنا بڑا مشکل کام ہے۔اور ہم نے جو تربیت کے بڑے بڑے کام کرنے ہیں وہ ہو ہی نہیں سکتے اگر ابتدائی طور پر یہ مادہ تیار نہ ہو۔مادہ تیار ہو تو پھر اس کے اُوپر کام آپ کرنا چاہیں، جتنا اس کو سجانا چاہیں اُتنا اس کو سجا سکتے ہیں لیکن وہ مٹی ہی نرم نہ ہوا اور اس

کے اندر ڈھلنے کی طاقت نہ ہو تو پھر کیسا بڑا صناع ہی کیوں نہ ہو، وہ اس مٹی کو خوبصورت شکلوں میں تبدیل نہیں کر سکتا۔ پس اس پہلو سے کلامی، ادب واحترام کے ساتھ ایک دوسرے سے سلوک کرنا یہ بہت ہی ضروری ہے۔ بڑے بڑے خطرناک جھگڑے اس صورتحال کی طرف توجہ نہ دینے کے نتیجے میں پیدا ہوتے ہیں اور چونکہ مجھ تک ساری دُنیا سے مختلف نزاع کبھی بالواسطہ کبھی بلاواسطہ پہنچتے رہتے ہیں۔ اس وقت تک آئندہ بڑے ہو کر قوم میں ان کے کردار کی کوئی ضمانت نہیں دے سکتے اور ان کی بدخلقیاں بعض نہایت ہی خطرناک فساد پیدا کر سکتی ہے۔ جن کے نتیجے میں دُکھ پھیل سکتے ہیں۔ جماعتیں بٹ سکتی ہیں۔ منافقتیں پیدا ہو سکتی ہیں۔ سلسلہ سے انحراف کے واقعات ہو سکتے ہیں کیونکہ یہی چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جن کو لوگ معمولی سمجھتے ہیں، لیکن جن کے اُوپر آئندہ قوموں کی تعمیر ہوتی ہے اور اس کے نتیجے میں بہت بڑے بڑے واقعات رونما ہو جاتے ہیں۔

وسعتِ حوصلہ بچپن ہی سے اپنی اولاد کو سکھانا چاہیے

تیسری چیز وسعت حوصلہ ہے۔ بچپن ہی سے اپنی اولاد کو یہ سکھانا چاہیے کہ اگر تمہیں کسی نے تھوڑی سی کوئی بات کہی ہے یا تمہارا کچھ نقصان ہو گیا ہے تو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ اپنا حوصلہ بلند رکھو اور حوصلے کی یہ تعلیم بھی زبان سے نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر اپنے عمل سے دی جاتی ہے بعض بچوں سے نقصان ہو جاتے ہیں۔ گھر کا کوئی برتن ٹوٹ گیا۔ سیاہی کی کوئی دوات گر گئی۔ کھانا کھاتے ہوئے پانی کا گلاس اُلٹ گیا اور ان چھوٹی چھوٹی باتوں پر مَیں نے دیکھا ہے کہ بعض ماں باپ برافروختہ ہو کر بچوں کے اُوپر برس پڑتے ہیں، ان کو گالیاں دینے لگ جاتے ہیں۔ چپیڑیں مارتے ہیں اور کئی طرح کی سزائیں دیتے ہیں اور صرف یہی نہیں بلکہ جن قوموں میں یا جن ملکوں میں ابھی تک اُن کا ایک طبقہ یہ توفیق رکھتا ہے کہ وہ نوکر رکھے، وہاں نوکروں سے بدسلوکیاں ہو رہی ہوں، ان گھروں میں جہاں بچوں سے بدسلوکیاں ہو رہی ہوں وہاں آئندہ قوم میں بڑا حوصلہ پیدا نہیں ہو سکتا۔

جب ایک بچے نے حضرت مسیح موعودؑ کا قیمتی مقالہ جلا دیا

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بچوں کو جو تربیت کی وہ محض کلام کے ذریعے نہیں کی بلکہ اعلیٰ اخلاق کے اظہار کے ذریعے کی ہے۔ حضرت مصلح موعود جب بچے تھے، حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

کا ایک بہت ہی قیمتی مقالہ جو آپ نے تحریر فرمایا تھا اور اس کو طباعت کے لئے تیار فرمایا تھا، وہ آپ نے کھیل کھیل میں جلا دیا اور سارا گھر ڈرا بیٹھا تھا کہ اب پتہ نہیں کیا ہوگا اور کیسی سزا ملے (لیکن) جب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوا تو آپ نے فرمایا: کوئی بات نہیں۔ خدا اور توفیق دے دے گا۔ حوصلہ اپنے عمل سے پیدا کیا جاتا ہے اور ماں باپ جن کے دل میں حوصلے نہ ہوں، وہ اپنے بچوں میں حوصلے نہیں پیدا کر سکتے۔ اور نرم گفتاری کا بھی حوصلے سے بڑا گہرا تعلق ہے۔ چھوٹے حوصلے ہمیشہ بدتمیز زبان پیدا کرتے ہیں۔ بڑے حوصلوں سے زبان میں بھی تحمل پیدا ہوتا ہے اور زبان کا معیار بھی بلند ہوتا ہے۔ پس محض زبان میں نرمی پیدا کرنا کافی نہیں جب تک اس کے ساتھ حوصلہ بلند نہ کیا جائے اور وسیع حوصلگی جماعت کے لئے آئندہ بہت ہی کام آنے والی چیز ہے جس کے غیر معمولی فوائد ہمیں اندرونی طور پر بھی اور بیرونی طور پر بھی نصیب ہو سکتے ہیں لیکن وسیع حوصلگی کا یہ مطلب نہیں کہ ہر نقصان کو برداشت کیا جائے اور نقصان کی پرواہ نہ کی جائے۔ یہ ایک فرق ہے جو مَیں کھول کر آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں۔ اس کو سمجھ کر ان دونوں باتوں کے درمیان توازن کرنا پڑے گا۔

ہمیں چاہیے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی ضائع نہ ہو

نقصان ایک بُری چیز ہے۔ اگر نقصان کا رجحان بچوں میں پیدا ہو تو ان کو سمجھانا اور عقل دینا اور یہ بات ان کے ذہن نشین کرنا بہت ضروری ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو چیزیں پیدا فرمائی ہیں وہ ہمارے فائدے کے لئے ہیں اور ہمیں چاہیے کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز کا بھی نقصان نہ ہو۔ وضو کرتے وقت پانی کا بھی نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ منہ ہاتھ دھوتے وقت پانی کا نقصان نہیں ہونا چاہیے۔ صرف ایک پانی ہی کو لے لیں تو آپ دیکھیں گے کہ ہماری قوم میں اور بعض ترقی یافتہ قوموں میں بھی نقصان کا کتنا رجحان ہے۔ مَیں نے دیکھا ہے بعض لوگ ٹوٹیاں کھول کر کھڑے ہو جاتے ہیں۔ ان کو کوئی پرواہ نہیں ہوتی کہ گرم پانی یا ٹھنڈا پانی، جیسا بھی ہے وہ اکثر ضائع ہو رہا ہے اور بہت تھوڑا ان کے کام آ رہا ہے۔ حالانکہ پانی خدا تعالیٰ کی ایک ایسی نعمت ہے جس کی قدر کرنا ضروری ہے اور قطع نظر اس سے کہ اس سے آپ کا مالی نقصان کیا ہوتا ہے یا قوم کا مجموعی نقصان کیا ہوتا ہے، یہ بات ناشکری میں داخل ہے کہ کسی نعمت کی بے قدری کی جائے تو حوصلے سے مراد ہرگز یہ نہیں کہ نقصان کی پرواہ نہ کرنے کی عادت ڈالی جائے۔ یہ دو باتیں پہلو بہ پہلو چلنی چاہئیں۔ حوصلے سے مراد یہ ہے کہ اگر اتفاقاً کسی سے کوئی نقصان پہنچتا ہے تو اس پر برداشت کیا جائے اور

اُسے کہا جائے کہ اس قسم کی باتیں ہوتی رہتی ہیں اور جن کے حوصلے بلند ہوں وہ پھر بڑے ہوکر بڑے نقصان برداشت کرنے کے بھی زیادہ اہل ہوجاتے ہیں۔ بعض دفعہ آفاتِ سماوی پڑتی ہیں اور دیکھتے دیکھتے انسان کی فصلیں تباہ ہوجاتی ہیں۔ جن کو چھوٹی چھوٹی باتوں کا حوصلہ نہ ہو وہ ایسے موقعوں پر پھر خدا سے بھی بدتمیز ہوجاتے ہیں اور بے حوصلگی کے ساتھ خود غرضی کا ایک ایسا گہرا رشتہ ہے کہ اس خود غرضی کے نتیجے میں ہر دوسری چیز اپنی تابع دکھائی دینے لگتی ہے اگر وہ فائدہ پہنچا رہی ہے تو ٹھیک ہے۔ ذرا سا بھی نقصان کسی سے پہنچے تو انسان حوصلہ چھوڑ بیٹھتا ہے اور جب بندوں سے بے حوصلگی شروع ہو تو بالآخر انسان خدا سے بھی بے حوصلہ ہوجاتا ہے۔ اسی لئے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہ گُر سمجھایا کہ مَنْ لَایَشْکُرِ النَّاسَ لَایَشْکُرِ اللّٰہ (ابن عساکر بحوالہ کنز العمال جلد ۳ حدیث نمبر ۶۴۸۲) کہ جو بندے کا شکر ادا کرنا نہ سیکھے وہ خدا کا کہاں کرسکتا ہے۔ جو بندے کا نہیں کرتا وہ خدا کا بھی نہیں کرتا۔ یہ جو گہرا فلسفہ ہے یہ ہم روزمرہ کی زندگی میں دیکھتے ہیں۔ حوصلے پر بھی اسی بات کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے مَیں نے کہا تھا کہ یہ معمولی بات نہیں۔ بڑے ہوکر اس کے بہت بڑے بڑے نتائج پیدا ہوسکتے ہیں وہ نقصان جس میں انسان بے اختیار ہو اس پر صبر کا نام حوصلہ ہے۔ نقصان کی طرف طبیعت کا میلان ہونا یہ حوصلہ نہیں ہے۔ یہ بے وقوفی ہے۔ جہالت ہے اور بعض صورتوں میں یہ خود ناشکری بن جاتا ہے۔ اس لئے بچوں کو جب حوصلہ سکھاتے ہیں تو چیزوں کی قدر کرنا بھی سکھائیں جیسا کہ مَیں نے بیان کیا ہے۔

یہاں انگلستان میں بھی مَیں نے دیکھا ہے کہ پانی کا نقصان اور Heat گرمی کا نقصان۔ یہ دو ایسی چیزیں ہیں جو قوم میں عام پائی جاتی ہیں۔ کوئی پرواہ نہیں ہوتی۔ ہمارے خود پاکستان سے یہاں آکر جو بسنے والے ہیں، بے ضرورت ہیٹر جلاتے ہیں۔ بے ضرورت آگ جلتی رہتی ہے۔ اس کے اُوپر پتیلی ہو یا نہ ہو، عورتیں پرواہ نہیں کرتیں۔ بے ضرورت پانی بہتے رہتے ہیں۔ اس سے بہت کم میں انسان اپنی ضرورت کو پوری کرسکتا ہے اور قومی طور پر جو فائدہ ہے وہ تو ہے لیکن بنیادی طور پر ہر انسان کو ان باتوں کی طرف توجہ دینے کے نتیجے میں اپنی اخلاقی تعمیر میں مدد ملتی ہے اور اس سے بچوں کی تربیت میں بہت فائدہ پہنچ سکتا ہے۔ بجلیوں کو دیکھ لیجئے۔ مَیں نے دیکھا ہے کہ گھروں میں لوگ بے وجہ بجلیاں جلتی چھوڑ جاتے ہیں۔ ریڈیو آن کیا ہے یا ٹیلی ویژن آن کیا ہے تو کمرے سے چلے گئے اور خالی کمروں میں بجلیاں بھی جل رہی ہیں۔ ریڈیو آن ہیں یا ٹیلی ویژن آن ہیں۔ کئی دفعہ مَیں اپنے گھر میں اپنے بچوں سے کہا کرتا ہوں کہ ہمارے گھر میں جنّ ہیں کیونکہ مَیں کمرے میں گیا وہاں بجلی جل رہی تھی اور ٹیلی ویژن چلا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کوئی

ایسی غیر مرئی مخلوق ہے جو آ کر یہ کام کر جاتی ہے۔ انسانوں کو تو زیب نہیں دیتا کہ اس طرح بے وجہ خدا کی ان نعمتوں کو ضائع کریں تو بار ہا یہ دیکھا یہ تربیت کرنی پڑتی ہے لیکن صبر کے ساتھ۔ بدتمیزی کے ساتھ نہیں اور یہ جو دو باتیں ہیں یہ اکٹھی چلیں گی۔ یعنی حوصلے کی تعلیم اور نقصان سے بچنے کا رجحان۔ کسی قسم کا قومی نقصان نہ ہو اس کے نتیجے میں اندرونی طور پر بھی آپ کی ذات کو، آپ کے خاندان کو فوائد پہنچیں گے اور بڑے ہو کر تو اس کے بہت ہی عظیم الشان نتائج نکلتے ہیں۔ وہ لوگ جن کو چھوٹے چھوٹے نقصانوں کی پرواہ نہیں ہوتی جب وہ تجارتیں کرتے ہیں تو اپنی طرف سے وہ حوصلہ دکھا رہے ہوتے ہیں کہ اچھا یہ ہو گیا، کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اچھا وہ نقصان ہو گیا کوئی فرق نہیں پڑتا ہم اور آگے کما لیں گے۔ یہ جہالت کی باتیں ہیں۔ اچھے تاجر وہی ہوتے ہیں جو چھوٹے سے چھوٹا نقصان بھی برداشت نہ کریں اور حوصلے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اپنے نقصان کو آنکھوں کے سامنے ہوتا دیکھیں اور روکنے کی کوشش نہ کریں۔

غریب کی ہمدردی اور دُکھ دور کرنے کی عادت بچپن سے ہی پیدا کریں

چوتھی بات غریب کی ہمدردی اور دُکھ دُور کرنے کی عادت ہے۔ یہ بھی بچپن سے ہی پیدا کرنا چاہیے۔ جن بچوں کو نرم مزاج مائیں غریب کی ہمدردی کی باتیں سناتی ہیں اور غریب کی ہمدردی کا رجحان اُن کی طبیعتوں میں پیدا کرتی ہیں۔ وہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مستقبل میں ایک عظیم الشان قوم پیدا کر رہی ہوتی ہیں جو خَيْـرَ اُمَّةٍ بننے کی اہل جاتی ہیں لیکن وہ مائیں جو خود غرضانہ رویہ رکھتی ہیں اور اپنے بچوں کو اُن کے اپنے دکھوں کا احساس تو دلاتی رہتی ہیں غیر کے دُکھ کا احساس نہیں دلاتیں۔ وہ ایک خود غرضانہ قوم پیدا کرتی ہیں۔ جو لوگوں کے لئے مصیبت بن جاتی ہے۔ اس لئے انسانی ہمدردی پیدا کرنا نہ صرف نہایت ضروری ہے بلکہ اس کے بغیر آپ اپنے اس اعلیٰ مقصد کو پا نہیں سکتے جس کے لئے آپ کو پیدا کیا گیا ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (سورۃ آل عمران:۱۱۱) تم دنیا کی بہترین امت ہو جس کو خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کے فوائد کے لئے پیدا فرمایا ہے۔ اس لئے ہم اپنی زندگی کا قومی مقصد کھو دیں گے اگر بچپن ہی سے اپنی اولاد کو لوگوں کی ہمدردی کی طرف متوجہ نہ کریں اور عملاً اُن سے ایسے کام نہ لیں یا اُن کو ایسے کام نہ سکھائیں جس کے نتیجے میں غریب کی ہمدردی اُن کے دل میں پیدا ہو اور اُس کی لذت یابی بچپن ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ لذت یابی سے مراد میری یہ ہے کہ اگر کسی بچے سے کوئی ایسا کام کروایا جائے جس سے کسی کا دُکھ دُور ہو تو اُس کو ایک لذت محسوس ہو گی اگر محض زبانی بتایا جائے تو وہ لذت

محسوس نہیں ہوگی اور جب تک نیکی کی لذت محسوس نہ ہو اس وقت تک نیکی دوام نہیں پکڑا کرتی۔ اس وقت تک یہ محض نصیحت کی باتیں ہیں۔ اس لئے اس کے دو پہلو ہیں۔ ایک تو آپ اپنے بچوں کو اچھی کہانیاں سنا کر سبق آموز نصیحتیں کر کے یا سبق آموز واقعات سنا کر غریبوں کی ہمدردی کی طرف مائل کریں۔ دُکھ والوں کو دُکھ دُور کرنے کی طرف مائل کریں اور وہ شخص جو مصیبت زدہ ہے کسی تکلیف میں مبتلا ہے، یہ احساس پیدا کریں کہ اس کی مصیبت دُور ہونی چاہیے اور اس کی تکلیف دُور کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ خدمت کا جذبہ اُن کے اندر پیدا کریں۔ بلکہ اس کے ساتھ مواقع بھی مہیا کریں۔ یہاں عام طور پر ایسے مواقع میسر نہیں آتے یعنی روزمرہ کی زندگی میں بھی، کیونکہ یہ ایک ایسا ملک ہے جہاں امیروں اور غریبوں کے درمیان فاصلے بہت ہیں یا درمیانے طبقے کے لوگوں کے درمیان اور غریبوں کے درمیان بہت فاصلے ہیں۔ لیکن ہمارے ملکوں میں یعنی غریب ملکوں میں، تیسری دنیا کے ملکوں میں تو غریب اور امیر ساتھ ساتھ رہتے ہیں۔ ہر روز ان کی گلیوں اُن کے بازاروں میں غربت تکلیف اٹھاتی ہوئی دکھائی دیتی ہے اور محسوس ہوتی ہے۔ وہاں تو نہ صرف یہ کہ کام بہت آسان ہے کہ عملاً بچوں کو بچپن ہی سے لوگوں کی تکلیفیں دُور کرنے کی عادت ڈالی جائے بلکہ مشکل بھی ہے کہ تکلیفیں اتنی ہیں کہ انسان کے حد استطاعت سے بہت بڑھی ہوئی دکھائی دیتی ہیں۔ ایسے ہی ملکوں کے متعلق، غالباً ایسے ہی ماحول میں غالبؔ نے یہ کہا تھا کہ ؎

کون ہے جو نہیں ہے حاجتمند
کس کی حاجت روا کرے کوئی

لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ چونکہ حاجتیں پوری کرنا ہمارے بس سے بڑھ گیا ہے۔ اس لئے ہم حاجت پوری کرنا چھوڑ دیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کس کس کی کرے۔ دل یہ چاہتا ہے کہ ہر ایک کی کرے۔ پس جس کسی کی بھی جتنی حاجت بھی آپ دُور کر سکتے ہیں، خود بھی کریں اور بچوں سے کروائیں اور بچپن میں اگر اس کی عادت پڑ جائے تو اس کے نتیجے میں بچہ جو لذت محسوس کرتا ہے وہ نیکی کو دوام بخش دیتی ہے اور پھر بڑے ہو کر خدام الاحمدیہ میں جا کر یا لجنہ کی بڑی عمر کو پہنچ کر پھر ان تنظیموں کو ان میں محنت نہیں کرنی پڑے گی اور بنے بنائے بااخلاق افرادِ قوم میسر آئیں گے جو پھر بڑے بڑے کام کرنے کے لئے اپنے آپ کو مستعد اور تیار پائیں گے۔

مضبوط عزم و ہمت اور نرم دلی

آخر پر پانچویں بات جو مَیں نے آج کے خطاب کے لئے چنی ہے وہ مضبوط عزم اور ہمت

ہے۔مضبوط عزم اور ہمت اور نرم دلی اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ اگر یہ اکٹھے نہ ہوں تو ایسا انسان کمزور تو ہوگا با اخلاق نہیں ہوگا۔نرم دلی جب آپ پیدا کرتے ہیں تو اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ ایسا نرم دل انسان ایسا نرم خُو انسان مشکلات کے وقت گھبرا جائے اور مصائب کا سامنا کرنے کی طاقت نہ پائے۔حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ،صدیق اکبرؓ اس لحاظ سے ہمیشہ ہمیش کے لئے تاریخ میں ایک کامل نمونہ کے طور پر پیش کئے جاسکتے ہیں۔ یہ نمونہ اگرچہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے حاصل کیا مگر آپ کی زندگی میں ایک ایسا مقام آیا جہاں اس خلق نے نمایاں ہوکر ایک ایسا عظیم الشان کردار ادا کیا ہے کہ جس کے نتیجے میں ہمیشہ کے لئے ہم آپ کی مثال دنیا کے سامنے رکھ سکتے ہیں۔ بے حد نرم خو اور نرم دل ہونے کے باوجود جب اسلام پر آپ کی خلافت کے پہلے دن ہی مصیبت کا دَور پڑا ہے۔عظیم مصیبت واقع ہوئی ہے اور مشکلات کا دَور شروع ہوا ہے تو وہ شخص جو دنیا کی نظر میں اتنا نرم دل اور اتنا نرم خو تھا کہ معمولی سی تکلیف کی بات سے ہی اس کے آنسو رواں ہو جایا کرتے تھے۔کسی کی چھوٹی سی تکلیف بھی وہ برداشت نہیں کرسکتا تھا۔اتنے حیرت انگیز عزم کے ساتھ ان مشکلات کے مقابل پر کھڑا ہو گیا ہے کہ جیسے سیلاب کے سامنے کوئی عظیم الشان چٹان کھڑی ہو جاتی ہے۔ایک ذرّہ بھی اس کے سرکنے کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔اس طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس وقت اپنے نرم دل سے عظمت کا ایک پہاڑ نکلتا ہوا دنیا کو دکھایا۔پس نرم دلی کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ انسان مشکلات کے وقت کمزور ہو یا بڑھتی ہوئی مشکلات کے سامنے ہمت ہار جائے۔بچپن سے یہ خُلق پیدا کرنا چاہیے کہ ہم نے شکست نہیں کھانی۔

میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ جو فقرہ ہے، یہ ایک عظیم الشان فقرہ ہے جو آپ کے اس عظیم خلق پر روشنی ڈالتا ہے:

''میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں''

بہت ہی بلند تعلیم ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عظیم خلق پر روشنی ڈالنے والا یہ ایک بہت ہی پیارا فقرہ ہے کہ میری سرشت میں ناکامی کا خمیر نہیں ہے۔پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے وابستہ ہونے والوں کی سرشت میں بھی ہرگز ناکامی کا خمیر نہیں ہونا چاہیے اور یہ عزم اور ہمت بچپن ہی سے پیدا کئے جائیں تو پیدا ہوتے ہیں۔وہ لوگ جو چھوٹی چھوٹی باتوں پر ہمتیں ہار جاتے ہیں۔امتحان میں

فیل ہو جائیں تو زندگی سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ زندگی کی کوئی مراد پوری نہ ہو تو ان کا سارا فلسفۂ حیات ایک زلزلے میں مبتلا ہو جاتا ہے، وہ سوچتے ہیں، پتہ نہیں خدا بھی ہے کہ نہیں۔ اُن کی چھوٹی سی کائنات تنکوں کی بنی ہوئی ہوتی ہے اور معمولی سا زلزلہ بھی ان کی خاک اڑا دیتا ہے۔ اس لئے وہ قومیں جنہوں نے دنیا میں بہت بڑے بڑے کام کرنے ہیں۔ عظیم الشان مقاصد کو حاصل کرنا ہے اور عظیم الشان ذمہ داریوں کو ادا کرنا ہے۔ جن کا مشکلات کا دَور چند سالوں سے تعلق نہیں رکھتا بلکہ صدیوں تک پھیلا ہوا ہے۔ ہر مشکل کو انہوں نے سَر کرنا ہے۔ ہر مصیبت کا مردانگی کے ساتھ مقابلہ کرنا ہے۔ ہر زور آور دشمن سے ٹکر لینی ہے اور اس کو ناکام اور نامراد کر کے دکھانا ہے۔ ایسی قوموں کی اولادیں اگر بچپن ہی سے عزم کی تعلیم نہ پائیں تو آئندہ نسلیں پھر اس عظیم الشان کام کو سرانجام نہیں دے سکیں گی۔

اس لئے بہت ہی ضرورت ہے کہ جہاں نرم کلام بچے پیدا کریں۔ جہاں نرم دل بچے پیدا کریں۔ جہاں نرم خُو اولاد پیدا کریں جو دوسروں کی ادنیٰ سی تکلیف سے بھی بے چین اور بے قرار ہو جائے اور ان کے دل کسی دوسرے دل کے غم سے پگھلنا شروع ہو جائیں، اس کے باوجود اس اولاد کو عزم کا پہاڑ بنا دیں اور بلند ہمتوں کا ایک ایسا عظیم الشان نمونہ بنا دیں کہ جس کے نتیجے میں قومیں ان سے سبق حاصل کریں۔

یہ وہ پانچ بنیادی اخلاق ہیں جو مَیں سمجھتا ہوں کہ ہماری تنظیموں کو خصوصیت کے ساتھ اپنے تربیتی پروگرام میں پیش نظر رکھنے چاہئیں۔ ان پر اگر وہ اپنے سارے منصوبوں کی بناء ڈال دیں اور سب سے زیادہ توجہ ان اخلاق کی طرف کریں تو مَیں سمجھتا ہوں کہ اس کا فائدہ آئندہ سو سال ہی نہیں بلکہ سینکڑوں سال تک بنی نوع انسان کو پہنچتا رہے گا۔ کیونکہ آج کی جماعت احمدیہ اگر ان پانچ اخلاق پر قائم ہو جائے اور مضبوطی کے ساتھ قائم ہو جائے اور ان کی اولادوں کے متعلق بھی یہ یقین ہو جائے کہ یہ بھی آئندہ انہیں اخلاق کی نگران اور محافظ بنی رہیں گی اور ان اخلاق کی روشنی دوسروں تک پھیلاتی رہیں گی اور پہنچاتی رہیں گی تو پھر مَیں یقین رکھتا ہوں کہ ہم امن کی حالت میں اپنی جان دے سکتے ہیں۔ سکون کے ساتھ اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کر سکتے ہیں اور یقین رکھ سکتے ہیں کہ جو عظیم الشان کام ہمارے سپرد کئے گئے تھے۔ ہم نے جہاں تک ہمیں توفیق ملی، ان کو سرانجام دیا۔

نماز کا ترجمہ ہر احمدی کو آنا چاہیے خواہ وہ بچہ ہو، جوان ہو یا بوڑھا

دوسرا پہلو مختصراً عبادات کا پہلو ہے۔ اس سلسلے میں مَیں بارہا جماعت کو پہلے بھی متوجہ کر چکا ہوں کہ ابتدائی چیزوں کی طرف بہت ہی توجہ دینے کی ضرورت ہے اور ان میں سب سے ابتدائی اور سب سے اہم نماز

ہے۔ہماری نمازوں میں ابھی کئی قسم کے خلا ہیں جو بلند تر منازل سے تعلق رکھنے والے خلا ہیں۔ان کا مَیں تفصیل سے ذکر کر چکا ہوں۔لیکن اَب مَیں آپ کو اس بنیادی کمزوری کی طرف متوجہ کرتا ہوں کہ ہمارے اندر آج کی نسلوں میں بھی بہت سے بچے ایسے ہیں جن کو پانچ وقت نماز پڑھنے کی عادت نہیں ہے۔ بہت سے بوڑھے ایسے ہیں جن کو پانچ وقت نماز پڑھنے کی عادت نہیں ہے اور یہ بات ہمیں روزمرہ نظر آنی چاہیے اور ہمیں اس سے بے چین ہوجانا چاہیے۔تنظیمیں کیوں اس سے بے چین نہیں ہوتیں۔تنظیمیں کیوں یہ کمزوری نہیں دیکھتیں اور کیوں خصوصیت کے ساتھ ان باتوں کی طرف متوجہ نہیں ہوتیں۔صرف نماز پڑھنا کافی نہیں، نماز ترجمے کے ساتھ پڑھنا بہت ضروری ہے اور نماز کا ترجمہ ہر احمدی کو آنا چاہیے۔خواہ وہ بچہ ہو، جوان ہو یا بوڑھا۔مرد ہو یا عورت۔ہر شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ نماز کا ترجمہ جانتا ہو اور اس حد تک یہ ترجمہ رواں ہو کہ جب وہ نماز پڑھے تو سمجھ کر نماز پڑھے۔عبادات کے مضمون میں تو بہت سی وسیع باتیں ہیں۔بہت سی باتیں ہیں جو اپنے اندر پھر اور بہت سی منازل رکھتی ہیں لیکن سب سے بنیادی بات یہی ہے کہ ہم اپنی جماعت کو مکمل طور پر نماز پر قائم کردیں۔کسی اور نیکی کی اتنی تلقین قرآن کریم میں آپ کو نہیں ملے گی جتنی قیام عبادت کی تلقین ہے۔ قیام صلوٰۃ کی تلقین ہے اور بنی نوع انسان کی ہمدردی کی تلقین بھی ہمیشہ اس کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے۔پس قرآن کریم کی تعلیم کی روح یہی ہے کہ ہم اپنی عبادات کو کھڑا کردیں اور اپنے پاؤں پر مضبوطی کے ساتھ ان کو اس طرح مستحکم کردیں کہ کوئی ابتلاء کوئی زلزلہ کوئی مشکل ہماری نمازوں کو گرا نہ سکے۔اس کے لئے پہلا بنیادی قدم یہی ہے کہ ہم میں سے ہر ایک شخص نماز باترجمہ جانتا ہو اور نماز پانچ وقت پڑھنے کا عادی ہو اور دوسری چیز اس کے ساتھ ملانے والی یہ ضروری ہے کہ صبح تلاوت کی عادت ڈالیں ہر شخص جو نماز پڑھتا ہے اس کو یہ عادت پڑ جائے کہ کچھ نہ کچھ تلاوت ضرور کرے۔یہ بنیاد اگر قائم ہوجائے اس کے اُوپر پھر عظیم الشان عبادات کی عمارتیں قائم ہوسکتی ہیں۔منازل نئی سے نئی بن سکتی ہیں۔عبادتوں کو نئی رفعتیں حاصل ہوسکتی ہیں مگر یہ بنیاد نہ ہو تو اُوپر کی منزلیں بن ہی نہیں سکتیں۔اس لئے خدام الاحمدیہ، انصار اللہ اور لجنات کو اپنے آئندہ کے پروگراموں میں سب سے زیادہ اہمیت اس بات کو دینی چاہیے کہ ان کی مجالس کے اندر ایک بھی فرد نہ رہے جو نماز کا ترجمہ نہ جانتا ہو اور پنج وقتہ نماز پر قائم نہ ہو۔باقی ساری باتیں انشاءاللہ رفتہ رفتہ سکھائی جائیں گی۔

ذیلی تنظیموں کے لئے لائحہ عمل

میرا پروگرام یہ ہے کہ تمام مجالس پر اس پہلو سے نظر رکھوں اور ان کی رپورٹوں کو سردست مختصر بنادوں۔ ان سے یہ توقع رکھوں کہ آپ لمبی تفصیلی رپورٹیں مجھے نہ کریں جن سے مَیں خود براہ راست گذر نہ سکوں جبکہ

مجھ کو آپ جو کام پہنچانا چاہتے ہیں وہ مختصر کر دیں اور بجائے اس کے کہ یہ بتائیں کہ آپ نے کتنے پیڑ لگائے اور کتنی محنتیں کیں اور کس طرح ان پودوں کو تناور درختوں میں تبدیل کیا۔ مجھے صرف یہ بتا دیا کریں کہ پھل کتنے لگے۔ پیڑوں سے مجھے غرض نہیں ہے۔ تو پھلوں کے لحاظ سے ان پانچ عادات کی متعلق رپورٹ مل جائے کہ آپ نے کتنے احمدیوں میں یہ عادات راسخ کرنے میں کام کیا ہے؟ کتنے لوگوں نے، بچوں نے، بڑوں نے مردوں اور عورتوں نے عہد کیا ہے کہ وہ آئندہ جھوٹ نہیں بولیں گے اور اس کے سلسلہ میں آپ نے کیا کارروائیاں کی ہیں؟ سرِ دست صرف یہ بتائیں۔ یعنی نظر رکھنے کے لئے کیا کارروائیاں کی ہیں؟ عادتوں کو مزید راسخ کرنے کے لئے کیا کارروائیاں کی ہیں؟ اتنا حصہ بیشک مزید بھی بتا دیں۔ جو پھلوں کی حفاظت سے تعلق رکھنے والا حصہ ہے۔ پھول پیدا کریں ان کی حفاظت کا انتظام کریں اور وہ حفاظت کی جو کارروائیاں ہیں وہ اپنی رپورٹ میں بے شک مختصراً لکھ دیا کریں دوسرا پہلو یہ ہے کہ یہ پتہ لگ جایا کرے کہ عرصہ زیر رپورٹ میں کتنے ایسے احمدی بچے، بڑے تھے جو نماز پنج وقتہ نہیں پڑھتے تھے جن کو آپ نے نماز پنج وقتہ کی عادت ڈالی ہے یا کوئی نماز نہیں پڑھتے تھے اور آپ نے ایک یا دو نمازوں کی عادت ڈالی ہے۔ صرف یہ تعداد کافی ہے۔ اگلی رپورٹ میں ان کا ذکر نہ ہو بلکہ مزید جو آپ نے اس میں شامل کئے ہوئے ہیں ان کا ذکر ہو یا اگر دو پڑھتے تھے اور تین پڑھنے لگ گئے تو ان کا ذکر ہو سکتا ہے اور اسی طرح یہ ذکر ہو کہ کتنے ایسے احمدی تھے جن کو نماز ترجمہ شروع کروا دیا گیا ہے۔ کسی کا ترجمہ مکمل ہو گیا ہے تو دو حصوں میں بیان کیا جا سکتا ہے کہ اتنے ترجمہ پڑھ رہے ہیں اور اتنے ایسے خوش نصیب ہیں جو اگرچہ پہلے ترجمہ نہیں جانتے تھے اور اب ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ ان کو ترجمہ آ گیا ہے۔ تو یہ چھوٹے چھوٹے کام ہیں۔ ان کی طرف ساری مجالس اپنی ساری توجہ مبذول کر دیں۔ ان کے علاوہ جو دوسرے کام ہیں۔ سردست وہ جاری تو رہیں گے مگر ان کو مقابلۃً ثانوی حیثیت دیں۔ اس سے مَیں اُمید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ جماعت کی عظیم الشان تعمیر کی ایسی بنیادیں قائم ہو جائیں گے جو اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ تمام دنیا میں (دین حق) کی عمارت کو مستحکم اور بلند تر کرنے میں عظیم الشان کارنامے سرانجام دیں گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے سالانہ اجتماع سے افتتاحی خطاب

فرمودہ 10 مئی 1991ء

☆ جرمنی کی سیاسی واقتصادی اہمیت
☆ جرمنی کا جماعت احمدیہ کے ساتھ بہت ہی حسن واحسان کا تعلق رہا ہے
☆ جرمنی کو ہمیشہ اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے
☆ مشرقی جرمنی کی طرف توجہ کرنے کی نصیحت
☆ مشرقی جرمنی کے لوگوں کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے آج پھر مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کو ایک عظیم الشان اجتماع منعقد کرنے کی توفیق بخشی ہے۔ آج منعقد ہونے والا یہ اجتماع اب مغربی جرمنی کا نہیں بلکہ سارے جرمنی کا اجتماع ہے۔ مگر خدام کی شمولیت کے لحاظ سے عملاً زیادہ بلکہ بہت زیادہ شمولیت اس میں مغربی جرمنی کی طرف سے ہی ہے۔

جرمنی کی سیاسی واقتصادی اہمیت

اب جرمنی کے مغربی اور مشرقی دونوں حصوں کی اقتصادیات آپ میں مل رہی ہیں۔ اس کے نتیجہ میں کچھ عرصہ کے بعد ایک نیا جرمنی معرضِ وجود میں آئے گا جس کی اقتصادی حالت آج کے جرمنی سے کئی گنا زیادہ بڑھ چکی ہوگی۔ ہر چند کہ یہ قوم مشرقی اور مغربی حصوں کے باہم پھر متحد ہو جانے پر ذہنی اور قلبی لحاظ سے خوش ہے لیکن مغربی جرمنی کو سر دست مشرقی جرمنی کا اقتصادی بوجھ اٹھانے کی وجہ سے وقتی طور پر ایک اقتصادی صدمہ پہنچا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی جرمنی کے بوجھ نے مغربی جرمنی کے اقتصادی معیار کو بھی نیچے جھکا دیا ہے لیکن عنقریب آپ دیکھیں گے کہ جرمنی اقتصادی لحاظ سے پھر ایک بہت بڑی طاقت بن کر ابھرنے والا ہے۔ صرف مشرقی جرمنی ہی نہیں بلکہ مشرقی یورپ کے بعض ممالک بھی جلد جرمنی کی طرف متوجہ ہوں گے اور اس کے ساتھ منسلک ہونے کی کسی نہ کسی رنگ میں کوشش کریں گے۔ اس احساس کے نتیجہ میں ابھی سے بعض دوسرے ممالک میں جرمنی کے خلاف حسد پیدا ہو چکا ہے۔ وہ مستقبل پر نگاہ ڈالتے ہوئے گھبراہٹ محسوس کرتے ہیں کہ جرمنی کہیں ان کے مقابلہ پر بہت زیادہ طاقتور ملک بن کر نہ اُبھرے اور اس طرح آپس میں فاصلے زیادہ نہ بڑھ جائیں۔

جرمنی کا جماعت احمدیہ سے تعلق

جرمنی کا جماعت احمدیہ کے ساتھ بہت ہی حسن واحسان کا تعلق رہا ہے۔ یورپ میں بلکہ دنیا بھر میں

جتنا جرمنی نے پاکستان کے غم زدہ اور تکلیف اٹھانے والے احمدیوں کو پناہ دی ہے اور جس جذبہ کے ساتھ اپنے ملک کے دروازے آپ پر کھولے ہیں اور ان کو امن مہیا کیا ہے۔ یہ ایک ایسا احسان ہے جو مجھے ہمیشہ جرمنی کے لئے دعائیں کرنے کی یاددہانی کراتا رہتا ہے اور بعض اوقات رات کی تنہائیوں میں میرے دل کی گہرائی سے اس ملک کے لئے دعا اٹھتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس ملک کے باشندوں کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہیں ہوتی کہ کوئی شخص کہیں بیٹھا ان کے لئے دعا کر رہا ہے۔ ساری جماعت احمدیہ کو اس معاملہ میں امام کے ساتھ شامل ہونا چاہیے اور جرمنی کو ہمیشہ اپنی خصوصی دعاؤں میں یاد رکھنا چاہیے۔ دنیا کے لحاظ سے تو ہم ان کو بدلہ نہیں دے سکتے۔ اگر کچھ بدلہ دے سکتے ہیں تو اعلیٰ اخلاقی تعلیم دے کر اور انہیں (دین حق) کی طرف بلا کر دے سکتے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ ان کی نظر میں یہ بدلہ کوئی بدلہ نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو چیزیں ہماری نظر میں قدر رکھتی ہیں ان کی نظر میں وہ کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتیں مگر جب ہم ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں تو محض اعلیٰ کردار اور مذہبی ہدایت عطا ہونے کی ہی نہیں کرتے بلکہ ہم ان کے لئے دنیا کے لحاظ سے بھی دعا کرتے ہیں کہ اے اللہ! ان کو دنیوی حسنات بھی عطا فرما۔ پس ان کے لئے ہدایت یابی کے ساتھ ساتھ دنیوی حسنات عطا ہونے کی دعا بھی کیا کریں تا کہ یہ خوشحال ہوں اور اس طرح پہلے سے بہتر اور مضبوط ہوتے جائیں۔ ان کو اس کا علم ہو یا نہ ہو لیکن آپ جانتے ہوں اور آپ کے دل اس امر کے گواہ ہوں کہ آپ کے خدا نے آپ کی طرف سے اس قوم کے احسانات کا بدلہ اتنا اتارا ہے کہ جتنے وہ حقدار بھی نہیں تھے۔

پس اب جبکہ جرمنی کے مشرقی اور مغربی حصے کی دو علیحدہ علیحدہ اقتصادیات آپس میں مل رہی ہیں اور اس کے نتیجہ میں نئے حالات پیدا ہو رہے ہیں میں آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ دعائیں کرتے ہوئے آپ بھی اس امر کے لئے کوشش شروع کر دیں کہ مشرقی جرمنی کے بھی خدام الاحمدیہ کو اور وہاں کی جماعت کے دیگر خدام کو پورے جرمنی کے جماعتی اجتماعات میں اسی طرح بھرپور حصہ لینے کی توفیق ملے جس طرح سابقہ مغربی جرمنی کے خطہ کے احمدی ایسے روحانی اجتماعات میں بکثرت شامل ہوتے ہیں۔ اس پہلو سے جرمنی کے مشرقی حصہ میں جو کمی ہے اللہ تعالیٰ اس کو دور فرماوے۔ اقتصادی لحاظ سے مشرقی حصہ کی کمی کو دور کرنا جن لوگوں کی ذمہ داری ہے وہ اپنی اس ذمہ داری کو بڑی توجہ سے ادا کر رہے ہیں۔ وہ بڑی بیدار مغزی اور بڑی محنت کے ساتھ بڑے بڑے چیلنج قبول کر رہے ہیں اور وہ یقین رکھتے ہیں کہ ان کی انتھک مساعی کے نتیجہ میں کچھ عرصہ کے اندر اندر مشرقی جرمنی کی اقتصادیات بھی مغربی جرمنی کی اقتصادیات کے برابر ہو

جائے گی۔ روحانی قدروں کے لحاظ سے آپ ذمہ دار ہیں۔ آپ کا خاموش اور غافل رہنا آپ کو زیب نہیں دیتا۔ خدا تعالیٰ کی ہستی پر زندہ ایمان لانے کے اعتبار سے، مذہبی اخلاق کو سمجھنے اور ان کی کماحقہٗ پابندی کرنے کے اعتبار سے اور جماعت کی تعداد کے نقطۂ نگاہ سے مشرقی جرمنی میں فی الوقت جتنی بھی کمی ہے وہ آپ نے پوری کرنی ہے۔ پس اپنی دعاؤں میں اس بات کو خاص طور پر پیش نظر رکھیں اور مشرقی جرمنی میں پہلے سے بڑھ کر دعوت الی اللہ کا کام کریں۔

مشرقی جرمنی کی طرف توجہ کرنے کی نصیحت

گزشتہ مرتبہ جب میں جرمنی میں حاضر ہوا تو میں نے امیر صاحب اور مجلس عاملہ کو توجہ دلائی کہ آپ مشرقی جرمنی میں مختلف اہم مقامات پر زمینیں حاصل کرنے کی کوشش کریں تا کہ ہم وہاں مشن ہاؤس اور (بیوت الذکر) بنا سکیں۔ مجھے علم نہیں کہ جماعت کو اس طرف پوری سنجیدگی کے ساتھ توجہ دلائی جا سکی ہے یا نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے اس ہدایت کو اس خیال سے نرمی سے لیا ہو کہ مشرقی یورپ جرمنی میں ابھی جماعتیں تو ہیں نہیں وہاں (بیوت الذکر) وغیرہ بنانے کی ابھی کیا جلدی ہے۔ حالانکہ میں نے تو خدا تعالیٰ پر توکل اور جماعت پر حسنِ ظن رکھتے ہوئی اس خیال سے یہ تحریک کی تھی کہ عنقریب وہاں جماعت پھیلے گی اور خدا سے روٹھے ہوئے لوگوں کو بڑی تیزی سے خدا کی طرف واپس لائے گی۔ تاریخی لحاظ سے مشرقی یورپ کے لوگ دو طرح اپنی بعض سابقہ اقدار سے روٹھے تھے۔ ایک اعتبار سے وہ سرمایہ دارانہ نظام سے روٹھ گئے تھے۔ انہوں نے اس کے مقابل ایک نیا نظام قائم کیا۔

دیکھیں آپ کے سامنے یہ مثال ہے کہ سرمایہ دارانہ نظام والوں نے انہیں اپنا بنا لیا ہے اور انہیں اپنی طرف واپس لوٹا لیا ہے۔ حالانکہ مشرقی یورپ کے لوگوں کے لئے یہ نقصان دہ ہے۔ جہاں تک میں نے غور کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ مشرقی یورپ اور روس اگر واپس سرمایہ داری کی طرف لوٹیں گے تو شدید نقصان اٹھائیں گے۔ ان کے لئے نئی راہ تلاش کرنا ضروری ہے اور یہ نئی راہ ان کو اسلام مہیا کر سکتا ہے۔ دوسرے اعتبار سے وہ خدا سے بھی روٹھ گئے تھے، وہ مذہب سے بھی روٹھ گئے تھے حتّٰی کہ وہ اخلاقی اقدار سے بھی روٹھ گئے۔ اُنہیں مذہب، اخلاقی اقدار اور خدا کی طرف واپس لانے کی ذمہ داری آپ کی ہے۔ آپ نے انہیں (دین حق) کا پیغام پہنچا کر خدا کی طرف واپس لانا ہے۔

مشرقی جرمنی کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں

دنیا کی قومیں اپنی اپنی سمجھ کے مطابق اپنی اپنی ذمہ داریاں ادا کر رہی ہیں۔اس کے بالمقابل اگر خدا کی قوم اور خدا کے بندے اپنی ذمہ داریوں سے غافل ہو جائیں یہ انہیں زیب نہیں دیتا۔پس اس مختصر خطاب میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ جہاں سابقہ مغربی جرمنی کے احسانات کو یاد رکھتے ہوئے آپ ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں میں امید یہی رکھتا ہوں کہ آپ ان کے لئے دعائیں کرتے ہیں اور اگر نہیں کرتے تو میں امید رکھتا ہوں کہ آئندہ ضرور دعائیں کریں گے۔ان کی دنیا کے لئے بھی دعائیں کریں گے اور آخرت کے لئے بھی دعائیں کریں گے، وہاں اگرچہ مشرقی جرمنی کے آپ پر کوئی احسان نہیں پھر بھی ان پر احسان کرنے میں پہل کر جائیں اور مشرقی جرمنی کے لوگوں کو بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔ان کے لئے بھی بھلائی کے کام کریں۔ان کو بھی اللہ کی طرف بلائیں۔کوشش کریں کہ ان کی ہر قسم کی کمی پوری ہو اور ان کے تمام خلا دُور ہوں۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔(آمین)

(اخبار احمدیہ جرمنی 1991ء)

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 12 مئی 1991ء

- ☆ صدر مجلس خدام الاحمدیہ کا خلیفۂ وقت سے براہ راست رابطہ اور اس کے فوائد
- ☆ کسی مقام پر رک جانا مومن کی شان نہیں
- ☆ دنیا کا امام بننے سے پہلے اپنے نفس کا امام بننا ہوگا
- ☆ جماعتی عہدے اور ان کے تقاضے سَیِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُھُمْ
- ☆ پاکستان بھر کے اتنے سفر کئے ہیں کہ کم آدمیوں نے کئے ہونگے........ اس لئے میں تفصیل سے جماعت کا شناسا ہوں
- ☆ جماعت کا مزاج عاجزانہ ہے اور اخلاص سے گوندھا ہوا ہے
- ☆ ہجرت کے تقاضے
- ☆ ہمیں بھی ایک Pollution دور کرنے کے لئے مامور کیا گیا ہے۔ اور وہ روحانی اور اخلاقی Pollution ہے
- ☆ روس کے ایک لیڈر کی حضور سے ملاقات اور حضور کو ایک مرکزی کمیٹی کا اعزازی ممبر بنانا
- ☆ آپ احمدیت کے نمائندے اور سفیر ہیں

⚜
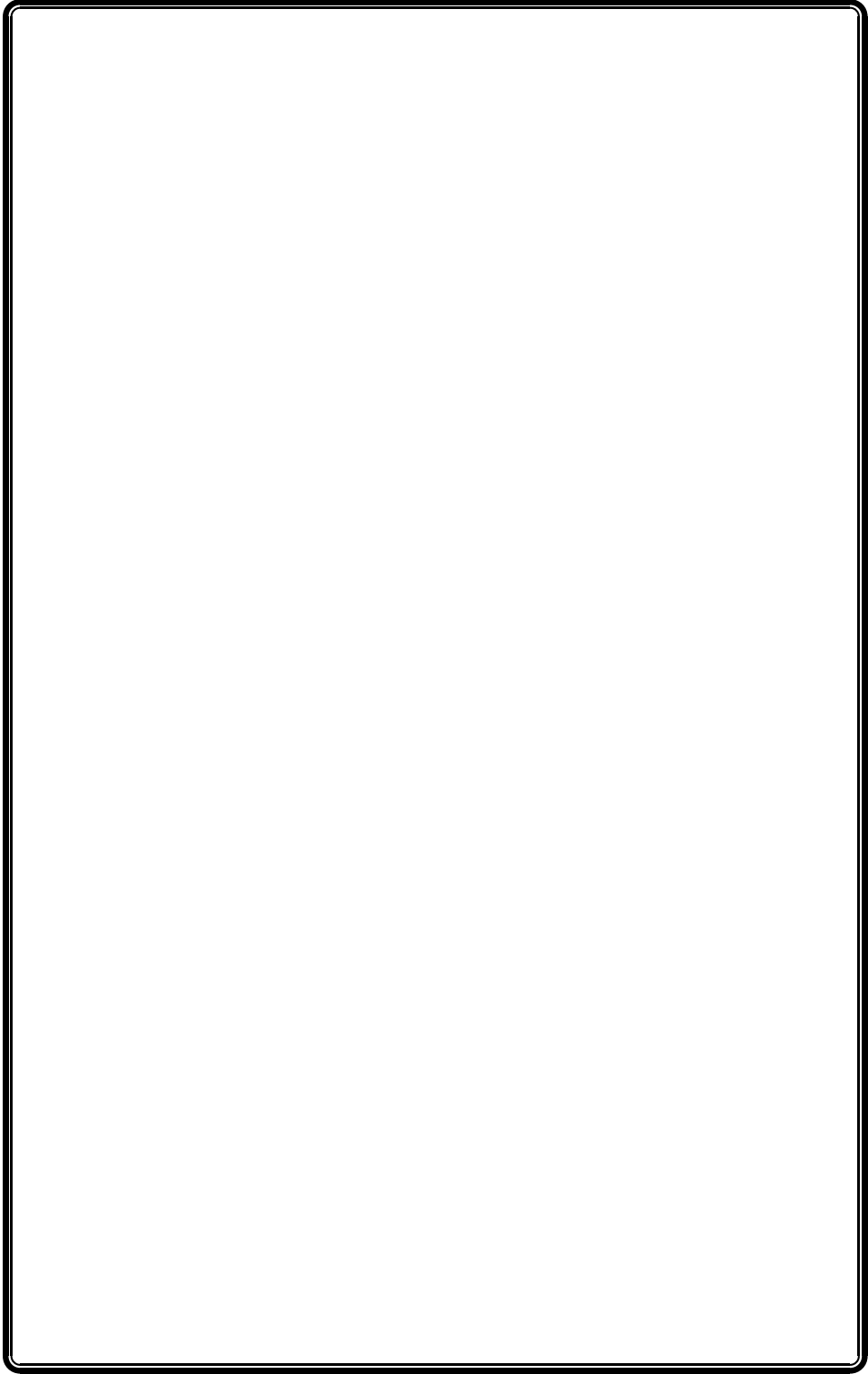
تشہّد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کو یہ سعادت نصیب ہوئی ہے کہ وہ اپنا یہ سالانہ اجتماع بڑے اہتمام کے ساتھ منعقد کرے۔ جہاں تک میں نے نظر ڈالی ہے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہر پہلو سے یہ اجتماع بہت کامیاب ہے۔ اس اجتماع کی خصوصی حیثیت یہ ہے کہ مغربی جرمنی کا اجتماع، اب جرمنی کا اجتماع بن چکا ہے۔ اس سے پہلے جتنے اجتماعات ہوا کرتے تھے وہ مغربی جرمنی کے اجتماع کہلاتے تھے اور اب یہ اجتماع وسیع تر جرمنی کا اجتماع ہے۔

صدر مجلس کا خلیفۂ وقت سے براہ راست رابطہ

اسی طرح اس اجتماع کو ایک اور خصوصیت بھی حاصل ہے جس کا تعلق نظام صدارت میں تبدیلی سے ہے۔ اس کی وجہ سے مجلس جرمنی کو پاکستان کی معرفت مجھ سے رابطہ رکھنے کی بجائے اب براہ راست رابطے کا وسیلہ مل گیا ہے اور براہِ راست رابطہ قائم ہو چکا ہے۔ اب صدر مجلس جرمنی کو کسی دوسرے واسطے سے مجھ تک پہنچنے کی ضرورت نہیں رہی بلکہ جس طرح پہلے پاکستان کے خدام الاحمدیہ کے صدر خلیفۂ وقت سے براہِ راست تعلق رکھا کرتے تھے ویسے ہی دوسرے تمام ملکوں کی طرح جرمنی کو بھی یہ موقع پہلی بار ملا ہے اور اس عرصے میں مَیں نے محسوس کیا ہے کہ ہر پہلو سے خدا تعالیٰ کے فضل سے ترقی کی طرف قدم ہے۔ گو صدر صاحب مجلس جرمنی کی صدارت میں اس نئی حیثیت سے یہ پہلا اجتماع تھا اور اُن کے لئے ایک بہت بڑے چیلنج کی حیثیت رکھتا تھا لیکن انہوں نے بڑی عمدگی سے اس کام کو نبھایا اور اُن کے ساتھ خدام کی بہت سی ٹیموں نے اتنی محبت اور خلوص اور اطاعت کے جذبے کے ساتھ کام کیا ہے کہ جب میں نے انتظامات کا جائزہ لیا تو مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے ہر انتظام بہت عمدہ دکھائی دیا اور کسی جگہ میں نے کوئی ایسا نقص نہیں

دیکھا کہ جس کی طرف میں انگلی اٹھا کر ان کو متوجہ کر سکتا۔ اس پس منظر میں مجھے یقین ہے کہ اس سارے انتظام و انصرام میں دعائیں ضرور کار فرما رہی ہوں گی کیونکہ میرا عمر بھر کا تجربہ یہی ہے کہ ہر وہ انتظام ناکام اور نامراد رہتا ہے جس سے پہلے اور جس کے دوران اللہ تعالیٰ سے دعائیں نہ مانگی گئی ہوں۔ دعائیں عجز اور انکساری کو چاہتی ہیں اور جہاں تک میرا تجربہ اور علم ہے آپ کے صدر مجلس بھی اور مجلس عاملہ بھی خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اور اسی طرح دیگر مجالس عاملہ بھی، عجز اور انکساری اور دعاؤں کے ساتھ خدمت دین میں مصروف ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے کاموں میں بھی بہت برکت ڈالی ہے اور یہ اجتماع خدا کے فضل کے ساتھ ایک مثالی اجتماع بنا ہے۔

جہاں تک انتظامات کا تعلق ہے وہ تو انشاء اللہ بہتر سے بہتر ہوتے رہیں گے کیونکہ کمال کا کوئی ایسا تصور دنیا میں نہیں ہے کہ جو ہر پہلو سے کسی چیز کو اس طرح کامل کر کے دکھائے کہ اس کے بعد اگلی منزل دکھائی نہ دے۔ یہ کمال صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو حاصل ہے، اُس کے سوا اور کسی کو نصیب نہیں۔ اس لئے جب میں یہ کہتا ہوں کہ انتظامات ہر پہلو سے عمدہ اور اچھے تھے تو یہ ایک نسبتی تعریف ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہ لیجئے کہ ترقی کی راہیں بند ہوگئیں، جو سفر آپ نے کرنے تھے کر لئے اور اب اس سے آگے کی طرف کوئی قدم نہیں اٹھایا جا سکتا۔ جب میں نے جائزہ لیا تو زیادہ تر میرے ذہن میں از خود ایک موازنہ گذشتہ سال کے ساتھ ہوتا چلا جا رہا تھا اور اس پہلو سے مجھے اطمینان ہوتا چلا گیا کہ پہلے کی نسبت خدا کے فضل سے ہر انتظام بہتر ہے لیکن آئندہ کسی مقام پر رُک جانا مومن کی شان نہیں بلکہ بہتر سے بہتر کرنے کی ہمیشہ گنجائش رہے گی اور میں یہ امید رکھتا ہوں کہ آپ کا بھی اور دیگر ذیلی تنظیموں کا بھی اور جماعت کا بھی بالعموم قدم ہمیشہ آگے کی طرف بڑھتا رہے گا۔ اس اجتماع میں عددی رونق بھی بہت ہے اور اس پہلو سے بہت سے دوستوں نے مجھے مبارکباد دی کہ خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ پنڈال جو کبھی ساری جرمنی کی جماعت کے جلسے پر بھی پوری طرح بھرا نہیں کرتا تھا اب خدام الاحمدیہ کے اجتماع میں ہی یہ پنڈال خدا کے فضل سے پوری طرح بھر چکا ہے اور بہت رونق ہے۔

ظاہری کے ساتھ اندرونی برکت کا ہونا بھی ضروری ہے

اس رونق پر مجھے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا دعائیہ شعر یاد آیا کہ

اِک سے ہزار ہوویں بابرگ و بار ہوویں

اور اس شعر کے یاد آنے سے ایک اور مضمون مجھے سُجھائی دیا اور وہ یہ تھا کہ عام طور پر دنیا عددی اکثریت پر نازاں ہو جاتی ہے اور مطمئن ہو جاتی ہے لیکن ایک عارف باللہ میں اور ایک عام انسان کے معیار میں دیکھیں کتنا فرق ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ کہہ کر خاموش نہیں ہو گئے کہ

اِک سے ہزار ہوویں بابرگ و بار ہوویں

بلکہ معاً اس سے زیادہ طاقت اور قوت کے ساتھ یہ التجا کی

مولیٰ کے یار ہوویں حق پر نثار ہوویں

پس اُن اک سے ہزار ہونے والوں کا کیا فائدہ جو مولیٰ کے یار ہونے کی بجائے شیطان کے یار بنتے چلے جائیں اور حق پر نثار ہونے کی بجائے باطل پر نثار ہونے لگیں۔ پس یہ دوسرا پہلو جو ہے اس کو آپ کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے۔ عددی اکثریت کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ اس کے کوئی معنے نہیں ہیں۔ بسا اوقات خبیث اور باطل کو حق اور پاکیزگی کے مقابل پر اکثریت حاصل ہوتی ہے۔ اس لئے اکثریت وہ قدر کے لائق ہے اور وہی اکثریت ناز کے لائق ہے جس اکثریت کے ساتھ تقویٰ کی زینت موجود ہو۔ اگر خدا کا خوف، خدا کی محبت دل میں نہ ہو اور بنی نوع انسان کے لئے سچا پیار انسان کے دل میں نہ ہو تو ایسی عددی اکثریت رحمت کی بجائے دنیا کے لئے لعنت بن جایا کرتی ہے۔

پس جہاں اللہ تعالیٰ نے جرمنی کی جماعت کو برکت دی ہے، جہاں اللہ تعالیٰ نے جرمنی کی ذیلی مجالس کو برکت کی ہے یعنی عددی برکت دی ہے وہاں ہم پر بہت ہی زیادہ پہلے سے بڑھ کر فرض عائد ہوتا ہے کہ ہم اپنے دلوں کا جائزہ لیں، اپنے اعمال کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ اس ظاہری برکت کے ساتھ کیا ہمیں باطنی اور اندرونی برکت بھی نصیب ہو رہی ہے یا نہیں۔ کیا اس اضافہ کے ساتھ، جو نفوس کا اضافہ ہے کیا ہمارے ایمان میں بھی اضافہ ہو رہا ہے کہ نہیں، ہمارے خلوص میں بھی اضافہ ہو رہا ہے کہ نہیں اور ہمارے نیک اعمال میں بھی اضافہ ہو رہا ہے کہ نہیں۔ اگر یہ سب بڑھ رہے ہیں اور نشو ونما پا رہے ہیں تو پھر یہ عددی اضافہ اور تعداد کا بڑھتے چلے جانا اللہ تعالیٰ کا یقیناً ایک فضل ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک پُرعظمت و پُرحکمت دُعا

انہی معنوں میں حضرت اقدس محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ تمنا تھی کہ قیامت کے دن مَیں یہ دیکھوں

کہ میری امت تمام دوسرے انبیاء کی اُمت سے بڑھ کر ہے لیکن آپؐ کی اس تمنا میں ہرگز محض عددی اکثریت پیشِ نظر نہ تھی، بلکہ متقیوں کے بڑھنے کا مضمون آپؐ کے سامنے تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو ایک دعا سکھائی تھی جس کا قرآن میں ذکر ملتا ہے۔ وہ دعا یہ ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔

(سورۃ الفرقان:75)

کہ اے اللہ! ہمیں اپنے ازواج کے ساتھ اور اپنے اہل وعیال کے ساتھ ایسا تعلق عطا فرما اور ان کو ایسی نشو ونما عطا فرما کہ وہ ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائیں لیکن یہ آنکھوں کی ٹھنڈک تب نصیب ہوگی جب اس دعا کا دوسرا حصّہ پورا ہوگا، جو یہ ہے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کہ ہمیں متقیوں کا امام بنانا، فاسقوں اور فاجروں کا امام نہ بنانا۔ پس یہ دُعا جو حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کی تمنا تھی جسے کلام الٰہی نے ایک دعا کا رنگ دیا اور تمام امت کے فائدے کے لئے قرآن میں اس دعا کو محفوظ فرمایا اس دعا میں یہ پہلو خاص طور پر قابلِ توجہ ہے کہ واحد کے صیغہ میں یہ دعا نہیں سکھائی گئی بلکہ جمع کے صیغہ میں سکھائی گئی ہے۔ جیسا کہ دعا کے الفاظ سے ظاہر ہے۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔

اور اُمت محمدیہ کو نصیحت فرمادی گئی کہ ساری امت حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس دعا میں شریک ہو جائے کہ اے خدا! ہمیں متقیوں کا امام بنا۔ اس میں گہرا نکتہ یہ ہے کہ اگرچہ دیگر انبیاء بھی متقیوں کے امام تھے مگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی اس دعا کے نتیجے میں متقیوں کے اماموں کے امام بن گئے۔

آپ کی امت کے ہر فرد سے صرف یہی توقع نہیں کی گئی کہ وہ متقی ہو جائے بلکہ اس سے توقع یہ رکھی گئی ہے کہ وہ متقیوں کا امام بنے۔ پس حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم مرتبہ محض یہ نہیں کہ آپ متقیوں کے امام ہیں بلکہ متقیوں کے آئمہ کے امام ہیں اور احمدی ہونے کی حیثیت میں آپ کو اس دعا کی مقبولیت کا نشان بننا ہوگا۔ اس دعا کی مقبولیت کا آپ کو دنیا میں ایک جیتا جاگتا ثبوت مہیا کرنا ہوگا۔ اگر آپ متقی بھی نہ ہوں کجا یہ کہ آپ متقیوں کے امام ہوں تو کیسے حضرت اقدس محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کی مقبولیت کا آپ نشان بن سکتے ہیں؟

...... جب تک بیماری کی تشخیص نہ ہو اس وقت تک انسان مرض کا صحیح علاج نہیں کرسکتا۔ پس جو تشخیص

مَیں نے سمجھی مَیں اس میں آج آپ کو شریک کرنا چاہتا ہوں بہت ٹھنڈے دل سے بغیر کسی غصے کے ایک دلی درد کے ساتھ تا کہ ہوسکتا ہے کہ کسی دل میں یہ بات اتر جائے اور کوئی پاک تبدیلی کسی دل میں پیدا ہو اور ہم ایک قدم اور آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اس دعا کا مصداق بننے کے لئے آگے بڑھائیں کہ

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا۔

اے ہمارے آقا! اے ہمارے رب! ہمیں محض متقی ہی نہیں بلکہ متقیوں کا امام بنانا۔

جماعتی عہدے اور ان کے تقاضے

وہ تجزیہ میرا یہ تھا یا ہے کہ یہاں بہت سے آنے والے پاکستان کے ایسے دیہات وقصبات سے اور بعض ایسے شہروں سے تشریف لائے ہیں جن کو وہاں نظام جماعت کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے۔ انہوں نے دنیا داریوں کے عہدے دیکھے ہوئے ہیں، انتخابی مقابلے دیکھے ہوئے ہیں اور عہدوں کو وہ اسی نظر سے دیکھنے کے عادی ہیں۔ بے لوث خدمت دین کا ان کو زیادہ تجربہ نہیں ہے۔ ایسے لوگ یہاں تشریف لائے۔ یہاں آنے کے بعد ان میں پاک تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ کچھ ذمہ داریاں ان کے کندھوں پر ڈالی گئیں جن کو ادا کرنے کا ان کو پہلے سے کوئی خاص سلیقہ نہیں تھا۔ باقاعدہ کوئی تربیت انہیں نہیں دی گئی تھی۔ کچھ انہوں نے غلطیاں کیں کیونکہ ان کو پتہ نہیں کہ ان کے عہدے کے معنے کیا ہیں، ان کو کس طرح اس عہدے کے فرائض کو نبھانا چاہیے، کس طرح اس کے حقوق ادا کرنے چاہئیں۔ بعضوں نے ممکن ہے اپنے ساتھیوں سے اس رنگ میں بھی سلوک کیا ہو جیسے ان کو بہت بڑی فضیلت حاصل ہو چکی ہے اور وہ اب حکم چلا سکتے ہیں اور اس حکم چلانے کے نتیجے میں انہوں نے یہ خیال نہ کیا ہو کہ یہ میرے بھائی ہیں اور یہ بات بھول گئے ہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سردار کی تعریف ہی یہ کی ہے کہ وہ قوم کا خادم ہو جیسا کہ فرمایا

سَيِّدُالقَوْمِ خَادِمُهُمْ

پس اگر اُن کو یہ پتہ نہ ہو کہ وہ حقیقت میں سیّد نہیں چُنے گئے ہیں بلکہ خادم چُنے گئے ہیں اور اگر وہ خادم کی حیثیت سے اپنے فرائض سرانجام دیں گے تو اللہ کی تقدیر انہیں سیّد لکھے گی۔ پس جہاں تک ان کی اپنی تحریر کا تعلق ہے انہیں اپنے آپ کو خادم ہی لکھنا پڑے گا۔ پھر جس طرح نیگیٹو (Negetive) سے پازیٹو (Positive) بنایا جاتا ہے خدا کی تقدیر اس سچے اور مخلص خادم کو آسمان پر سیّد لکھتی ہے اور وہ خدا کی نظر میں اس لائق ٹھہرتا ہے کہ وہ قوموں کا سردار بنایا جائے۔

سفروں کا لمبا تجربہ

مجھے تفصیلی حالات کا تو علم نہیں لیکن جیسا کہ میں پاکستان کے حالات کا کسی حد تک واقف ہوں میں نے وہاں بہت دورے کئے ہیں تانگوں پر بھی، سائیکلوں پر بھی اپنی ٹانگوں پر بھی، بسوں پر بھی، پیدل بھی اور اپنی ایک پرانی کار پر بھی۔ غرضیکہ سفر کے مجھے **تجارب ہیں اور میں سمجھتا ہوں بہت کم آدمیوں نے، سوائے انسپکٹران بیت المال کے، اتنا سفر کیا ہوگا۔** لیکن انسپکٹران بیت المال کے سفر تو بعض مخصوص علاقوں تک محدود رہتے ہیں۔ میں نے مشرق کا بھی سفر کیا، مغرب کا بھی، شمال کا بھی، جنوب کا بھی، گرمیوں میں بھی، سردیوں میں بھی، خشک موسم میں بھی، بارش میں بھی، خدام الاحمدیہ کی حیثیت میں بھی، وقف جدید کی حیثیت سے بھی، انصار کی حیثیت سے بھی، اس لئے میں تفصیل سے جماعت کا شناسا ہوں۔ جماعت مجھے جانتی ہے میں جماعت کو جانتا ہوں۔ لوگوں کے گھروں تک پہنچا ہوں اور یوں لگتا ہے ایک بڑے خاندان کا میں ایک فرد ہوں۔ اس لئے جب میں آپ سے باتیں کرتا ہوں تو اگرچہ یہاں کے حالات کے متعلق یہ میرے اندازے ہیں جن کے پیچھے ایک لمبے تجربے کا پس منظر ہے۔ پس مجھے علم ہے کہ کن کن علاقوں میں احمدی بستے ہیں، کس حد تک وہاں تربیت کی کمی ہے۔

بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو عہدہ پہلی دفعہ پانے کے بعد اپنے رویے کو ایسا بنا لیں جس کے نتیجے میں ردّ عمل پیدا ہو۔ لیکن اکثر صورتوں میں ایسا نہیں ہے کیونکہ میں جانتا ہوں کہ من حیث الجماعت، جماعت کا مزاج عاجزانہ ہے اور اخلاص سے گوندھا ہوا ہے۔ چنانچہ کثرت سے مجھے ایسے عہدیداران کے خط ملتے ہیں جنہیں پہلی مرتبہ زندگی میں کسی عہدے پر منتخب کیا گیا ہو اور وہ مجھے لکھتے ہیں کہ ہمیں تو کچھ آتا ہی نہیں، ساری عمر اسی طرح گزاری، اب یہ ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے ہمارے کندھوں پر ڈالی ہے ہم بہت ڈرتے ہیں، ہم خدا کا بہت خوف رکھتے ہیں۔ ہمارے لئے دعا کریں کیونکہ دعاؤں کی مدد کے بغیر ہم اس فریضے کو ادا نہیں کر سکتے۔ پس جن کا مزاج ایسا ہو ان کے متعلق یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ وہ اُس فریق میں شامل ہوں جن کا میں نے پہلے ذکر کیا ہے۔ وہ فریق موجود تو ہے لیکن تھوڑا ہے۔ ورنہ اکثریت ایسی ہے جو سادہ لوگ ہیں، لاعلمی سے غلطیاں کرتے ہوں گے لیکن عمداً وہ کسی جگہ بھی تحکّم سے کام نہیں لیتے۔ پھر ان کو کیوں اعتراض کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ صرف ان کو اعتراض کا نشانہ نہیں بنایا جاتا جو غلطیاں کرتے ہیں بلکہ ان کو بھی اعتراض کا نشانہ بنایا جاتا ہے جو غلطیاں نہیں کرتے۔ اس کی وجوہات کئی ہیں۔ ایک تو وہ لوگ ہیں جن

کو محرومی کا احساس ہو جو یہ سمجھتے ہوں کہ فلاں شخص کو تو ہم پر افسر چُن لیا گیا ہے اور ہمیں کوئی عہدہ نہیں دیا گیا۔ ان لوگوں کے دل میں ایک قسم کا حسد پایا جاتا ہے۔ وہ اس بات پر خوش نہیں ہوتے کہ ہمارے اوپر کسی اور کو افسر بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس احساس محرومی کی وجہ سے وہ اپنا بدلہ تلخ کلامی کے ذریعہ لیتے ہیں اور یہ صورتحال بہت حد تک ایک مخفی شکل میں موجود رہتی ہے۔ لیکن سطح پر اس وقت ابھرتی ہے جبکہ انتظامی معاملات میں بعض لوگوں کے خلاف بات سرزد ہوئی اور نظام جماعت کا یہ تقاضا ہے کہ امیر جماعت یا مرکز، عہدیداروں کی وساطت سے ان معاملات کی تحقیق کریں جو مناسب معلوم نہیں ہوتے اور یہی عہدیداران تحقیق کے لئے مقرر کئے جاتے ہیں۔ پس خواہ وہ نیک مزاج ہوں یا ان کے اندر کسی قسم کی رعونت پائی جاتی ہو جب بھی وہ کسی معاملے کی تحقیق پر مقرر ہوتے ہیں تو اچانک ان کے خلاف بعض جذبات بھڑک اٹھتے ہیں۔ اس وقت ان کو طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا جاتا ہے کہ اس کو آتا ہی کچھ نہیں۔ بعض لوگ لکھتے ہیں کہ یہ کیسا عہدیدار ہے اس کو تو صحیح طور پر نماز بھی پڑھانی نہیں آتی، فلاں کمزوری ہے۔ لیکن کمزوریاں اس وقت یاد آتی ہیں جب وہ عہدیداران کے اوپر حکم عدل بن کر بیٹھتے ہیں یا تحقیق کی ذمہ داری ان کے سپرد کی جاتی ہے اور اس امر کو بعض لوگ پسند نہیں کرتے۔

بعض خاندانوں میں بنیادی تربیت کی کمی

پھر ایک اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بہت سے ایسے خاندان ہیں جن میں بنیادی طور پر تربیت کی بہت کمی ہے۔ ایسے خاندان ہیں جن میں لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے ہیں۔ خواتین بھی ایک دوسرے سے لڑتی ہیں اور مرد بھی ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔ یہاں تک کہ بعض خاندان ایسے ہیں جہاں مرد اور عورتیں مل کر غیبت کی مجالس لگاتے ہیں۔ ہمارے ملک کی ایک لعنت ''شریکے'' بھی ہیں جہاں تک ''شریکوں'' کا تعلق ہے خاص طور پر پنجاب دنیا بھر میں اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا۔ جیسے ''شریکے'' پنجابی زمینداروں میں پائے جاتے ہیں دنیا بھر کے پردے پر کہیں دکھائی نہیں دیں گے۔ بعض لوگ وہ ''شریکے'' وہاں سے اٹھا کر یہاں لے آئے ہیں اور ان کی یہاں چاکیاں لگا رہے ہیں۔ زمینداروں کو چاکی لگانی تو بڑی اچھی طرح آتی ہے لیکن جن کی یہ چاکیاں لگا رہے ہیں یہ لعنتی پودے ہیں یہاں ان کی چاکیاں کیوں اٹھا کے لے آئے ہیں۔ ان ملکوں میں آئے تھے تو اچھے اچھے پودوں کی خوبصورت پھولدار پودوں کی پھلدار پودوں کی چاکیاں اٹھا کر لاتے۔ اس ملک کو بھی زینت بخشتے اور آپ بھی اس نیکی کا فیض پاتے۔ وہاں کی بدیاں تو اس لائق تھیں کہ

انہیں وہیں چھوڑ آتے، وہیں دفن کر کے آتے۔ شکوے تو یہ ہیں کہ ہماری قوم نے ہم سے اچھا سلوک نہیں کیا۔ شکوے تو یہ ہیں کہ ہماری قوم نے ہم سے ناانصافی کا سلوک اور ظلم کا برتاؤ کیا اور شکوے تو یہ ہیں کہ ہم وہاں کی بعض بدیوں سے تنگ آ کر بھاگ رہے ہیں اور کیا اس بھاگنے کے وقت آپ کو یہ یاد نہیں تھا کہ کس چیز سے بھاگ رہے ہیں اور کیا یہ آپ کو خیال نہیں آیا کہ وہی بدیاں آپ کی گٹھڑیوں میں بھی بند ہیں۔ اگر بدیوں سے بھاگے تھے تو کیا بدیوں کی گٹھڑیاں ہی اٹھا کر بھاگنا تھا۔

ہجرت کے تقاضے

دیکھیں دنیا میں بہت سی ایسی باتیں ہیں جن کا بعض قومیں خیال رکھتی ہیں کہ باہر سے ان کے ملک میں داخل نہ ہوں لیکن وہ نظر آنے والی باتیں ہیں جن کو وہ روک سکتی ہیں۔ جب میں آسٹریلیا گیا تو وہاں خاص اس نقطۂ نگاہ سے سب مسافروں کی تلاشی لی گئی کہ کوئی باہر کا پودا تو نہیں لے آئے جس میں کوئی ایسی بیماری ہو جس کے نتیجے میں ہمارے ملک کے پودوں اور نباتات پر بھی بُرا اثر پڑے۔ کوئی پکی ہوئی کھانے کی چیز تو ایسی نہیں جس میں ایسی پھپھوندی آ گئی ہو جس کے نتیجے میں ایک نئی قسم کی پھپھوندی ہمارے ملک میں داخل ہو جائے۔ اسی قسم کی کچھ پابندیاں امریکہ میں بھی پائی جاتی ہیں لیکن یہ وہ چیزیں ہیں جو نظر آتی ہیں اور جہاں تک ان لوگوں کی طاقت ہے وہ ان کو روک سکتے ہیں۔ مگر روحانی بدیاں اور اخلاقی بدیاں دوسروں کو دکھائی نہیں دیتیں۔ متقی وہ ہوتا ہے جو اپنی بدیوں کو خود اپنی نظر سے دیکھتا ہے۔ پس اگر آپ متقی ہوں اور تقویٰ کے ساتھ کسی ایک ملک سے ہجرت کریں اور دوسرے ملک میں جائیں تو خصوصیت کے ساتھ اس ہجرت کے موقع پر آپ کے دل میں یہ خیال آنا چاہیے کہ بعض بدیاں مجھے یہیں دفن کر کے جانا چاہیے، بعض اچھی چیزیں مجھے ساتھ لے کر جانا چاہیئے۔

ہجرت کے وقت انسان ہمیشہ کوشش کرتا ہے کہ اچھا اور ستھرا سامان ساتھ ہو بلکہ ہر سفر میں یہی کوشش ہوتی ہے۔ کبھی آپ نے سفر کے دوران یہ تو نہیں کیا ہوگا کہ سڑی بُسی چیزیں اٹھا کر آپ سفر کے لئے زادراہ تیار کر رہے ہوں۔ ہمیشہ پرانے کپڑوں کو ایک طرف کرتے ہیں اچھے خوبصورت کپڑے ساتھ لیتے ہیں۔ اگر کھانا بھی ساتھ کچھ رکھنا ہے تو اچھا صاف ستھرا کھانا ساتھ لے کر چلتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ سفر کے کچھ تقاضے ہوا کرتے ہیں۔ ہجرت کے تقاضے اس سے بہت بڑھ کے ہیں اور وہ ہجرت جو دین اور خدا کی خاطر اختیار کی جاتی ہے اس کے تقاضوں کا معیار تو بہت بلند ہے۔ پس چاہیے تو یہ تھا کہ پاکستان

سے آنے والے احمدی خاندان اس نیت سے ہجرت کرتے اور ہجرت کے دوران اس بات کی گہری نگرانی کرتے کہ ہمارے اندر جو معاشرتی کمزوریاں ہیں کیا ہم ان کمزوریوں کو پیچھے چھوڑ رہے ہیں یا ساتھ لے کر آگے بڑھ رہے ہیں۔ اگر وہ ساتھ لے کر آئے ہیں تو ان کو کوئی حق نہیں کہ کسی ملک کی فضا کو گندہ کریں۔

روحانی پولیوشن کے بدنتائج

حقیقت یہ ہے کہ آجکل پولیوشن (Pollution) کی طرف دنیا کی بہت توجہ ہے اور پولیوشن میں وہ زیادہ تر ظاہری پولیوشن کی بات کرتے ہیں۔ مجھ سے روس کے ایک بہت بڑے لیڈر ملے اور پولیوشن کے متعلق مجھ سے بعض باتوں میں مدد چاہی۔ وہ قازقستان صوبے کی پارلیمنٹ کے بھی ممبر ہیں اور وہاں کی مرکزی پولٹ بیورو کے بھی ممبر ہیں۔ ان کو میں نے سمجھایا کہ اگرچہ ان کے ہاں کے لوگ ظاہری پولیوشن (Pollution) کو بہت ہی خوف و خطر کی نگاہ سے دیکھ رہے ہیں اور اس سے ڈر رہے ہیں مگر آپ کو میں توجہ دلاتا ہوں کہ ہمیں بھی ایک پولیوشن کو دور کرنے کے لئے مامور کیا گیا ہے اور وہ روحانی اور اخلاقی پولیوشن ہے اور روحانی اور اخلاقی پولیوشن دنیاوی پولیوشن سے یعنی فضا کی مادی آلودگی کی بہ نسبت بہت زیادہ خطرناک ہے اور بہت زیادہ بدنتائج پیدا کرتی ہے۔ شروع میں تو وہ کچھ تھوڑے سے مُتَردّد سے تھے۔ مجھے معلوم ہوتا تھا کہ مطمئن نہیں ہو سکے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ ایک مذہبی لیڈر ہے وہ مجھے ٹال رہا ہے میری کسی قسم کی مدد نہیں کرنا چاہتا بلکہ ایک عذر رکھ کر بات کو ختم کرنا چاہتا ہے لیکن جب میں نے تفصیل سے سمجھایا اور قوموں کی مثالیں دیں، مغرب میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مثالیں دیں، مشرق میں جو کچھ ہو رہا ہے اس کی مثالیں دیں اور ان کو بتایا کہ دنیا کے اکثر ممالک اس روحانی پولیوشن اور اخلاقی پولیوشن کی وجہ سے تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔ دنیا میں سیاست کی فضا گندی ہو چکی ہے کیونکہ قوموں کے اخلاق گندے ہو گئے ہیں۔ تب ان کو اس بات کی سمجھ آئی۔ اس بات کے اظہار کے لئے کہ وہ مجھ سے پوری طرح مطمئن ہو کر لوٹے ہیں انہوں نے واپس جا کر U.S.S.R کی اس علاقے کے لئے اپنی صدارت میں جو مرکزی کمیٹی قائم کی اس میں اعزازی ممبر کے طور پر میرا نام بھی شامل کیا۔ چنانچہ ان کی خواہش کے مطابق میں نے وہاں اپنا ایک نمائندہ بھی بھجوایا۔ الماتا (Almata) قازقستان کے صوبے کا مرکز ہے۔ یہ اتنا بڑا صوبہ ہے کہ سارے ہندوستان کے برابر اس کا رقبہ بنتا ہے۔ وہاں انہوں نے میرے نمائندے کے ساتھ بے حد تعاون فرمایا۔ وہاں کے لیڈروں سے ملاقاتیں ہوئیں۔ احمدیت کی تعلیم میں، احمدیت کے پیغام میں انہوں نے

بہت گہری دلچسپی لی۔ یہاں تک کہ بہت سے ان میں بااثر لوگوں نے باقاعدہ بیعت کر کے احمدیت میں شمولیت اختیار کی۔

(دینِ حق) کا پیغام پہنچانے والے سفیروں کا بنیادی وصف

انہوں نے مجھے پیغام یہ بھجوایا کہ ہمارے دروازے آپ کے لئے کھلے ہیں۔ جب آئیں سر آنکھوں پر آئیں لیکن جلد آئیں کیونکہ دیر ہو رہی ہے اور ہمیں اس پیغام کی شدید ضرورت ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ایسے پیغام بھیجنے کے لئے پیغامبروں کی ضرورت ہے اور پیغامبر وہ ہونے چاہئیں جو حقیقی پیغامبروں کی زندہ مثالیں ہوں۔ اللہ تعالیٰ بھی دنیا میں پیغام بھیجا کرتا ہے اور ہمیں بھی اُسی رنگ میں پیغامبر بننا ہوگا اور اسی معیار کو دنیا میں قائم کرنا ہوگا جو خدا تعالیٰ نے دنیا میں قائم فرمایا۔ وہ جب پیغامبر چُنتا ہے تو ایسا پیغامبر چُنتا ہے (جسے ہم پیغمبر کہتے ہیں) کہ جو پیغام کی امانت کا حق ادا کرنے والا ہو جو محض زبان کے ذریعے پیغام دینے والا نہ ہو بلکہ مجسم پیغام بن چکا ہو یعنی اُس میں اور پیغام میں کوئی فرق نہ رہے۔ چنانچہ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق جب کسی نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا کہ مجھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خُلق کے متعلق کچھ بتائیں تو آپؓ نے فرمایا:-

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ

محمد رسولؐ اللہ کا خلق تو قرآن تھا یعنی ایک زندہ قرآن تھا جو ہماری آنکھوں کے سامنے چلتا پھرتا تھا اور دنیا میں بس رہا تھا۔ محض قول نہیں تھا بلکہ قرآن عمل کی صورت میں ڈھل چکا تھا۔ پس پیغامبر کے لئے یہ معیار ہونا ضروری ہے۔

آپ بھی احمدیت کے نمائندہ ہیں۔ دنیا کی اصطلاح میں ایسے پیغامبروں کو سفیر کہا جاتا ہے۔ آپ بھی اُسی پیغام کے سفیر ہیں جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا گیا اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو پہنچایا۔ آپ اس بات پر مقرر کئے گئے ہیں کہ تمام دنیا کو آپ نے وہ پیغام پہنچانا ہے اور امانت کے ساتھ اور دیانت کے ساتھ پہنچانا ہے۔ یہ پیغام اُس پیغام کی تصویر بنے بغیر نہیں پہنچایا جا سکتا۔ پس کیسے ممکن ہے کہ میں ان کی روحانی پولیوشن (Pollution) کو دور کرنے کے لئے کسی کو پیغامبر بنا کے بھیجوں اور وہ خود روحانی لحاظ سے آلودگی میں ملوث ہو یعنی اس کے اندر وہ نقائص اور آلودگیاں پائی جاتی ہوں جو روحانی فضاؤں کو مکدّر کر دیا کرتی ہیں۔ پس آپ کی بھی یہی حیثیت ہے۔ آپ کو ایسے سفیر بن کر یہاں رہنا ہوگا۔

ایسے پیغامبر بن کر یہاں رہنا ہوگا جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی کا حق ادا کرنے کی کوشش کرنے والے ہوں، دوسروں کے نگران بننے سے پہلے اپنے نگران بننے کی اہلیت رکھتے ہوں، اپنے گھروں کی نگرانی کرنے والے ہوں، اپنے اہل وعیال کی نگرانی کرنے والے ہوں، اپنے بچوں کی نگرانی کرنے والے ہوں، جو کچھ اُن کے سپرد ہے اس کے نگران رہیں لیکن سب سے بڑھ کر اپنی ذات کے نگران ہوں کیونکہ یہ سفر ذات سے شروع ہوتا ہے، یہ سفر ذات میں ڈوب کر شروع ہوتا ہے۔

تنقید کا سفر اختیار کرنیوالے دو قسم کے لوگ

دنیا میں دو قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ایک وہ جو تنقید کا سفر باہر کی دنیا سے شروع کرتے ہیں۔وہ اپنی ذات سے دور اور دور تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ان کی نظریں اپنی ذات کے متعلق بالکل اندھی ہو جاتی ہیں۔وہ ایک ایسے سفر پر روانہ ہوتے ہیں جہاں سے کوئی واپسی نہیں۔وہ دنیا کو تنقید کی نظر سے دیکھتے چلے جاتے ہیں اور ان کا دائرہ تنقید بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے اور پھر اونچا ہوتا چلا جاتا ہے۔وہ ان پر بھی تنقید کرتے ہیں جو خدا کے نمائندے بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔یہاں تک کہ وہ اپنی ذات سے پوری طرح غافل ہو جاتے ہیں۔اپنے وجود کو بھلا دیتے ہیں۔یہی وہ مضمون ہے جس کو قرآن کریم نے اس حسین انداز میں بیان فرمایا ہے۔

يَآَ يُّهَا الَّذِيْنَ اٰ مَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ ط وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ط وَاتَّقُوا اللّٰهَ ط اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُونَO وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوااللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنفُسَهُمْ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الفٰسِقُوْنَO
(سورۃ الحشر:20,19)

یعنی اے مومنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور چاہیے کہ ہر جان اس بات پر نظر رکھے کہ اس نے کل کے لئے کیا بھیجا ہے اور تم سب اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔اللہ تمہارے اعمال سے خوب باخبر ہے۔ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے خدا کو بھلا دیا اور خدا نے ایسا کیا کہ وہ اپنی ذات کو بھلا بیٹھے۔یہی وہ لوگ ہیں جو فاسق ہو جاتے ہیں۔

پس جو باہر کی دنیا پر تنقید کے سفر پر روانہ ہوتے ہیں وہ اپنی ذات کو اپنے گھر میں چھوڑ جاتے ہیں اور ان کی ذات کا کوئی والی وارث نہیں رہتا۔بیرونی تنقید جو اُن پر ہوتی ہے وہ اسے ناجائز سمجھتے ہیں اور اسے دھکے دیتے ہیں اور کبھی بھی قبولیت کی نگاہ سے اُسے نہیں دیکھتے۔پس یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص اپنے گھر کا

اثاثہ تو بغیر حفاظت کے اپنے گھر میں چھوڑ جائے اور خود سفر پر نکل کھڑا ہوتا کہ دنیا کے اثاثوں کی حفاظت کرے اور وہ حفاظت کی سرے سے اہلیت ہی نہ رکھتا ہو۔ برخلاف اس کے ایک وہ ہے جو باطن کا سفر اختیار کرتا ہے۔ وہ اپنے وجود کی تنقید پر متوجہ ہوتا ہے اور اپنے نفس میں ڈوبتا چلا جاتا ہے اور معلوم کرتا ہے کہ یہ سفر بھی لامتناہی سفر ہے۔ اس کا اپنا وہ بجود جو اُسے اپنی ذات میں ایک کامل وجود دکھائی دیا کرتا تھا، وہ وجود جو اپنی ذات میں اسے سب سے اچھا نظر آتا تھا، وہ رفتہ رفتہ کمزوریوں اور بیماریوں سے داغ داغ دکھائی دینے لگتا ہے۔ اسے نظر آنے لگتا ہے کہ اس میں کئی قسم کے کیڑے پرورش پا رہے ہیں۔ وہ دیکھتا ہے اور دن بدن اس کی طبیعت زیادہ تکلیف محسوس کرتی ہے اور دن بدن وہ زیادہ اپنے آپ کو بے کس، بے معنی، بے حقیقت اور گناہوں میں ملوث پاتا ہے۔ وہ جتنا بڑا عارف ہوتا چلا جاتا ہے اتنا زیادہ اس کا یہ عرفان بڑھتا چلا جاتا ہے کہ میں کمزور ہوں اور ابھی بہت گنجائش ہے اصلاح کی۔ یہ وہ سفر ہے جس سفر سے لوگ واپس نہیں آیا کرتے، مگر یہ وہ سفر ہے کہ جو اس سفر پر نکلتا ہے اپنی ذات میں ڈوبتا ہوا خدا تک جا پہنچتا ہے اور جو خدا تک پہنچ جاتا ہے اسے پھر خدا خود واپس کیا کرتا ہے اسے خدا خود دنیا سے روشناس کراتا ہے۔

دنیا کا امام بننے سے پہلے اپنے نفس کا امام بننا ہوگا

دنیا میں جتنے انبیاء پیدا ہوئے ان میں سے بلا استثناء ہر ایک نے پہلے یہ سفر اختیار کیا تھا۔ ہر نبی اپنی ذات میں ڈوبا تھا اور اپنی ذات میں ڈوب کر وہ کائنات کی بے حقیقتی کی طرف متوجہ ہوا تھا اور جوں جوں وہ اپنے اندرونی نقائص دور کرتا چلا گیا اپنی کمزوریوں پر اطلاع پاتا چلا گیا اور ان کی اصلاح کرتا چلا گیا وہ خدا کے قریب تر ہوتا چلا گیا کیونکہ قرب خدا کے بجز اس کے اور کیا معنی ہیں۔ خدا پاک ہے اور خدا کی وہ صفات جو ابھی آپ نے تلاوت میں سنی تھیں ان پر غور کر کے دیکھیں کہ کتنی بلند صفات ہیں۔ جب تک وہ صفات ہم اپنائیں گے نہیں ہم خدا کے قریب کیسے ہوں گے۔ پس وہ لوگ جو قرب الٰہی کی دعا مانگتے ہیں، جو یہ کہتے ہیں۔

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًاؕ

ان کو دنیا کا امام بننے سے پہلے اپنے نفس کا امام بننا ہوگا۔ اپنی کمزوریوں پر اطلاع پا کر اور ان کی حقیقت سے شناسائی حاصل کر کے ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہونا ہوگا اور جیسا کہ میں بیان کر رہا ہوں یہ سفر حقیقت میں لامتناہی ہے کیونکہ اس کی آخری منزل خدا تعالیٰ ہے اور بدرجہ کمال کوئی خدا کو حاصل نہیں کر

سکتا۔ خدا کے قریب تر ضرور ہو سکتا ہے۔ پس جتنے بھی ایسے لوگ عجز کے ساتھ اپنے نفس کا جائزہ لیتے ہیں، اپنے باطن کو صاف کرتے چلے جاتے ہیں ان کا اپنا وجود وہاں سے مٹ رہا ہوتا ہے اور خدا کا وجود ان میں ظاہر ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ خدا نمائی کے منصب پر فائز کئے جاتے ہیں۔

پھر ان کے ذریعہ دوسری قومیں اور ان کے ماننے والے بھی خدا نمائی کے منصب پر فائز کئے جاتے ہیں۔ پس حضرت اقدس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو تمام دنیا کی امامت کا منصب خدا تعالیٰ سے بطور فیض پایا اس کی وجہ یہی تھی ......سب سے زیادہ گہرائی کے ساتھ آپؐ اپنی ذات کے عارف بنے اور اس عرفان کے نتیجہ میں خدا کا وجود آپؐ کی ذات میں ظاہر ہوتا چلا گیا یہاں تک کہ آپؐ زندہ خدا نما بن گئے۔ قرآن کریم نے آپؐ کو مخاطب کرتے ہوئے آپؐ کے بارے میں فرمایا۔

وَ مَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى (الانفال:18)

کہ اے محمد! صلی اللہ علیہ وسلم جب تو نے مٹھی کفار کی طرف پھینکی تھی تو تُو نے نہیں پھینکی بلکہ خدا نے پھینکی تھی۔

پھر فرمایا کہ وہ لوگ جو درخت کے نیچے تیری بیعت کر رہے ہیں تیرا ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے۔ یہ مقام اور یہ مرتبہ اپنے نفس کو کلیۃً مٹانے کے سوا حاصل نہیں ہو سکتا۔

اپنے وجود میں ڈوب کر خود اپنے آپ کو نصیحت کریں

ایسے عظیم انسان کی نمائندگی کرنے کے نتیجے میں بہت بڑی ذمہ داریاں انسان پر عائد ہوتی ہیں اور ان ذمہ داریوں کو ادا کرنے کا وہی طریق ہے جو میں آپ کو بتا رہا ہوں۔ ورنہ خدام الاحمدیہ کے نمائندے یا جماعت کے نمائندے جب آپ کو نصیحت کریں گے (اور کرتے بھی ہیں) تو ان سے آپ وحشت محسوس کریں گے۔ آپ ان سے بھاگیں گے اور ان کے نام بھی رکھیں گے اور آپ کہیں گے یہ کون ہے ہمیں نصیحت کرنے والا۔ پس آپ کے لئے ضروری ہے کہ پہلے خود اپنے ناصح بن جائیں اپنی ذات کے لئے مذکر ہو جائیں اپنے وجود میں ڈوبیں اور خود اپنے آپ کو نصیحتیں کرنی شروع کریں تب باہر کی آواز اگر آپ کی آواز کی ہم آہنگی میں آپ کے کانوں تک پہنچے گی تو آپ کو پیاری لگے گی۔ اس سے آپ متنفر نہیں ہوں گے اور یہ وہ راز ہے جس کو سمجھے بغیر آپ نصیحت کرنے والوں سے تعاون کا گُر نہیں پا سکتے۔

بہت غور سے اس بات کو سُنیں اور سمجھیں کہ وہی لوگ ہیں جو بیرونی نصیحت سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن

کا دل اُسی قسم کی سوچوں میں مبتلا ہوتا ہے جن کے دل کی تمنا ہوتی ہے کہ ہم وہ ہو جائیں اور یہ ہو جائیں اور یہ برائیاں ہم سے مٹ جائیں اور وہ برائیاں ہم سے مٹ جائیں۔ان کو جب بیرونی آواز اپنے دل کی آواز کی ہم آہنگی میں سنائی دیتی ہے تو ان کے لئے یہ میوزک بن جاتی ہے، موسیقی کا کام دیتی ہے اور اسی کا نام موسیقی ہے۔ہم آہنگی کا نام موسیقی ہے۔باہر کی آواز ان کو بہت ہی بھلی اور پیاری لگتی ہے جو دل کی آواز کے ساتھ ہم آہنگ ہو کر ان کی اصلاح کے لئے مزید کوشش کر رہی ہوتی ہے، مزید ان کو متوجہ کر رہی ہوتی ہے۔ دیکھیں غالب نے اپنے رنگ میں اس مضمون کو یوں بیان کیا ہے

دیکھنا تقریر کی لذّت کہ جو اُس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہ بھی میرے دل میں ہے

کتنا اعلیٰ تجزیہ کیا ہے تقریر کی لذّت کا۔تقریر اس کو کہتے ہیں کہ جب وہ بیان کی جارہی ہو تو ہر انسان کے دل میں سے یہ آواز اُٹھ رہی ہو کہ ہاں یہ بھی میرے دل میں ہے۔مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ بھی میرے دل میں ہے، اب میرے دل کو آواز مل گئی ہے۔میرے جذبات کو آواز مل گئی ہے، میں بھی مبہم طور پر ایسی ہی سوچیں سوچتا تھا، میرا بھی دل چاہتا تھا کہ ایسی باتیں کروں لیکن میرے دل کو زبان نہیں ملی تھی۔اب دیکھو اس شخص نے وہ باتیں کی ہیں جو میرے دل میں تھیں مگر بے آواز تھیں۔

پس نیکی کی توفیق بھی ان لوگوں کو ملتی ہے اور نیک نصیحتوں سے تعاون کی توفیق بھی ان لوگوں کو ملتی ہے جن کے دل میں پہلے ایک ناصح پیدا ہوتا ہے۔وہ ناصح پوری طرح عمدگی کے ساتھ اس مضمون کو بیان نہیں کر سکتا۔ان کے دل میں نیکی کی تمنا پیدا ہوتی ہے۔ان کے دل میں یہ خواہش ہوتی ہے کہ ان کی برائیاں جھڑیں۔وہ دعائیں کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کیسے ان برائیوں کو اپنے سے جھاڑیں۔وہ دعائیں کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ کیسے ان برائیوں سے چھٹکارا حاصل کریں۔تب بیرونی آواز جو ان تک پہنچتی ہے کہ آؤ ہم تمہاری مدد کے لئے تیار ہیں۔اس طرح کرو اور اس طرح کرو۔وہ ان کو تقویت دیتی ہے اور اپنے ناصح سے ان کو پیار ہونے لگتا ہے۔وہ اس کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔دیکھو دنیا کے ناصح جب خالی دل کے ساتھ اور مصنوعی طور پر دنیا کو نصیحتیں کرتے ہیں تو اس کے نتیجے میں ان کے خلاف نفرت پیدا ہوتی ہے لیکن حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نصیحت فرمائی تو پہلے دلوں میں پاک تبدیلی پیدا کر کے یہ تمنا پیدا کر دی کہ ہم بھی ایسے ہو جائیں۔تزکیہ نفس پہلے رکھا اور نصیحت کو بعد میں رکھا اور وہ لوگ جن کا

تزکیہ نفس ہوتا چلا گیا ان پر آپؐ کی نصیحت ایسی کارگر ہوئی کہ وہ نفرت کی بجائے آپؐ کے عشق میں ایسے مبتلا ہوئے کہ کبھی کسی نبی کی قوم نے اس سے ایسی محبت نہیں کی جیسی محمد رسول اللہؐ کی قوم نے آپؐ سے کی تھی۔ پس قرآن کریم فرماتا ہے کہ دیکھو اس نبی کو کہ

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ

(سورۃ الجمعۃ:3)

کہ کیسا نبی ہے کہ پہلے ان کے دلوں کو پاک کرتا ہے، نصیحت قبول کرنے کی اہلیت ان کو عطا کرتا ہے۔ پھر ان پر علوم قرآن بیان فرماتا ہے اور ان کی حکمتیں بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ اس طرح قوم کے اندر ایک عظیم روحانی تغیر برپا ہو جاتا ہے۔

اپنے دل میں حشر برپا کریں تا کہ اس میں صور اسرافیل پھونکا جا سکے

پس خدام الاحمدیہ ہو یا انصاراللہ ہو یا لجنہ اماء اللہ، ان کے ناصحین، ان کے عہدیدار یا جماعت کے عمومی عہدیدار ہوں آپ کو اُس وقت تک بُرے لگتے رہیں گے جب تک آپ کے دل میں بُرے بُرے نام موجود ہیں۔ اپنے دل کے بُرے ناموں کو مٹا دیں، اپنے دلوں کے بتوں کو پاش پاش کر دیں، اپنے اندر عاجزی پیدا کریں، اپنے اندر نیکی کی محبت پیدا کریں، اپنے دل سے ایک ناصح اٹھائیں، دل میں ایک حشر برپا کریں جس میں صور اسرافیل پھونکا جائے۔ وہ صور پھونکا جائے جس کے نتیجے میں نئی زندگی عطا ہوتی ہے۔ تب خدا تعالیٰ آپ کو اپنے اندر ایک عظیم روحانی انقلاب پیدا کرنے کی توفیق عطا فرمائے گا۔ اس کے بغیر آپ دنیا کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ کیسے دنیا کی پولیوشن دور کریں گے جبکہ آپ گندی رسمیں، بیہودہ باتیں، گھٹیا کمینی باتیں (جن سے عام انسانیت کو بھی شرم آتی ہے) سمیٹے اور سنبھالے ہوئے جہازوں میں سفر کرتے اور کہیں جائز اور کہیں ناجائز بارڈر پار کرتے ہوئے آپ ایک ملک میں داخل ہوتے ہیں اور ان کی فضا کو گندہ کرنے لگتے ہیں۔ یہ کون سی شرافت ہے؟ اس کا کس نے آپ کو حق دیا ہے؟ یہ حرکتیں کر کے آپ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کیسے منسوب ہو سکتے ہیں۔ ہرگز نہیں۔ خدا کا خوف کریں، سوچیں! یہ اچھی باتیں نہیں ہیں۔ خصوصاً گھروں میں جو گھٹیا باتیں ہو کر، کمینے جھگڑے چلتے ہیں اس کے نتیجے میں ماحول پر بہت بُرا اثر پڑتا ہے۔ کئی سوشل ورکرز ہیں جو واقعی سچی انسانی ہمدردی کے ساتھ آنے والوں کی مدد کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک خاتون ایک دفعہ مجھے ملیں۔ بہت بے چین تھیں کہ عجیب قسم کے کچھ لوگوں

سے پالا پڑتا ہے۔ بہت چھوٹی چھوٹی باتوں میں ملوث ہوتے ہیں اور دل کو تکلیف پہنچتی ہے کہ کیوں یہ اپنے لئے بھی ایک آزار بنائے بیٹھے ہیں اور دنیا کے لئے بھی آزار بنے ہوئے ہیں۔

سابقہ تجربوں کے پس منظر میں ابھرنے والے وسیع نظارے

پس احمدیوں کو یہ زیب نہیں دیتا۔ آپ نے تو پاک نمونے یہاں دکھانے ہیں کہ وہ لوگ جن کو پروپیگنڈے کے ذریعہ یہ بتایا جارہا ہے یہ سمجھایا جارہا ہے کہ (دین حق) دنیا کا سب سے ذلیل مذہب ہے، سب سے لڑاکا مذہب ہے سب سے بے حوصلہ مذہب ہے۔ وہ آپ کے نمونہ سے متاثر ہو کر اس غلط تاثر سے چھٹکارا حاصل کریں۔ اس تاثر کو دور کرنے کے لئے آپ کے منہ کی باتیں تو کام نہیں آسکتیں۔ آپ کو پاک نمونے دکھانے ہوں گے۔ آپ کو بنی نوع انسان کی سچی ہمدردی کا عملی مظاہرہ کرنا ہوگا تا کہ وہ دیکھیں کہ آپ بنی نوع انسان کے بہت ہی سچے اور مخلص ہمدرد ہیں۔ ایثار کے پتلے ہیں۔ آپ اپنے ماحول کو اچھا بنانا چاہتے ہیں۔ جب وہ آپ کی ذات میں عملی نمونہ کے طور پر یہ (دین حق) دیکھیں گے تب ان کا دل اُن مخالفانہ آوازوں کے خلاف گواہی دے گا جو ہر روز ان کے کانوں میں ریڈیو سے پڑتی ہیں اور تب اُن کی آنکھیں ان نظاروں کے خلاف گواہی دیں گی جن کو ہر روز وہ ٹیلی ویژن پر دیکھتے ہیں۔ ان کا دل کہے گا یہ سب جھوٹا پروپیگنڈا ہے۔ ان کا دل گواہی دے گا کہ یہ اور قسم کے لوگ ہیں اور یہ سچے (مومن) ہیں۔

آپ نے تو دنیا کی اصلاح کرنی ہے اور آپ اپنی اصلاح کئے بغیر دنیا کی اصلاح نہیں کر سکتے۔ یہ جو بات میرے کان تک پہنچی یا میری آنکھوں نے پڑھی کہ لوگ اس طرح اپنے عہدیدار کو طعنے دیتے ہیں۔ اس پر غور کرتے ہوئے، اپنے پرانے تجزیوں میں ڈوبتے ہوئے مَیں رفتہ رفتہ اس مضمون میں اور ڈوبتا چلا گیا۔ میں سوچتا رہا کیا کیا کمزوریاں ہوں گی، کیا کیا خرابیاں ہوں گی، کس قسم کے جھگڑے ہوں گے جن کے نتیجے میں گھٹیا کمینی باتیں دلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ ایسی عورتیں کیسی ہوں گی، وہ اپنی بہوؤں سے کیا سلوک کرتی ہوں گی۔ ایسی بہوئیں کیسی ہوں گی، وہ اپنے ساس اور سُسر کی کیسی عزت کرتی ہوں گی۔ کیسے بچوں کو انہوں نے پیدا کیا ہوگا۔ ایسے مرد کیسے ہوں گے جو اپنی بیویوں سے کیسی سخت کلامی اور کیسی کج روی سے پیش آتے ہوں گے۔ کیسی وہ لڑکیاں ہوں گی جو اپنے خاوندوں کے خلاف باتیں کرتی ہوں گی، ان کی امانت میں خیانت کرتی ہوں گی اور اپنے بچوں سے پھر وہ کس قسم کا سلوک کرتی ہوں گی۔ یہ سارے نظارے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے گئے۔ ہر نظارہ دل کو تکلیف دینے والا تھا کیونکہ میں جس دروازے میں سے ان مناظر

میں داخل ہوا وہ دروازہ تکلیف کا دروازہ تھا۔اس برش نے جو ایک تصویر بنائی تھی اس تصویر کے پیچھے ایک پورا منظر تھا جو موجود تھا اور اس پس منظر کے رستے سے میں اس منظر میں داخل ہوا اور میں نے سوچا کہ ابھی جماعت میں یہ بھی کمزوری ہے اور یہ بھی کمزوری ہے اور یہ بھی کمزوری ہے۔

تب میں عاجزی سے اپنے خدا کے حضور جُھکا کہ اے خدا! مجھ میں تو کوئی طاقت نہیں کہ میں ان سب کمزوریوں کی اصلاح کر سکوں۔ میں تو ایک عاجز بندہ ہوں۔ ساری عمر اپنی کمزوریوں کی اصلاح نہیں کر سکا۔ تُو میری مدد فرما، تو مُجھ پر رحم فرما، تُو اس جماعت کے دل بدل دے، ان کو پاک کر دے، ان میں سے فرشتے پیدا کر جو خود متقی ہوں اور تمام دنیا کو متقی بنانے والے ہوں اور جو متقیوں کے امام بن جائیں اور وہ فخر سے یہ عرض کر سکیں کہ اے ہمارے آقا! اے محمد رسول اللہؐ! تجھے ساری دنیا کا امام بنایا گیا ہے۔ ہم متقیوں کے امام ہو کر تیرے قدموں میں گرتے ہیں اور تجھے اپنا امام تسلیم کرتے ہیں۔ تیری ساری عمر کی دعائیں قبول ہو جائیں، خدا نے تیری آواز کو عرش پر سنا اور آج تک ان دعاؤں کو قبول کرتا چلا جا رہا ہے کہ

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ؕ

پس دیکھیں ایک انسان ایک چھوٹی سی بات سے کس طرح سفر پر نکلتا ہے اور مختلف سفر اختیار کرتا چلا جاتا ہے۔ مختلف نظارے اس کے سامنے بنتے چلے جاتے ہیں اور یہ سارے مناظر وہ ہیں جو ایک شاعر کے تصور کے مناظر نہیں ہیں۔ ان کے پیچھے ایک لمبا پس منظر ہے گہرے تجربوں کا، یہ حقیقتوں کے نظارے ہیں۔ ان میں کوئی جھوٹ نہیں، کوئی مبالغہ نہیں، یہ سچائی کا سفر ہے۔ اس لئے میں آپ کو متوجہ کرتا ہوں اور دل کی گہرائی کے ساتھ، درد میں ڈوبے ہوئے دل کی گہرائی کے ساتھ متوجہ کرتا ہوں کہ اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کریں اور اپنے روزمرّہ کے اخلاق کی نگرانی کریں۔ اپنے گھروں میں جس زبان میں آپ بچوں سے باتیں کرتے ہیں، جس زبان میں اپنی بیویوں سے بات کرتے ہیں اس زبان کی نگرانی کریں۔ اگر آپ نے اپنی بیویوں کا احترام نہ سیکھا، اگر آپ نے اپنے بچوں کا احترام نہ سیکھا، اگر بہوؤں نے اپنی ساسوں کا احترام نہ سیکھا، اگر ساسوں نے اپنی بہوؤں کا احترام نہ سیکھا اور ان کے لئے نرمی اور شفقت پیدا نہ کی تو تمہارے گھر ہمیشہ جہنم کے نظارے پیش کرتے رہیں گے۔ کس منہ سے ہم ان قوموں کو جنہوں نے اپنے گھر طرح طرح کے دکھوں کی وجہ سے جہنم بنائے ہوئے ہیں جنت کے گھروں کی خوشخبریاں دینے والے بن سکیں گے۔ ہمیں کوئی اس کا حق حاصل نہیں۔

اپنے دلوں کے باطنی مُربّیوں کو بیدار کریں

پس میں بڑے درد کے ساتھ آپ سے کہتا ہوں اپنے دل کے مربیوں کو بیدار کریں، ان کو آوازیں دیں اور ان کو اٹھائیں۔ اپنے دلوں سے وہ ناصح پیدا کریں جو قرآن کی آواز میں آپ کو نصیحت کرنے والے ہوں۔ پھر دیکھیں وہ لوگ جو آپ کی خاطر عہدوں کو سنبھالتے ہیں اور آپ کے دروازے کو کھٹکھٹاتے ہیں اور اپنے اوقات کو قربان کرتے ہیں اور اپنی عزتوں کو ہتھیلیوں پہ لئے ہوئے آپ کے گھروں تک پہنچتے ہیں آپ ان کے دلوں کو ٹھیس لگانے والے نہیں بن سکتے۔ آپ یہ پسند کریں گے کہ آپ اس سے پہلے پیدا ہی نہ ہوئے ہوتے بجائے اس کے کہ خدا کی خاطر کام کرنے والوں کے دلوں کو آپ ٹھیس پہنچائیں اور ان کی بے عزتی کا کسی قسم کا خیال دل میں لائیں۔ آپ ان کے سامنے جھکیں گے تب بھی آپ کے دل میں ایک شرمندگی کا احساس پیدا ہوگا۔ آپ سوچیں گے کہ دیکھو کتنی دور سے یہ شخص چل کر میری اصلاح کے لئے، میری خاطر آیا ہے۔ میرے دل میں بھی آواز ہے مگر کمزور ہے، میں طاقت نہیں پاتا۔ آپ اس سے دُعا کی درخواست کریں گے اس کا شکریہ ادا کریں گے اور پھر مجھے بھی لکھیں گے جیسا کہ بعض لکھتے ہیں اور خود بھی دعائیں کریں گے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے۔

یہ اصلاحوں کا سفر بہت ہی لمبا اور بہت ہی کٹھن سفر ہے۔ قدم قدم پر مشکل منازل، مشکل رستے ہیں، مشکل موڑ ہیں، سخت بلندیاں ہیں جن کو طے کرنا صعوبت کا کام ہے، پتھر ہیں پھر گڑھے ہیں، پھر کھڈے ہیں، کئی قسم کے خطرات ہیں۔ اے خدا! تُو ہماری مدد فرما اور وہ لوگ جو ہماری مدد فرما رہے ہیں ہمیں ان کا احسان مند بنا ان کا ناشکرا نہ بنا اور ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اپنے وجود کا سفر کریں، اپنی ذات کا سفر کریں۔ ہمیں توفیق عطا فرما کہ ہم اپنے گھروں کے ماحول کو جنت بنا دیں اور گھروں کا ماحول اُسی صورت میں جنت بن سکتا ہے جب حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نقل اتاریں۔ نقل اتارنے کا لفظ میں عمداً استعمال کر رہا ہوں۔ بعض باتیں نقل کے بغیر آتی نہیں ہیں۔ وہ آپ کی ہو جائیں گی، آپ کے اخلاق بن جائیں گی لیکن اس سے پہلے آپ کو نقل مارنی ہوگی۔ یہ سوچنا ہوگا کہ میری جگہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوتے تو وہ گھر کی اس صورت حال میں کیسے اخلاق کا مظاہرہ کرتے، کیا طرزِ عمل اختیار فرماتے۔

دیکھیں بچہ نقل سے سیکھتا ہے۔ آپ اُس کو ایک بات کہتے ہیں تو تلے منہ سے وہ بات بیان کرتا ہے اور

اگرچہ وہ غلط کرتا ہے لیکن نقل مارتے مارتے آہستہ آہستہ وہ مشاق ہو جاتا ہے اور پھر بعض دفعہ وہ اپنی طرز گفتگو میں آپ سے بھی زیادہ مہارت اختیار کر لیتا ہے، فصاحت و بلاغت اختیار کر لیتا ہے۔ پس نقل کے ذریعے انسان اپنی اصلاح کرتا چلا جاتا ہے اور نقل کی حالت میں جو کمزوریاں ہیں وہ بُری نہیں معلوم ہوتیں بلکہ اچھی لگتی ہیں۔ کئی لوگ ملاقات کے وقت اپنے بچے لے کر آتے ہیں تو بڑا لطف آتا ہے یہ دیکھ کر کہ کہتے ہیں جی سناؤ

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

فلاں شعر سناؤ، فلاں حدیث سناؤ اور بعض دفعہ وہ ایسی توتلی زبان سے کہتا ہے کہ سمجھ نہیں آتی کہ کیا کہہ رہا ہے اور ماں باپ بڑے فخر سے، محبت سے بچے کو دیکھ رہے ہوتے ہیں کہ کمال کر دیا۔ اس سے زیادہ کیا اچھی آواز کسی نے سنی ہوگی جو اس بچے کے منہ سے نکل رہی ہے۔ اور واقعی پیاری لگتی ہے۔ پھر مجھے ترجمہ کر کے سناتے ہیں۔ ویسے مجھے پتہ نہیں لگتا بعض دفعہ کہ کیا کہہ رہا ہے اُن کو بتانا پڑتا ہے کہ اس نے لَا اِلٰہ کہا تھا اور مجھے بھی پیار آتا ہے۔ حالانکہ نقل خواں ہے لیکن نیت خالص ہے۔ پاکیزگی اور سچائی کے ساتھ نقل اتار رہا ہے۔

محبتوں، دعاؤں اور انکساریوں کے سفر

پس میں یہ نہیں کہتا کہ ایک ہی دن میں آپ حضرت محمد مصطفیٰؐ کے اخلاق کو اپنا سکیں گے۔ ایک لمبی محنت کا کام ہے، لمبا سفر ہے لیکن نقل تو اتارنی شروع کریں۔ جب اپنی بیویوں سے سلوک کرتے ہیں سوچا تو کریں، سیرت کی تقاریر میں آپ نے کیا سن رکھا ہے کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیسے کیسے ان کی ناز برداریاں فرمایا کرتے تھے۔ کیسے کیسے بعض دفعہ ان سے تکلیف کے کلمے سن کر بھی صبر کیا کرتے تھے۔ کس طرح پیارے انداز میں ان کو نصیحت کیا کرتے تھے۔ کس طرح کاموں میں ان کے ساتھ شامل ہو جایا کرتے تھے۔ کس طرح روزمرّہ کے کاموں میں ان کی مدد فرمایا کرتے تھے۔ ان کا ہاتھ بٹاتے تھے بلکہ جب وہ آپؐ کی خدمت کرنا چاہتی تھیں تب بھی آپؐ ان سے چیزیں لے کر اپنی خدمت خود کیا کرتے تھے۔

یہ تصور بھی تو کبھی ذہن میں آنا چاہیے۔ جب آپ یہ سوچیں گے تو اچانک آپ کا برتاؤ اپنی بیویوں سے بالکل مختلف ہو جائے گا۔ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچوں کے لئے کیسے تھے، اپنے بڑوں کے لئے کیسے تھے، اپنی رضاعی والدہ کے لئے کیسے تھے، دنیا کے دوسرے انسانوں کے لئے کیسے

تھے۔کوئی ایک موقع ایسا نہیں جو آپ کی زندگی میں پیش آ سکتا ہو اور ایسے موقع کے لئے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا عمدہ اخلاق کا مظاہرہ نہ کیا ہو جس کی آپ نقل نہ اتار سکیں۔آپ نقل اتار سکتے ہیں خواہ خام سہی، کمزور سہی، کچھ نہ کچھ تو آپ کے وجود کا حصہ بن جائیں گے۔آپ کے اندر سے ایک نیا انسان پیدا ہوگا۔آپ کے خاندانوں سے نئے خاندان پیدا ہوں گے۔پس پیشتر اس کے کہ آپ مغرب کی تقدیر تبدیل کریں، پیشتر اس کے کہ آپ یہ سوچیں کہ ان کے گھروں کو آپ جنت نشان بنادیں آپ اپنے گھروں کو تو جنت نشان بنائیں۔یہ محبتوں کے سفر ہیں۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔اللہ تعالیٰ تمام دنیا کی جماعتوں کو، ہر بڑے اور چھوٹے کو، ہر مرد اور عورت کو، توفیق عطا فرمائے کہ خواہ توتلے منہ سے ہی سہی نقل کریں تو محمد رسول اللہ ؐ کی نقل کریں۔کبھی ابوجہل کی نقل کی توفیق ان کو عطا نہ ہو۔

اب دعا سے پہلے مجلس خدام الاحمدیہ کا عہد دہرایا جائے گا۔اس لئے میں آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ کھڑے ہو کر میرے ساتھ، خلوص نیت کے ساتھ اس عہد کو دہرائیں۔

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 30 مئی 1993ء

☆ جرمنی میں نماز باجماعت کی حاضری کا شاندار نمونہ
☆ روس میں روحانی انقلاب کی پیشگوئی
☆ جرمنی میں روحانی انقلاب کی پیشگوئی
☆ جرمن قوم تک پہنچنے کے لئے بعض بنیادی صفات
☆ نفرتوں سے بچنے کے لئے اسوہ محمد مصطفیٰ اختیار کریں
☆ عصمت کی حفاظت

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:-

جرمنی میں نماز باجماعت کی حاضری کا شاندار نمونہ

بہت سی ایسی خصوصیات جن میں جرمنی کی ٹیموں نے نمایاں کارکردگی کے ذریعہ انعام حاصل کئے ہیں ان کا ذکر آپ کے سامنے ہو چکا ہے۔لیکن ایک ایسی چیز جس کا ابھی ذکر نہیں ہوا جس سے سب سے زیادہ میرا دل آپ سب سے راضی ہوا ہے وہ یہ ہے کہ امسال مجلس خدام الاحمدیہ نے نماز باجماعت میں حاضری کا ایسا شاندار نمونہ دکھایا ہے کہ اس سے پہلے کبھی میں نے جرمنی میں ایسا نہیں دیکھا تھا۔

خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ ہر نماز کے وقت پنڈال پورا بھرا ہوا ہوتا تھا اور مجلس خدام الاحمدیہ یوں معلوم ہوتا ہے اپنے عرفان کے لحاظ سے بلوغت کو پہنچ گئی ہے اور جانتی ہے کہ یہ سارے اجتماعات اور یہ ساری رونقیں لا حاصل ہوں گی اگر ہم عبادت کا حق ادا نہ کریں۔پس اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک فرمائے اور یہ وہ مقابلہ ہے جس کا انعام آسمان سے ملے گا اور زمین پر بھی ظاہر ہوگا اور آسمان پر بھی آپ کے لئے انتظار کرے گا۔دنیا میں بھی آپ فلاح پائیں گے اور آخرت میں بھی فلاح پائیں گے۔آپ اپنی نمازوں کی حفاظت کریں نمازیں ہمیشہ آپ کی محافظ اور نگران رہیں گی۔اللہ تعالیٰ آپ کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

روس میں عظیم روحانی انقلاب کی پیشگوئی

حضرت اقدس خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کی ایک پیشگوئی کا میں نے گزشتہ سال ذکر کیا تھا جس کے آثار اس زمانے میں پورے ہو رہے ہیں اور ہمیں یہ سعادت ملی ہے کہ ہم اس پیشگوئی کو پورا کرنے کے لئے مہروں کا کام دیں اور خدا کی تقدیر ہم سے کام لے کر ہمیں (دین حق) کی ترقی کی راہوں پہ آگے بڑھائے۔وہ پیشگوئی تھی روس میں عظیم روحانی انقلاب کی پیشگوئی اور جیسا کہ میں نے تفصیل سے بیان کیا

تھا اس پیشگوئی میں یا اس رؤیا میں جو پیشگوئی دکھائی گئی تھی اس میں اس عاجز کو بھی ایک بچے کی صورت میں دکھایا گیا تھا جسے حضرت مصلح موعود نے اپنی گود میں اٹھایا ہوا ہے اور روس کی سرزمین پر قدم رکھ رہے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ وہاں خدا کے فضل سے اندر اندر احمدیت پھیل چکی ہے۔ اب جو آثار ظاہر ہو رہے ہیں ان سے یقین ہو جاتا ہے کہ اب وہ وقت آ چکا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ روس کی سرزمین احمدیت کو قبول کرنے کے لئے ذہنی اور قلبی اور روحانی لحاظ سے بہت تیزی کے ساتھ تیار ہو رہی ہے۔ پس دعاؤں میں اس سرزمین کو یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے ان خدمتوں کی جو بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوں اور ان فضلوں کو نازل ہوتا ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں جو مقدر تو ہیں مگر ہماری یہ تمنا ہے کہ ہمارے دور میں وہ فضل اتریں اور ہم اپنی آنکھوں سے ان کو پورا ہوتا دیکھیں۔

جرمنی میں روحانی انقلاب کی پیشگوئی

ایک اور پیشگوئی حضرت مصلح موعود کی جس کا تعلق پھر اسی دور سے ہے اور خصوصیت کے ساتھ جرمنی سے ہے۔ آج میں وہ پیشگوئی آپ کے سامنے پڑھ کر سناتا ہوں۔ اس میں ہمارے لئے بہت سے پیغامات ہیں، بہت سی حکمت کی باتیں ہیں جنہیں سمجھ کر ہمیں اس ملک میں اپنا لائحہ عمل تیار کرنا ہوگا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے ۱۹۴۵ء کی اپنی ایک رؤیا بیان کی جو میں آپ ہی کے الفاظ میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ آپ فرماتے ہیں:-

گیارہ سال ہوئے یعنی یہ ۱۹۵۶ء میں آپ نے بیان کی ہے۔ گیارہ سال ہوئے۔ سن ۴۵ء کی بات ہے میں نے رؤیا میں دیکھا کہ ہٹلر ہمارے گھر میں آیا ہے۔ پہلے مجھے پتہ لگا کہ ہٹلر قادیان میں آیا ہوا ہے اور (بیت) اقصیٰ میں گیا ہے۔ میں نے اس کی طرف ایک آدمی دوڑایا اور کہا کہ اسے بلا لاؤ۔ چنانچہ وہ اسے بلا لایا۔ میں نے اسے ایک چارپائی پر بٹھا دیا اور اس کے سامنے میں خود بیٹھ گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ بے تکلف وہاں بیٹھا تھا اور ہمارے گھر کی مستورات بھی اس کے سامنے بیٹھی تھیں۔ میں حیران تھا کہ ہماری مستورات نے اس سے پردہ کیوں نہیں کیا۔ پھر مجھے خیال آیا کہ ہٹلر چونکہ احمدی ہو گیا ہے اور میرا بیٹا بن گیا ہے اس لئے میرے گھر کی مستورات اس سے پردہ نہیں کرتیں۔ پھر میں نے اسے دعا دی اور کہا کہ اے خدا! تو اس کی حفاظت کر اور اسے ترقی دے۔ پھر میں نے کہا وقت ہو گیا ہے میں اسے چھوڑ آؤں۔ چنانچہ میں اسے چھوڑنے کے لئے گیا۔ میں اس کے ساتھ جا رہا تھا اور یہ خیال کر رہا تھا کہ میں نے تو اس کی ترقی کے

لئے دعا کی ہے۔ یہ میں نے کیا کیا ہے۔ لیکن پھر مجھے خیال آیا کہ وہ ہٹلر عیسائی ہے اور یہ ہٹلر احمدی ہو چکا ہے۔ یعنی وہ ہٹلر جس کی ترقی کی دعا سے میں گھبراتا ہوں وہ عیسائی تھا اور یہ ہٹلر احمدی ہو چکا ہے۔ اس لئے اس کے لئے دعا کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ (خطبہ جمعہ فرمودہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی 11 جنوری 1957ء)

یہ وہ پیشگوئی ہے جس کے پورا ہونے کے کوئی معمولی سے بھی آثار ابھی افق پر ظاہر نہیں ہوئے تھے جب یہ پیشگوئی کی گئی تھی اور اس کے بعد کے جو انقلابات برصغیر ہندو پاکستان میں خصوصیت سے پاکستان میں رونما ہوئے ان کے نتیجے میں بکثرت احمدیوں کو اس ملک میں پہنچنے کی اور پناہ حاصل کرنے کی توفیق ملی جرمن قوم نے کھلے دل کے ساتھ اور وسعت قلب کے ساتھ آپ کے لئے اپنے دروازے کھولے۔ یہ الٰہی تقدیر تھی اور یہ قوم اس تقدیر کے تابع مجبور تھی کہ آپ کے ساتھ غیر معمولی حسن سلوک کرے اور اس میں خدا کا یہ منشاء مقدر تھا کہ آپ کے ذریعے پھر اس قوم کو ہدایت ملے۔ پس ہٹلر جو اس قوم کے رہنماؤں میں ایک ایسا رہنما ہے جس کے دور میں ساری قوم ایک ہاتھ کی طرح اٹھتی اور ایک ہاتھ کی طرح بیٹھتی تھی۔ اس کا مسلک چاہے درست تھا یا غلط لیکن جو وہ کہتا تھا اس کی تائید کرتی تھی۔ اس کا رؤیا میں حضرت مصلح موعود کے پاس حاضر ہونا اور احمدی ہو جانا بتاتا ہے کہ اس قوم میں نیکی کی بڑی صلاحیتیں موجود ہیں اور ہرگز بعید نہیں کہ اس قوم کے رہنما احمدیت کی طرف مائل ہوں اور ان کے ساتھ ساری قوم کا میلان احمدیت کی طرف ہو جائے۔ یہ پیشگوئی خدا کے ہاں مقدر ہے۔ لیکن ایسی تقدیروں میں اسباب کا بھی بہت دخل ہوا کرتا ہے۔ بعض ایسی تقدیریں ہیں جنہیں بہرحال پورا ہونا ہے مگر زمانے کے متعلق یقین سے ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس زمانے میں پوری ہوں گی یا آئندہ کسی زمانے میں پوری ہوں گی۔ زمانے کا فیصلہ انسانوں کا کردار کرتا ہے مومنین کا کردار کرتا ہے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جو موعود زمین کے دیئے جانے کا وعدہ تھا اس زمین کے وعدہ دینے میں اللہ تعالیٰ نے قوم کی بدعملی کی وجہ سے تاخیر کر دی۔ حالانکہ خدا کے وعدہ نے بہرحال پورا ہونا تھا اور بالآخر پورا ہوا۔ پس اس بات میں تو ایک ادنیٰ بھی شک نہیں کہ ۱۹۴۵ء میں جو عظیم الشان رؤیا حضرت مصلح موعود کو دکھائی گئی یہ لازماً پوری ہو گی۔ یہ خدا کا پیغام ہے جسے کوئی ٹال نہیں سکتا اور آپ وہ خوش نصیب ہیں جن کے ذریعے اس رؤیا کے پورا ہونے کی داغ بیل ڈال دی گئی اور اس لحاظ سے آپ کی جماعت کو دنیا کی جماعتوں میں ایک غیر معمولی اہمیت اور انفرادیت حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ ایک ملک کی تقدیر بدلنے کی خوشخبری دی گئی ہے اور جرمنی کی جماعت کے ذریعے یہ کام ہونا ہے۔ ابھی جماعت یہاں تھی بھی نہیں تو یہ پیشگوئی کی گئی۔ اب خدا کے فضل سے یہاں جماعت مضبوطی سے قائم

اور مستحکم ہو چکی ہے۔ پس آپ کو اپنے کردار پر نظر رکھنی ہوگی۔ وہ کردار ادا کرنا ہوگا جو اس پیشگوئی کے پورا ہونے کے وقت کو قریب تر لے آئے۔ ایسے کردار سے اجتناب کرنا ہوگا جو اس پیشگوئی کو مستقبل میں دور دھکیل دے۔ یہاں تک کہ آپ خوش نصیب ہونے کی بجائے وہ بدنصیب لوگ ہوں جیسا کہ موسیٰ کی قوم تھی جنہوں نے باوجود خدا کے وعدے کے اس وعدے کو پورا ہوتے اپنے دور میں اپنے زمانے میں نہیں دیکھا بلکہ بعد میں آنے والوں نے اس وعدے کا فیض اٹھایا۔ پس میری دعا یہ ہے کہ آپ وہ جو میرے سامنے میرے مخاطب ہیں، یہ زندہ نسلیں جو آج میرے سامنے بیٹھی ہیں یا جرمنی میں مختلف جگہ پر اس وقت مقیم ہیں خدا اس زمانے میں آپ کی ہی زندگیوں میں اور خود مجھے بھی یہ توفیق بخشے کہ میں آپ کی زندگی کے ساتھ ان خوشخبریوں کو اپنی آنکھوں سے پورا ہوتے دیکھوں اور اس کا بہت بڑا دارومدار آپ کے نیک اعمال پر ہے۔ ایسی قوم جیسی جرمن قوم ہے اس میں روحانی انقلاب برپا کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس کے لئے ان سے بہتر اور عظیم تر کردار کا نمونہ دکھانا ہوگا۔ یہ قومیں وہ ہیں جو علمی لحاظ سے، جو صنعتی ترقیات کے لحاظ سے، جو مادی ترقیات کے لحاظ سے آپ سے اتنا زیادہ آگے بڑھ چکی ہیں کہ اس پہلو سے آپ ان کو آواز بھی نہیں پہنچا سکتے۔ آواز تو وہ دیتا ہے جس کے سامنے قافلہ اس کی حد نظر میں ہو۔ اس کی آواز کی پہنچ میں ہو۔ لیکن مادی ترقیات کا جرمن قافلہ تو اتنا آگے بڑھ چکا ہے کہ یورپین قومیں، جو دوسری یورپین قومیں ہیں، یہ بھی حسرت سے ان کو دیکھ رہی ہیں اور اس خوف سے تھرتھرا رہی ہیں کہ آئندہ چند سالوں میں یہ قوم اتنی تیزی سے آگے بڑھ جائے گی کہ ہماری پہنچ سے باہر ہو جائے گی۔ کئی قوموں کے دل میں خوف کھلبلانے لگے ہیں۔ کئی قوموں کے دل میں ایسی ترکیبیں آ رہی ہیں کہ جس کے نتیجے میں ان کے ساتھ اس طرح منسلک ہو جائیں کہ ان کا آگے بڑھنا اُن کا آگے بڑھنا ہو جائے۔ اسے ان کو کسی قسم کا خوف باقی نہ رہے۔ یہ باتیں ساری منصۂ شہود پر ابھر آئی ہیں۔ ان کو تفصیل سے بیان کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ پھر وہ کون سی ایسی خصوصیت ہے جس کے نتیجے میں آپ ان کو پیغام دے سکتے ہیں اور بالا حیثیت سے پیغام دے سکتے ہیں، وہ اخلاقی قدریں ہیں۔ بدنصیبی سے اس وقت جرمنی میں باقی یورپ کی طرح اخلاقی قدریں بہت تیزی سے مجروح ہو رہی ہیں اور اتنی تیزی سے مجروح ہو رہی ہیں اور ان کا دائرہ اتنا پھیل رہا ہے کہ وہ قوم جس کے سیاسی رہنماؤں اور بڑے بڑے حکومت کے افسران اور سربراہوں وغیرہ سے متعلق کبھی یہ انسان تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ اپنے ذاتی مفاد پر قومی مفاد کو قربان کر سکتے ہیں۔ اس قوم کے متعلق آج سے پندرہ بیس سال پہلے یہ وہم وگمان بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ اس قوم کے افراد مالی فوائد کی خاطر اصولوں کو قربان کر سکتے ہیں،

قوم کے اس اعتماد کو ٹھوکر لگا سکتے ہیں جو سیاسی رہنما منتخب کرتے وقت قوم ان منتخبین پر رکھتی ہے۔لیکن ہماری آنکھوں کے سامنے ایسے واقعات رونما ہونے لگے ہیں اور دن بدن تیزی کے ساتھ ایسے آثار دکھائی دے رہے ہیں کہ جس سے اخلاقی بحران کا خطرہ پہلے سے بہت زیادہ بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ یہ بات باقی یورپ میں بھی ہے لیکن باقی یورپ میں اخلاقی بحران دنیا کے لئے اتنا شدید خطرہ نہیں بن سکتا جتنا جرمنی کا اخلاقی بحران دنیا کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔اس بات کو خوب اچھی طرح سمجھ لیں کہ نا ٹسی ازم اور فیشی ازم کے خیالات ان قوموں میں بڑھتے ہیں جن میں اجتماعیت کی گہری صلاحیتیں موجود ہوتی ہیں اور جو روزمرہ زندگی میں دیکھتی ہیں کہ قوم کے مفادات کے تقاضے قومی رہنما پورے نہیں کر رہے۔ایسی صورت میں ساری قوم کے دل میں ایک بے چینی پیدا ہوتی ہے، ایک بے اطمینانی پیدا ہوتی ہے وہ اپنے نظام حیات سے غیر مطمئن ہو کر واپس اس اجتماعیت کی طرف واپس ضرور لوٹتے ہیں جس کے ساتھ ان کا خمیر گوندھا ہوا ہوتا ہے۔پس جرمن قوم کا خمیر اجتماعیت سے گوندھا گیا ہے اور سارے یورپ میں کسی اور قوم کا خمیر اس طرح اجتماعیت سے نہیں گوندھا گیا جیسا جرمن قوم کا گوندھا گیا ہے۔ یہ وہ قوم ہے جس کے اندر بعض ایسی عادات ہیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسے روحانی قوموں سے ان کی مماثلت ہے۔ جب روحانی انقلاب دنیا میں برپا ہوتے ہیں تو بکھرے ہوئے لوگ ایک ہاتھ پر اکٹھے ہوتے ہیں، ایک آواز پر لبیک کہنا سیکھتے ہیں، ایک ہاتھ کی حرکت پر اٹھنے کا سلیقہ سیکھ لیتے ہیں، ایک ہاتھ کی حرکت پر بیٹھنے کا سلیقہ سیکھ لیتے ہیں۔اور اس طرح قومی اجتماعیت ایک عظیم قوت کے طور پر دنیا میں رونما ہوتی ہے۔اس قوم میں یہ اجتماعیت کی بنیادی صفت موجود ہے۔کہیں دنیا میں کسی قوم میں اپنے رہنماؤں کے پیچھے قومی مفادات کی خاطر اکٹھے ہونے کی ایسی صلاحیت نہیں جیسی اس قوم میں موجود ہے۔ چنانچہ چرچل نے جو جنگ کے بعد جنگی حالات پر تبصرے کئے اور نازی ازم کا تجزیہ کیا تو چرچل بھی اس نتیجے پر پہنچا کہ درحقیقت جرمن میں جس طرح اپنے رہنماؤں کی اطاعت کی صلاحیت ہے یورپ یا مغرب کی کسی اور قوم میں وہ صلاحیت نہیں۔ یہ وہ صلاحیت ہے جو رفتہ رفتہ ایک ایسی leadership کو جنم دیتی ہے جس نے لازماً ایک عظیم قومی کردار ادا کرنا ہے۔اگر وہ کردار اپنے لائحہ عمل کے لحاظ سے فاسدانہ ہو تو آنکھیں بند کر کے ساری قوم اس فاسدانہ کردار کی متابعت کرے گی اور اگر وہ کردار اپنی اجتماعی حیثیت سے صالحانہ ہو تو ساری قوم آنکھیں بند کر کے بغیر پوچھے کیوں اور کیا ہو رہا ہے وہ اپنے رہنماؤں کی پیروی کرے گی یہ اس قوم کی سرشت میں داخل ہے۔اور اس معاملے میں مَیں چرچل کے ساتھ پوری طرح متفق ہوں۔ میرا اپنا تجزیہ اس قوم کے متعلق ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ ساری مغربی دنیا میں

سب سے زیادہ اجتماعی کارکردگی اور اجتماعیت کی اپنی ذات میں جتنی صلاحیت جرمن قوم میں ہے اتنی کسی اور قوم میں نہیں ہے۔

پس حضرت مصلح موعود نے جو دیکھا کہ ایک ہٹلر وہ تھا جو عیسائی تھا یا کچھ بھی نہیں تھا ایک وہ ہٹلر تھا جس نے اپنی قوم کی رہنمائی اپنے ان خیالات یا نظریات کے تابع ہو کر کی، جس نے بالآخر قوم کو نہایت برے انجام تک پہنچایا۔لیکن ایک وہ ہٹلر ہے جو مجھ سے ملنے آیا ہے، جس نے پہلے (بیت) اقصیٰ میں جانے کا مقصد کیا اور پھر وہاں سے ہو کر مجھ تک پہنچا ہے۔ وہ ہٹلر وہ ہے جو احمدی ہو چکا ہے اور اس کے حق میں دعا کرنی ضروری ہے۔ پھر آپ نے دیکھا کہ اس سے میری بچیوں کا پردہ نہیں گویا کہ وہ احمدی ہے اور اخلاق میں ایسا بڑھ گیا ہے کہ اس سے احمدی عورتوں کی عفت کو کوئی خطرہ نہیں۔ان باتوں میں آپ کے لئے پیغام ہیں۔(بیت) اقصیٰ کیا ہے؟ اگر آپ اس مضمون پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اقصیٰ کا مطلب ہے بہت دور کی (بیت)۔پس حضرت مصلح موعود کو جو (بیت) دکھائی گئی ہے میرے نزدیک یہ جماعت احمدیہ جرمنی ہے۔ کیونکہ علم التعبیر کے ماہرین بیان کرتے ہیں کہ (بیت) جماعت ہوا کرتی ہے۔جب رؤیا میں (بیت) دکھائی جائے تو اس سے مراد جماعت ہوتی ہے۔تو اقصیٰ (بیت) یعنی دور کی (بیت)۔مراد یہ ہے کہ پہلے ایک دور کی جماعت میں جو قادیان سے، جس وقت یہ رؤیا دیکھی گئی، بہت دور ہے یعنی جرمنی۔ وہاں جرمن قوم کا کیونکہ جب ایک قوم کے رہنما کو دکھایا جائے تو مراد قوم ہوا کرتی ہے۔جرمن قوم کا رجحان احمدیت کی طرف ہوگا اور وہ اس (بیت) میں داخل ہوگی جو وہاں قائم ہو چکی ہوگی یعنی جماعت احمدیہ۔اور اس کے ذریعے پھر وہ مرکز کے قریب آئے گی اور مرکز کے اتنا قریب آئے گی کہ خلیفۂ وقت کے دل سے نکلی ہوئی دعائیں لے گی اور ان کے کردار میں عظیم تبدیلی آئے گی۔ان کا کردار باقی یورپ کی طرح فاسدانہ نہیں رہے گا بلکہ وہ اپنی خواتین پر پاک نظریں ڈالیں گے اور ان سے وہ احترام کا سلوک کریں گے جو (دین حق) کی تعلیم کے مطابق ایک مرد کو ایک عورت سے کرنا چاہیے۔

جرمن قوم تک پہنچنے کے لئے بعض بنیادی صفات کا ہونا ضروری ہے

پس یہ وہ پیغامات ہیں جو میں اس رؤیا میں پڑھ رہا ہوں اور مجھے تو ادنیٰ بھی شک نہیں کہ یہ رؤیا انشاء اللہ بڑی شان کے ساتھ، ان تمام خوشخبریوں کے ساتھ، جو جرمن قوم کو دی گئی ہیں ضرور پوری ہوگی۔ کب ہوگی؟ یہ الٰہی فیصلہ ایک حد تک آپ کے عمل پر منحصر ہے۔ جیسا کہ ہمیشہ سے خدا کی تقدیر ہے۔ پس اپنے

اعمال میں وہ خوبیاں پیدا کریں جن کا اس رؤیا میں ذکر موجود ہے۔اس قوم تک پہنچنے کے لئے بعض بنیادی صفات آپ میں ہونی ضروری ہیں۔جیسا اس قوم میں ڈسپلن ہے ایسا بلکہ اس سے بڑھ کر ڈسپلن آپ کو دکھانا ہوگا۔جیسی اس قوم میں اجتماعیت ہے اس سے بڑھ کر اور حسین ترین اجتماعیت (دینِ حق) کے نام پر آپ کو ظاہر کرنی ہوگی۔ پھٹے ہوئے دلوں کے ساتھ اس قوم کو فتح نہیں کیا جا سکتا۔ان پھٹتے ہوئے دلوں کو پھٹے ہوئے دل جوڑ ہی نہیں سکتے۔وہ لوگ جن کے آپس میں فاصلے بڑھ رہے ہوں وہ دوسروں کے فاصلے کیسے پاٹ سکتے ہیں۔پس آپ کو ایک جان ہونا پڑے گا وہ اخوۃ بننا ہوگا جس کا قرآن کریم میں مومنوں سے تعلق میں ذکر ہے اور جو اخوۃ خدا کی خاص رحمت کے نتیجے میں مومن بنا کرتے ہیں۔قلوب کو آپس میں باندھنا کسی فرد بشر کا کام نہیں۔یہ اللہ کی رحمت اور اس کی تائید سے ہوتا ہے۔پس لازم ہے کہ اس سلسلے میں اپنے لئے دعائیں کریں۔ہر گھر میں یہ دعائیں ہونی چاہئیں، ہر مجلس میں یہ دعائیں ہونی چاہئیں۔آپ اس دعا کو اپنا مقصود بنالیں کہ اے وہ خدا جس نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے ایک پھٹی ہوئی، بکھری ہوئی قوم کو اکٹھا کیا تھا جس نے ان کے پھٹتے ہوئے دلوں کو ایک جان کر دیا تھا جس نے ان کو دوبارہ محبت کے رسوں سے جکڑ دیا تھا اور ایک جسم کی طرح بنیان مرصوص بنا دیا تھا۔وہ الگ الگ پارہ پارہ وجود نہیں رہے بلکہ ایک مضبوط دیوار کی طرح اپنے آقا و مولا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہو گئے اور کوئی طاقت اس دیوار میں رخنہ نہ ڈال سکی۔یہ وہ کردار ہے جو اس قوم میں آپ کو دوبارہ دکھانا ہوگا، اس کا از سر نو احیاء کرنا ہوگا۔جماعت احمدیہ کی تنظیم کے ساتھ اس طرح وابستہ و پیوستہ ہو جائیں کہ کوئی دنیا کی طاقت، کوئی نفس کا شیطان آپ کو اس تعلق سے الگ نہ کر سکے۔یہ وہ عروۃ وثقیٰ بن جائے جس پر آپ کا ہاتھ پڑے، جس سے اس ہاتھ کا ٹوٹنا اور الگ ہونا ممکن ہی نہیں۔پس ایک تو میں آپ کو وحدت کی تعلیم دیتا ہوں اپنے نظام کے تابع ہوں، اپنے امیر کے تابع ہوں، اپنے صدر کے تابع ہوں اور ان کے نیچے جتنے بھی مختلف نگران خدا کی نمائندگی میں، حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نمائندگی میں، حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نمائندگی میں مقرر کئے جاتے ہیں ان کی اطاعت اپنے پر فرض کرلیں۔یہ اطاعت حسنہ ہے۔یہ وہ قوم ہے جس نے ایک بُری اطاعت میں ایک عظیم نمونہ قائم کیا ہے۔ایسا نمونہ قائم کیا ہے جس کی مثال سارے عالم کی تاریخ میں نہیں ملتی کہ ایک برے پیغام کو لے کر ساری قوم اس طرح متحد ہوگئی کہ ساری دنیا کو چیلنج کر دیا اور تمام دنیا اس کے خوف سے تھرتھرانے لگی۔آپ کا پیغام حسین ہے۔آپ کا پیغام نا‌ٹسی پیغام نہیں ہے، آپ کا پیغام محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام ہے۔آپ کا پیغام یہ نہیں ہے کہ آپ سب دنیا پر

حکومت کرنے کے لئے قائم کئے گئے ہیں۔آپ کا پیغام بالکل اور ہے اور وہ یہ ہے۔ **کنتم خیر امة اخرجت للناس** ۔اے محمد مصطفیٰ کی امت! تم سب دنیا سے بہتر ہو۔اس لئے نہیں کہ تمہاری خدمت کے لئے دنیا کو پیدا کیا گیا ہے اس لئے کہ تمہیں دنیا کی خدمت کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔پس یہ وہ وحدت ہے جس کا ایک عظیم نمونہ آپ کو یہاں دکھانا ہے۔اس وحدت کے ذریعے دنیا میں خوف پیدا نہیں کرنا بلکہ اس وحدت کو دنیا کے قدموں میں خدمت کے لئے ڈال دینا ہے۔اس عظیم قوت کو دیکھ کر دنیا آپ کی طرف دوڑے تا کہ آپ سے فائدہ اٹھائے نہ کہ آپ سے بِدکے اور پرے ہٹے۔جیسا کہ بعض دفعہ عظیم اتحاد کے نتیجے میں خوف پیدا ہوتے ہیں۔یہ وہ روح ہے جو آپ نے جرمن قوم میں پھونکنی ہے ان کو متنبہ کرنا اور بتانا ہے کہ اپنی عظیم صلاحیتوں سے بہترین فائدہ اٹھاؤ، یہ صلاحیتیں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کرو اور وہاں سے یہ قبولیت کا شرف پا کر، چمک کر، نورانی بن کر پھر تمہیں واپس کی جائیں۔ان صلاحیتوں کو لے کر تم دنیا میں آگے بڑھو گے۔ان کو آپ بتائیں کہ تم نے دنیا سے ایک انتقام لینا ہے، اپنی ناکامی کا انتقام لینا ہے۔دنیا تم سے انتقام لے چکی ہے، تمہیں ناکام اور نامراد دکھا چکی ہے۔اب یہ انتقام تم صرف اسی صورت میں لے سکتے ہو کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام حسنہ لے کر اٹھو عالمی وحدت کا پیغام لے کر اٹھو۔عالمی خدمت کا پیغام لے کر اٹھو۔تمام دنیا اس خدمت کے نتیجے میں تمہارے قدموں میں آجائے گی۔لیکن محبت اور عشق کے ساتھ تمہارے قدموں میں آئے گی۔تمہارے جابر اور تمہاری وحشت اور تمہارے استبداد سے ڈر کر نہیں آئے گی۔یہ وہ دوسرا پیغام بھی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا پیغام ہے کہ جب آپ نے فرمایا۔ **سید القوم خادمهم** ۔تم اس نفسیات کو کیوں نہیں سمجھتے کہ حقیقی سردار قوم کا تو وہی ہوا کرتا ہے جو اس کی خدمت کرتا ہے۔جو اپنی سب صلاحیتیں قوم کے قدموں میں ڈال دیتا ہے۔ایسے سردار کے لئے قوم اپنا سب کچھ نچھاور کر دیتی ہے۔یہ واقعہ حضرت اقدس محمد رسول اللہؐ کے زمانے میں ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔اس شان سے یہ واقعہ ظاہر ہوا ہے کہ اس کی کوئی مثال تاریخ عالم میں آپ کو دکھائی نہیں دے گی۔حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اپنے غلاموں سے محبت کی ہے، جس طرح ان کی خدمت کی ہے، جس طرح ان سے شفقت کا سلوک فرمایا ہے، جس طرح پیار کا اظہار کیا ہے اس کے نتیجے میں ایک عظیم انقلاب وہاں برپا ہوا۔ایسی مائیں تھیں جن کے بچے شہید ہوئے، ایسی بہنیں تھیں جن کے بھائی شہید ہوئے، ایسی عورتیں تھیں بیوائیں تھیں جن کے خاوند شہید ہو گئے۔لیکن جب ان کو بتایا گیا کہ تمہارا بھائی شہید ہو گیا، تمہارا خاوند شہید ہو گیا، تمہارا بیٹا شہید ہو گیا تو

انہوں نے کہا کہ ہمیں کوئی پرواہ نہیں۔ وہ مرتے پھریں خدا کی قسم ہمیں یہ بتاؤ کہ محمد رسول اللہؐ زندہ ہیں کہ نہیں۔ پس یہ محمد رسول اللہؐ کے حسن کا جادو ہے جس نے چل کر دکھایا اور کوئی اور جادو اس کے مقابلہ پر نہیں کھڑا رہ سکتا۔ ہر جادو ٹوٹ گیا اور محمدؐ کا جادو جیتا ہے۔ یہی وہ جادو ہے جو آج بھی جیتے گا۔

نفرتوں سے بچنے کے لئے اسوۂ محمد مصطفیٰؐ اختیار کریں

احمدی مجھ سے پوچھتے ہیں اور جرمنی کے احمدی خصوصیت سے بعض دفعہ گھبرا گھبرا کر لکھتے ہیں کہ اس قوم میں وہ آثار پھر ظاہر ہو رہے ہیں جو نفرتوں کے آثار ہیں، جو نیشل برتری کے تصورات اس قوم میں کبھی پائے جاتے تھے وہ مرے نہیں۔ وہ کچلے ہوئے سانپ کی طرح جو ابھی زندہ ہو دوبارہ سر اٹھا رہے ہیں۔ کیا ہم نے صحیح فیصلہ کیا تھا کہ اس ملک میں آ کے پناہ لیں۔ اگر یہاں بھی ہم سے وہ سلوک ہوا تو پھر ہم کہاں جائیں۔ عملاً وہ مجھے یہ پیغام دیتے ہیں جیسے ایک شعر میں کہا گیا تھا کہ

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

وہ کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے ملک کو چھوڑا، اپنے وطن سے بے وطن ہوئے اس لئے کہ ایک اور وطن میں جہاں امن ہے، جہاں شانتی ہے، جہاں اعلیٰ اخلاقی قدریں پائی جاتی ہیں وہاں ہمیں پناہ ملے گی۔ مگر روز بروز ایسے واقعات ہو رہے ہیں، ایسے شور اٹھ رہے ہیں جن سے خطرہ محسوس ہو رہا ہے کہ اس قوم میں دوبارہ نفرتوں کے پیغام زندہ ہو رہے ہیں اور قوم دن بدن ان چیزوں کی طرف مائل ہو رہی ہے جس کا تصور کا خلاصہ ایک لفظ ہٹلر میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ میں ان سے کہتا ہوں کہ ایک ہی راہ ہے اور وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو اختیار کرنے کی راہ ہے۔ اس محبت کی راہ کو اختیار کریں جو محمد رسول اللہ نے اپنے دشمنوں سے کی تھی۔ اس محبت کی راہ کو اختیار کریں جو دشمنوں کو محبت کرنے والا بنا دیا کرتی ہے۔ یہ وہ اسوہ ہے جو جیتا تھا اور ہمیشہ جیتنے کے لئے بنایا گیا ہے۔ خدا کی قسم آسمان اور زمین ٹل جائیں لیکن محمد مصطفیٰؐ کے اسوہ کا اثر کبھی ٹل نہیں سکتا۔ پس اس اسوہ کی پناہ میں آ جائیں آپ دنیا سے بے خوف ہو جائیں گے۔ یہ وہ پناہ ہے پناہِ محمدیت۔ جس کو نصیب ہو جائے اسے کوئی دشمن کی زد پہنچ نہیں سکتی۔ آپ نے ان کو بچانا ہے۔ آپ اپنا خوف کیا کر رہے ہیں ان کے لئے خوفزدہ ہوں جو دوبارہ گمراہی کے رستوں پر چل پڑے ہیں۔ آپ ہیں جنہوں نے ان کو پناہ دینی ہے۔ آپ ہیں جنہوں نے ان کو بچانا ہے اور یہی احسان کا بدلہ

بہتر احسان کے ساتھ آپ نے ادا کرنا ہے۔ آپ اس قوم میں آئے نہتے ہو کر، بھکاری بن کر، بے سروسامان یہاں پہنچے انہوں نے دنیا کے لحاظ سے آپ کو پناہ دی، آپ کی ضرورتیں پوری کیں لیکن یاد رکھیں آپ محسن اعظم کے غلام ہیں۔ آپ زیر احسان رہنے کے لئے نہیں بنائے گئے۔ آپ نے ہر احسان کا بہتر بدلہ لازماً ادا کرنا ہے۔ پس اس قوم کی پناہیں بن جائیں، ان کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلعوں میں پناہ دیں۔ حسن محمدؐ کی دیواریں ان کے گرد کھڑی کردیں اور ان کو تمام دنیا کی بداخلاقیوں سے نجات بخشیں۔ تب یہ رویا بڑی شان کے ساتھ پوری ہوگی جس میں حضرت مصلح موعود نے ۱۹۴۵ء میں دیکھا تھا کہ ہٹلر احمدی ہوگیا ہے۔ ہٹلر ضرور احمدی ہوگا۔ کوئی دنیا کی تقدیر اس فیصلے کو اب نہیں بدل سکتی۔ آپ کے ذریعے ہو، میں یہ چاہتا ہوں۔ آپ اپنی آنکھوں سے دیکھیں۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھوں کہ خدا نے آپ کو یہ اعزاز بخشا ہے۔

عصمت کی حفاظت

دوسرا خصوصی پیغام جو اس رؤیا میں دیا گیا ہے وہ عصمت کی حفاظت کا پیغام ہے۔ ان قوموں میں جنسی بے راہ روی اس تیزی سے راہ پا رہی ہے کہ اب تو راہوں کی ضرورت نہیں اب تو سیلاب بن گیا ہے۔ سیلاب تو رستوں کی تلاش نہیں کیا کرتا وہ بند توڑ کر رستے بنالیا کرتا ہے۔ آج جنسی بے راہ روی کی راہ سیلاب کی طرح ان قوموں میں پھیل گئی ہے۔ کوئی گھر کی دیوار اتنی طاقتور نہیں کہ اس سیلاب سے اپنے رہنے والوں کو بچاسکے۔ کسی قلعے کی دیوار ایسی نہیں جو اس سیلاب کی راہ میں روک بن سکے۔ آپ نے اس پہلو سے جیسا کہ رؤیا میں پیغام دیا گیا ہے ان کو آپ نے پاک باطن اور پاک سیرت بنانا ہے۔ اور یہ تب ممکن ہے کہ اگر آپ ایسا ہوں۔ اگر آپ کی عورتیں ان کی طرح معاشرے کے نام پر اور کلچر کے نام پر بے حیائیاں شروع کردیں۔ ویسے لباس پہننے لگیں، ویسے لباس اتارنے لگیں، اپنی زینت کو نمائش کے طور پر ان کو دکھاتی پھریں، اگر ان کی عورتوں کو بے راہ روی سے بچانے کے لئے ایک پاک نمونہ نہ دکھائیں اور ان کے نمونے کے پیچھے چل پڑیں تو پھر کیسے یہ انقلاب برپا ہوگا۔ پھر (مومن) عورت کی عزت ان کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہ سکتی۔ مردوں نے بھی ایک عظیم کردار ادا کرنا ہے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ مردوں کو کھلی چھٹی ہو۔ وہ جو چاہیں باہر کرتے پھریں اور گھر میں آکر یہ توقع رکھیں کہ ان کی بیوی نیک سیرت باعصمت بیوی ہو۔ ان کی بچیاں عصمت والیاں ہوں اور پاک باز ہوں اور خود ان کو چھٹی ہو جو چاہے کریں۔ جو مرد آزاد منش ہیں جو دنیا میں

جا کر مختلف قسم کی عیش و عشرت کی پیروی کرتے ہیں اور گھروں سے توقع رکھتے ہیں کہ ان کی بیویاں نیک بیویاں ہوں وہ جھوٹی خوابوں میں بس رہے ہیں۔ ایسا نہیں ہوا کرتا۔ انسانی فطرت کے خلاف ہے۔ قرآن کریم نے اس مضمون کو یوں بیان فرمایا۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ وَالطَّيِّبٰتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبٰتِ (النور:27)

کیسا مضبوطی کے ساتھ پاک باز عورتوں کا پاک باز مردوں کے ساتھ رشتہ باندھا گیا ہے اور خبیث عورتوں کا خبیث مردوں کے ساتھ رشتہ باندھا گیا ہے۔ بہت گہرا فلسفہ تربیت کا ہمارے سامنے کھول کر پیش فرمادیا۔ پس مردوں کو اپنی عصمتوں کی حفاظت کرنی ہوگی پھر ان کے گھروں کی عصمتوں کی حفاظت کرنی ہوگی۔ پھر دونوں مل کر اس قوم کو عصمت کا پیغام دیں گے اور عصمت کا پیغام عصمت کے نیک نتائج دکھا کر دیں۔ پھر وہ دکھا سکتے ہیں ان کو کہ آپ کیسے امن کی زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کس طرح آپ کے گھر محفوظ اور مامون ہیں اور جنت کا نشان بنے ہوئے ہیں۔ کس طرح آپ کے بچے اس پاکیزہ ماحول سے وابستہ ہیں اور ان کو دنیا کی کوئی پرواہ نہیں۔ یہ پاک نمونے ہیں جن کی اس قوم کو شدید ضرورت ہے۔ نام تو یہ جنسی آزادی کا لیتے ہیں لیکن دل ان کے بے چین ہیں۔ جانتے ہیں کہ گھر ٹوٹ رہے ہیں، جانتے ہیں کہ خود بچوں کی عصمتیں ان کے ماں باپ کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہیں۔ جانتے ہیں کہ ہر جگہ بدامنی ہے اور بے قراری اور بے چینی پائی جاتی ہے۔ پس آپ امن کے گھر بنائیں۔ ایسے امن کے گھر بنائیں جن گھروں میں پناہ لینے کی ان کے دلوں میں شدید تمنا پیدا ہو اور ان کو یہ گھر بنانا سکھا دیں۔ ان کو متوطن بنائیں۔ تہذیب کے متوطن بنائیں۔ ایسے وطن بخشیں جن میں تہذیب بستی ہے، جن میں امن بستا ہے، جن میں خدا کی محبت بستی ہے۔

یہ وہ دو پیغام ہیں جو میں آج آپ کو دیتا ہوں کیونکہ وقت بہت نازک ہے، بہت تیزی سے عظیم انقلابات برپا ہو رہے ہیں۔ اگر جرمنی کو آپ سنبھال لیں یعنی اللہ کے فضل و رحمت کے ساتھ دعاؤں کے ساتھ اور ان دو نصیحتوں پر عمل کرتے ہوئے جو میں نے آپ کے سامنے کی ہیں تو میں آپ کو بتاتا ہوں کہ جرمن قوم اس قابل ہے کہ سارے یورپ کو ہی نہیں ساری دنیا کو سنبھال سکتی ہے۔ یہ انتقام ہے جس کی طرف میں ان کو بلاتا ہوں۔ پہلے انہوں نے دنیا پر جبر کی حکومت طاری کرنے کی کوشش کی اور نامراد رہے۔ اگر محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی اختیار کرتے ہوئے اسوۂ محمدؐ کے ذریعے دنیا پر حکومت کرنے کے لئے آگے بڑھیں گے تو خدا کی قسم ساری دنیا کو فتح کرنے کی صلاحیت اس قوم میں موجود ہے۔

پس یہ پیغام تھا جو میں نے آپ تک پہنچا دیا۔ میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ تعالیٰ آپ اس پیغام پر

عمل کریں گے اور جیسا کہ میں آثار دیکھ رہا ہوں آپ کے اندر نیکی کی صلاحیت موجود ہے۔ جیسا کہ نمازوں میں مَیں نے دیکھا کہ چند سالوں سے مَیں زور دے رہا تھا کہ عبادت کی طرف توجہ کریں۔ آپ نے بڑے اخلاص اور فدائیت کے ساتھ اس نیک اثر کو قبول فرمایا اور اپنے اعمال میں پاک تبدیلی پیدا کی۔ کثرت سے مجھے احمدی مردوں، بچوں، عورتوں نے خط لکھے اور ملاقاتوں میں بتایا کہ قبل ازیں ہم نمازوں سے غافل تھے مگر آپ کی توجہ دلانے کے نتیجے میں اللہ کے فضل سے ہر گھر میں اب نمازیں ادا ہو رہی ہیں۔ نمازوں پر قائم رہیں، دعائیں کرتے رہیں۔ یہ ساری کامیابیاں آپ کے مقدر میں ہیں۔ یہ سہرے آپ کے سر پر باندھے جائیں گے اس ساری قوم کے ذریعے دنیا میں جو عظیم روحانی انقلاب برپا ہوں گے خدا آپ کو ان انقلابات کا سردار بنادے۔ کتنی عظیم خوشخبریاں ہیں جو آپ کے حق میں دی گئی ہیں۔ خدا کرے یہ خوشخبریاں پوری ہوں اور ہم اپنی آنکھوں سے ان کو پورا ہوتے دیکھیں۔............

✵

خطبہ جمعہ فرمودہ 21 اکتوبر 1994ء سے اقتباس

☆ لاس اینجلس کی جماعت سے متعلق میں اچھے تاثرات لے کر آیا ہوں
☆ اگلی نسلوں کو محفوظ رکھنے کا طریق کہ خاندانوں کے تعلقات (دینی) اقدار کے مطابق باندھے جائیں
☆ امریکہ کی جماعت کو باقاعدہ منصوبہ بنا کر اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہیے
☆ ان لوگوں کی نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کا روشن ماضی بتائیں
☆ قادیان کا جنت نظیر ماحول

⚜

تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

اس دفعہ یونائیٹڈ سٹیٹس اور کینیڈا کے سفر کے دوران مجھے یہاں پانچ جمعے ادا کرنے کی توفیق ملی اور یہ اس سلسلے کا آخری جمعہ ہے جو میں یہاں آج نیویارک میں ادا کرنے کی توفیق پا رہا ہوں۔ مختلف موضوعات پر مختلف جمعوں میں میں نے خطاب کیا۔ دو کینیڈا میں ادا ہوئے اور آج تیسرا یہ ہے اس کو شامل کر کے تین یونائیٹڈ سٹیٹس میں۔

سفر کے تاثرات

آج کے خطبے کے لئے پہلے تو مختصراً میں اپنے تاثرات آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں میرے سفر کا آغاز لاس اینجلس سے ہوا اور پھر اس کے بعد مجھے سان فرانسسکو جانے کا موقع ملا اور پھر سیٹل کی جماعت کے ساتھ کچھ گھنٹے گزارنے کی توفیق ملی اور اس کے بعد پھر کینیڈا کا سفر ہوا۔ لاس اینجلس کی جماعت سے متعلق میں **بہت اچھے تاثرات لے کر آیا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر شعبے میں، ہر پہلو سے وہاں زندگی کے آثار پہلے سے نمایاں تر ہو چکے ہیں۔** (دعوت الی اللہ) بھی وہ نہایت سنجیدگی اور لگاؤ کے ساتھ کر رہے ہیں اور بہت سے احمدی ہیں جو داعی الی اللہ بن کر ہر پہلو سے خدمت کے کاموں میں مگن ہیں اور جو احباب ان کے تعلق میں ملنے کے لئے آتے رہے ان کے چہروں سے صاف عیاں تھا کہ ان پر ایک عرصے تک محنت ہو چکی ہے۔ بعض دفعہ داعین الی اللہ محض رجسٹر پر نام لکھوا دیتے ہیں اور محنت نہیں کرتے وہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے۔ جب مجالس سوال و جواب میں ایسے داعین الی اللہ کے محنت کر کے اکٹھے کئے ہوئے لوگ وہاں پہنچتے ہیں تو ان کی طرز سے ان کی آنکھوں سے ان کی اداؤں سے صاف پتہ چلتا ہے کہ پہلے اِن پر کوئی کام نہیں ہوا۔ ان کے سوالات بھی اسی نوعیت کے ہوتے

ہیں لیکن وہ جن پر کام ہو چکا ہو ان کے اندر تبدیلی کے آثار ظاہر ہو چکے ہوتے ہیں۔ ان کے چہروں پر وہ سعادت کا نور آجاتا ہے جو نور کے قریب ہونے سے طبعاً ظاہر ہونا چاہیے اور وہ پاک علامتیں ظاہر ہوتی ہیں جن کے نتیجے میں ان کے لئے بے اختیار دل میں محبت پیدا ہوتی ہے اور بہت سے ایسے لوگ عملاً پکا ہوا پھل ہوتے ہیں ایسے موقع پر ان کو بہانہ چاہیے اور وہ پھر بہت جلد احمدیت کی آغوش میں آجاتے ہیں۔ پس اس پہلو سے **لاس اینجلس میں مجھے خدا تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ محنت دکھائی دی اور جو احمدی اس علاقے میں ہوئے** ان کے اندر پختگی کے آثار بھی تھے اور آئندہ بہت نیک ارادے ظاہر کر رہے تھے لفظوں میں بھی اور ان کی اداؤں سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ اس بات میں سنجیدہ ہیں کہ آئندہ وہ اپنے علاقے میں، اپنے ماحول میں، اپنے گردوپیش میں بکثرت احمدیت کا پیغام پہنچائیں گے اور بہت گہرا اطمینان ان کے اندر دکھائی دیتا تھا۔ پس اس پہلو سے دعوت الی اللہ کے کام میں خدا کے فضل سے لاس اینجلس میں جو نمونہ قائم ہو چکا ہے اور ہو رہا ہے ابھی بہت کام ہونے والا ہے اس سے کسی حد تک اطمینان ہوا کہ امریکہ کی سرزمین بھی انشاء اللہ آئندہ دعوت الی اللہ کے کاموں میں زیادہ تیز رفتاری سے آگے قدم بڑھائے گی۔

آئندہ نسلوں کی حفاظت

دوسری جگہوں میں ایسا کوئی نمایاں نظارہ دیکھنے میں نہیں آیا۔ لیکن ایک اور بات جس سے میں عموماً مطمئن ہوا ہوں اور اس میں محض لاس اینجلس کا اعزاز نہیں بلکہ عمومی طور پر امریکہ کے دورے کے دوران کیونکہ خدا تعالیٰ کے فضل سے مجھے بکثرت احمدی خاندانوں سے ملنے کی توفیق ملتی رہی ہے اور سینکڑوں خاندانوں کے ہزار ہا افراد سے بچوں، بڑوں، جوانوں سب سے گفتگو ہوئی اور بعض جگہ چونکہ وقت تھوڑا تھا، ویسے توفیق نہیں ملتی مگر اکثر جگہ بیٹھ کر ایک دوسرے سے ایک دوسرے کی دلچسپی کی باتیں کرنے کا موقع ملا۔ اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے جو سب سے خوشکن بات مجھے اس دفعہ معلوم ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ ایفرو امریکن نوجوان نسل میں پہلے سے بہت بڑھ کر جماعت سے تعلق پیدا ہوا ہے۔ اس سے پہلے میں ہمیشہ یہ شکوہ لے کر واپس جایا کرتا تھا کہ پہلی نسل کے مخلصین تو اسی طرح قائم ہیں مگر آگے اپنی آئندہ نسلوں میں انہوں نے احمدیت کی اقدار کو بڑھایا نہیں اور يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۔ (الحشر:19) کے پیغام کو نہ سمجھا نہ اس پر عمل کیا۔ چنانچہ بکثرت ایسے خاندان میرے علم میں

آتے رہے جن کے بڑے تو اسی طرح اخلاص میں قائم رہے مگر نسلیں ہاتھوں سے پھسل گئیں اور واپس دنیا داری کی طرف لوٹ گئیں۔

بعض ایسے بھی واقعات ہوئے جو بہت تکلیف دہ تھے کہ اگر عیسائیت سے وہ خاندان آیا تو اگلی نسل رفتہ رفتہ سرکتی ہوئی واپس عیسائیت میں چلی گئی۔ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ باشعور طور پر انہیں اپنے ساتھ لگائے رکھنے کی کوشش نہیں ہوئی۔ اور جو خاندانی تعلقات کے (دینی) تصورات ہیں ان کے مطابق خاندانی تعلقات کو ڈھالا نہیں گیا ورنہ یہ ناممکن ہے کہ ماں باپ (دینی) قدروں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے بچوں سے پیار اور تعلق رکھیں، انہیں اپنے قریب کریں اور اپنے گھروں کو ان کی دلچسپیوں کا مرکز بنائیں اور پھر بھی وہ بچے سرک کر باہر نکل جائیں، یہ فطرت کے خلاف بات ہے اور امر واقعہ یہ ہے کہ کیسی ہی زہریلی سوسائٹی کیوں نہ ہو **جہاں خاندانوں کے تعلقات (دینی) اقدار کے مطابق باندھے جاتے ہیں اور انہیں قائم رکھا جاتا ہے وہاں اگلی نسلیں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ محفوظ رہتی ہیں** اور باہر سے زیادہ ان کا دل گھر میں لگتا ہے۔ پس اس پہلو سے میں نے دیکھا ہے کہ امریکہ میں بہت ہی اچھے آثار ظاہر ہو رہے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے بچے بھی جو امریکن بچے یعنی پاکستان سے آ کر بسے ہوئے امریکن نہیں بلکہ یہیں کی زمین کی پیداوار اور یہیں پلنے والے بچے اللہ کے فضل سے ایسا گہرا تعلق رکھنے لگ گئے ہیں کہ ان کو دیکھ کر حیرت ہوتی تھی اور ان کی محبت آئندہ (دین حق) کے خوش آئند مستقبل کی ضمانت دے رہی تھی۔ پس اس پہلو سے ابھی ہمیں اور کام کرنے کی ضرورت ہے احمدی خاندانوں میں جو باہر سے آ کر یہاں بسے ہیں ان میں بھی مزید اس پہلو سے اصلاح کی ضرورت ہے۔ بہت سے بچے میں نے ان میں سے ایسے دیکھے ہیں جن کی نظروں میں غیریت آ چکی تھی۔ جن میں معلوم ہوتا تھا کہ وہ مل کر کچھ اثر قبول کر رہے ہیں لیکن ماں باپ کے دباؤ کے نیچے یا مشوروں کے مطابق منت سماجت کے نتیجے میں وہ اس موقع پر پہنچ گئے ہیں مگر خود دل کے شوق سے نہیں آئے اور ان کی اجنبیت ان کے لباس، ان کے رنگ ڈھنگ، ان کے اٹھنے بیٹھنے، ان کے دیکھنے کی طرز سے بالکل ظاہر ہوتی تھی۔ تو ایسے موقعوں پر میں کوشش تو کرتا ہوں کہ ان سے ذاتی تعلق قائم ہو اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان کی آنکھوں میں بسا اوقات ملاقات کے ختم ہونے سے پہلے پہلے ہی پاک تبدیلیاں دکھائی دینے لگتی ہیں۔ **مگر یہ چند لمحوں کا کام نہیں اس کے لئے لمبی محنت کی ضرورت ہے،** حکمت کی ضرورت ہے۔

وہ ماں باپ جو اپنے بچوں سے پیار ہی نہیں عزت کا سلوک بھی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی نظم وضبط کو بھی قائم رکھتے ہیں وہی ہیں جو کامیاب ہیں اور جن کے متعلق کسی حد تک اطمینان سے کہا جا سکتا ہے کہ وہ آئندہ اچھی نسل آگے بھجیں گے اور اطمینان کے ساتھ خدا کے حضور لوٹیں گے کہ ہماری نسلیں بھی انہی قدروں پر قائم ہیں جو قدریں ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے ورثے میں پائی تھیں۔ پس اس پہلو سے جواب زیادہ قابل فکر پہلو یہ ہے کہ جو باہر سے آکر یہاں آباد ہوئے ہیں اور بہت بڑی تعداد ایسوں کی ہے جن کے اقتصادی معیار پہلے بہت چھوٹے تھے اور یہاں آکر دنیاداری کے اثرات ان کے چہروں پر دکھائی دینے لگے ہیں۔ بچوں ہی میں نہیں، بعض دفعہ بڑوں میں بھی میں نے دیکھا بعض خواتین آئی ہیں جو ساری عمر ربوہ میں پلنے والی، وہاں پردوں کی پابندی اور حیادار یہاں آتے ہی ان کو پردے سے حیا ہوگئی ہے بجائے غیروں سے حیا کے۔ اور برقع معلوم ہوتا تھا وقتی طور پر مجھے دکھانے کے لئے استعمال ہؤا ہے اور جب باہر موقع ملا جانے کا برقع اتارا اور بغل میں دبایا اور پھر اسی دنیا میں واپس لوٹ گئیں جہاں سے عارضی طور پر چھٹی لے کر ملنے آئی تھیں۔ یہ نظارے بہت ہی تکلیف دہ ہیں میں ان لوگوں کے ماں باپ کو بھی جانتا ہوں۔ غریبانہ زندگی مگر بہت ہی اخلاص تھا اور اخلاص کے نتیجے میں وہ روحانی طور پر بہت امیر لوگ تھے۔ تو جو دولت رکھنے کے لائق تھی وہ تو پھینک دی اور جو بے اعتنائی کے لائق تھی اس کے غلام بن گئے یہ کوئی اچھا سودا نہیں ہے۔ اس پہلو سے میں سمجھتا ہوں کہ جماعت امریکہ کو باقاعدہ منصوبہ بنا کر **مزید اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہیے اور ان لوگوں کو اپنے آباؤ اجداد کی یادیں زندہ رکھنے میں مدد دینی چاہیے**۔ یہ ایک بہت ہی اہم کام ہے جس کی طرف میں نے ایک دفعہ افریقہ کے دورے میں توجہ دلائی تھی اور بعض ملکوں نے اس پر عمل درآمد بھی کیا اور بہت فائدہ پہنچا۔

ان لوگوں کو ان کے آباؤ اجداد کا روشن ماضی بتایا جائے

یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان خاندانوں کو جو بہت بزرگ لوگوں کی اولاد تھے۔ مشہور نہیں بھی تھے تو بزرگ تھے۔ سادہ، غریبانہ کپڑوں میں پھرنے والے اہل اللہ لوگ تھے۔ جن کی دعائیں قبول ہوتی تھیں۔ جن پر دن رات اللہ تعالیٰ کی قربت کے نشان اترا کرتے تھے۔ ان لوگوں کی نسلوں کو ان کے آباء واجداد کا روشن ماضی بتائیں تاکہ اس روشنی سے کچھ حصہ لے کر ان کا حال روشن ہو جائے۔

ہم میں سے وہ لوگ جو پاکستان سے یہاں آباد ہوئے ہیں وہ بھی اور وہ لوگ بھی جو یہاں (دین حق)

میں داخل ہوئے ہیں وہ بھی اپنا بہت شاندار ماضی ضرور رکھتے ہیں۔ کیونکہ بہت سے افریقن احمدی اور بعض ان میں سفید رنگ کے، سفید فام احمدی بھی ہیں انہوں نے خود (دینِ حق) قبول نہیں کیا ان کے آباؤ اجداد نے قبول کیا اور اس کے نتیجے میں انہوں نے قربانیاں بھی دیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت معجزے بھی دیکھے۔ چنانچہ ان بزرگوں کی یاد کو تازہ رکھنا اور بار بار یاد دلاتے رہنا یہ کام ایک منظّم کوشش کو چاہتا ہے اس پہلو سے یہاں کے جو رسائل ہیں ان میں یہ ذکرِ خیر جاری رہنا چاہیے اور آئندہ نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کی باتیں بتاتے رہنا چاہیے کہ انہوں نے کس قیمت پر احمدیت حاصل کی تھی اور کیسی کیسی قربانیاں اس راہ میں دی تھیں۔ بہت سے ایسے خاندان میری نظر میں ہیں جن میں یہ کمزوریاں واقع ہوئی ہیں لیکن ان کے آباؤ اجداد نے بہت عظیم الشان قربانیاں دین کو حاصل کر کے اس کو قائم رکھنے کے لئے دیں اور تمام عمر وہ یہ قربانیاں پیش کرتے رہے۔ ان کی روحوں کو اگر طمانیت پہنچانی ہے اگر ان سے محبت ہے، ان کے احسانات کا حق ادا کرنا ہے تو سب سے اعلیٰ طریق یہ ہے کہ انہی کی قدروں کو اپنی ذات میں زندہ رکھیں۔ **ایک نسل جو آ کر گزر جاتی ہے وہ کبھی نہیں مرتی اگر ان کی خوبیاں اگلی نسل میں زندہ رکھی جائیں اور ان کی حفاظت کی جائے۔** مرتے وہ لوگ ہیں جن کی قدریں ان کے ساتھ مر جاتی ہیں اور قدروں کے ساتھ ہی عزتیں وابستہ ہوتی ہیں، قدروں کے ساتھ ہی محبتیں وابستہ ہوتی ہیں۔ اگر ایک انسان غریب ماں باپ کا بیٹا ہو اور ترقی کر جائے اور ماں باپ کی قدریں کھو بیٹھا ہو تو وہ ماں باپ اس پر بوجھ بن جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ان کے ساتھ میرا میل جول، لوگوں کا دیکھنا کہ میرے ماں باپ کس زمانے کے لوگ ہیں، کیسا رہن سہن ہے، میرے لئے شرمندگی کا موجب ہوگا کیونکہ ان کی نظر میں دنیا کی قدریں بچ جاتی ہیں اور ماں باپ کے اعلیٰ اخلاق اور اُن کے روحانی مقامات ان کی نظر میں کوئی حقیقت نہیں رکھتے۔ **وہ جن کی نظر میں یہ حقیقت رکھتے ہیں ان کو دنیا کی نظروں کی کوئی پرواہ نہیں ہوتی کیونکہ وہ ان قدروں سے وابستہ ہوتے ہیں۔** وہ بڑی عزت اور محبت اور احترام سے ان لوگوں کو، اپنے بزرگوں کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہیں اور ان کی عزت کی وجہ سے دنیا بھی ان کا بہت احترام کرتی ہے۔ ان کی غربت اور سادگی دنیا کو انہیں چھوٹا نہیں دکھاتی بلکہ اور بڑا کر کے دکھاتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ عظمت نہ کپڑوں سے وابستہ ہے، نہ دولت سے وابستہ ہے۔ اعلیٰ اقدار ہی سے وابستہ ہے اور اہلِ نظر پہچانتے ہیں اور جانتے ہیں کہ کون سی باتیں قدر کے لائق ہیں۔ اس لئے بعض دفعہ بعض احمدی خاندان بے وجہ خوبیوں سے شرمندہ ہوتے پھرتے ہیں اور بدیوں کو اعزاز سمجھتے ہیں جبکہ دنیا والے جانتے ہیں کہ خوبیاں ہی قابلِ قدر ہیں اور قابلِ احترام ہیں۔ مجھے یاد ہے قادیان میں

جب باہر سے بعض معززین آیا کرتے تھے یعنی دنیا کے لحاظ سے بڑے لوگ وہ مطالعہ کے لئے آتے تھے سب سے زیادہ وہ قادیان کی سادگی اور غریبانہ زندگی سے متاثر ہوتے تھے اور حقیقت میں کبھی اگر گدڑیوں میں لعل دکھائی دیتے تھے تو قادیان کا وہ زمانہ تھا جس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے (رفقاء) ان گلیوں میں پھرتے اور پرانی اقدار کا نور لئے پھرتے تھے جس سے وہ گلیاں روشن دکھائی دیتی تھیں۔ وہ عجیب زمانہ تھا۔

بزرگوں کی یاد تازہ رکھنا اور بار بار یاد دلاتے رہنا ایک منظّم کوشش چاہتا ہے

میں نے بارہا دیکھا کہ کہ باہر سے آنے والے ایک رات بعض دفعہ گزار کر جاتے تھے ان کی کایا پلٹ جاتی تھی ایک دفعہ میرے گورنمنٹ کالج کے ایک دوست جو میرے ساتھ وہاں رہتے تھے جماعت میں اگر کوئی دلچسپی تھی تو میری وجہ سے ایک تعلق تھا مگر دل میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی کہ گویا وہ جماعت کی بحیثیت جماعت قدر کریں اور عزت کریں۔ وہ سمجھتے تھے ایک شخص ہے بس اس سے تعلق ہے۔ ایک دفعہ ان کو میں نے قادیان بلایا اور غالباً ایک دو راتیں ٹھہرے ہیں وہاں اور جاتی دفعہ ان کی آنکھوں میں آنسو۔ کہتے تھے مجھے تو دنیا میں جنت کا آج پتہ لگا ہے کیا ہوتی ہے۔ اور وہ غریب لوگ تھے جو بسنے والے، وہاں کوئی شان و شوکت نہیں تھی یہ اس زمانے کی بات ہے جبکہ قادیان میں گنتی کی دو یا چار کاریں ہوں گی اور وہ بھی جب نکلتی تھیں تو احتیاط سے چلا کرتی تھیں کہ لوگوں پر گرد نہ پڑے۔ سڑکیں بھی ٹوٹی پھوٹی، گڑھوں والی اور غریبانہ زندگی، لیکن عظمت کردار نمایاں تھی اور وہ گلیاں دن کو بھی روشن رہتی تھیں، رات کو بھی روشن رہتی تھیں اور ان میں بھی کبھی کوئی جھجک پیدا نہیں ہوئی دنیا کے سامنے بڑی عزت سے سر اٹھا کر چلتے تھے اور جانتے تھے کہ یہی قدریں ہیں جو تحسین کے لائق ہیں باقی دنیا بے چاری محروم ہے۔ وہ تکبر سے عاری تھے باقی دنیا کو حقارت سے نہیں دیکھا کرتے تھے عزت سے ملتے تھے، جھک کر ملتے تھے مگر ان سے متاثر ہو کر نہیں، اپنی اعلیٰ قدروں کی وجہ سے، جنہوں نے انہیں انکسار بھی سکھایا اور بتایا کہ یہ اعلیٰ قدریں تکبر پیدا کرنے کے لئے نہیں بلکہ انکسار پیدا کرنے کے لئے ہیں۔

پس (دینی) قدریں ایک ایسی اعلیٰ دولت ہے جیسا کہ مسیح موعود علیہ السلام نے لکھا ہے کہ (دین حق) نے جو خدا کا تصور پیش کیا ہے یہ اس لائق ہے کہ جان دے کر بھی ملے تو لیا جائے۔ یہ ایک انمول خزانہ ہے پس احمدیت کچھ تو عقائد سے وابستہ ہے اور وہ عقائد بھی اللہ کے فضل سے روشن اور زندہ رہنے والے اور

غالب آنے والے ہیں۔لیکن کچھ قدروں سے وابستہ ہے جو ہماری ذات میں زندہ رہتی ہیں۔ان قدروں کو زندہ رکھیں گے تو آپ کے عقائد میں دنیا دلچسپی لے گی ورنہ عقائد کیسے ہی روشن اور مضبوط اور دلائل میں قوی کیوں نہ ہوں۔دلائل کے قوی سہارے کیوں نہ رکھتے ہوں عقائد کی طرف توجہ نہیں جایا کرتی جب تک ان عقائد کے رکھنے والوں کے عظیم کردار کو انسان مشاہدہ نہ کرے پس اس پہلو سے یہ بہت ضروری ہے کہ ہم ان خاندانوں کو جو بہت بزرگ لوگوں کی اولاد تھے۔مشہور نہیں بھی تھے تو بزرگ تھے سادہ غریبانہ کپڑوں میں پھرنے والے اہل اللہ لوگ تھے جن کی دعائیں قبول ہوتی تھیں جن پر دن رات اللہ تعالیٰ کی قربت کے نشان اترا کرتے تھے ان لوگوں کی نسلوں کو ان کے آباؤ اجداد کا روشن ماضی تو بتائیں تا کہ اس روشنی سے کچھ حصہ لے کر ان کا حال روشن ہو جائے اور وہ اس دنیا کے اندھیروں کو اس مستعار روشنی کے ذریعے روشن کر سکیں۔اللہ تعالیٰ اس کی توفیق عطا فرمائے اگر یہ جماعت نے منظّم کوشش نہ کی تو مجھے ڈر ہے کہ یہاں کا معاشرہ ایسا ہے یہاں کی تہذیب ایسی ہے کہ لوگ سرکتے سرکتے، رفتہ رفتہ دور ہٹنے لگیں گے اور بہت نہیں تو کم سہی مگر ہیں ضرور جو ہٹ چکے ہیں اور جہاں ماں باپ کی نظریں بدلیں وہاں اولاد کی نظریں اور زیادہ بدل جاتی ہیں پس ان قدروں کی حفاظت کے لئے آپ جتنی بھی توجہ کریں گے کم ہے۔اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے..................۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 16 تا 22 دسمبر 1994ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 4 نومبر 1994ء سے اقتباس

☆ حضور کا ذیلی مجالس کے اجتماعات کے متعلق دستور کہ افتتاح امیر صاحب سے کروایا جاتا ہے

☆ انصار ہوں یا لجنات ہوں یا خدام ہوں، ہمیشہ اس بات کو مدنظر رکھیں کہ سالانہ تربیت کے معیار کو بڑھائیں

☆ تحریکِ جدید کے دفاتر کے قیام کی غرض اور الگ الگ دفتر کے اعداد و شمار....

☆ تحریک جدید کے ساٹھ سالہ دور میں ایک بھی سال ایسا نہیں آیا جبکہ جماعت اس قربانی سے تھک گئی ہو

⚜

تشہد ،تعوّ ذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے سورۃ البقرہ کی یہ آیت تلاوت فرماتے ہوئے فرمایا۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍ ۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَاوَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ۔
(البقرہ:266)

......آج مجلس انصاراللہ یو۔ کے کا تین روزہ سالانہ اجتماع اسلام آباد میں ہورہا ہے اوران کی طرف سے یعنی صدر صاحب انصاراللہ کی طرف سے گزشتہ ہفتہ دس دن سے مسلسل مجھ پر دباؤ رہا ہے کہ میں اسلام آباد جاکر افتتاح کروں اور مسلسل میں اس کا انکار کرتا رہا ہوں۔لیکن وہ بھی ماشاء اللہ دھن کے پکے ہیں اچھے دعا گو ثابت ہوں گے مگر میں نے واضح طور پر عرض کیا بار بار کہ یہ نہیں ہوگا پھر بھی ماشاء اللہ انہوں نے اپنی اس نیک کوشش کو ترک نہیں کیا اور یہ جو انہوں نے ضد لگائی تھی دراصل وہی وجہ ہے جو میں خصوصیت سے ان کی بات کا انکار کرتا رہا ہوں۔

ذیلی مجالس کے اجتماعات اور خلیفۃ المسیح کی شمولیت

میرا سابقہ دستور ہے جو سب مجالس کے علم میں ہے کہ یو۔ کے میں جتنے بھی ذیلی مجالس کے اجتماعات ہوتے ہیں ان کا افتتاح مَیں امیر صاحب یو۔ کے سے کرواتا ہوں اور اگر وہ نہ ہوں تو ہمارے امام صاحب جو نائب امیر بھی ہیں اور دوسری تقریبات میں مَیں حصہ لیتا ہوں۔تو اول تو میں کسی وجہ سے اس دستور کو بدلنا نہیں چاہتا تھا ورنہ ہر مجلس کی طرف سے مجھ پر یہی دباؤ ہوگا اور یہی مطالبہ ہوگا کہ انصاراللہ کے اجتماع میں آپ نے اس دستور کو بدلا ہے تو ہمارے معاملہ میں کیوں یہ سوتیلے پن کا سلوک ہے۔ایک تو یہ وجہ تھی۔ دوسرے یہ کہ ان کا اصرار اس لئے تھا کہ وہ مجھ سے زیادہ اپنے اجتماع کی حاضری بڑھانا چاہتے تھے اور یہ اطلاع دے بیٹھے تھے سب کو کہ ضرور جمعہ سے پہلے پہنچ جائیں کیونکہ خلیفۃ المسیح افتتاح کریں گے۔ یہ

درست ہے کہ اگر کسی مجلس میں خلیفۃ المسیح شامل ہوں پہلے بھی یہی رہا ہے آئندہ بھی یہی رہے گا تو ظاہر بات ہے کہ اس سے اجتماع کی حاضری بڑھ جاتی ہے لیکن اسے حاضری کو بڑھانے کا ذریعہ بنا کر سالانہ رپورٹ کا معیار بڑھانا یہ جائز نہیں۔ **خدام کی حاضری ہو، لجنات کی ہو یا انصار کی ہو وہ سال بھر کی کوششوں کا آئینہ دار ہونی چاہیے۔** اگر تمام سال کوشش کر کے مجلس انصار اللہ میں ایک مستعدی پیدا کر دی جائے اور جماعت کے کاموں میں حصہ لینے کا ذوق شوق بڑھایا جائے اور اس طبعی جوش اور ولولے کے نتیجے میں لوگ کثرت سے اجتماعات میں شامل ہوں تو اچھی بابرکت بات ہے اور قابل تحسین ہے۔ مگر یہ نہ ہو تو خلیفہ وقت کو ذریعہ بنا کر اس دن کی حاضری بڑھانا یہ کوئی نیک، اچھی بات نہیں ہے۔ اس لئے وہ سمجھیں یا نہ سمجھیں یہ بات میں اشارۃً ان کی دل آزاری کئے بغیر سمجھانے کی کوشش کرتا رہا مگر وہ بات پہنچی نہیں۔ اس لئے اب میں ساری دنیا کو یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ یہ ایک طبعی بات ہے کہ اگر کوئی شخص جو کسی بڑے علاقے سے تعلق رکھتا ہو کہ اس کی خاطر لوگ آئیں اس کے آنے پر لوگوں کا آنا ایک طبعی بات ہے اس کا کوئی نقصان نہیں ہے۔

تربیت کے معیار کو بڑھائیں

اس لئے انصار ہوں یا لجنات ہوں یا خدام ہوں **ہمیشہ اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ سالانہ تربیت کے معیار کو بڑھائیں یہاں تک کہ کسی ایک شخص کی خاطر نہیں بلکہ روزمرہ کی تربیت کے نتیجے میں،** دینی اغراض کی خاطر، تمام ذیلی تنظیموں کے ممبر خدا کو راضی کرنے کے لئے دینی اغراض کی خاطر اکٹھے ہوا کریں۔ **یہ جو خلیفہ وقت کے ساتھ تعلق ہے یہ بھی ایک دینی غرض ہے مگر ان دونوں باتوں میں فرق ہے۔** روزمرہ کی تربیت کے نتیجے میں جو دل سے وابستگی پیدا ہوتی ہے وہ پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس بات کی محتاج نہیں رہتی کہ کون آرہا ہے اور کون نہیں آرہا۔ اس وقت تو حالت یہ ہو جاتی ہے کہ ہم تو بن بلائے بھی جانے کی کوشش کریں گے اور واقعۃً ایسا ہوتا ہے جیسا کہ ایک مصرع میں یہ کہا گیا ہے کہ

ان پہ بَن جائے کچھ ایسی کہ بِن آئے نہ بنے

بلانے کا محتاج نہ رہے انسان جب دینی مقصد کا کوئی اجتماع ہو تو اس میں ذوق وشوق سے لوگوں کا حاضر ہونا ایک دینی تقاضا ہے۔ پس یہ وجہ ہے میں وضاحت کر رہا ہوں۔ انہوں نے جو وعدہ کیا تھا انصار سے ان کی طرف سے عہد شکنی کوئی نہیں ہوئی ان کو اس بات پر ملزم نہ کیا جائے۔ اپنی طرف سے جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے آخر وقت تک جو ممکن تھا انہوں نے کوشش کر دیکھی مگر یہ میری مجبوری تھی جس کی وجہ سے

وہ کوشش کامیاب نہیں ہو سکی........

اب میں اس مضمون کی طرف آتا ہوں جو میں نے بیان کیا ہے کہ نئے سال کا تحریک جدید کا اعلان ہونا ہے۔ الحمدللہ کہ تحریک جدید دفتر اول ساٹھ سال پورے کر چکا ہے اور دفتر دوم پچاس سال پورے کر چکا ہے۔ دفتر سوم انتیس سال اور دفتر چہارم نو سال۔ اور اب اپنے اکسٹھویں، اکانویں، تیسویں اور دسویں سال میں داخل ہوں گے۔

تحریک جدید کے دفاتر کے قیام کی غرض وغایت

دفتروں کا جہاں تک تعلق ہے اس سلسلے میں میں نے رپورٹوں پہ نظر کر کے محسوس کیا ہے کہ رفتہ رفتہ دفاتر کی تقسیم پر عہدیداروں کی یا کام کرنے والوں کی نظر نہیں رہتی اور عمومی طور پر تحریک کے چندے کو بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر دفاتر کے قیام کی جو غرض وغایت تھی وہ اس طرح پوری نہیں ہو سکتی جب میں نے اعداد و شمار سے معلوم کرنے کی کوشش کی کہ دفتر چہارم نے کتنی ترقی کی، دفتر سوم نے کتنی ترقی کی ہے، تو پتہ چلا کہ ایسا کوئی تذکرہ رپورٹوں میں موجود نہیں تھا۔ پھر فیکس کے ذریعے بڑی بڑی یورپ اور امریکہ وغیرہ کی جماعتوں کو تحریک کی گئی کہ آپ کے پاس اعداد و شمار ہوں گے فوراً بھجوا دیں۔ تو ہر جگہ سے یہ معذرت آئی کہ ہم نے الگ الگ اعداد و شمار نہیں رکھے اس لئے آئندہ سال ایسا کریں گے۔ تو تحریک جدید کے تعلق میں پہلی نصیحت تو یہ ہے کہ دفاتر کا انتظام تحریک جدید کے سیکرٹری کے تابع الگ الگ ذمہ دار خدمت کرنے والوں کے سپرد ہونا چاہیے تا کہ آئندہ کبھی اس بات میں کوئی کوتاہی نہ ہو۔ ہر تحریک جدید کا سیکرٹری اپنے ساتھ دفتر اول کا ایک نائب لگائے، ایک دفتر دوم کا، ایک سوم کا اور ایک چہارم کا۔ تا کہ ان کا الگ الگ ریکارڈ رکھے اور ان کا مقابلہ کرے اور اس طرح آپس کے مقابلے کی وجہ سے ویسے بھی عمومی معیار خدا کے فضل سے بہتر ہو گا۔

<u>یہ دفاتر کی تقسیم دراصل بعض عمروں کے بدلنے کے نتیجے میں جو ایک قسم کے نسلی گروہ بنتے ہیں</u>، ایک نسل سے تعلق رکھنے والے گروہ، ان کے پیش نظر کی گئی۔ دفتر اول کو جب دس سال گزر گئے تو حضرت مصلح موعود نے یہ تجویز فرمائی کہ دفتر اول کا الگ رجسٹر رکھ کر اس کا حساب الگ کر دیا جائے۔ اور ایک دفتر دوم قائم کیا جائے جس میں نئے مجاہدین داخل کئے جائیں۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت کے اس حصے کو بھی قربانی کی توفیق ملے گی جو پہلے غافل رہا ہے اور دفتر اول کی قربانیوں کے سائے

تلے وہ بھی شمار ہوتا رہا ہے پس اس گروہ کو اگر اس سائے سے الگ کر کے اپنی کارکردگی دکھانے کی طرف بلایا جائے تو ظاہر بات ہے کہ ایک بہت بڑی تعداد ان مخلصین کی ہاتھ آسکتی ہے جو کسی وجہ سے تحریک جدید کے کاموں سے غافل رہے ہیں۔ جب یہ کچھ عرصے تک سلسلہ جاری رہا اور مفید ثابت ہوا تو پھر دفتر سوم کا اعلان دفتر اول کے اکتیس سال بعد کیا گیا اور پھر دفتر چہارم کے آغاز کا اعلان میں نے آج سے دس سال پہلے کیا تھا۔ مراد یہ تھی کہ گزشتہ عرصے میں جو نئے بچے بڑے ہوئے ہیں نئے لوگ جماعت میں داخل ہوئے ہیں، ان پر نظر رکھنے کے لئے ایک الگ نظام ہو، الگ منتظمین ان ذمہ داریوں کو ادا کریں۔ چنانچہ میں پہلی نصیحت تو یہ کرتا ہوں کہ ان دفاتر کی تقسیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے شعبوں کے اندر ایسے نائبین مقرر کئے جائیں جو اپنے اپنے دفتر کا الگ حساب رکھیں۔

ایک سال بھی ایسا نہیں آیا کہ جماعت اس قربانی سے تھک گئی ہو

اور دوسری بات یہ ہے کہ جہاں اگر جماعت چھوٹی ہو اور یہ تقسیم ممکن نہ ہو تو جو بھی تحریک جدید کا سیکرٹری ہے وہی خود اپنے ذمہ یہ بات لے لے کہ وہ یاد رکھے گا اور ان سب کا ریکارڈ الگ الگ رکھے گا۔

جہاں تک تحریک جدید کی عمومی سال بہ سال ترقی کا تعلق ہے، خدا کے فضل سے جماعت محض للہ قربانیاں کر رہی ہے اور خدا کی ذات دائم ہے وہ آنی جانی نہیں ہے اس لئے جو قربانیاں اس کے تعلق سے بجالائی جاتی ہیں ان کو بھی دوام عطا ہوتا ہے کسی وقتی جوش سے تعلق نہیں رکھتیں۔ **سن چونتیس سے لے کر اب سن چورانوے آگیا ہے اور اس ساٹھ سالہ دور میں خدا تعالیٰ کے فضل سے ایک بھی سال ایسا نہیں آیا جب کہ جماعت اس قربانی سے تھک گئی ہو اور اس کے قدم سست پڑ گئے ہوں** اس کی وجہ یہی ہے کہ جماعت کی قربانیاں محض للہ ہوتی ہیں اور اللہ کی ذات کے حوالے سے ان قربانیوں کو دوام ملتا ہے۔......

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 23 تا 29 دسمبر 1994ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 3/جنوری 1997ء سے اقتباس

☆ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں اخلاق میں ترقی کریں
☆ معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کا عہد کریں
☆ تربیت اولاد کی ذمہ داری
☆ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے اخلاق پر گہری نظر رکھیں

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تشہد، تعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی غلامی میں آگے قدم بڑھانا ہے

......اب یہ جو غفلت کی حالت ہے خاص طور پر اس کو پیش نظر رکھ کر اپنی اکائیوں اور دہائیوں کا حساب تو لے کے دیکھیں۔ اگر آپ اس پہلو سے حساب لیتے ہیں جیسے کہ میں نے بیان کیا ہے کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے لمحے لمحے پر نگران تھے اور یہ نگرانی اتنی کامل تھی اور اتنی مستقل تھی کہ آپ کو تمام بنی نوع انسان پر شہید بنا دیا گیا۔ پہلے شاہد جس کا میں پچھلے خطبے میں ذکر کر چکا ہوں پھر شہید کے متعلق آپؐ کی گواہی مانی جائے گی کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا لمحے لمحے کا حساب لیا ہے اس لئے آپؐ اس لائق ہیں کہ آپؐ کی کسوٹی پر دوسرے پرکھے جائیں۔ فرمایا جب تمام انبیاء کو قیامت کے دن اپنی اپنی قوموں پر شہید بنا کے لایا جائے گا تو اے اللہ کے رسول تجھے ان تمام انبیا پر شہید بنا کر لایا جائے گا۔ ان کی امتوں کے اعمال نبیوں کے اعمال کی کسوٹی پر پرکھے جائیں گے اور نبیوں کے اعمال تیری کسوٹی پر پرکھے جائیں گے۔

یہ وہ رسول ہیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی غلامی میں ہم نے قدم آگے بڑھانے ہیں اور طریق بھی آپؐ نے ہمیں سمجھا دیئے اور قرآن نے یہ مضمون خوب کھول دیا کہ غفلت کی حالت میں گزرے ہوئے لمحے تمہارے کسی کام کے نہیں ہیں اور وہ جو گناہ پیدا کرتے ہیں ان گناہوں کے تم ذمہ دار قرار دیئے جاؤ گے اور غفلت کی حالت میں اگر نمازیں پڑھنے کی اجازت نہیں۔ تو انسان جو نمازیں پڑھتے ہوئے اکثر غفلتوں میں ڈوبا رہتا ہے اس کو سوچنا چاہیے کہ یہ نماز بھی ایسی ہے جس میں رس نہیں پیدا ہوا اور زور لگانا چاہیے کہ کسی طرح یہ غفلت کی حالت جاتی رہے۔ تو ایک مستقل جدوجہد ہے اور اس کے نتیجے میں اگر قدم زیادہ تیز رفتاری سے آگے نہ بڑھے تو کچھ نہ کچھ آگے بڑھنا چاہیے۔

یہ وہ موازنہ ہے جس کے متعلق میں نے کہا تھا کہ اپنے بہی کھاتے کھولو اور دیکھو کیا ہوا ہے۔ تو پچھلے

سال کی جو بھی اپنی کیفیت ہے اس پر نظر رکھو اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے انفرادی طور پر تو ممکن نہیں کہ میں سمجھا سکوں کہ کون کیا کیا کرے مگر ایک پیمانہ جو عالمی پیمانہ ہے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پیمانہ ہے اس پر اپنے حالات کو چسپاں کرتے ہوئے ہم نے یہ دیکھنا ہے اگر ہمارا ہر لمحہ گزرے ہوئے سال کے ہر لمحے سے آئندہ بہتر نہیں ہوسکتا تو کم سے کم ہر منٹ اگر بہتر ہوسکتا ہے تو وہ بہتر کیا جائے، گھنٹہ بہتر ہوسکتا ہے تو گھنٹہ بہتر کیا جائے، ہفتوں کا حساب کرلو، مہینوں کا حساب کرلو۔ کچھ تو کرو، کچھ تو ایسی مماثلت ہو جو خادم کی اپنے مخدوم سے ہوا کرتی ہے، غلام کی اپنے آقا سے ہوتی ہے۔

پس لازم ہے کہ مہینے نہیں تو کم سے کم ہر سال کچھ نہ کچھ آگے بڑھے۔ کہاں بڑھے گا، کن کن قدموں میں وہ پہلے سے زیادہ سرعت سے وہ سفر اختیار کرے گا۔ یہ فیصلہ ہے جو ہر انسان نے اپنی توفیق کے مطابق کرنا ہے اور اس پہلو سے جن اخلاق کی طرف میں نے آپ کو متوجہ کیا تھا میں ان کی طرف مختصراً پھر واپس لوٹتا ہوں اور آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں کہ ایک حساب عبادت کا کرلیں اور ایک اخلاق کا۔ یہ دو حساب کرلیں اور اپنے لئے تعلیم معین کریں، اپنے لئے خود فیصلہ کریں کہ اگلے سال میں میں نے ان دونوں چیزوں میں کیا بہتری کرنی ہے۔ نمازوں کی حالت میں بہتری کے لئے یہ لازم ہے کہ انسان اپنی نمازوں کے وقت ان شیطانوں کی شناخت کرے جو نماز میں دخل انداز ہوتے ہیں۔ وہ تجارت کے شیطان ہیں، مقدموں کے شیطان ہیں، بیوی بچوں یا دیگر لوگوں کی محبت کے شیطان ہیں۔ غرضیکہ جتنی بھی قسموں کے شیطان ہیں وہ الگ الگ صورتوں میں، الگ الگ انسانوں پر قابض ہوتے ہیں۔ بعض دفعہ ایک، بعض دفعہ دو، بعض دفعہ دسیوں شیطان اور ان کی شناخت کے بغیر آپ ان کے خلاف جوابی کارروائی کیسے کرسکیں گے۔

تو کسی دن غور کر کے دیکھیں تو سہی کہ نماز میں کون کون سے رخنے ڈالنے والے خیالات ہیں پھر جو جو بھی خیالات ہیں ان کا کسی چیز سے ربط ضرور ہے جو آپ کو اچھی لگتی ہے۔ اس ربط کو اگر وہ نماز میں مخل ہوتا ہے تو کاٹ دیں اور کاٹنے کی کوشش جو ہے وہ لمبا وقت لیتی ہے۔ کاٹ دیں کہنا تو آسان ہے مگر ان کا کٹ جانا آسان نہیں ہے۔ اس جدوجہد میں جب آپ داخل ہوں گے تو اس پہلو سے آپ کا ہر لمحہ پہلے لمحے سے بہتر ہوتا ہوا نظر آئے گا یا ہر وقت کا یونٹ جو بڑا بھی ہو تو پہلے یونٹ سے زیادہ بہتر ہوتا ہوا دکھائی دے گا۔ تو ایک تو نمازوں کے متعلق میں سمجھانا چاہتا ہوں بہت ہی اہم قابلِ توجہ امر ہے۔ میرے نزدیک اگر ہم اپنی عبادت کے متعلق غفلت کی حالت کو کاٹ پھینکیں اور پہلے تشخیص کریں، تعیین کریں۔ تشخیص بیماریوں کی اور تعیین ان اقدامات کی جن کو استعمال کرتے ہوئے آپ نے بیماریوں سے شفا پانی ہے۔ معین ایک راہ عمل

اپنے لئے بنالیں اور اگر آپ کو توفیق ملی تو میں یقین رکھتا ہوں کہ آئندہ آنے والا سال گزرے ہوئے سال سے ضرور بہتر ہوگا۔ انشاءاللہ۔

معاشرتی برائیوں کو ختم کرنے کا عہد

دوسرا وہ جو معاشرتی بدیاں ہیں جن کے نتیجے میں بہت سی بداخلاقیاں پھیلی ہوئی ہیں ان کے اوپر عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔ بارہا نصائح کے باوجود جن لوگوں پر نہیں اثر ہوتا ان پر نہیں ہوتا اور اس کے باوجود نصیحت کرتے چلے جانے کا حکم ہے۔ جو بدخلق اپنی بیویوں سے بدخلق ہیں، اپنی اولادوں سے بدخلق ہیں، اپنے رشتہ داروں سے بدخلقی سے پیش آتے ہیں وہ جب اس قسم کے خطبات سنتے ہیں تو اور بھی زیادہ اپنے گھر والوں کو یہ احساس دلاتے ہیں کہ تم یہ نہ سمجھنا کہ تم بچ جاؤ گے، تم ہو ہی گندے بے ہودہ لوگ، میں تمہیں ٹھیک کردوں گا اور یہ حوالے نہ دیا کرو مجھے اور پھر وہ بے چارے ہمیں خط لکھتے ہیں اور اسی طرح بعض بے چارے مرد ہیں جن کا حال یہ ہے کہ اپنی بیویوں کے سامنے وہ اس طرح اف نہیں کرسکتے جس طرح بچوں کو حکم ہے کہ ماں باپ کے سامنے اف نہیں کرنی اور ان کی ہر بات کے اتنا غلام کہ اپنی اولادوں کو اپنے ہاتھوں سے ضائع کر بیٹھے ہیں۔

بیوی غیر احمدی، باپ احمدی مگر ایسا زن مرید کہ وہ اپنی اولاد کو اپنی آنکھوں کے سامنے جہنم کی طرف دھکیلا جاتا دیکھتا ہے اور مجال نہیں کہ جو آگے سے آواز بلند کر سکے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایک اخلاقی کمزوری حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ایک زوجہ میں پائی تو پیغام چھوڑ دیا کہ جب اسماعیل واپس آئیں تو ان کو کہنا اپنی چوکھٹ بدل لیں اور آپؑ نے طلاق دے دی۔ وہ دین کے لحاظ سے مختلف دین نہیں رکھتی تھی مگر جہاں دین کا اختلاف بھی ہو اور اولاد کو واضح طور پر لادینی قدروں کی طرف لے جارہی ہو کوئی بیوی، اس کے ساتھ چمٹے رہنے کا جواز ہی کون سا ہے؟ بہت پہلے طلاق دے کر الگ کر دینا چاہیے تھا۔ مگر ایسی بھی ہیں جو عیسائی بنارہی ہیں، جو دہریہ بنارہی ہیں، جو ہر قسم کی دینی اقدار سے غافل کرنے کے لئے باقاعدہ سکیم بناتی ہیں اور ایک آدمی بیٹھا ہوا ہے بہت شریف آدمی، بڑا ہی شریف النفس احمدی، بڑا بااخلاق ہے، چندے بھی دے دیتا ہے اور نمازیں بھی پڑھتا ہے اور دیکھ رہا ہے آنکھوں کے سامنے اس کی اولاد جہنم میں جارہی ہے۔ یہ شرافت ہے یا نامردی۔ کیا اس کا نام آپ رکھیں گے؟

جن باتوں کے لئے انسان کو نگران بنایا گیا ہے، لازم ہے کہ ان پر نظر رکھے اور اس لحاظ سے بھی اپنے

حال پر نظر کرے کہ وہ آگے بڑھ رہا ہے یا بحیثیت ایک خاندان کے پیچھے ہٹ رہا ہے۔ اس کا مستقبل کیا ہے جس کی اولاد پیدا (مومن) ہوئی ہو۔ یعنی خدا تعالیٰ نے اسے (دینی) قدروں پر اور خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری کی قدروں پر پیدا کیا ہو وہ اس کی آنکھوں کے سامنے دور ہٹ رہی ہو اور واضح نظر آ رہا ہو کہ رستہ جہنم والا رستہ ہے اس پر آرام سے بیٹھا ہوا ہے اس کو شریف کون کہہ سکتا ہے۔ یعنی شریف ان معنوں میں ہے کہ وہ لوگوں سے معاملے میں ٹھیک ٹھاک ہے مگر یہ شرافت نہیں بزدلی ہے۔ بعض دفعہ بزدلی کا نام شرافت رکھ دیا جاتا ہے۔ کسی نے کسی سے کہا تھا کہ تو جو طاقتور ہے اس کے سامنے بڑا خاموش ہو جاتا ہے اور جو کمزور ہے بے چارہ اس کے اوپر چڑھ دوڑتا ہے۔ اس نے جواب دیا میری طبیعت میں شرافت بڑی ہے، جب کسی طاقتور کو دیکھتا ہوں مجھے بڑا رحم آتا ہے اس پر اور جب کمزور کو دیکھتا ہوں مجھے بڑا غصہ اس پہ آتا ہے۔ یہ اس کی شرافت ہے۔ تو شرافت غفلت کے ساتھ اکٹھی ہو نہیں سکتی۔ وَهُمْ غَافِلُوْنَ والا مضمون سمجھیں تو آپ کو پتہ چلے گا کہ اپنی اولاد کو نیکی کے رستے پر گامزن رکھنا اور ان خطرات سے بچانا، یہ آپ کا اخلاقی اور بنیادی فرض بھی ہے اور حق بھی ہے اور اس غفلت کی حالت میں جو آپ نیک لوگوں کی نسلیں ضائع کر دیتے ہیں پوچھے جائیں گے۔

اگر بے اختیاری کی حالت میں اولاد ہاتھ سے نکل جائے تو اللہ تعالیٰ نے اس پر کسی کو ذمہ دار قرار نہیں دیا مگر فطرت کے دکھ میں اس کو سزا ضرور مل جاتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کی مثال دیکھیں کہ اولاد ناشکری بنی، اس نے غلط راہ اختیار کر لی، ایسا عمل نہیں کیا جسے صالح عمل کہا جا سکتا ہے تو حضرت نوحؑ کے قرب نے اسے بچایا نہیں۔ حضرت نوحؑ کو اس کی وجہ سے سزا نہیں ملی کہ حضرت نوحؑ کی پوری کوششوں کے باوجود وہ اولاد ایسی نکلی۔ مگر ایک چیز ضرور تھی کہ حضرت نوحؑ اس پر تفصیلی نظر نہیں رکھ سکے تھے۔ یہ بھی ایک لطیف غفلت کی قسم ہے اور خدا کا انصاف ایسا کامل ہے کہ اس کی سزا بھی دیتا ہے پھر۔ چنانچہ حضرت نوحؑ کو جو دکھ پہنچا ہے بیٹے کو غرق ہوتا ہوا دیکھ کر، وہ ان کے لئے ایک سزا تھی اور اتنی بڑی سزا کہ بول اٹھے کہ اے خدا! تو نے وعدہ کیا تھا کہ میری اولاد ضائع نہیں کی جائے گی۔ تب خدا نے فرمایا کہ تجھے پتہ نہیں۔ یہ تیری اولاد وہ اولاد نہیں ہے جس کے لئے میں نے حفاظت کا وعدہ فرمایا تھا۔ تو غفلت ہوئی، جرم کے طور پر اس کو سزا تو نہیں ملی مگر فطری تقاضوں کے نتیجے میں سزا ضرور مل جاتی ہے۔ پس جن لوگوں کا میں نے ذکر کیا ہے کہ اپنی آنکھوں کے سامنے وہ غفلت میں اپنی اولادوں کو ضائع کرتے ہیں ان کی بھی مختلف قسمیں اور درجے ہیں۔ کچھ تو غافل ان معنوں میں ہیں کہ ان کو پرواہ ہی کوئی نہیں۔ وہ سمجھتے ہیں میں اپنی ذات کا ذمہ دار، مجھے

کوئی فکر نہیں۔ اولاد آزاد ہے جو چاہے کرے، میں کیوں کسی کے معاملے میں دخل دوں۔ انہوں نے انصاف کا یہ ایک چربہ بنا رکھا ہے اور حقائق سے دور ہیں۔ جب وہ بچہ فیل ہوتا ہے سکول میں، ان کو فکر ہوتی ہے۔ جب وہ ایسا رستہ اختیار کرتا ہے کہ دنیا میں اس کی صلاحیتیں ضائع ہوں تو بڑی تکلیف پہنچتی ہے۔ اس کو ٹھیک کرنے کے لئے پورے خرچ کرتے ہیں۔ تو ان کا ایک عمل ان کے دوسرے عمل کو جھٹلا رہا ہے۔ ثابت کر رہا ہے کہ یہ غفلت کی حالت ہے۔ یہ کوئی شرافت نہیں ہے، انصاف نہیں ہے، یہ ضمیر کی آزادی نہیں ہے۔ ضمیر کی آزادی تم وہاں دے رہے ہو جہاں اس کا نقصان ہو رہا ہے، جہاں روحانی نقصان ہو رہا ہے۔ اور جہاں دنیاوی نقصان ہے وہاں تم اس کو ضمیر کی آزادی نہیں دیتے تو اس کا نام تم نے انصاف کیسے رکھ دیا۔

اپنے اور اپنے اہل و عیال کے اخلاق پر گہری نظر رکھیں

تو اخلاقی حالتوں کی طرف واپس آنے میں جو اندرونی گھریلو حالتیں ہیں ان پر نگاہ رکھنا بہت ہی ضروری ہے۔ اپنی ساری اولاد کی طرف نظر رکھیں، اپنی بیوی کی طرف نظر رکھیں، اپنے بچوں، ان کے بچوں کی طرف نظر رکھیں اور غافل نہیں ہونا کیونکہ آپ سب کو ایک اکائی کے طور پر بھی دیکھا جائے گا۔ انفرادیت کے لحاظ سے ہر شخص اپنا جواب دہ الگ ہے۔ لَا تَـزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْریٰ (الانعام:165) کوئی بھی جان نہیں ہے جو کسی اور جان کے لئے ذمہ دار قرار دی جائے، اس کا بوجھ نہیں اٹھائے گی۔ مگر بعض بوجھ ہیں جو قومی بوجھ ہیں۔ جیسے انبیاء کے بوجھ ہیں، وہ بڑے عظیم قومی بوجھ ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بوجھ اٹھانے والے سے بڑھ کر بوجھ اٹھا لیا۔ ان معنوں میں یہ بوجھ ہے کہ ذمہ داریاں بہت بڑی ہیں۔ وہ ذمہ داریاں جن کو آسمانوں نے اور زمین نے اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا فَحَـمَـلَهَا الْاِنْسَانُ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھو آگے بڑھے اور سارے بوجھ اٹھا لئے اور سارے بنی نوع انسان کو تعلیم دینے کا اور ان کے لئے نمونے قائم کرنے کا بوجھ اتنا بڑا بوجھ ہے کہ اس کے تصور سے بھی انسان کانپ اٹھتا ہے اور اس معاملے میں آپ فرماتے ہیں میں پوچھا جاؤں گا، آپؐ نے ہر ایک کو کہا کہ جس دائرے میں تم نگران بنے ہو، دائرے کی وسعت اور مقام کی عظمت کے ساتھ ساتھ ذمہ داریاں بھی تو بڑھتی ہیں اور جہاں تم ناکام ہو گے تم سے سوال کیا جائے گا۔

پس انفرادی بحث الگ ہے اور اجتماعی ذمہ داریوں کی بحث الگ ہے۔ میں آپ کو خاندانی ذمہ داریوں کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔ اپنے اہل و عیال کے اخلاق پر گہری نظر رکھنا اور اپنے ہی اخلاق پر نہیں

ان کے اخلاق پر بھی لمحہ لمحہ نگاہ ڈالنا کہ کس طرف کو چل رہے ہیں۔ اور اگر آپ کو اپنے اخلاق ہی کی ہوش نہیں تو ان کے اخلاق پر کیسے نظر ڈال سکیں گے......

بعض عورتیں کہتی ہیں ہمارا خاوند یہ حرکتیں کرتا ہے، یہ حرکتیں کرتا ہے۔ تیس سال ہم نے صبر سے گزارہ کیا، اب نہیں ہوتا۔ تیس سال صبر کیا کیا، اپنی زندگی کو خود جہنم میں جھونکا ہے اور جب خطرہ ایسا پیدا ہوا ہے کہ طلاق تک نوبت آ پہنچی ہے اب تم متوجہ ہو رہی ہو اور کہہ رہی ہو کہ ہمارے حالات کو ٹھیک کرو۔ یہ نفس کے دھوکے ہیں۔ اس خاوند کی بدکرداریوں کے باوجود اس کے ساتھ شیر و شکر ہو کے رہنا، یہ بتاتا ہے کہ وہ اس پر راضی تھی اور اس کے باوجود یہ بات ان کو زیادہ پیاری تھی کہ رشتہ رہے اور کوئی فرق نہیں پڑتا جو مرضی کرتا رہے۔ اگر یہ صورت تم نے پندرہ، بیس پچیس سال تک قائم رکھی تو جو نتیجہ نکلے گا اس کے تم ذمہ دار ہو اور یہ قانون تمہیں یاد ہی نہیں رہا کہ جس کی غلامی کی دعویدار ہو اس کے متعلق اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَلَلْاٰخِـرَۃُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (سورۃ الضحیٰ:5)

تیرا تو ہر لمحہ گزرے ہوئے لمحے سے بہتر ہے اور آپ کا ہر لمحہ بدتر ہوتا ہوا نظر آ رہا تھا آپ کو اور فکر نہیں کی، کوئی توجہ نہیں کی۔

تو اس پہلو سے اپنے گزشتہ سال کا بھی موازنہ کریں اور تفصیل سے اپنے خاندانی حالات پر نظر ڈالیں، اپنے دوستوں کے تعلقات پر نظر ڈالیں اور پھر آئندہ سال کے لئے اپنے طور پر ذہنی منصوبہ بنائیں تاکہ یہ ہمارا الوداع ہو اور یہ ہمارا استقبال ہو۔ الوداع ایک ایسے سال کو کر رہے ہوں جس کی کمزوریوں پر صاف نظر پڑ رہی ہو۔ اے فلاں کمزوری تجھے بھی ہم وداع کہتے ہیں اور اے فلاں کمزوری تجھے بھی ہم وداع کہتے ہیں اور اے حسن تجھے ہم کھلی آغوش سے خوش آمدید کہتے ہیں تو آ اور ہمارے سینے سے چمٹ جا اور ہمیشہ ہمارے ساتھ رہ اور پھر اس میں بھی اضافہ کرتا رہ۔ حسن میں بھی ایک لامتناہی اضافہ ہے جو ہوتا چلا جاتا ہے۔ اللہ کرے کہ ہمیں اس شعور کے ساتھ گزشتہ سال کو وداع کرنے اور آنے والے سال کو خوش آمدید کہنے کی توفیق ملے۔ تمام دنیا کی جماعتوں کو میں، اس پس منظر میں جو میں نے بیان کیا ہے، نئے سال کی مبارکباد دیتا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ سب دنیا میں ہر احمدی کا آنے والا سال ہر گزرے ہوئے سال کے ہر وقت سے بہتر ثابت ہو۔ اللہ کرے کہ ہمیں اس کی توفیق ہو۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 21 فروری تا 27 فروری 1997ء)

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 25 مئی 1997ء

- ☆ جہاد کریں کہ سب احمدی سچائی پر قائم ہو جائیں
- ☆ دل میں نفرت اور ظاہری محبت توحید کے منافی ہے۔
- ☆ اگلی صدی کے لئے ایک ہی تحفہ ہے جو ہم آگے بھیج سکتے ہیں وہ توحید کا تحفہ ہے۔
- ☆ اگر آپ توحید کو قائم کریں گے......تو آپ کے ہاتھ پر قومیں اکٹھی ہوں گی۔ اس کے بغیر قومیں اکٹھی نہیں ہوسکتیں
- ☆ امام وقت کو قبول کرنا درحقیقت توحید کے سامنے سرخم کرنا ہوا کرتا ہے
- ☆ اپنے آباءواجداد کی نیکیوں کو زندہ رکھو
- ☆ انبیاء بدیوں کو کاٹنے والے ہوتے ہیں
- ☆ توحید ان اخلاق کا نام ہے جو میں آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ان کو اپنی ذات میں پیدا کریں تو پھر بے اختیار دنیا کی ساری قومیں آپ سے جڑیں گی۔
- ☆ آج آپ اس دنیا کو اسماعیلوں سے بھر دیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آواز پر لبیک کہنے والے بنیں

⚜

تشہد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور نے فرمایا:-

الحمدللہ کہ اللہ ہی کے فضل اور احسان کے ساتھ مجلس خدام الاحمدیہ کا یہ سالانہ اجتماع آج اختتام کو پہنچا ہے۔ حسبِ سابق اِس مرتبہ بھی مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی نے اپنی روایات کو قائم رکھتے ہوئے پہلے سے کئی قدم آگے بڑھائے ہیں اور حسنِ انتظام کے لحاظ سے یہ اجتماع غیر معمولی طور پر کامیاب رہا ہے۔ ہر قسم کے مقابلہ جات میں اور کھیلوں میں ،خصوصاً ایسے کھیلوں میں جہاں جسمانی مقابلے اور ٹکراؤ زور پر ہوتا ہے، سب کھلاڑیوں نے حُسنِ خُلق کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ جیتنے والے نے بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ دکھایا، ہارنے والے نے بھی اور بہت ہی محبت کے ماحول میں ایسے مقابلے ہوئے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ دنیا بھر کے ایسے جسمانی ورزشی مقابلہ جات میں اتنا اعلیٰ خلوص اور باہمی محبت کا نمونہ اور کہیں نہیں دکھایا جاتا۔ اِس کے علاوہ مختلف انتظامات میں جن کے متعلق ابھی نیا تجربہ تھا یعنی نئی آنے والی قوموں کے مقابلے الگ کروائے جائیں تا کہ اُن میں مقابلے کی رُوح پیدا ہو۔ یہ تجربہ بھی خدا کے فضل سے بہت ہی کامیاب رہا ہے۔ صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کی یہ خواہش تھی کہ اس دفعہ حاضرین کی تعداد میں اضافہ ہو اور آٹھ ہزار کی بجائے دس ہزار تک پہنچ جائے۔ وہ دس ہزار پوری تو نہیں پہنچ سکی مگر کم وبیش دس ہزار کے قریب قریب یہ تعداد پہنچ گئی ہے۔ منتظمین نے بھی بہت محنت سے حصہ لیا ہے اس میں کوئی شک نہیں۔ ہر منتظم نے خواہ وہ نیا احمدی تھا یا پرانا احمدی تھا، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح ادا کیا ہے۔

آج کے اجتماع میں جو اختتامی خطاب ہے اُس کا بھی دراصل تعلق توحید باری تعالیٰ ہی سے ہے اور اَب جو تین سال یا کم وبیش تین سال اس صدی کے پورے ہونے میں باقی ہیں اُن میں توحید ہی کے مضمون پر جماعتِ احمدیہ کو بار بار توجہ دِلائی جاتی رہے گی۔ کیونکہ اِس صدی میں اگر ہم توحید کو قائم کرلیں یعنی توحید کو تو اللہ تعالیٰ ہی نے دنیا میں قائم فرمانا ہے اگر ہم عاجز غلام بندوں کو اللہ تعالیٰ اِس صدی کے آخر پر توحید کی ایسی خدمت کی توفیق عطا فرمائے جو اگلی صدی کے لئے ایک نشان بن جائے اور یہی توحید کا جھنڈا بلند کئے

ہوئے احمدیت اگلی صدی میں سے گذرے تو یہ ایک بہت ہی بڑا اور عظیم الشان نشان ہوگا۔توحید کے مختلف پہلو ہیں جن کو پیش نظر رکھتے ہوئے میں کئی قسم کی نصیحتیں کرتا چلا آ رہا ہوں اور اس اجتماع پر بھی افتتاحی خطبہ میں توحید ہی سے متعلق نصیحت کی تھی اور اَب بھی توحید ہی کے مضمون پر عملی پہلو سے اور روشنی ڈالوں گا۔

زندگی کی ہر دلچسپی میں سچائی کو داخل کریں

آپ کو یاد ہوگا کہ گذشتہ اجتماع پر میں نے سچائی کو یا سچائی کے جہاد کو اُس سال کا نشان بنانے کی آپ کو ہدایت کی تھی کہ جہاد کریں کہ سب احمدی سچائی پر قائم ہو جائیں اور سچائی کا قیام اور توحید کا قیام دراصل ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ کیونکہ توحید باری تعالیٰ کا اعلیٰ اور گہرا مضمون یہ ہے کہ اُس کے سوا اور کوئی نہیں اور سچائی بھی ایک ایسی چیز ہے کہ اُس کے سوا اور کچھ نہیں ہوا کرتا۔ سچائی ایک ہوا کرتی ہے۔ جھوٹ بہت ہوا کرتے ہیں۔ جھوٹ سینکڑوں ہزاروں بھی ہو جاتے ہیں مگر سچائی صرف ایک چیز ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ کا نام ''الحق'' ہے۔ یعنی وہی سچ ہے۔ پس اس پہلو سے جو تحریک میں نے شروع کی تھی وہ آگے بڑھانے کی ضرورت ہے کیونکہ ابھی تک صرف جماعتِ احمدیہ جرمنی کی بات نہیں کل دنیا میں سچائی جھوٹ سے شکست کھاتی چلی آ رہی ہے اور تمام دنیا کا یہ حال ہے کہ اب تقریباً ہر ملک میں ہر جگہ جھوٹ کی عبادت شروع ہو چکی ہے۔ جھوٹ ہی قوموں کا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے۔ جھوٹ ہی قوموں کی سیاست ہو چکا ہے۔ جھوٹ ہی قوموں کا معاشرہ بن گیا ہے۔ اور وہ قومیں جو عام روزمرّہ لین دین کے معاملات میں سچّی ہیں وہ بھی فی الحقیقت اپنی زندگی کے مقاصد کے لحاظ سے جھوٹ کی عبادت کرتی ہیں۔ یعنی ایسے عیش و عشرت کی اور ایسے عیش و عشرت کے سامانوں کی عبادت کرتی ہیں جو جھوٹ کے سوا اور کچھ بھی نہیں۔ پس جھوٹ نے جو یورش کی ہے بہت بڑا زبردست حملہ ہے اور توحید پر یہ سب سے بڑا حملہ ہے۔ پس جب ہم توحید کے حق میں نعرہ ہائے تکبیر بلند کرتے ہیں تو محض منہ کے یا سینوں کے جوش سے مضمون کا حق ادا نہیں ہو جاتا۔ بہت سے ایسے ہیں جو بڑے زور کے ساتھ نعرۂ تکبیر اللہ اکبر کے آوازے بلند کرتے ہیں لیکن جب اپنے گھروں کو واپس لوٹتے ہیں تو روزمرّہ کی زندگی میں جھوٹ کی ہی ملاوٹ ہوتی ہے اور توحید میں ملاوٹ کوئی نہیں ہوا کرتی ایک ہی چیز ہے۔ آنحضرتؐ کو اس پہلو سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو اعلان کر دے وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ کہ مجھ میں تو تکلّف نام کی بھی کوئی چیز نہیں ہے۔ جیسا میں ہوں، جو بھی ہوں، تمہارے سامنے ظاہر و باہر ہوں۔ میرا ظاہر اور میرا باطن ایک ہی ہے۔ پس توحید میں جو سب سے اعلیٰ مضمون ہے وہ دوئی کا اور تفرقہ کا مِٹ

جانا ہے۔ جب تفرقے مٹ جائیں تو توحید قائم ہوتی ہے اور کوئی طاقت دنیا میں توحید کو قائم کر ہی نہیں سکتی جب تک کہ اُس کی ذات میں سے تفرقہ نہ مٹ جائے۔ اگر ایک شخص ہے تو اس کا دوغلہ پن ختم ہونا چاہیے اگر قوم ہے تو قوم کا دوغلہ پن ختم ہونا چاہیے۔ پھر ہر مضمون میں زندگی کی ہر دلچسپی میں سچائی کو اس طرح داخل ہونا چاہیے کہ کوئی پہلو بھی زندگی کا دوغلے پن والا نہ رہے۔ یعنی ہر زندگی کا پہلو دوئی سے پاک ہو۔

دُنیا میں توحید کا عَلم کیسے بلند کرنا ہے

پس اِس پہلو سے میں آج پھر آپ کو متوجہ کرتا ہوں کہ ہم نے دنیا میں توحید کا علم بلند کرنا ہے اور توحید کا علم بلند کرنا نعروں سے نہیں ہوگا۔ توحید کا علم بلند کرنا محض مجالس میں اونچے اونچے اعلانات اور تقریروں سے نہیں ہوگا۔ توحید کا علم بلند کرنا ہے تو پہلے اپنے سینوں میں توحید کا علم بلند کریں۔ اپنی ذات میں توحید کا علم بلند کریں۔ اپنی ذات کو سیدھا اور صاف کرلیں۔ ہر قسم کی دوئی سے توبہ کرلیں اور ایک جان ہو جائیں۔ جب آپ اپنی ذات میں ایک وجود بنتے ہیں تو پھر آپ اِس بات کے اہل بنتے ہیں کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی توحید کا اعلان کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کے اعلان کے لئے چنا۔ حالانکہ توحید کے بہت سے علمبردار دنیا میں موجود تھے۔ بہت تھے جو کہتے تھے کہ ہم موحّد ہیں مگر سب بھری دنیا میں صرف حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو توحید کے اعلان کے لئے اللہ تعالیٰ کا چُن لینا یہ اس بات کی قطعی اور واضح علامت ہے کہ خدا کے نزدیک آپؐ کا وجود ایک ایسا وجود تھا جس میں دوئی کا کوئی شائبہ تک باقی نہیں رہا تھا۔ جو ظاہر تھا وہ اندر بھی تھا۔ جو شاہد تھا وہی باطن میں تھا۔ کوئی فرق بھی آپ کی ذات میں دوئی کا باقی نہیں تھا۔ جس سے جس طرح ملتے تھے وہی دل کی بات ہوتی تھی جو آپ کے چہرے سے ظاہر ہوا کرتی تھی۔ اب یہ روز مرّہ کا ایک عام دستور ہے ہر انسان دوسرے انسانوں سے ملتا ہی تو ہے۔ آتے جاتے، گھر میں بھی ملتا ہے، باہر بھی ملتا ہے لیکن اگر صرف اس پہلو سے آپ اپنی ذات پر غور کر کے دیکھیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ آپ پوری طرح حق پر قائم نہیں ہیں۔ ملتے وقت ہزار تصنّع اختیار کئے جاتے ہیں۔ کسی سے نفرت بھی ہو تو ظاہر یہ کیا جاتا ہے کہ بڑی محبت ہے۔ اب نفرت ہو تو نفرت کا ظاہر کرنا یہ توحید نہیں ہے۔ نفرت ہو تو نفرت پر قابو پا کر اسے ہمدردی میں تبدیل کرنا توحید ہے لیکن نفرت کو باقی رکھیں اور چہرے سے محبت ظاہر کریں یہ دوئی ہے۔ یہ توحید کے منافی ہے۔ پس یہ بہت ہی باریک پہلو ہیں توحید کے جن پر اپنی ذات میں آپ کو نظر کرتے ہوئے نگاہ رکھنی ہوگی کہ آیا ہم میں یہ پہلو موجود ہیں کہ نہیں۔ یہی وہ باریک پہلو

ہیں جن کو سمجھے بغیر آپ یگانگت کا مطلب سمجھ سکتے ہی نہیں اور وحدت کا کوئی معنی آپ کے ذہن میں ابھر نہیں سکتا جب تک اپنی ذات کے حوالے سے اپنے اندر کے وجود کے حوالے سے اور اس وجود کے باہر کے تعلق کے حوالے سے آپ وحدت کو نہ سمجھیں۔اَب یہی بات جو میں نے کہی ہے اس کو کچھ مزید تفصیل سے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔مثلاً ایک شخص ہے اس کو کوئی شخص پسند نہیں ہے اگر وہ اس کے گھر ملنے جاتا ہے اگر وہ ہنس کر خوش ہو کے کہتا ہے بہت مدّت کے بعد ملاقات ہوئی آ وَجی یار گلے تو لگو کہاں غائب رہے۔جب وہ گھر آتا ہے تو اُس پر واری واری جاتا ہے۔اِس کو حُسنِ اخلاق نہیں کہا جاتا۔یہ توحید کے منافی بات ہے۔اگر اُس سے کوئی دشمنی ہے اور دوری ہے تو ضبط کا نام توحید ہے۔پھر سب سے پہلے ضبط کرے اور وہ بات ظاہر نہ کرے جو دِل میں نہ ہو لیکن اس سے بڑھ کر توحید اس سے اعلیٰ درجے کا مضمون یہ رکھتی ہے کہ توحید کے نتیجے میں انسان اپنے بھائی سے جو دور ہٹا ہوا ہے وہ قریب ہونے کی کوشش کرے۔اپنی نفرتوں کو محبتوں میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے۔اپنے غصّے کو مغفرت میں تبدیل کرنے کی کوشش کرے۔پھر جب اُس سے ملتا ہے اُس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ایسی ہوگی جو توحید کی علامت ہوگی۔ایک طمانیت ہوگی گویا اُس کا چہرہ یہ کہہ رہا ہوگا کہ میرے دِل میں جو بغض تھے وہ تو میں دُور کر بیٹھا اور اللہ کی خاطر انسان کو انسان سے ملانے کے لئے تا کہ خدا کی توحید آسمان پر نہ رہے بلکہ دنیا میں بھی جاری ہو اس غرض سے میں نے اپنے غصّے تم سے دور کر لئے ہیں آگے تم جو چاہو کرتے پھرو۔ایسی صورت میں اُس کی مسکراہٹ منافقت کی مسکراہٹ نہیں ہوگی۔فی الحقیقت وہ اُس کا بہی خواہ ہوگا، چاہنے والا ہوگا، اُس کی خیریت اُس کے دِل میں ہوگی اور پھر وہ جب مصافحہ کرتا ہے اور شوق سے السلام علیکم کہتا ہے اُس میں کوئی جھوٹ نہیں۔

تو ایک ہی معمولی سی بات ہے جو انسان روز مرّہ اپنے تجربے میں دیکھتا ہے ہزاروں بار ایک سال میں ایسے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے جن سے دل پھٹے ہوئے ہیں اور دور ہیں مگر کتنے ہم میں ہیں جو پھٹے ہوئے دِلوں کے باوجود اپنے چہرے سے یہ ظاہر نہیں کرتے کہ وہ اُن کے ساتھ ایک ہو چکے ہیں۔کرتے ہیں مگر جھوٹ کرتے ہیں۔پس اخلاق کے نام پر چہروں کی اداؤں میں بھی جھوٹ نہیں ہونا چاہیے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ وہ کردار ہے جو اتنا نمایاں تھا کہ جب انسان انسانی اخلاق کی تاریخ کا مطالعہ کرتا ہے تو جس باریکی سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات میں توحید جاری کی ہے اس کی اور کوئی مثال کہیں دکھائی نہیں دیتی۔انبیاء کی تاریخ میں ساری تاریخ ہی ان کی توحید سے تعلق رکھنے والی تاریخ ہوا کرتی ہے مگر اتنے چمکتے ہوئے، ایسے درخشاں، ایسے اعلیٰ نمونے آپ کو دکھائی نہیں دیں گے جو خدا تعالیٰ کے نور کا

مظہر ہوں اور مجسم نور کا مظہر ہوں۔ ہوں گے ضرور کیونکہ انبیاء کا تعلق توحید ہی سے ہے مگر چمک دمک میں فرق ہوا کرتا ہے۔ پس میں اس پہلو سے کہہ رہا ہوں کہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں جو توحید چمکتی تھی جس طرح وہ ظاہر و باہر ہوا کرتی تھی اس شان کی توحید آپ کو باقی تمام انبیاء میں دکھائی نہیں دے گی۔

یہ بہت وسیع مضمون ہے جس پر میں پہلے بھی گزشتہ خطبات میں روشنی ڈالتا چلا آیا ہوں۔ آج صرف ایک چھوٹی سی مثال دی ہے کہ آپ نے اگر توحید کو قائم کرنا ہے تو نعروں سے توحید قائم نہیں ہوگی۔ اس لئے اگر نعروں ہی کو دیکھیں تو بعض دفعہ نعرے بھی توحید کے منافی ہوا کرتے ہیں اور بہت سے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے۔ کئی لوگ ہیں جو ہاتھ بلند کر کر کے بانہیں مار مار کے زور سے کہتے ہیں نعرہ ہائے تکبیر اور چہرہ ٹیلی ویژن کی آنکھ پر ہوتا ہے کہ ٹیلی ویژن ان کو دیکھ رہی ہے کہ نہیں دیکھ رہی اور بار بار وہ دیکھتے ہیں کہ کس حد تک دنیا کو یہ معلوم ہو گیا ہے کہ ہم نے اس زور اور شدت کے ساتھ باز و ہلا ہلا کے نعرۂ تکبیر بلند کئے ہیں۔ اب وہ نعرۂ تکبیر تو نہیں وہ تو ایک نعرۂ شرک ہے۔ جب آپ نعرہ مارتے ہوئے مشرک بن جاتے ہیں اپنے وجود کی عبادت اپنے وجود کی بڑائی مقصود ہوتی ہے اور نام اللہ کا لے رہے ہوتے ہیں تو خود اپنے وجود ہی کو تو اللہ قرار دیتے ہیں اور سمجھ رہے ہیں کہ ہم نے بہت زبردست کمال کر دیا ہے۔ نعرے تو منع نہیں مگر نعرے اس وقت اٹھنے چاہئیں جب دل تھرّا اٹھیں توحید کے اثر سے۔ جب جسم پر لرزہ طاری ہو چکا ہو۔ انسان بے اختیار ہو جائے۔ ایسے اوقات میں خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے جوش اور عظمت سے نعرہ ہائے تکبیر بلند کئے ہیں مگر جہاں بھی تصنّع آئے گا وہاں توحید غائب ہو جائے گی۔ پس اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ تو اعلان کر کہ وَمَا اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ میرے وجود کا ایک ایک حصہ، میرے وجود کا ذرہ ذرہ شرک سے پاک ہے۔ اس پہلو سے مجھ میں تم کوئی بھی تکلف نہیں دیکھو گے۔ ناراضگی ہوتی تھی تو ناراضگی کا اظہار کیا کرتے تھے مگر اس میں بھی کوئی تکلف نہیں ہوا کرتا تھا۔ محبت تو تھی، رحمت تو ایسی تھی جس کے چشمے رواں تھے مگر اس میں بھی کبھی آپ نے مبالغہ نہیں فرمایا۔ پس توحید کے قیام کیلئے سب سے پہلے اپنی ذات میں توحید کو قائم کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے بغیر ہم دنیا میں توحید کو قائم نہیں کر سکتے دنیا تو درکنار خود اپنے گھر میں بھی توحید قائم نہیں کر سکتے۔

یہ وہ پہلو تھا جس کے پیش نظر میں نے گزشتہ سال خدام کو تحریک کی تھی کہ جھوٹ سے توبہ کریں۔ اب اللہ بہتر جانتا ہے کہ کتنے ہیں جنہوں نے اس تحریک کے بعد جھوٹ سے توبہ کی ہے مگر جھوٹ کا جو مفہوم میں

سمجھتا ہوں، جو جھوٹ میرے نزدیک شرک ہے وہ تو انسانی زندگی میں صرف خدام الاحمدیہ کی بات نہیں ساری انسانی زندگی میں اس طرح سرایت کر چکا ہے کہ بڑی بڑی عظیم اور شریف النفس قومیں بھی جو روزمرّہ کی باتوں میں جھوٹ نہیں بولتیں ان کی زندگی کا کوئی نہ کوئی حصہ ضرور جھوٹ کا شکار ہو چکا ہوتا ہے اور اس پہلو سے توحید کل عالم میں پارہ پارہ ہوئی پڑی ہے۔ اس توحید کو ہم نے دوبارہ قائم کرنا ہے۔ اپنی ذات کے ہر پہلو سے جھوٹ کو نکال کے باہر پھینکنا ہے اور یہ جو جدوجہد ہے میں بار بار آپ سے گزارش کر چکا ہوں کہ مشکل ہے اتنا آسان کام نہیں ہے جتنا سننے سے معلوم ہوتا ہے۔ صرف ایک دن اپنی زندگی کا ایسا بنا کے دیکھیں جس میں فیصلہ ہو کہ صبح سے رات تک نہ جھوٹ بولنا ہے نہ ایسی بات کرنی ہے جو سچائی کو دوہرے رنگ میں پیش کرتی ہے۔ اپنی اداؤں سے، اپنے کلام سے، اپنے روزمرہ کے سلوک سے، اپنے گھر میں، اپنے گھر سے باہر، آپ نے خدائے واحد کا نمونہ بن کر پھرنا ہے۔ ایک دن منا کر دیکھیں اور رات کو بیٹھ کر حساب کریں مجھے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ حساب تو روزمرہ انسان کو کرنا ہی چاہیے۔ یہ یاد رکھیں کہ وَاللّٰہُ سَرِیۡعُ الۡحِسَاب ۔ آپ حساب نہیں کریں گے تو اللہ تو ساتھ ساتھ حساب کر رہا ہے اور وہ حساب میں بہت تیز ہے۔ تو کسی دن تو اپنا بہی کھاتہ کھولیں اور شام کے وقت ایسا دن منا کر جو توحید کے لئے خالص ہو اپنا حساب کر کے دیکھیں۔ پھر آپ کو معلوم ہوگا کہ کس حد تک آپ موحد بن چکے ہیں اور کس حد تک ابھی شرک کی ملونی باقی ہے۔ تو شرک کو جڑوں سے اکھیڑ پھینکنا یہ جماعت احمدیہ کا مقصد ہے اور اس صدی میں یہ مقصد جو ہم نے حاصل کرنا تھا۔ اس میں ابھی صرف تین سال باقی ہیں اسی لئے گھبراہٹ اور بے چینی کے ساتھ میں بار بار آپ کو توجہ دلاتا ہوں کہ اگلی صدی کے لئے ایک ہی تحفہ ہے جو ہم آگے بھیج سکتے ہیں وہ توحید کا تحفہ ہے۔ اس صدی کے پرانے زنگ دور کریں۔ جو غفلتیں ہیں ان کو ختم کریں۔ جو بقیہ وقت ہے اس میں اپنے نفس کے محاسبہ میں زیادہ سے زیادہ وقت گزاریں اور توحید کے قیام کے لئے جس حد تک کوشش ممکن ہے وہ کوشش کر دیکھیں اور ساتھ دعائیں کرتے رہیں کیونکہ دعاؤں کے بغیر ہماری کوئی کوشش بھی پھل نہیں لاسکتی۔ اس تعلق میں یعنی مضمون تو جیسا کہ میں نے عرض کیا بہت وسیع ہے اور اس کے سارے پہلو ایک مجلس میں بیان نہیں ہو سکتے مگر بعض پہلو بھی کھل کر بیان نہیں ہو سکتے یا کھول کر بیان نہیں کئے جاسکتے۔ اس سلسلے میں مَیں خطبات دے رہا ہوں۔ گزشتہ ایک دو سال سے تقریباً ہر خطبے میں اس مضمون کو کسی نہ کسی طرح داخل کرتا ہوں اور اسی مضمون کے آگے سلسلے چلے ہیں جو درحقیقت سب توحید ہی سے ملتے ہیں۔ اگر آپ توحید کو قائم کریں گے اور اپنی ذات میں قائم کریں گے تو آپ کے ہاتھ پر قومیں اکٹھی ہوں گی اور اس کے بغیر قومیں اکٹھی نہیں ہو سکتیں۔ اب آج

آپ نے جو نظارہ دیکھا اس میں مختلف قوموں کے نمائندے اپنی اپنی قوم کے مقابلوں میں انعام لینے کے نتیجے میں آپ کے سامنے ظاہر ہوئے۔ کوئی بوسنین قوم سے تعلق رکھتا تھا، کوئی Albanian سے، کوئی جرمن قوم سے۔ غرض یہ کہ جتنی بھی قومیں یہاں اس وقت موجود ہیں وہ سب کی سب نہ سہی مگر ان میں سے بہت سی ایسی ہیں جنہوں نے مقابلوں میں حصہ لیا۔ اب یہ پہلو خاص طور پر توجہ کے لائق ہے کہ بظاہر اس سے توحید ٹوٹتی ہے لیکن جس مقصد کی خاطر میں نے یہ سلسلہ شروع کیا وہ توحید کو توڑنے کے لئے نہیں توحید کے قیام کی خاطر کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب آپ مختلف قوموں کو احمدیت کی طرف یا حقیقی (دین) کی طرف بلاتے ہیں پھر اگر ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں اور ان کی وہ تربیت نہ کریں جو روایتاً ایک سو سال سے زائد عرصے سے آپ کی ہو رہی ہے تو یہ بھی توحید کے منافی ہے۔ آپ اور رنگ کے ہوں گے وہ اور رنگ کے بنیں گے۔ آپ دونوں کی روایات ایک نہیں ہوں گی۔ آپ کو جو خدا تعالیٰ نے سعادت بخشی کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام اور آپ کے (رفقاء) سے تربیت پائی یعنی آپ میں اگر چہ وہ (رفقاء) تو موجود نہیں مگر بھاری اکثریت آج جو میرے سامنے ہے وہ ایسے احمدیوں پر مشتمل ہے جو پاکستان سے تعلق رکھا کرتے تھے یا پاکستان واپس جانے کا خوف دل میں رکھتے ہیں مگر کسی نہ کسی پہلو سے ان کا تعلق پاکستان سے نہ ہو ہندوستان سے ہو، ہندوستان سے نہ ہو بنگلہ دیش سے ہو مگر ہے انہی لوگوں سے جن میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ظاہر ہوئے تھے اور آپ نے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کو از سرِ نو اپنے پاک نمونے کے ذریعے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ ان (رفقاء) کے تربیت یافتہ خاندانوں سے آپ کا تعلق ہے اور دیکھنا یہ ہے کہ ان سے کتنی دور نکل آئے ہیں۔ اگر ان پہلی نسلوں سے آپ کا توحید کے اخلاق کے معاملے میں بھی تعلق کٹ گیا تو ایک یہ بھی رخنہ ہے جو توحید میں پڑ چکا ہے۔ یعنی آج سے سو سال پہلے یا پچاس سال پہلے خود آپ لوگوں کے جو بزرگ تھے، انہوں نے کیا کیا اعلیٰ اقدار، اخلاق اور ایمان اور عمل میں حاصل کی تھیں۔ ان اعلیٰ اقدار سے اگر آپ جو اُن کی نسل سے ہیں، آپ کا تعلق ٹوٹ گیا ہے تو یہ توحید منقطع ہونے کا ایک دوسرا نام ہے۔ توحید صرف آسمان پر قائم نہیں توحید قوموں میں قائم ہے اور ہر فرد میں قائم ہوتی ہے۔ انسان کے تعلقات میں قائم ہوتی ہے اور خاندانوں کے نسلی تعلق میں بھی قائم ہوتی ہے۔ توحید کا ایک مضمون یہ ہے کہ پہلے لوگوں نے توحید کا جیسا حق ادا کیا تھا اگر اگلے لوگوں نے وہ حق ادا نہ کیا فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ تو یہی وہ لوگ ہیں جو فسق و فجور میں مبتلا ہیں اور قرآن کریم نے لفظ فاسق کو توحید توڑنے والوں کیلئے استعمال کیا ہے۔

اب بہت سی آیات ہیں جن کو پیش کیا جا سکتا ہے مگر ان سے پھر آگے تفسیری مضمون چل پڑیں گے۔ اسی

لئے میں ان کا حوالہ دیئے بغیر ان آیات کی روح آپ کے سامنے رکھتا ہوں قرآن کریم کی جو آیات آپ کے سامنے تلاوت کی گئیں تھیں ان میں یہی پیغام تھا۔ یٰٓاَ یُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُو اا تَّقُوْا اللّٰہَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَا تَّقُوااللّٰہَ اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (الحشر:19) اے وہ لوگو جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا جو ایمان لائے ہو اور تقویٰ کا دعویٰ رکھتے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو۔ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ اور اس بات پر نظر رکھو کہ آنے والے کل کیلئے تم کیا چھوڑ کر جا رہے ہو۔ اگر آنے والی نسلیں ویسی ہی بنیں گی جیسی تم ہو تو پھر تم واقعی متقی شمار ہو گئے۔ لیکن اگر تمہارے تقویٰ کی کمی کی وجہ سے اگلی نسلیں تم سے پھٹ گئیں تو پھر تم توحید پر قائم نہیں رہو گے پھر تم فاسق شمار ہو گے۔ وَلَا تَکُوْنُوا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ ایسے لوگوں کی طرح نہ بننا جنہوں نے اپنے آباؤ اجداد کے کمائے ہوئے خدا کو بھلا دیا۔ اب یہ لفظ کمائے ہوئے کا جو محاورہ ہے یہ تو اس میں موجود نہیں مگر ان آیات کا مطالعہ کر کے دیکھیں تو یہی مضمون ابھرتا ہے۔ وَلَا تَکُوْنُوا کَالَّذِیْنَ نَسُوا اللّٰہَ فَاَنْسٰھُمْ اَنْفُسَھُمْ کیونکہ وہ لوگ جو خود خدا کو یاد کرتے ہیں یعنی انبیاء کے تربیت یافتہ لوگ وہ خدا کو بھلایا نہیں کرتے۔ کوئی بھی جو سچائی کے ساتھ کسی خوبصورتی کا قائل ہوا کرتا ہے اس کو از خود بھلایا نہیں کرتا۔

آپ اپنے روزمرہ کے تجربے میں دیکھیں جو چیز آپ کو پیاری لگتی ہے اسی کو یاد کرتے ہیں اور جو چیز پیاری نہیں لگتی وہ یاد بھی آئے تو ماتھے پر بل پڑنے لگتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ ایسے نہ بننا کہ جنہوں نے اللہ کو یاد رکھا تھا اور پھر تم ان کی نسل سے ہوتے ہوئے اس خدا کو بھلا بیٹھے۔ یعنی خدا میں جو حسن انہوں نے دیکھا تھا وہ تم نے نہیں دیکھا۔ خدا سے جو تعلق ان لوگوں نے قائم کیا تھا وہ تم نہیں کر سکے۔ پس یہ وہ مضمون ہے جس کے پیش نظر میں نے آپ کو آپ کے آباؤ اجداد کا حوالہ دیا۔ اگرچہ میں نے یہ کہا کہ بہت ایسی آیات ہیں جن کی تفسیر میں مَیں نہیں جاتا مگر یہ وہ آیات تھیں جن کی تلاوت آپ کے سامنے ہوئی تھی۔ اس لئے ان کے حوالے سے میں آپ کو سمجھا رہا ہوں کہ مضمون ان میں یہی بیان ہوا ہے کہ خدا جب ایک دفعہ یاد کیا جائے تو اس لائق نہیں کہ اسے بھلا دیا جائے۔ وہ تو ایسی ذات ہے جس سے پیار بڑھا کرتا ہے جس سے تعلق دن بدن فزوں تر ہوتا ہے۔ پہلے سے آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس ایسے خدا کو یاد کر کے پھر ایسی نسلیں پیچھے چھوڑ جاؤ جو اس کو بھلا دیں، بہت بڑا ظلم ہے اور یہیں سے شرک شروع ہوتا ہے۔ پس آپ لوگ اس پہلو سے بھی اپنی توحید کا جائزہ لیں۔ آپ میں کچھ ایسے ہیں ملاقات کے وقت کہتے ہیں ہمارے پڑدادا (رفیق) تھے کوئی کہتا ہے ہمارا دادا (رفیق) تھا، اور بعض یہ بھی بتانے والے ملتے ہیں کہ ہمارے والد (رفیق) تھے مگر ایسے کم ہو رہے

ہیں جو والد کا (رفیق) ہونا بتائیں مگر دادا کا اور پڑ دادا کا بتاتے ہیں اور بڑے فخر سے ذکر کرتے ہیں، لیکن ایسی ملاقاتوں کے وقت میرا یہ کام تو نہیں کہ ان سے پوچھوں کہ کیا تم میں بھی (رفقاء) کے کوئی آثار پائے جاتے ہیں یا نہیں۔ مگر جس طرح فخر کیا جاتا ہے اس فخر کا تقاضا یہ ہونا چاہیے۔ میں نہ پوچھوں آپ تو پوچھا کریں، آپ تو اپنے دل سے پوچھا کریں کہ ہم جن اعلیٰ اخلاق والے صاحبِ کردار لوگوں کی نسل ہیں جنہوں نے وقت کے امام کو قبول کیا اور باوجود اس کے قبول کیا کہ ان کے والدین نے، ان کی سوسائٹی نے، ان کے خاندان نے، سب نے اس کو ردّ کر دیا تھا۔ کیوں قبول کیا تھا؟ اس لئے کہ ان کے دل اس یقین سے بھر گئے تھے کہ یہ نمائندہ خدائے واحد و یگانہ کا نمائندہ ہے۔ پس اللہ کے حضور انہوں نے سر جھکا دیے اور غیر اللہ کی نفی کر دی۔ پس امام وقت کو قبول کرنا درحقیقت توحید کے سامنے سرخم کرنا ہوا کرتا ہے۔ ان لوگوں کی نسل سے ہوتے ہوئے کیا آپ نے غیر اللہ کے سامنے سر جھکانے سے انکار کر دیا ہے۔ کیا آپ بھی روزمرہ کی زندگی میں صرف اُس ایک خدا کے حضور سر جھکاتے ہیں جس کے سامنے آپ کے باپ دادا نے سر جھکائے تھے؟ اگر نہیں تو پھر قرآن کریم کا یہ فتویٰ ہے کہ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡفٰسِقُوۡنَ یہی وہ لوگ ہیں جو فاسق ہیں یا فاسق ہو جائیں گے۔ ان کے خدا سے ہٹتے ہوئے دور ہونے کے متعلق کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ یعنی کچھ نہیں کہا جا سکتا میری طرف سے الفاظ ہیں معنے یہ ہیں اگر یہ لوگ تبدیلی پیدا کریں اگر ان کے اندر ایک فیصلے کا دن آجائے وہ فیصلے کا دن جس میں یہ اقرار کریں کہ اے خدا! ہم تیرے سوا اب کسی کی عبادت نہیں کریں گے۔ وہ فیصلے کا دن آجائے جس میں ان کی نمازیں بول اٹھیں کہ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ۔ اے ہمارے رب صرف تیری عبادت کرتے ہیں اور صرف تیری عبادت کریں گے۔ وَاِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ اور تیرے سوا کسی اور سے مدد نہیں مانگیں گے۔ وہ ایک دن آپ کے زندہ ہونے کا دن ہوگا وہ ایک دن آپ کی ذات میں توحید کے قیام کا دن ہوگا اور اس کے نتیجے میں آپ کے اخلاق کی کایا پلٹ جائے گی۔ جب خدا کو خدا مانیں گے اور اپنی بندگی کا اقرار کریں گے، اپنی ذات میں کسی حسن کو، کسی خوبی کو، کسی طاقت کو نہیں دیکھیں گے تو لوگوں کے سامنے جھک کر چلیں گے۔ جیسا قرآن کریم فرماتا ہے ھَوۡنًا عَلَی الۡاَرۡضِ یہ اللہ کے پاک بندے زمین پہ نرمی سے چلتے ہیں تکبر سے نہیں چلتے۔ رفتہ رفتہ ان میں سے ایسے ہیں جو اس طرح اپنی عاجزی میں غرق ہو جاتے ہیں کہ زمین پر ہر قدم جو پڑتا ہے وہ ان کے دل پر چوٹ لگاتا ہے کہ میں کون ہوں اس زمین پر اس طرح اس کو روندتے ہوئے چلنے والا۔ یہ وہ خدا کے بندے ہیں جو توحید میں غرق ہوتے ہوتے توحید میں پنہاں ہو جاتے ہیں اور پھر ان سے خدا کے وہ بندے اٹھتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ دوبارہ دنیا میں توحید کے قیام کے لئے ہدایت

فرماتا ہے ایسے ہی لوگ ہیں جن سے پھر آگے نبی بنتے ہیں مگر اس مقام تک نہ پہنچیں۔ اس کے پیچھے چلنے والوں کے ادنیٰ تقاضوں کو تو پورا کریں۔ کیونکہ اِیَّاکَ نَعْبُدُوَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے بعد پھر اگلا حکم یہی ہے کہ اگر واقعۃً اے میرے بندو! تم میری ہی عبادت کرتے ہو مجھ سے مدد چاہتے ہو تو میں تمہیں مدد کا رستہ دکھاتا ہوں۔ یہ دعا کرو اِھْدِنَاالصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ اے ہمارے اللہ! ہمیں اُس سیدھے راستے کی طرف ہدایت فرما صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ ان لوگوں کا رستہ جن پر تو نے انعام فرمایا تھا۔ ہمیں توفیق بخش کہ ہم ان کے پیچھے چلیں۔ وہ رستہ تو بہت دور تک آگے چلا جاتا ہے۔ اس قافلے کے سر پر تو حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آگے بڑھ کر قدم اٹھا رہے ہیں مگر پیچھے آنے والوں میں سے وہ جلوس جو آخرین تک آ پہنچا ہے اس جلوس کی قیادت حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرما رہے ہیں۔ ان کے پیچھے آپ کے آباؤ اجداد بھی تو ہیں۔

اے جماعت جرمنی کے احمد یو! جن کے آباؤ اجداد میں (رفقاء) یا (رفقاء) سے تربیت پانے والے لوگ تھے یہ سوچا کرو کہ جس خدا کی توحید کا آپ نے اقرار کیا، جس کی عبادت کے وعدے کئے، جس سے مدد مانگی، اس کی یہ آواز بھی تو سنو کہ اگر تم مجھ سے مدد چاہتے ہو تو مجھ سے یہ دعا کرو کہ تم سے پہلے جو نیک رستوں پر چلنے والے نیک لوگ تھے تم ان کے پیچھے چلو گے۔ تو وہ جو فرق پڑا تھا توحید کا اس میں ایک شبہ یہ پڑتا ہے کہ پہلے لوگوں کی غفلت کی وجہ سے آپ لوگوں کی تربیت میں کمی آ گئی ہو مگر یہ جو دوسرا پہلو میں بیان کر رہا ہوں اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خود آپ کی غفلت ہے کہ آپ ان کے پیچھے نہیں چل رہے۔ انہوں نے تو گرتے پڑتے جیسا بھی بن پڑی خدا سے انعام پانے والوں کی پیروی کی تھی۔ وقت کے تقاضوں کے خلاف ان کی پیروی کی تھی۔ بڑھتی ہوئی مخالفتوں کے باوجود ان کی پیروی کی تھی۔ وہ تو آگ کے شعلوں سے گزر کر بھی اس قافلے کے پیچھے ہی چلتے رہے۔ کئی ان میں سے ایسے بھی تھے جو واقعۃً زندہ جلا دیے گئے۔ کئی وہ تھے جو پتھراؤ کے نتیجے میں رستوں کا ڈھیر ہو گئے مگر پیچھے چلنا نہیں چھوڑا۔ آپ ان کی اولاد ہیں۔ ان آباؤ اجداد کی نسلوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ تو توحید کو اس طرح بھی تو قائم کریں کہ خدا سے جو مانگا کہ اے خدا! ہم تیری عبادت کرتے ہیں۔ اس نے جو آپ کو سمجھایا کہ میری عبادت کرتے ہو تو پھر ان لوگوں کے پیچھے چلو جو نیک لوگوں کے رستوں پر چلنے والے لوگ تھے۔ اس رستے کو کیوں چھوڑ بیٹھے ہو۔

اپنے آباؤ اجداد کی نیکیوں کو زندہ رکھو

پس اسی پہلو سے میں بار بار آپ کو توجہ دلاتا رہا ہوں اور سب دنیا کو توجہ دلاتا رہا ہوں کہ اپنے آباؤ اجداد

کی نیکیوں کو زندہ رکھو۔ اپنے گھروں میں ان کا ذکر خیر چلایا کرو اپنے ماں باپ سے سنا کرو کہ وہ کون لوگ تھے، مگر میں نے تو اکثر نئی نسل کے بچوں سے جب سوال کئے ہیں تو مشکل سے باپ کا نام ''پپا'' یاد رہتا ہے اور ماں کا ''مما'' اور اس سے آگے چلیں تو ان کو کچھ پتا نہیں کہ وہ کون تھے۔ ان کی لاعلمی کے ذمہ دار آج کی نسل کے بڑے بزرگ لوگ ہیں۔ ان پر لازم ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کی جستجو کریں۔ خود تلاش کریں کہ وہ کون تھے اور دین کی راہوں پر انہوں نے کیا کیا قربانیاں کی تھیں؟ پھر اگلی نسلوں کو وہ باتیں بتائیں اور جب یہ بتائیں گے تو لازماً جو انہوں نے کھویا تھا اس کے ذکر کے ساتھ جو پایا ہے وہ بھی تو بتانا ہوگا۔ کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ خدا کے راستے میں کھونے والے کچھ پا نہ رہے ہوں۔ ان کا کھونا پانے کے نتیجے میں ہوا کرتا ہے۔ ایک ہاتھ سے وہ جو کچھ ان کا تھا وہ بظاہر ضائع کر رہے ہوتے ہیں اور دوسرے ہاتھ سے اللہ تعالیٰ سے وہ کچھ لے رہے ہوتے ہیں جو کبھی ختم نہیں ہوتا، جو عطا کا ایک نہ ختم ہونے والا، ایک جاری وساری سلسلہ ہے۔ ایک ایسے رازق خدا کی طرف سے ہے جس کا رزق ساری کائنات بھی وہ بخش دے تو پھر بھی ختم نہیں ہوگا۔ پس پانے کے نتیجے میں کھونے کا غم کم ہوتا ہے اور یہ ایک طبعی اور لازمی حقیقت ہے، جو انسانی فطرت کی گہرائی سے تعلق رکھتی ہے۔ جب تک اس کو آپ نہیں سمجھیں گے تو تربیت کے رازوں سے ناواقف رہیں گے۔

پس وہ لوگ جو اپنے آباؤ اجداد کا ذکر اس طرح کرتے ہیں کہ انہوں نے احمدیت کی راہ میں یہ کچھ کھویا، اگر یہیں کھڑے ہو گئے تو حقیقت میں وہ اس مضمون کا حق ادا نہیں کر سکیں گے۔ بلکہ بعض دفعہ غلط پیغام دے رہے ہوں گے۔ گویا ہمارے آباؤ اجداد تھے جنہوں نے احمدیت پہ یہ احسان کئے تھے جن کے نتیجے میں احمدیت قائم ہوئی۔ اسی قسم کے غلط متکبرانہ خیال کی نفی کے طور پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ قُلْ لَاتَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ۔ یعنی ایسے لوگوں کو اے رسول یہ کہہ دیا کر لَاتَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَکُمْ۔ مجھ پر اپنا اسلام نہ جتایا کرو۔ اسلام تو تم پر جتانے والی چیز ہے۔ اسلام نے تو تمہاری کایا پلٹی ہے۔ تمہارے اندر عظیم تبدیلیاں پیدا کی ہیں۔ بے وقوفو! یہ سوچو کہ اسلام کے کتنے احسانات ہیں۔ تو ایک دوسرا پہلو بھی ہے جو توحید کے قیام کیلئے ضروری ہے کہ اپنے آباؤ اجداد کے اوپر جو خدا کے فضل نازل ہوئے، جس طرح اللہ تعالیٰ نے پھر ان سے احسانات کے سلسلے کئے ہیں، ان کا بھی ذکر خیر چلے۔ یہ بھی تو بتایا کرو کہ اللہ تعالیٰ کس طرح ان کو رؤیا اور کشوف میں آئندہ کی خبریں دیا کرتا تھا۔ کس طرح مشکل وقتوں میں ان کا سہارا بنا کرتا تھا۔ وہ کیا تھے انہوں نے کیا کھویا تھا، اور پایا کیا۔ اور ان کی نسلیں کس طرح دنیا میں پھیل گئیں اور عظیم الشان ترقیات حاصل کیں؟ یہ باتیں بھی ساتھ بتائی جائیں تو ایسی صورت میں نئی نسل کا پچھلی نسل سے تعلق ٹوٹ سکتا ہی نہیں۔ کل کی جرمن مجلس میں ایک مخلص

جرمن نے مجھ سے یہ سوال کیا کہ میں یہاں پرانے لوگوں اور نئے لوگوں کے درمیان ایک فرق دیکھ رہا ہوں اور ان کے درمیان ایک Gap جس کو انگریزی میں Generation Gap کہا جاتا ہے یہاں بھی انہوں نے یہی لفظ استعمال کیا کہ نسلوں کا فرق ایسا پڑ گیا ہے کہ گویا درمیان میں ایک فصیل حائل ہو گئی ہے۔ پہلی نسل کا دوسری نسل سے تعلق ٹوٹ گیا ہے۔ ان کو جو میں نے بتایا جو کچھ کہا اس کا مختصر ذکر میں بعد میں بھی کروں گا لیکن میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ انہوں نے، دیکھنے والی آنکھ نے باہر سے یہ محسوس کیا اور توحید کے قیام کے خلاف ہے یہ نسلوں کا فرق ہونا۔ یعنی ایسا فرق جو ایک نسل کی خوبیوں کو دوسری نسل سے کاٹ دیتا ہے مگر ایک نسل کی برائیوں کو دوسری نسل سے کاٹنا توحید کے خلاف نہیں ہے کیونکہ ہر نیکی توحید ہے۔ ہر بدی اور ہر جھوٹ غیر اللہ ہے۔ پس مذہب کی دنیا میں یہ اس قسم کا انگریزی محاورہ نہیں پایا جاتا کہ ایک نسل کا دوسری نسل سے کوئی Gap نہ ہو، کوئی جدائی نہ ہو۔ اگر یہ ہوتا تو پھر انبیاء ہی پیدا نہ ہوتے۔ دیکھو انبیاء جدائیاں پیدا کرتے ہیں اور بعض دفعہ ان کا جدائیاں پیدا کرنا دشمن کے لئے کئی قسم کے شبہات پیدا کر دیا کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں کیسے لوگ آئے ہیں جنہوں نے ہمیں اپنے پہلوں سے کاٹ دیا ہے۔

انبیاء بدیوں کو کاٹنے والے ہوتے ہیں

پس یاد رکھو کہ توحید جہاں جوڑتی ہے وہاں کاٹتی بھی ہے اور محض فرضی نعرہ بازی توحید کا کام نہیں ہے۔ چنانچہ سب انبیاء پر اُن کی قوموں نے جو بڑے بڑے اعتراض کئے ان میں سے ایک یہ بھی تھا کہ تم تو ہمیں اپنے آباؤ اجداد سے کاٹ رہے ہو۔ چنانچہ بعض دفعہ Bosnians کی میٹنگ میں بعینہٖ یہی سوال اٹھا کہ تم احمدیت لے کر کیا آئے ہو۔ کیا ہماری فوجوں، ہمارے بڑوں، ہمارے آباؤ اجداد سے کاٹ کر ہمیں الگ کر دو گے؟ ان کو میرا یہی پیغام ہے جو انبیاء نے اپنی قوم کو دیا تھا کہ دیکھو ہم تمہیں غلط باتوں سے کاٹ رہے ہیں نیکیوں سے نہیں کاٹ رہے۔ تمہیں کس نے بتایا ہے کہ تمہارے ماں باپ ہمیشہ سچ ہی بولا کرتے تھے۔ تمہیں کس نے کہا کہ تمہارے ماں باپ سچی توحید پر قائم تھے۔ تم یہ دیکھو کہ ہم کن باتوں سے کاٹ رہے ہیں اور کن باتوں کو جوڑ رہے ہیں۔ جن باتوں کو کاٹنا مقصود ہے ان باتوں کو ہم کاٹ رہے ہیں۔ بدیوں کو کاٹ رہے ہیں، جھوٹ کو کاٹ رہے ہیں، فسق و فجور کو کاٹ رہے ہیں، منافقت کو کاٹ رہے ہیں، سوسائٹی کو سیدھا اور پاک اور صاف کر رہے ہیں، تکبر سے پاک کر رہے ہیں، شرک سے پاک کر رہے ہیں، ایک دوسرے پر تعلّی کرنے سے اور ایک دوسرے پر ظلم سے پاک کر رہے ہیں، اگر تم یہ کہتے ہو کہ یہ کاٹنا برا ہے تو پھر تمہاری بڑی حماقت

ہے۔ انبیاء تو بدیوں کو کاٹنے والے ہوا کرتے ہیں اور اگر پہلی نسلوں میں بدیاں قائم ہو چکی ہوں تو اس کی اولادوں کو پہلی نسل سے کاٹا کرتے ہیں اور اگر وہ نہ کاٹیں تو ان کے ماں باپ اپنی اولادوں کو کاٹ کر الگ پھینک دیا کرتے ہیں۔

چنانچہ انبیاء کو قبول کرنے کی جو کہانی ہے وہ ساری دنیا میں ایک ہی طرح چلی ہے۔ اس میں کبھی آپ کوئی فرق نہیں دیکھیں گے۔ آدم سے لے کر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تک اور آج پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صورت میں یہی کہانی ہے جو دوبارہ زندہ کی جا رہی ہے۔ احمدیت پرانی نسلوں سے اس وقت کاٹتی ہے اور ان سے کاٹتی ہے جو بُرائیوں پر قائم ہوں اور جہاں تک نیکیوں کا تعلق ہے نیکیوں سے جوڑتی ہے اور اس طرح نئے رشتے قائم ہوتے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو گزشتہ انبیاء کے وارث بن جایا کرتے ہیں، کیسے وقت میں پیدا ہوئے اور کن وقتوں سے جا ملے؟ یہ توحید کا ایک دوسرا پہلو ہے۔ یعنی غلطیوں سے برائیوں سے کاٹنے والی، نیکیوں سے جوڑنے والی اور فاصلے پاٹ دینے والی، فاصلے پیدا کرنے والی نہیں۔ پس نادان ہیں جو یہ دیکھتے ہیں کہ احمدیت نے تو فاصلے پیدا کر دیے۔ Bosnians کو Bosnians سے الگ، Albanean کو Albanean سے الگ کر دیا۔ مگر نہیں جانتے کہ الگ کر دیا تو ملایا کس سے، ملایا حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ اس آیت کا نشان بن گئے جس میں قرآن کریم نے پیشگوئی کی تھی وَاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ محمد رسول اللہ ان آخرین میں بھی پیدا ہوں گے جو آج تک کے لوگوں سے ملے نہیں مگر جب ملیں گے تو ایک کر دیں گے پہلوں کو دوسرں سے ملا دیں گے دوسروں کو پہلوں سے ملا دیں گے۔ پس دیکھو جہاں کاٹنے کا مضمون ہے وہاں توحید میں ایک جوڑنے کا بھی مضمون ہے مگر توحید اچھے لوگوں سے جوڑتی ہے اور برے لوگوں سے کاٹتی ہے۔ اس پہلو سے احمدیت میں عظیم الشان نمونے دکھائے گئے ہیں۔

حضرت مولوی برہان الدین صاحب جہلمی کا صبر واستقامت

ایک سیالکوٹ کے جلسے کے بعد کا نمونہ تھا جو میں پہلے بھی آپ کے سامنے بیان کر چکا ہوں۔ غالباً مولوی برہان الدین صاحب کا تھا وہ۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا سیالکوٹ کا جلسہ جب ختم ہوا تو مخالفین نے بہت دور دور تک گھیرے ڈالے ہوئے تھے اور اڈے بنائے ہوئے تھے کہ اس جلسے سے جو احمدی بکھر کر دور ہٹیں گے یعنی اجتماعی طاقت سے الگ الگ ہوں گے اس وقت ان پر حملہ کیا جائے گا۔ اس وقت مولوی برہان الدین صاحب

کو ایک ایسے ہی جتھے نے پکڑ لیا اور بہت مارا اور بہت ذلیل کیا لیکن ہر دفعہ وہ سبحان اللہ، سبحان اللہ پڑھتے جاتے تھے۔ کہتے اللہ کی شان دیکھو مجھے خدا نے کیسا مرتبہ دیا۔ مارنے والے اور بظاہر ذلیل کرنے والے حیران ہوئے اور ایک شخص نے گوبر وہاں سے اٹھایا اور ان کے منہ پر ملا اور ان کی آنکھوں میں گیا ان کے ناک میں گھسا ان کے منہ کے اندر چلا گیا اور وہ سبحان اللہ پڑھتے رہے کہ واہ واہ! اللہ کی کیا شان ہے۔ مجھ جیسے بر ہانے کو اٹھا کر کن لوگوں سے ملا دیا۔ کسی پوچھنے والے نے ان سے پوچھا کہ یہ تم کیا باتیں کر رہے ہو یہ تو پاگلوں والی باتیں تھیں۔ انہوں نے کہا یہ پاگلوں والی باتیں نہیں۔ یہی تو تھیں جو حق کی باتیں ہیں جو سچائی کی باتیں ہیں۔ ایک پیشگوئی قرآن کریم نے فرمائی تھی تیرہ سو سال پہلے کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم آخرین میں ظاہر ہوں گے جب ظاہر ہوں گے تو آخرین کو پہلوں سے ملا دیں گے۔ میں جب پڑھا کرتا تھا تو سوچا کرتا تھا کہ کہاں وہ زمانے تیرہ صدیاں حائل ہوگئیں بیچ میں۔ کہاں عرب کے لوگ کہاں پنجاب کے ڈھگے کہلانے والے باشندے جن کو بعض باہر کے لوگ ہندوستان کے بیل، گائے، بھینسیں قرار دیا کرتے تھے۔ کہاں ہم لوگ کہاں وہ لوگ مگر دیکھو! مرزا غلام احمد آف قادیان کو دیکھو! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی غلامی کی کہ آپ کی ذات میں محمد مصطفیٰ دوبارہ ظاہر ہوئے اور قرآن کی اس پیشگوئی کو کس شان سے پورا کر دیا وَاٰخَرِيْنَ مِنْهُمْ لَمَّا يَلْحَقُوْا بِهِمْ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (الجمعۃ:4) کہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جب دوبارہ آئیں گے تو ان کا دوبارہ آنا ظاہری طور پر چاند سورج کی طرح چمکے گا۔ دنیا دیکھ لے گی کہ یہ وہی ہے جو آیا ہے۔ کیونکہ اس کے ماننے والوں پر جو ظلم وستم اس کے زمانے میں ہوئے تھے وہ دوبارہ اس شبیہ کی صورت میں جو شبیہ آنحضرتؐ کے آنے کو دوبارہ آنا قرار دے رہی ہوگی، اس کے غلاموں کے اوپر پورے کئے جائیں گے۔ وہ ساری باتیں ان کے حق میں پوری ہوں گی۔ پس وہ جو سبحان اللہ پڑھ رہے تھے۔ وہ اس بات پر پڑھ رہے تھے کہ مکّے کی گلیوں میں تو کبھی بلال گھسیٹا جاتا تھا، کبھی اور طرح طرح سے غلاموں اور ادنیٰ اور غریب لوگوں کو سزائیں دی جاتی تھیں۔ آج حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو مان کر میری قوم نے مجھ سے بھی وہی سلوک کیا ہے۔ تو دیکھو یہ کاٹا جانے کا مضمون ہے تو حید ایک طرف کاٹ رہی ہے، اپنی سوسائٹی سے الگ کر رہی ہے اور اتنا الگ کر رہی ہے کہ وہ جو پہلے عزت کرنے والے تھے وہ اتنے دشمن ہوگئے کہ ہر قسم کی غیر انسانی حرکتوں پر اتر آئے مگر ملایا تو کن سے جا ملایا۔ رفقاء سے جا ملایا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں ع

...... سے ملا جب مجھ کو پایا

اے دنیا سے کاٹے جانے والو! جن کو دنیا نے حقیر اور ذلیل کر کے چھوڑ دیا ہے۔ یہ بھی تو سوچو تم کن سے جا ملے ہو یہ وہ توحید ہے جو زمانوں کو پاٹتی ہے اور قوموں کے تفرقوں کو مٹا دیا کرتی ہے۔

نیک لوگوں کا نمونہ اپنائیں

پس اس توحید پر قائم ہونا آپ کے لئے ازبس ضروری ہے۔ اس پہلو سے اپنے ماں باپ کا فخر سے ذکر کریں یعنی فخر ان معنوں میں کہ وہ بہت اچھے لوگ تھے۔ مگر اپنی بڑائی کے معنوں میں نہیں۔ ان معنوں میں کہ ہمیں دیکھو ہم بھی تو ان سے مل رہے ہیں۔ ہم غیروں سے کاٹے جا رہے ہیں اور نیک لوگوں کی صفات کو اپنا رہے ہیں۔ ان جیسے ہو رہے ہیں۔ اگر آپ یہ دعویٰ کر سکتے ہیں تو آپ توحید کے علمبردار ہیں۔ اگر آپ نیکیوں سے سرک کر بدیوں کی طرف حرکت کر رہے ہیں تو پھر آپ ہرگز توحید کے علمبردار نہیں ہیں۔ آپ فسق و فجور کے علمبردار بن جائیں گے۔ پس توحید کو محض نعروں کے لئے نہ رکھیں۔ توحید کو غور سے دیکھتے دیکھتے ایک ایک پہلو پر نظر رکھتے ہوئے، اس کی باریک راہوں کو اختیار کرتے ہوئے، اپنی ذات میں جاری کریں اور جیسا کہ میں نے پہلے عرض کیا تھا۔ ہر قسم کے جھوٹ سے توبہ کر لیں۔ یہ جتنی مثالیں میں دے رہا ہوں یہ جھوٹ ہی ہے۔ آباؤ اجداد نے بڑے کام کئے۔ اپنے ان بڑے کاموں کے متعلق سر بلندی دکھاتے ہوئے ان کے ذکرِ خیر کو اچھالا کہ ہمارے آباؤ اجداد یہ ہوا کرتے تھے یہ ہوا کرتے تھے۔ جھوٹ یہ ہے کہ آپ ویسے نہیں ہیں اگر فخر تھا تو سچی بات جس پر فخر ہوا کرتا ہے انسان ویسا بننے کی کوشش کرتا ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں لوگ ایکٹریسوں کی بھی نقل کرتے ہیں، ایکٹروں کی بھی نقل کرتے ہیں، کھلاڑیوں کی نقلیں کرتے ہیں اور کوئی چیز بھی جس کو وہ پسند کرتے ہیں اس سے روگردانی نہیں کیا کرتے۔ ویسا بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو آپ بھی ان جیسا بننے کی کوشش کریں۔ یہ حق ہے۔ یہ توحید کا دوسرا نام ہے۔ اپنے پہلوں اور بعد والوں میں کوئی تفریق نہ پیدا ہونے دیں، جو توحید کے منافی ہو۔ پس وہ مضمون جو دیکھنے میں آسان دکھائی دیتا تھا جب میں اس کی تفصیل بیان کرتا ہوں تو دیکھو کتنا مشکل اور مشکل سے مشکل تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ مگر ہم نے لازماً یہ کرنا ہے اسکے بغیر ہم دنیا میں جینے کا حق نہیں رکھتے۔ ہمیں دنیا کو توحید کی طرف بلانے کا کوئی بنیادی طور پر استحقاق ہی نہیں پیدا ہوتا اور بلانا ہم نے ضرور ہے۔ یہ وہ راہ ہے جسے ہم اختیار کر چکے ہیں۔ خواہ اس راہ پر مارے جائیں، اب ہم نے پیچھے نہیں ہٹنا اور اس پہلو سے صدی کے دیکھو کتنے تھوڑے سال باقی ہیں۔ اس صدی کو اگلی صدی سے اس طرح ملانا ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صدی کا آغاز اس

اگلی صدی سے جُڑ جائے اور پھر یہ سارے لَمَّا یَلْحَقُوْا بِھِمْ کا مضمون دنیا کے سامنے پیش کررہے ہوں۔ آنے والے بھی رفقاء سے ملیں۔یعنی رفقاء کا رنگ اختیار کر چکے ہوں۔ یہ کام بہت مشکل ہے مگر آسان بھی ہے۔مشکل تو اس لحاظ سے کہ بہت لمبے سفر کرنے ہیں۔اپنی زندگی میں بہت جھاڑ پونچھ کرنی ہے۔بہت کچھ دیکھنا ہے کیا کیا خرابیاں، کیا کیا گند، کیا کیا داغ لگے ہوئے ہیں، کیا کیا گندی عادتیں پڑ چکی ہیں مگر آسان اس لئے ہے کہ اللہ کو آوازیں دیتے ہوئے چلنا ہے۔ سچے دل سے اس کو بلاتے ہوئے آگے چلنا ہے۔اپنے عجز کا اقرار کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے۔اللہ کے حضور بھکاریوں کی طرح بھیک مانگتے ہوئے آگے بڑھنا ہے۔اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ۔اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَاِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ اے خدا ہم تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے مگر بہت کمزور ہیں، تجھ سے مدد مانگتے ہیں۔تجھ سے مدد مانگتے رہیں گے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔تُو ہماری نصرت فرما۔کبھی دل ڈال کر ان آیات کو پڑھ کے تو دیکھو۔کبھی ان دعاؤں کو حرزِ جان تو بناؤ۔کبھی اٹھتے بیٹھتے یہ سوچا تو کرو کہ اے اللہ! ہم میں کوئی طاقت نہیں مگر چاہتے ہم ضرور ہیں کہ تیری عبادت کریں اور تیرے سوا کسی کی نہ کریں۔ پھر دیکھو اللہ تعالیٰ اس سفر کو کتنا آسان کردے گا۔قدم قدم پر تمہاری نصرت فرمائے گا تم پر ظاہر ہوگا، تم کو اپنے پہلوں سے ملائے گا اور تم جانو گے کہ ہاں تم پہلوں سے مل رہے ہو۔تمہاری زندگی میں ایک حق ظاہر ہوگا۔جھوٹ سے تمہیں نفرت ہوتی چلی جائے گی اور تمہاری زندگی کے سب دوغلے پن، سب دوئی دور ہو جائے گی۔

سچائی کو اپنی زندگی کا شعار بنالیں

یہ وہ مضمون ہے جو میں سمجھا سمجھا کر تھکتا نہیں ہوں کیونکہ میرا کام ہے۔زندگی کے آخری سانس تک میں آپ کو یہی پیغام دیتا رہوں گا۔اس کے سوا میری زندگی کا اور کوئی مقصد نہیں۔حق پر قائم ہوں، سچائی کو اپنی ذات میں قائم کریں، سچائی کو اپنی زندگی کا شعار بنالیں، اپنی ادائیں بنالیں۔اپنے گردوپیش سچائی کا نور پھیلائیں تاکہ سارے اس سچائی کے اوپر عاشق ہوتے ہوئے آپ کے ساتھ اس قافلے میں آگے بڑھنے لگیں۔اس کے سوا قوموں کو کیسے آپ باندھ سکتے ہیں۔ جب توحید کا دامن چھوڑیں گے، قومیں بکھر کر الگ الگ ہو جائیں گی۔ جرمن جرمن ہو جائیں گے، بوسنین بوسنین بن جائیں گے، البانین البانین بن کر آپ سے جدا ہو جائیں گے، افریقن افریقن ہو کر آپ کو سلام کریں گے کہ آپ اپنے رستے پر چلیں ہم اپنے رستے پر چلتے ہیں۔توحید کے سوا کوئی بندھن ہے ہی نہیں جو عالمی بندھن ہو، جو انسان کو انسان کے ساتھ

باندھ رہا ہو اور توحید ان سارے اخلاق کا نام ہے جو میں آپ کے سامنے بیان کر رہا ہوں۔ ان کو اپنی ذات میں پیدا کریں تو پھر بے اختیار دنیا کی ساری قومیں آپ سے جڑیں گی کیونکہ آپ نہیں ہوں گے، آپ خدا کے مظہر بن چکے ہوں گے۔ آپ خدائے واحد و یگانہ کی صفات کو دنیا کے سامنے پیش کر رہے ہوں گے۔

بیوت الذکر توحید کا نشان ہیں

یہی وہ امور ہیں جن کے پیش نظر میں نے (بیوت الذکر) کی بھی تحریک کی تھی کیونکہ (بیوت الذکر) توحید کا نشان ہیں۔ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے، لوگوں سے پوچھا ہے۔ مجھے یہ محسوس ہو رہا ہے کہ ابھی جماعت جرمنی میں سو (بیوت الذکر) بنانے کے لئے اعتماد نہیں پیدا ہوا۔ بہت لمبا عرصہ پہلے میں نے تحریک کی تھی اور آج تک کل مراکز آپ صرف پندرہ بنا سکے ہیں جن میں پہلے کی بنی ہوئی (بیوت الذکر) بھی شامل ہیں یعنی فرینکفرٹ کی (بیت الذکر) بھی اور ہمبرگ کی (بیت الذکر) بھی۔ تو اس خیال سے جہاں تک میں نے جائزہ لیا لوگوں کے دل بیٹھے ہوئے دکھائی دیے۔ وہ سمجھتے ہیں میں تحریکیں تو کرتا ہوں مگر بعض دفعہ دیکھتا نہیں کہ طاقت ہے بھی کہ نہیں مگر میں جو تحریک کرتا ہوں میرا ذہن توحید کی طرف جاتا ہے اور توحید سے جو طاقت نصیب ہوتی ہے اس کی طرف جاتا ہے اور توحید کی طاقت سے بسا اوقات ناممکن دکھائی دینے والی چیزیں بھی ممکن ہو جایا کرتی ہیں لیکن توحید میں اللہ تعالیٰ کی ذات پر اعتماد بھی داخل ہے اور جو بلند ارادے کئے ہیں ان ارادوں کی تائید میں اپنی ساری طاقتوں کو ڈھال دینا بھی شامل ہے۔ پس اگرچہ ارادہ بہت بڑا دکھائی دیتا ہے مگر اگر آپ سب یہ دل میں عہد کریں کہ ہم نے یہ کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ پر توکّل کرتے ہوئے آگے بڑھنا ہے تو پھر آگے بڑھنا آپ کا کام ہے، توکل کرنا آپ کا کام ہے۔ پھر اس کی مرضی اگر وہ چاہے گا تو سو (بیوت الذکر) کی توفیق دے گا۔ نہیں چاہے گا تو نہیں دے گا مگر آپ سے پھر کوئی شکوہ نہیں مگر اگر ہمت ہار بیٹھیں اگر سفر شروع نہ کریں اور اگر گزشتہ سالوں کو آپ شامل کر لیتے تو اب تک خدا جانے کتنا آگے بڑھ چکے ہوتے۔ تو اب تو صرف تین سال باقی ہیں۔ تین سال میں کچھ نہ کچھ ضرور ہو سکتا ہے لیکن اس کے لئے اب آپ کو اپنے آپ کو منظّم کرنا ہوگا اور منظّم کرنے کے لئے بہت سے ایسے طریق ہیں جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا ہوں۔ چند باتیں جو باقی وقت ہے اس میں اب میں آپ کو سمجھاؤں گا۔

سب سے پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ اگر مرکزی کسی ایک کمیٹی کو یہ کہا جائے کہ آپ (بیت الذکر) Plan کریں یعنی (بیوت الذکر) کے منصوبے بنائیں، تو سال بھر تو ان کو منصوبے بنانے میں لگ جائے گا اور جب وہ بنائیں گے تو پھر سوچیں گے کہ ایک کو پہلے ہاتھ ڈالیں یا دو کو ڈالیں یا تین کو ڈالیں۔ تو تین سال تو انہی باتوں میں گزر جائیں گے اور بمشکل ایک دو یا تین کے سوا وہ کچھ بھی آپ کے سامنے پیش نہیں کر سکیں گے یا خدا کے سامنے پیش نہیں کر سکیں گے۔ جب جلدی کے وقت ہوں تو اسی نسبت سے تنظیم کو اعلیٰ، بالکل واضح اور قطعی ہو جانا چاہیے۔ اس لئے پہلی میری نصیحت تو آپ کو یہ ہے کہ جماعت جرمنی اگر ایک کمیٹی بنائے تو اس کو چند دن معین دیں۔ ان معین دنوں کے اندر اندر آپ سو (بیوت الذکر) کی جگہیں طے کریں، علاقے طے کریں اور ان علاقوں سے وابستہ جماعتوں کو متعین کریں کہ یہ جماعتیں مل کر ان علاقوں کا خیال کریں گی اور ان علاقوں میں پھر فوری طور پر مرکزی کمیٹیاں بنائیں۔ جن کا کام ہو کہ آج ہی سے وہ اجازتیں بھی لینا شروع کریں حکومت سے۔ زمین کی تلاش شروع کریں اور پھر جو بھی مالی ضرورت پیدا ہو گی آپ دیکھیں گے کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے اس کو پورا کرتا چلا جائے گا مگر سو جگہوں پر مسلسل ساتھ ساتھ کام ہونا ضروری ہے۔ آج ہی سے شروع ہونا چاہیے۔ کل کا انتظار بے سود ہے کون سا وقت ہمارے پاس رہ گیا ہے۔ اس لئے سو (بیوت الذکر) کے لئے الگ الگ کمیٹیاں اپنی اپنی (بیت الذکر) کے لئے فوری طور پر سر جوڑ کر بیٹھیں اور یہ فیصلہ شروع کریں کہ کہاں سب سے اچھی بہترین جگہ مل سکتی ہے اور پھر اس کے متعلق انتظامی کارروائیاں فوراً شروع کریں۔ جو زمین جتنے کی ملتی ہے اس کے متعلق امیر صاحب کو لکھیں، امیر صاحب ساتھ ساتھ مجھے لکھنا شروع کریں تو بجائے اس کے کہ ایک مرکزی کمیٹی دو یا تین (بیوت الذکر) کی پلاننگ کر کے منظوریاں لے ستّر اسّی لاکھ کا منصوبہ بنائے۔ ایسا منصوبہ بنائیں جس پر روزمرہ عمل کیا جا سکتا ہے اور وہ اسی طرح ہے کہ ہر حصے کی کمیٹیاں الگ الگ۔ ہر حصے کی (بیوت الذکر) کا فیصلہ کرنا ان کا کام ہو۔ اپنے ساتھ وہ ٹیم لے کر آگے چلیں اور پھر چندہ اکٹھا کرنے والے الگ ہوں اور یہ کام کرنے والے اور منصوبہ بنانے والے الگ ہوں۔

مجھے جو گزشتہ چند دنوں میں جماعت جرمنی کے نئے بچوں سے واسطہ پڑا ہے مجھے ان سے بہت توقعات ہیں اور ان کو میں نے بہت پہلے سے سدھرا ہوا پایا ہے۔ سوال جواب سے بھی ظاہر ہوتا ہے مگر روزمرہ ان کے دیکھنے سے، ان کی باتوں سے، ملاقات میں جب مجھ سے ملتے ہیں مجھے خدا تعالیٰ کے اس فضل کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے الفاظ نہیں ملتے کہ اللہ نے آپ کی نئی نسل کو سنبھال لیا ہے۔ بہت پیارے

بچے پیدا ہو رہے ہیں، بہت پیاری بچیاں پیدا ہو رہی ہیں، مگر ان میں بہت سے ضائع بھی ہو رہے ہیں۔ ایسے بھی ہیں جو ماحول کا شکار ہو گئے۔ تو اس مضمون پر غور کرتے ہوئے میں نے یہ سوچا کہ آپ کے بچوں کی ایک الگ ٹیم بنائی جائے جو بچوں ہی سے پیسے اکٹھے کریں اور ان کے بھی ہر Region میں مقابلے ہوں۔ سو (بیوت الذکر) کیلئے اس علاقے کے بچوں کی ٹیمیں ہوں اور وہ بچے جو اس وقت کام نہیں کر رہے اور جماعت سے پیچھے ہٹ رہے ہیں ان کو بھی ممبر بنایا جائے اور پھر دیکھیں کہ یہ بچے انشاء اللہ تعالیٰ کتنے زور سے آگے بڑھیں گے۔ کیونکہ جرمنی کی قوم کو ابھی تک خدا تعالیٰ نے یہ فضیلت عطا فرمائی ہے کہ بچوں کے لئے الگ پیسے مقرر کرتے ہیں اور باقی دنیا میں تو یہ رواج چل رہا ہے کہ پہلے بچے کے اگر بارہ سو ہیں تو دوسرے کے (600) چھ سو ہو جائیں گے تیسرے کے تین سو رہ جائیں گے۔ جرمن قوم کو یہ فضیلت ہے کہ پہلے بچے کے بارہ سو ہیں تو دوسرے کے پندرہ سو (1500) ہوں گے اور تیسرے کے اور آگے بڑھیں گے۔ تو یہ ایک حیرت انگیز بات ہے جو اس قوم میں پائی جاتی ہے۔ جب تک ہے، خدا کرے یہ ہمیشہ جاری رہے، اس سے استفادہ کریں۔ تو احمدی بچے جن کی عمر یعنی بلوغت کے بعد تک یعنی سترہ اٹھارہ سال تک کے جو کالج کے لڑکے یا سکول کے لڑکے چھوٹی عمر کے بھی، ان سب کی ٹیمیں بنائیں، انہی کے نگران بنائیں اور ان کو ایک ایک (بیت الذکر) ایک ایک گروہ کے سپرد کر دیں کہ اس کے لئے تم نے پیسے اکٹھے کرنے ہیں اور بچوں سے کرنے ہیں اور پھر جتنے ہوتے ہیں اس کو زائد سمجھیں مگر یہ جو معاملہ ہے نہ خدام الاحمدیہ کے سپرد ہوگا نہ لجنہ کے سپرد ہوگا نہ انصار اللہ کے بلکہ جماعت احمدیہ جرمنی کے سپرد ہوگا کیونکہ اس گروہ میں ہر قسم کے بچے شامل ہوں گے بچیاں بھی ہوں گی۔ بچیوں کی الگ ٹیمیں بنائی جائیں گی اور چھوٹے بچے بھی ہوں گے تو ان کی ایک الگ مقابلے کی دوڑ شروع کرا دیں۔ پھر ہر Region میں وہ بچے کہیں گے کہ ہم نے اللہ کے فضل سے اپنے Region میں (بیت الذکر) بنانے کے لئے پہلے سال یہ اکٹھا کیا ہے، آئندہ سال یہ کریں گے اس سے اگلے سال وہ کریں گے اور اس کے علاوہ ایک عام تحریک کر دی جائے جماعت میں کہ جو لوگ ان تین سال کے لئے اپنے باقی چندوں کی ضمانت دیتے ہوئے کہ وہ اتنے ہی رہیں گے جو کچھ ہر سال پیش کر سکتے ہیں وہ لکھوا دیں اور پھر سو یا اس سے زائد ایسے آدمیوں کو تحریک کی جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت عطا فرمائی ہے اور ان سے گزارش کی جائے کہ وہ خوب غور کے بعد فیصلہ کریں کہ اگر ان میں سے کسی کو یہ توفیق ہو کہ تین سال کے اندر ایک (بیت الذکر) بنا سکیں تو اس کا عہد لے کر آگے بڑھیں۔ خواہ شروع میں یہ وعدہ نہ لکھوائیں مگر وعدے اتنے ضرور لکھوائیں کہ نمایاں طور پر جماعت کا حوصلہ

بڑھے کہ ہاں اس علاقے کے اتنے لوگوں نے خدا کے فضل کے ساتھ اتنی رقم اکٹھی کر دی ہے کہ جو زمین کے ابتدائی اخراجات ہیں وہ سارے کے سارے پورے ہو سکیں۔ تو اگر آپ ایک فیصلہ کر کے اور عزم لے کر آگے بڑھیں، آپ کے چھوٹے بڑے بچے عورتیں سب شامل ہو جائیں گے اور اس شمولیت کے نتیجے میں ان کو دوسری برکتیں حاصل ہوں گی، وہ سارے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں جو آپ سمجھتے ہیں کہ ضائع ہو رہے ہیں جب نیک کام میں ملوث ہونے کا احساس ان کے دل میں پیدا ہو گا جب ان کو یقین ہو گا کہ وہ ایک اعلیٰ خدمت میں مصروف ہیں، خدائے واحد و یگانہ کی خاطر (بیوت الذکر) بنانے میں مصروف ہیں تو آپ دیکھنا آئے دن ان کی طبیعت، ان کی کیفیت بدلتی چلی جائے گی۔ ان کے چہروں پر توحید کی عظمت کے نشان ظاہر ہونا شروع ہوں گے تو یہی وہ مضمون ہے جو تربیت کے لئے بھی ضروری ہے اور (بیوت الذکر) کے قیام کیلئے بھی ضروری ہے اور اس کے نتیجے میں آپ کی اگلی نسل پہلی نسل کی خوبیوں سے جا ملے گی۔

وقار عمل سنّت ابراہیمی ہے

اسی تعلق میں وقارِ عمل کا ایک پہلو ہے جس کو ہم اختیار کر سکتے ہیں، کرتے آئے ہیں۔ جن علاقوں میں (بیوت الذکر) بنائی جاتی ہیں جونہی (بیت الذکر) کے لئے منظوری ہو اسی وقت اس کی بنیادیں کھودنا اور وہاں پتھر رکھ دینا اتنا کام تو آپ تین سال میں ضرور کر سکتے ہیں۔ پس اس صدی کے اختتام سے پہلے ہر علاقے کی (بیت الذکر) اگر بن سکتی ہے اس کی دیواریں ہی کھڑی ہو سکتی ہیں تو وہ بھی کھڑا کر دیں مگر عزم لے کر آگے بڑھیں فیصلہ کریں کہ کچھ نہ کچھ ہم نے ضرور کر کے دکھانا ہے۔ تو پھر انشاء اللہ تعالیٰ یہ سارے رستے آپ کے لئے آسان ہو جائیں گے۔ آپ نے اس صدی کے آخر تک سو (بیوت الذکر) بنانی ہیں اور گھبرا رہے ہیں کہ کیسے یہ کام ہو گا، انجینئر کہاں سے آئیں گے، اعلیٰ درجے کی مہارت رکھنے والے مزدور اور صنّاع کیسے حاصل ہوں گے۔ مگر آپ بھول گئے ہیں کہ دنیا میں توحید کی سب سے بڑی مسجد خانہ کعبہ تھی اور اس خانہ کعبہ کو کس نے تعمیر کیا تھا۔ حضرت اقدس ابراہیم علیہ السلام نے اور آپ کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام نے۔ ایک انجینئر تھا ایک مزدور تھا اور ساری دنیا کو توحید کے ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنے کے لئے وہ بیت الحرام کی تعمیر کی جا رہی تھی۔ کتنا بڑا عزم تھا، کتنا یقین تھا۔ کیا آپ کے بڑوں اور آپ کے چھوٹوں میں یہ عزم پیدا نہیں ہو گا؟ پھر درود میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام کیوں لیتے ہیں؟ جب نام لیتے ہیں تو ویسے کام بھی تو کر کے دکھائیں۔ فیصلہ کر لیں کہ خواہ جھونپڑے تعمیر ہوں خواہ

دیواریں کسی حد تک اونچی کی جائیں۔ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو ضرور قائم کر کے دکھانا ہے۔پھر اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ جگہ جگہ بیک وقت (بیوت الذکر) اونچی ہونی شروع ہو جائیں گی اور ان (بیوت الذکر) کی برکت سے آپ کی کایا پلٹ جائے گی۔پھر آپ میں مختلف قوموں کے لوگ ہیں،ان کی بھی کمیٹیاں بنائیں۔ان کو کہیں کہ (بیت الذکر) کے اتنے عظیم کام سے آپ کو ہم نے محروم نہیں رکھنا۔ آپ اپنے اپنے طور پر اپنے اپنے دائرے میں کوششیں شروع کر دیں اور کوئی (بیت الذکر) جرمنی میں بوسنیا کے نام پر بنائی جارہی ہو،کوئی (بیت الذکر) جرمنی میں Albanians کے نام پر بنائی جارہی ہو،کوئی کوسوو کے Ethnic Bosnian کے نام پر،کوئی افریقنوں کے نام پر،ترکوں کے نام پر،جنہوں نے یہاں پر پناہ لی ہوئی ہے تو اس قسم کے جو Ethnic Groups ہیں وہ بھی اس دوڑ میں شامل ہو جائیں اور کسی (بیت الذکر) کا نام ترکی کے نام پر ہو ترکی کو دعائیں بھیجنے کیلئے۔کسی (بیت الذکر) کا نام Bosnians کے نام پر ہو۔ہم نے جو وہاں (بیوت الذکر) بنانی ہیں وہ الگ بات وہ ساری دنیا کی جماعت کی ذمہ داری ہے اور میں نے بوسنیا والوں سے کہہ دیا ہے کہ آپ یہ جھگڑا نہ کریں کہ پہلی کون بناتا ہے اور دوسری کون بناتا ہے۔جو دو (بیوت الذکر) آپ نے سوچی ہیں دونوں شروع کر دیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ دنیا بھر کی جماعتوں کی طرف سے آپ کو پوری مالی تائید حاصل ہوگی۔تو ایک تو مقامی طور پر اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا یہ لازم ہے اور اس میں وقارِ عمل بھی آپ کا شامل ہو،اینٹیں جوڑھوئی جاتیں ہیں وہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو یاد کر کے ابراہیم علیہ السلام کو یاد کر کے ان کے نام پر ان اینٹوں کو اور پتھروں کو اٹھائیں اور دوسری جگہ پہنچائیں تو دیکھیں توحید کا کیسا منظر پیدا ہوگا۔ایسا عظیم الشان منظر توحید کا اس زمانے میں پیدا ہوگا کہ دنیا کی آنکھیں خیرہ ہوں گی اور خیرہ ہوتی رہیں گی۔آنے والی نسلیں مڑ کر آپ کو دیکھا کریں گی اور کہیں گی یہ تھے توحید کے علمبردار جنہوں نے دیکھو کتنے تھوڑے سے عرصے میں کتنے عظیم الشان کام کر دکھائے۔

پھر انہی بچوں سے میں یہ توقع رکھتا ہوں کہ جھوٹ کے خلاف یہ بھی ایک علم جہاد بلند کریں۔ان بچوں میں مَیں نے نسبتاً زیادہ سچائی دیکھی ہے۔کیونکہ جو پہلی نسلوں کے لوگ ہیں بعض عادتاً جھوٹ بولتے ہیں۔ ایسے علاقوں سے آئے ہیں جن کے خاندانوں میں ماحول کی خرابی کی وجہ سے اور آپ کو اندازہ نہیں کہ پاکستان کے بعض علاقوں میں ماحول کتنا جھوٹ سکھاتا ہے۔آپ کے ہاں تو بڑی بڑی باتوں میں آکر بڑی ہوشیاریوں سے جھوٹ بولے جاتے ہیں،وہاں تو گلیوں میں روزمرہ جھوٹ ہی جھوٹ ہے اور اب تو اتنا بڑھ گیا ہے کہ اس کے تصور سے بھی انسان کا حوصلہ ٹوٹتا ہے کہ کیا یہ ملک پھر سچائی کا منہ دیکھ سکے گا یا نہیں دیکھ

سکے گا۔ وہاں سے آئے ہوئے لوگ ہیں بے چارے۔ اکثر کو پتا ہی نہیں کہ ہم روز کتنا جھوٹ بول رہے ہوتے ہیں اوران کے بچے جنہوں نے جرمنی میں تربیت پائی ہے جہاں جرمنی کو توحید کا پیغام دے رہے ہیں وہاں جرمنی سے توحید کا ایک سبق سیکھ بھی سکتے ہیں اور وہ سچائی کی توحید کا سبق ہے اور سیکھ رہے ہیں۔ میں بہت سے احمدی بچے اور بچیوں کو دیکھ رہا ہوں جو بڑے ہو رہے ہیں اور اللہ کے فضل سے ان کے دل صاف ہو رہے ہیں، ان کو جھوٹ کی عادت نہیں رہی، صاف ستھری بات کرنے والے لوگ ہیں۔ تو ان بچوں کو میں کہتا ہوں کہ تم یہ علم بھی اپنے ہاتھ میں لے لو اور جماعت جرمنی کے بچے ایک ایسا عظیم الشان کارنامہ سرانجام دیں کہ رہتی دنیا تک بچے آپ کی مثالیں دیں اور آپ کی مثالوں سے مثال پکڑیں۔ ایک ابراہیم علیہ السلام نے ایک اسماعیل علیہ السلام جو پیدا کیا تھا وہ اس لئے نہیں تھا کہ ایک ہی رہے، اس سے بہت سے اسماعیلوں نے پیدا ہونا تھا۔ ان سب کا سردار اور سب کائنات کا سردار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی کی نسل سے پیدا ہوئے تھے۔ پس آج آپ اس دنیا کو اسماعیلوں سے بھر دیں اور ابراہیم علیہ السلام کی اس آواز پر لبیک کہنے والے بنیں جس نے اپنے بیٹے کو بلایا تھا کہ میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ میں تجھے خدا کے حضور قربان کر رہا ہوں بتا تیرا کیا خیال ہے؟ اس نے یہی جواب دیا تھا۔ اے میرے باپ! جو تجھے کہا جا رہا ہے تو وہی کر۔ میری گردن پہ چھری پھیر دے۔ پس اے جرمنی کے احمدی بچو! یہ ایک اور رنگ کی چھری ہے جو تمہاری گردن پر پھیری جانی ہے لیکن یہ چھری تمہیں زندہ کر دے گی، تمہاری نسلوں کو زندہ کر دے گی، تمہارے ماحول کے ملکوں کو زندہ کر دے گی، آئندہ آنے والی صدی کو زندہ کر دے گی۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین) اس کے بعد میں اب آپ سے اجازت چاہتا ہوں اور آیئے اب آخری دعا میں شامل ہو جائیں۔

خطبہ جمعہ فرمودہ 20/جون 1997ء

☆ آئندہ نسلوں کی تربیت کے متعلق بنیادی اصول
☆ آج کے بچے مستقبل کی نسلیں ہیں
☆ والدین بچپن سے ہی بچوں کو اپنی طرف مائل کریں
☆ بچوں کی خواہشات کے ساتھ ساتھ ان کو نیکی پر قائم کرنے کی طرف توجہ دیں
☆ جب تک قوانین درست نہ ہوں، معاشرے کی صحیح اصلاح ممکن نہیں
☆ معاشرتی برائیوں سے بچوں کو آگاہ کرنے کے اصول
☆ ماں باپ اور بچوں کے درمیان نیکی کے رشتے
☆ بچوں میں خود اعتمادی پیدا کریں
☆ بچپن ہی سے نیکیوں سے پیار کے ساتھ ساتھ اس وجود سے پیار پیدا کرنا ضروری ہے جو نیکیاں سکھانے والا ہے اور اس میں سب سے اہم انسانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں
☆ اپنے بچوں کے دل میں خدا کی محبت عبادت کے حوالے سے پیدا کریں

⚜

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ O (سورہ الحشر:19)

آج اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ اس خطبہ کے ساتھ جماعت احمدیہ یونائیٹڈ سٹیٹس آف امریکہ کا انچاسواں جلسہ سالانہ شروع ہو رہا ہے اور اللہ تعالیٰ جماعت یونائیٹڈ سٹیٹس کے مالی قربانی کرنے والوں کو بہترین جزاء دے جنہوں نے یہ انتظام کیا ہے کہ اس وقت ساری دنیا میں سنایا جارہا ہے اور اسی طرح جلسے کے کچھ حصے بھی تمام دنیا میں نشر کئے جائیں گے۔ جماعت احمدیہ یونائیٹڈ سٹیٹس کے کچھ اپنے مسائل ہیں۔ کچھ تو ایسے مسائل ہیں جو سب دنیا کے برابر ہیں، لیکن پھر بھی ملک ملک میں فرق پڑتا جاتا ہے۔

اگلی نسلوں کی تربیت سے متعلق بنیادی اصول

آج جو میں نے آیت تلاوت کی ہے اس میں تربیتی مسائل کی طرف خصوصیت کے ساتھ اگلی نسلوں کی تربیت سے متعلق بنیادی اصول پیش فرمائے گئے ہیں۔ گزشتہ خطبے میں میں نے دو یا تین خطبات میں (دعوت الی اللہ) کی طرف توجہ دلائی تھی۔ مگر (دعوت الی اللہ) کو تقویت ملتی ہے (دعوت الی اللہ) کرنے والوں کی اپنی تربیت کے ساتھ اور (دعوت الی اللہ) کے اپنے کچھ مسائل بھی ہیں۔ کیونکہ نئے آنے والے ایسے ہوتے ہیں جو تربیت کے محتاج ہوتے ہیں۔ اگر تربیت کرنے والے خود تربیت کے محتاج ہوں تو اس سے بہت سے گھمبیر مسائل پیدا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ہم نے خصوصیت کے ساتھ مستقبل کی طرف توجہ دینی ہے اس لئے ہماری نظر موجودہ مسائل پر بھی رہنی ضروری ہے اور آئندہ آنے والی نسلوں کے تعلق میں بھی ہمیں جماعت کی اور نئے آنے والوں کی ایسی ٹھوس تربیت کرنی ہے جس کے نتیجے میں ہم کہہ سکیں کہ ہم نے صدی کے سر پر پیدا ہونے کا حق ادا کر دیا۔

بہت سے ایسے خاندان ہیں جن سے ملاقاتیں ہوئیں اور ان میں خصوصیت کے ساتھ افرو امریکن خاندانوں نے اکثر تربیت ہی کے متعلق سوال کئے۔ کیونکہ وہ ایک ایسے ماحول میں پیدا ہوئے ہیں جس ماحول نے ان کے بچوں تک گہرا اثر کر رکھا ہے۔ چنانچہ اس ماحول سے الگ ہو کر اسی ماحول کی تربیت کرنا جس میں وہ پیدا ہوئے ایک بہت ہی مشکل مسئلہ ہے۔ چنانچہ کل بھی سوال و جواب کی مجلس میں ایک مخلص احمدی دوست نے یہی توجہ دلائی کہ ہمیں بتایا جائے کہ ہم کیا کریں۔ کچھ ایسی باتیں ہیں جو بچپن سے شروع ہو جاتی ہیں اور بچپن ہی میں ان کی بنیاد ڈالنی ضروری ہے۔ میں سب سے پہلے انہی کی طرف آپ کی توجہ منعکس کرتا ہوں۔ کیونکہ جب تک بچوں کی نسل کو سنبھالا نہ جائے آئندہ کے متعلق کوئی یقینی بات نہیں کہی جاسکتی۔ یہ آیت کریمہ جس کی میں نے تلاوت کی ہے اسی طرف اشارہ فرما رہی ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور کل پر نظر رکھو کہ تم کل کے لئے کیا آگے بھیج رہے ہو۔

آج کے بچے کل کی نسلیں ہیں

پس آج کے بچے کل کی نسلیں ہیں جنہوں نے آج کا احمدیت کا پیغام اگلی صدی میں منتقل کرنا ہے۔ بچوں کی طرف تربیتی نقطہ نگاہ سے توجہ دینے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ وہ ماں باپ جو بچوں کی تربیت کرتے ہیں خود ان کی بھی تربیت ہوتی ہے اور لازم ہے کہ وہ اپنی تربیت اپنے بچوں کے حوالے سے کریں۔ تو پہلی بات جو بچوں کے تعلق میں خصوصیت سے یہاں کے ماحول میں بتانی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ماں باپ کے لئے لازم ہے کہ بچپن ہی سے اپنے بچوں کا تعلق اپنے ساتھ بڑھائیں اور ایسے خاندان بنائیں جن میں نگاہیں اندر کی طرف اٹھنے والی ہوں اور بچوں کو گھر کے ماحول میں سکون ملے۔

وہ لوگ جو یہ سمجھتے ہیں کہ سختی سے بچوں کو دبانے کے نتیجے میں اگر اس عمر تک جب تک وہ ان کے ماتحت ہیں ان میں کوئی خرابی پیدا ہوتی دکھائی نہیں دے رہی، تو وہ غلطی پر ہیں۔ چونکہ بہت سے بچے اپنے ماں باپ کے حکم کی تعمیل میں یا ان کی سختی سے ڈر کر بسا اوقات اپنے دل کی خواہشات کو دبائے رکھتے ہیں اور جب وہ سوسائٹی میں کھل کر باہر جاتے ہیں تو وہ خواہشات ایک ایسے ماحول میں پنپنے لگتی ہیں جو ان کے لئے سازگار ہے۔ ہر بدی کا خیال، ہر اس لذت کی تمنا جو جلدی حاصل کی جاسکتی ہے امریکہ کی سوسائٹی میں

سب سے زیادہ جلدی حاصل کی جاسکتی ہے۔دنیا کی ہر سوسائٹی میں یہ مسئلہ ہے لیکن امریکہ میں تو ماحول میں اتنی زیادہ سرعت کے ساتھ دل کی لذت کے سامان پیدا کئے جاتے ہیں کہ بچوں کو بہکانے کے لئے اس سے زیادہ اور کوئی چیز ممکن نہیں ہے۔چنانچہ جب وہ گھر کے ماحول سے نکلتے ہیں تو باہر کا ماحول انہیں بدیوں میں خوش آمدید کہتا ہے، نیکیوں میں نہیں اور یہ ایک اس ماحول کی خصوصیت ہے جسے بچوں کو سمجھانا ضروری ہے۔

میں نے دیکھا ہے کہ بچے یہ شکایت کرتے ہیں کہ جب ہم (دینی) طریق پر عمل کر رہے ہوں تو لوگ ہم پر ہنستے ہیں، لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، سمجھتے ہیں کہ یہ اور قسم کی نسل ہے اور ماحول کا یہ اختلاف اور نیکی پر حملہ کرنا، یہ امریکہ کے ماحول کا ایک جزو بن چکا ہے۔امریکہ کی فضا ایسی ہے کہ وہ لازماً گھر سے باہر نکلنے والے بچوں کو اپنی طرف کھینچے گی اور ان کی اچھی عادات کو فرسودہ خیالات کہہ کر ان کو رد کرتی ہے، اس کے نتیجے میں بچے میں خود اعتمادی کا فقدان ہو جاتا ہے۔وہ سمجھتا ہے کہ جو اپنے گھر سے میں اقدار لے کر چلا تھا سوسائٹی میں تو ان کی کوئی قیمت نہیں۔سوسائٹی میں جن اقدار کی قیمت ہے وہ ایسی اقدار ہیں جن کو گھر میں برا کہا جاتا ہے۔پس آزادی کا ایک احساس باہر نکل کر ایسا پیدا ہوتا ہے جو تیزی کے ساتھ ایسے بچوں کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔

پس اس مشکل کو پیش نظر رکھتے ہوئے لازم ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کے دل اپنی طرف یعنی ماں باپ اپنی طرف مائل کریں اور گھر کے ماحول میں ان کی لذت کے ایسے سامان ہونے چاہئیں کہ وہ باہر سے گھر لوٹیں تو سکون کی دنیا میں لوٹیں، بے سکونی سے نکل کر اطمینان کی طرف آئیں اور یہ باتیں صرف اسی صورت میں ممکن ہیں جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر غور کیا جائے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کے دائیں کان میں اذان دو اور بائیں کان میں تکبیر کہو۔بہت سے لوگ ہیں جو اس کا فلسفہ نہیں سمجھتے۔وہ سمجھتے ہیں کہ اس کا تو کوئی فائدہ نہیں۔اکثر ایسے بچے مختلف زبانیں بولنے والوں کے بچے ہوتے ہیں، ان کو تو عربی کا بھی کچھ پتہ نہیں کہ کیا چیز ہے۔وہ سمجھتے ہیں کہ بظاہر ایک بے کار بات ہے۔میں اس وقت اس تفصیل میں نہیں جاتا کہ نفسیاتی لحاظ سے اس کا کیا اثر پڑتا ہے اور بچے کا دماغ کن باتوں کو شروع ہی سے قبول کرتا ہے اور پھر محفوظ رکھتا ہے۔اس بحث کو چھوڑتے ہوئے میں ان ماں باپ کو بتا رہا ہوں جو اذان دیتے یا دلواتے ہیں، وہ تکبیر دیتے یا دلواتے ہیں۔ان کو تو متوجہ ہونا چاہیے وہ تو باشعور ہیں۔آخر کیوں یہ کہا گیا؟ ایک اس کا پہلو وہ ماں باپ ہیں جن کے ہاں بچے پیدا ہوتے ہیں۔ان کو سمجھایا گیا ہے کہ بچپن ہی سے بچوں کی صحیح تربیت کرو ورنہ بعد میں یہ ہاتھ سے نکل جائیں گے۔تو پہلی تربیت کا وقت بچپن کا آغاز ہے اور

اس وقت کی تربیت ایسی ہے جو ہمیشہ کے لئے آئندہ زندگی کی بنیادیں قائم کرتی ہے۔اس بات کو بھلانے سے بہت سے لوگ نقصان اٹھا جاتے ہیں۔

بچوں سے ہر قسم کی پیار کی باتیں تو ہوتی ہیں، ان کی خواہشات کا خیال رکھا جاتا ہے۔مگر بچپن سے ان کو نیکی پر قائم کرنے کی طرف توجہ نہیں دی جاتی۔اس لئے سب سے اہم بات اس ماحول میں جیسا کہ دوسرے ماحول میں بھی بہت ہی اہم ہے لیکن امریکہ میں خصوصیت کے ساتھ جماعت کو اس طرف توجہ دینی چاہیے کہ بچوں سے ایسی باتیں کریں جو اللہ اور رسول اور نیک لوگوں کی محبت پیدا کرنے والی باتیں ہوں اور ان کو نیکی کی اقدار سمجھائیں اور اس کے لئے گھر میں مختلف قسم کے مواقع پیدا ہوتے رہتے ہیں۔جب ایک بچہ اچھی بات کرتا ہے تو ماں باپ کا فرض ہے کہ اس بات کو بڑی اہمیت دیں اور اس بچے کی اس بات کا ذکر چلائیں، کیونکہ وہ بچہ اچھی بات پر مثلاً کسی موقع پر وہ جھوٹ بول سکتا تھا، اس نے نہیں بولا اور سچ بول کر بظاہر نقصان اٹھایا ہے اگر آپ اس کی باتیں آنے والوں میں ذکر کیا کریں اور سوسائٹی میں، اپنے گھر میں، گھر سے باہر بچے کو اس طرح پیش کریں کہ دیکھو اس کے دل میں شروع ہی سے نیکی ہے تو ایسا بچہ اس بات کو کبھی بھول نہیں سکتا۔ناممکن ہے کہ اس کے دل سے اس ماحول میں نیکی کی اہمیت کا اثر مٹ جائے۔

دوسرے جب وہ کوئی بری بات کرتا ہے تو اسے سمجھانا اس طریق پر کہ وہ سمجھ جائے اور اسے محسوس ہو کہ میں ایک برابر کی چیز ہوں، میں بھی ایک عقل رکھنے والا وجود ہوں جو کچھ میں سوچتا ہوں، ماں باپ کی سوچ اس سوچ پر اثر انداز ہو رہی ہے نہ کہ اس کا ہماری سوچ پر حکم چل رہا ہے۔پس تحکم سے احتراز لازم ہے اور یہی وجہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کے قیام کے سلسلے میں شروع میں بچپن میں بچوں پر تحکم کی اجازت نہیں دی۔سات سال سے پہلے تو کسی تحکم کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔سات سال سے دس سال تک ایسی نصیحت جس کے نتیجے میں بچے نمازوں کی طرف متوجہ ہوں اور بار بار ان کو نمازوں کی عادت ڈالنے کی طرف ماں باپ کو توجہ دلانا، یہ تو ہمیں ملتا ہے۔لیکن بچوں کو اس پر سزا کوئی نہیں ہے کہ وہ سات سال سے دس سال کی عمر میں نمازوں سے منہ موڑتے ہیں۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سات سال سے دس سال تک سزا دینے کا کہیں ارشاد نہیں فرمایا۔تین سال مسلسل ماں باپ کو نصیحت کے ذریعے اثر انداز ہونا ہے۔ایسی باتیں کہنی ہیں جو ان کے دل اور دماغ کو (دین حق) کی طرف پھیرنے والی ہوں اور دل کے اطمینان سے وہ (دین حق) کی طرف مائل ہوں اور دس سال تک جب وہ اس عمر کو پہنچیں جہاں صرف گھر ہی میں نہیں باہر بھی ایسے بچوں کو کچھ نہ کچھ سزا ضرور دی جاتی ہے۔پرانے زمانے میں تو سکول میں

ایسے بچوں کو جو دس سے بارہ سال کی عمر میں ہوں سوٹیاں بھی پڑتی ہیں اور کئی قسم کی سزائیں دی جاتی ہیں۔ بلکہ وہاں تو اس سے پہلے بھی بعض دفعہ سزا شروع ہو جاتی ہے۔تو پہلے سزا کا کوئی تصور ہی نہیں ہے، جھوٹ ہے۔اس سے باز رہیں اور اس کے بعد جو سزا ہے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معمولی سرزنش قرار دیا ہے۔ ہرگز کسی قسم کی سختی ایسی نہیں جس سے بچے کے بدن پر ایسی ضرب پڑے جس سے اس کو نقصان پہنچ سکے اور یہ وہ پہلو ہے جس کو بچپن کی تربیت میں آپ کو ملحوظ رکھنا ہوگا۔یعنی سات سال کی عمر تک پیار اور محبت سے اپنے ساتھ دل لگائیں، ان کی اچھی باتوں کو اچھالیں۔ کیونکہ اس عمر میں بچے ضرور اپنی تعریف کو خوشی سے قبول کرتے ہیں اور جس بات کی تعریف کی جائے اس پر جم جایا کرتے ہیں۔جس چیز سے نفرت دلائی جائے اس سے متنفر ہو جایا کرتے ہیں۔

تو آئندہ آنے والے جو خطرات ہیں ان کا بچپن ہی میں تصور باندھیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر ماحول کی بدی کو ان کے سامنے اچھال کر پیش کریں۔ان کو بتائیں کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ جب وہ سات سال سے اوپر دس سال تک پہنچیں تو پھر خصوصیت سے عبادتوں کی طرف متوجہ کرنا بھی آپ کی تربیت کا ایک حصہ بن جائے گا۔اس کے بعد ناپسندیدگی کا اظہار، ان سے منہ موڑنا اگر وہ بری حرکت کریں، نمازیں نہ پڑھیں، تو بعض دفعہ ڈانٹنا اور سمجھانا یہ چیزیں بارہ سال کی عمر تک جائز ہیں اور بارہ سال کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پھر اب تمہارا ان پر سختی کا کوئی حق باقی نہیں رہا۔ جو کچھ تم نے کرنا تھا وہ وقت گزر گیا ہے۔اب دیکھیں اس پہلو سے مغربی تہذیب اور (دین حق) میں کتنا نمایاں فرق ہے۔مغربی تہذیب میں مختلف سال مقرر کر دیئے جاتے ہیں۔مثلاً اٹھارہ سال، اکیس سال یا سولہ سال، اور سالوں کا بعض جرائم سے تعلق قائم کیا جاتا ہے۔آج کل جو ترقی یافتہ ممالک ہیں ان میں یہ معین کیا جا رہا ہے کہ سولہ سال کی عمر تک کسی لڑکے کو کس جرم کی کتنی سزا ملنی چاہیے، اٹھارہ سال تک کسی جرم کی کتنی سزا ملنی چاہیے اور اکیس سال کی عمر میں جا کر پھر وہ کلیۃً ہر سزا کا ذمہ دار قرار دیا جائے گا۔(دین حق) نے بارہ سال اس لئے مقرر کئے ہیں کہ یہ بلوغت کا آغاز ہے اور بارہ سال میں بچہ اتنی ذہنی پختگی اختیار کر جاتا ہے کہ اپنے روزمرہ کے معاملات میں خود فیصلہ کر سکے۔

پس (دین حق) کی بلوغت کا آغاز دنیا والوں کی بلوغت سے بہت پہلے ہوتا ہے اور یہ بہت ضروری بات ہے۔ کیونکہ اگر بارہ سال تک بچہ اپنے سیاہ سفید کو دیکھ نہ سکتا ہو تو پھر اٹھارہ سال تک بھی نہیں دیکھے گا بلکہ اپنی بدعادتوں میں اتنا پختہ ہو جائے گا۔ جب وہ اٹھارہ سال کی عمر سے گزر کر سوسائٹی میں جاتا ہے تو پھر

اس میں وہ بدی ایک مستقل دائمی شکل اختیار کر جاتی ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس کے متعلق میں آپ کو بھی متوجہ کر رہا ہوں اور انگلستان میں اکثر جوان مسائل میں دلچسپی لینے والے سوشل راہنما یا سیاسی راہنما ہیں وہ جب مجھ سے گفتگو کے لئے آتے ہیں تو میں ان کو سمجھاتا ہوں کہ تم بنیادی طور پر ایک غلطی کر رہے ہو۔ مثلاً بعض چھوٹے بچوں کو وہاں قتل پر آمادہ کرنے والے گروہ بن چکے ہیں اور ان سے وہ قتل کرواتے ہیں اور جانتے ہیں کہ ان کو سزا نہیں ملے گی۔ اسی طرح چوری، ڈاکہ، سکولوں میں ڈرگ اڈکشن (Drug Addiction) کے لئے اس قسم کے گروہ تیار کئے جاتے ہیں اور یہ محض غلط قانون سے ناجائز فائدہ اٹھانا ہے۔

جب تک قوانین درست نہ ہوں اس وقت تک انسان کی صحیح تربیت اور معاشرے کی صحیح اصلاح ممکن نہیں ہے۔ مگر ہمیں جس نے قانون دیا یعنی اللہ تعالیٰ، اس نے ایک ایسا قانون دان عطا فرمایا جس سے بڑھ کر کوئی قانون دان دنیا میں کبھی پیدا نہیں ہوا یعنی حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپؐ نے قرآن کے قانون کو سمجھا اور اپنی امت میں اسے جاری فرمایا۔ یہی ایک پہلو آپ دیکھیں کہ جب گفتگو آگے بڑھی وہ تمام ملنے والے اس بات پر یقینی طور پر مطمئن ہو کر گئے کہ ہمارے معاشرے کی غلطی ہے۔ اس کی اصلاح کے بغیر ہم کسی تربیت کا دعویٰ نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان کی بلوغت تک پہنچتے پہنچتے یعنی اٹھارہ سال یا اکیس سال تک اگر بدی کی سزا نہ دی جائے تو بچے کو بدی پر جرأت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ وہ عمر ہے جس میں جرأت ایک دوام اختیار کر جاتی ہے، ایک ایسی عادت بن جاتی ہے کہ جسے پھر چھوڑنا ممکن نہیں رہتا۔

چنانچہ اکثر انگلستان میں بھی اور یورپ کی دوسری سوسائٹیوں میں بھی ایسے بد بچے بالغ بنا کر سوسائٹی میں پھینکے جاتے ہیں جو اپنی بدیوں پر پختہ ہو چکے ہوتے ہیں۔ جسے Drug Addiction کی شروع سے عادت پڑ گئی ہو، جسے ڈرگ بیچ کر پیسے لینے کی عادت پڑ جائے، کیسے ممکن ہے کہ وہ اٹھارہ سال یا اکیس سال کے بعد قانون کے ڈر سے ان عادات کو چھوڑ دے۔ تو معمولی سی عقل کی بات ہے۔ اسے استعمال کرکے اگر دیکھا جائے، جیسا کہ یہ لوگ نہیں دیکھ رہے بدقسمتی سے، تو انسان لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کی طرف لوٹے گا۔ پس تربیت کا آغاز شروع سے ہونا چاہیے اور بارہ سال کی عمر تک پہنچ کر اس تربیت کو اتنا مکمل ہو جانا چاہیے کہ اس کے بعد بچہ اپنے سیاہ وسفید کا مالک ہو اور پھر اگر وہ سوسائٹی کا جرم کرے تو سوسائٹی اس کو سزا دے۔ اگر خدا کا جرم کرے تو خدا سزا دے گا۔ ماں باپ کا کام نہیں کہ اس کو سزا دیں۔ یہاں پہنچ کر معاشرے اور احمدی ماحول کے طرز عمل میں ایک فرق ہے جو میں آپ کے سامنے نمایاں طور پر رکھنا چاہتا ہوں۔

بہت سے بچے اور بچیاں جو امریکہ کے ماحول میں پیدا ہوئے ان کے متعلق ماں باپ بہت سے تو نہیں کہنا چاہیے مگر کئی ایسے ہیں کہ ان کے ماں باپ بہت تکلیف محسوس کرتے ہیں، روتے ہیں، گریہ وزاری کرتے ہیں۔ مجھے خط لکھتے ہیں کہ ہماری جوان بچیوں کو کیا ہو گیا۔ بہت اچھی اور نیک اور مخلص تھیں، بے حد دین سے تعلق تھا، نمازیں بھی پڑھتی تھیں۔ مگر اچانک جب کالجوں میں گئی ہیں تو ان کی کایا پلٹ گئی۔ میں انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ اچانک کچھ نہیں ہوا کرتا۔ انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ بچیاں جو دل سے نیکی پر قائم ہو چکی ہوں اچانک معاشرے میں جا کر ان کی کیفیت بدل جائے۔ لازماً دل میں کچھ دبی ہوئی خواہشات رہی ہیں جن کو گھر میں پنپنے نہیں دیا گیا اور جن کو سنبھالنے کے لئے کوئی ذہنی کوشش نہیں کی گئی۔

اس لئے اب یہ دوسرا پہلو ہے جس کی طرف میں متوجہ کرنا چاہتا ہوں۔ یہ کوششیں بھی بارہ سال سے پہلے پہلے کام کر جائیں گی ورنہ نہیں کریں گی۔ یعنی بلوغت کا آغاز جس کو میں بارہ سال کہہ رہا ہوں، اس میں بچے کے اپنے دل میں خصوصیت کے ساتھ ایسی جنسی خواہشات جنم لینے لگتی ہیں جن سے وہ مغلوب ہو جاتا ہے اور اگر ان امور میں پہلے ہی اس کی تربیت کی گئی ہو تو وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار ہوگا اور اس تربیت میں ماں باپ کو اپنے بچوں کے ساتھ وقت لگانا ہوگا بجائے اس کے کہ سکولوں کے اوپر چھوڑ دیا یا کالجوں پر چھوڑ دیا جائے۔ میں نے یہ دیکھا ہے کہ جن ماں باپ نے بچوں پر اس لحاظ سے محنت کی ہو کہ ان کو نیکی اور بدی کی تمیز سکھائی گئی ہو، اس طریق پر سکھائی گئی ہو کہ وہ زندگی کا فلسفہ بن جائے وہ بچے اسے زندگی کے فلسفے کے طور پر قبول کریں۔

اور یہ پہلو تربیت میں بہت ہی اہم ہے کہ تعلیم کے ساتھ تعلیم کا فلسفہ بتایا جائے۔ کیونکہ قرآن کریم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ایسے معلم کے طور پر پیش فرمایا ہے جو **يُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** کہ وہ صرف تعلیم کتاب پر اکتفاء نہیں کرتا وہ اس کی حکمت بھی سمجھاتا ہے۔ پس جو خرابی میں نے دیکھی ہے اس میں ان دو چیزوں کے اندر جو فرق کیا جاتا ہے یہی فرق ہے جو آئندہ خرابیوں کا موجب بنتا ہے۔ ماں باپ کہتے ہیں ہم نے ان کو تعلیم دی، ان کو بچپن سے نمازیں پڑھنی سکھائیں اور قرآن کی تلاوت بھی یہ کیا کرتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن اس تعلیم کی حکمت نہیں بتائی گئی اور حکمت ایسی چیز ہے جو دل کو اس تعلیم کے ساتھ اس طرح جوڑ دیتی ہے کہ پھر آئندہ کبھی وہ الگ نہیں ہو سکتی۔ مثلاً باہر کی دنیا میں جوان کو دلچسپیاں دکھائی دیتی ہیں ان کی مثال ایسے جانوروں سے بھی دی جا سکتی ہے جو بظاہر بڑے خوبصورت ہیں۔ مثلاً سانپ ہے۔ بعض دفعہ

اس کے بہت ہی پیارے رنگ ہوتے ہیں، نظر کو بھاتا ہے۔ اسی طرح بعض کاٹنے والے جانور ہیں جو بہت خوبصورت دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے متعلق اگر یہ سمجھایا جائے کہ ان کو جب تم ہاتھ لگاؤ گے، ان کی طرف مائل ہوگے تو لازماً یہ ڈسیں گے اور لازماً نقصان پہنچائیں گے اور اس بات کو اگر بچپن ہی سے دل میں بٹھایا جائے تو کوئی انسان جو اس حکمت کو سمجھ جائے وہ ان کی طرف ہاتھ بڑھانے کی جرأت نہیں کرسکتا۔ لیکن اگر یہ حکمت بچپن سے بتائی نہ جائے اور سمجھائی نہ جائے اور دل میں بٹھا نہ دی جائے تو پھر انسان ایسے تجربے کرنے پر آزادی محسوس کرے گا۔

پس یہ نہ سمجھیں کہ معاشرے کی خرابیوں کو سمجھانے کا وقت بلوغت کے بعد شروع ہوگا۔ بچپن سے سمجھانا ضروری ہے، ان بچوں کے ساتھ بیٹھنا ضروری ہے، ان کو ٹیلی ویژن دکھانی ضروری ہے۔ جو ٹیلی ویژن یہ دیکھتے ہیں اس وقت ماں باپ کو چاہیے کہ کچھ اپنا وقت خرچ کریں اور ساتھ بیٹھیں اور ان کو بتائیں کہ دیکھو یہ خرابیاں ہیں اور ان خرابیوں کی حکمتیں اس طریق پر سمجھائی جائیں کہ وہ جاگزیں ہو جائیں اور انسانی فطرت اور سوچ کا حصہ بن جائیں۔ اس سلسلے میں چند مثالیں میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ مثلاً اگر ان کو یہ سمجھایا جائے کہ یہ بدیاں چیز کیا ہیں؟ کیوں ان سے منع کیا جاتا ہے؟ نیکیاں کیا ہوتی ہیں؟ اور نیکی کے فوائد کیا ہیں؟ اور پھر معاشرے کے حوالے سے ان کی تفصیل سمجھائی جائے تو ناممکن ہے کہ بچہ ان امور کی طرف توجہ نہ دے۔

پہلی بات جو نمایاں طور پر ان کے سامنے رکھنی ضروری ہے وہ یہ ہے کہ بدی سے ایک لذت پیدا ہوتی ہے، اس کا انکار کرنا جائز نہیں۔ ہر قسم کی بدی سے ایک لذت حاصل ہوتی ہے لیکن وہ لذت ہمیشہ یا الٹ کر اس بدی کرنے والے کو نقصان پہنچاتی ہے یا ماحول کو نقصان پہنچاتی ہے۔ پس ہر وہ لذت جس کے ساتھ ایک نقصان وابستہ ہو چکا ہے جس سے اس کو علیحدہ کیا جا ہی نہیں سکتا وہ بدی ہے۔ لیکن لذت سے محرومی کا نام نیکی نہیں ہے۔ یہ اگلا قدم ہے جس پر ان کو خوب اچھی طرح سمجھانا ضروری ہے کہ ہم جو تمہیں نیکی کی طرف بلاتے ہیں اس لئے کہ نیکی میں ایک لذت ہے اور بدی کی لذت اور نیکی کی لذت میں بہت بڑا فرق ہے۔ بدی کی لذت میں ضرور کوئی نہ کوئی کانٹا چھپا ہوتا ہے، وہ ضرور نقصان پہنچاتی ہے اور جتنی بھی موجودہ سوسائٹی کی بدیاں ہیں ان کو دیکھ لیں وہ لازماً سوسائٹی میں بے اطمینانی پیدا کریں گی اور کسی نہ کسی خرابی پر منتج ہوں گی۔ چنانچہ ساری سوسائٹی میں وہ خرابی بے چینی بن کر پھرتی ہے لیکن سوسائٹی اس بے چینی کے باوجود اپنی لذت کے حصول کی خاطر اس کی طرف لپکتی بھی ہے۔

یہ وہ تضاد ہے معاشرے کا جس کو بچپن ہی سے اپنی اولاد کے سامنے کھول کر بیان کرنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے چھوٹی چھوٹی مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ مثلاً ایک بچے سے آپ کہہ سکتے ہیں کہ تم اگر اپنے بھائی کی کوئی چیز لے کر بھاگ جاؤ تو تمہیں تو مزہ آئے گا، تمہیں کچھ حاصل ہوگا، یہ درست ہے نا!۔ یہ بات ہے۔ اپنی چھوٹی بہن سے کوئی چیز چھین لو تو تم لطف اٹھاؤ گے لیکن یہ ایسا لطف ہے جس کے نتیجے میں اسے دکھ ضرور پہنچے گا۔ پس وہ لطف جو کسی کے دکھ پر مبنی ہو، یہ بدی ہے۔ لیکن اس کے برعکس اس کو سمجھایا جا سکتا ہے، کوئی چیز اس کو دی جا سکتی ہے کہ اپنی بہن کو یہ خوشی کا جس کو Surprise کہتے ہیں یعنی خوشی میں ایک حیرت کا سماں پیدا ہو جاتا ہے، اسے یہ چیز دے دو، چھپ کر اس کے بٹوے میں ڈال دو یا اس کے کمرے میں رکھ دو اور وہ تعجب کرے کہ میرے دل کی یہ چیز، میری خواہش کس نے پوری کی۔ اس میں بھی ایک خوشی ہے اور ان دونوں خوشیوں میں ایک فرق ہے۔

پہلی خوشی کی صورت میں جو نقصان پہنچا کر لذت اٹھاتا ہے اس کی لذت دائمی نہیں رہتی بلکہ اسی وقت اس کے ضمیر میں سے ایک کانٹا نکلتا ہے جو کچھ نہ کچھ ضرور چبھتا ہے اور یہ بات ان بچوں کو جن کو آپ بچہ سمجھ رہے ہیں سمجھانی ضروری ہے۔ کیونکہ بچے بہت عقل والی چیز ہیں۔ میرا بچوں سے یہ تجربہ ہے کہ جن کو لوگ بچے سمجھ کر نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ ذہین اور ہوشیار اور گہری باتوں کو سمجھنے والے ہوتے ہیں صرف صبر کی ضرورت ہے اور نیکی کے ساتھ قرآن کریم میں ہر جگہ صبر کا مضمون بیان ہوا ہے۔ کوئی نصیحت کارفرما نہیں ہو سکتی جب تک صبر نہ ہو اور صبر کے ساتھ نصیحت کرتے چلے جانا ہی (مومنوں) کا شعار مقرر فرمایا گیا ہے۔

پس اس پہلو کو جو میں بیان کر رہا ہوں اہمیت دیں اور بچپن ہی سے بھائی اور بہن میں، بھائی اور بھائی میں، ماں باپ اور بچوں کے درمیان ایسے نیکی کے رشتے قائم کریں جن میں مزہ پیدا ہو اور جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے ایک انسان اپنے بھائی کے لئے، اپنی بہن کے لئے جو بظاہر قربانی کرتا ہے اس قربانی کے نتیجے میں اس کی طرف سے مادی چیز، مادی قدر الگ ہو کر کسی دوسرے تک پہنچتی ہے۔ اگر کوئی جھپٹ کر اپنے بھائی یا بہن کی کوئی مادی چیز، Material چیز لے بھاگتا ہے تو دونوں صورتوں میں انتقال ہے مادے کا اور مادے کا انتقال ہے جو لذت پیدا کرتا ہے۔ اب یہ لذت کا فلسفہ ہے جو سمجھانا ضروری ہے جو ہمیشہ ان بچوں کے کام آئے گا۔

جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے لذت میں بہت سی چیزیں ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ مادہ ایک

طرف سے منتقل ہو کر دوسری طرف جاتا ہے۔ حق ایک طرف سے منتقل ہو کے دوسری طرف جاتا ہے۔ اگر آپ مادہ حاصل کرنے والے ہوں تو ایک لذت ہے۔ اگر کسی کا حق چھیننے والے ہوں اس میں بھی ایک لذت ہے۔ لیکن جب آپ اپنی مادی قدر کو کسی دوسرے کی طرف منتقل کرتے ہیں اس میں بھی ایک لذت ہے اور جب آپ اپنا حق کسی کے لئے چھوڑتے ہیں تو اس میں بھی ایک لذت ہے۔ مگر فرق یہ ہے کہ یہ دوسری قسم کی لذت دائمی ہو جاتی ہے، ساری زندگی انسان کو لطف پہنچاتی رہتی ہے اور پہلی قسم کی لذت ایک شر پیدا کرتی ہے جو خود اپنے ضمیر میں بھی پیدا ہوتا ہے اور پھر مزید کی طلب پیدا کر دیتی ہے اور کبھی بھی بدی کی لذت بار بار وہی بدی کرنے سے اسی طرح نہیں رہے گی بلکہ آگے بڑھے گی۔ ایک بدی کے بعد جب تک آپ دو بدیاں نہ کریں آپ کو چین نہیں آئے گا۔ جب دو بدیاں کریں گے تو تیسری بدی کی طرف آپ کا قدم اٹھے گا، چوتھی کی طرف اٹھے گا۔ اس طرح ساری دنیا میں معاشرے میں اخلاقی گراوٹ پیدا ہوتی ہے اور ہوتی چلی جاتی ہے۔ پس ان دو چیزوں میں جو فرق ہے وہ بعض مثالوں کے ذریعے آپ کو خود سمجھنا ہے اور اپنے بچوں کو سمجھانا ہے۔ آپ ان کو یقین دلائیں کہ جو تم قدریں اپنے طور پر حاصل کرتے ہو جائز قدریں ہیں، ویلیوز (Values) جن کو انگریزی میں کہا جاتا ہے۔ جب تم ان کو چھوڑتے ہو تو اس کے نتیجے میں تمہیں ضرور مزہ آئے گا لیکن اگر بالارادہ چھوڑو۔ اگر مجبور ہو کر چھوڑو گے تو تکلیف پہنچے گی۔

پس بالارادہ اپنی چیزوں کو دوسروں کو دینا اس لئے کہ ان پر احسان ہو اور ان کو مزہ آئے، یہ ایک ایسی چیز ہے کہ دینے والے کو بھی ضرور مزہ دیتی ہے اور یہ نیکی کی ایسی تعریف ہے جس میں آپ کبھی کوئی فرق نہیں دیکھیں گے۔ بدی میں یہ بات نہیں ہوتی۔ بدی میں کم سے کم بدی کرنے والا لذت محسوس بھی کرے تو جس کے خلاف کی جاتی ہے وہ محسوس نہیں کرتا۔ لیکن نیکی میں دو طرفہ مزہ ہے اور دو طرفہ مزہ بھی ایسا جو دائمی ہو جاتا ہے، جو کہ ہمیشہ باقی رہ جاتا ہے۔ پس اگر کوئی شخص احسان کا مزہ اٹھانے لگ جائے تو وہ اور زیادہ احسان کرے گا یعنی اور زیادہ اپنی مرضی سے اپنے حقوق دوسروں کی طرف منتقل کرے گا۔ یہاں تک کہ بظاہر انبیاء کے مرتبے پر پہنچتے پہنچتے انسان اپنے سارے حقوق سوسائٹی کی طرف منتقل کر بیٹھتا ہے، اس کا کچھ بھی باقی نہیں رہتا اور لوگ سمجھتے ہیں کہ اس شخص کی زندگی بڑی بدمزہ ہو گئی ہے۔ حالانکہ جو لطف احسان کا انبیاء کو محسوس ہوتا ہے دوسرا اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

پس یہ خیال کر لینا کہ نبی احسان کر کے تکلیف اٹھاتے ہیں بالکل غلط ہے۔ وہ تکلیف اٹھا کے بھی احسان کرتے ہیں۔ یہ فرق ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہمیں دائمی سبق کے طور پر ملتا

ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نیکی کرنے پر مجبور تھے یعنی اپنی فطرت کی وجہ سے نیکی کی قدر کو انہوں نے محسوس فرمایا اور اتنا محسوس کیا کہ اس کے بغیر رہ نہیں سکتے تھے۔ پس عادت ایک ایسی چیز ہے جو دونوں جگہ ہے۔ چور بھی عادی ہو جاتا ہے، قاتل بھی عادی ہو جاتا ہے، سمگلنگ کرنے والا بھی عادی ہو جاتا ہے، گھروں میں ڈاکے ڈالنے والا بھی عادی ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی عادت لازماً دوسروں کو نقصان پہنچاتے پہنچاتے اس کی اپنی ذات میں ایک نقصان کے طور پر جمع ہونے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ دن بدن خود اپنی نظر میں بھی گرتا ہے، سوسائٹی کی نظر میں بھی گرتا ہے مزید بدی کے بغیر اس کو مزہ نہیں آسکتا۔ بدی سے جو مزہ ملتا ہے وہ دائمی نہیں ہوتا، چند دن میں ختم ہو جاتا ہے اور ایسی صورت میں اس کی روح بھی ان باتوں سے متاثر ہوتی ہے اور جس کو ہم جہنم کہتے ہیں وہ اسی چیز کا دوسرا نام ہے۔ ہر انسان جو بدیوں میں ملوث ہوا اپنی روح کے لئے ایک جہنم پیدا کر رہا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسی فلسفے کو یعنی سارا اسی فلسفے پر مبنی تو کتاب نہیں مگر ''اسلامی اصول کی فلاسفی'' میں اسی فلسفے کو، اس کتاب کے مضامین کے ایک حصے کے طور پر پیش فرمایا ہے۔ بہت سے لوگ پڑھیں بھی تو پوری طرح سمجھتے نہیں۔ مگر امر واقعہ یہی ہے کہ آج اس دنیا میں ہم آئندہ دنیا کے لئے جنت اور جہنم بنا رہے ہیں اور بچوں کو یہ سمجھانا ضروری ہے کہ تم جو کچھ بھی کرو گے اس سے کچھ فائدہ بھی اٹھاؤ گے اور کچھ نقصان بھی۔ لیکن جو نقصان تم خود کسی اعلیٰ قدر کی خاطر اٹھاتے ہو اس نقصان میں مزہ ہے اور اس نقصان میں باقی رہنے والا مزہ ہے۔

پس آپ اپنے بچپن کی طرف نظر ڈال کر دیکھیں۔ آپ کو بچپن کی وہی باتیں سب سے زیادہ پیاری لگیں گی جن میں آپ نے کچھ نہ کچھ ایسی بات کی تھی جس سے ماں خوش ہو گئی، باپ خوش ہو گیا، بہن خوش ہو گئی یا کوئی غریب ہمسایہ خوش ہو گیا۔ بسا اوقات ایک چھوٹا سا فعل ہے، ایک غریب بھوکے کو روٹی کھلانا۔ ایک بچہ جب روٹی کھلاتا ہے تو پھر دیکھ رہا ہوتا ہے کہ اس کے چہرے پر کیا اثر پڑ رہا ہے۔ جب اس کی تکلیف مٹ رہی ہوتی ہے، اس کے چہرے پر ایک سکون اور اطمینان پیدا ہوتا ہے۔ تو ویسا ہی سکون بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، ویسا ہی اطمینان بلکہ اس سے بھی بڑھ کر، بچے کے دل میں پیدا ہو رہا ہوتا ہے۔ جس پر احسان ہے وہ اس بات کو بھول بھی سکتا ہے۔ روٹی کھائی، پیٹ بھرا اور بھول گیا۔ لیکن جس نے کسی کا پیٹ بھر کر اس کے مزے کو دیکھا ہو وہ اس چیز کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ ساری عمر کے لئے ہمیشہ اس کا یہ ایک فعل اس کے لئے مزید نیکیاں پیدا کرنے کا موجب بن جاتا ہے۔

پس اس معاشرے میں جہاں ماحول نیکیوں کے مخالف ہے، جہاں بدیوں کو تقویت دینے والا ہے وہاں بچپن ہی سے نیکیوں سے ذاتی لگاؤ پیدا کرنا اور اس کے لئے روزمرہ کے مواقع سے فائدہ اٹھانا بہت ضروری ہے۔ فائدہ اٹھانا اس لئے کہ اگر آپ محض تلقین کریں گے تو یہ تلقین ضروری نہیں کہ بچے پر نیک اثر ڈالے۔ بچوں سے کچھ کام کروا کے دیکھیں، کچھ نیکی اس سے ایسی صادر ہو جس میں آپ اس کے مددگار ہوں پھر دیکھیں کہ اس کے دل پر اس کا کیا اثر پڑتا ہے۔ میں نے کئی دفعہ مثال دی ہے ہمیں بچپن میں چندہ دینے کی عادت ماں نے ڈالی۔ کچھ پیسے وہ دیا کرتی تھیں اور پھر کہتی تھیں دوسرے ہاتھ سے کہ اللہ میاں کے لئے واپس کر دو۔ چونکہ اس میں جبر کوئی نہیں تھا بلکہ ایک تحریص تھی، اس لئے جب ہم واپس کرتے تھے تو مزہ آتا تھا اور دن بدن، سال بہ سال یہ احساس بڑھتا گیا کہ ہمارا بھی نام ان لوگوں میں ہے جنہوں نے دین کی خاطر کوئی قربانی کی ہے۔ اس کے بعد یہ سکھانے والا باقی رہے نہ رہے، یہ نیکی ضرور باقی رہ جاتی ہے۔ ہو نہیں سکتا کہ زندگی بھر ساتھ نہ دے۔ پس نیکی کا مزہ صرف سمجھانے سے نہیں آئے گا، نیکی کا مزہ نیکی کروانے سے آئے گا اور یہ وہ چیز ہے جس کی اس معاشرے میں شدید ضرورت ہے۔

بچوں میں خود اعتمادی پیدا کریں

دوسری بات، یعنی اور بہت سی باتیں ہیں جو میں نے نوٹس کے طور پر اپنے سامنے رکھی ہیں لیکن یہ ایک ایک بات بھی اگر پھیلائی جائے تو بہت پھیل سکتی ہے۔ دوسری بات جو سمجھانے کی ضرورت ہے وہ خود اعتمادی پیدا کرنا ہے۔ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے جب بچے باہر سکولوں میں جاتے ہیں تو بعض لوگ ان کو حقارت سے دیکھتے ہیں، ان کا مذاق اڑاتے ہیں۔ لیکن ان میں اگر خود اعتمادی ہو اور ماں باپ ان کو پہلے سمجھا چکے ہوں کہ تمہاری نیکیوں پر سوسائٹی تمسخر اڑائے گی، تمہیں ذلیل نظروں سے دیکھے گی لیکن تم نے سر اٹھا کے چلنا ہے۔ اگر کہیں سر اٹھانا جائز ہے تو اس موقع پر سر اٹھانا جائز ہے اور لازم ہے کہ ہم اپنے بچوں کو بتائیں کہ تم کوڑی کی بھی پرواہ نہ کرو جو چاہے دنیا کہتی پھرے، جس طرح چاہے دیکھے تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا کردار تب بنے گا کہ تم جن باتوں کو اچھا سمجھتے ہو انہیں کرنے کی جرأت رکھتے ہو۔

چنانچہ بہت سی احمدی بچیوں کی تربیت میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ مجھے اسی اصول سے فائدہ اٹھانے کی توفیق ملی۔ کئی ایسی بچیاں ہیں انگلستان میں جو پردے کی عمر کو پہنچیں لیکن سوسائٹی سے متاثر ہو کر پردے کے لئے تیار نہیں تھیں اور ماں باپ کے سامنے بھی انہوں نے کہا نہیں، ہم نہیں یہ کام کر سکتیں۔ جب

ماں باپ نے مجھے بتایا، میں نے ان کو بلایا اور پیار سے سمجھایا۔ میں نے کہا تم یہ دیکھو کہ تم پردہ کس کے لئے کر رہی ہو؟ اللہ کے لئے یا ماں باپ کے لئے یا اور کوئی پیش نظر بات ہے۔ اگر تمہیں یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے یہ قربانی چاہتا ہے کہ تم اپنے حسن کو، اپنی دلآویزی کو چھپاؤ اور معاشرے کی بے راہرو آنکھوں کو اجازت نہ دو کہ وہ تم پر حملہ کریں یا حرص کے ساتھ تمہیں دیکھیں تو پھر یہ ایک اچھی بات ہے۔ اگر تم اچھی بات سے آج شرما گئیں تو ہمیشہ ساری اچھی باتوں سے شرماتی رہو گی۔ دل میں یہ خیال کرو کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے اور تم نے ایک ایسا فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں سوسائٹی کی کوڑی کی بھی پرواہ نہیں۔ کیونکہ وہ بد ہے اور تم اچھی ہو۔ تم نے ان کو سبق دینا ہے۔ چنانچہ جب ان باتوں کو خود اچھی طرح وہ سمجھ گئیں تو پھر میں نے ان کو دیکھا پردے میں ملبوس اور میری آنکھوں کی بھی ٹھنڈک کے سامان ہوئے اور ساری عمر کے لئے ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے سامان ہوئے۔ اتنا لطف آتا تھا ان کو دیکھ کر پھر اور وہ بڑے مزے سے میری طرف آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر یوں ہلکا سا، یہ بتا جاتی تھیں کہ ہاں ہم خوش ہیں۔ ہمیں اب پتا چلا ہے کہ ہم کیا چیز ہیں۔ پس نیکی پر خود اعتمادی یہ بہت ضروری ہے اور اس خود اعتمادی کے فقدان کے نتیجے میں نسلیں تباہ ہو جاتی ہیں۔ پس جن بچوں کو آپ نے سوسائٹی میں بھیجنا ہے ان کو بتائیں کہ تمہاری عزت اور تمہاری اعلیٰ اقدار سچائی سے وابستہ ہیں۔ تمہاری عزت اور اعلیٰ اقدار گندگیوں سے منہ موڑنے سے وابستہ ہیں۔ سوسائٹی ایک طرف منہ کر کے جاتی ہے تم دوسری طرف منہ کر کے چلو اور اس میں تمہارا سر فخر سے اٹھنا چاہیے، ذلت کا احساس نہیں ہونا چاہیے۔ اگر نیکی کے ساتھ ذلت کا احساس ہو تو یہ نیکی کبھی بھی قائم نہیں رہ سکتی۔ پس اکثر خرابی یہاں بچوں میں اس وجہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ان کو گھر میں نیکی میں عزت کا احساس نہیں بتایا جاتا۔ یہ نہیں بتایا جاتا کہ تم میں تو اس سے خود اعتمادی پیدا ہونی چاہیے۔ تم اونچے ہو، گھٹیا لوگوں سے شرماتے ہو، یہ تم کیا چیز ہو۔ کیا کبھی جانوروں سے بھی تم شرمائے ہو کہ جانور ہر قسم کی بے ہودہ حرکتیں کر رہے ہیں اور تم انسانوں کی طرح چل رہے ہو۔ تمہیں جانوروں پر رحم تو آ سکتا ہے مگر جانوروں سے شرما نہیں سکتے۔ پس انسانی ماحول میں بھی جانور بس رہے ہیں اور جانور جو مادر پدر آزاد ہیں۔ جانوروں سے بھی بے حیائیوں میں آگے بڑھ گئے ہیں۔ ان کے سامنے تمہیں سر اٹھا کر چلنا ہے۔

یہ وہ تکبر ہے جس میں حقیقت میں بنیادی طور پر انکساری ہے کیونکہ خدا کی خاطر آپ اپنا سر اٹھا رہے ہیں اور ایسے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ثابت ہے کہ بعض دفعہ نیکیوں کا اثر ڈالنے کے لئے سر اٹھانا ہی نیکی بن جایا کرتا ہے۔ اپنی اعلیٰ اقدار پر سر اٹھا کر چلیں۔ کوڑی کی بھی پرواہ نہ کریں کہ کوئی آپ کو کس

طرح دیکھتا ہے اور کیا سمجھ رہا ہے۔ یہ احساس خود اعتمادی گھر میں بچپن میں پیدا کرنا ضروری ہے۔ اگر آپ نے نہ کیا تو پھر بارہ، چودہ، پندرہ سال کے بعد بالکل آپ کا بس نہیں رہے گا۔ آپ کو اختیار نہیں رہے گا۔ پھر دنیا کی لذتیں ان کو اس عمر میں اپنی طرف اس طرح کھینچیں گی کہ ان کے نزدیک خود اعتمادی کا کوئی سوال باقی نہیں رہے گا۔

پس بہت سے ایسے خاندان میں نے دیکھے ہیں جن کے بچے ماں باپ سے ڈرے ہوئے تھے اور نظر آ رہا تھا کہ ماں باپ بڑے جبار ہیں اور ان کی مجال نہیں کہ وہ ان سے ہٹ کر چلیں اور مجھے ان کے متعلق تشویش پیدا ہوتی تھی، رحم آتا تھا کہ کیسی تربیت ہے کہ جب بھی یہ آزاد ہوں گے ان ماں باپ کی کوڑی کی بات بھی نہیں سنیں گے۔ پس خاص طور پر Afro-Americans بچوں کے لئے میں یہ نصیحت کر رہا ہوں کیونکہ میں نے دیکھا ہے Afro-Americans ماں باپ جو نیک اور مخلص ہیں وہ اس طرح کرخت بھی ہیں اور اپنے گھر میں اپنی سلطنت قائم کرنے میں بڑے جابر ہیں۔ ان کے بچوں کو میں نے دیکھا ہے بہت سر جھکا کر چل رہے ہیں، مجال ہے جو ادھر سے ادھر ہو جائیں۔ کئی دفعہ غلطی سے انہوں نے بایاں ہاتھ کر دیا تو سختی سے ڈانٹ پڑی۔ خبردار! دایاں ہاتھ آگے کرو۔ جزاکم اللہ اس طرح کہو، فلاں بات یوں کہو اور ماں باپ سمجھ رہے ہیں کہ دیکھو ہم نے بچوں کی کیسی اچھی تربیت کی ہے۔ ان کو یہ پتہ نہیں کہ کل بچے مڑ کر دیکھیں گے اور کہیں گے۔ اب جو کرنا ہے کر لو، اب ہم تم سے نکل کے آزاد ہو چکے ہیں۔

تو نیکی کی لذت حاصل کرنا اور لذت حاصل کرنا سکھانا یہ ماں باپ کا کام ہے۔ نیکی سے وابستگی لذت کے بغیر ہو ہی نہیں سکتی۔ کوئی انسان سر پھرا تو نہیں ہے کہ بے وجہ لذتوں سے منہ موڑ لے جب تک بہتر اور اعلیٰ لذتیں نصیب نہ ہوں۔ اس لئے خدا تعالیٰ کا یہ ایک دائمی قانون ہے جس کو آپ کو پیش نظر رکھنا ہے۔ اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ (المؤمنون:97) سارے قرآن میں یہ مضمون بیان ہوا ہے۔ برائی کے خلاف جہاد کی اجازت نہیں جب تک کہ اس سے بہتر چیز آپ پیش نہیں کر سکتے۔ پس احسن کے ذریعے بدی کو دور کریں۔ اچھی چیز پاس ہے تو وہ دیں تا کہ بدی اس سے نکل کر دور بھاگے اور اچھی چیز میں خوبی یہ ہوا کرتی ہے یعنی اچھی چیز کا اچھا دیکھنا ضروری ہے، یہاں جا کر فرق پڑ جاتا ہے۔

جب آپ کے بچے اچھی چیز کو اچھا نہیں دیکھتے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آپ سے ڈرے ہوئے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں ماں باپ کا خیال ہے کہ اچھی ہے۔ جب تک ہم ان کے قبضہ قدرت میں ہیں ہم بھی اچھا کہیں گے اس کو اور جب نکلیں گے تو پھر جو ہماری مرضی کریں گے۔ لیکن اچھے کو اچھا دکھانے کے لئے وہ تجربے

ضروری ہیں جو میں نے آپ کے سامنے بیان کئے ہیں۔ اچھی چیزوں کی لذت دل میں پیدا کریں اور میں نے اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ صرف بحیثیت خلیفہ باقی بچوں کی تربیت میں اس سے کام نہیں لیا بلکہ اپنے بچوں کی تربیت میں ہمیشہ اس سے کام لیا ہے اور اللہ کے فضل کے ساتھ جب ان کو نیکیوں سے محبت پیدا ہوئی تو اب مجھے کوئی پرواہ نہیں ہے کہ میں کہاں ہوں۔ اپنے گھروں کی تنہائیوں میں، اپنے بچوں میں جہاں بھی وہ ہیں ان کو بچپن ہی سے نیکیوں سے پیار ہو چکا ہے اور وہ اس سے الگ نہیں ہو سکتے۔ پس آپ اپنے بچوں کو بچپن ہی میں وہ اہمیت دیں جس کے وہ مستحق ہیں۔ ان سے بڑوں کی طرح باتیں کریں، ان کو سمجھائیں اور ساتھ لے کر چلیں۔

اس ضمن میں خود اعتمادی کے علاوہ بعض اور باتیں ہیں جو اب بیان کرنا ضروری ہیں۔ مثلاً عبادت کا فلسفہ بچپن ہی سے ان کو سمجھانا ضروری ہے۔ میں نے یہ کہا کہ جب آپ ان کے دل میں نیکی کا پیار پیدا کر دیں، دل میں یقین بھر دیں کہ ہاں یہ اچھی چیز ہے وہ اس سے چمٹے رہیں گے۔ مگر یہ کہنا اس تحدی کے ساتھ جائز نہیں۔ کیونکہ بہت سے ایسے بچے بھی میں نے دیکھے ہیں جن کے ماں باپ نے پوری محنتیں کیں لیکن ماں باپ دنیا سے رخصت ہوئے۔ پھر وہ اس دنیا میں پڑ کر کہیں سے کہیں سرکتے ہوئے چلے گئے۔ ایک چیز ہے جو ہمیشہ ان کی محافظ رہ سکتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہے اور عبادت کے فلسفے میں خدا کی محبت کا فلسفہ داخل کرنا لازم ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر حقیقت میں عبادت کے کوئی بھی معنی نہیں۔

پس بچپن ہی سے نیکیوں سے پیار کے ساتھ ساتھ اس وجود سے پیار پیدا کرنا ضروری ہے جو نیکیاں سکھانے والا ہے اور اس میں سب سے اہم انسانوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور پھر اس کے بعد عبادت کا فلسفہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے ہی سے بیان کیا جائے گا اور اس بات کو اگر بچے سمجھ لیں کہ عبادت کیوں ضروری ہے تو پھر وہ خود ہی عبادت کریں گے اور اگر وہ خود عبادت کرنے لگیں گے تو پھر ان کی عبادت کو پھل لگیں گے۔ اگر آپ کے کہنے پر عبادت کر رہے ہیں اور یہ سمجھتے ہیں کہ احمدیوں میں عبادت کرنی ضروری ہے تو وہ عبادت ضروری نہیں کہ ہمیشہ ان کا ساتھ دے۔ پس عبادت کے تعلق میں بعض اہم امور ہیں جو آپ کو پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔

عبادات کا فلسفہ

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ اللہ کی عبادت کیوں کی جاتی ہے؟ انبیاء عبادت کیوں کرتے ہیں؟ اس

کا فلسفہ آپ کو سمجھایا جائے۔ بعض بچے کہتے ہیں صبح ہم سے اٹھا نہیں جاتا، کیوں اٹھیں۔ ایک دو نمازیں Miss ہو گئیں تو کیا فرق پڑ گیا۔ بعض کہتے ہیں چار پانچ Miss ہو گئیں تو کیا فرق پڑا۔ ہم اسی طرح ٹھیک ٹھاک ہیں۔ جب تک آپ عبادت کا فلسفہ ان کو نہیں سمجھائیں گے ان کو یہ فرق سمجھ میں نہیں آئے گا۔ ابھی ایک ملاقات میں، یعنی ابھی سے مراد ہے کچھ دن پہلے، ایک بچے نے کہا کہ صبح کی نماز میں اس وقت اٹھنا کیوں ضروری ہے؟ اور اگر میں صبح کی نماز نہ بھی پڑھوں تو کیا فرق پڑتا ہے۔ میں نے کہا آپ مجھے یہ بتائیں آپ ناشتہ کرتے ہیں؟ کہا ہاں مَیں کرتا ہوں۔ تمہیں اچھا لگتا ہے؟ اس کو اتفاق سے اچھا لگتا تھا، بعض بچوں کو نہیں لگتا کہ ہاں مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ میں نے کہا نہ کیا کرو کیا فرق پڑتا ہے؟ تو اس کی سمجھ میں آئی، ہاں فرق پڑتا ہے۔ مگر وہ فرق ہے کیا۔ یہ جب تک نہ سمجھایا جائے اس وقت تک محض فلسفیانہ جواب سے اگر عقل مطمئن بھی ہو تو پوری طرح دل مطمئن نہیں ہوا کرتا۔ ناشتہ اچھا لگتا ہے، اس لئے اس کو کھانے سے مزہ آتا ہے۔ اگر آپ کہہ دیں کہ عبادت بھی اور صبح کی نماز بھی ایک ناشتہ ہے تو مان تو جائے گا۔ مگر اس نماز میں اگر مزہ ہی نہ آئے تو اس کو کیا پتہ کہ یہ ناشتہ تھا بھی کہ نہیں۔ اس لئے عبادت میں مزہ پیدا کرنا یہ آغاز ہی سے ضروری ہے اور اس سلسلے میں بہت لمبی باتیں ہیں جو بیان کی جاسکتی ہیں مگر وقت کی رعایت کے پیش نظر میں مجبور ہوں کہ اس بات کو ذرا مختصر کروں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آپ نے کبھی اپنی عبادت پر غور کیا کہ آپ کو کیوں مزہ آیا؟ خدا سے تعلق کی جھرجھری جب تک دل میں پیدا نہ ہو اس وقت تک عبادت میں مزہ ہی نہیں آسکتا اور اس تعلق کو پیدا کرنے کے لئے احسان کرنے والے اور احسان مند کے درمیان جو رشتہ ہے اس کو کھولنا ضروری ہے۔ چنانچہ بچوں کو یہ سمجھانا پڑے گا تمہیں ناشتہ پسند ہے، مگر پتہ ہے ناشتہ پیدا کیسے ہوا؟ ایک ایسا قادر مطلق ہے جو رب العالمین ہے۔ اس نے تمام جہانوں کی ربوبیت کی ذمہ داری آپ اٹھالی تھی۔ تمہیں تو خدا نے اتنے اچھے اچھے کھانے، اتنے اچھے اچھے رزق عطا فرمائے ہیں مگر ساری دنیا پر نظر ڈال کے دیکھو۔ سمندروں کی گہرائیوں میں بھی رزق مقرر ہے۔ اڑنے والے پرندوں کے لئے آسمان کی بلندیوں تک جو جاتے ہیں ان کے لئے بھی رزق مقرر ہے۔ کوئی کائنات میں ایسا جاندار نہیں جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے رزق کے سامان نہ فرمائے ہوں اور اس پر اگر آپ غور کریں تو حیران رہ جاتے ہیں۔ ان کو سمجھانا پڑتا ہے۔

چنانچہ اپنے گھر میں بچوں کو بعض دفعہ میں سمجھاتا ہوں کہ باہر نکل کے دیکھو۔ پرندے صبح اٹھتے ہیں۔ ان کو کوئی پتہ نہیں کہ کہاں سے کیا ملے گا۔ کوے اٹھتے ہیں اور چہچہانے والے چھوٹے چھوٹے پرندے صبح کے

وقت بیدار ہو جاتے ہیں۔ پانی پہ بیٹھنے والے پرندے ہیں ان کو پتہ نہیں مچھلی کہاں ہے۔ ان سب کے لئے اللہ تعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ رزق کے سامان فرمائے ہیں بلکہ سامان حاصل کرنے کے ذریعے بھی بیان فرمائے ہیں۔ ان کے اندر ودیعت کر دیئے ہیں۔ چنانچہ ایک دفعہ ایک جھیل پہ Seagulls اڑ کے اتر رہی تھیں بار بار ایک جگہ۔ میں نے ساتھ مسافروں کو سمجھایا۔ میں نے کہا دیکھو یہ Seagulls جو دیکھ رہی ہیں وہ تمہیں دکھائی نہیں دے رہا۔ تم ڈھونڈ رہے ہو، مچھلیوں کے لئے راڈیں پکڑی ہوئی ہیں اپنی، کہ کہاں مچھلیاں ہیں اور کچھ پتہ نہیں۔ لیکن ان کو خدا تعالیٰ نے نہ صرف وہ آنکھ دی ہے جو پہچانتی ہے مچھلیوں کو بلکہ جب ان پر گرتی ہیں تو بعینہٖ نشانے پر گرتی ہیں اور دیکھو جو بھی نیچے جاتی ہے کچھ اٹھا کر اوپر نکلتی ہے۔ کیسا کیسا قدرت نے رزق کا سامان مقرر فرمایا ہے۔ تم بھول جاتے ہو اس بات کو کہ جو ناشتہ تم کر رہے ہو، جو کھانا تم کھا رہے ہو اس کے لئے خدا نے قانونِ قدرت میں کتنی دیر سے سامان بنا رکھے ہیں۔ تو وہ ماں باپ جو تمہیں کوئی اچھا ناشتہ دیتے ہیں یا کوئی دوست دعوت کرتے ہیں۔ کسی کو چائنیز کھانا پسند ہے تو ہوٹل میں لے جاتے ہیں۔ دیکھو کتنا دل چاہتا ہے ان کا شکریہ ادا کرنے کو اور جتنا شکریہ ادا کرتے ہو تمہیں بھی مزہ آتا ہے۔ جس کا شکریہ ادا ہو رہا ہے وہ بھول جاتا ہے کہ اس نے خرچ کیا تھا۔ اس کو خرچ میں مزہ آنے لگتا ہے۔ تو تم نے کبھی سوچا نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے سارے سامان کر رکھے ہیں اور وہ نہ کرے تو کچھ بھی باقی نہ رہے۔ ایک پانی پر ہی غور کر کے دیکھ لو کہ قرآن کریم فرماتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندوں کو متوجہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ اگر ہم پانی کو گہرائی میں لے جائیں تو کون ہے جو اسے نکال سکے۔ امر واقعہ یہ ہے کہ جب خشک موسم آتے ہیں تو پانی نیچے اترنے لگتے ہیں۔ جب نیچے اترنے لگتا ہے تو کوئی دنیا کی طاقت بڑی سے بڑی طاقت بھی ہوا تنا خرچ کر ہی نہیں سکتی کہ اسی پانی کو اٹھا کر اس سے اپنے رزق کے سامان بھی پیدا کرے اور پیاس بھی بجھائے۔ وہ اترتے اترتے اس مقام تک پہنچتا ہے کہ اس کو اوپر آنا بہت مہنگا ہو جاتا ہے اور پھر غائب بھی ہو جایا کرتا ہے۔ تو یہ تفصیل ہے جو رزق سے تعلق رکھتی ہے۔ اس ایک ناشتے کے حوالے سے آپ رفتہ رفتہ بچوں کو ایسی باتیں بتا سکتے ہیں جو قانون قدرت میں ہر جگہ دکھائی دیتی ہیں۔ ان کے لئے دلائل کی ضرورت نہیں ہے لیکن ان کو سمجھانا ضروری ہے۔ وہ سمجھیں اور ان کو بتائیں کہ دیکھو خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے سارے سامان کئے ہوئے ہیں اور خود غائب ہو گیا ہے۔ تم اسے ڈھونڈو اپنے تصور میں اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ پھر تمہیں لذت آئے گی کہ شکریہ ہوتا کیا ہے اور جب تم شکریہ ادا کرو گے تو وہ خدا تم پر اور زیادہ مہربان ہوگا۔

یہ عبادت کا فلسفہ سکھانے کے لئے ابتدائی چیزیں ہیں۔ اس لئے بچے سے کہا جائے کہ جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو، اگر تمہیں ساری نماز کا ترجمہ نہیں بھی آتا تو اس دن کی اچھی باتوں پر اللہ کا شکریہ ادا کرلیا کرو کہ اے اللہ! تو نے آج میرے لئے یہ کیا، مجھے بہت مزہ آیا۔ میں نے آج ٹھنڈا پانی پیا، میں نے کوکا کولا پیا اور میں نے فلاں Ham Burger کھایا جو بھی کھایا کرتے ہیں لوگ یہاں، تو اس وقت سوچا کرو کہ اصل دینے والا کون ہے۔ اگر اس طرح بعض لذتوں کا تعلق دینے والے ہاتھ کے ساتھ قائم کر دیا جائے تو یہ عبادت کا پہلا فلسفہ ہے جو بچے کے دل میں جانشین ہوگا اور پھر اسے ایک اور ہاتھ ہے جو اٹھا لے گا جس کے متعلق میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ بچہ جب پیار سے اپنے اللہ سے کوئی بات کرتا ہے تو میرا تجربہ ہے کہ اللہ ضرور اس کا جواب دیتا ہے اور ایک بچے کے دل میں اگر خدا کے لئے کوئی شکر پیدا ہو تو اللہ اس کے دس شکر ادا کرتا ہے اور ان معنوں میں وہ شکور ہے۔

اب حیرت کی بات ہے کہ اللہ تو ہر احسان کرنے والا اور ایسا وجود ہے جس کو کسی کے شکر کی ضرورت کوئی نہیں۔ کوئی اس کے لئے کچھ نہیں کر سکتا۔ لیکن وہ شکریہ کس بات کا ادا کرتا ہے، شکر کا شکریہ ادا کرتا ہے اور یہ چیز اس نے انسانی فطرت میں بھی رکھ دی ہے۔ پس بچوں کو سمجھانا ضروری ہے کہ دیکھو ایک بچہ تم سے کوئی اچھا سلوک کرے، رستہ چلنے والا تمہیں ایک لفٹ ہی دے دیتا ہے تو کتنا تمہارے دل میں شکریہ اٹھتا ہے اور جب تم شکریہ کرتے ہو تو وہ بھی آگے تمہارے شکریے کا شکریہ ادا کرنے لگ جاتا ہے۔ کہتا ہے چھوٹی سی بات تھی کچھ بھی نہیں تھا، آپ نے تو بہت ہی محسوس کیا ہے۔ تو شکر کرنے والا حقیقت میں ایک بات کا شکر ادا کر رہا ہوتا ہے اور جو اس کے جواب میں شکریہ ادا کرتا ہے وہ صرف شکر کا شکریہ ادا کرتا ہے۔

تو شکر کو طاقت دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ نظام قائم فرمایا ہے کہ بندہ ایک شکر کرتا ہے، اللہ دس شکر کرتا ہے اور ہر شکر کے جواب میں اس پر اور زیادہ احسان فرماتا ہے۔ اس طرح بچے کو اگر آپ سمجھائیں تو وہ خود دیکھے گا، اپنی آنکھوں سے دیکھے گا کہ واقعۃً ایسا ہوتا ہے، واقعۃً اللہ تعالیٰ ہمارے ادنیٰ ادنیٰ شکر کو قبول فرماتے ہوئے اتنا شکر ادا کرتا ہے کہ آدمی حیران رہ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر لازم ہے کہ روح پگھلے خدا کے حضور اور ایسے موقع پر لازم ہے کہ روح خدا کے حضور سجدہ ریز ہو اور یہ باتیں وہ ہیں جو روزمرہ کے تجربے میں آئی ہوئی باتیں ہیں۔ کوئی فلسفہ ایسا نہیں جو آسمان پر اڑ رہا ہے۔ یہ فلسفہ وہ ہے جو روزمرہ زندگی میں انسانی تعلقات میں بھی ہم دیکھ رہے ہیں اور بندے اور خدا کے تعلق میں بھی یہی دکھائی دیتا ہے۔ تو محض یہ کہہ دینا کہ جی پانچ وقت نمازیں ضروری ہیں، تم نے لازماً پڑھنی ہیں، یہ اور بات ہے اور ان نمازوں سے

محبت پیدا کرنا اور نمازوں کا فلسفہ سکھانا یہاں تک کہ وہ دل کو متحرک کر دے، دل میں ایک تموج پیدا کر دے، یہ وہ چیز ہے جو بچوں کی آئندہ نمازوں کی حفاظت کرے گی اور ایسی حفاظت کرے گی کہ ماں باپ بچپن سے ہی ان کو چھوڑ کر جا سکتے ہیں پھر وہ خدا کے حوالے ہوں گے۔ اللہ ان کا ہاتھ پکڑ لے گا اور ماں باپ کی آرزوؤں کو ایسے وقت میں پورا کرے گا جب ماں باپ موجود ہی نہیں ہیں۔

پس اگر اپنے بچوں کے دل میں خدا کی محبت عبادت کے حوالے سے پیدا کریں تو یہ نظام وہ ہے جو بچوں کی ہر حال میں ہر جگہ حفاظت فرمائے گا۔ ایسے اعلیٰ کردار کے بچے جب پیدا ہوں پھر وہ سوسائٹی میں جائیں تو ان کو اس کی کوئی بھی پرواہ نہیں ہوگی۔ یعنی اس پہلو سے تو پرواہ ہوگی کہ یہ بھی اچھے ہو جائیں۔ اس پہلو سے پرواہ ہوگی کہ ان کو بھی میں بتاؤں کہ خدا کی محبت میں کیا مزے ہیں نیکیوں میں کیا لذات ہیں۔ مگر اس پہلو سے کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ وہ ان نیکیوں کو بدی کے ساتھ دیکھ رہا ہے۔ چنانچہ آپ ہی کے امریکہ میں ایک دفعہ نہیں، بارہا ایسا ہوا ہے کہ بعض احمدی بچوں نے، لڑکوں نے یا بعض احمدی لڑکیوں نے خطوں کے ذریعے مجھ سے سوال کئے اس طرح ہمارے لئے مسئلہ درپیش ہے، بتائیں ہم کیا کریں۔ ان کو میں نے یہ تفصیل سے تو نہیں سمجھایا مگر کسی حد تک مختصر مرکزی بات سمجھا دی کہ آپ اگر ایک بات کو نیکی سمجھ رہے ہیں تو اس کے اوپر ذاتی فخر محسوس کریں اور سوسائٹی کی کوئی پرواہ نہ کریں۔ پھر دیکھیں کہ آپ کے دل میں کیا کیفیات پیدا ہوتی ہیں اور بلا استثناء ان سب نے مجھے یہی بتایا، کسی نے جلدی کسی نے دیر کے بعد، کہ اب تو ہم مؤثر ہونے لگ گئے ہیں اور سوسائٹی متاثر ہو رہی ہے۔ اب لوگ قریب آ کر ہمارے انداز سیکھ رہے ہیں۔

اس ضمن میں ایک اور بات جو آپ کو سمجھانے والی ہے وہ یہ ہے کہ بعض چھوٹی چھوٹی باتوں کو آپ معمولی نہ سمجھا کریں۔ میں نے کئی بچوں کو دیکھا ہے ان کے گلے میں تعویذ سے لٹکے ہوئے ہیں۔ کسی کے کان میں بندا پڑا ہوا ہے، کسی کے بالوں کا حلیہ بگڑا ہوا ہے، قریب سے رگڑے گئے ہیں بال اور اوپر سے بڑے بڑے ہیں۔ ٹوپی پہنیں تو لگتا ہے ٹنڈ کروائی ہوئی ہے۔ ٹوپی اتاریں تو بڑے بڑے بال دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو سمجھانا چاہیے کہ اگر تم کچھ عرصہ پہلے، جب یہ فیشن نہیں تھا، کسی دکان میں جاتے وہ یہ حالت تمہاری بنا دیتا تو نہ صرف یہ کہ تم نے پیسے نہیں دینے تھے اس سے بڑی سخت لڑائی کرنی تھی کہ او بدبخت تو نے کیا حال بنا دیا ہے۔ یہ کوئی شکل ہے میری دیکھنے والی۔ اب اسی شکل کو تم لئے پھرتے ہو سوسائٹی میں، اس لئے نہیں کہ تمہیں پسند ہے۔ اس لئے کہ تم پیچھے چلنے لگ گئے ہو، تم غلام ہو گئے ہو اور غلام کی کوئی عزت نفس

نہیں ہوا کرتی۔ ان کو یہ سمجھائیں کہ کیا ہو گیا ہے۔ تم فیشن کی پیروی کرنے والے نہ بنو، فیشن بنانے والے بن جاؤ۔ وہ بنو جس کے پیچھے لوگ چلا کرتے ہیں۔ تو اگر بچے سمجھ جائیں بات کو تو ان کے اندر تبدیلی ہوتی ہے۔ انگلستان میں بارہا ایسا مجھے تجربہ ہوا ہے۔ کئی بڑے بڑے چھتوں والے میرے پاس آئے، بعضوں نے گتیں بنائی ہوئیں تھیں اور میں نے کہا یہ تم نے کیا کیا ہوا ہے۔ تو ماں باپ نے کہا کہ یہ بات نہیں مانتا۔ آپ چھوڑ دیں اس کو۔ میں نے کہا کیوں نہیں مانتا۔ میں ابھی سمجھاتا ہوں اس کو اور اگلی دفعہ آئے بالکل نارمل، گتیں کاٹی ہوئیں، بعضوں نے میرے سامنے ہی اپنے تعویذ نوچ پھینکے کہ آج کے بعد ہم نہیں پہنیں گے یہ ذلیل چیز۔ تو سمجھانے سے انسان اپنے اندر تبدیلی پیدا کیا کرتا ہے اور سمجھانے سے اندر کا انسان بدلتا ہے۔ جب تک آپ اندر کے انسان کو نہیں بدلیں گے بیرونی انسان بدلنے سے کیا حاصل ہوگا۔

پس وہ سوسائٹی جو مخالفانہ اثر رکھنے والی سوسائٹی ہے اس نے تو ہر وقت آپ کے بچوں کو آپ سے چھیننے کی کوشش کرنی ہے۔ آپ کا جواب یہ ہونا چاہیے کہ ان کے اندر وہ دفاع پیدا کر دیں کہ سوسائٹی کو جرأت نہ ہو ان کو بدلنے کی اور وہ سوسائٹی کو بدلیں اور اپنے گرد و پیش میں تبدیلیاں پیدا کریں۔ پس وہ احمدی جو نو احمدی ہیں مجھ سے سوال کرتے ہیں کہ اب ہم امریکہ کو کیسے بدلیں گے۔ ان کو میں یہ جواب دے رہا ہوں کہ اسی طرح بدلیں گے جیسے ایک انسان حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری سوسائٹی کو بدل دیا تھا اور اس میں تبدیلی پیدا کرنے والی ایسی باتیں پیدا ہو چکی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ساری دنیا کو تبدیل کرنے کے لئے مقرر فرما دیا۔ آج وہ ہم میں نہیں مگر ان کی قوت قدسیہ ہم میں موجود ہے۔ وہی قوت قدسیہ ہے جس نے مسیح موعودؑ کو پیدا کیا ہے، وہی قوت قدسیہ جو آج جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے نیکی کے لئے محبت کرنے والے پیدا کر رہی ہے۔ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آج سے چودہ سو سال پہلے ساری دنیا کو بدلنے کے لئے اگر پیدا کیا جا سکتا تھا تو آخر کیوں پیدا کیا گیا تھا۔ اس لئے کہ آپؐ نے اپنے اندر وہ تبدیلی پیدا کر لی تھی جو ماحول کو بدلا کرتی ہے۔ آپؐ ایک ذرہ بھی ماحول سے متاثر ہونے والے نہیں رہے۔ پس اپنے اندر وہ انسان پیدا کریں اور اپنے بچوں میں وہ انسان پیدا کریں کہ متاثر ہونے کی بجائے مؤثر ہو جائے اور یہی خاتم کا دوسرا نام ہے۔ بعض لوگ سمجھتے نہیں کہ خاتمیت کیا چیز ہے۔ تو آنکھیں بند کر کے بس خاتمیت کا لفظ اٹھائے چلے جاتے ہیں کہ اب نبی کوئی نہیں، نبی کوئی نہیں۔ خاتمیت تو ایک ایسی مہر ہے جو محمد رسول اللہ کے ہر غلام میں لازماً پیدا ہونی چاہیے۔ خاتمیت کا مطلب یہ ہے کہ تمہاری مہر دوسرے پر اثر انداز ہو جیسے تم ہو کم سے کم ویسا تو بن سکے اور اسی میں ہمارے لئے ایک خوشخبری بھی ہے اور ایک خطرے کا

الارم بھی ہے۔

آنے والے بہت سے آ رہے ہیں اور مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب امریکہ میں بھی (دعوت الی اللہ) تیزی سے آگے بڑھ رہی ہے۔ابھی اس میں بظاہر اتنی تیزی پیدا نہیں ہوئی جتنی میں توقع رکھتا ہوں۔لیکن ملاقاتوں میں میں نے ایسے مخلص نئے آنے والے دیکھے ہیں اور نئی آنے والیاں دیکھی ہیں جن کے متعلق بعض دفعہ میں سمجھتا تھا کہ پیدائشی احمدی ہیں اور جب پوچھا گیا تو کسی نے کہا میں چھ مہینے پہلے ہوا تھا یا سال پہلے احمدی ہوئی تھی۔ بہت نمایاں پاکیزہ تبدیلیاں ہیں۔لیکن اگر پرانے احمدیوں میں ان کے اندر وہ تبدیلیاں پیدا نہ ہوئیں تو یہ لوگ پھر زیادہ دیر آپ کے ساتھ نہیں رہ سکیں گے اور ہر وہ شخص جو کسی اور میں پاک تبدیلی پیدا کرتا ہے وہ ایک مہر کا مقام رکھتا ہے، وہ اپنی مہر دوسروں پر چسپاں کیا کرتا ہے اور اکثر اس کی بدیاں دوسرے میں منتقل ہو جایا کرتی ہیں۔

پس اس پہلو سے اپنے بچوں کی بھی حفاظت کریں۔ان کو چھوٹے چھوٹے خاتم بنالیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خوبیوں کو دوسروں میں رائج کرنے کی طاقت رکھیں۔اگر مہر پر دوسری مہر لگ جائے اور وہ مہر مٹ جائے تو اس کو مہر کہا ہی نہیں جاتا۔پس آپ وہ مہر بنیں جو غیر اللہ کا اثر قبول نہ کرے ورنہ آپ کے نقوش مٹ جائیں گے۔آپ اپنی مہر کو جب جس پہ ثبت کریں گے جو آپ سمجھ رہے ہیں وہ اس پر ثبت نہیں کرے گی کیونکہ دنیا نے اس کے نقوش بدل دیئے ہوں گے۔ پس سمندر کی لہروں کی طرح جو ریت پر کچھ نقشے بناتی ہیں اپنے نقشے ایسے نہ بنائیں کہ ہر اٹھنے والی لہر اس نقشے کو پھر بدل جائے۔آج کی لہروں نے کچھ اور نقشے کھینچے ہیں، کل کی لہریں کچھ اور نقشے بنا جائیں۔آپ نے تو دائماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کا نقشہ اپنے اندر بنانا ہے اور پھر اس کو جاری کرنا ہے۔پس جب تک اپنے بچوں میں جاری نہیں کریں گے آئندہ نسلیں سنبھالی نہیں جاسکیں گی۔

وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ یاد رکھو خدا کا یہ پیغام ہے۔آج دیکھو کہ کل کے لئے تم کیا بھیج رہے ہو۔اللہ تعالیٰ خوب باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ اگر آج تمہارے نقوش پختہ ہیں، اگر آج تمہارے نقوش دائمی ہیں تو کل تمہاری نسلوں کے نقوش بھی پختہ اور دائمی ہوں گے۔اگر آج یہ روزمرہ مٹنے والے اور بدلنے والے ہیں تو کل کی نسلوں کی کیا ضمانت ہے۔ وہ بھی اسی طرح سمندری لہروں کے سہارے روز اپنے نقش بدلا کریں گی۔پس اللہ تعالیٰ جماعت کو یہ توفیق عطا فرمائے کہ (دعوت الی اللہ) کے نئے بڑھتے ہوئے تقاضوں کو جس طرح میں مختصراً آپ کو سمجھا رہا ہوں ان تقاضوں کو آپ پوری

طرح آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں اور ان کو پورا کرنے کی کوشش کریں، لیکن ایک فرض کے طور پر نہیں بلکہ دلی لگاؤ کے ساتھ۔

دلی لگاؤ اور اعلیٰ اقدار کا ایک گہرا تعلق ہے جو اعلیٰ اقدار کے دوام کے لئے ضروری ہے۔ عارضی طور پر اگر آپ نصیحتیں سن کر اپنے اندر مشکل سے تبدیلیاں پیدا کرتے ہیں اور ان نیک تبدیلیوں پر قائم رہنے میں ہمیشہ مشکل محسوس کرتے ہیں تو ان کے دوام کی کوئی ضمانت نہیں۔ کچھ عرصہ کے بعد آپ کا دل ہار جائے گا اور کہیں گے چلو کوئی بات نہیں، کچھ دیر نیکی کر لی، اب چلو دنیا کے عیش بھی دیکھ لیں۔ لیکن اگر آپ کو ان سے محبت ہو جائے ان قدروں کے ساتھ، ان اخلاق کے ساتھ جو نیکی کی محبت آپ کے دل میں پیدا کر رہی ہیں تو پھر کسی فکر کی ضرورت نہیں ہے۔ جس ماحول میں آپ جائیں گے وہ آپ کے ساتھ ساتھ جائیں گی۔ ہمیشہ وہ ماحول کو آپ کے مزاج کے مطابق تبدیل کرتی رہیں گی۔

آنے والوں کا ہم پر حق ہے

پس اس پہلو سے آئندہ آنے والی (تربیت) کے لئے بھی اپنے آپ کو تیار کریں اپنی نسلوں کے لئے جو آپ خدا کے حضور جواب دہ ہیں، اس نقطہ نگاہ سے بھی ان کو تیار کریں اور یاد رکھیں کہ آنے والوں کا ہم پر حق ہے۔ ہر آنے والے نے اس کی مہر کو ضرور قبول کرنا ہے یا اس کے اثر کو کچھ نہ کچھ ضرور لینا ہے جس نے اسے احمدیت کا پیغام دیا۔ پس بہت بڑا کام ہے مگر ہمیں کرنا ہے۔ امریکہ کی تبدیلی ایک بہت بڑی تبدیلی ہے۔ اگر اب ہم نے نہ کی تو کوئی اور نہیں کر سکے گا۔ یہ ایک ایسی قطعی بات ہے جس میں کوئی آپ تبدیلی نہیں دیکھیں گے۔ آج حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے غلام دنیا میں تبدیلیاں اور پاک تبدیلیاں قائم کرنے کے لئے پیدا فرمائے گئے ہیں۔ ان کو دنیا سے نکال دو تو دنیا میں کچھ بھی باقی نہیں رہے گا۔

دیکھو حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خدا سے کیا عرض کیا تھا، جب آپ کو بتایا گیا کہ لوط کی قوم مٹائی جانے والی ہے تو بہتوں سے شروع کر کے آخر دس تک جا پہنچے، اے خدا! ان میں دس بھی نیک نہیں ہیں جن کی خاطر لاکھوں کو زندہ رکھا جاتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے جواب دیا کہ دس بھی نیک نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ رحم کے تعلق میں بہت جھگڑا کرنے والا تھا اور یہ ایک ابراہیم علیہ السلام کی تعریف ہے جو بظاہر برائی ہے۔ مگر اللہ بڑے محبت کے انداز میں بیان کر رہا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی جھگڑا کرتا ہے مگر ہماری مخلوق پر رحم کرتے ہوئے۔ وہاں ابراہیم نے جھگڑا چھوڑ دیا اے خدا! اگر ان میں دس بھی ایسے نہیں ہیں تو پھر

میں کچھ مطالبہ نہیں کرتا۔ تو تم تو ہزاروں لاکھوں ہو کروڑ بیان کئے جاتے ہو، کروڑ سے بھی اوپر کی باتیں کر رہے ہو۔

میں خدا کی قسم کھا کے کہتا ہوں اگر تم اپنے اندر وہ نقوش پیدا کر لو جو نقوش مہر محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے نقوش ہیں تو اربوں آپ کی وجہ سے بچائے جائیں گے۔ ہو نہیں سکتا کہ دنیا ہلاک ہو جب تک آپ اس دنیا میں موجود ہیں۔ پس امریکہ کے متعلق مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر یہاں پانچ ہزار بھی ایسے ہو جائیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ حضرت اقدس محمد رسول اللہ کے نقوش اپنے اندر اپنانے والے ہوں تو لازماً امریکہ کو بچایا جائے گا۔ لیکن اگر گہرائی میں اتر کے دیکھیں تو پانچ ہزار بھی ایسے نہیں بنتے۔ ہمیں بنانے کی ضرورت ہے، محنت کرنے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے اور آپ کے حوالے سے سب دنیا کو بھی (دعوت الی اللہ) کے نئے دور میں داخل ہوتے وقت ان تقاضوں کو پیش نظر رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 8 اگست تا 14 اگست 1997ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 4؍جولائی 1997ء

☆ عظمت قرآن کریم
☆ تلاوت قرآن کریم کی اہمیت
☆ ہماری نسلوں کو اگر سنبھالنا ہے تو قرآن کریم نے
☆ تربیت کا ایک بڑا طریق، اللہ تعالیٰ سے سوالوں کے جواب مانگیں
☆ اگلی صدی سے پہلے پہلے ہر خاندان کا ہر ایک شخص نمازی ہو جائے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرماتے ہیں:-

الٓمّٓO ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَO الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰھُمْ یُنْفِقُوْنَ O

(البقرہ: 2تا4)

الحمدللہ، آج اس خطبے کے ساتھ میرا مختصر دورہ کینیڈا اختتام پذیر ہوگا۔ اس عرصے میں مجھے یہاں بھی بہت سے خاندانوں سے ملنے کا موقع ملا اور بالعموم کثرت سے جماعت کو دیکھنے کا موقع ملا اور گزشتہ روز جب میں آٹووا اور مانٹریال کے سفر پہ تھا تو وہاں بھی کثرت سے جماعتوں سے ملاقات ہوئی اور ان کے حالات کو قریب سے دیکھا۔ اس خطبے میں خصوصیت کے ساتھ میں نے عبادت کا مضمون چنا ہے اور اسی لئے میں نے وہ آیات تلاوت کی ہیں جو قرآن کریم کی سورہ بقرہ کی پہلی آیات ہیں۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ قرآن کریم کا تعارف ان الفاظ میں فرماتا ہے۔ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ یہاں یہ نہیں فرمایا کہ یہ کتاب ہے بلکہ ذٰلِکَ الْکِتَابُ فرمایا۔ وہ کتاب ہے۔ حالانکہ بظاہر قرآن کریم ہر پڑھنے والے کے سامنے ہوتا ہے اور عام انسان کا کلام ہوتا تو کہتا یہ کتاب ہے۔ لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے اور اس ''وہ'' میں بہت سے معانی مضمر ہیں۔

ہدایت اسی کتاب سے ملے گی

ایک تو یہ کہ انسان کو یہ وہم ہے کہ وہ قرآن کریم کو از خود پا سکتا ہے۔ سامنے پڑی ہوئی کھلی کتاب ہے اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے وہ کتاب ہے۔ یعنی تم سے دور ہے اور تمہارے قریب آسکتی ہے۔ مگر کچھ شرطیں ہیں جو پوری کرنی ہوں گی اور پھر ''ذٰلِکَ'' میں اشارہ گزشتہ پیشگوئیوں کی طرف بھی ہے۔ کیونکہ تمام انبیاء نے مختلف رنگ میں آنے والے رسول حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر نازل ہونے والی عظیم

کتاب کی خوشخبری دی تھی۔ ''الکتاب'' سے مراد وہ کتاب ہے جو ہمیشہ سے جس کا وعدہ دیا گیا ہے اور ہمیشہ سے قومیں اس کا انتظار کر رہی تھیں اور آج وہ ہمارے سامنے ہے۔ ''ذٰلِکَ الْکِتَابُ'' میں ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ تم سے دور تو ہے لیکن قریب آسکتی ہے۔ ''لَا رَیْبَ فِیْہِ'' اس بات میں کوئی شک نہیں۔ ''لَارَیْبَ'' کے ساتھ جب ''ذٰلِکَ'' کو پڑھیں تو یہ معنی ہوگا کہ وہ کتاب تو ہے مگر اس بات میں کوئی شک نہیں کہ ''ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ'' یہ ہدایت ہے متقیوں کے لئے اور ''لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ'' کا ایک معنی یہ ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں ہے مگر ان متقیوں کے لئے جن کے لئے ہدایت بنتی ہے۔ بغیر تقویٰ کے اس کتاب کو پڑھو گے تو کئی قسم کے شکوک پیدا ہوتے رہیں گے۔ مگر یہ عجیب کتاب ہے جو شک سے پاک ہونے کے باوجود غیر متقیوں کے دلوں میں شک پیدا کرتی ہے اور متقیوں کے دلوں کو شکوک سے پاک کر دیتی ہے۔ پس اس مختصر کلام میں جس میں ایک آیت ابھی پوری نہیں ہوئی اللہ تعالیٰ نے کتنے مضامین بیان فرما دیئے۔

ہماری نسلوں کو اگر سنبھالنا ہے تو قرآن کریم نے

ایک امر بہرحال یقینی اور قطعی ہے کہ جو کچھ بھی ہم نے ہدایت پائی ہے اسی کتاب سے پائی ہے۔ پس سب سے پہلے تو عبادت کے تعلق میں کلام الٰہی کا پڑھنا ایک بنیادی امر ہے جس کی طرف میں آپ کو متوجہ کرتا ہوں۔ جہاں تک میں نے جائزہ لیا ہے بہت کم ایسے خاندان ہیں جن میں روزانہ تلاوت ہوتی ہو۔ شاذ کے طور پر ایسے بچے ملیں گے جو صبح اٹھ کر نماز سے پہلے یا نماز کے بعد کچھ تلاوت کرتے ہوں اور یہ جائزہ فیملی یعنی خاندانوں کی ملاقات کے دوران میں نے لیا اور اکثر بچوں کو اس بات سے بے خبر پایا۔ وہ تربیت کے مسائل جن پر میں گفتگو کرتا رہا ہوں وہ سارے بے حقیقت ہو جاتے ہیں اگر اس بنیادی حقیقت کی طرف توجہ نہ کریں کہ ہماری نسلوں کو اگر سنبھالنا ہے تو قرآن کریم نے سنبھالنا ہے اور قرآن کریم سے دو باتیں لازم ہیں۔ ہدایت ہے مگر نہیں بھی ہے۔ ہدایت ان لوگوں کے لئے ہے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ جو تقویٰ اختیار نہیں کرتے ان کے لئے ''ذٰلِکَ الْکِتَابُ'' دور کی کتاب رہے گی، جو بظاہر ان کے سامنے ہے مگر ان سے دور ہٹی رہے گی۔

تو جب تک یہ کتاب قریب نہ آئے اس دنیا کے مسائل حل نہیں ہو سکتے اور کینیڈا کی جماعتوں کو خصوصیت سے اس طرف توجہ دینی چاہیے۔ بعض باتیں خدا تعالیٰ کے فضل سے جماعت کینیڈا میں پہلے سے

بہتر ہو رہی ہیں مگر اگر بنیادی مقصد دور ہی رہے تو اس ظاہری ہنگامے کا کوئی بھی فائدہ نہیں۔ یہ ہنگامے رفتہ رفتہ مر جایا کرتے ہیں۔ رفتہ رفتہ اگلی نسلیں ایسی ہوتی ہیں جو خدا کو بھلا دیا کرتی ہیں۔ مگر کلام الٰہی سے محبت ایک ایسی چیز ہے جو نسلوں کو سنبھالے رکھتی ہے۔ پس بچپن ہی سے اس بات پر زور دیں یعنی آپ کے بچوں کے بچپن۔ آپ تو بڑے ہو چکے ہیں۔ آپ نے تو، جس طرح بھی خدا نے چاہایا آپ نے چاہا خدا کی مرضی کے مطابق یا اس کے خلاف زندگی بسر کر لی۔ لیکن اگلی نسلیں آپ کی ذمہ داری ہیں اور آئندہ صدی ان اگلی نسلوں کی ذمہ داری ہوگی۔ پس آج اگر آپ نے ان کو قرآن کریم پر قائم نہ کیا تو باقی ساری باتیں جو اس کے بعد بیان ہوئی ہیں ان میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے۔

قرآن کریم پر زور دینا اور تلاوت سے اس کا آغاز کرنا بہت ہی اہم ہے۔ مگر تلاوت کے ساتھ ان نسلوں میں، ان قوموں میں جہاں عربی سے بہت ہی ناواقفیت ہے، ساتھ ترجمہ پڑھنا ضروری ہے۔ ترجمے کے لئے مختلف نظاموں کے تابع تربیتی انتظامات جاری ہیں مگر بہت کم ہیں جو اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں یا اٹھا سکتے ہیں۔ اس لئے جب میں ایسی رپورٹیں دیکھتا ہوں کہ ہم نے فلاں جگہ قرآن کریم کی کلاس جاری کی یا فلاں جگہ قرآن کریم کی کلاس جاری کی تو میں ہمیشہ تعجب سے دیکھتا ہوں کہ اس کلاس میں سارے سال میں بھلا کتنوں نے فائدہ اٹھایا ہوگا اور جو فائدہ اٹھاتے بھی ہیں تو چند دن کے فائدے کے بعد پھر اس فائدے کو زائل کرنے میں باقی وقت صرف کر دیتے ہیں۔ وہی بچے ہیں جن کو آپ نے قرآن کریم سکھانے کی کوشش کی۔ چند دن بعد ان سے پوچھ کے دیکھیں تو جو کچھ سیکھا تھا سب بھلا چکے ہوں گے۔ بڑی وجہ اس کی یہ ہے کہ ہماری جو بڑی نسل ہے اس نے قرآن کریم کی طرف پوری توجہ نہیں دی اور اکثر ہم میں بالغ مرد وہ ہیں جو دین سے محبت تو رکھتے ہیں لیکن ان کو یہ سلیقہ سکھایا نہیں گیا کہ قرآن سے محبت کے بغیر دین سے محبت رکھنا کوئی معنی نہیں رکھتا، اس کی کوئی بھی حقیقت نہیں ہے۔

وقتی طور پر تو فوائد تو ہیں لیکن ان فوائد کا اعلیٰ مقصد یہ ہے کہ ان کی دین سے محبت، دین کے لئے وقت نکالنا، دین کے لئے محنت کرنا ان کو گھیر کر قرآن کی طرف لے آئے۔ اگر یہ فائدہ نہ ہو تو وہ کوششیں بے کار ہیں۔ کیونکہ قرآن کریم کا پہلا تعارف ”ذٰلِکَ الْکِتَابُ“ ہے۔ وہ کتاب جس کی قوم انتظار کر رہی ہے۔ جب سے دنیا بنی ہے اس کتاب کا انتظار تھا بنی آدم کو اور جب یہ آ گئی تو کتنے ہیں جو اس سے پیٹھ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ پس حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق قرآن کریم فرماتا ہے کہ رسول شکوہ کرے گا اے میرے رب! میری قوم نے اس قرآن کو مہجور کی طرح چھوڑ دیا۔ پس آپ وہ قوم نہ بنیں جن

سے قیامت کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکوہ ہو کہ اے خدا! میری کہلانے والی، مراد کہلانے کا مضمون اس میں داخل ہے، میری کہلانے والی قوم نے اس قرآن کو پیٹھ کے پیچھے پھینک دیا، مہجور کی طرح چھوڑ کر چلی گئی۔

پس آج جماعت کینیڈا کی تربیت کی ایک ہی پہچان ہے۔ کیا آپ کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ شکوہ۔ جائز تو ہوگا شکوہ، مگر آپ دل میں سوچ کے دیکھیں کہ شکوہ آپ پر اطلاق پائے گا کہ نہیں۔ آپ میں سے کتنے ہیں جن کے متعلق حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن خدا کے حضور عرض کر سکتے ہیں کہ اے خدا! یہ میری قوم ہے جس نے قرآن کو مہجور کی طرح نہیں چھوڑا۔ پس بہت ہی اہم مسئلہ ہے اور عبادت کی جان قرآن کریم ہے۔ عبادت سے پہلے بھی قرآن ہے یعنی تہجد کے وقت بھی جتنی توفیق ملے۔ قران کریم فرماتا ہے قرآن کی تلاوت کیا کرو اور عبادت کے دوران بھی تلاوت ہے اور عبادت کے بعد بھی تلاوت ہے۔

پس تلاوت قرآن کریم کی عادت ڈالنا اور اس کے معانی پر غور سکھانا، یہ ہماری تربیت کی بنیادی ضرورت ہے اور تربیت کی کنجی ہے جس کے بغیر ہماری تربیت ہو نہیں سکتی اور یہ وہ پہلو ہے جس کی طرف اکثر مربیان، اکثر صدران، اکثر امراء بالکل غافل ہیں۔ ان کو بڑی بڑی (بیوت الذکر) دکھائی دیتی ہیں، ان کو بڑے بڑے اجتماعات نظر آتے ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں کہ بڑے جوش سے اور ذوق وشوق سے لوگ دور دور کا سفر کر کے آئے اور چند دن ایک جلسے میں شامل ہو گئے۔ لیکن یہ چند دن کا سفر تو وہ سفر نہیں ہے جو سفر آخرت کے لئے ممد ہو سکتا ہے۔ سفرِ آخرت کے لئے روزانہ کا سفر ضروری ہے اور روزانہ کے سفر میں زادِ راہ قرآن کریم ہے۔

چنانچہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مومن کی مثال اسی طرح دی ہے۔ یہ نہیں فرمایا کہ تین سو پچپن دن سوتا ہے اور پھر پانچ دس دن کے لئے جاگتا ہے اور سفر شروع کر دیتا ہے۔ فرمایا مومن کی مثال تو ایسی ہے جیسے کوئی روزانہ سفر کر رہا ہو۔ کچھ صبح، کچھ شام کو، کچھ دوسرے وقت میں، دوپہر کو کچھ آرام بھی کر لے مگر سفر روزانہ جاری رہنا چاہیے اور ہر سفر کے لئے قرآن کریم فرماتا ہے زادِ راہ ہونا چاہیے اور زادِ راہ تقویٰ بیان فرمایا اور یہی زادِ راہ ہے جس کو قرآن کریم کے لئے ضروری قرار دیا گیا ہے۔

پس تقویٰ اور قرآن کریم تو روز کے سفر کے قصے ہیں۔ یہ کوئی ایک آدھ دفعہ سال میں سفر کرنے سے تعلق رکھنے والی بات نہیں، روزانہ ضرورت ہے۔ روزانہ قرآن کو پڑھنا اور روزانہ تقویٰ کے سہارے جو زادِ

راہ ہے یعنی جس سے قوت ملتی ہے قرآن کریم سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کرتے چلے جانا ہے۔ یہ وہ بنیادی امر ہے جس کے لئے صرف تنظیموں کے اجتماعات کی ضرورت نہیں تنظیموں کے اجتماعات ان باتوں میں نئی دلچسپیاں پیدا کر دیا کرتے ہیں مگر سارا سال دلچسپیاں قائم رکھنے کے لئے ماں باپ کی دلچسپی کی ضرورت ہے اور ماں باپ تب دلچسپی لے سکتے ہیں کہ پہلے اپنی ذات میں دلچسپی لیں۔ دنیا کے کسی حصہ میں پہنچے ہوں، ایک دفعہ انہیں عزم کرنا ہوگا کہ ہم نے خدا کی طرف سفر کا آغاز کرنا ہے اور یہ سفر قرآن کے بغیر ممکن نہیں اور قرآن کا سفر زادِراہ چاہتا ہے۔ یعنی رستے کا سامان جو ہر مسافر ساتھ باندھ لیا کرتا ہے۔ جب بھی لوگ سفر پہ چلتے ہیں تو سوائے اس کے کہ رستے میں کچھ کھانے پینے کے ہوٹل ایسے ہوں جہاں سے چیزیں خریدنی ہوں مگر عموماً اپنے ساتھ کچھ نہ کچھ باندھ لیا کرتے ہیں اور تقویٰ ہے جس کو ساتھ لے کر چلنا ہے۔

پس فرمایا ''ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ'' (سورۃ البقرہ:3) اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ شک سے بالا کتاب ہے مگر اس بات میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ ہدایت صرف متقیوں کے لئے ہے۔ جو تقویٰ سے آراستہ ہوں گے ان کے لئے ہدایت کا سامان پیدا کرے گی۔ پس قرآن کا تقویٰ سے مطالعہ، یہ دو چیزیں اکٹھی کر دی گئی ہیں۔ بعض اوقات لوگ سالہا سال تلاوت قرآن کرتے ہیں مگر اس طرح جیسے طوطا رٹی ہوئی باتیں دہراتا ہے۔ اس سے زیادہ ان کو کوئی سمجھ نہیں آتی اور یہ تقویٰ سے عاری سفر ہے۔ سفر تو ہے مگر بھوکے ننگے کا سفر ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تقویٰ قرآن کے تعلق میں یہ بات یاد دلاتا ہے کہ قرآن کریم میں کچھ چیزوں سے بچنے کا حکم ہے، کچھ رستوں کو اختیار کرنے کا حکم ہے اور بنیادی معنوں میں تقویٰ کا یہی معنی ہے کہ پتہ ہو کہ کہاں سے بچنا ہے اور کس رستے پہ قدم بڑھانے ہیں۔

تقویٰ کے نتیجے میں انسان قرآن کریم پر جب غور کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے معانی عطا ہوتے ہیں۔ چنانچہ اسی مضمون کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ''لَا یَمَسُّہٗ اِلَّا الْمُطَھَّرُوْنَ'' (الواقعہ:80) کہ ہاتھ تو بظاہر لوگ لگاتے ہیں لیکن سوائے ان کے جن کو خدا پاک کرے، کوئی اس کتاب کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ تو دیکھو دونوں مضمون ایک ہی ہیں اور مختلف رنگ میں ایک ہی بات آپ کو سمجھائی گئی ہے کہ قرآن کریم کے ترجمے کے ساتھ پڑھنے کی طرف ساری جماعت کو متوجہ ہونا چاہیے۔ کوئی بھی ایسا نہ ہو جس کے پاس سوائے اس کے کہ شرعی عذر ہو جو روزانہ قرآن کریم کی تلاوت سے محروم رہے۔

تمام بچوں کو اس راہ پر ڈالیں۔ دیکھیں جب سکول کے لئے وہ چلتے ہیں تو آپ کتنی محنت ان پر کرتے ہیں۔ مائیں دوڑتی پھرتی ہیں ناشتہ کراؤ، منہ ہاتھ دھلاؤ، بستے ٹھیک کرو اور قرآن کریم کی طرف محنت نہیں

ہے۔ یہ ایک دن کا سفران کا سکول کی طرف ایسا ہے جس کے لئے آپ کی ساری توجہ مبذول ہو جاتی ہے اور ہمیشہ کا سفر جس میں آئندہ سفر کی تیاری کرنی ہے یعنی مرنے کے بعد، اس کی طرف توجہ نہیں ہے۔ (بیوت الذکر) بنانا اچھی چیز ہے مگر (بیوت الذکر) کے لئے نمازی بنانا ضروری ہے۔ اگر (بیوت الذکر) بنائیں گے اور نمازی نہیں بنائیں گے تو اس کا کیا فائدہ۔ میرے علم میں یہاں ایسی (بیوت الذکر) ہیں جہاں دو نمازیں ہوتی ہیں۔ پانچ ہونی چاہئیں، دو کیوں ہوتی ہیں۔ ان (بیوت الذکر) کا اس کے سوا پھر کیا فائدہ کہ دنیا کو دکھانے کے لئے کہ ہم نے، جماعت احمدیہ نے ایک بڑی (بیت الذکر) بنالی ہے۔ دکھانے کے لئے ایک عمارت کا حسن ہے، اس سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔

اس لئے میں نے امیر صاحب کو رستے میں بھی بار بار تاکید کی، پھر تاکید کرتا ہوں اور آپ سب کو تاکید کر رہا ہوں کہ (بیوت الذکر) کی بڑائی کی طرف، ان کی ظاہری عظمتوں کی طرف، ان کے ظاہری حسن کی طرف اگر توجہ اس لئے دی جائے کہ نمازی تو آتے ہیں مزید یہ بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں، پھر کوئی نقصان نہیں۔ لیکن اگر (بیوت الذکر) میں نمازی نہ ہوں تو ہزار ان کو آراستہ کر دیں ان (بیت الذکر) کا کوئی فائدہ نہیں اور پھر ایسی (بیوت الذکر) بڑے اجتماعات کے کام تو آسکتی ہیں، جیسے یہ (بیت الذکر) آتی ہے، مگر روزمرہ ہمارے مختلف جگہ پھیلے ہوئے نمازیوں کے کسی کام نہیں آسکتیں۔ اس وجہ سے میں نے ہدایت کی ہے کہ آپ سب کو آج تاکید کر رہا ہوں کہ اگر اس ہدایت پر عمل نہ ہو تو آپ عمل کروائیں۔ نگران ہوں اس بات کے کہ اس ہدایت پر لازماً عمل ہوتا ہے۔

...... آخری بات یہ بیان فرمائی " وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ " پھر جو کچھ ہم ان کو دیتے ہیں وہ اس میں سے لازماً خرچ کرتے ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کو وہ صلاحیتیں عطا ہوں اور وہ خرچ نہ کریں۔ ان کی صلاحیتوں میں سے انسان کی توجہات ہیں اور انسان کو خدا تعالیٰ نے جو بھی نعمتیں جس رنگ میں عطا فرمائی ہیں، رشتے ہیں، اموال ہیں، ذہنی اور قلبی طاقتیں ہیں۔ یہ سب کچھ "مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ" میں داخل ہیں، اس کو خرچ کرتے ہیں۔ خرچ کرنے میں یہ بیان نہیں فرمایا کہ کس پر خرچ کرتے ہیں؟ اس لئے اس مضمون کو کھلا چھوڑ کر اس آیت میں بے انتہاء معانی داخل فرما دیئے ہیں۔

سب سے پہلی چیز، وہ اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں۔ چنانچہ قرآن کریم نے ایک دوسری جگہ اس مضمون کو کھولا ہے کہ تم اپنے نفس کے لئے خیر خرچ کرو یعنی ایسا خرچ کرو جس کا تمہارے نفسوں کو فائدہ پہنچے۔ پس اپنے لئے بھی خرچ کرنا خدا کی خاطر خرچ کرنا ہے، اگر ان شرائط کو پورا کریں۔ پس اپنی سب چیزوں کو خدا

کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔یعنی اپنے قدم خدا کی طرف بڑھانے کے لئے اپنے اوپر اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ وہ ممد اور مددگار ہو جائیں۔اب ”مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ“ میں وہ لوگ داخل ہیں جن کے پاس کاریں ہیں، وہ دور کے سفر کر کے نمازوں کے لئے پہنچ جاتے ہیں۔تو ”مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ“ میں ان کی کاریں، ان کی سہولتیں شامل ہو جاتی ہیں۔ وہ لوگ جو اپنے بچوں پر وقت خرچ کر کے محنت کرتے ہیں اور ان کو خدا والا بنانے کی کوشش کرتے ہیں وہ بھی ”مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ“ میں آ جاتے ہیں۔

تو اموال سر دست ایک طرف رکھیں، یہ دیکھیں کہ آپ نے اپنے لئے اور اپنی اولاد کی تربیت کے لئے اپنی صلاحیتوں سے کیا فائدہ اٹھایا ہے۔اگر آپ وہ طاقتیں جو خدا نے آپ کو عطا کی ہیں ان کو اپنے اوپر اس طرح خرچ کرتے ہیں کہ خدا کے قریب تر ہو سکیں تو اپنے اوپر خرچ ہو یا اپنی اولاد پر خرچ ہو، یہ سب خدا ہی کی خاطر خرچ ہے اور غریبوں کی باری اور اموال کو جماعت کو پیش کرنے کی باری بعد میں آتی ہے۔اگر یہ پہلے خرچ نہ ہوں تو دوسرے خرچ ضائع ہو جایا کرتے ہیں۔ چنانچہ خدا کے حضور جو تحفے ہیں ان میں نیکی ہونا لازم ہے ”لَنْ تَنَالُوْا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ“ (سورۃ آل عمران:93) تم نیکی کو پا ہی نہیں سکتے، ہرگز نہیں پاؤ گے جب تک، جن چیزوں سے محبت ہے، ان کو خدا کی راہ میں خرچ نہ کرو۔

اب دیکھیں محبت کے تقاضے انسان کو اپنی ساری زندگی میں ہر طرف پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ماں کو بچے سے محبت ہے اس میں کوئی شک نہیں، مگر اللہ کی محبت غالب ہو تو بچے کو خدا والا بنانے پر اس کی زیادہ توجہ ہو گی۔ اپنی طاقت کو پہلے اس بات پر خرچ کرے گی کہ میرا بچہ خدا والا بنے اور سکول والا بعد میں بنے گا خدا والا پہلے بنے گا۔ جو جو خدا والا بچہ ہے وہ جہاں بھی جائے گا اللہ اس کی حفاظت فرماتا ہے۔ایک ایسی سوسائٹی میں جہاں ہر طرف شیطان کی آوازیں آپ کو بلا رہی ہیں اگر آپ کے بچوں کو نمازوں کی عادت نہیں ہے تو وہ بچے نہ آپ کے کام آ سکیں گے، نہ اپنے نہ آئندہ نسلوں کے کام آ سکیں گے۔ کیونکہ انہوں نے لازماً رفتہ رفتہ بھٹکتے بھٹکتے دور چلے جانا ہے۔

پس نمازوں کے قیام میں یہ ساری باتیں اپنے پیش نظر رکھیں اور میں یہ سمجھتا ہوں کہ پہلے نمازوں کی عادت ڈالنا، پھر نمازوں کو کسی چیز سے بھرنا یہ دو باتیں ہیں جو ایک لامتناہی سفر ہے۔ایسا وقت آنا چاہیے اور جلد آنا چاہیے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ اگلی صدی سے پہلے پہلے آنا چاہیے کہ آپ میں سے ہر ایک کے خاندان میں ہر شخص نمازی ہو جائے اور یہ سفر وہ ہے جس کے متعلق میں نے شروع میں کہا تھا کہ نظام جماعت مستقلاً اس کو جاری نہیں کر سکتا۔ کیونکہ نظام جماعت کا ایسے ملک میں جہاں آپ ہزار ہا میل پہ پھیلے پڑے ہیں،

جہاں بسا اوقات ایک گھر کا دوسرے سے رابطہ کرنے کے لئے بھی سوسو دو دوسو چار چار سو میل کا سفر کرنا پڑتا ہے، بعض دفعہ ہزار میل کا سفر کرنا پڑتا ہے۔ وہاں نظام جماعت میں طاقت ہی نہیں کہ وہ سب تک پہنچ سکے۔ مگر نظام قرآن میں یہ طاقت ہے اور قرآن کریم نے شروع ہی میں آپ کو یہ سادہ طریق سمجھا دیا ہے۔ ہر گھر والے کا فرض ہے کہ وہ قرآن کی طرف توجہ دے، قرآن کے معانی کی طرف توجہ دے، ایک بھی گھر کا فرد ایسا نہ ہو جو روزانہ قرآن کے پڑھنے کی عادت نہ رکھتا ہو اور قرآن کریم کو پھر مضامین سمجھ کر پڑھے اور جو بھی ترجمہ میسر ہو اس کے ساتھ ملا کر پڑھے۔

ایسے بچوں کے دل میں پھر سوال بھی اٹھتے ہیں اور وہ سوالات بسا اوقات مجھے اس وقت نظر آتے ہیں جب کسی مجلس سوال و جواب میں بیٹھا ہوں تو مجھے پتہ چل جاتا ہے کہ بعض بچے ایسے ضرور ہیں جو قرآن پڑھ رہے ہیں اور قرآن پڑھنے کے بعد پھر ان کے دل میں سوال اٹھتے ہیں۔ ان سوالات کے حل کے دو طریق ہیں۔ ایک تو جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا ہے کہ تم اولوالعلم کے پاس جایا کرو اور اولوالعلم وہ لوگ ہیں جو آپ کی جماعتوں میں موجود ہیں۔ اس کے لئے سال یا دو سال میں کسی ایک مجلس کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے۔ مربی ہیں، دوسرے بزرگ ہیں جن کو قرآن کریم سے محبت ہے۔ کچھ ایسے ہیں جنہوں نے کثرت سے تفاسیر پڑھی ہوئی ہیں اور میرا خیال ہے کہ ہر جماعت میں ایسے ایک دو انسان ضرور ہوں گے جن کو دینی علم بڑھانے کا شوق ہے۔ ان کے پاس جانا چاہیے، ان سے پوچھنا چاہیے اور روز بروز اپنے مسائل حل کرنے چاہئیں۔

اور اس سے بڑھ کر دوسرا طریق یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے سوال کریں اور اللہ تعالیٰ سے التجا کریں کہ وہ آپ کو سمجھا دے۔ بچپن سے خدا تعالیٰ نے میرے دل میں یہ وہ چیز ہے جس کی طرف توجہ دلائی ہے اور مجھے کبھی علماء کے پاس نہیں جانا پڑا۔ جب بھی سوال اٹھتا تھا ایک بات لازماً میری مددگار ہوتی تھی۔ ''یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ'' یہ کامل ایمان تھا کہ اس سوال کا جواب موجود ہے۔ میرے لئے غیب ہے مگر میں ایمان رکھتا ہوں۔ اس غیب پر ایمان رکھتا ہوں جس پر خدا تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے کہ مومن بندے ضرور ایمان رکھتے ہیں اور اس ایمان کے نتیجے میں وہ غیب جو لوگوں کے لئے غیب رہتا ہے آپ کی دعا کے ذریعے آپ کے قریب آجاتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ آپ خدا سے دعا مانگیں کہ مجھے اس مضمون کی سمجھ نہیں آرہی۔ ایمان ضرور ہے کہ تو سچا ہے، ایمان ہے کہ اس میں شک کوئی نہیں، تو آپ حیران ہوں گے کہ کس طرح اللہ تعالیٰ آپ کی سوچوں میں برکت ڈالے گا اور اپنے فضل کے ساتھ آپ کے مسائل حل کرے گا۔

...... بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایسے غور کرنے والوں کو خدا تعالیٰ کچھ نکات عطا فرماتا ہے۔ اگر وہ متقی ہوں تو وہ فتنے کا موجب نہیں بنتے۔ اگر وہ متقی نہ ہوں تو وہی نکات تردد اور شک اور فتنوں کا موجب بن جایا کرتے ہیں اور یہ منازل بعد کی منازل ہیں۔ لیکن آغاز میں وہ برتن تو حاصل کریں جن کو بھرنا ہے اور اکثر جگہ برتن موجود نہیں۔ یہ مجھے فکر ہے جو اس سفر کے دوران پہلے سے بہت زیادہ بڑھ کر میرے سامنے ابھری ہے۔ بھاری تعداد میں ایسے احمدی گھر ہیں جن کو روزانہ پانچ وقت نمازیں پڑھنے اور بچوں کو پڑھانے کی توفیق نہیں ملتی اور ایسے ہیں جن کو روزانہ قرآن کریم کی تلاوت کی اور بچوں کو تلاوت قرآن کریم کروانے کی توفیق نہیں ملتی۔ اب یہ لوگ ہیں جن کے گھروں میں آسمانی دودھ کے نازل ہونے کے لئے برتن بھی موجود نہیں۔ اگر برتن نہیں ہوگا تو بارش کے دوران آپ چلو بھر پانی پی کر پیاس تو بجھا سکتے ہیں مگر جب بارش آ کے گزر جائے اور ہر طرف خشکی ہو تو آپ کے پاس کچھ بھی پیاس بجھانے کے لئے نہیں ہوگا۔

پس نمازوں کا آغاز نمازوں کے برتن قائم کرنے سے ہوتا ہے۔ تلاوت کا آغاز تلاوت کے برتن قائم کرنے سے ہوتا ہے اور برتن سے میری مراد یہ ہے کہ شروع کر دیں تلاوت، پھر رفتہ رفتہ علم بڑھائیں اور تلاوت کو معارف سے بھرنے کی کوشش کریں، معارف سے پہلے علم سے بھرنے کی کوشش ضرور کریں اور اگر آپ اس ترتیب کو سامنے رکھیں گے تو وہ جو لغزش میں نے بیان کی تھی اس سے کسی حد تک بچ سکتے ہیں۔ عرفان سے پہلے عمل ہونا چاہیے اور بغیر علم کے جو عرفان ہے یہ خیالی عرفان ہے، اکثر ٹھوکروں والا عرفان ہے۔ اسی لئے قرآن کریم نے اُولُوا الْعِلْمِ کہہ کر متوجہ فرمایا کہ تم نے کچھ پوچھنا ہے تو اُولُوا الْعِلْمِ سے پوچھا کرو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عرفان کا ذکر بعد میں فرمایا ہے علم کا ذکر پہلے فرمایا ہے۔ "یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" پہلے کتاب کی تعلیم دیتا ہے، حکمت یعنی عرفان کی باتیں بعد میں آتی ہیں۔

تو وہ نوجوان جو بڑے ہوں یا چھوٹے، اگر وہ قرآن کریم پڑھتے ہوئے اس کا علم نہیں رکھتے یعنی ظاہری معانی جو عربی زبان سے حاصل ہو سکتے ہیں اس پر توجہ نہیں کرتے تو ان کو مجلسیں لگا کر عرفان کی باتیں کرنے کا حق ہی کوئی نہیں۔ وہ جاہل ہیں اور لوگوں کو بھی جہالت کی طرف بلانے والے ہیں۔ وقتی طور پر اپنی بڑائیاں دکھاتے ہیں مگر حقیقت میں ان کو قرآن کریم کا علم ہی نہیں ہے۔ تو علم کے حصول کے لئے پھر رفتہ رفتہ ترقی ہوتی ہے، بہت سی لغات کی کتب ہیں جن کو دیکھنا پڑتا ہے، بہت سے علماء سے استفادہ کرنا پڑتا ہے۔ تو بنیادی طور پر پہلے علم کو بڑھائیں اور علم کو بڑھائیں گے تو علم کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ

والسلام کی کتب کے مطالعہ کی طرف بھی متوجہ ہوں گے کیونکہ یہ وہ باتیں ہیں جن کی طرف آپ کے بچے ابھی توجہ دے نہیں سکتے۔ اس لئے میں آپ کو بعد کی باتیں بھی اشارۃً بتا رہا ہوں لیکن فی الحقیقت زور اس بات پر دے رہا ہوں کہ آغاز کی باتوں کو پکڑ لیں اور آغاز کی باتوں پر قائم ہو جائیں، باقی باتیں اللہ سنبھال لے گا اور آغاز کرنے والوں کو خدا تعالیٰ خود انگلی پکڑ کر سفر کے آخر تک پہنچا دیا کرتا ہے اور سفر کے آخر سے مراد یہ ہے کہ موت تک وہ اس سفر میں ہمیشہ آگے بڑھتے رہتے ہیں۔ ورنہ حقیقت میں اس سفر کا کوئی آخر نہیں ہے۔ تو اللہ تعالیٰ جماعت احمدیہ کینیڈا کو بھی یہ توفیق عطا فرمائے اور باقی دنیا کی جماعتوں کو بھی۔ میں چاہتا ہوں کہ اس صدی سے پہلے پہلے ہر گھر نمازیوں سے بھر جائے اور ہر گھر میں روزانہ تلاوت قرآن کریم ہو۔ کوئی بچہ نہ ہو جسے تلاوت کی عادت نہ ہو۔ اس کو کہیں تم ناشتہ چھوڑ دیا کرو مگر سکول سے پہلے تلاوت ضرور کرنی ہے اور تلاوت کے وقت کچھ ترجمہ ضرور پڑھو، خالی تلاوت نہیں کرو اور جب یہ آپ کام کر لیں گے تو پھر ارد گرد (بیوت الذکر) بنانے کی کوشش کریں اور ان نمازیوں کو گھروں سے (بیوت الذکر) کی طرف منتقل کریں۔ کیونکہ وہ گھر جس کے بسنے والے خدا کے گھر نہیں بساتے، قرآن کریم سے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ ایسے گھروں کو ویران کر دیا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق عطا فرمائے کہ ان تقاضوں کو پورا کریں۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 22 اگست تا 28 اگست 1997ء)

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 24 مئی 1998ء

☆ امتِ مسلمہ کی وجہ فضیلت
☆ ہر وہ امت جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے ہوگی وہ بہتر ہوگی
☆ نھی عن المنکر کرنی ہے تو بہترین ذریعہ نماز ہے
☆ جب سے مسلمانوں نے نماز کو ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے
☆ خدام الاحمدیہ جرمنی سے حضورؒ کا اظہار خوشنودی
☆ ہجرت کے فوائد
☆ نومبائعین کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ دیں کیونکہ اللہ کی خاطر انہوں نے بھی تو ایک ہجرت کی ہے

تشہد وتعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور رحمہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ آل عمران آیت ۱۱۱ تلاوت فرمائی:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

اس کے بعد حضورؒ نے فرمایا:

امۃ مسلمہ کی وجہ فضیلت

یہاں خدام الاحمدیہ کے اجتماع کے دوران ہی ایک مجلس میں ایک سوال ہوا تھا جس کا تعلق خیر امت سے تھا کہ خیر امۃ قرار دیا گیا ہے اور سب دنیا کی امتوں میں قرآن کریم نے امت مسلمہ کو سب سے اچھا قرار دیا ہے یہ ایک دعویٰ ہے۔ اس کا ثبوت کیا ہے کہ واقعۃً یہ امت سب امتوں سے بہتر ہے؟ اس سلسلے میں میں نے آج کا خطاب منتخب کیا ہے تا کہ خیر امۃ کی تفصیل جو ایک دفعہ پہلے بھی بیان کر چکا ہوں آج پھر اس کو دہراؤں۔ ایسی باتوں کو بار بار دہرانا پڑتا ہے تا کہ نئے آنے والے اور نئی نسلوں والے بھی ان امور کو اچھی طرح سمجھ لیں اور دوسرے یہ کہ اسی مضمون سے میری اس تربیتی تقریر کا تعلق ہے جو میں نے آج کے لئے چنی تھی۔ كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ ۔ اے امت مسلمہ! تم تمام امتوں میں سے سب سے بہتر ہو جن کو لوگوں کے لئے چنا گیا۔ یہاں لِلنَّاسِ کا لفظ صاف بتا رہا ہے کہ وجہ فضیلت بیان ہوگئی۔ ہر وہ امت جو بنی نوع انسان کی بھلائی کے لئے ہوگی، وہ بہتر ہوگی۔ اَلْيَدُ الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنَ الْيَدِ السُّفْلٰى دینے والا ہاتھ جو ہے وہ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہوا کرتا ہے۔ تو ایک تو اس دعوے کی دلیل بھی ساتھ ہی رکھ دی۔ لِلنَّاسِ، جب تک تم لِلنَّاسِ رہو گے تم بہت بہترین رہو گے۔ جب لِلنَّاسِ نہیں رہو گے اپنے نفسوں کی خاطر کام کرو گے تو معاً تم بہترین امت نہیں رہو گے۔ بلکہ گر جاؤ گے اس مقام سے۔ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کا

مطلب یہ بھی ہے کہ اس سے پہلے کوئی بھی امت ایسی نہیں تھی جو تمام بنی نوع انسان کے فائدہ کے لئے نکالی گئی ہو۔ الناس میں سارے انسان شامل ہیں۔ چنانچہ اس آیت کے پہلے حصہ میں ہی یہ دونوں مضمون بیان ہو گئے کہ لازماً پہلی امتیں وہ اپنے علاقوں اور قوموں کے لئے ہوا کرتی تھیں یعنی لِلنَّاسِ محدود رنگ میں تھیں تمام بنی نوع انسان کے لئے نہیں تھیں۔ کوئی امت اسلام سے پہلے ایسی نہیں نکلی جس کا تعلق ساری دنیا کی بھلائی سے ہو۔ پس جس کا تعلق ساری دنیا کی بھلائی سے ہے وہ امت لازماً ان امتوں سے بہتر ہے جن کا تعلق علاقائی بھلائی سے تھا یا قومی بھلائی سے تھا۔

اس کے بعد للناس کی تشریح فرما دی گئی ہے کہ للناس کن معنوں میں۔ ان معنوں میں کہ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۔ سب سے اچھی بھلائی جو کسی کی طرف سے کسی کو پہنچ سکتی ہے، وہ یہ ہے کہ اچھی باتوں کا حکم دیا جائے۔ اچھی باتوں کی تلقین کی جائے وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ اور ناپسندیدہ باتوں سے روکا جائے اور تمام دنیا میں اگر خدا کے نام سے پیغام شروع کیا جائے تو یہ بعید نہیں کہ لوگ بھاگ جائیں اور منتشر ہو جائیں کہ یہ کس طرف بلا رہا ہے ہمیں۔ کیونکہ اب بہت سے لوگ دہریہ ہو چکے ہیں۔ ایک بھاری تعداد ہے جو اللہ کے نام پر بھی آنا پسند نہیں کرے گی، سوائے اس کے کہ آپ اللہ کی صفات اپنی ذات میں جاری کر کے خدا کو بنی نوع انسان کے لئے ایک بہت خوبصورت وجود کے طور پر دکھائیں۔ یہ الگ مسئلہ ہے لیکن اس کے باوجود اس میں شک نہیں کہ آج دنیا کی اکثریت مذہب سے بھی متنفر ہے اور خدا کی ہستی کی قائل ہی نہیں رہی۔ ایسی صورت میں ان کو کس طرف بلایا جائے؟ کیا ان کی خدمت ہو سکتی ہے؟ بہترین خدمت یہ ہے کہ وہ باتیں جو معروف ہیں، معروف سے مراد یہ ہے کہ ہر جگہ کا انسان انہیں اچھا سمجھتا ہے چاہے دہریہ ہو، چاہے کافر بدکردار ہو لیکن یہ جانتا ہے کہ سچائی اچھی چیز ہے یہ جانتا ہے کہ بھلائی کرنا اچھی بات ہے خواہ خود بد بھی ہو لیکن اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا۔ نہ کبھی کرتا ہے۔ کوئی شخص سچائی کے خلاف جہاد نہیں کر سکتا سوائے شیطان کے پس بہترین امت ثابت کرنے کے بعد بہترین امت کی وہ تعریف ثابت فرما دی گئی جس کا تعلق سارے بنی نوع انسان سے ہے۔ کوئی بھی اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ معروف کا حکم دیں اور منکر سے روکیں۔ اب یہ جو صورت حال ہے اس کا اطلاق اس وقت ساری دنیا پہ یکساں ہو رہا ہے۔ ہر جگہ اچھی باتوں کو اچھا جانتے ہوئے بھی ان پر عمل نہیں ہو رہا۔ ہر جگہ بری باتوں کو برا سمجھتے ہوئے بھی ان سے پرہیز نہیں ہو رہا۔ پس قرآن کریم نے ایک ہی آیت میں کس قدر خوبصورت مضمون کو آگے بڑھایا

ہے اور فرمایا ہے کہ دنیا کو اس کی ضرورت ہے اور ساری دنیا میں اگر کسی امت نے جہاد کرنا ہے کہ وہ معروف کی طرف بلائے اور منکر سے روکے تو تم ہو اے امت محمدیہ! جن کے سپرد یہ ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ ۔اس کے ساتھ ’’تُؤمِنُوْنَ‘‘ کی شرط لگا دی گئی ہے۔اللہ پر ایمان لاتے ہوئے ایسا کرو ورنہ بہت سے آدمی ایسے بھی ملتے ہیں جو نیک نصیحت بھی کرتے ہیں برائی سے روکتے بھی ہیں مگر جن کا خدا پر ایمان نہیں ہوتا۔ایسے لوگوں کی کوشش ایک طبعی فطری نرم دلی کی وجہ سے اس تحریک کی وجہ سے ہے جو ان کے ماں باپ نے ان کو سکھائی مگر لِلّٰہ نہیں ہوا کرتی۔اللہ کی خاطر اگر کچھ کرو گے تو پھر خدا مددگار رہو گا اور اس کی جزا مرنے کے بعد بھی عطا فرمائے گا۔پس تُؤْمِنُوْنَ کی شرط کو لازم رکھیں۔اس کے بغیر یہ نیکی ضائع ہو سکتی ہے اور بہت سے اچھے لوگ ہمیں دکھائی دیتے ہیں جن کی نیکیاں اسی طرح ضائع ہو جاتیں ہیں۔ان کی نیکی کے امتحان کا جب وقت آتا ہے تو وہ اس امتحان میں ناکام ہو جایا کرتے ہیں۔یہ ایسا مضمون ہے جو پچھلے چند خطبات کے اندر میں نے بڑی تفصیل سے کھول کر بیان کیا تھا،اسے دہراؤں گا نہیں مگر اتنی بات یاد رکھیں کہ ایمان باللہ کا نیک تعلیم سے اور برائی سے روکنے سے بہت گہرا تعلق ہے۔اگر خدا کی خاطر آپ یہ کام کر رہے ہوں گے تو اس کے نتیجے میں اگر کسی کو برائی سے روکیں اور وہ ناراض ہو اور وہ کہے کہ جاؤ جاؤ اپنا کام کرو تو اس صورت میں بھی آپ کی دل شکنی اس حد تک ہو ہی نہیں سکتی کہ اس کام سے رک جائیں۔کیونکہ آپ نے یہ کام اللہ کی خاطر کیا ہے۔یہی نمونہ حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہمیں دکھائی دیتا ہے۔تمام عمر بنی نوع انسان کو بھلائیوں کی طرف بلایا اور برائیوں سے روکا۔لیکن آپؐ کے پہلے مخاطب جو اہل مکہ تھے اور اہل عرب تھے انہوں نے اس پیاری اور اچھی تعلیم کو بہت بری نظر سے دیکھا۔ وجہ یہ تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یہ کام ایمان کی وجہ سے اللہ کی خاطر کرتے تھے اور یہ انسانوں کی عادت ہے بگڑی ہوئی عادت ہے کہ خدا کے سوا کسی نام سے کام شروع کرو اس کی مخالفت نہیں کرتے مگر جب اللہ کے نام سے کام شروع کرو تو ضرور مخالفت کرتے ہیں اور اس وقت سہارا بھی صرف اللہ ہی دیتا ہے۔

چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رستے میں دیکھو کتنی روکیں ڈالی گئیں۔نیکی کی تعلیم دے رہے تھے، بھلائی کی طرف بلا رہے تھے، بری باتوں سے روک رہے تھے لیکن کس طرح عرب مخالفت میں تلواریں لے کر آپؐ پر چڑھ دوڑے۔ایسی صورت میں تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ آپ کا سہارا ہے۔جس اللہ کی خاطر تم یہ کام کرو گے وہ ذمہ دار ہے کہ تمہاری حفاظت فرمائے۔وہ ذمہ دار ہے کہ تمہیں دل شکنی سے اس حد تک روکے کہ

تم کام ہی چھوڑ بیٹھو۔ پس مومن اپنے آرام کی خاطر بنی نوع انسان کو بھلائی کی طرف بلانے سے اور برائی سے روکنے سے باز نہیں آسکتا یہ وہ وجہ ہے کہ بیچ میں لفظ تومنون باللہ رکھ دیا ہے اور جو اللہ پر ایمان کی خاطر ایسا کریں اور کبھی بھی اس کام کو نہ چھوڑیں ان سے بہتر اور کون ہوسکتا ہے۔ تو اس آیت کریمہ میں ایک ایک لفظ کے ساتھ دلائل دیئے گئے ہیں۔ ایسے قطعی دلائل دیئے گئے ہیں جن کا کوئی قوم انکار نہیں کرسکتی۔ اتنا مضبوط اور منفرد کلام ہے ایک لفظ سے دوسرے لفظ کی طرف منتقل ہوتا چلا جاتا ہے اور ہر انتقال میں ایک قوی دلیل شامل ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ۔اہل کتاب میں بھی اچھے لوگ ہیں جیسا کہ آپ جانتے ہیں یہود میں بھی اچھے لوگ ہیں۔ عیسائیوں میں بھی اچھے لوگ ہیں، ان کی بھلائی سے انکار نہیں۔ مگر ان کے ایمان کی کمی کو ایک نقص کے طور پر دکھایا گیا ہے۔ فرمایا کاش ایسا ہوتا کہ وہ اچھے لوگ ایمان بھی رکھتے۔ اگر ایمان لاتے تو ان کی نیکیاں ضائع نہ ہوجاتیں۔ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ پھر اتنی احتیاط کے ساتھ قرآن کریم تمام بنی نوع انسان کے حالات کا جائزہ لیتا ہے کہ ایک ذرہ بھی غلطی کی گنجائش نہیں چھوڑتا۔ فرماتا ہے مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ یہ نہیں کہا جارہا کہ اہل کتاب اور اہل کتاب کی دونوں قسمیں یعنی یہود اور عیسائیوں میں سے کوئی بھی مومن نہیں۔ اللہ فرماتا ہے ہرگز یہ دعویٰ نہیں کیا جارہا۔ بحیثیت جماعت کاش ایسا ہوتا کہ وہ اہل کتاب ہوتے ہوئے ایمان بھی لاتے۔ لیکن اَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ان میں مومن تو ہیں مگر تھوڑے ہیں، بہت تھوڑی تعداد ہے۔ اور ان کی بھاری اکثریت فاسق ہے۔ ان کے بداعمال بتاتے ہیں کہ ان کا حقیقی ایمان کوئی بھی نہیں ہے۔ یہ وہ آیت کریمہ ہے جس کے متعلق جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، یہی سوال اٹھتا تھا۔ تو میں نے سوچا اسی مضمون کو میں اخذ کرکے مجلس خدام الاحمدیہ کو اور آپ کی وساطت سے سب دنیا کو جو نصیحت کرنی ہے اس کو اس مضمون کے تعلق میں بیان کروں۔ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ یہ لفظ تَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ جو ہے یہ دراصل نَهِي عَنِ الْمُنْكَرِ کا اشارہ نماز میں بھی اسی طرح کیا گیا ہے۔ نَهِي عَنِ الْمُنْكَرِ کرنی ہے تو بہترین ذریعہ نماز ہے اور نماز ہی آپ کو نَهِي عَنِ الْمُنْكَرِ کے طریق سکھائے گی۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ۔ جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا ہے۔ یہ نماز ہی ہے جو منکر سے آپ کو روکتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا اُتْلُ مَاۤ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ (سورۃ العنکبوت:۴۶)۔ اے محمدؐ! جو بھی تیری طرف وحی کی جارہی ہے کتاب میں سے اس کو پڑھ کر سنا اَقِمِ الصَّلٰوةَ اور نماز کو قائم کر۔ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ

وَالْمُنْكَرِ کیونکہ جہاد بدیوں کے خلاف ہے تو نماز سے بہتر بدیوں کے خلاف جہاد کا طریقہ اور کوئی چیز نہیں سکھا سکتی پس نماز کو مضبوطی سے پکڑ لے۔ نماز فحشاء، ہر قسم کی پھیلنے والی متعدی بیماریاں جو اخلاقی بیماریاں ہوں ان سے بھی منع فرماتی ہے اور عام ناپسندیدہ باتوں سے بھی منع فرماتی ہے۔ وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ اللہ کا ذکر ہے جو دراصل سب سے بڑا ہے۔ وہی نماز نَهِي عَنِ الْمُنْكَرِ کی تعلیم دے گی، وہی فحشاء سے روکے گی جو اللہ کے ذکر سے بھر جائے اور اللہ کا ذکر نماز کے بعد بھی کیا جائے تو پھر بھی یہی نتیجہ پیدا کرے گا۔ مومن کی زندگی میں دن رات ذکر الٰہی اس طرح شامل فرما دیا گیا کہ نہ وہ نماز کی حالت میں اس سے الگ رہیں نہ نماز کے علاوہ اس سے الگ رہیں۔ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَاتَصْنَعُوْنَ ۝ اور اللہ تمہارے اعمال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ اس حصہ کا کیا مقصد تھا؟ اللہ تمہارے اعمال کو خوب جانتا ہے۔ وجہ یہ ہے بہت سے لوگ نماز پڑھتے ہیں اور وہ نماز نہ خود ان کو منکر سے روک سکتی ہے نہ خود ان کو فحشاء سے روک سکتی ہے۔ جبکہ اللہ فرما رہا ہے نماز ضرور روکتی ہے۔ تو یہ بتانا مقصود ہے کہ بہت سے لوگوں کو یہ وہم ہوتا ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں۔ جبکہ حقیقت میں وہ نماز پڑھنے کا حق ادا ہی نہیں کرتے اور یہ پہچان کہ نماز نہیں پڑھتے، وہ نماز کے بعد کی حالت بتاتی ہے۔ نماز کے بعد اگر وہ اسی فحشاء میں واپس چلے جائیں، اسی منکر کی طرف واپس لوٹ جائیں جس میں وہ پہلے ہوا کرتے تھے تو خدا کا پیغام تو بہرحال سچا ہے ان کا عمل جھوٹا ہے ان کو وہم ہے کہ وہ نماز پڑھتے ہیں لیکن حقیقت میں وہ نماز نہیں پڑھتے۔ یہ جو مضمون نماز والا ہے اس کے متعلق میں نے مجلس خدام الاحمدیہ کو خصوصیت سے توجہ دلائی تھی کہ نوجوانوں کو اور بچوں کو نماز پہ قائم کریں اور نماز پہ قائم کرنے کے علاوہ ان کو نماز کا مضمون سمجھائیں۔ کیونکہ نماز اگر سمجھ کر ادا کی جائے تو پھر دل واقعۃً نماز میں اٹک سکتا ہے۔ اگر پتا نہ ہو کہ میں کیا کہہ رہا ہوں تو خیالات ہمیشہ بکھرے ہی رہیں گے اور مجبوراً وہ نمازیں بظاہر تو پڑھی جا رہی ہوں گی مجبوری کی خاطر مگر حقیقت میں یہ وہ نمازیں نہیں ہوں گی جن کا ذکر قرآن کریم نے فرمایا ہے۔ پس ہمیں گہری نظر سے حالات کا جائزہ لینا چاہیے۔ نمازی تو کثرت سے دنیا میں ہیں لیکن جن کے من پرانے پاپی ہوں ان کو سجدے کی ٹھوکروں میں سے کچھ بھی فائدہ نہیں ہوتا۔ وہ یہی شکوے کرتے رہتے ہیں کہ سجدے کئے ہیں مگر پرانا پاپی من تھا ذرہ بھی فائدہ نہیں ہوا۔ پس آپ لوگ ان پاپیوں میں سے تو نہ بنیں کیونکہ آپ نے تو پاپ دور کرنے ہیں۔ ساری دنیا کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا ہے اور ساری دنیا سے منکر کو دور کرنا اور فحشاء کو دور کرنا آپ کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔ تب آپ دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ہم وہ بہترین قوم ہیں جو بنی نوع انسان کی سچی خدمت کے لئے قائم کی گئی ہے۔

اس ضمن میں مَیں حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے یہ روایت ہے اور یہ ترمذی کتاب الصلوٰۃ سے لے گئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا بندوں سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔'' تو جس کا سب سے پہلے حساب لیا جا رہا ہے اس کو سب سے آخر پر ہم نے رکھا ہوا ہے۔ اپنی زندگیوں میں نماز کو اولیت نہیں بلکہ آخر پر رکھا جاتا ہے کہ جب سارے کاموں سے فارغ ہو کے کچھ وقت مل جائے تو نماز بھی پڑھ لی۔ ورنہ نماز کو اولیت ہونی چاہیے اور دوسرے کاموں کو ثانوی درجہ دینا چاہیے۔ قیامت کے دن تو سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا اور وہ لوگ کیا حساب پیش کریں گے جن کی دنیا میں نماز سب سے آخر پر رکھی گئی ہو۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کو غور سے سنیں، فرماتے ہیں: ''قیامت کے دن سب سے پہلے جس چیز کا بندوں سے حساب لیا جائے گا وہ نماز ہے۔ اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو وہ کامیاب ہو گیا اور اس نے انجام پالیا'' پس اس حساب کو ٹھیک کریں، یہیں ٹھیک کرلیں، مرنے کا پتہ کوئی نہیں۔ کسی وقت بھی جان لینے والا فرشتہ آ سکتا ہے۔ کسی وقت بھی بیماری یا بغیر بیماری کے جان چلی جاتی ہے۔ حادثے ہوتے رہتے ہیں۔ بیماریاں آتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ بعض لوگوں کو بغیر بیماری کے ہی سوتے میں موت آجاتی ہے۔ جب موت کا یہ عالم ہے کہ ہر طرف سے جب چاہے آجائے اور ہمارا اس پر اختیار کوئی نہیں تو پھر ظاہر بات ہے کہ یہ نماز کا حساب ٹھیک کرنے کا وقت ہمارے پاس بہت تھوڑا ہے۔ اپنے ہوش و حواس میں جب تک زندگی کے دن ہیں نمازیں درست کر لو۔ اگر غفلت ہوئی تو پھر جسے انگریزی میں کہتے ہیں too late یعنی بہت تاخیر ہو چکی ہوگی کوئی فائدہ نہیں ہوگا اور نمازوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے جو حساب بنا رکھا ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے سامنے کھولا ہے یہ ایک بہت ہی منصفانہ حساب ہے۔ اس سے بہتر انصاف کا تصور ممکن ہی نہیں ہے۔ جب فرمایا اگر یہ حساب ٹھیک رہا تو کامیاب ہوا تو اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی کہ حساب کیسے ہوگا۔ اس کے بعد فرمایا کہ اگر یہ حساب خراب ہوا تو وہ ناکام ہو گیا اور گھاٹے میں رہا۔ اب حساب اس طرح ہوگا۔ اگر اس کے فرضوں میں کوئی کمی ہوئی تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ دیکھو میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں۔ اب فرضوں میں ہم سے جو کوتاہی ہو جاتی ہے اس کو درست کرنے کے لئے نوافل جاری فرمائے گئے اگر ہم فرض ہی ادا نہ کریں تو نوافل کا تو ذکر ہی کوئی نہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے نوافل کی ضرور توقع رکھتا ہے۔ اس کی خاطر توقع رکھتا ہے کیونکہ نماز کے حساب میں تو کوئی کمی نہیں کی جائے گی وہ تو لازم ہے اور جب یہ لازم ہوا تو پھر سہولت

کیسے ہوگی؟ فرمایا نوافل پڑھنے والے لوگ اس خبر سے اس حساب سے خوش ہو جائیں کہ اللہ تعالیٰ اگر ان کے فرائض میں کچھ کمی ہوئی تو ان کو نوافل سے لے کر فرائض میں ڈال دے گا۔ حالانکہ عموماً نوافل الگ ہیں اور فرائض الگ ہیں۔ مگر یہ آسان حساب کی ایک صورت ہے۔ فرمایا دیکھو میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں۔ یہ جو لفظ ہے ''دیکھو میرے بندے کے کچھ نوافل بھی ہیں'' یہ بہت پیار کا لفظ ہے۔ فرشتوں کو گویا کہا جا رہا ہے۔ میرا بندہ ہے میں اس کو آسانی سے جہنم میں ڈالنے والا نہیں۔ دیکھو اس کے نوافل بھی تو ہوں گے۔ فرمایا اگر نوافل ہوئے تو فرضوں کی کمی ان نوافل کے ذریعے پوری کر دی جائے گی۔ اسی طرح اس کے باقی اعمال کا معائنہ ہوگا اور ان کا جائزہ لیا جائے گا۔ پس مجلس خدام الاحمدیہ کے ذمہ جو میں نے نماز سکھانے اور نماز پڑھانے کی تلقین کی تھی اس میں یہ حدیث ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔ اس طرح نماز سکھائیں کہ اس کے ساتھ نوافل کی طرف بھی خدام کی توجہ ہو اور اطفال کی توجہ ہو اور جو کچھ بھی وہ نماز میں پڑھیں وہ واقعۃً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے تعلق رکھنے والی باتیں ہوں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کو ان الفاظ میں پیش فرما رہے ہیں۔ ''یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں۔ ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیے۔'' (وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ کی تشریح ہے۔ جہاں نماز کا ذکر فرمایا قرآن کریم نے ساتھ ہی فرمایا وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نماز سے بہتر کوئی اور ذکر ہے جو نماز سے بھی بڑھ کر ہے۔ فرمایا) ''یہ پانچ وقت تو خدا تعالیٰ نے بطور نمونہ کے مقرر فرمائے ہیں ورنہ خدا کی یاد میں تو ہر وقت دل کو لگا رہنا چاہیے اور کبھی کسی وقت بھی غافل نہ ہونا چاہیے۔ اٹھتے، بیٹھتے، چلتے، پھرتے ہر وقت اسی کی یاد میں غرق ہونا بھی ایک ایسی صفت ہے کہ انسان اس سے انسان کہلانے کا مستحق ہو جاتا ہے اور خدا تعالیٰ اسی طرح کی امید اور بھروسہ کرنے کا حق رکھ سکتا ہے۔ اصل میں قاعدہ ہے کہ اگر انسان نے کسی خاص منزل پر پہنچنا ہے تو اس کے واسطے چلنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ (بغیر چلے تو کسی منزل پر پہنچ نہیں سکتا) جتنی لمبی وہ منزل ہوگی اتنا ہی زیادہ تیزی، کوشش اور محنت اور دیر تک اسے چلنا ہوگا''۔ (یہ سادہ سے عام تجربے والی بات ہے جو سب پر ظاہر ہونی چاہیے کہ منزل جتنی دور ہوا تنا ہی تیزی کی ضرورت ہے کوشش اور محنت کی ضرورت ہے۔) ''سو خدا تک پہنچنا بھی تو ایک منزل ہے اور اس کا بُعد اور دوری بھی لمبی پس جو شخص خدا سے ملنا چاہتا ہے اور اس کے دربار میں پہنچنے کی خواہش رکھتا ہے اس کے واسطے نماز ایک گاڑی ہے جس پر سوار ہو کر وہ جلد تر پہنچ سکتا ہے اور جس نے نماز ترک کر دی وہ کیا پہنچے گا۔'' (سفر لمبا ہو اور انسان ایک تیز رفتار سواری سے اتر کر پیدل چلنے لگے تو وہ بے چارہ کب منزل تک پہنچے گا۔) ''اصل میں مسلمانوں نے

جب سے نماز کو ترک کیا یا اسے دل کی تسکینی ،آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تبھی سے اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔'' (آج آپ کو دنیا میں بے شمار نمازی ملیں گے۔ مسلمانوں میں کثرت سے نماز کا رجحان جگہ جگہ پایا جاتا ہے۔ اگر دل کی خوشی سے نہیں پڑھتے تو ڈنڈے کے جبر سے پڑھتے ہیں مگر مسجدوں میں آبادی دن بدن بڑھ رہی ہے۔ کیونکہ یہ جو اسلام کے نام پر دنیا کو فتح کرنے کا نعرہ لگایا جارہا ہے اس کے نتیجے میں ایک ظاہری اسلام ہے جو پرورش پارہا ہے اور مسجدیں ایسے نمازیوں سے بھر رہی ہیں جن پر اس صورت حال کا اطلاق ہوتا ہے) ''کہ مسلمانوں نے جب سے نماز کو ترک کیا یا اسے دل کی تسکینی ،آرام اور محبت سے اس کی حقیقت سے غافل ہو کر پڑھنا ترک کیا ہے تبھی اسلام کی حالت بھی معرض زوال میں آئی ہے۔'' (پس یہ سارے نمازی ایک طرف اور اسلام کے زوال کی حالت دوسری طرف اس میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ نماز سچی پڑھتے اور اسلام کی حالت نہ بدلتی۔ اسلامی اخلاق ،اسلامی اقدار اور اسلام بنی نوع انسان کے لئے جو کچھ بھی بھلائی کا پیغام لایا ہے وہ ساری باتیں تو ہوگئیں۔ ان میں سے کچھ بھی کہیں باقی دکھائی نہیں دیتا۔ صرف نمازی دکھائی دیتے ہیں اور اسلام کے نام پر انتہائی ظلم کرنے والے دکھائی دیتے ہیں۔ اسلام کے نام پر سخت جبر کی تعلیم دینے والے دکھائی دیتے ہیں۔ پس یہ تنزل ہمیں بتا رہا ہے کہ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تجزیہ فرمایا تھا کہ نماز حقیقی نماز نہیں رہی جو نماز پڑھتے ہیں وہ ایک فرضی نماز ہے)۔ فرمایا ''وہ زمانہ جس میں نماز سنوار کر پڑھی جاتی تھی غور سے دیکھ لو کہ اسلام کے واسطے کیسا تھا۔ ایک دفعہ تو اسلام نے تمام دنیا کو زیر پا کر دیا تھا۔ جب سے اسے ترک کیا وہ خود متروک ہو گئے۔'' (اسلام نے ایسی یلغار کی تھی دنیا پر کہ سیاسی لحاظ سے بھی دنیا زیر پا ہو گئی تھی۔ لیکن اب جو نماز پڑھ رہے ہیں اس کے نتیجے میں ساری دنیا ان پر غالب ہے۔ کچھ بھی حاصل نہیں ہوا۔ فرمایا یہ فقرہ بڑا توجہ سے سننے والا ہے) ''جب سے اسے ترک کیا خود متروک ہو گئے۔'' جب نماز چھوڑی تو خود چھوڑے گئے۔ بہت ہی پیارا کلام ہے۔ ترک کرنے والا متروک ہو گیا۔ خدا نے انہیں چھوڑ دیا ان کا کچھ بھی باقی نہ رہا۔ ''درد دل سے پڑھی ہوئی نماز ہی ہے کہ تمام مشکلات سے انسان کو نکال لیتی ہے۔ ہمارا بارہا کا تجربہ ہے کہ اکثر کسی مشکل کے وقت دعا کی جاتی ہے ابھی نماز میں ہی ہوتے ہیں اور خدا نے اس امر کو حل اور آسان کیا ہوا کر دیا ہوتا ہے۔'' یہ ایک ایسا تجربہ ہے جو ماضی کا تجربہ نہیں آج بھی زندہ ہے اور اس کی طرف میں آپ کو بلاتا ہوں۔ ایسی نمازیں پڑھیں کہ جو جو خواہش دل سے اٹھتی ہے وہ بسا اوقات سلام پھیرنے سے پہلے ہی پوری ہو چکی ہو اور میں ایسے احمدی مخلص احباب کو جانتا ہوں جن کی

یہی حالت ہے۔ دنیا ان سے غافل ہے مگر میرے ساتھ ان کا ایک علاقہ ہے جس کی وجہ سے وہ بے تکلفی سے مجھ سے باتیں کرتے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ کثرت سے ایسے احمدی احباب دنیا کے ہر ملک میں پائے جاتے ہیں جن کی نمازیں ختم ہونے سے پہلے ہی اس طرح مقبول ہو جاتی ہیں کہ ان کی ساری خواہشات پوری ہو چکی ہوتیں ہیں۔ اطلاع بعد میں آتی ہے مگر بعض دفعہ تو وقت ملانے سے پتا چلتا ہے کہ جس وقت انہوں نے دعا کی تھی بعینہٖ اسی وقت وہ پاک تبدیلی رونما ہو گئی جس کی وہ تمنا کرتے تھے۔

پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی باتیں کوئی فرضی نصیحتیں نہیں ہیں ایک صاحبِ تجربہ کی باتیں ہیں اور یہ تجربہ ہے جس کی طرف میں خصوصیت سے آپ کو متوجہ کرنا چاہتا ہوں کہ اپنی نمازوں کو پہچانیں۔ اگر دل لگا کر پڑھیں گے اور خدا کی یاد کی خاطر پڑھیں گے تو اللہ آپ کا نگران ہو جائے گا اور بسا اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ آپ کی دعا دل سے اٹھتی ہی نہیں، ضرورت محسوس کر رہے ہوتے ہیں اور اللہ خود ہی اس ضرورت کو پورا فرما دیتا ہے۔ فرمایا ''نماز میں کیا ہوتا ہے یہی کہ عرض کرتا ہے، التجا کے ہاتھ بڑھاتا ہے اور دوسرا اس کی عرض کو اچھی طرح سنتا ہے۔'' آپ درد دل سے اپنی التجا کا ہاتھ اللہ کے حضور پھیلا دیتے ہیں اور اللہ سن رہا ہوتا ہے، بڑی توجہ سے سنتا ہے۔ ''پھر ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے کہ جو سنتا تھا وہ بولتا ہے۔'' کتنا عظیم الشان قطعی نشان ہے نمازوں کی قبولیت کا۔ ایک وقت گزرتا ہے انسان التجائیں کرتا چلا جاتا ہے اور بظاہر جواب نہیں آتا۔ مگر دل یقین سے بھرا ہوتا ہے کہ میں کس عالی ہستی کے حضور عاجزانہ دعائیں کر رہا ہوں اور ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں۔ پھر ایک وقت آتا ہے جو سنتا تھا وہ بولتا بھی ہے۔

یہ وہی بات ہے جس کے متعلق میں بارہا ایک واقعہ بیان کر چکا ہوں مگر وہ اتنا پیارا واقعہ ہے کہ جتنی دفعہ بھی سناؤں دل اس سے تھکتا نہیں۔ ایک بزرگ کے متعلق یہ آتا ہے کہ وہ بہت گریہ وزاری سے ایک دعا کیا کرتے تھے اور ہمیشہ کرتے چلے جاتے۔ ایک مرتبہ ایک شاگرد کو خیال آیا کہ یہ رات کو اٹھ کر جو گریہ و زاری کرتے ہیں میں بھی ساتھ کھڑا ہوں اور پتہ تو کروں یہ کہتے کیا ہیں ...... وہ جب رات کو اٹھے اور دعائیں شروع کیں تو یہ بھی ساتھ کھڑا تھا۔ چند دن کے اندر اس نے یہ عجیب نظارہ دیکھا۔ اللہ اسے کچھ سمجھانا چاہتا تھا۔ جب وہ دعا کرتے تھے تو جواب یہ آتا تھا کہ یہ دعا مقبول نہیں ہوئی، میں نے قبول نہیں کی۔ چند دن میں یہ تھک گیا جو مرید بنا ہوا تھا، آخر اس نے عرض کی کہ آپ میرے امام ہیں مگر یہ حرکت کیا کر رہے ہیں اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نہیں سن رہا تمہاری بات میں نہیں مان رہا آپ کئے جا رہے ہیں۔ اس پر انہوں نے جواب دیا کہ دیکھو (میں) ایک سائل ہوں، ایک غریب بے کس بندہ ہوں۔ میرا اور کام کیا ہے سوائے ہاتھ

پھیلانے کے۔ وہ مالک ہے اگر وہ چاہے کہ نہیں، تو اس کی مرضی ہے نہیں، اس کا اختیار ہے نہ قبول کرنے کا، تو میں کیسا سائل ہوں گا اگر اس در کو چھوڑ دوں تو میں جاؤں گا کہاں؟ عین اس وقت بڑی شدت سے الہام ہوا کہ اے میرے بندے! تیری گزشتہ تیس سال کی ساری دعائیں میں نے قبول کر لیں۔ پس ایک وقت آتا ہے کہ جو سنتا ہے وہ بولتا ہے اور تائید میں بولتا ہے اور بڑے زور آور نشانوں سے اس کی تائید کو دنیا پر ظاہر کر دیتا ہے۔ اس شخص کا تعلق خدا سے ایک ذاتی تعلق تھا۔ ایک جماعتی تعلق نہیں تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا خدا جب بولتا ہے تو سب دنیا جانتی ہے کہ وہ بول رہا ہے۔ آپ کے ماننے والے جگہ جگہ اس کی ہستی کے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ اپنی ذات سے اس کی ہستی کے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ ان کی دعائیں قبول ہوتی ہیں اور وہ روشنی کے چراغ لئے پھرتے ہیں۔ ان کا ماحول اس سے روشن ہوتا چلا جاتا ہے۔ پس یہ وہ باتیں تھیں جو میں خدام الاحمدیہ کو سمجھا تا رہا ہوں اور اب بھی سمجھا رہا ہوں کہ ایسی نماز سیکھو ایسی نماز پڑھنی شروع کرو۔

میں اس معاملے میں مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی سے بہت خوش ہوں کہ انہوں نے بڑی توجہ اور محنت اور انتظام کے ساتھ اس کام کو آگے بڑھایا ہے۔ جگہ جگہ نماز کے چرچے ہو رہے ہیں۔ جگہ جگہ خدام نے نماز کی طرف توجہ شروع کر دی ہے۔ اب ایک ہی دن میں تو یہ ساری منازل طے نہیں ہو سکتیں مگر ان کا رخ ایسا ہے کہ شیطان سے دور ہوتے چلے جا رہے ہیں اور اپنے رب کے قریب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ اگر ایک بزرگ تنہا تیس سال تک اپنی مطلب براری کے لئے خدا کے حضور عاجزانہ عرضداشت کرتا چلا جاتا ہے تو آپ پر ضروری ہے، آپ نے اس دنیا کی کایا پلٹنی ہے کہ آپ اس رستے پر گامزن رہیں۔ ہر قدم آپ کو شیطان سے دور کر رہا ہوگا، ہر قدم آپ کو خدا کے قریب تر کر رہا ہوگا اور جب بھی نماز میں موت آئی اچھی حالت میں موت آئے گی، شیطان سے ہٹتے ہوئے اور خدا کے قریب تر ہوتے ہوئے۔ خدا تو لامتناہی ہے اس کی ذات تو کبھی ختم ہو ہی نہیں سکتی۔ اس کی ذات کا سفر جاری ہونا چاہیے۔ جس قدم پر بھی آپ کو موت آئے گی وہی آپ کی منزل ہے۔ آپ نے اپنی منزل کو پا لیا۔

یہ وہ بنیادی باتیں تھیں جو میں آپ کو سمجھانا چاہتا تھا اب خدام الاحمدیہ کے حوالے سے میں آپ کو بتانا چاہتا ہوں کہ مجلس خدام الاحمدیہ نے ایک بہت ہی پیاری سکیم بنائی ہے جس پر وہ باقاعدگی اور محنت کے ساتھ عمل کر رہے ہیں۔ انہوں نے کیسٹس (cassettes) تیار کیں ہیں نماز کی اور نماز کے ترجمے کی اور اس کے جتنے بھی لوازمات ہیں یعنی وضو کس طرح کرنا چاہیے، عبادت کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں، صفائی بدنی

اور ذہنی وغیرہ وغیرہ وہ مجھے خود صدر صاحب نے بتایا کہ ایک ہزار کی تعداد میں تو بک بھی چکی ہے۔ کیسٹ بھی بک چکی ہے اور ساتھ کتابچہ بھی جو تیار کیا ہے وہ بھی بک رہا ہے لیکن جرمنی کے لحاظ سے ہزار کی تعداد تھوڑی ہے۔ لیکن میں یہ حسن ظنی رکھتا ہوں کہ خریدنے والے اپنی جماعتوں کے لئے لے کے جا رہے ہیں۔ اگر جماعتوں کے لئے لے کے جا رہے ہوں اور ہزار خریدیں تو دس ہزار تک تو پیغام ضرور پہنچ گیا۔ پس اس پہلو سے انہوں نے میری ہدایت کو بڑی محنت اور توجہ اور بڑی دیانتداری سے پورا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کے علاوہ جو بچوں کا میں ماحول دیکھ رہا ہوں وہ میرے دل کو یقین سے بھر رہا ہے کہ آپ کی اگلی نسلیں انشاء اللہ نجات یافتہ ہوں گی۔ یہ بچے جو مجھے ملاقات کے دوران ملتے ہیں بڑی کثرت سے میں ملاقاتیں کرتا ہوں اور ہر قسم کے بچے مجھے ملتے ہیں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ اتنی زیادہ ملاقاتوں کی ضرورت کوئی نہیں لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ بہت شدید ضرورت ہے۔ جن نسلوں سے میرا براہ راست رابطہ ہو جائے ان کے اندر بہت نمایاں تبدیلی ہوتی ہے اور مجھے موقع ملتا ہے کہ میں دیکھوں اپنی آنکھوں سے اس بات کو جانچوں کہ جو کچھ میں کہتا جا رہا ہوں اس پر عمل بھی ہو رہا ہے کہ نہیں۔ میں اس بات کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی تین چار سال کی عمر کے بچے بھی اب دین سے گہرا تعلق رکھ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ MTA نے بھی اس میں ایک بڑا کردار ادا کیا ہے۔ ایسے بچے مجھے ملے ہیں کہ میں نے محبت سے ان کی پیشانیاں چومیں اتنے پیارے بچے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی عمریں اور اللہ کا ذکر کر رہے ہیں اور بڑی محبت سے ذکر کر رہے ہیں۔ خدام الاحمدیہ کے ماتحت کیونکہ اطفال بھی ہیں اس لئے وہ اس عمر کے بچے، ضروری نہیں کہ براہ راست MTA سے ہی فائدہ اٹھا رہے ہوں...... مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ ان کی تربیت کے لئے جگہ جگہ اسکول کھولے جا چکے ہیں۔ طوعی طور پر خدمت کرنے والوں نے اپنے نام پیش کئے ہوئے ہیں اور بڑی محنت سے ان کو نماز کے آداب بھی سکھائے جا رہے ہیں۔ نماز کا مضمون بھی یاد کرایا جا رہا ہے۔ نماز کے تعلق میں جیسا کہ میں نے عرض کیا سب قسم کے لوازمات ان کو سکھائے جا رہے ہیں۔ اس لئے یہ نسل ہے جو آج کی نسل کل کی راہنما بننے والی ہے اور ہم بڑے اطمینان کے ساتھ خدا کا شکر کرتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر سکتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان لوگوں کا تقویٰ دکھا دیا ہے۔

ہجرت کے فوائد

جماعت جرمنی کو اب یہ چاہیے کہ سب دنیا کے لئے ایک نمونہ بن جائے اور میں یقین رکھتا ہوں کہ جو

کچھ میں نے یہاں دیکھا ہے یہ جن دیہات یا قصبات سے آنے والے لوگ ہیں وہاں انہوں نے یہ کچھ نہیں دیکھا تھا۔ وہاں کی حالت اور تھی۔ پس ہجرت کے کچھ تو ظاہری فوائد ہیں جو آپ کو دکھائی دے رہے ہیں لیکن یہ روحانی فائدہ ہے جو اصل فائدہ ہے۔ ہجرت کے متعلق جو اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہجرت کرو گے تو تمہیں وسعت عطا ہوگی۔ اگر صرف مالی وسعت ہوتی تو دنیا تو مالی وسعتوں سے بھری پڑی ہے۔ اصل وسعت یہ ہے جو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں کہ اللہ کا وعدہ ہمارے حق میں بڑی شان سے پورا ہوا ہے۔ جس ملک میں ہمیں کلمہ تک پڑھنے کی اجازت نہیں تھی، جس ملک میں نمازوں پر قدغن تھی، اس ملک میں ایسی جماعتوں کی بڑی تعداد تھی جن کو ویسے ہی نمازیں نہیں آتیں۔ نمازوں پر قدغن کی وجہ سے بلکہ نمازوں کی طرف توجہ ہوئی ہے۔ میں دورے کرتا رہا ہوں اور بڑی محنت کی میں نے اپنی طرف سے جہاں تک کوشش کی اور جتنی کوشش کر سکتا تھا کرتا رہا، وقف جدید میں بھی، خدام الاحمدیہ میں بھی، انصاراللہ میں بھی ہر مجلس کے دورے میں مَیں نماز کو اولیت دیتا رہا ہوں اور نماز کو اولیت دیتے ہوئے جب ان کا میں امتحان لیا کرتا تھا تو بہت دل کو تکلیف پہنچتی تھی۔ اکثر ان کے نماز پڑھتے بھی تھے تو اس کے مضمون سے ناواقف تھے۔ مگر وہ لوگ جب یہاں آکر بسے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے جس وسعت کا وعدہ فرمایا تھا اس کا نشان دیکھو کس شان سے پورا ہوا۔ وہی بچے اگر اپنے دیہات میں سو سال بھی رہتے تو وہ کچھ نہ سیکھ سکتے تھے جو جرمنی پہنچ کر چند سالوں میں سیکھ رہے ہیں اور سیکھ گئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ آپ کو مبارک کرے کہ آپ کی آئندہ نسلیں اسلامی قدروں کی محافظ بن جائیں گی اور اگلی صدی میں ان کا فیض نہ صرف صدی کے آخر تک پہنچے گا بلکہ اگلی صدیوں کو بھی ملے گا۔

پس مَیں جماعت جرمنی سے اس پہلو سے بہت خوش ہوں کہ محض خدام الاحمدیہ ہی نہیں دراصل ساری جماعت اس کوشش میں بلکہ ملوث ہے۔ خدام الاحمدیہ تو بطور خاص اس میں سب کچھ تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہے۔ اگر آپ ان کے ساتھ تعاون کریں گے تو یہ تَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى کی تعلیم ہے۔ اس تعاون کے نتیجے میں آپ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اہل ہو جائیں گے۔ نماز سب سے پہلے اپنے دل کو تعلیم دیتی ہے۔ اپنے نفس کو تعلیم دینی پڑتی ہے۔ جب اپنا دل اور اپنا نفس نماز کے اثر کو قبول کرتا ہے تو وہ وجود نکلتے ہیں جو سب دنیا کو تعلیم دینے کے اہل ہو جاتے ہیں۔ پس یہ تیاری صرف جماعت کی بہتری کے لئے نہیں بلکہ دنیا کی بہتری کے لئے ہے کیونکہ دنیا کی بہتری آج آپ سے منسوب ہو چکی ہے۔ کوئی اور نہیں ہے جو خدا کی خاطر سب دنیا کی بھلائی کا مقصد لے کر اٹھے اور کوئی

اور نہیں ہے جو بڑے وسیع پیمانے پر دنیا کی تربیت کا کام شروع کر چکا ہو۔ پس جو میں نے وقت اپنے ذہن میں رکھا تھا ساڑھے سات تک وہ وقت تو ختم ہو گیا نصیحت کا یہ مطلب نہیں کہ ضرور لمبی تقریریں کی جائیں۔ میں سمجھتا ہوں جو بات میں کہنی چاہتا تھا میں نے عمدہ لفظوں میں بیان کر دی ہے۔ اس لئے میں عمدہ لفظ کہہ رہا ہوں کہ میں آپ کے چہرے دیکھ رہا ہوں، مجھے دکھائی دے رہا ہے کہ میری باتیں آپ کے دل میں ڈوب رہی ہیں اور ان کے اثرات آپ کے چہروں پہ ظاہر ہو رہے ہیں۔ پس ان اثرات کی حفاظت کریں۔ میں تو اب آپ سے الوداع کہوں گا اور پھر دوبارہ اللہ توفیق عطا فرمائے تو جماعت جرمنی کے سالانہ جلسے میں حاضر ہوں گا۔ اس عرصے میں جو میں نے نصیحتیں کی ہیں ان پر پہلے سے بھی زیادہ شدت سے عمل کریں اور جب میں آؤں تو مجھے نمایاں تبدیلیاں دکھائی دینے لگیں۔ صرف ایک بات کی میں گزارش کروں گا کہ جو نومبائعین ہیں ان کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ دیں وہ محتاج ہیں کیونکہ اللہ کی خاطر انہوں نے بھی تو ایک ہجرت کی ہے وہ اپنے ماحول کو چھوڑ کر آپ کے پاس آئے ہیں اور یہ خیال غلط فہمی ہے کہ جرمنی ایک آزاد ملک ہے اور یہاں لوگ دلوں کے اتنے وسیع ہیں کہ اگر کوئی خدا کو بھی قبول کر لے تو اس کا بُرا نہیں مناتے۔ الٹ قصہ ہے۔ جرمنی ایک آزاد ملک ہے جیسا کہ یورپ کے اور بہت سے آزاد ممالک ہیں ان کی آزادی کی نشانی یہ ہے کہ جب تک آپ خدا سے دور ہٹ رہے ہوں وہ راضی رہیں گے اس پر کوئی اعتراض نہیں۔ مگر جب خدا کو کوئی قبول کر لے تو اس کے ماں باپ کی طرف سے، اس کے ماحول کی طرف سے اس پر بہت دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ تم کیا بن گئے ہو اور اس سے معاشرتی تعلقات اکثر اوقات کاٹ لئے جاتے ہیں۔ بہت کم ایسی مثالیں ہیں جہاں خاندان نے اپنی معاشرتی تعلقات کو جاری رکھا۔ اللہ ان کو جزا دے۔ مگر کثرت کے ساتھ سب نو احمدی مجھے بتاتے ہیں کہ ان کو اپنے ماحول، اپنے خاندان کی طرف سے عملاً علیحدہ کر دیا گیا ہے اور وہ محبت کا تعلق جاری نہیں رہا۔

پس یہ بھی مہاجر ہیں۔ صرف پاکستان سے آنے والے مہاجر نہیں ہیں یہ سارے اپنی اپنی قوموں سے جو احمدیت میں داخل ہو رہے ہیں یہ مہاجرین ہیں ان کا آپ پر حق ہے اس حق کو آپ ہی نے پورا کرنا ہے پس آپ کی ہجرت کا خیال اللہ نے کیا، اس احسان کا شکریہ ادا کرنے کے لئے جو اللہ کے نام پر مہاجر بنے ہوئے ہیں ان کی ہجرت کا خیال کریں، ان کی تربیت کریں، ان کو نمازیں سکھائیں۔ اس کام پر جتنا وقت دے سکتے ہیں وہ دینے کی کوشش کریں۔ اگر یہ سارے نئے آنے والے حقیقی نمازی بن جائیں تو وہ عظیم انقلاب جس کی مدت سے ہم راہ دیکھ رہے ہیں۔ وہ آپ کے دروازے کھٹکھٹانے لگے گا۔ وہ کل کی بات نہیں رہے گی

آج ہم اس کو اپنی آنکھوں سے رونما ہوتا دیکھ لیں گے۔ اللہ کرے ایسا ہی ہو۔ آیئے اب میرے ساتھ دعا میں شامل ہوں............

دعا کے بعد حضور نے فرمایا:

ابھی بہت سے خدام نے رخصت ہو کر اپنی اپنی جماعتوں میں جانا ہے ایک یہ بھی وجہ تھی کہ میں نے اپنے لئے ساڑھے سات تک کا وقت مقرر کیا تھا کیونکہ مجھے پتا ہے کہ بہت سے دور سے آنے والے خدام کی بسیں وغیرہ تیار کھڑی ہوئی ہیں اور انہوں نے اپنی اپنی جگہ واپس پہنچنا ہے۔ اس لئے ان کو میں نے اپنی دعا میں شامل کر لیا ہے آپ بھی دعائیں کرتے ہوئے واپس جائیں اللہ خیریت کی خبریں دکھائے (آمین) کسی کی طرف سے ہمیں کوئی دکھ کی خبر نہ پہنچے خیریت سے آئے تھے خیریت سے رہے اور خیریت ہی سے واپس جائیں۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔

خطبہ جمعہ فرمودہ 5 جون 1998ء

☆ سلسلہ کے کارکنان، ان کی حیثیت اور ان کا دائرہ کار
☆ مثلاً معتمد اور اس کے فرائض
☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں تکرار نہیں، اصرار ہوا کرتا ہے
☆ امراء........ وہ میرے لحاظ سے تو معتمد ہیں
☆ دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے
☆ اولوا الامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے
☆ مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے
☆ جماعت کے سر پر خدا کا ہاتھ تب ہوگا جب وہ جماعت ہوگی
☆ صحابہ کرامؓ میں کسی قسم کی پھوٹ اور عداوت نہ تھی
☆ صحابہ کی سی حالت اور وحدت کی ضرورت ہے

⚜

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد یہ آیت تلاوت فرمائی:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ O (التحریم:۷)

یہ سورۃ تحریم کی ساتویں آیت ہے جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس کا جو ترجمہ تفسیر صغیر میں درج ہے وہ یہ ہے کہ ''اے مومنو! اپنے اہل کو بھی اور اپنی جانوں کو بھی دوزخ سے بچاؤ جس کا ایندھن خاص لوگ یعنی کافر ہونگے اور اسی طرح پتھر جن سے بت بنے۔ اس دوزخ پر ایسے ملائکہ مقرر ہیں جو کسی کی منت وسماجت سننے والے نہیں بلکہ اپنے فرض کے ادا کرنے میں بڑے سخت ہیں اور اللہ نے ان کو جو حکم دیا ہے اس کی وہ نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ کہا جاتا ہے وہی کرتے ہیں۔'' یہ ترجمہ جو تفسیر صغیر سے پیش کیا گیا ہے یہ تفسیری ترجمہ ہے۔

جہاں تک اس مضمون سے تعلق ہے جو آج میں نے آپ کے سامنے بیان کرنا ہے اس میں اس کے بعض پہلو، بعض ایسے الفاظ سے تعلق رکھتے ہیں جو اس آیت میں وضاحت کے ساتھ درج ہیں۔

يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ

یہ فرشتوں کی ایک صفت ہے اور آج کا میرا مضمون اسی صفت **مَا يُؤْمَرُوْنَ** سے تعلق رکھتا ہے۔

سلسلہ کے کارکنان اور ان کا دائرہ کار

اسلام میں دو طرح کی اصطلاحیں رائج ہیں۔ ایک مامور کی اور ایک اولوا لامر یا ذوالامر کی۔ مامور ہمیشہ فرشتوں سے مشابہت رکھتے ہوئے وہی کچھ کرتا ہے جس کا اس کو حکم دیا گیا ہے، اُس سے ہٹ کر اپنی طرف سے کوئی بات نہیں کرسکتا مگر بعض لوگ صرف مامور ہوتے ہیں اور بعض مامور بھی اور اولوا الامر بھی۔ یعنی مامور ہونے کے لحاظ سے جو کچھ کہا جائے وہی کر سکتے ہیں اس سے زائد یا کم نہیں کرتے اور اولوا الامر

ہونے کے لحاظ سے وہ حکم بھی دیتے ہیں اور حکم کا دائرہ مامور کے دائرے کے اندر ہوا کرتا ہے لیکن انہیں حکم دینے کا اختیار ہے ہر موقع پر وہ اپنی سوچ کے مطابق حکم دے سکتے ہیں۔

اسی طرح دنیادار اولوا لامر کا حال ہے ان کو بھی ایک دائرے میں محدود ہو کر اپنے حکم کو جاری کرنا چاہیے جو قوانین کا دائرہ ہے، جو ان لوگوں کی توقعات کا دائرہ ہے جنہوں نے ان کو ووٹ دیئے اور اس نسبت سے وہ مامور ہوئے لیکن اپنی ماموریت کی حیثیت کو بھول جاتے ہیں اور اولوالامر بنتے ہیں اور ان لوگوں کو اپنی مرضی کے مطابق حکم دیتے ہیں۔ یہ دنیاداروں کا حال ہے۔ مگر جہاں تک ان کے اولوالامر ہونے کا تعلق ہے اس سے انکار نہیں اور جب تک وہ اولواالامر رہتے ہیں ان کی اطاعت کرنی ضروری سمجھی جاتی ہے۔

معتمد کے فرائض

یہ ساری بحثیں نظام جماعت سے تعلق رکھنے والی بحثیں ہیں۔ آج میں اس نیت سے ان بحثوں کو چھیڑ رہا ہوں کہ بعض دفعہ ضرورت پڑتی ہے کہ سلسلے کے کارکنوں کو ان کی حیثیت، ان کے دائرہ کار کے متعلق اچھی طرح وضاحت سے سمجھایا جائے۔ میں نے محسوس کیا ہے کہ بعض لوگ مثلاً معتمد جن کا فریضہ ایک جماعت میں معتمد کا ہے وہ لوگ بعض دفعہ ذوالامر بھی بننے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ذوالامر امیر ہے اور معتمد ذوالامر نہیں ہے۔ امیر مامور بھی ہے یعنی ایک لحاظ سے معتمد بھی ہے لیکن امر دینے کا اختیار بھی رکھتا ہے۔ اسی طرح سلسلے کے تمام عہدے جو کسی بھی تنظیم سے تعلق رکھتے ہوں جماعتی تنظیم سے یا ذیلی تنظیموں سے ان سب میں یہ دو سلسلے ساتھ ساتھ جاری ہیں۔ ہر چھوٹے سے چھوٹے دائرے میں مثلاً **خدام الاحمدیہ کا چھوٹا دائرہ ہے** اس کے اندر جو بہت چھوٹے دائرے مقامی جماعتوں سے یا خدام کی مجالس سے تعلق رکھتے ہیں ان میں سے بھی ایک معتمد ہوا کرتا ہے اور ایک زعیم بھی ہوتا ہے۔ معتمد کو اپنی طرف سے کوئی حکم جاری کرنے کا کسی دائرے میں بھی اختیار نہیں۔ وہ صرف کان ہوتا ہے جو اپنے ذوالامر کی طرف لگے رہتے ہیں، جو کچھ اس کو کہا جائے بعینہٖ وہی کام کرتا ہے۔ اگر وہ اپنی طرف سے کوئی حکم جاری کرے گا تو وہ معتمد ہی نہیں رہے گا۔ وہ فرشتوں کے قریب ترین ہے تو اپنی اس حیثیت سے کیوں خوش نہیں ہوتا کہ میں فرشتہ ہوں۔ خدا کے فرشتے بھی تو مامور ہوا کرتے ہیں ذوالامر نہیں ہوا کرتے۔

سارے قرآن میں کہیں بھی فرشتوں کو ذوالامر نہیں فرمایا گیا، مامور ہیں اور اپنے دائرہ کام میں بعینہٖ وہی فرائض سرانجام دیتے ہیں جن کا حکم دیا گیا ہے۔ ان احکامات میں سے جب وہ کوئی حکم لوگوں تک

پہنچاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ اللہ کے اذن سے ہم یہ حکم پہنچا رہے ہیں اور اس میں کوئی استثناء نہیں۔ ہمیشہ فرشتے جو بات پہنچاتے ہیں وہ اپنی طرف سے نہیں بلکہ اس وضاحت کے ساتھ پہنچاتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس بات پر مامور فرمایا ہے کہ ہم آپ تک یہ پیغام پہنچا دیں۔ **بعینہ یہی کام معتمد کا ہے۔** جب بھی وہ کسی مجلس کو یا کسی فردِ واحد کو یہ حکم دیتا ہے کہ تم نے یہ کام کرنا ہے اگر وہ یہ حوالہ نہیں دیتا کہ میرے افسر بالا کی طرف سے میں اس بات پر مامور ہوں کہ تم تک یہ حکم پہنچاؤں تو اس کے حکم کی کوڑی کی بھی حیثیت نہیں۔ جماعتیں یا مجالس اس کو کلیتہً نظر انداز کر سکتی ہیں کیونکہ وہ معتمد تو ہے لیکن ذوالامر نہیں۔ اگر کسی ذوالامر کا پیغام اس نے پہنچانا ہے تو اس کو لازم ہے کہ وضاحت کرے کہ یہ حکم میرا نہیں، میں اپنی طرف سے نہیں کہہ رہا بلکہ جس کے تابع ہوں اس نے یہ حکم مجھے آپ تک پہنچانے کے لئے مامور کیا ہے۔

اگر اس نظام کو جو ساری کائنات کا نظام ہے اور اسی طرح پر جاری و ساری ہے جماعت احمدیہ اچھی طرح ذہن نشین کر لے تو کسی معتمد کے لئے اس میں سبکی کا بھی کوئی سوال نہیں کہ میری سبکی ہوگئی، میں تو حکم دے ہی نہیں سکتا۔ سارے فرشتوں کی سبکی ہوگی تو اس کی سبکی ہوگی۔ جتنے خدا کے فرشتے ہیں وہ معتمد ہی ہیں۔ پس اپنی ذات میں مگن ہو اور شکر کرو اور خدا کا جس حد تک احسان کا تصور باندھو اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ کا احسان ہے کہ اس نے تمہیں اس قابل سمجھا، تمہیں ایک ایسا مقام عطا فرمایا جس میں کامل یقین ہے کہ تم اس مقام سے سرمو بھی فرق نہیں کرتے۔ اتنا بڑا اعزاز اور اس کو انسان سمجھے کہ میری سبکی ہوگئی ہے یہ تو بہت ہی بے وقوفی ہوگی۔ ایسا شخص جو اس کو سبکی سمجھتا ہے وہ اس لائق ہی نہیں ہے کہ اسے معتمد بنایا جائے۔

اب میں قرآن کریم کی اس آیت کی روشنی میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ ان اقتباسات سے معاملہ بالکل کھل جاتا ہے اور وہی مضمون حیرت انگیز طور پر ساری کائنات میں جاری ہے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب میں نے اس آیت کے اس پہلو سے متعلق راہنمائی چاہی، یعنی ان معنوں میں کہ آپ کی متعلقہ تحریرات کا مطالعہ کیا، مجھے یقین تھا کہ انتہائی تفصیل کے ساتھ اور باریکی کے ساتھ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موضوع پر روشنی ڈالی ہوگی، میں دیکھ کر دنگ رہ گیا کہ تمام نظامِ جسم کو بھی آپ زیر بحث لائے ہیں، دنیاوی طاقتوں اور سیاسی طاقتوں کے جو اولوا الامر ہیں ان کو بھی زیر بحث لائے ہیں، دینی ذوالامر کو بھی زیر بحث لائے ہیں، فرشتوں کو بھی اور انسانوں کو بھی اور ان کے متوازی کردار تمام زیر بحث لا کر ایک پہلو بھی

اس مضمون کا آپ نے باقی نہیں چھوڑا۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر میں تکرار نہیں اصرار ہوتا ہے

تحریریں تو دو تین چنی ہیں، میں نے اور بھی بہت سی تھیں جن کے متعلق زیادہ تفصیل سے مجھے بات کرنی پڑنی تھی کیونکہ سننے والے سمجھتے ہیں کہ یہاں تکرار ہے حالانکہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات میں تکرار نہیں، اصرار ہوا کرتا ہے اور ہر مضمون کو جب ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ بیان فرماتے ہیں تو کوئی نہ کوئی ضرور نیا پہلو ہوتا ہے جس پر غور کر کے سمجھ آتی ہے اور اسے سمجھانے کے لئے بھی وقت چاہیے۔ پس آج کا خطبہ میں نے چھوٹا کرنے کی کوشش کی ہے ہوسکتا ہے زیادہ ہی چھوٹا ہو گیا ہو مگر کوشش یہی ہے کہ تھوڑے وقت میں زیادہ باتیں آپ کو سمجھا لوں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حوالے سے سمجھاؤں۔

الحکم جلد ۵ اور نمبر ۳۰، ۱۷/اگست ۱۹۰۱ء میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی یہ تحریر شائع ہوئی ہے۔

”دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے اور حقیقت میں ان کی شان ملائکہ ہی کی تھی۔ انسانی قویٰ بھی ایک طرح ملائکہ کا ہی درجہ رکھتے ہیں کیونکہ جیسے ملائکہ کی شان ہے کہ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ وہی کرتے ہیں جس کا انہیں حکم دیا جاتا ہے۔ اسی طرح پر انسانی قویٰ کا خاصہ ہے کہ جو حکم ان کو دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔ ایسا ہی تمام قویٰ اور جوارح حکم انسانی کے نیچے ہیں“۔

اب یہ تحریر بہت ہی لطیف مضمون کو بیان کر رہی ہے۔

دس ہزار صحابہ کا ملائکہ ہونا ان معنوں میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر حکم کی پوری طرح تعمیل کرتے تھے، اس سے مضمون شروع کر کے تو جسمانی قویٰ کی بات شروع کر دی۔ یہ وہ بحث ہے جس کو بہت بڑے بڑے سائنسدانوں نے، جن کا دماغ اور جسم کے باہمی رابطے سے تعلق ہے جو اس مضمون پر غور کرتے ہیں، انہوں نے بیان کیا ہے اور آج ہی میں ایک کتاب پڑھ رہا تھا اس میں یہی مضمون تھا، یعنی کوشش تھی اس شخص کی کہ اس کو سمجھ سکے اگرچہ سمجھ نہیں سکا، کیونکہ یہ مضمون ایسا ہے جو قرآن کریم جاننے والا ہی سمجھ سکتا ہے۔ بہر حال ماحصل ساری تحقیق کا یہ ہے کہ دماغ کے اندر کوئی آمر، حکم دینے والا موجود ہے اور تمام نظام

جسمانی سو فیصد اس حکم کی تعمیل پر مجبور ہے۔ بیماری اس کو کہتے ہیں کہ حکم ہو اور عمل نہ ہو جہاں یہ واقعہ ہوا وہاں بیماری شروع ہوگئی۔ سارا نظام جسمانی بے کار ہو کر رہ جاتا ہے اگر وہ آمر جو دماغ میں خدا نے بٹھایا ہوا ہے اس کے ماتحت اس کی باتوں پر عمل نہ کریں اور اس کی باتوں کا سارے نظامِ جسمانی تک پہنچانے کا نظام اتنا باریک ہے اور اتنا تفصیلی ہے کہ اگر کہا جائے کہ ارب ہا ارب واسطے بیچ میں موجود ہیں اور ان میں سے ہر واسطے کی تفصیل موجود ہے تو یہ مبالغہ نہیں ہے، یہ کم ہوگا۔ جتنا بھی مطالعہ آپ کر کے دیکھ لیں، میں نے بہت مطالعہ کر کے تفصیل سے اس مضمون کو سمجھنے کی کوشش کی ہے یعنی سائنس دان کی زبان سے، بالآخر اسی نتیجہ پر پہنچا کہ سائنس دان تفصیل تو بیان کر دیتے ہیں مگر وجوہات کہ کیوں ایسا ہو رہا ہے، کیوں ایک باربط نظام ہے جو کائنات کے نظام کی طرح باربط ہے، کیوں ایسا ہوا ہے یہ بیان نہیں کر سکتا۔ یہ جانتے ہیں کہ اگر دماغ کے اندر جو اولوالامر بیٹھا ہوا ہے وہ سارا جسم جو مامور ہے اس کو فرشتوں کی طرح اس کی تعمیل کرنی چاہیے اگر وہ تعمیل سے کسی ایک جگہ بھی، ایک معمولی سے حصے میں بھی محروم رہ جائے گا تو سارا نظام تباہ ہوسکتا ہے۔ اب بعض لوگ ایسے فالج کا شکار ہو جاتے ہیں کہ صرف دماغ کام کر رہا ہے اور سارا دھڑ کلیتہً مفلوج ہے تو کیا چیز ہے وہ۔ صرف اس رابطے کی کمی ہے جو خدا تعالیٰ نے قائم فرمایا لیکن مامور کو آمر حکم دے رہا ہے اور اس کو آواز ہی نہیں پہنچ رہی یا اس کی پرواہ نہیں کر رہا جس کے نتیجے میں کلیتہً تمام نظام مفلوج ہو کے رہ جاتا ہے۔ ایک چھوٹے سے رابطے کی کہیں کمی واقعہ ہوئی ہے۔ یہی حال جماعت کا ہے۔

اگر معتمد جس کو حکم دیا جاتا ہے آگے اس حکم کو جماعت کو نہ پہنچائے تو ساری جماعت مفلوج ہو جائے گی اور یہ خرابیاں میں نے بہت جگہ دیکھی ہیں۔ کئی دفعہ سمجھانا پڑتا ہے کہ آپ سے جو کچھ کہا گیا ہے، امراء ہوں یا جو بھی ہوں وہ میرے لحاظ سے تو معتمد ہیں، ان کو میں بارہا سمجھاتا ہوں کہ خدا کے واسطے جو کچھ کہا گیا ہے اس کو ضرور ان تک پہنچائیں جن کی خاطر کہا گیا ہے لیکن غفلت ہو جاتی ہے اور تفصیل سے ان سب تک یہ بات نہیں پہنچائی جاتی جن تک یہ بات پہنچائی جانی ضروری ہے اور نتیجۃً ایک فالج کا سا منظر دکھائی دیتا ہے جو نظام، جسم یا نظام جسمانی کی مجھ سے مشابہت رکھتا ہے۔ پس دیکھیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کتنی باریک اور کتنی لطیف ہے۔ اگر اس کی تفاصیل میں مَیں جاؤں تو ایک گھنٹے کا خطبہ بھی بہت چھوٹا ہو جائے گا، کئی گھنٹوں کے خطبے بھی چھوٹے ہونگے۔ جس حد تک میں نے اس مضمون کو سائنسی نقطہ نگاہ سے سمجھا ہے مجھے لمبا عرصہ درکار ہے کہ میں اس کی تمام تفاصیل جس حد تک مجھے علم ہے، ہر تفصیل کا تو مجھے علم ہی نہیں ہے، جو تھوڑا سا مجھے علم ہے اس کو اگر باریکی سے سمجھنے کی کوشش کروں اور خاص

طور پر یہ ذہن میں رہے کہ بہت سے ہمارے سننے والے اَن پڑھ بھی ہیں، بہت محدود علم رکھنے والے بھی ہیں، تو اتنی زیادہ مجھے محنت بھی درکار ہوگی ان کو سمجھانے کے لئے، اتنا زیادہ وقت بھی چاہیے ہوگا۔ تو یہی وجہ ہے کہ میں نے کہا تھا کہ میں نے کوشش کی تھی کہ وقت تھوڑا لوں۔ میں تھوڑے وقت میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صرف چند تحریرات پڑھ کر سناؤں کیونکہ ہر تحریر کا مضمون کھولا جائے تو بہت لمبا وقت درکار ہے۔

بہر حال اب دیکھیں اس عبارت کی شان۔ ''دس ہزار صحابہ کو پہلی کتابوں میں ملائکہ لکھا ہے''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جو دس ہزار قدوسی آپ کو عطا کئے گئے تھے ان کو پرانی کتابوں میں قدوسی بھی لکھا ہے یعنی وہ خدا کی طرف سے پاک شدہ تھے اور ملائکہ بھی لکھا ہوا ہے۔ یہی حالت ملائکہ کی آپ میں مَیں دیکھنی چاہتا ہوں اس کے سوا تو جماعت بن ہی نہیں سکتی۔ اور اس کی تفصیل کو سمجھائے بغیر اتنی بات تو میں آپ کو سمجھا سکتا ہوں کہ نظامِ انسانی میں سے کچھ بھی اگر حصہ مفلوج ہو جائے تو ساری عمر کے روگ لگ جاتے ہیں۔ اتنی بات تو ہر اَن پڑھ بھی سمجھ سکتا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ اس کو کیا ہوا ہے، کہاں کوئی کل ٹیڑھی ہوئی ہے مگر یہ جانتا ہے کہ ایک ہی بیماری نے سارے جسم کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے، کہیں کا نہیں چھوڑا اس کو۔ تو اگر ایک بھی بیماری جماعت میں کہیں لگ جائے تو اندازہ کریں کہ پھر باقی جماعت کا کیا حال ہوگا۔ ہر بیماری سے پرہیز ضروری ہے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں یہ زور دیا ہے کہ خدا تعالیٰ کے اتنے احکام ہیں ان میں سے ہر حکم پر عمل ضروری ہے کسی کو بھی نظر انداز نہیں کر سکتے، یہ مراد ہے اس سے۔ ہرگز یہ مراد نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نزدیک ساری جماعت اتنے اعلیٰ درجے تک پہنچ چکی ہے کہ ہر حکم پر پوری طرح ایمان بھی رکھتی ہے اور عمل بھی کرتی ہے مگر اگر عمل نہیں کرتی لیکن خدا کا خوف رکھتی ہے، اگر ڈرتی ہے کہ میرے عمل میں کمی کے نتیجے میں مجھے نقصان نہ پہنچ جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے عمل کی کمزوری سے جماعت کو نقصان سے محفوظ رکھتا ہے۔ یہ وہی خوف ہے جس کو تقویٰ کہتے ہیں۔ پس اس بیماری کا علاج بھی تقویٰ ہے۔ کمزوریاں تو بے شمار ہیں جن میں ہم مبتلا ہیں اس کے باوجود نظامِ جماعت کی حفاظت کی خاطر لازم ہے کہ انسان اپنی کمزوریوں سے ڈرتا رہے اور اللہ کے حضور یہ عرض کرتا رہے کہ ان کمزوریوں کا بداثر جو دوسروں پر پڑ سکتا ہے اور قانونِ قدرت کے طور پر پڑنا چاہیے، مجھے اس سے محفوظ رکھ اور میں دشمن کے لئے ابتلاء کا موجب نہ بنوں۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے اسی مضمون کو اس طرح بیان فرمایا ہے کہ اگر کسی شخص کی وجہ سے کوئی ٹھوکر کھا جائے تو بہتر تھا کہ وہ شخص پیدا ہی نہ ہوتا کیونکہ اس نے بڑا جرم کمایا ہے۔ پس

کمزوری کے باوجود اعمال کی اس حد تک حفاظت کرنا کہ وہ دوسرے جسم کے حصے پر یعنی جماعت پر اثر انداز نہ ہوں یہ انتہائی ضروری ہے اور یہ جبھی ہوگا جب آپ اولوالامر کے احکامات کو نظر انداز کریں گے اور تخفیف کی نظر سے دیکھیں گے۔

اولوالامر سے مراد

اس کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اولوالامر کے متعلق دیگر تحریرات میں سے بعض حصے آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں، یعنی اس وقت مسلسل تحریر نہیں پیش کر سکتا کیونکہ مضمون بہت لمبا ہو جائے گا مگر بعض حصے میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

''اولوالامر سے مراد جسمانی طور پر بادشاہ اور روحانی طور پر امام الزمان ہے''۔

یہ فرق بھی پیشِ نظر رکھنا ضروری ہے۔ روحانی طور پر امام الزمان اولوالامر ہے لیکن مادی لحاظ سے اور جسمانی لحاظ سے بادشاہ بھی اولی الامر ہے۔

''اور جسمانی طور پر جو شخص ہمارے مقاصد کا مخالف نہ ہو اور اس سے مذہبی فائدہ ہمیں حاصل ہو سکے وہ ہم میں سے ہے''۔

(ضرورۃ الامام صفحہ ۲۳)

تو یہ خیال کہ اولوالامر صرف روحانی نظام کا بادشاہ ہے۔ یعنی ہمارے نقطہ نگاہ سے حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم اور جسمانی لحاظ سے اس کے سوا کوئی ہم پر اولوالامر نہیں ہے یہ خیال غلط ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم ہی کے فہم قرآن کے نتیجے میں جس سے بہتر فہمِ قرآن ممکن ہی نہیں ہر بادشاہ، ہر سیاسی قوم کا راہنما جو حکم ہو جائے، جس کو وہ مقام حاصل ہو جائے کہ ساری قوم کو اس کی بات ماننا ضروری ہو وہ اولوالامر ہے اور اس کی اطاعت فرض ہے خواہ وہ دماغی لحاظ سے کیسا ہی ہو، خواہ وہ عقلی لحاظ سے ایک پاگل دکھائی دے، خواہ وہ روحانی لحاظ سے انتہائی ظالم اور حد سے گزرنے والا ہو۔ ان تمام امور کا حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے ایک ایک کر کے تذکرہ فرمایا ہے تا کہ کسی کو بہانہ ہاتھ نہ آئے کہ ایسا اولوالامر ہو تو ہم کیسے اطاعت کریں گے۔ فرمایا ہر صورت میں اطاعت کرنی ہے۔ صرف ایک صورت ہے کہ اس کی اطاعت سے آپ باہر نکل جائیں کہ اگر روحانی بادشاہ کا حکم اس سے متضاد ہو اور بیک وقت روحانی بادشاہ کے احکام کے دائرے میں رہتے ہوئے اس پر عمل ممکن نہ ہو تو پھر حضرت رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نزدیک اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جو آپ کو سمجھا اس کی رو سے وقتی طور پر ایسی صورتوں میں اس اولوالامر کی طرف رجوع کرو جو روحانی اولوالامر ہے کیونکہ اصل وہی ہے اور دنیاوی اولوالامر کو چھوڑ دو۔

یہ مضمون میں نے پہلے بھی بارہا سمجھایا ہے اور اب پھر نظام جماعت کے حوالے سے دوبارہ ضرورت ہے یعنی دنیا میں احمدیوں کو جو حکومتوں کے سامنے مسائل پیش ہوتے ہیں وہ ایک الگ مسئلہ ہے۔ میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ ہر جماعت کے دائرے میں کوئی شخص بھی یہ سوال اٹھا سکتا ہے کہ یہ میرا اولوالامر تھوڑے دائرے میں ہے خلیفۂ وقت میرا اولی الامر زیادہ وسیع دائرے میں ہے اُس کے حکم کو یہ شخص ٹال رہا ہے اس لئے میں اس کی بات نہیں مانتا۔ اگر یہ سلسلہ شروع ہو جائے تو فساد کا ایک ایسا دروازہ کھل جائے گا جو کبھی بھی بند نہیں ہوسکتا۔ یہاں جا کر لوگوں کا دماغ کنفیوژ ہو جاتا ہے۔ وہ باریک فرق کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ مضمون اگرچہ میں پہلے بھی کئی دفعہ بیان کر چکا ہوں مگر پھر مجھے نظام جماعت کی خاطر اسے بیان کرنا ضروری ہے۔

اگر کوئی شخص صاحب امر ہونے کی وجہ سے کسی کو کہتا ہے کہ نماز چھوڑ دو تو وہاں اس کے ذرہ بھی تردد کی گنجائش نہیں۔ وہ کہے جاؤ اپنے گھر بیٹھو، تم اولوالامر ہو اس دائرے کے اندر جو قرآن کے دائرے کے اندر ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمودات کے دائرے کے اندر ہے اور اس دائرے میں فرائض میں فرائض کا ترک ناممکن ہے لیکن فرائض سے کم کے جو ترک ہیں وہ ممکن بھی ہو سکتے ہیں۔ یہ فرق نہ سمجھنے کی وجہ سے سارا فساد برپا ہوتا ہے۔ فرائض کا ترک بالکل واضح ہے وہ محکمات میں سے ہے کوئی دنیا میں اختیار نہیں رکھتا کہ ان محکمات کو تبدیل کر سکے۔ حضرت اقدس محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لئے تو کوئی وہم وگمان بھی نہیں کیا جا سکتا تھا کہ آپ محکمات کو نظر انداز کریں گے مگر دنیا والے جو محکمات کو نظر انداز کرتے بھی ہوں وہ اس کا حکم نہیں دے سکتے۔

یہ بھی عجیب بات ہے کہ بعض لوگ خود محکمات کو نظر انداز کر رہے ہوتے ہیں۔ یہ گناہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے نزدیک ان کا شخصی گناہ ہے لیکن اگر وہ دوسروں کو کہہ دیں کہ یہ چھوڑ دو تو یہ بہت بڑا گناہ بن جاتا ہے۔ یہ خدا تعالیٰ کے اوپر حاکم بننے والی بات ہے۔ ایک حکم کی آپ تعمیل نہ کر سکیں اور عجز اور شرم ہو اور حیا ہو۔ یہ گناہ ایک انفرادی گناہ ہے لیکن اگر اس قدر جسارت کریں کہ دوسرے کو وہ حکم دیں جو حکم دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے تو یہ ایک بہت بڑا گناہ ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو

اولوالامر کی بحث اٹھائی ہے اس کے بہت سے پہلو چھوڑتے ہوئے اب میں اس بحث کو لیتا ہوں جو جماعتی نظام سے گہرا تعلق رکھنے والی ہے۔

اطاعت کی افادیت

''اطاعت ایک ایسی چیز ہے کہ اگر سچے دل سے اختیار کی جائے تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے''۔

اب اولوالامر کے مقابل پر اطاعت کا مضمون ہے۔

فرمایا:-

''اگر سچے دل سے اطاعت کی جائے، تو دل میں ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے''۔

اب یہ مضمون اطاعت کرنے والے کے سوا کوئی سمجھ نہیں سکتا۔ ان شرائط کے ساتھ جو میں نے بیان کی ہیں اگر کوئی کسی اولوالامر کی اطاعت کرتا ہے تو خواہ وہ چھوٹا سا انسان ہی ہو اس کے دل میں ایک عظمت پیدا ہو جاتی ہے، ایک کشادگی پیدا ہوتی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دنیا کے لحاظ سے میں بڑا ہوں لیکن اس کی اطاعت اس لئے کر رہا ہوں کہ اللہ نے فرمایا ہے۔ اس کی اطاعت اس لئے کر رہا ہوں کہ جس نے مجھ تک پیغام پہنچایا اس نے اللہ کا پیغام پہنچایا۔ اس وقت اس کا جھکنا اس کی عظمت کی دلیل ہوگی اور اس کو محسوس ہوگا کہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس ابتلاء میں کامیاب ہو گیا ہوں۔ اس وجہ سے وہ نور اور روح کو ایک لذت آتی ہے جو حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بیان فرمایا ہے اُس کی بنیادی وجہ یہ ہے۔

لوگ مجاہدے کرتے ہیں بعض عمریں گنوا دیتے ہیں مجاہدوں میں، فرمایا مجاہدات کی اتنی ضرورت نہیں ہے، اطاعت کی ضرورت ہے۔ اطاعت سے انقلاب عظیم برپا ہو سکتے ہیں۔ مجاہدات سے ایک شخص کو خیال ہو سکتا ہے میں جسم کمار رہا ہوں یا میری روح کو پرورش مل رہی ہے لیکن اس سے ساری دنیا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ فرمایا:-

''مجاہدات کی اس قدر ضرورت نہیں ہے جس قدر اطاعت کی ضرورت ہے مگر ہاں یہ شرط ہے کہ سچی اطاعت ہو اور یہی ایک مشکل امر ہے''۔

اطاعت کی ضرورت ہے مگر سچی اطاعت کا ہونا ایک مشکل امر ہے۔

''اطاعت میں اپنی ہوائے نفس کو ذبح کر دینا ضروری ہوتا ہے''۔

دل کی تمناؤں کو اور دل کی خواہش کو ذبح کرنا پڑتا ہے جو ایک بہت مشکل امر ہے۔

''بدوں اس کے اطاعت ہو نہیں سکتی اور ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بت بن سکتی ہے''۔

اور بڑے بڑے توحید کے دعوے کرنے والوں کے سینوں کے اندر بت رکھے ہوئے ہیں اور وہ بت کیا ہے، ہوائے نفس۔ دل کی خواہش کو اللہ کے احکام پر جان بوجھ کر ترجیح دینا یہ تو سراسر واضح شرک ہے اور اطاعت نہ کرنے پر شرم محسوس کرنا اور حیاء محسوس کرنا اور استغفار میں مبتلا ہونا اور رونا اور گریہ وزاری اختیار کرنا یہ واضح شرک نہیں ہے۔ یہ نفسِ انسانی کی کمزوریاں ہیں جو اگر نظر انداز کر دی جائیں تو رفتہ رفتہ شرک میں تبدیل ہو سکتی ہیں۔ اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ بات بڑے غور سے سنیں۔ فرماتے ہیں:-

''ہوائے نفس ہی ایک ایسی چیز ہے جو بڑے بڑے موحدوں کے قلب میں بھی بُت بن سکتی ہے''۔

دیکھنے میں بڑے توحید پرست ہونگے مگر ان کے دلوں میں بت آباد ہیں۔

''صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین پر کیا فضل تھا اور وہ کس قدر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت میں فنا شدہ قوم تھی''۔

فنا شدہ کا مطلب ہے دل سے ہوائے نفس کو مٹا دیا تھا۔

''یہ سچی بات ہے کہ کوئی قوم، قوم نہیں کہلا سکتی اور ان میں ملیّت اور یگانگت کی روح نہیں پھونکی جاتی جب تک کہ وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے''۔

اس لئے معتمد ہو یا معتمد کو حکم دینے والا ہو دونوں صورتوں میں فرمانبرداری دونوں پر لازم ہے۔

ایک پر اس پہلو سے لازم ہے کہ جس بات پر وہ مامور ہے اسی کا حکم دے اس سے زائد نہ دے اور وقت پر جو فیصلہ کرنا ہو اپنی سوچ کے مطابق کرے مگر کوشش یہی ہو کہ جو عمومی ہدایتیں ہیں ان کے تابع رہنا ہے۔ معتمد کو یہ اختیار نہیں کہ وقت پر کوئی حکم بھی دے سکے۔ اُس نے صرف اسی کی اطاعت کرنی ہے جو اس کو کہہ دیا گیا اس کے دائرے میں محدود ہو چکا ہے اس سے آگے نہیں بڑھ سکتا، اسے کم نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ فرشتوں کے

متعلق اللہ فرماتا ہے نہ وہ زیادہ کر سکتے ہیں نہ وہ کم کر سکتے ہیں بعینہٖ وہی کرنا ہوگا جو ان کو کہا گیا ہے۔ کمی اور زیادہ کے مواقع دوسرے اولوالامر کے لئے ضرور پیدا ہوتے رہتے ہیں کیونکہ صورتِ حال بدلنے کے نتیجے میں موقع پر ایک صاحب امر کی ضرورت پڑتی ہے۔ وہ موقع پر جو فیصلہ کرے گا اس کا وہ ذمہ دار ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس بات کی بہت احتیاط کرتے تھے اور کبھی موقع کا فیصلہ کرنا پڑے اور یاد نہ ہو کہ رسول اللہ علیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس بارے میں کیا چاہتے ہیں اور کیا فرما چکے ہیں تو پھر اپنی فطرت کے اندر جو اطاعت نے ایک یگانگت گھول دی ہے اس سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ وہ یگانگت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے ساتھ تھی جو اطاعت کے نتیجے میں ان کی فطرت میں گھولی گئی تھی۔ جب اس کے حوالے سے فیصلہ کرتے تھے ضرور صحیح نکلتا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حاضر ہو کر جب پیش کرتے تھے تو بعض صحابہ کہتے ہیں ساری عمر اتنی خوشی نہیں ہوتی تھی جتنی اس وقت ہوئی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں یہی میرا فیصلہ تھا، میں ہوتا تو یہی کرتا۔ اندازہ کریں اس یگانگت سے کیا سرور حاصل ہوتا ہوگا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

''ایک نور اور روح میں ایک لذت اور روشنی آتی ہے''۔

اطاعت سے نور اور روشنی کا یہ مطلب ہے۔ پھر فرماتے ہیں:-

''وہ فنا شدہ قوم تھی''۔

یعنی اپنے دل کی تمام نفسانی خواہشات کو مٹا بیٹھے تھے۔ فرماتے ہیں:-

''کوئی قوم بھی اس میں یگانگت کی روح نہیں پھونکی جاتی جب تک وہ فرمانبرداری کے اصول کو اختیار نہ کرے''۔

ادبار اور تنزل کے نشانات

یعنی اس وقت تک وہ قوم نہیں کہلا سکتی۔ پھر اگلا فقرہ ہے۔

''اگر اختلاف رائے اور پھوٹ رہے تو پھر سمجھ لو کہ یہ ادبار اور تنزل کے نشانات ہیں''۔

اللہ جماعت کو ادبار اور تنزل کے نشانات سے کلیتہً پاک رکھے لیکن یاد رکھیں جب آپ کی اختلاف رائے کے نتیجے میں پھوٹ پیدا ہو جائے اور کچھ ٹولیاں کچھ کرنا چاہیں، کچھ ٹولیاں کچھ کرنا چاہیں تو یہ پھر تنزل

کا آغاز ہے جس کی کوئی حد نہیں ہے۔ **اسفل السافلین** اس کی حد ہے۔

سب سے زیادہ ذلیل مخلوق خدا کے نزدیک جو بھی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ جو اطاعت سے محروم ہوتے ہیں وہ **اسفل السافلین** ہو جاتے ہیں۔ گرتے گرتے آخری مقام تک جہاں تک انسان گر سکتا ہے گرتے چلے جاتے ہیں۔ یہ حال ان لوگوں کا ہے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت کا دم تو بھرا لیکن اپنی آراء کو فوقیت دے کر اپنے اندر بتوں پر بُت بناتے چلے گئے یہاں تک کہ ان کا دل اس خانہ کعبہ کی طرح ہو گیا جو توحید کا علمبردار تھا لیکن بتوں سے بھرا پڑا تھا۔ ایسے ہی یہ موحد ہیں جن کے متعلق مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بڑے سے بڑے موحد اور سینے بتوں سے بھرے ہوئے ہیں۔

پس ان باریک باتوں پر نظر رکھیں اور ہرگز کسی بات کو توفیق نہ دیں کہ وہ آپ کے دل میں جگہ بنا لے اور نشانی یہ ہے کہ اگر پھوٹ ہے جماعت میں افتراق ہے تو قطعی علامت ہے لازماً بت موجود ہیں۔ وہاں بت شکنی کی ضرورت ہے اور بعض بڑی بڑی اچھی جماعتوں میں بعض لوگ ایسے بتوں کی پوجا کرتے اور ان کے پیغامات کو جماعت میں پھیلا کر افتراق پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ابھی کل ہی مجھے ایک فیصلہ کرنا پڑا ایک جماعت کے متعلق جہاں بھری جماعت میں صرف چار ایسے افراد تھے جنہوں نے افتراق شروع کیا ہوا تھا اور سمجھتے تھے کہ ہم نیکی کی تعلیم دے رہے ہیں، ہم زیادہ بہتر سمجھتے ہیں لیکن جس طرح بھی وہ تعلیم دے رہے تھے جو بھی کر رہے تھے وہ جانتے ہیں کہ اس کے نتیجے میں دل پھٹے ہیں، اس کے نتیجے میں گروہ بندی ہوئی ہے اور یہ پہچان بت پرستی کی پہچان ہے۔ اگر گروہ بندی ہوئی ہے تو وہ لوگ لازماً ذمہ دار ہیں۔ بظاہر وہ توحید کی تعلیم دے رہے ہیں لیکن دراصل شرک پھیلا رہے ہیں۔

''اِدبار اور تنزل کے نشانات ہیں۔ مسلمانوں کے ضعف اور تنزل کے منجملہ دیگر اسباب کے باہم اختلاف اور اندرونی تنازعات بھی ہیں''۔

اور بھی وجوہات ہیں تنزل کی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت ساری وجوہات پیدا ہوئیں جس کے نتیجے میں انہوں نے تنزل اختیار کیا مگر ایک وجہ جو بہت کڑی وجہ ہے وہ باہمی اختلاف تھے۔

''پس اگر اختلاف رائے کو چھوڑ دیں اور ایک کی اطاعت کریں جس کی اطاعت کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے پھر جس کام کو چاہتے ہیں وہ ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ہاتھ جماعت پر ہوتا ہے اس میں یہ تو سر ہے۔ اللہ تعالیٰ توحید کو پسند فرماتا ہے اور یہ وحدت قائم نہیں ہو سکتی جب

تک اطاعت نہ کی جاوے''۔

جماعت کے سر پر خدا کا ہاتھ تب ہوگا جب وہ جماعت ہوگی اور جماعت ہو نہیں سکتی جب تک ایک شخص کی اطاعت نہ کی جائے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہے کہ اس کی اطاعت کی جائے۔

''پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے زمانے میں صحابہ بڑے بڑے اہل الرائے تھے''۔

اب دیکھیں ان کی رائے کی کتنی طاقت تھی اور اس کو کس طرح مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑے قوی دلائل سے ثابت کیا ہے۔ یہ تو نہیں تھا کہ جو عرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سر تسلیم خم کر بیٹھے تھے اس وجہ سے تھے کہ نعوذ باللہ من ذالک بے وقوف تھے یا ان کی اپنی رائے کوئی نہیں تھی۔ اس مضمون کو چھیڑتے ہوئے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:-

''بڑے اہل الرائے تھے خدا نے ان کی بناوٹ ایسی ہی رکھی تھی وہ اصول سیاست سے بھی خوب واقف تھے کیونکہ آخر جب ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ کرام خلیفہ ہوئے اور ان میں سلطنت آئی تو انہوں نے جس خوبی اور انتظام کے ساتھ سلطنت کے بارِ گراں کو سنبھالا ہے اس سے بخوبی معلوم ہوسکتا ہے کہ ان میں اہل الرائے ہونے کی کیسی قابلیت تھی''۔

حضرت عمر فاروقؓ ایک عظیم سیاستدان

حضرت عمرؓ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لگتا ہے کوئی رائے ہی نہیں اگر کوئی رائے دیتے تھے تو بعض دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے اس کے اوپر غالب آ کر یہ پھر ایک دم اپنی رائے کو مٹا دیا کرتے تھے مگر اطاعت کی روح تھی۔ جب صائب الرائے بنے، جب خدا تعالیٰ نے حکومت نصیب کی تو حضرت عمرؓ کے متعلق آج کے مفکرین بھی لکھتے ہیں کہ ایک بھی سیاسی غلطی نہیں کی آپ نے، ساری زندگی حکومت کی ہے۔ سیاسی پہلو سے اگر ہم دیکھیں، مذہبی نقطہ نگاہ کو چھوڑ دیں جو اختلاف کا نقطہ نگاہ ہے، تو بعض چوٹی کے مبصرین نے یہ لکھا ہے کہ عمرؓ ایک ایسا خلیفہ ہے جس کے متعلق ہم پوری چھان بین کر لیں تو یہ بات قطعی ہے کہ سیاست میں کبھی انہوں نے غلطی نہیں کی۔ ایک عظیم سیاستدان تھے۔

تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھیں انہی خلفاء کے حوالے سے جو عام آدمیوں کی طرح چلتے پھرتے تھے فرما رہے ہیں یہ خیال مت کرو کہ وہ صائب الرائے نہیں تھے۔ تم بھی صائب الرائے بنتے

پھرتے ہو جو بعض دفعہ نظام کے خلاف سر اٹھاتے ہو تمہیں کیا پتہ کہ تم سے بڑے بڑے صائب الرائے تھے جو اولی الامر کے سامنے جھک گئے۔ جہاں خدا نے اجازت دی وہاں پھر صائب الرائے ہونا جو ان کی صلاحیت تھی یہ بہت چمکی ہے لیکن اس سے پہلے نہیں۔

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور تو ان کا یہ حال تھا کہ جہاں آپ نے فرمایا اپنی تمام راؤں اور دانشوں کو اس کے سامنے حقیر سمجھا اور جو کچھ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اسی کو واجب الامر قرار دیا۔ان کی اطاعت میں گمشدگی کا یہ عالم تھا''۔

''اطاعت میں گمشدگی''

اب دیکھیں کتنا پیارا محاورہ ہے۔اطاعت میں کلیۃً گم ہو چکے تھے اور اتنا گم ہو چکے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فعل سے برکت حاصل کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی اطاعت ہے۔ یہ مضمون حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کھولا ہے کہ جو بعض عجیب وغریب حرکتیں ہمیں اس وقت دکھائی دیتی ہیں اس کی وجہ اطاعت تھی۔اتنے کامل مطیع ہو چکے تھے کہ جانتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل، کوئی حرکت بھی ایسی نہیں کہ اگر اس کو اپنانے کی کوشش کی جائے تو وہ بے فائدہ ہوگا۔

''ان کی اطاعت میں گمشدگی کا یہ عالم تھا کہ آپ کے وضو کے بقیہ پانی میں برکت ڈھونڈتے تھے''۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پہلے کسی نے بھی ان مضامین کو نہیں باندھا ہوا تھا۔ بڑے بڑے مقررین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسا عشق تھا لیکن وہ کیا عشق تھا اس کی کنہ کیا تھی یہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان فرمارہے ہیں۔

''آپؐ کے وضو کے بقیہ پانی میں برکت ڈھونڈتے تھے اور آپؐ کے لب مبارک کو متبرک سمجھتے تھے اور اگر ان میں یہ اطاعت، یہ تسلیم کا مادہ نہ ہوتا بلکہ ہر ایک اپنی ہی رائے کو مقدم سمجھتا اور پھوٹ پڑ جاتی تو وہ اس قدر مراتب عالیہ کو نہ پاتے۔ میرے نزدیک شیعہ، سنیوں کے جھگڑوں کو چکا دینے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے''۔

اب یہ دلیل کیسے بنی جب تک مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے الفاظ میں سمجھیں گے نہیں آپ کو سمجھ نہیں آئے گی۔فرماتے ہیں۔

''میرے نزدیک سینوں کے جھگڑوں کو چکا دینے کے لئے یہی ایک دلیل کافی ہے کہ صحابہ کرام میں باہم کسی قسم کی پھوٹ اور عداوت نہ تھی کیونکہ ان کی ترقیاں اور کامیابیاں اس امر پر دلالت کر رہی ہیں''۔

وہ جو شیعہ کہہ رہے ہیں کہ کوئی پھوٹ تھی یعنی حضرت علیؓ کے اختلافات تھے۔ فرمایا اگر پھوٹ ہوتی تو یہ ترقیات ہو ہی نہیں سکتی تھیں۔ جو عظیم ترقیات خصوصاً خلفائے راشدین کے زمانے میں نصیب ہوئی ہیں یہ ظاہر کرتی ہیں کہ ان کا پھوٹ کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ پھوٹ ہو اور ترقیات! یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کیسی پختہ اور عمدہ دلیل لائے ہیں کہ میرے نزدیک تو یہی ایک دلیل کافی ہے۔ مگر ان کے لئے کافی ہے جو عقل رکھتے ہیں جو غور کرنے کی عادت رکھتے ہیں۔ عامۃ الناس کے لئے پکی سے پکی، بڑی سے بڑی دلیل بھی پیش کریں تو سمجھ کچھ نہیں آتی۔ عامۃ الناس کیا ان عامۃ الناس کے علماء تو ان سے بھی زیادہ ناسمجھ ہیں۔ دلیل کی بات ماننا تو ان کے نفس کی انا کے خلاف ہے۔ جنہوں نے بے شمار انانیت کے بت سینوں میں سجائے ہوئے ہوں یہ ہو کیسے سکتا ہے کہ وہ کسی دوسرے کے منہ سے دلیل کی بات سن کر اپنا سر تسلیم خم کریں۔

''ناسمجھ مخالفوں نے کہا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا گیا مگر میں کہتا ہوں یہ صحیح نہیں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی تھیں''۔

اب عام دلیل جو ہے وہ دلیل جو ہم سنتے آئے ہیں وہ نہیں دی جا رہی۔ ایک بالکل الگ دلیل ہے۔ ''اصل بات یہ ہے کہ دل کی نالیاں اطاعت کے پانی سے لبریز ہو کر بہہ نکلی تھیں''۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے جب دل کی نالیاں لبریز ہو گئیں اور بہہ نکلیں تو اس سیلاب کو دنیا میں روک ہی کوئی نہیں سکتا تھا یہ مفہوم ہے۔ یہ احمقانہ خیال ہے کہ پھر اس سیلاب کو کسی تلوار کی ضرورت ہے۔

''یہ اس اطاعت اور اتحاد کا نتیجہ تھا کہ انہوں نے دوسرے دلوں کو تسخیر کر لیا''۔

جب ایسی نالیاں بہہ نکلیں، ایسا Flood آ جائے جس کے نتیجے میں دل تسخیر ہو رہے ہوں تو تلوار کی کیا ضرورت ہے، تلوار کا موقع کیا ہے۔

''میرا تو یہ مذہب ہے''۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرما رہے ہیں:-

''میرا تو یہ مذہب ہے کہ وہ تلوار جو ان کو اٹھانی پڑی وہ صرف اپنی حفاظت کے لئے تھی۔ ورنہ اگر تلوار نہ اٹھاتے تو یقیناً وہ زبان ہی سے دنیا کو فتح کر لیتے۔

سخن کز دل بروں آید
نشیند لا جرم بر دل''

یعنی وہ کلام جو دل سے نکل رہا ہو وہ بلا شبہ دل میں جا کر بیٹھ جایا کرتا ہے، دل سے نکلی بات دل پر اثر کرتی ہے۔

فرماتے ہیں:-

''انہوں نے ایک صداقت اور حق کو قبول کیا تھا اور پھر سچے دل سے قبول کیا تھا''۔

''ایک صداقت اور حق کو قبول کیا تھا اور پھر سچے دل سے قبول کیا تھا اس میں کوئی تکلف اور نمائش نہ تھی۔ ان کا صدق ہی ان کی کامیابیوں کا ذریعہ ٹھہرا۔ یہ سچی بات ہے کہ صادق اپنے صدق کی تلوار ہی سے کام لیتا ہے''۔

اس کو سچائی کی تلوار کے سوا کسی تلوار کی ضرورت نہیں ہے۔

''آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت جس پر خدا پر بھروسہ کرنے کا نور چڑھا ہوا تھا''۔

اب جس کو ہم نور سمجھ رہے ہیں وہ دکھائی تو نور کی طرح دیتا ہے لیکن ہے کیا چیز؟ وہ توکّل علی اللہ کا نور ہے جو شخص بات کرتے وقت جانتا ہو کہ خدا میرے ساتھ ہے اس کو جیسا کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کو نور عطا ہوا تھا، حصہ رسدی توکّل کا نور ملتا ہے۔ پس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کے نور کو جسمانی ظاہر کرنے والے لوگوں کو کیا پتہ کہ نور کیا چیز ہوتی ہے۔ جسمانی نور تو دنیا میں بظاہر بڑے بڑے خوبصورت چہرے والوں کے چہروں پر دکھائی دینا چاہیے مگر اس نور میں کوئی حقیقت نہیں۔ ایک بہت بڑا فرق ہے جسمانی حسن کے نور میں اور اس نور میں جو اللہ عطا فرماتا ہے اور یہ فرق دیکھنا ہو تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آنکھوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ وسلم کا چہرہ دیکھیں۔

''آپ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شکل وصورت جس پر خدا پر بھروسہ کرنے کا نور چڑھا ہوا تھا''۔

اب کوئی ادنیٰ سی عقل رکھنے والا انسان بھی اس عبارت کو پڑھ کر ایسے شخص کو جھوٹا نہیں کہہ سکتا۔ بہت ہی جاہل اور کمینہ دشمن ہوگا، کوئی دہریہ خدا کے غضب کا مارا ہوا جسکو ان باتوں میں مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت دکھائی نہ دے۔ کون کہہ سکتا ہے یہ الفاظ، جس کا دل گہرائی کے ساتھ اس مضمون میں ڈوبا

ہوا نہ ہو۔

''خدا پر بھروسہ کرنے کا نور چڑھا ہوا تھا اور جو جلالی اور جمالی رنگوں کو لئے ہوئے تھی''۔

یہ کیفیت، یعنی اطاعت کی بات ہو رہی ہے اس لئے اس کو نور کی بجائے مادہ لفظوں میں بیان فرمایا گیا ہے۔

''جو جلالی اور جمالی رنگوں کو لئے ہوئے تھی۔ اس میں ہی ایک کشش اور قوت تھی کہ وہ بے اختیار دلوں کو کھینچ لیتے تھے اور پھر آپ کی جماعت نے اطاعت رسولؐ کا وہ نمونہ دکھایا اور اس کی استقامت ایسی فوق الکرامت ثابت ہوئی کہ جو ان کو دیکھتا تھا وہ بے اختیار ہو کر ان کی طرف چلا آتا تھا''۔

آج ہمیں جماعت میں اس کشش کی ضرورت ہے۔ آپ کے پیغام تو کتابوں کے ذریعہ بھی پہنچ جاتے ہیں لیکن جو پیغام آپ کا وجد پہنچائے اس سے بڑھ کر طاقتور کوئی پیغام نہیں ہوسکتا کیونکہ صحابہ کرامؓ کی طرح یہ کشش آپ کے اندر ہوگی کہ جو کوئی دیکھے گا وہ بے اختیار چلا آئے گا۔

صحابہ کرام کی سی وحدت کی ضرورت ہے

''ایسی فوق الکرامت ثابت ہوئی''۔ یعنی عام کرامتیں جو ہیں وہ بالکل معمولی باتیں ہیں فقیروں، پیروں کی تعلیاں ہوا کرتی ہیں۔ مگر ان کرامتوں سے بھی بڑھ کر کرامت یہ ہے کہ جو کوئی اسے دیکھے وہ بے اختیار چلا آئے۔

''غرض صحابہ کی سی حالت اور وحدت کی ضرورت اب بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو جو مسیح موعود کے ہاتھ سے تیار ہو رہی ہے اسی جماعت کے ساتھ شامل کیا ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تیار کی تھی اور چونکہ جماعت کی ترقی ایسے ہی لوگوں کے نمونے سے ہوتی ہے اس لئے تم جو مسیح موعودؑ کی جماعت کہلا کر صحابہؓ کی جماعت سے ملنے کی آرزو رکھتے ہو اپنے اندر صحابہ کا رنگ پیدا کرو۔ اطاعت ہو تو ویسی ہو، باہم محبت اور اخوت ہو تو ویسی ہو۔ غرض ہر رنگ میں، ہر صورت میں تم وہی شکل اختیار کرو جو صحابہ کی تھی''۔

(الحکم جلد ۵ فروری ۱۹۰۱ء)

ایک دو منٹ میں اس عبارت کے ایک دو فقرے میں آپ کے سامنے رکھ دیتا ہوں جو آئینہ کمالات

اسلام صفحہ ۸۶، ۸۷ حاشیہ سے لی گئی ہے۔

''جو شخص معرفت کا کچھ حصہ رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ہر ایک ذرہ خدا تعالیٰ کے ارادہ کے موافق کام کرتا ہے اور ایک قطرہ پانی کا جو ہمارے اندر جاتا ہے وہ بھی بغیر اذنِ الٰہی کے کوئی تاثیر موافق یا مخالف ہمارے بدن پر نہیں ڈال سکتا''۔

یہ گہرے طبابت کے راز ہیں اور تمام دنیا کے علم شفا سے تعلق رکھنے والے لوگ، خواہ وہ کسی نظام شفا سے تعلق رکھتے ہوں، اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے۔ پانی کا ایک قطرہ بھی جب تک وہ نہیں جانتے کہ اذنِ الٰہی ہے مگر یہ جانتے ہیں کہ جب تک جسم کی وہ خاص کیفیت نہ ہو جو اسے جذب کر کے اس سے فائدہ اٹھا سکتی ہے ایک پانی کے ضرورت مند کو آپ ڈھیروں پانی بھی پلا دیں ایک قطرہ بھی اس کے کام نہیں آئے گا اب اذنِ الٰہی کو تو نہیں جانتے مگر یہ معمہ ضرور دیکھا ہوا ہے کہ بعض دفعہ جسم اس ایک قطرے کو بھی قبول نہیں کرتا جو اس کے جسم میں سے گزر رہا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں۔ یہ اذنِ الٰہی کا نتیجہ ہے۔ ہم جب کہتے ہیں کہ ایک پتہ بھی نہیں ہلتا اس کے اذن کے بغیر یا ایک قطرہ بھی اس کے اذن کے بغیر فائدہ نہیں پہنچا سکتا تو واقعۃً اللہ کا کلیۃً اختیار ہے۔ اس کے تابع ہو گے تو تم بھی وہ قطرے گنو گے جو تمام دنیا کے صحت مند نظام میں جذب ہو سکتے ہوں۔ اگر خدا تم میں جذب ہونے کی صلاحیت رکھے گا تو پھر تم جذب ہو سکو گے پھر دنیا کا کوئی جسم تمہارا دفاع کر ہی نہیں سکے گا۔ یہ وہ مرکزی نکتہ ہے جو اس عبارت سے میں نے لیا ہے۔ میں امید رکھتا ہوں کہ جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ان سب باتوں کو سن کر ان کی باریکیوں کو سوچے اور سمجھے گی اور دنیا میں عظیم انقلاب کے قابل ہو جائے گی جس کو برپا کرنے کے لئے اللہ نے اس جماعت کی بناء ڈالی ہے۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 24-30 / جولائی 1998ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 3 جولائی 1998ء سے اقتباس

☆ بچوں کے والدین پر حقوق
☆ آنحضور نے فرمایا ہے کہ اپنے بچوں سے عزت کے ساتھ پیش آیا کرو اور ان کی تربیت کرو
☆ قتلِ اولاد سے بچوں کا روحانی قتل بھی مراد ہے
☆ جماعت احمدیہ امریکہ کو اپنی اولاد کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے
☆ وقت کی چند لمحوں کی ملاقات بھی بعض دفعہ سرمایۂ حیات بن جاتی ہے

⚜

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرماتے ہیں:-

اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَالْاَوْلَادِ کَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْکُفَّارَ نَبَاتُہٗ ثُمَّ یَھِیْجُ فَتَرَاہُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَکُوْنُ حُطَامًا وَ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ وَّ مَغْفِرَۃٌ مِّنَ اللّٰہِ وَ رِضْوَانٌ وَمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّا مَتَاعُ الغُرُوْرِO

(سورۃ الحدید:21)

اس کا ترجمہ جو تفسیر صغیر میں کیا گیا ہے پہلے میں وہ آپ کو پڑھ کے سناتا ہوں۔اے لوگو جان لو کہ دنیا کی زندگی محض ایک کھیل ہے اور دل بہلاوا ہے اور زینت حاصل کرنے اور آپس میں فخر کرنے اور ایک دوسرے پر مال اور اولاد میں بڑائی جتانے کا ذریعہ ہے۔اس کی حالت بادل سے پیدا ہونے والی کھیتی کی سی ہے جس کا اگنا زمیندار کو بہت پسند آتا ہے اور وہ خوب لہلہاتی ہے۔مگر آخر تو اس کو زرد حالت میں دیکھتا ہے۔ پھر اس کے بعد وہ گلا ہوا چورا ہو جاتی ہے اور آخرت میں سخت عذاب مقرر ہے اور بعض کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت اور رضائے الٰہی مقرر ہے اور ورلی زندگی صرف ایک دھوکے کا فائدہ ہے۔

............میرے نزدیک اس آیت کریمہ کی طرح جس کی میں نے تلاوت کی ہے اس کا براہ راست تعلق امریکہ کے معاشرے سے ہے اور دنیا میں کسی اور جگہ یہ آیت اتنا اطلاق نہیں پاتی جتنا امریکہ کے معاشرے پر اطلاق پاتی ہے۔

فرمایا اِعْلَمُوْا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ جان لو، سمجھ لو اس بات کو کہ دنیا کی زندگی تو محض کھیل تماشہ ہے، دل بہلاوا ہے۔اس سے زیادہ اس کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ جتنا کھیل تماشہ امریکہ کا معاشرہ پیش کرتا ہے اس سے زیادہ آپ کو دنیا میں کہیں دکھائی نہیں دے گا۔ان کی ٹیلی ویژن جھوٹی، ان کے ذرائع ابلاغ جھوٹے۔کسی زمانے میں تو یہ کارٹون وغیرہ جو پیش کیا کرتے تھے وہ اصلیت پر مبنی ہوا کرتے

تھے اور اصلی کردار والے مزاحیہ لوگ اس میں پیش ہوا کرتے تھے۔اب تو ساری باتیں فرضی گھڑی ہوتی ہیں۔کمپیوٹر کے ذریعے جو چاہیں بنالیں اوراس کا ہماری اگلی نسلوں پر بہت برا اثر پڑ رہا ہے۔اگلی نسلیں جو عادی ہو چکتی ہیں کمپیوٹر کی کھیلیں دیکھنے کی،ان کے دماغ میں کسی اور چیز کی اہمیت ہی باقی نہیں رہتی۔اگر ایسے بچوں کے ماں باپ ان کو ایم ٹی اے پر ساتھ بٹھا بھی لیں گے تو وہ اوپری اوپری چیزیں دکھائی دیں گی ان کو۔دل اسی میں اٹکا رہتا ہے کہ وہ جو فرضی کھیلیں ہیں آسمانی مخلوق جن کا کوئی ذکر ہی،کوئی وجود ہی نہیں، اچانک کمپیوٹر کے ذریعے اٹھ کھڑے ہونے والے جنات ان سب باتوں میں دل اٹکا رہتا ہے اور وہ عمر جو Impressionable،عمر ہے جس میں گہرے تاثرات قائم ہوتے، ہیں اس عمر میں ان کے گہرے تاثرات ایک فرضی کہانی کے سوا اور کوئی نہیں رہتے۔ساری دنیا ایک کھیل تماشہ ہے۔یہ اطلاق کہ سب دنیا کھیل تماشہ ہے، یہ پیغام ہے جو امریکہ کے ذرائع ابلاغ آپ سب کو،آپ کے سب بچوں کو دے رہے ہیں اور اپنا کیا حال ہو گیا ہے،اس کے نتیجے میں سب اکھڑے ہوئے ہیں۔

ملاقات کے دوران یہ بھی مجھے تجربہ ہوا کہ بہت سے امریکن احمدی مجھے ملنے کے لئے آئے اور جب ان سے گفتگو کی تو بظاہر خوشکن لیکن ہر ایک کا دل دکھی تھا۔ان کی کوئی عائلی زندگی نہیں تھی،تھی تو ٹوٹ چکی تھی۔ اعتبار اٹھ چکے ہیں۔نہ خاوند کو بیوی پر اعتبار، نہ بیوی کو خاوند پر اعتبار اور ایک فرضی تصور،اطمینان کے تصور میں وہ دوڑے چلے جا رہے ہیں۔کچھ پتہ نہیں کہ کیا انجام ہوگا۔بہت بڑی بڑی عمر کے آدمی بھی دیکھے جو شادی سے محروم تھے۔کیونکہ ان کی ابتدائی زندگی احمدیت کے قبول کرنے سے پہلے عیش وعشرت کی تلاش میں دوڑنے میں خرچ ہو گئی اور اب اس عمر کو آپہنچے ہیں کہ کوئی ان سے شادی کرنے کو تیار نہیں ہے۔تو بہت سی ایسی مصیبتیں ہیں جو امریکن زندگی کی پیداوار ہیں اور اس پہلو سے اس آیت کا اطلاق ان پر ہوتا ہے۔جیسا کہ قرآن کریم فرماتا ہے یہ جو زینت ہے یہ آخر تفاخر میں تبدیل ہو جاتی ہے۔یہ لہو ولعب جو ہے یہ زینت میں اور زینت تفاخر میں بدل جاتی ہے۔آخری ماحصل یہ رہ گیا کہ میرے پاس اچھی کوٹھیاں ہیں، اچھے محلات ہیں،اچھی دنیا کی زینت کے سامان ہیں۔یہاں تک تو کچھ قابل قبول تھا مگر جب یہ تفاخر بن جائے، ایک دوسرے پر فخر کا ذریعہ بن جائے تو وہاں سے پھر خرابی بہت گہری ہو جاتی ہے۔

وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ اور دوڑ مال بڑھانے کی دوڑ ہو جائے۔ہر شخص کی کوشش ہو کہ میرا مال بڑھے اور دوسرے سے زیادہ ہوتا کہ مال کی برتری کا مزہ لوٹوں۔ وَالْاَوْلَادِ اور اولاد کے بڑھنے کا بھی ان معنوں میں کہ اولاد کی طاقت بڑھے،ان معنوں میں اولاد کے بڑھنے کا بھی ایک Craze جس کو کہتے

ہیں، جنون ہو جاتا ہے کہ مال بھی بڑھیں، اولاد بھی بڑھے اور ہم دنیا کی نظر میں اونچے اٹھ جائیں اور اپنی سوسائٹی کے مقابل پر ان کو ہم نیچا دیکھیں۔ یہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے کہ دنیا کی زندگی ہے۔ مگر یاد رکھو کَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ایک بارش کی طرح ہے جس سے روئیدگی نکلتی ہے، سبزہ نکلتا ہے جب وہ زمین پر پڑتی ہے اور جو ناشکرے لوگ ہیں یا انکار کرنے والے۔ یہاں کفار کا لفظ وسیع معنوں میں ہے۔ وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار کرنے والے ہیں وہ اس روئیدگی کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں دیکھو ہماری دنیا کی محنت کیسا کیسا پھل لائی ہے۔ پھر وہ زرد رو ہو جاتی ہے، اس کی رونق جاتی رہتی ہے۔ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا وہ خشک ہو کر زرد رو ہو جاتی ہے اور تو اس لہلہاتی کھیتی کو مُصْفَرًّا دیکھتا ہے۔ ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا پھر وہ کٹے ہوئے گھاس پھوس کی طرح ہو جاتی ہے۔

وَ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ اس دنیا میں بھی ایک عذاب ہے ان لوگوں کے لئے کہ اپنی سرسبز اور شاداب ہوتی کھیتی کو وہ لہلہاتی ہوئی دیکھنے کے بعد، يَهِيْجُ کے لفظ میں لہلہانے کا مضمون ہے، خوب موجیں مارتی ہے، ہواؤں کے ساتھ ہلتی ہے، جب وہ زرد حالت میں دیکھتا ہے تو اس وقت اسے صدمہ پہنچتا ہے ساری دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔ پھر فرمایا آخرت میں بھی ایسے لوگوں کے لئے بڑا عذاب مقدر ہے اور بعض کے لئے اللہ کی طرف سے مغفرت اور رضا ہے۔ یعنی یہ صورت حال سب پر برابر چسپاں نہیں ہوتی۔ بعض خدا کے بندے مستثنیٰ ہیں۔ وہ ایسے معاشرے میں رہتے ہیں، اس کے بداثرات سے ہمیشہ بچنے کی کوشش کرتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، ان کو بھی دنیا کی زندگی کے انعامات ملتے ہیں۔ لیکن اپنی آنکھوں کے سامنے اسے لہلہانے کے بعد زرد رو ہوتا نہیں دیکھتے۔ فرمایا ایسے لوگوں میں سے کچھ وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے مغفرت بھی ہے اور رضوان بھی ہے۔ اللہ ان سے بخشش کا سلوک فرمائے گا اور ان سے راضی ہو جائے گا لیکن بعض ایسے بھی ہیں وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ کہ جن کی یہ دنیا کی زندگی سوائے دھوکے کے کچھ بھی ان کے لئے نہیں رہے گی۔ دھوکہ بھی وہ جو عارضی ہے۔

اسی مضمون کو اللہ تعالیٰ آگے ایک تنبیہ کی صورت میں ان لوگوں کے لئے پیش کرتا ہے۔ فرمایا يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا اے لوگو جو ایمان لائے ہو اپنے نفسوں کو اور اپنے اہل و عیال کو آگ سے بچاؤ۔ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان ہوں گے اور پتھر ہوں گے۔ انسان سے مراد تو سب سمجھتے ہیں۔ جہنم کے اندر پتھر ڈالنے سے پتھر کو تو کوئی سزا نہیں ملتی، پتھر

سے مراد وہ سخت دل لوگ ہیں جن پر کوئی نصیحت اثر نہیں کیا کرتی۔ وہ پتھر جو خدا کے تصور کے ساتھ پارہ پارہ نہیں ہوتے، جبکہ بعض پتھر ایسے بھی ہیں جن کو قرآن کریم نے اس رنگ میں پیش کیا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھی جاتی ہیں تو پتھر ٹکڑے ٹکڑے ہو کے، ریزہ ریزہ ہو کے گر جاتے ہیں۔ مگر یہ پتھر وہ ہیں جن پر اللہ کی آیات پڑھی جائیں تو ان پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔ ان کے لئے فرمایا عَلَیْھَا مَلٰٓئِکَۃٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُمْ (سورۃ التحریم:7) ایسی جہنم پر ایسے خدا کے فرشتے مقرر ہوں گے جو بہت شدید ہوں گے یعنی ان کی پکڑ سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا۔ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ کہ وہ غلاظ بھی ہیں اور شداد بھی ہیں۔ غلیظ اس چیز کو کہتے ہیں جو آپس میں اتنی سختی سے جڑی ہوئی ہو کہ اس کو پار کرنے کی کوئی صورت ہی نہ ہو۔ تو ان کی پکڑ بہت سخت ہوگی اور کسی کو بچنے کی راہ نہیں ہوگی اور شداد ہوں گے اس لئے کہ لَا یَعْصُوْنَ اللّٰہَ مَا اَمَرَھُم وہ شدید ہوں گے، اپنے دل کی سختی کی وجہ سے نہیں بلکہ ان کو بنایا ایسا گیا ہے کہ اللہ نے جو ان کو حکم دیا وہ انہوں نے ضرور پورا کرنا ہے۔ اس کو پورا کئے بغیر ان میں یہ صلاحیت ہی نہیں کہ اس سے ہٹ سکیں، کسی اور طرف رخ کر سکیں۔ جیسا کہ فرمایا وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ وہ وہی کرتے ہیں جس کا حکم دیا جاتا ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوْا الْیَوْمَ اے وہ لوگو جنہوں نے کفر کیا آج کے دن کوئی عذر پیش نہ کرو کیونکہ عذر کا وقت گزر چکا ہے۔ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ (التحریم:8) یقیناً تمہیں اسی چیز کی جزاء دی جارہی ہے جو تم کیا کرتے تھے۔ اس کے بعد ایک اور سورۃ المنافقون کی یہ آیت آپ کے لئے قابل توجہ ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَاتُلْھِکُمْ اَمْوَالُکُمْ وَلَا اَوْلَادُکُمْ عَنْ ذِکْرِ اللّٰہِ وَ مَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ

(سورۃ المنافقون:10)

اے مومنو! تمہیں تمہارے مال اور تمہاری اولادیں اللہ کے ذکر سے غافل نہ کر دیں۔ اکثر خدا کے ذکر سے غافل ہونے والے وہ لوگ ہیں جن کو اپنی اولاد کی اور مال کی محبت خدا سے غافل کر دیا کرتی ہے اور جن کا نقشہ میں پہلے کھینچ چکا ہوں بعینہٖ وہی ہیں۔ مال کی محبت اور اولاد کی محبت ایسا چڑھ جاتی ہے دماغ پر کہ کسی اور چیز کی ہوش نہیں رہنے دیتی۔ ایسے لوگ خدا کا ذکر کر ہی نہیں سکتے۔ ایسے لوگ فرضی طور پر، سرسری طور پر خدا کا ذکر کریں بھی تو وہ ذکر دل میں ڈوبتا نہیں ہے اور دلوں کی کیفیت کو تبدیل نہیں کرتا۔ وَ مَنْ یَّفْعَلْ

ذٰلِکَ فَاُولٰئِکَ ھُمُ الْخٰسِرُوْنَ جو بھی ایسا کرے گا، وہ لوگ ہیں جو بہت گھاٹا کھانے والے ہوں گے۔ تو قرآن کریم نے تو کوئی گنجائش نہیں چھوڑی بچ نکلنے کی کہ انسان عذروں کی تلاش کر کے کہیں نہ کہیں اپنا منہ چھپا سکے۔

قتلِ اولاد

قرآن کریم نے انسانی فطرت کے ہر پہلو کو اجاگر کر دیا ہے، مضمون کے ہر حصے کو کھول کر بیان کر دیا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُھُمْ وَ اِیَّاکُمْ اِنَّ قَتْلَھُمْ کَانَ خِطْأً کَبِیْرًا O
(سورۃ بنی اسرائیل:32)

اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہ کرو۔ اب یہ بہت غور طلب آیت ہے اس پہلو سے کہ عرب اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے قتل نہیں کیا کرتے تھے۔ اس زمانے میں یہ دستور نہیں تھا۔ اگر قتل کرتے تھے تو لڑکیوں کو قتل کیا کرتے تھے اور وہ بے عزتی کے ڈر سے قتل کیا کرتے تھے۔ مگر سارے عرب میں کہیں آپ کو یہ رواج نہیں دکھائی دے گا کہ مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل کرتے ہوں۔

یہ دراصل آئندہ زمانے کی ایک پیشگوئی ہے جسے ہم پورا ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ بہت سے ایسے خاندان میں نے دیکھے ہیں جو باوجود اس کے کہ اپنی اولاد کی عظمت چاہتے ہیں، اس کی بڑائی چاہتے ہیں مگر زیادہ بچے نہیں چاہتے تاکہ جائیداد زیادہ لوگوں میں تقسیم نہ ہو اور تھوڑے رہیں اور پھر صاحب دولت ہوں۔ یہ وہ فطرت انسانی ہے جس کی طرف اشارہ اس آیت میں ہے۔ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ اولاد بننے کے بعد ان کو قتل نہیں کیا جاتا، احتیاطیں برتی جاتی ہیں جیسے آج کل فیملی پلاننگ میں خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ایک ضروری پہلو ہے۔ تمام دنیا میں یہ قومیں غریبوں کو یہ نصیحت کرتی ہیں کہ اولاد کم پیدا کرو تاکہ تمہاری غربت دور ہو اور یہ جھوٹ ہے کیونکہ غریبوں کی اولاد زیادہ ہو تو غربت دور ہوا کرتی ہے۔ کہیں دنیا میں غریبوں کی اولاد ان پر بوجھ نہیں بنا کرتی۔ وہ تو اپنے ماں باپ کا سہارا بنتی ہے۔

تو فرمایا لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ خَشْیَۃَ اِمْلَاقٍ ویسے ہی بے وقوفی ہے۔ غربت کے ڈر سے اولادیں قتل کرو گے تو اور بھی غریب ہو جاؤ گے اور جیسا کہ میں مثال دینے لگا تھا چین کی مثال ہے۔ غربت کے ڈر سے قانون بنائے، اولادیں قتل کرتے لیکن اس کا کوئی بھی فائدہ چینی اقتصادیات کو نہیں پہنچا۔ یہ ایک تفصیلی

مضمون ہے۔ میں نے بہت گہرا جائزہ لیا ہے۔ املاق کی وجہ سے اولادیں کم کرنے کا کوئی بھی فائدہ ان کو نہیں پہنچا۔ بلکہ غریب لوگوں نے قوانین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے زیادہ بچے اس غرض سے پیدا کئے۔ چنانچہ بعض چینی خاندانوں میں سات سات، آٹھ آٹھ، دس دس بچے ہیں کہ وہ جانتے تھے کہ اس سے ہماری غربت دور ہوگی اور بچپن سے ہی ان کو کاموں پہ لگایا اس کے نتیجے میں خاندان کی مجموعی طاقت، دولت میں اضافہ ہو گیا۔

لیکن اللہ تعالیٰ فرماتا ہے نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُم رزق تو ہم دیتے ہیں، ان کو بھی اور تمہیں بھی اس لئے کس گمان میں بیٹھے ہو کہ رزق تمہاری چالاکیوں کی کمائی ہے۔ اللہ ہی ہے، جب وہ فیصلہ فرماتا ہے کسی کو رزق دینے کا تو رزق دیتا ہے اور جب نہیں فیصلہ فرماتا تو رزق نہیں دیتا۔ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْراً خدا کے نزدیک ایسے بچوں کا قتل بہت بڑا گناہ ہے۔ لیکن اس قتل سے مراد کچھ اور بھی ہے۔ ایسے بچوں کا روحانی قتل بھی اس آیت میں مراد ہے۔ چنانچہ احادیث نبویؐ میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ اس سے سمجھ آئے گی کہ اصل قتل، اولاد کا روحانی قتل ہوا کرتا ہے اور یہ قتل ہے جو یہاں عام جاری ہے۔ بڑی کثرت سے میں دیکھ رہا ہوں کہ لوگ اپنی اولادوں کو قتل کر رہے ہیں اور اس کی پرواہ نہیں کرتے۔

آپ کے بچوں کا آپ پر گہرا حق ہے

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے، **الادب المفرد للبخاری** میں، آپ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ابرار کو اللہ تعالیٰ نے ابرار اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ جس طرح تم پر تمہارے والد کا حق ہے اسی طرح تم پر تمہارے بچے کا بھی حق ہے۔ اس حق کو نہ بھولیں آپ۔ آپ کے بچوں کا آپ پر گہرا حق ہے اور اس حق کو کیسے ادا کرنا ہے، اس کا ذکر آگے میں بعض احادیث اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کے حوالے سے آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے، یہ ابن ماجہ ابواب الادب سے حدیث لی گئی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اپنے بچوں سے عزت کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔ بچوں کے ساتھ عزت سے پیش آنا بھی ایک لازمی امر ہے۔ محض حکماً ان سے وہ کام کروانا جو آپ کے نزدیک ان کی دنیا کے لئے بہتر ہیں، یہ درست نہیں ہے۔ بہت سے ایسے ماں باپ ہیں

جو بچوں کے لئے سب کچھ کرتے ہیں لیکن ڈانٹتے اس وقت ہیں جب وہ دنیا سے روگردانی کررہے ہوں۔ جب دین سے روگردانی کریں تو ہلکے منہ سے ان کو روکتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ بچوں کے ساتھ عزت سے پیش آؤ یعنی ان کی اصلاح کرنی ہو تو نرمی اور پیار سے گفتگو کرو اور اچھی تربیت کرو۔اس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتا ہے۔

ایک اور حدیث ہے حضرت ایوب بن موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی، ترمذی ابواب البر سے لی گئی ہے۔ حضرت ایوب اپنے والد اور پھر اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔اچھی تربیت کرے گا تو یہ سب سے اعلیٰ تحفہ ہے جو دے سکتا ہے، نہ کہ اموال جمع کر کے ان کو یقین دلانا کہ میرے مرنے کے بعد تمہیں بہت دولت مل جائے گی۔اس کو تحفوں میں شمار ہی نہیں فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے۔فرمایا بہترین تحفہ ہے جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے کہ اس کی اچھی تربیت کرے۔

اب ملفوظات میں سے میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چند اقتباسات آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔فرمایا ''ان کی پرورش'' یعنی بچوں کی پرورش محض رحم کے لحاظ سے کرے، نہ کہ جانشین بنانے کے واسطے۔'' رحم کے حوالے سے کرے، اس سے کیا مراد ہے۔قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ اِرْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا اے میرے اللہ! میرے ماں باپ پر رحم فرما جس طرح انہوں نے میری تربیت کی تھی بچپن میں۔تو یہ رحم تربیت کا مرکزی حصہ ہونا چاہیے۔اگر کوئی شخص اپنے بچوں پر رحم کرے گا تو لازمی اس رحم کے نتیجے میں اسے اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ کردار سکھائے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی کمائی اور ورثے کو شمار ہی نہیں فرمایا۔فرمایا اس طرح رحم کرو جیسے تم خدا کے حضور یہ کہہ سکو کہ اے اللہ میرے ماں باپ پر بھی رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم فرمایا تھا۔اگر انہوں نے دین سے ہٹایا ہوتا تو یہ دعا ہو ہی نہیں سکتی تھی کہ میرے ماں باپ پر اس طرح رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں مجھ پر رحم فرمایا تھا۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''نہ کہ جانشین بنانے کے واسطے'' اولاد سے عزت کا سلوک اور نرمی کا سلوک کرو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ رحم کی توقع رکھتا ہے۔''نہ کہ جانشین بنانے کے واسطے''۔اپنا جانشین بنانے کے لئے جو تم ان سے حسن سلوک کرتے ہو بظاہر وہ ان کے لئے نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔فرمایا ''بلکہ وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کا لحاظ

ہو‘‘۔ پیش نظر یہ بات ہو کہ میں متقیوں کا امام ہوں۔ اب ظاہر بات ہے کہ بچوں کو بچپن ہی سے تقویٰ کی تعلیم دی جائے گی۔ تو یہ امید کی جا سکتی ہے کہ آپ متقیوں کے امام بنیں گے۔ اگر بچپن سے ہی ان کی ایسی باتوں سے روگردانی کی جاتی ہے جو نظر آ رہی ہیں کہ ان کو دین سے دور لے جا رہی ہیں تو پھر وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کی دعا بالکل جھوٹی اور بے معنی ہو جاتی ہے۔

ملاقاتوں کے دوران مجھے اس کا بھی بہت تلخ تجربہ ہوا۔ بعض بچے، بعض بچیاں ایسے نظر آئے جن کی آنکھوں میں ذرہ بھی دین کی پرواہ نہیں تھی۔ ان کی آنکھیں بول رہی تھیں۔ بعض ایسی بچیاں بھی دیکھیں جنہوں نے دوپٹوں سے اپنے سر ڈھانکے ہوئے تھے لیکن ان کا سر ڈھانکنا بتا رہا تھا کہ آج پہلی دفعہ سر ڈھانکا گیا ہے۔ یعنی روز جب وہ خدا کے حضور چلتے پھرتے تھے تو اسوقت سر ڈھانکنے کا کوئی خیال نہیں آیا، جب وہ میرے سامنے پیش ہوئے ہیں تو سر ڈھانک کے آئے۔ ایسی صورت میں میری تکلیف میں دگنا اضافہ ہو گیا ہے کیونکہ مجھے لگا کہ نعوذ باللہ من ذلک یہ میرا شرک کر رہے ہیں۔ جس خدا سے ڈرنا چاہیے اس سے ڈرتے نہیں اور میں ایک عاجز حقیر بندہ جس کی کوئی بھی حیثیت نہیں اس کے سامنے بن سنور کے آتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ ہم نیک ہیں۔ نیک ہیں تو جس کو دکھانا ہے اس کو دکھائیں۔ وہ خدا ہے جو ہر حال میں آپ پر نظر رکھتا ہے۔ اگر اس کو نہیں دکھانا تو یہ کیسی نیکی ہے۔ اس نیکی میں آپ شرک کی تلخی گھول رہے ہیں۔ جس کو آپ نیکی سمجھ رہے ہیں، ہے تو بدی لیکن اس میں شرک کی تلخی بھی گھل جاتی ہے۔

چنانچہ جب میں نے چھان بین کی تو ان ماں باپ نے اقرار کیا کہ یہ تو بچپن سے ہمارے قابو ہی میں نہیں ہے۔ میں نے کہا یہ بالکل جھوٹ بول رہے ہیں آپ۔ بچپن سے آپ اپنے قابو میں نہیں ہیں۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ اولاد سے سچا پیار ہو اور انسان انہیں کھینچ کے سینے سے لگائے اور پھر بجائے دنیا داری کے ان کی نیکی کا لحاظ رکھے اور وہ اچانک بے راہ رو ہو جائے۔ یہ نہیں ہوا کرتا۔ اولاد آنکھوں کے سامنے بگڑا کرتی ہے۔ جن لوگوں کو احساس نہ ہو وہ آنکھیں بند رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ ان کی دنیا داری سے خوش ہو رہے ہوتے ہیں اور دین کی کوئی حقیقی پرواہ نہیں ہوتی۔ مجھے دعا کے لئے کہہ رہے تھے کہ دعا کرو۔ میں نے کہا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کے زندگی بھر کے عمل کے خلاف میری دعا کیا کرے گی۔ مجھے ان سے ہمدردی تو ہے، تکلیف تو ہے مگر آپ کا عمل میری دعا کو جھٹلا رہا ہے۔ میں دعا کروں گا اللہ تعالیٰ ان کو ٹھیک کر دے۔ آپ کا عمل پکار پکار کے کہہ رہا ہے کہ اے خدا بالکل نہیں ٹھیک کرنا۔ ہمیں ایسی ہی تربیت چاہیے تھی جو ہم نے کر دی ہے۔

تو ایسے معاملات اور بھی ہیں جو وقتاً فوقتاً میرے سامنے آتے رہتے ہیں۔ مگر آئندہ سے میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جن کے متعلق جماعت کو علم ہو وہ ان کی ملاقات ہی کروانی چھوڑ دیں۔ یہ نفس کا دھوکہ ہے جو وہ دیتے ہیں اور مجھے اس سے اور بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

''وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا کا لحاظ ہو''۔

یہ لحاظ رکھو کہ جن کو پیچھے چھوڑ کے جا رہے ہو وہ متقی ہوں اور خدا کے حضور تم متقیوں کے امام لکھے جاؤ۔ فرماتے ہیں

''اولاد دین کی خادم ہو۔ یہ لحاظ ہو لیکن کتنے ہیں جو اولاد کے واسطے یہ دعا کرتے ہیں کہ اولاد دین کی پہلوان ہو۔ بہت ہی تھوڑے ہوں گے جو ایسا کرتے ہیں۔ اکثر تو ایسے ہیں کہ وہ بالکل بے خبر ہیں کہ وہ کیوں اولاد کے لئے کوششیں کرتے ہیں اور اکثر ہیں جو محض جانشین بنانے کے واسطے ایسا کرتے ہیں اور کوئی غرض ہوتی ہی نہیں۔ صرف یہ خواہش ہوتی ہے کہ کوئی شریک یا غیر ان کی جائیداد کا مالک نہ بن جاوے۔ مگر یاد رکھو کہ اس طرح پر دین بالکل برباد ہو جاتا ہے۔ غرض اولاد کے واسطے صرف یہ خواہش ہو کہ وہ دین کی خادم ہو''۔

(ملفوظات۔ جلد سوم۔ جدید ایڈیشن صفحہ 599)

پھر فرماتے ہیں:

''میں دیکھتا ہوں کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ محض دنیا کے لئے کرتے ہیں''۔

یہ کوئی نئی بیماری نہیں ہے۔ یہ فطرت کی بیماری ہے جو بڑی دیر سے چلی آ رہی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں بھی جو بڑے بڑے خدمت کرنے والے اور جان فدا کرنے والے اور دین کی راہوں میں دوڑ دوڑ کر چلنے والے (رفقاء) موجود تھے ان میں بھی ایسے لوگ تھے۔

''میں دیکھتا ہوں کہ لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ محض دنیا کے لئے کرتے ہیں، محبت دنیا ان سے کراتی ہے۔ خدا کے واسطے نہیں کرتے۔ اگر اولاد کی خواہش کرے تو اس نیت سے کرے وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا پر نظر کر کے یہ دعا کرے کہ کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جو اعلائے کلمہ (دین حق) کا ذریعہ ہو''۔

بچپن سے بچوں کی تربیت اور اس کے تقاضے

اب آپ فرماتے ہیں ایک بچہ کوئی پیدا ہو جائے جو آگے دین کا نام بلند کرنے والا ہو، دین کا کلمہ بلند

کرنے والا ہو۔ اس خواہش کے ساتھ وہ اولاد کی خدمت کریں، وہ سچی خدمت ہے۔ باقی سب جھوٹ ہے۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا حال دیکھ لیں۔ کتنی دعائیں کی ہیں مصلح موعود کی پیدائش سے پہلے۔ ہر بچے کے لئے دعائیں کی ہیں۔ اتنی کوشش کی بچپن سے ہی، دین کے سوا ان کی کوئی نظر برداشت نہیں کی۔ بہت تفصیلی واقعات ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ دین کے معاملے میں اپنے بچوں سے آپ نے نرمی نہیں کی۔ یعنی نرمی کے باوجود آپ کی طرز میں ایک تلخی آجایا کرتی تھی، جب دیکھتے تھے کہ دین کے معاملے میں کوئی ہلکی بات کر رہا ہے اور وہ تلخی بظاہر جسمانی سختی نہ ہونے کے باوجود جسمانی سختی سے بہت زیادہ کام کرتی تھی۔ اب یہ سب کچھ اپنی جگہ، بے انتہا دعائیں، اولاد کے پیدا ہونے سے پہلے دعائیں، ان کے پیدا ہونے کے بعد مسلسل ان پر نظر اور یہ عرض کہ ؎

یہ ہو میں دیکھ لوں تقویٰ سبھی کا
جب آوے وقت میری واپسی کا

کتنی عاجزانہ دعا ہے۔ ان سب کوششوں کے باوجود انحصار نہیں ہے۔ جانتے ہیں کہ میں ایک عاجز بندہ ہوں۔ جب تک اللہ قبول نہیں کرے گا مجھے یہ نصیب نہیں ہوگا کہ جاتی دفعہ میں پیار اور محبت کی نظر ڈالوں۔ میں دیکھوں کہ میری اولاد وہ بن گئی ہے جو عمر بھر میں بنانا چاہتا تھا۔ آپ کیوں اس مثال کو نہیں پکڑتے۔ دیکھتے نہیں کس کو اپنا امام مانا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا امام مانا ہے جن کا اولاد کے متعلق یہ نظریہ تھا۔ گریہ وزاری کرتے ہیں۔ کاش میں ان پر محبت کی نظر ڈال سکوں جب میں واپس ہو رہا ہوں۔ خدا گواہ ہے کہ جب وہ واپس ہوئے ہیں تو انتہائی نیک اولاد پیچھے چھوڑ کر گئے تھے، ہر پہلو سے خدمت دین کرنے والی۔ بیٹے بھی اور بیٹیاں بھی اسی رنگ میں اونچے ہوئے ہیں، اسی رنگ میں لہلہاتے رہے ہیں۔ وہ لہلہاتے تو تھے پر ان میں زردی کبھی نہیں آئی۔ وہ چورا نہیں بنے کہ پھر مٹی میں مل جائیں۔ ان میں سے ہر ایک کے متعلق ہم گواہ ہیں کہ جب تک وہ زندہ رہا اپنی طرف سے انتہائی کوشش کرتا رہا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ وہ دین کا علم بردار بنے، دین کی خدمت کرنے والا بنے۔

”کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جو اعلائے کلمہ (دین حق) کا ذریعہ ہو۔ ایسی پاک خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ زکریا کی طرح اولاد دے دے“۔

اب ایک اور بات بڑی عظیم فرمائی گئی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اولاد کے لئے دعاؤں کی درخواست کی لیکن ان کی درخواست میں غالباً کوئی ملونی نفس کی ہوتی ہوگی کہ وہ اپنی اولاد کو اس لئے دیکھنا چاہتے ہیں

کہ وہ ان کے دل کی تسکین کا موجب بنے۔خواہ نیک ہو یا بد ہو مگر دل کی تسکین کا موجب بنے۔مگر حضرت زکریاؑ کی دعا اور تھی۔حضرت زکریاؑ کے بال سفید ہو چکے تھے۔قرآن کریم کی رو سے شعلے کی طرح سر بھڑک اٹھا تھا، اتنی سفیدی آ چکی تھی اور وہ عرض کرتے ہیں کہ میری ہڈیوں میں جان تک باقی نہیں رہی، ہڈیاں گل گئی ہیں۔لیکن یہ عرض کرتے ہیں کہ اے خدا! میں تیری رحمت سے مایوس نہیں ہوسکتا۔فرمایا ایسی دعا کرو تو پھر زکریاؑ کی طرح تمہیں بھی اولاد نصیب ہوگی، پھر تمہیں یحیٰؑ ملے گا۔اگر ایسی دعائیں نہیں کرتے یہ دل کی گہری تمنا نہیں ہے تو پھر دنیا میں ایسی اولاد چھوڑ جاؤ گے جس کا کوئی بھی فائدہ نہیں۔تم چلے جاؤ گے اور اس کے بعد ان پر کیا بنے گی یا مرنے کے بعد تم پر کیا بنے گی، اس کی تمہیں کوئی ہوش نہیں ہے۔

ایک چھوٹے سے فقرے میں دیکھیں کیسی پیاری بات فرمادی۔فرمایا:

''کوئی ایسا بچہ پیدا ہو جائے جو اعلائے کلمۂ (دینِ حق) کا ذریعہ ہو۔ایسی پاک خواہش ہو تو اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ زکریا کی طرح اولاد دے دے مگر میں دیکھتا ہوں کہ لوگوں کی نظر اس سے آگے نہیں جاتی کہ ہمارا باغ ہے اور مِلک ہے، اس کا وارث ہو۔کوئی شریک اس کو نہ لے جائے۔مگر وہ اتنا نہیں سوچتے کہ کم بخت جب تو مرگیا تو تیرے لئے دوست دشمن، اپنے بیگانے سب برابر ہیں''۔

یہ حقیقت ہے جب انسان مر ہی گیا تو اس کو اس دنیا سے کیا ہے۔پیچھے کیا چھوڑا ہے، کیا نہیں چھوڑا، اس کی کوئی بھی حیثیت نہیں، کوئی اس کا اختیار نہیں اس پر۔تو لفظ کم بخت سے طبیعت کو جھنجھوڑا گیا ہے۔

''اتنا نہیں سوچتے کہ کم بخت جب تو مرگیا تو تیرے لئے دوست دشمن، اپنے بیگانے سب برابر ہیں۔میں نے بہت سے لوگ ایسے دیکھے اور کہتے سنے ہیں کہ دعا کرو کہ اولاد ہو جائے جو اس جائیداد کی وارث ہو۔ایسا نہ ہو کہ مرنے کے بعد کوئی شریک لے جاوے۔اولاد ہو جائے خواہ وہ بدمعاش ہی ہو۔یہ معرفت اسلام رہ گئی ہے''۔

اس لئے اپنی اولاد کی طرف خاص طور پر توجہ کریں۔

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّلَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَ اِيَّاهُمْ۔

(سورۃ الانعام:152)

یہ آیت تو وہی ہے جس کی میں پہلے تلاوت کر چکا ہوں۔

لیکن اب میں آپ کو یہ بات آخر پر سمجھانا چاہتا ہوں کہ میں نے جہاں تک جائزہ لیا ہے امریکہ کی جماعت کو اپنی اولاد کی طرف پہلے سے بڑھ کر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ بہت سے چہرے تو میں نے دیکھ لئے ہیں اور ان کی آنکھوں نے جو پیغام دیا وہ سن لیا اور سمجھ لیا۔ مگر ہر دفعہ لمبی ملاقاتیں ممکن ہی نہیں ہوا کرتیں اور جماعت کا ایک بھاری حصہ ایسا رہ جاتا ہے جس کے ساتھ میں ملاقات نہیں کر سکا۔ تو میں تو محض نمونے کے طور پر آپ کو بعض چہرے دکھا سکتا ہوں۔ اس سے زیادہ مجھے کوئی توفیق نہیں ہے۔

اس ضمن میں ایک اور بات میں امریکہ کی جماعت سے کہنا چاہتا تھا، وہ لمبی ملاقاتوں کی معذرت ہے۔ اگرچہ میری خواہش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ احمدی دوستوں سے اور ان کے بچوں سے ملوں۔ کیونکہ میں جانتا ہوں کہ بعض دفعہ ان کی چند لمحوں کی ملاقات بھی ان کی اولاد کے لئے ساری زندگی کا سرمایہ بن جایا کرتی ہے۔ اسی ملاقات میں بعض لوگوں نے بہت پرانی اپنی بچپن کی تصویریں میرے ساتھ دکھائیں اور کہا کہ ہمارے بچے جو گودیوں میں ہیں یہ ان کا سرمایۂ حیات ہے۔ یہ ساتھ لئے پھرتے ہیں، اپنی البموں میں سجاتے ہیں اور کہتے ہیں، اس طرح ہمیں گودی میں اٹھایا ہوا تھا حالانکہ اس وقت میں خلیفۃ المسیح بھی نہیں تھا۔ لیکن ان بچوں نے ان لمحات کی قدر کی اور میرے دینی تعلق کو پیش نظر رکھ کر ان تصویروں کو سنبھال کر رکھا اور جب میں دیکھتا ہوں تو بعض دفعہ پہچانا نہیں جاتا کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ مگر میں یہ سمجھانا چاہتا ہوں کہ چند لمحوں کی ملاقات بھی بعض دفعہ ایک سرمایۂ حیات بن جایا کرتی ہے۔

مگر وہ لوگ جو ملاقات کی خاطر بعض دفعہ گھنٹوں بیٹھتے ہیں ان کو میں سمجھانا چاہتا ہوں کہ ان کی تکلیف سے زیادہ میرا دل تکلیف محسوس کرتا ہے۔ مجھے بہت شرم آتی ہے اس بات سے کہ گھنٹوں انتظار کے بعد بے چارے آئے اور کھڑے کھڑے السلام علیکم، چاکلیٹ بچوں کے لئے لے لو، تصویر کھنچواؤ اور رخصت ہو جاؤ۔ اب اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ میرا دل سخت ہے۔ میں ان کی تکلیف کو محسوس کرتا ہوں۔ گھنٹوں جو باہر بیٹھے ہوئے ہیں، ان کی تکلیف کا لمحہ لمحہ میرے دل پہ گزر رہی ہوتی ہے اور اس میں کوئی بھی شک نہیں، ذرہ بھی اس میں جھوٹ نہیں ہے۔ مگر میں مجبور ہوں کہ جتنے بھی مل سکتے ہیں ان سے مل کر ان چند لمحوں میں کوئی ایسی بات کروں کہ ان کی زندگی کا سرمایہ بن سکے اور مجھے پتہ ہے کہ آئندہ جب میں گزر جاؤں گا تو یہی سرمایۂ حیات ہے جو آپ کے بچوں کے کام آئے گا۔ عمر بھر کا سرمایہ بن جائے گا اگلی نسلوں کے لئے، ان کی صدیاں جو آنے والی ہیں ان سب کا یہ سرمایۂ حیات بن جائے گا۔

............پس جو کچھ اس سفر کے دوران گزرا ہے یہ اس کی تشریح کر رہا ہوں۔ اس کی روشنی میں آپ

میرے عمل کو جانچیں اور اس کی روشنی میں ہی اپنے عمل کو بھی جانچیں اور اپنی اولاد کی فکر کریں۔ بہت سے بچے ضائع ہو رہے ہیں، غیر معاشرہ ان پر قبضہ کر رہا ہے۔ کبھی کسی دنیا میں غیر معاشرے کو اتنی طاقت گھروں میں داخل ہونے کی نہیں ہوئی جتنی آج ہو چکی ہے۔ جیسا کہ میں نے عرض کیا تھا یہاں کا میڈیا، یہاں کی ٹیلی ویژن کی تصویریں اور پھر اردگرد کا ماحول، ناچتے پھرتے بچے دکھائی دیتے ہیں۔ ان باتوں کو روکنے کے لئے جو دنیا کی کوششیں ہیں وہ بھی کریں۔

بعض دفعہ بچوں کو یہ دیکھ کر بہت مزہ آتا ہے کہ بچے تالاب میں پھر رہے ہیں، ننگے دوڑ رہے ہیں، پھر رہے ہیں۔ ان کی تسکین جو ہے نہانے کی اور تیرنے کی وہ تو پوری ہونی چاہیے کسی طریقے سے لیکن اس طرح نہیں جس طرح یہ لوگ کرتے ہیں۔ تو بچپن سے ان کے لئے جن لوگوں نے تالاب بنا لئے، جن کو توفیق ملی ان پر میرا کوئی اعتراض نہیں۔ جن کو خدا نے توفیق دی ہے وہ بے شک بنائیں مگر اتنا دکھاوا نہ کریں کہ وہ تالاب لوگوں کی نظر کے لئے ہوں نہ کہ بچوں کے نہانے کے لئے۔ مجھے یاد ہے امریکہ آنے سے بہت پہلے بھی مجھے یہ خیال رہتا تھا کہ میری بچیاں بڑی ہوں گی تو یہ محسوس نہ کریں کہ ہمیں تیرنا نہیں آیا، نہ ہمیں نہانے کا آزادانہ مزہ آیا۔ اس لئے یہاں کے معاشرے کا تو مجھے خواب وخیال بھی نہیں تھا مگر اپنے فارم پہ میں نے ایک تالاب بنا رکھا تھا چھوٹا سا جس میں میرے بچے مجھ سے سیکھتے تھے۔ ان کے ساتھ ہی خاندان کے اور بچے بچیاں آکر پاکیزہ ماحول میں تیرنا بھی سیکھتے تھے اور مزے بھی پورے کرتے تھے۔ جب یہ بچیاں، ان میں سے دو بڑی بچیاں میں ساتھ لے کر امریکہ آیا تو یہاں کے تالابوں نے ان پر ذرہ بھی اثر نہیں کیا۔ کیونکہ وہ جانتی تھیں کہ ہمارا حق ہمیں دیا گیا ہے اور ان پر رحم کرتی تھیں جو اپنا جسم بیچنے کے لئے نہاتے ہیں۔ کراہت سے ان پر نظر پڑتی تھی اور اپنے متعلق پورا اطمینان تھا کہ ہمارا جو حق ہے ہمیں عطا کیا گیا ہے۔ تو یہ میں باتیں اس وقت کی کر رہا ہوں جب میں ابھی امریکہ نہیں آیا تھا۔

تو یہاں کے لوگ اگر اس نیت سے تالاب بنانے کی توفیق رکھتے ہوں کہ گھر میں پاکیزہ ماحول میں ان کی تربیت ہو سکے تو ہرگز کوئی برائی کی بات نہیں ہے۔ اس کو تکاثر اور تفاخر نہیں کہتے۔ مگر تالاب کے بہانے اگر اتنے بڑے بڑے ہال بنائے جائیں، اتنی بڑی بڑی چکوزیاں ہوں کہ دیکھتے ہی طبیعت میں کراہت پیدا ہو، یہ تو کوئی مومنانہ طریق نہیں ہے۔ اس سے تو اگر بچے یہاں نہائیں گے بھی تو بیرونی معاشرے کی اور بھی زیادہ قدر کریں گے۔ وہ سمجھیں گے کہ ہمارے ماں باپ نے انہی کو اپنی بڑائی کا ذریعہ بنا رکھا ہے۔ تو یہ ساری باتیں ایسی ہیں جو میرے اس سفر کے دوران تجربے میں شامل ہیں۔ ان کی تفصیل میں مَیں نہیں جانا

چاہتا۔جن کو توفیق ہے ضرور تالاب بنائیں مگر بچوں کے ساتھ مل کر ان کو تیرنا بھی سکھائیں۔ان کو ساتھ ساتھ بتائیں کہ باہر کی دنیا کی طرف نظر نہ کرو، وہ گندے لوگ ہیں۔اپنی حفاظت کرو، اپنے دین کی حفاظت کرو تو یہی تالاب ان کے لئے رحمت کا موجب بن جائیں گے......

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 21 اگست تا 27 اگست 1998ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 10 رجولائی 1998ء سے اقتباس

☆ نئی نسلوں کو بچانا بہت بھاری ذمہ داری ہے
☆ والدین بچوں کو چندوں کی اہمیت سمجھائیں
☆ اگر ہماری موجودہ نسل سنبھل جائے تو مستقبل کی ہمیں کوئی فکر نہیں
☆ بلا وجہ ہمدردی بچوں کو خراب کر دیتی ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَا اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ O يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَO

(سورۃ التحریم:7-8)

یہ وہ آیات کریمہ ہیں جن کی تلاوت میں نے امریکہ کے آخری خطبہ میں بھی کی تھی اور ان آیات کے مضمون کے پیشِ نظر تمام ایسے متمول احمدیوں کو خصوصیت سے نصیحت کی تھی جو اپنے اموال سے اللہ کی نسبت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ان کے ہاتھوں سے ان کی اولادیں بھی نکلی چلی جارہی ہیں اور جو مال وہ جمع کرتے ہیں وہ ان کے کسی کام نہیں آئے گا۔ یہ ایک عمومی نصیحت تھی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہاں کی جماعت کے اکثر لوگ اس میں ان معنوں میں مبتلا ہیں کہ جماعت کے چندوں پر کوئی بداثر پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ جو محروم ہیں ان کی ادائیگیاں ان لوگوں کے مقابل پر جو اللہ کی راہ میں ویسا ہی مال خرچ کرتے ہیں جیسا کہ خدا ان کو عطا فرماتا ہے وہ اتنی زیادہ ہیں کہ اگر ان کی ساری قربانیوں کو ایک طرف پھینک دیا جائے تو ایک فی صد بھی امریکہ کی جماعت کی آمد میں فرق نہیں پڑتا تھا بلکہ یہ بھی مبالغہ ہوگا ایک فیصد کہنا بھی۔ اس لئے ہرگز کوئی مالی ضرورت کا احساس نہیں تھا جس کے پیشِ نظر میں نے یہ خطبہ دیا۔ یہ احساس تھا کہ وہ لوگ جو بدنصیب ہیں وہ بچائے جاسکتے ہیں تو ان کو بچالیا جائے۔

نئی نسلوں کو بچالو اور شروع ہی سے ان کی فکر کرو

اس ضمن میں ایک اور بات جو خاص طور پر قابلِ توجہ ہے جو امریکہ میں بیان نہیں کی مگر اب میں اس خطبے میں اسے بیان کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے کہ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا میں یہ بھی ہدایت ہے کہ اپنی

نئی نسلوں کو بچالو اور شروع ہی سے ان کی فکر کرو اور جوان میں سے کمانے والے ہیں ان پر لازم کر دو کہ وہ ضرور پہلے چندہ ادا کریں، باقی باتیں بعد میں دیکھیں۔ اگر یہ کرلیں تو بہت بڑی احمدی نسلیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہمیشہ کے لئے اس شر سے بچائی جاسکتی ہیں۔ امریکہ کے دورہ کے وقت بھی اور یہاں بھی ملاقات کے دوران میں نے محسوس کیا ہے کہ بہت سے احمدی بچے اور بچیاں جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے اچھے عہدوں پر نئے نئے فائز ہوئے ہیں یا فائز ہونے کی توقع رکھتے ہیں ان کے والدین کو ان کی فکر نہیں کہ اس وقت یہ اصل وقت ہے کہ ان کو سمجھایا جائے کہ تمہارا مال تم پر حرام ہے جب تک پہلے خدا کا حصہ نہ نکالو اور اس وقت ان کے لئے آسان ہے کیونکہ نوجوان نسلیں بوڑھی نسلوں کے مقابل پر نسبتاً اپنے مزاج میں نرمی رکھتی ہیں۔ یعنی ان کے اندر لوچ پائی جاتی ہے اور وہ مال کی محبت میں ابھی ایسا مبتلا نہیں ہوتیں۔

وہ لوگ جنہوں نے عمریں گزار دیں مال کی محبت میں ان میں سے بہت سے ایسے ہیں جن کی اصلاح کا وقت گزر چکا ہے وہ اللہ کے حوالے، جو چاہے ان سے سلوک فرمائے۔ لیکن نئی نسلوں کو سنبھالنا تو نسبتاً بہت آسان ہے اور بعض ان میں سے جو مجھے ملے جن کو میں نے خود یہ نصیحت کی، فوری طور پر انہوں نے اثبات میں سر ہلایا اور کہا کہ لازماً ہم ایسا ہی کریں گے۔ ایسی مائیں بھی مجھے ملیں جن کو میں نے توجہ دلائی تو انہوں نے کہا کہ ہمارے دل میں یہی تمنا اٹھ رہی ہے اور اب ہم اپنے بچے کو لازماً اس بات کا پابند کریں گی کہ اگر تم میرے بچے ہو، جیسا ماؤں کا محاورہ ہے، میرا دودھ بخشوانا چاہتے ہو، تو سب سے پہلے اللہ کا حصہ نکالو اور باقی چیزیں پھر جس طرح چاہو اللہ تعالیٰ تمہیں توفیق دے تم اس کے مطابق خرچ کرو اور بعض ماؤں نے کہا کہ ہم نے اپنے بچوں کو یہ کہنا ہے کہ جو کچھ تم کماؤ گے اگر اس میں سے خدا کا حصہ نہ نکالا تو میرا حصہ بھی نہ نکالنا، مجھ پر حرام ہے۔ جو تم کما کر خدا کے حصے میں سے بچاتے ہو وہ مجھ پر خرچ کرو، یہ نہیں ہوسکتا۔ یہ ناممکن ہے۔

اگر یہ نسل سنبھل جائے تو مستقبل کی ہمیں کوئی فکر باقی نہیں رہے گی

تو بہت سی خوشکن باتیں ایسی دیکھنے میں آئیں جن سے میں امید رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہماری نئی ابھرتی ہوئی نسل کو سنبھالا جاسکتا ہے اور اگر یہ نسل سنبھل جائے تو مستقبل کی ہمیں کوئی فکر باقی نہیں رہے گی۔ قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا ایک ان کے حق میں بہتا ہوا موجیں مارتا ہوا چشمہ ثابت ہوگا جس کا پانی اگلی صدیوں میں بڑے جوش وخروش کے ساتھ منتقل ہوتا چلا جائے گا اور بڑھتا چلا جائے گا۔ تو اس سے بہتر تحفہ ہم اگلی صدیوں کے لئے کیا پیش کر سکتے ہیں کہ ایسی نسلیں آگے بھجیں جو خدا کا حق نکالنے میں

سب سے پہلے ہوں، سب سے بالا ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ ان کو توفیق بخشے، اور جو لازماً بخشا کرتا ہے کہ وہ تمام دوسرے چندوں میں بھی بہت زیادہ آگے سے بڑھ کر ہوں۔ جس کا اپنا یہ حال ہو یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ وہ اپنی آئندہ نسلوں کو بھی اس بات کی تربیت نہ دیں۔ تو اس پہلو سے میں کہہ رہا ہوں کہ ایک موجیں مارتا ہوا دریا پھوٹ پڑے گا۔ قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا یہ کہتا ہوا اور اگلی صدیوں کو سیراب کرے گا۔

تو میں امید رکھتا ہوں کہ جو لوگ میں امریکہ میں پیچھے چھوڑ آیا ہوں اور وہ سب اب جو میرے مخاطب ہیں تمام دنیا کے احمدی نوجوان، وہ اس جھنڈے کو اپنے ہاتھ میں مضبوطی سے تھام لیں گے اور ان کو یہ سوچنا چاہیے کہ اس نیکی کا بہت لمبا اثر ہے۔ ایک نہ ختم ہونے والا فائدہ پہنچنے والا ہے اور آئندہ وقتوں میں جماعت کو اس کی بڑی شدید ضرورت پیش آنے والی ہے۔ آپ دیکھیں گے کہ اگلے دس پندرہ سال کے اندر حالات ایسے پیدا ہو جائیں گے کہ ان نوجوانوں کی قربانیاں ساری جماعتی ضرورتوں کو سنبھال لیں گی۔ پس میں امید رکھتا ہوں کہ یہ نصیحت آپ کے لئے کافی ہوگی............

اپنی فکر کریں، اپنے بچوں کی فکر کریں، اپنے میاں کی فکر کریں، اپنے عزیزوں کی فکر کریں، وہ آپ کا حق ہے۔ اور وہ بھی ضرورت سے زیادہ نہ کریں کیونکہ وہاں بھی اگر آپ نے ضرورت سے زیادہ فکر کیا تو اس کا نقصان پہنچے گا۔

بعض ماؤں نے اپنے بچوں کو اس وجہ سے نقصان پہنچایا ہے کہ ان کی ہمدردی کی وجہ سے ان کی بیماریوں کو بہت بڑھا چڑھا کر سمجھا اور اس بچے پر گویا یہ ظاہر کیا کہ تم اتنے بیمار ہو۔ جب مجھے علم ہوا اور میں نے سختی سے اس بات سے روکا تو آپ حیران ہوں گے کہ وہ بچے بالکل ٹھیک ٹھاک ہو گئے، بد اثر سے باہر نکل آئے۔ تو جو باتیں میں عرض کر رہا ہوں ذاتی تجربے کی بناء پر یقین کی وجہ سے عرض کر رہا ہوں۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 28 اگست تا 3 ستمبر 1998ء)

خطبہ جمعہ فرمودہ 14راگست 1998ء سے اقتباس

- ☆ سیدھی بات سچی بات سے زیادہ اعلیٰ درجے کی بات ہے
- ☆ سیدھی بات سے اصلاح اعمال کا بہت گہرا تعلق ہے
- ☆ قول سدید کا تجربہ گھروں سے شروع ہونا چاہیے۔تمام وہ اولادیں جو رفتہ رفتہ بگڑ کر دور چلی جاتی ہیں بچپن میں ان سے قول سدید سے کام نہیں لیا جاتا
- ☆ اپنے بچوں سے کھری بات کہو اور دیکھو کہ ان کے دلوں میں دن بدن عمر کے ساتھ ساتھ تمہاری عزت بڑھے گی
- ☆ بچوں سے وعدہ کرو تو اس میں وعدہ خلافی نہ کرو
- ☆ کبھی ساری عمر اپنے بچوں سے کوئی وعدہ نہ کریں جسے آپ پورا نہ کر سکتے ہوں
- ☆ فطرت میں دورنگی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ دورنگی ہے جو انسان کو برباد کر دیتی ہے
- ☆ جسم کی صفائی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات
- ☆ مسواک کی عادت
- ☆ ہم نے سارے آداب آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سیکھے ہیں

❦

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرماتے ہیں:-

یٰٓاَ یُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اتَّقُوْا اللّٰہَ وَ قُوْلُوْا قَوْلاً سَدِیْداً O یُّصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُمْ وَ یَغْفِرْلَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْماًO

(الاحزاب:۷۱-۷۲)

آج کے خطبے کے لئے میں نے قرآن کریم کی دو دو آیات مختلف سورتوں سے اخذ کی ہیں اور انہی کو اس خطبے کا عنوان بنایا ہے۔ یہ پہلی دو آیات جن کی میں نے تلاوت کی ہے سورۃ الاحزاب کی آیت اکہترویں اور بہترویں ہیں۔ دوسری دو آیات میں نے سورۃ البقرہ سے چنی ہیں پینتالیس اور چھیالیس جو اس طرح ہیں۔ **أَ تَـامُـرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ** کیا تم لوگوں کو تو نیکی کی تعلیم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ **وَ اَنْتُـمْ تَتْلُوْنَ الْکِتَابَ** حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو۔ **أفَلَا تَعْقِلُوْنَ** کیا تم عقل نہیں کرتے۔ **وَاسْتَعِیْـنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ** اور صبر اور صلوٰۃ کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرو۔ **وَ اِنَّھَـا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ** اور یہ بہت بڑی بات ہے مگر ان لوگوں کے لئے جو خاک بہ سر ہوں، جو مزاجاً مٹی سے ملے رہیں۔ یہ دو آیات ہیں جن کو میں ایک دوسرے خطبے کا موضوع بناؤں گا۔

سیدھی بات سچی بات سے زیادہ اعلیٰ درجے کی بات ہے

پہلی آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ اے لوگو جو ایمان لائے ہو، یہ آیات اکثر نکاح کے موقعوں پر تلاوت کی جاتی ہیں، اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور سیدھی بات کہو۔ سیدھی بات کے متعلق میں پہلے بھی کئی دفعہ عرض کر چکا ہوں کہ سیدھی بات سچی بات سے زیادہ اعلیٰ درجے کی بات ہے۔ سچی بات کہنے کے نتیجے میں بھی بعض دفعہ غلط فہمیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ سیدھی بات کرنے کا عادی پوری کوشش کرتا ہے کہ بات اس طرح کرے کہ سچی بھی ہو اور اس سے کوئی غلط فہمی بھی پیدا نہ ہو۔ جو اس کے دل کا منشاء ہے وہ پوری

طرح کھل کر ظاہر ہو جائے۔ یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُم کیونکہ سیدھی بات سے اصلاح اعمال کا بہت گہرا تعلق ہے۔ایک بات تم کرو، دوسری بات اللہ نے اپنے ذمہ لے لی ہے۔ یُصْلِحْ لَکُمْ اَعْمَالَکُم اگر سیدھی بات کو شیوہ بناؤ گے تو وہ ضرور تمہارے اعمال کی اصلاح فرمادے گا۔ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ اور تمہارے گناہ جو اس سے پہلے سرزد ہو گئے ان کو معاف فرمادے گا۔ وَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَ رَسُوْلَہٗ اور جو بھی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، پس اس نے بہت بڑی کامیابی حاصل کر لی۔ یعنی یہ سلسلہ آگے بڑھتا رہے گا، اطاعت رسول کی توفیق ملتی چلی جائے گی اور جوں جوں تم اطاعت کرو گے ساتھ ساتھ تم نیکی میں ترقی کرتے چلے جاؤ گے یہاں تک کہ اس کا کوئی منتہیٰ نہیں سوائے اس کہ کہ جب تمہیں موت آئے گی تو تم ایک کامیابی کی حالت میں مر رہے ہو گے، بہت بڑی کامیابی تمہیں نصیب ہو گی۔

ان آیات سے متعلق پہلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث پیش کرتا ہوں جو میرے نزدیک ان آیات سے گہرا تعلق رکھتی ہے۔ مسند احمد بن حنبل سے یہ حدیث لی گئی ہے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب میں ابھی بچہ ہی تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر پر تشریف لائے۔ میں کھیلنے کودنے کے لئے گھر سے باہر جانے لگا۔ میری والدہ نے کہا اے عبداللہ جلد گھر چلے آنا۔ میں تجھے کچھ دوں گی۔ اس لالچ میں کہ مجھے کچھ ملے گا ان کا خیال تھا کہ یہ کھیل کود میں دل لگانے کی بجائے دماغ گھر کی طرف رکھے گا اور جتنی جلدی اس کو توفیق ملے گی واپس آجائے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اسے کیا دینے کا ارادہ کیا ہے۔ انہوں نے جواب دیا کھجوریں دینا چاہتی ہوں۔ آپ نے فرمایا اگر تو نے ایسا نہ کیا تو یہ تیرا جھوٹ شمار ہو گا۔

(مسند احمد بن حنبل۔ جلد نمبر ۲۔ صفحہ ۴۴۷۔ مطبوعہ بیروت)

قول سدید کا تجربہ گھروں سے شروع ہونا چاہیے

پس قول سدید کا تجربہ گھروں سے شروع ہونا چاہیے۔ تمام وہ اولادیں جو رفتہ رفتہ بگڑ کر دور چلی جاتی ہیں بچپن میں ان سے قول سدید سے کام نہیں لیا جاتا۔ بارہا میں نے ماؤں کو توجہ دلائی ہے اور اب پھر میں دوبارہ متوجہ کرتا ہوں، باپ بھی مخاطب ہیں مگر بالعموم مائیں جن کا روزمرہ بچوں سے واسطہ ہوتا ہے اکثر وہ بچوں کو گلے سے اتارنے کے لئے کوئی جھوٹا وعدہ کر دیتی ہیں اور جب وہ پورا نہیں کرتیں تو یہ قول سدید کے خلاف ہے اور قول سدید کے نہ ہونے کے نتیجے میں اصلاح ہو ہی نہیں سکتی۔ جب اللہ تعالیٰ نے اصلاح کا

وعدہ قول سدید سے وابستہ فرما دیا ہے تو ظاہر ہے کہ قول سدید نہیں ہوگا تو اصلاح نہیں ہوگی۔ یہ دو باتیں قول سدید اور اصلاح لازم وملزوم ہیں۔ اگر ایک نہیں ہوتی تو دوسری بھی نہیں ہوگی اور یہ نکتہ اکثر لوگ اپنے بچوں کی تربیت میں بھلا دیتے ہیں۔ بچوں سے جو بات کہو صاف اور سیدھی کہو۔ اس کے نتیجے میں وہ ہمیشہ اول تو تمہاری زیادہ توقیر کریں گے کیونکہ جو شخص اپنے وعدے کا پکا ہو اور صاف کھری بات کہنے والا ہو ہمیشہ اس کے لئے دلوں میں عزت پیدا ہوتی ہے۔ یہ بھی ایک ایسا طبعی نتیجہ ہے جسے نظر انداز کیا ہی نہیں جا سکتا۔

حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ کھری بات کرنے والے تھے۔ اگر کھری بات کے نتیجے میں لوگ دور بھاگ رہے ہوتے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد تو کوئی بھی نہ رہتا۔ اصل میں آپؐ کا لوگوں کے اوپر رحمت اور شفقت کا سلوک ایک الگ مسئلہ ہے، اس نے بھی لوگوں کو کھینچے رکھا، مگر یہ بات لوگ نظر انداز نہ کریں کہ کھری بات کہنے سے بھی عزت بڑھتی ہے اور جو ہمیشہ کھری بات کہنے والا ہو آہستہ آہستہ اس کی نصیحت سے منافرت نہیں پیدا ہوتی بلکہ دن بدن اس کی عزت اور احترام کا جذبہ دل میں بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھری باتیں کہنے میں، ظاہر ہے، دنیا میں تمام پہلوں اور اگلوں سے سبقت لے گئے اور سب سے زیادہ آپؐ کی توقیر کی گئی۔ بہت گہری توقیر ہے جو صحابہ کے دل میں بھی تھی، بلکہ دشمن بھی آپؐ کی کھری بات کی قدر کرتا تھا۔ جو ابوجہل والا واقعہ آپؐ کے سامنے ہے اس میں بھی آپؐ نے جا کر، جبکہ وہ شدید مخالف تھا، کھری بات کہی اور اس کے دل میں اس کھری بات کا رعب پڑ گیا۔ جب بھی کوئی غیر آپؐ کی بات سنتا تھا جانتا تھا کہ سچی بات ہے اور اس کے نتیجے میں منافرت کی بجائے عزت بڑھا کرتی تھی۔

پس اپنے گھروں میں یہ تجربہ تو کر کے دیکھو۔ اپنے بچوں سے کھری بات کہو اور دیکھو کہ ان کے دلوں میں دن بدن عمر کے ساتھ ساتھ تمہاری عزت بڑھے گی اور اگر یہ نہیں کرو گے تو پھر اولاد ہاتھ سے جاتی رہے گی۔ آج تک میں نے نہیں دیکھا کہ کوئی اپنے بچوں سے دھوکے کی باتیں کرتا ہو اور بچے پھر ان کی کوئی عزت کرتے رہیں یا آزاد ہونے کے بعد دین اور دنیا سے ہر لحاظ سے ان کے اثر سے باہر نہ نکل گئے ہوں۔ جب ان کو توفیق ملتی ہے وہ بڑے ہو کر اپنے ماں باپ کے دائرہ اثر سے باہر نکل جاتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موضوع پر تین باتیں ایسی بیان کیں جو منافق کی نشانی ہیں۔ ان میں سے ایک وہی ہے جس کا ذکر کر رہا ہوں۔ فرمایا منافق وہ ہے جو جب کوئی وعدہ کرتا ہے تو وعدہ خلافی کرتا ہے۔ (صحیح بخاری۔ کتاب الشہادات)

پس سب سے پہلے تو بچوں سے وعدہ کرو تو اس میں وعدہ خلافی نہ کرو۔ جو بچوں سے وعدہ خلافی کرے گا وہ باہر بھی وعدہ خلافی کرے گا۔ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ بچے جو اپنے سب سے پیارے ہوں اور عزیز ہوں ان سے تو آدمی وعدہ خلافی کرتا رہے اور باہر کے وعدے پورے کرے، یہ ناممکن ہے، فطرت انسانی کے خلاف ہے۔ تو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منافق کی یہ علامتیں بیان فرمائی ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ہوش مند شخص جانتے بوجھتے ہوئے منافقت کی راہ اپنے لئے پسند کرے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موضوع پر جو کچھ فرمایا ہے میرا خیال ہے میں اس حصے کو پیچھے چھوڑ آیا ہوں لیکن اپنی یادداشت کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا عمل اس بارے میں بیان کر دیتا ہوں۔ بہت سے واقعات حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی میں ایسے گزرے ہیں کہ ایک شخص جو بیرونی نظر سے ان کو دیکھے وہ سمجھے گا کہ یہ اللہ کا کیسا نبی ہے جو اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں میں مبتلا رہا ہے۔ ایک دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جیب میں روڑے بھرے ہوئے تھے۔ اب ملاں اور بد بخت لوگ ہنسیں گے اور قہقہے لگائیں گے کہ یہ نبی بنا ہوا ہے، جیب میں روڑے ہیں۔ وہ اس لئے تھے کہ اپنے ایک بچے سے، جو روڑوں سے کھیلتا اور شور مچا رہا تھا، آپ نے کہا کہ یہ روڑے مجھے دے دو اور باہر جا کر کھیلو۔ جب واپس آؤ گے میں تمہیں دے دوں گا۔ وہ روڑے جیب میں ڈال لئے تا کہ ان میں سے کوئی بھی ضائع نہ ہو۔ جب وہ بچہ واپس آیا تو وہ روڑے اس کے سپرد کر دیئے۔ اب دیکھنے میں ایک بہت چھوٹی بات ہے مگر چھوٹی باتوں ہی سے عظیم باتیں پیدا ہوا کرتی ہیں۔ اگر کسی کو اتنا خیال ہے اپنے بچے سے سچا وعدہ کرنے کا کہ اس کے روڑے سنبھالتا پھرتا ہے تو اندازہ کریں کہ باہر کی دنیا میں اس کا کیا حال ہوگا۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سچائی کی بیشمار دلیلیں ہیں مگر یہ ایک دلیل بھی ہوش مند کے لئے کافی ہونی چاہیے۔ جو وعدوں کا اتنا سچا ہو وہ خدا تعالیٰ کی پیشگوئیاں بیان کرنے اور دنیا سے وعدے کرنے میں کتنا سچا نہیں ہوگا۔ پس اسی کو اپنا وطیرہ بنائیں اور اپنے بچوں کو خوامخواہ جھوٹے لارے نہ دیا کریں۔

اپنے گھر میں میں نے بچپن سے اللہ تعالیٰ کے فضل سے اس بات کی تاکید رکھی۔ ماؤں کی عادت ہوتی ہے میری بیگم مرحومہ بھی، بے خیالی میں لوگ سمجھتے نہیں کہ جھوٹ ہے، بے خیالی میں بچوں سے وعدے کر دیا کرتی تھیں کہ تمہیں یہ دے دوں گی، فلاں چیز دے دوں گی اور جب مجھے پتہ چلتا میں وہ ضرور حاصل کر لیا کرتا تھا۔ یہ بھی ایک سمجھانے کا طریقہ تھا۔ بجائے اس کہ کے ان کو کہوں کہ آپ نے جھوٹ بولا ہے، سختی

کرتا، ان کو سمجھانے کا یہ طریق تھا کہ وہ چیز حاصل کر کے مہیا کر دیتا تھا تا کہ جب بچے واپس آئیں تو ان کے لئے موجود ہو۔ تو تربیت کے مختلف رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ سچی بات کرنے میں ضروری نہیں کہ وہ کڑوی بات بھی ہو، سچی بات کہنے کے انداز الگ الگ ہیں۔

جب سچی بات کرنی ہی پڑے تو خواہ کسی کو کڑوی لگے وہ ضرور کرنی ہے۔ لیکن اگر آپ یہ پسند کرتے ہوں کہ اس بات کا کوئی ایسا تکلیف دہ اثر نہ پڑے تو یہ ممکن ہے۔ میں نے اپنی زندگی میں بارہا اس کو آزمایا ہے اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے کبھی ساری عمر اپنے بچوں سے کوئی وعدہ نہیں کیا جس کو میں پورا نہ کر سکا ہوں۔ اس کے نتیجے میں میں خوش ہوں۔ میرے بعد اللہ اسی حال پر ان کو قائم رکھے، یہ میری دعا ہے۔ آپ بھی اپنے بچوں کے لئے یہی دعا کیا کریں اور جب یہ دعا کریں گے تو اس عمل کے بعد ہونی چاہیے جو اس دعا کے مطابق ہو۔ ورنہ وہی منافقت والی بات آجائے گی۔ آپ کے لئے بھی بچوں کی خاطر دل میں ایسا درد ہونا چاہیے جو اللہ کے فضل کے ساتھ ہمیشہ میں نے محسوس کیا اور میں جانتا ہوں کہ اللہ اس درد کو کبھی ضائع نہیں کرتا، توقع سے بڑھ کر پھل لگاتا ہے۔ تو اپنے گھروں میں تجربہ تو کر کے دیکھیں کتنا آسان تجربہ ہے۔ بچوں سے پیار ہوا کرتا ہے۔ ان کے حق میں یہ باتیں کرنی ہیں، اس میں کونسی مشکل ہے۔ لیکن جو مشکل ہے وہ یہ کہ سر سے ٹالنے کی کوشش نہ کریں بچوں کو۔ جب بھی ٹالیں گے ہمیشہ کے لئے وہ ٹل جائیں گے۔ پھر آپ کو ان کی نیکی دیکھنا نصیب نہیں ہوگی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعات میں سے، جیسا کہ میں نے عرض کیا ہے، بہت بڑے واقعات ہیں اور حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی نے وہ واقعات بڑے بیان کئے ہوئے ہیں اور بھی بہت سے (رفقاء) نے واقعات بیان کئے ہوئے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ چھوٹا سا کوئی وعدہ کیا ہے اور پھر وہ بھولے نہیں۔ ایک دفعہ ایک (رفیق) جو غالباً حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹی ہی تھے، سوئے ہوئے تھے اور ان کی آنکھ کھلی تو دیکھا چارپائی کے نیچے فرش پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام لیٹے ہوئے ہیں۔ وہ گھبرا کر اٹھے کہ ہیں! آپ یہاں لیٹے ہوئے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا نہیں، گھبراؤ نہیں، میں تمہاری حفاظت کر رہا ہوں اپنے بچوں کے شور سے۔ بچوں کو میں نے باہر بھگا دیا تھا اور کہا تھا خبردار! جو ادھر آئے، میں یہاں ہوں گا۔ اس یقین پر کہ میں یہاں ہوں گا، وہ آپ کو تنگ نہیں کر رہے۔ آپ نے کہا اگر میری یہ بات غلط ہوتی، کوئی جھانک کے دیکھ لیتا کہ میں یہاں نہیں ہوں تو اس پر کیا بد اثر پڑتا۔ ایک تو آپ کی نیند خراب ہوتی، دوسرا اس کی تربیت بگڑ جاتی۔

اتنا باریک خیال تھا سچی، صاف اور کھری بات کرنے کا کہ آپ گردوپیش نظر ڈال کر دیکھ لیں آپ کو کوئی دوسرا انسان اس باریکی کے ساتھ اپنی باتوں کی حفاظت کرنے والا نہیں ملے گا۔ یہ وہ شخص ہے جس کو لوگ جھوٹا بھی کہتے ہیں، ان کی اپنی بدنصیبی ہے۔ وہ جب مریں گے تو اللہ ان سے جو سلوک چاہے فرمائے لیکن ایک باشعور انسان جو گہرائی کی نظر سے کسی کے سچ کا مطالعہ کرنا چاہتا ہے اسے بڑی باتوں کی بجائے روزمرہ کی چھوٹی باتوں میں اس کا مطالعہ کرنا چاہیے۔ بڑی باتوں میں جھوٹ بولا جاتا ہے۔ بڑے بڑے دعاوی میں بڑے جھوٹ بولے جاتے ہیں اور انسان سمجھتا ہے کہ میں ان جھوٹوں کے ساتھ دنیا میں عزت اور توقیر پا جاؤں گا۔ لیکن چھوٹے معاملات میں گھر میں ہر روز کی چھوٹی چھوٹی زندگی کی باتوں میں جھوٹ نہ بولنا بہت بڑی آزمائش ہے، بہت کڑی آزمائش ہے۔ اس آزمائش پہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑھ کر کبھی آپ کوئی آدمی نہیں دیکھیں گے جو اس طرح پورا اترا ہو اور آپ کو اپنے گھروں میں یہ دستور بنانا چاہیے۔ اندر کی آزمائش کو سنبھال لیں، باہر اللہ تعالیٰ آپ کے وجود کو صاف ستھرا اور پاکیزہ وجود کے طور پر دنیا کے سامنے ظاہر فرمائے گا۔ پھر آپ کے بڑے دعاوی بھی قبول کئے جائیں گے۔ لیکن فطرت میں دو رنگی نہیں ہونی چاہیے۔ یہ دورنگی ہے جو انسان کو برباد کر دیتی ہے۔............

مسواک کی عادت ڈالیں

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہم پر احسانات فرمائے ہیں ان کا تو شمار ممکن ہی نہیں ہے۔ روزمرہ کی زندگی میں چھوٹی چھوٹی نصیحت آپ نے پیچھے چھوڑ دی جس سے انسانی زندگی کی کایا پلٹ جاتی ہے۔ کئی لوگ دانتوں کی بیماریوں میں مبتلا رہتے ہیں۔ آج کل کے جدید ترین ڈاکٹر بھی ان کا کوئی مؤثر علاج نہیں کر سکتے۔ جو گل گئے دانت گل گئے۔ لیکن حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ عادت تھی اور اسی کی نصیحت فرماتے تھے کہ ہر نماز سے پہلے اچھی طرح مسواک کرو۔ اگر پانچ وقت کسی کو دانت صاف کرنے کی عادت ہو اور بچوں کو بھی جو آپ ضرور سکھاتے ہیں کہ یہ عادت ڈال دیں تو کیسے ممکن ہے کہ عمر کے کسی حصے میں بھی ان کے دانت خراب ہو جائیں۔

امر واقعہ یہ ہے کہ کوتاہیوں کے نتیجے میں انسان کی عادت نہ رہی ہو تو پھر جو وہ دانتوں پر برا اثر پڑ جاتا ہے یہ الگ مسئلہ ہے۔ بعض بیماریاں ایسی ہوتی ہیں جن کا مسواک کی عادت سے تعلق نہیں، وہ اندرونی

بیماریاں ہیں۔ حضرت اقدس محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیماریوں کا ذکر نہیں فرما رہے۔ آپؐ فرما رہے ہیں جو دانت تمہیں خدا نے دیئے ہیں جس حالت میں دیئے ہیں ان کی حفاظت تم پر فرض ہے۔ اگر اچھے دانتوں والا پانچ وقت کی اس عادت کو اپنا لے تو کبھی اس کے دانت خراب نہیں ہوں گے۔ چنانچہ میری ملاقاتوں پہ جو لوگ آتے ہیں ان میں بعض دفعہ نیا دولہا دلہن، بہت خوبصورت دانت، ہنستے ہیں تو موتیوں کی طرح دانت دکھائی دیتے ہیں۔ ان کو میں ضرور نصیحت کیا کرتا ہوں۔ میں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ایک نعمت عطا فرمائی ہے اور ایک اور نعمت بھی دی ہے۔ دنیا اس سے اعراض کرتی ہے لیکن آپ نے اعراض نہیں کرنا، وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ آپ اس نعمت کے سہارے اس ظاہری نعمت کی حفاظت کر سکتے ہیں۔ آپؐ نے فرمایا ہے کہ پانچ وقت مسواک کیا کرو۔ آج کل مسواک نہیں تو ٹوتھ پیسٹیں (Tooth Pastes) ہر قسم کی موجود ہیں۔ اگر پانچ وقت کرو تو ساری زندگی دانت صاف رہیں گے اور لوگوں کا یہ خیال ہے کہ عمر کے ساتھ دانت ضرور جھڑتے ہیں، یہ غلط ہے۔ عمر کے ساتھ اچھے دانت جن کی حفاظت کی جائے وہ مضبوط بھی رہتے ہیں۔ کیونکہ دانتوں کی مضبوطی کا تعلق مسوڑھوں کی مضبوطی سے ہے اور جب آپ ان کی پانچ وقت صفائی کریں تو وہ جراثیم مسوڑھوں کو نرم ہونے ہی نہیں دیتے، وہ ہمیشہ ٹھیک رہتے ہیں......۔

ایک معمولی، چھوٹی سی مثال میں نے آپ کے سامنے رکھی ہے۔ اس صحبت کے لئے آپؐ کے نعمت ہونے کا تصور ان روزمرہ کی نصیحتوں میں سے اخذ کریں جو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمائیں۔ جسم کو پاک صاف رکھنا، ہر قسم کی بدیوں سے دور بھاگنا، جسم کی صفائی، ان میں سے ہر نصیحت ایک بہت بڑی نعمت ہے اور وہ سارے بدن کی صحت کے لئے انتہائی ضروری بن جاتی ہے۔ یہاں تک نصیحت کہ کھانے سے کب ہاتھ کھینچنا ہے اور کن چیزوں میں تکلف نہیں کرنا۔ جو کھانا ہے وہ پاک ہو، حلال ہی نہ ہو پاک بھی ہو۔ جب بھی اس میں یہ شبہ ہو کہ وہ حلال تو ہے مگر پاک نہیں رہا، اس کو اٹھا کر پھینک دو یا دوبارہ اتنا گرم کر لو کہ یقین ہو جائے کہ وہ ناپاکی اس میں سے مر گئی ہے۔ یہ صرف چند چھوٹی چھوٹی باتیں ہیں جو میں آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں، ان کا حد و شمار ہی نہیں ہے۔

میں نے تو ہمیشہ ان چھوٹی چھوٹی باتوں سے حضرت اقدس محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا تصور باندھا اور غور کیا تو حیران رہ گیا کہ کلیۃً ساری زندگی کے لئے ہم غلامان مصطفیٰ آپؐ کے احسانات کے تلے اتنا دب چکے ہیں کہ کبھی سر اٹھانے کی جرأت بھی نہیں کر سکتے۔ جو صحابہ آپ کے سامنے آوازیں نیچی

رکھتے تھے، جو ادب سے دیکھتے تھے ان کے متعلق یاد رکھیں کہ صرف آوازیں ہی دھیمی نہیں رکھتے تھے، نظریں بھی نیچی رکھا کرتے تھے۔ اب میں خطبہ دیتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ اکثر لوگ محبت کی وجہ سے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کے دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت یہ طریق نہیں تھا۔ ان کو اس سے بہت زیادہ محبت تھی جو آپ کو مجھ سے ہے مگر اپنی آوازیں بھی دھیمی رکھتے تھے اور اپنی نظروں کو بھی نیچا رکھتے تھے یہاں تک کہ بعض صحابہ سے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد پوچھا گیا کہ آپؐ کی شکل کیسی تھی تو دھاڑیں مار مار کے رونے لگے، زاروقطار رونے لگے۔ اتنا حسین چہرہ تھا کہ میں چاہتا بھی تو نظر پڑ ہی نہیں سکتی تھی اور پھر محبت اور عشق کے تقاضے کے نتیجے میں مجھے جرأت بھی نہیں ہوتی تھی کہ میں گھور کے دیکھوں، غور سے دیکھوں۔ اب میں یاد کرتا ہوں اور جب مجھ سے کوئی پوچھتا ہے تو میں بتا نہیں سکتا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کی تفصیل کیا تھی۔

پس یہ سارے وہ آداب ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے سیکھے ہیں۔ اب ان پر غور کریں تو ہمیشہ ہمیش کے لئے آپ ان آداب کے احسان کے طور پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی توقیر کرتے چلے جائیں گے اور آپ کی عظمت کا تصور آپ کے دل میں بڑھتا چلا جائے گا، اپنے آپ کو ہمیشہ زیر بار سمجھیں گے اور یہ وہ صحبت ہے جس صحبت کا قرآن کریم نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ مزکی تمہارے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ اس مزکی نفس کی صحبت میں رہو۔ اگر یہ صحبت مل جائے تو وہ جو مسائل پہلے بیان کئے گئے ہیں یہ کرو، وہ کرو، وہ تو بالکل آسان اور ہر قسم کی مشکل سے آزاد ہو جائیں گے۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 2 تا 8 اکتوبر 1998ء)

مجلس خدام الاحمدیہ برطانیہ کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 27 ستمبر 1998 (خلاصہ)

☆ جتنا زیادہ آپ کا ضمیر جاگا ہوگا اتنا ہی زیادہ (دعوۃ الی اللہ) میں آپ کامیاب ہوں گے

☆ میں نئی انتظامیہ کو (دعوت الی اللہ) کی سرگرمیاں تیز کرنے کی نصیحت کرتا ہوں

☆ معصوم بچوں کی دنیا میں ایک روحانی انقلاب برپا کردیں

⚜

تلاوت قرآن کریم اور ترجمہ کے بعد حضور نے خدام کا عہد دہرایا جس کے بعد حضرت مصلح موعود کی نظم ''نونہالان جماعت مجھے کچھ کہنا ہے'' کے چند اشعار خوش الحانی سے پڑھے گئے۔ مکرم سید احمد یحییٰ صاحب صدر مجلس خدام الاحمدیہ کی رپورٹ کے بعد حضور انور نے انعامات تقسیم فرمائے اور پھر اختتامی خطاب میں حضور نے فرمایا کہ رپورٹ سے مجموعی تاثر یہ ہوتا ہے کہ اس سال کا اجتماع کئی لحاظ سے بہتر رہا۔ میں ایک لمبے عرصے سے یہ خواہش کرتا رہا ہوں کہ یو کے جماعت کے خدام بھی جرمنی کے خدام کی طرح زیادہ تعداد میں شامل ہوں کیونکہ میں ہجرت کے بعد ان کے درمیان ہوں۔ میرا یہ بھی خیال تھا کہ خدام الاحمدیہ (دعوۃ الی اللہ) میں زیادہ سرگرم ہونگے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ آپ یہاں آکر باتیں سنتے ہیں اور گھر جا کر بھول جاتے ہیں۔ **جتنا زیادہ آپ کا ضمیر جاگا ہوا ہوگا اتنا ہی زیادہ (دعوۃ الی اللہ) میں آپ کامیاب ہونگے۔** میں امید رکھتا ہوں کہ انشاء اللہ اگلے سال حاضری اس سے بہت زیادہ ہوگی۔ حضور نے فرمایا کہ **اپنی روحانی تخلیق کرو۔** مجھے ان باتوں کی اتنی فکر رہتی ہے اور اس عالم بے بسی میں خدا سے دعائیں کرتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ہماری مدد فرمائے۔ اگر خدام اپنی کوششوں میں ثابت قدمی کے ساتھ ڈٹے رہیں تو یو۔ کے کے خدام میں ایک نیا ماحول پیدا ہو جائے گا۔

حضور نے فرمایا کہ **میں نئی انتظامیہ کو (دعوۃ الی اللہ کی) سرگرمیاں تیز کرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔**

اردو کلاس کے بچوں نے اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا کیونکہ آپ نے ان کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا۔ ہماری یہ اردو کلاس بعض خصوصیات کی وجہ سے دنیا بھر میں ہر دلعزیز ہو چکی ہے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ یہ کسی موسیقی کی دھن کے بغیر گاتے ہیں اور دوسرے ان کے نغمات پاکیزگی اور روحانیت سے لبریز ہوتے ہیں۔ کیا ہی اچھا ہو اگر دنیا کے باقی ٹی وی بھی ہماری نقل کریں اور **معصوم بچوں کی دنیا میں ایک روحانی انقلاب برپا کردیں۔** غیر احمدی بچے بھی احمدی بچوں کے گائے ہوئے نغمات شوق سے سنتے ہیں خاص طور پر وہ جن میں خدا تعالیٰ کی تعریف کی گئی ہے۔ آخر میں حضور نے الوداعی دعا کروائی اور دعا کے ساتھ یہ اجتماع اپنے اختتام کو پہنچا۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 16 تا 22 اکتوبر 1998ء)

بدتمیز بچوں کی تربیت

ایک مجلس سوال و جواب کے دوران حضور انور سے کسی نے سوال کیا کہ

......جو بچے بہت زیادہ بدتمیز ہو جائیں ان کی تربیت کیسے کی جاسکتی ہے؟

حضور نے فرمایا بدتمیز ہونے سے پہلے کرنی چاہیے۔اس کے بعد کیسے تربیت کر سکتے ہیں۔مجلس اطفال الاحمدیہ،مجلس خدام الاحمدیہ جس حد تک ممکن ہو سکھا سکتی ہے سکھائے گی مگر گھروں میں بھی صحیح تربیت ہونی چاہیے۔

(الفضل انٹرنیشنل 6 تا 12 نومبر 1998ء)

مجلس خدام الاحمدیہ جرمنی کے سالانہ اجتماع سے اختتامی خطاب

فرمودہ 16 مئی 1999ء

☆ اِنۡفِرُوۡا خِفَافًا وَّثِقَالًا کی پر معارف تفسیر
☆ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جوش دعوت الی اللہ
☆ دنیا میں تین قسم کے آدمی
☆ دعوت الی اللہ میں کامیابی کا گر
☆ ذاتی مثال
☆ سفر کرنے والوں کے لئے قیمتی نصائح

❦

تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضورؒ نے فرمایا:۔

اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالاً وَجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ ذَالِکُمْ خَیْرٌلَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ۔ (توبہ آیت:41)

اس کا سادہ ترجمہ یہ ہے نکل کھڑے ہو ہلکے بھی اور بھاری بھی اور اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہی تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو۔

یہاں لفظ ہلکے اور بھاری پر غور ہونا چاہیے کہ اس کا کیا مطلب ہے یا کیا مطالب ہیں چنانچہ اس پہلو سے حضرت امام راغب کی ایک تحریر میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں اس میں تقریباً اس لفظ ہلکے اور بھاری کے تمام مختلف معانی اکٹھے کر دیے گئے ہیں، جو عربی لغت کے لحاظ سے سارے درست قرار پاتے ہیں اور اس کی وجہ سے آپ کو اس مضمون کی تفصیل کو سمجھنے میں آسانی پیدا ہو جائے گی فرماتے ہیں:۔

انفروا خفافاً وثقالاً کے بارہ میں کہا گیا ہے کہ اس سے مراد جوان اور بوڑھے ہیں یعنی یہ خطاب جوانوں سے بھی ہے اور بوڑھوں سے بھی ہے اور اس سے مراد غرباء اور امراء ہیں یعنی غریبوں سے بھی خطاب ہے اور امراء سے بھی خطاب ہے جوان کے لئے چلنا پھرنا آسان اور ہلکا ہوتا ہے۔ بوڑھے کے لئے بھاری ہوتا ہے۔

پس یہ بہت ہی لطیف معنی ہے جو اس آیت کا حضرت امام راغب نے اخذ فرمایا کہ خواہ تمہیں جہاد پر نکلنا آسان ہو تم ہلکے پھلکے محسوس کرو یا عمر کے تقاضے کے پیش نظر چلنا دوبھر ہو اور بوجھل محسوس کرو پھر بھی خدا کی راہ میں جہاد کے لئے نکلو اور پھر غریب کے لئے سفر مشکل ہوتا ہے اور امیر کے لئے آسان ہوتا ہے کیونکہ غریب کو سواری نہیں ملتی اور کئی قسم کی دقتیں اس کی راہ کے لئے روک بن جاتی ہیں پس وہ ہلکا نہیں چل سکتا اگرچہ بظاہر اس پر کوئی اور بوجھ نہیں ہوتا مگر اس کا جہاد میں نکلنا مشکل ہوتا ہے۔ اور امیر کو سو قسم کی سہولتیں میسر ہوتی ہیں تو پھر حضرت امام راغب یہی فرما رہے ہیں اس سے مراد غرباء اور امراء ہیں اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ

اس سے مراد مسافر اور مقیم ہیں یعنی خدا کی راہ میں نکلنے کا حکم مسافر کے لئے تو اس لحاظ سے ایک زائد حکم بنتا ہے وہ پہلے ہی سفر میں ہے مگر مراد یہ ہے کہ سفر خواہ کسی نوعیت کا بھی ہو ہر سفر کو خدا کی راہ کا سفر بنالو اور اسی طرح مقیم اگرچہ سفر پر نہیں ہوتا اس کے متعلق یہ نہیں سوچا جا سکتا کہ خدا کی راہ میں نکلا ہے مگر مقیم رہتے ہوئے بھی وہ کئی طریقے سے خدا کی راہ میں (دعوت الی اللہ کے) سفر کر سکتا ہے پس فرماتے ہیں کہ مراد مسافر بھی ہے اور مقیم بھی پھر یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مستعد اور سست ہے۔

مستعد جس کو جس طرف بلایا جائے جس کام پر بلایا جائے وہ تیزی سے لپکتا ہے اور سست جو بوجھل محسوس کرتا ہے اپنے آپ کو۔ خفافاً وثقالاً کا مطلب ہے کہ وہ جو ہر آواز پر بڑی تیزی سے لبیک کہتے ہیں اور آواز کی طرف لپکتے ہیں وہ گویا خفافاً ہو گئے اور وہ جو آواز پہ بلانے پر آتے تو ہیں مگر بوجھل قدموں کے ساتھ وہ ثقالاً کے تابع شمار ہوں گے یہ سب لوگ اس آیت کے عموم میں داخل ہیں اور اس آیت کا یقینی طور پر مقصد یہ ہے کہ ہر حال میں خواہ وہ مشکل ہو یا آسان لوگوں کو جہاد کے لئے نکلنے کی ترغیب دلائی جارہی ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرت امام راغب جس زمانہ کی بات کر رہے ہیں عموماً اس زمانہ میں تلوار کا جہاد ہوا کرتا تھا۔ ہتھیاروں سے جہاد ہوا کرتا تھا مگر اسی آیت کا اطلاق اس زمانہ میں جبکہ جہاد کی نوعیت بدل گئی ہے۔ قلم کا جہاد ہے اور تقریر کا جہاد ہے اور حکمت کے ساتھ پیغام کو دوسروں تک پہنچانے کا جہاد ہے۔ اس پہلو سے اس کے کیا معنے ہوں گے حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے انفروا خفافًا و ثقالاً کی بحث میں فرمایا:-

اِنفروا سے مراد دینی کام میں چلو خواہ کسی قسم کا دینی کام ہو تربیت کا ہو یا (دعوت الی اللہ) کا ہو نوعیت دینی ہو تو اس وقت کہا جائے گا کہ انفرو نکل کھڑے ہو۔

پھر فرماتے ہیں خفافاً میرے ذوق کے مطابق اس کے یہ معنے بھی ہیں کہ مباحثہ میں کتابوں کے انبار لے جانے کی ضرورت نہیں حسبنا کتاب اللہ۔ اس میں ایک بہت گہرا نکتہ ہمارے لئے بیان فرمایا گیا ہے جو آج کل (دعوت الی اللہ) کے میدان میں کام آ سکتا ہے۔ بہت عمدگی سے کام میں آ سکتا ہے۔ کبھی جاؤ تو کتابوں کے انبار لے جانے کی ضرورت نہیں۔

خفافاً میں یہ مراد ہے کہ ہلکے پھلکے بھی سفر اختیار کرو اور اگر یہ کہا جائے کہ بوجھل کا بھی ذکر ہے تو پھر جہاں ضرورت پڑتی ہے وہاں کتابوں کے انبار بھی اٹھانے پڑتے ہیں چنانچہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ میں (دعوت الی اللہ) دونوں طرح سے ہوتی تھی بعض دفعہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بہت سی کتابوں کی ضرورت پڑتی تھی اور اکٹھی کروائی جاتی تھیں تو وہ ثقالاً ہو گیا اور بسا اوقات صرف قرآن

کریم سے ہی استنباط کرتے تھے اور وہ خفا فاً ہو گیا یعنی ہلکے پھلکے صرف کتاب اللہ کافی ہے۔

چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل نے یہی نتیجہ نکالا کہ ان کو گویا عملاً وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ حسبنا کتاب اللہ۔ ہمارے لئے کتاب اللہ ہی ہر قسم کے جہاد کے لئے کافی ہے۔

اب اسی تعلق میں مَیں کچھ حدیثیں آپ کے سامنے رکھتا ہوں حضرت سہل بن سعد سے مسلم کتاب الفضائل اور بخاری میں کتاب الجہاد میں یہ روایت درج ہے۔ حضرت سہیل بن سعدؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: خدا کی قسم تیرے ذریعے ایک آدمی کا ہدایت پا جانا اعلیٰ درجہ کے سرخ اونٹوں کے مل جانے سے زیادہ بہتر ہے۔

پس یہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت آج بھی اسی طرح ہے جس طرح پہلے تھی کہ ہر وہ شخص جس کے ذریعے خدا تعالیٰ ایک آدمی کو ہدایت عطا فرماتا ہے اس کے ذریعہ گویا اس زمانہ میں سرخ اونٹوں کی نعمتملنا ہے۔ اس زمانے میں سرخ اونٹوں کی بہت قیمت ہوا کرتی تھی۔

تو آج تو یوں کہنا چاہیے کہ اس زمانہ میں خواہ دولت کے انبار لگے ہوئے ہوں اُس کے ان انباروں کے مالک ہونے سے بھی یہ خوشی نہیں ہونی چاہیے جتنی ایک آدمی کو ہدایت پہنچانے کے نتیجہ میں پہنچنی چاہیے۔ ایک روایت ابوداؤد اور بعض اسناد سے ابوداؤد سے مروی ہے اور جن اسناد سے مروی ہے وہ صحیح اسناد شمار کی جاتی ہیں حضرت ابو اسامہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

جو جہاد نہیں کرتا یا کسی غازی کو جہاد کے لئے تیار نہیں کرتا خود بھی جہاد نہیں کرتا اور کسی دوسرے کو بھی تیار نہیں کرتا یا کسی غازی کے اہل وعیال میں نیکی کے ساتھ جانشینی نہیں کرتا، اللہ اسے یوم قیامت سے پہلے کسی نہ کسی مصیبت میں مبتلا کرے گا یہاں جو قرآن کریم کی آیت ہے اس کے ساتھ اس کا براہ راست تعلق ہے غازی کی مدد اموال سے کی جاتی ہے پس اموال کی قربانی کرو گے خدا کی رضا کی خاطر تو بہت سے غازی تیار ہوں گے اگر تمہیں خود نکلنے کا موقع نہ بھی مل سکتا ہو تو یہ غازی کی مدد ہو جائے گی اور غازی کے اہل وعیال میں نیکی کے ساتھ جانشینی نہیں کرتا یہاں مفہوم جو مضمر ہے وہ یہ ہے کہ وہ غازی جو شہید ہو جاتے ہیں راہ خدا میں ان کے اہل وعیال کے ساتھ نیکی کا سلوک کرنا بھی انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ وہ خدا کی راہ میں مصیبت اٹھانے والے لوگ ہیں پس اگر وہ خدا کی راہ میں مصیبت اٹھانے والوں کی مدد نہیں کرتا تو قیامت سے پہلے اللہ اس کو بھی کسی نہ کسی مشکل میں ضرور مبتلا کرے گا۔

اب ایک حدیث حضرت انسؓ سے مروی ہے آنحضرتؐ نے فرمایا۔

مشرکوں کے ساتھ اپنے اموال اور نفوس اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو یہاں بات بالکل کھل گئی ہے۔ یہاں تلوار کا جہاد مراد نہیں ہے خصوصیت کے ساتھ۔ پہلے اس آیت سے ذہن میں آ سکتا تھا کہ تلوار کا جہاد مراد ہے مگر آنحضرت صلعم نے یہ بات خوب کھول دی ہے کہ اپنے اموال اور نفوس کے ساتھ اور آیت کریمہ میں بھی پہلے اموال کا ذکر ہے پھر نفوس کا اور زبانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ خدا تعالیٰ نے تمہیں جس رنگ میں بھی پیغام حق پہنچانے کی توفیق پہنچائی ہے۔ پیغام حق پہنچاؤ۔ تو تم جہاد فرض پورا کر رہے ہو گے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا جوش دعوت الی اللہ

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا ایک قول ملفوظات جلد ۳ صفحہ ۲۹۱ اور صفحہ ۲۹۲ پر درج ہے۔ جو بہت ہی پیارا ہے اور اس سے سخت دلوں میں کھلبلی مچ جانی چاہیے۔ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کے دل کا یہ حال تھا تو ہم غلاموں کا کیا حال ہوگا۔ فرماتے ہیں ہمارے اختیار میں ہوتو ہم فقیروں کی طرح گھر بہ گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں۔ کیونکہ آپ کو غیر معمولی ذمہ داریاں تھیں آپ کو مرکز میں رہ کر ان فرائض منصبی کو ادا کرنا تھا اس لئے یہ خواہش دل کی دل میں ہی رہی۔ مگر میں سمجھتا ہوں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی یہ خواہش رائیگاں نہیں گئی بلکہ مقبول ہوئی اور آج اس زمانے میں میرے خلافت کے دور میں جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی جوتیوں کے طفیل ہے۔ آپ کی خواہش من وعن پوری ہوتی دکھائی دے رہی ہے کیونکہ جیسا کہ آپ تشریح فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں گھر گھر پھر کر خدا تعالیٰ کے سچے دین کی اشاعت کریں۔ اور اس ہلاک کرنے والے شرک وکفر سے جو دنیا میں پھیلا ہوا ہے۔ لوگوں کو بچالیں۔ اب یہ فقرہ بطور خاص معنی خیز ہے اگر خدا تعالیٰ ہمیں انگریزی زبان سکھا دے تو ہم خود پھر کر اور دورہ کر کے (دعوت الی اللہ) کریں۔ اور اس (دعوت الی اللہ) میں زندگی ختم کر دیں۔ اب دیکھیں بعینہ یہ اس دور میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خواہش پوری ہو رہی ہے۔ مجھے جو اللہ تعالیٰ نے جنون عطا کیا ہے پھرنے کا۔ جگہ جگہ پہنچنے کا مختلف جماعتوں تک پہنچنے کا مختلف جماعتوں کے ذریعے مختلف مواقع پر (دعوت الی اللہ) کے انتظامات کی وجہ سے وہاں جا کر اپنی زبان میں پیغام پہنچانے کا۔ یہ دراصل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعا ہی ہے جو مقبول ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ اور یہ فقرہ بے معنی نہیں کہ انگریزی سکھا دے اور اچانک انگریزی کا کیسے خیال آ گیا۔ دراصل مجھے انگریزی بہت نہیں آتی مگر جتنی بھی آتی ہے اللہ ہی نے سکھائی ہے۔ کیونکہ میرا بچپن تعلیمی لحاظ سے نہایت ہی نکما تھا اور انگریزی میں بات کرنے کا سلیقہ سیکھنے

کا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا تو جتنا بھی سکھایا ہے اور جو بھی سکھایا ہے ۔ یہ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس دعا کی مقبولیت کا ایک نشان ہے۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے الفاظ میں (دعوت الی اللہ) کرنے کے گُر سیکھیں۔ کیونکہ نکلنا تو آپ نے ہے۔خواہ ہلکے ہوں خواہ بھاری ہوں۔امیر ہوں یا غریب ہوں یہ تو خدا نے آپ پر فریضہ عائد کر دیا ہے۔اب تو اس سے گریز کا چارہ ہی کوئی نہیں۔اس لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے گر تو سیکھیں کہ کس رنگ میں بہترین (دعوت الی اللہ) کر سکتے ہیں۔

دنیا میں تین قسم کے آدمی ہیں

آپ فرماتے ہیں کہ دنیا میں تین قسم کے آدمی ہوتے ہیں۔عوام۔متوسط درجہ کے، یہ درمیانی طبقہ ہے۔اورامراء۔عوام عموماً کم فہم ہوتے ہیں۔ان کی سمجھ موٹی ہوتی ہے۔اس لئے ان کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ عوام کیونکہ علم نہیں رکھتے اس لئے اپنے ملانوں پر انحصار کرتے ہیں اوراس وجہ سے ان کے لئے راہ حق کو پانا بہت مشکل ہوجاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں ہمیں تو پتہ کچھ نہیں۔خدا جانے یہ ٹھیک بات کہہ رہا ہے یا غلط بات کہہ رہا ہے۔اپنے علماء سے اپنے کھوجوں سے پوچھو۔اور جب ان کے پاس جاتے ہیں تو ان کو گمراہ کر دیتے ہیں۔اس لئے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کا یہ تجربہ بالکل درست ہے کہ اگر چہ عوام سادہ لوح ہوتے ہیں لیکن باوجود اس کے بات اس لئے نہیں سمجھتے کہ اپنے پر اعتماد نہیں ہے۔دوسرے متوسط درجے کے لوگ ہیں۔ یہ وہ طبقہ ہے جس کو مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ تمہیں خصوصیت سے (دعوت الی اللہ) کا نشانہ بنانا چاہیے۔تیسرے امراء ہیں۔آپ فرماتے ہیں عوام عموماً کم فہم ہوتے ہیں۔ ان کی سمجھ موٹی ہوتی ہے۔اس لئے ان کو سمجھانا بہت ہی مشکل ہوتا ہے۔امراء کے لئے سمجھانا بھی مشکل ہوتا ہے کیونکہ وہ نازک مزاج ہوتے ہیں اور جلد گھبرا جاتے ہیں۔اوران کا تکبر اور تعلّی اور بھی سدِ راہ ہوتی ہیں یعنی راہ کی روک بن جاتے ہیں۔اس لئے ان کے ساتھ گفتگو کرنے والے کو چاہیے کہ وہ ان کی طرز کے موافق ان سے کلام کرے یعنی مختصر مگر پورے مقصد کو ادا کرنے والی تقریر ہو تھوڑی سی بات کریں اوران کے پاس زیادہ وقت نہیں بات سننے کا۔اوران کا ذاتی تکبر اور انا اُن کے رستے میں حائل ہوجاتی ہے۔فرماتے ہیں وہ بات کچھ سمجھ سکتے ہیں پھر فرماتے ہیں بہت ہی صاف اور عام فہم ہونی چاہیے۔رہے اوسط درجہ کے لوگ زیادہ تر یہ گروہ اس قابل ہوتا ہے کہ اُن کو (دعوت الی اللہ) کی جائے، یہ متوسط درجے کے لوگ نہ بہت

نیچے طبقے اور نہ بہت اونچے طبقے کے۔ وہ بات کو سمجھ سکتے ہیں اور ان کے مزاج میں وہ تعلّی اور تکبر اور نزاکت بھی نہیں ہوتی جو امراء کے مزاج میں ہوتی ہے اس لئے ان کو سمجھانا بہت مشکل نہیں ہوتا۔ ہمارا تجربہ ہے ہر جگہ یہی تجربہ ہے خصوصاً یورپ میں تو خصوصیت کے ساتھ انگلستان میں میں نے دیکھا ہے کہ زیادہ تر بات وہی سمجھتے ہیں جو متوسط درجے کے ہیں۔ بہت اونچوں کو دلچسپی کوئی نہیں دین میں بہت نیچوں کو مادہ پرستی نے گھیرا ہوا ہے۔ اور اگر دین سے رغبت ہے بھی تو اپنے پادریوں کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ لیکن متوسط طبقہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے عموماً ہماری (دعوت الی اللہ) کی پہنچ میں ہوتا ہے۔ اور یہی حال جرمنی کا بھی ہوگا اور یقیناً یہی ہوگا تو آپ لوگ بھی اس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی نصیحت کو حرزِ جان بنائیں پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ اصل مقصود کے پانے کے لئے خدا تعالیٰ نے مجاہدہ ٹھہرایا ہے یعنی اپنا مال خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعے سے اور اپنی طاقتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعے سے اور اپنی جان کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعے سے اور اپنی عقل کو خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے ذریعے سے اس کو ڈھونڈا جائے۔ اب دیکھیں کتنا پیارا مقصد ہے (دعوت الی اللہ) کا جو بالکل کھول کر ہمارے سامنے رکھ دیا (دعوت الی اللہ) کا مقصد لوگوں کو پانا نہیں خدا کو پانا ہے اگر اس مقصد سے (دعوت الی اللہ) کریں گے تو اللہ تعالیٰ بہت کامیاب کرے گا۔ یعنی دنیا مل جائے گی یعنی دنیا کے مددگار بھی آپ کو مل جائیں گے۔ اور خدا بھی آپ سے راضی ہو جائے گا۔ مگر پیش نظر یہی رہنا چاہیے کہ اللہ کو ڈھونڈنے کی خاطر ہم (دعوت الی اللہ) کرتے ہیں۔ بظاہر نیک بندوں کو ڈھونڈ رہے ہیں مگر اصل مقصد یہ ہے کہ ان کی وساطت سے اللہ مل جائے فرمایا اس کو ڈھونڈا جائے جیسا کہ وہ فرماتا ہے (جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ) یعنی اپنے مالوں اور اپنی جانوں اور اپنے نفسوں کو مع ان کی تمام طاقتوں کے خدا کی راہ میں خرچ کرو۔ اب حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس مضمون کو مزید واضح اور آسان کرتے چلے جاتے ہیں کہ (دعوت الی اللہ) کیسے ہونی چاہیے اور کیا کیا ضرورتیں ہیں جو اس راہ میں پیش آئیں گی۔ فرماتے ہیں (دعوت الی اللہ) سلسلہ کے واسطے ایسے آدمی کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ تو واقفین کا مضمون بھی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے زمانہ سے ہی آغاز پاتا ہے۔ یہ کوئی بعد کی تحریک نہیں۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گویا سب سے پہلے وقف کی تحریک فرمائی۔ ایسے لائق آدمی مل جائیں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ پرانے زمانے میں حضرت رسول اللہ صلعم کو اس قسم کے وقف کی ضرورت نہیں تھی جیسے اب رائج ہے۔ کیونکہ سارے صحابہ ہی اپنے آپ

کو وقف سمجھتے تھے۔کوئی ان میں سے کسی مال کا کسی خدمت کا محتاج نہیں تھا۔ ہر ایک سمجھتا تھا کہ محمد رسول اللہ کا فریضہ میرا فریضہ ہے۔(صلی اللہ علیہ وسلم) حضرت مسیح موعود علیہ السلام اُس دور سے اس دور کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں آنحضرتؐ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم بھی اشاعت (دین حق) کے واسطے دور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے۔ یہ جو چین کے ملک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہ رضوان اللہ علیہم میں سے کوئی شخص پہنچا ہوگا اگر اسی طرح بیس یا تیس آدمی متفرق مقامات میں چلے جاویں تو بہت جلدی (دعوت الی اللہ) ہوسکتی ہے۔مگر جب تک ایسی آدمی ہمارے منشاء کے مطابق اور قناعت شعار نہ ہوں تب تک ہم ان کو پورے اختیارات بھی نہیں دے سکتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ایسے قانع اور جفاکش تھے کہ بعض اوقات صرف درختوں کے پتوں پر ہی گزارا کر لیتے تھے حضرت مسیح موعودؑ کی یہ خواہش بھی اللہ تعالیٰ نے پوری فرمادی آپ کے زمانے میں بکثرت ایسے واقفین پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے واقعتاً درختوں کے پتوں اور جڑی بوٹیوں پر گزارے کئے ہیں اور اللہ کی راہ میں ہر آنے والی مشکل کو بغیر شکایت کے قبول کیا بلکہ اپنے اوپر احسان سمجھتے ہوئے قبول کیا۔حضرت مسیح موعودؑ اب ایک ایسا مضمون بیان کررہے ہیں جس کا خصوصیت سے اس زمانہ میں اطلاق ہورہا ہے کہ آخری جنگ جو (دین حق) اور کفر کے درمیان لڑی جانی ہے اس کی نوعیت کو سمجھیں یہ جنگ دراصل ایک طرف حضرت مسیح ہیں جو حضرت محمد رسول اللہ کی نمائندگی میں ہیں ان کی لڑائی مسیحی کہلانے والوں سے ہے جنہوں نے دین مسیح کو برباد کیا ہے۔پس جب ہم کہتے ہیں کہ عیسائیت سے جنگ ہے تو ہرگز یہ مراد نہیں کہ نعوذ باللہ من ذالک ہم عیسائیت کے مخالف ہیں ہم حضرت مسیح کی عیسائیت کے سچے پیروکار اور اس عیسائیت کو دنیا پر غالب کرنے کے لئے کوشاں ہیں لیکن اس عیسائیت کے خلاف ہیں جو بعد کے گمراہ لوگوں نے ایجاد کرلی اور حضرت مسیح کی طرف منسوب کردی۔پس اس بات کو اس طرح کھول کر عیسائی ملکوں میں بیان کرنا چاہیے تا کہ آپ کی بات سن کر کسی کے دل میں بے وجہ ناجائز ردّعمل نہ پیدا ہو۔لوگ یہ نہ سمجھیں کہ یہ تو آکر ہمیں مفتوح کرنے آرہے ہیں ہمارے دین کو بدلنے آرہے ہیں ہم ہرگز کسی کے دین کو بدلنے نہیں آرہے ہم ان کے دینوں کو ان کے اصل پر بحال کرنے آئے ہیں پس ہم تو ان کے مُعین ہیں ہم تو ان کی خدمت کے لئے سفر کرتے ہیں۔اوران کی خدمت کے لئے ہی (دعوت الی اللہ) کا جال بچھا رکھا ہے۔پس اس مضمون کو سمجھتے ہوئے اب دیکھیں حضرت مسیح موعودؑ کا یہ اقتباس آپ کو آسانی سے سمجھ آجائے گا۔

اب یہ زمانہ کسر صلیب کا ہے تقریر کے مقابلہ پر تلوار سے کام لینا بالکل نادانی ہے خدا تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ جس طرح اور جن آلات سے کفار لوگ تم پر حملہ کرتے ہیں انہیں طریقوں اور آلات سے تم ان لوگوں کا مقابلہ کرو۔ اب ظاہر ہے کہ ان لوگوں کے حملے (دین حق) پہ تلوار سے نہیں ہیں بلکہ قلم سے ہیں لہذا ضرور ہے کہ ان کا جواب قلم سے دیا جاوے اگر تلوار سے دیا جاوے گا تو یہ اعتدا ہوگا۔ یہ زیادتی ہوگی یہ ظلم ہوگا جس سے خدا تعالیٰ کی صریح ممانعت قرآن شریف میں موجود ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ (البقرہ:191)

یعنی اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والے کو زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا پھر اگر عیسائیوں کو قتل بھی کر دیا جاوے اب یہ دیکھیں کتنا اہم نکتہ ہے جہاں بعض ظالم (دین حق) کا نام لے کر عیسائیوں کے قتل کا اجازت نامہ دیتے ہیں یعنی ملاں ملان کے لوگ۔ ان پر حضرت مسیح موعودؑ کی تحریر ایک حرف آخر ہے جو ان کو خدا کی راہ میں مجرم قرار دینے کے لئے بہت کافی ہے فرماتے ہیں۔

پھر اگر عیسائیوں کو قتل بھی کر دیا جائے تو اس سے وہ وساوس ہرگز دور نہ ہوں گے جو کہ دلوں میں بیٹھے ہوئے ہیں قتل کرنے سے دل کے وساوس کیسے نکل جائیں گے بلکہ جب دین کے نام پر قتل کیا جائے تو بکثرت لوگوں کے دلوں میں وساوس پیدا ہوں گے اور اس کے نتیجہ میں ان کا غلط دین زیادہ پھیلے گا اور دلوں میں انتقامی کارروائی پیدا ہوگی اور سمجھیں گے کہ محمد رسول اللہؐ کا دین زیادہ تر تلوار ہی کے زور سے پھیلا تھا چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں بلکہ وہ اور بھی پختہ ہو جائیں گے اور کہیں گے واقع میں اہل (دین حق) کے پاس اپنے مذہب کی حقانیت کی دلیل کوئی نہیں لیکن اگر شیریں کلامی اور نرمی سے ان کے وساوس کو دور کیا جاوے تو امید ہے کہ وہ سمجھ جائیں گے۔ اور ہم نے دیکھا ہے کہ بعض عیسائی لوگ یہاں آتے ہیں ان کو جب نرمی سے سمجھایا جاتا ہے تو اکثر سمجھ جاتے ہیں اور تبدیل مذہب کر لیتے ہیں جیسے کہ ماسٹر عبدالحق صاحب (نومبائع)۔

پس ہماری رائے تو یہ ہے کہ جہاں تک ہو سکے کمر بستہ ہو کر دین کی خدمت میں مصروف ہوں کیونکہ یہ وقت اسی کام کے لئے ہے اگر اب کوئی نہیں کرتا تو اور کب کرے گا؟ ضروری ہے کہ ہر طبقہ کے انسانوں کو مناسب حال دعوت کرنے کا طریق سیکھے یعنی ہر قسم کے طبقے کو کیسے دعوت پہنچانی چاہیے یہ طریقہ سیکھیں بعض کو باتوں کا ایسا ڈھنگ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے کہہ دیتے ہیں اور اس سے ناراضگی بھی پیدا نہیں ہوتی یہ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک دین ہے اس کا ایک احسان ہے۔

دعوت الی اللہ میں کامیابی کا گر

میں نے پہلے بھی بارہا ذکر کیا ہے کہ ہمارے وقف جدید میں ایسے معلم میسر تھے جن کی ظاہری علمی قابلیت کچھ بھی نہیں تھی مگر بات کا انداز اتنا پیارا تھا کہ وہ دل سے نکلتی تھی اور دلوں میں کھب جاتی تھی اور جہاں تک (دعوت الی اللہ کی) کوششوں کا تعلق ہے بعض بڑے بڑے عالم معلموں سے ان کی (دعوت الی اللہ کی) کارروائی بہت زیادہ ہو جایا کرتی تھی۔ یعنی (دعوت الی اللہ کی) کارروائی کو بہت زیادہ پھل لگتے تھے پس یہ وہی نکتہ ہے جو حضرت مسیح موعودؑ بیان فرما رہے ہیں بعض کو باتوں کا ایسا ڈھنگ ہوتا ہے کہ جو کچھ کہنا ہوتا ہے وہ کہہ لیتے ہیں اور اس سے ناراضگی بھی پیدا نہیں ہوتی بعض ظاہر میں خبیث معلوم ہوتے ہیں جن سے ناامیدی ہوتی ہے مگر وہ قبول کر لیتے ہیں۔ اس طرح رخ بدل کر مخاطب کی بات کر رہے ہیں۔

مخاطب بھی کئی قسم کے ہیں بعض ایسے ہوتے ہیں جن کو انسان سمجھتا ہے شروع میں کہ بڑا شدید متعصب اور مخالف ہے اور اس سے اس وجہ سے منہ موڑ لیتا ہے حالانکہ پہلے سلیقے اور پیار سے بات کرنے کا ڈھنگ سیکھ لو ایسے لوگوں سے جب پیار اور محبت سے بات کرو گے تو جن کے دل اندر سے نرم ہے ان کی ظاہری خشونت بھی جاتی رہے گی اور وہ دل نرم پڑ جائیں گے جیسے بعض پتھروں سے خدا تعالیٰ پانی کے چشمے بہا دیتا ہے اس طرح یہ پتھر نظر آنے والے لوگ خدا کی راہ میں نرم ہو جائیں گے اور ان کے دل سے (دین حق) کے لئے شیریں چشمے جاری ہو جائیں گے۔

اس کی ایک مثال حضرت مسیح موعودؑ خود اپنے تجربہ میں دیتے ہیں بعض ظاہر میں خبیث معلوم ہوتے ہیں جن سے ناامیدی ہوتی ہے مگر وہ قبول کر لیتے ہیں اور بعض غریب طبع دکھائی دیتے ہیں اور ان پر بہت کچھ امید کی جاتی ہے مگر وہ قبول نہیں کرتے اس لئے قول موجّہ کی ضرورت ہے جس سے آخر کار فتح ہوتی ہے یعنی اس کے برعکس بھی یہ بات درست ہے کہ بعض بڑے نرم نرم ہاں میں ہاں ملانے والے ہوتے ہیں لیکن جب ان کو پیچھے پڑ کر (دعوت الی اللہ) کی جائے اور وہ سمجھ جائیں کہ ہمیں یہ لینا چاہتے ہیں تو پھر ان کے دل سخت ہونے شروع ہو جاتے ہیں حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں۔ ہر ایک کو ایسی بات کرنی نہیں آتی۔ پس چاہیے کہ جب کلام کرے تو سوچ کر اور مختصر کام کی بات کرے بہت بحثیں کرنے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا پس

چھوٹا سا چٹکلا کسی وقت چھوڑ دیا جو سیدھا کان کے اندر چلا جائے۔ اب یہ بھی ایک بڑا عظیم (دعوت الی اللہ کا) نکتہ ہے کہ بعض دفعہ انسان کو کسی آدمی کو دیکھ کر یہ اندازہ ہوتا ہے کہ میں اس قسم کی بات کروں گا تو پھر اس کا دل سوچنے پر مجبور ہو جائے گا ایک چھوٹا سے چٹکلا اس کے سامنے چھوڑ دیا جاتا ہے پھر کبھی اتفاق ہوا تو پھر سہی تھوڑی سی بات کی پھر اعراض کیا اس کے پیچھے نہ پڑے پھر جب جائیں گے تو معلوم ہوگا کہ اس چھوڑے ہوئے چٹکلے نے کچھ نہ کچھ کام کر دکھایا ہے پھر کبھی اتفاق ہوا تو پھر سہی غرض آہستہ آہستہ پیغام حق پہنچا تا رہے اور تھکے نہیں کیونکہ آج کل خدا کی محبت اور اس کے ساتھ تعلق کو لوگ دیوانگی سمجھتے ہیں اگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اس زمانہ میں ہوتے تو لوگ انہیں سودائی کہتے اور وہ انہیں کافر کہتے۔ دن رات بیہودہ باتوں اور طرح طرح کی غفلتوں اور دنیاوی فکروں سے دل سخت ہو جاتا ہے اور بات کا اثر دیر سے ہوتا ہے۔

ذاتی مثال

اب ذاتی مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک شخص علی گڑھی غالباً تحصیلدار تھا میں نے اسے کچھ نصیحت کی وہ مجھ سے ٹھٹھا کرنے لگا میں نے دل میں کہا میں بھی تمہارا پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں تم نے جو ٹھٹھا کرنا ہے کرلو میں تو اپنی بات پہنچاؤں گا آخر باتیں کرتے کرتے اس پر وہ وقت آ گیا کہ وہ یا تو مجھ پر تمسخر کر رہا تھا یا چیخیں مار مار کر رونے لگا دیکھتے دیکھتے اپنے تمسخر پر اتنی حیا آئی اتنی شرمندگی ہوئی خود اپنے نفس کو اتنی تکلیف پہنچی کہ میں کس بزرگ سے تمسخر کر رہا ہوں پس یا وہ تمسخر کر رہا تھا یا چیخیں مار مار کر رونے لگا بعض وقت سعید آدمی ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے شقی ہو ہمیں دلوں کا حال معلوم نہیں اللہ ہی جانتا ہے ہم جس کو صحیح فطرت سمجھ رہے ہوتے ہیں کھود کر دیکھیں تو شقی نکلتا ہے جس کو سخت دل سمجھ رہے ہوتے ہیں کرید کر دیکھیں تو نرم دل نکلتا ہے پس (دعوت الی اللہ) میں ان سارے امکانات کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

پھر ہر شخص کو کسی مضمون کا قائل کرنے کے لئے اس کی ایک کنجی ہوا کرتی ہے ہر کنجی سے ہر تالہ نہیں کھل سکتا مگر کنجی کی تلاش کرنی چاہیے۔ کس شخص کا دل کس بات سے کھل جائے گا اور (دعوت الی اللہ) کے لئے وہ اپنے دروازے کھول دے گا فرماتے ہیں یاد رکھو ہر قفل کے لئے کلید یعنی چابی ہے بات کے لئے بھی ایک چابی ہے وہ مناسب طرز ہے جس طرح دواؤں کی نسبت میں نے ابھی کہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے مفید اور کوئی کسی کے لئے مفید ہے ایسے ہی ہر ایک بات ایک خاص پیرایہ میں خاص شخص کے لئے مفید ہو سکتی ہے

یہ نہیں کہ سب سے یکساں بات کی جائے بیان کرنے والے کو چاہیے کہ کسی کے برا کہنے کو برا نہ منائے بلکہ اپنا کام کئے جائے اور تھکے نہیں امراء کا مزاج بہت نازک ہوتا ہے اور دنیا سے غافل بھی ہوتے ہیں بہت باتیں سن بھی نہیں سکتے انہیں کسی موقع پر کسی پیرایہ میں نہایت نرمی سے نصیحت کرنی چاہیے یعنی ان کے دل کی چابی کی تلاش رہے اور جب وہ چابی آپ کو میسر آئے تو اس وقت جو آپ بات کریں گے اس کے لئے ان کے دل کے دروازے کھل جائیں گے۔

میں نے یہی فیصلہ کیا تھا کہ اب آپ کو خطاب مختصر کروں گا اور خطبات میں بھی میں نے دراصل مسلسل یہ کوشش شروع کی ہوئی ہے کہ ضروری نہیں کہ گھنٹے کا خطبہ ہو بلکہ مختصر بات بھی کی جائے جو باتیں میں کر رہا ہوں۔ان پر مجھے خود بھی تو عمل کرنا چاہیے مختصر بات ہو مگر دل سے نکل ہوئی دل پر اثر کرنے والی اس لئے اس مضمون کے آخر میں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی تحریر میں آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔

آپ فرماتے ہیں کہ:

اے عزیزو! تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے بڑی خوش قسمتی ہے اگر کوئی سمجھے، تم نے وہ وقت پایا ہے جس کی بشارت تمام نبیوں نے دی ہے اور اس شخص کو یعنی مسیح موعود کو تم نے دیکھ لیا جس کے دیکھنے کے لئے بہت سے پیغمبروں نے بھی خواہش کی تھی بڑی خوش نصیبی ہے اس لئے اب اپنے ایمانوں کو خوب مضبوط کرو اور اپنی راہیں درست کرو اور اپنے دلوں کو پاک کرو اور اپنی مولیٰ کو راضی کرو۔

وہی بات جو پہلے بیان کی گئی ہے۔آخری مقصد ہر دینی جہاد کا یہ ہے کہ مولیٰ راضی ہو جائے۔

دوستو! تم اس مسافر خانہ میں محض چند روز کے لئے ہو آئے دن اپنے چاروں طرف ہم لوگوں کو مرتا اور کبھی بیماریوں کا شکار کبھی حادثات کا شکار۔کبھی بڑی عمر کا شکار ہوتے ہوئے دیکھتے ہیں لیکن سب نے آخر اس دنیا سے چلے جانا ہے اور اس موتا موتی کے درمیان ہر انسان اپنی بیوقوفی کی وجہ سے یا اپنی نفسانیت کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ میں باقی ہوں باقی سب مر رہے ہیں یہ ہرگز درست نہیں۔

فرمایا۔

دوستو! تم اس مسافر خانہ میں محض چند روز کے لئے ہو اپنے اصلی گھروں کو یاد کرو سب نے آخر وہاں جانا ہے تم دیکھتے ہو کہ ہر ایک سال کوئی نہ کوئی دوست تم سے رخصت ہو جاتا ہے کوئی سال ایسا نہیں آتا کہ انسان کے جاننے والے اس کے عزیز اس کے اقرباء میں سے کوئی نہ کوئی رخصت نہ ہو رہا ہو۔ایسے ہی تم بھی کسی سال اپنے دوستوں کو داغ جدائی دے جاؤ گے یہ بھی تو سوچو کہ تم بھی ان سب دوستوں کو روتا پیٹتا چھوڑ

جاؤ گے اور اپنے ہمیشہ دائمی گھر کی طرف روانہ ہو جاؤ گے سو ہوشیار ہو جاؤ اور اس پر آشوب زمانے کی زہر تم میں اثر نہ کرے اپنی اخلاقی حالتوں کو بہت صاف کرو کینہ اور بغض اور نخوت سے پاک ہو جاؤ اور اخلاقی معجزات دنیا کو دکھاؤ۔ یہ آخری بات بہت ہی اہم ہے۔

اخلاق اچھے ہوں گے تو یہ سب سے بڑا معجزہ ہے اس زمانے میں جب کہ ہر کس و ناکس کے اخلاق بگڑ چکے ہیں۔

بظاہر اخلاق پر قائم لوگ بھی دکھائی دیتے ہیں مگر کرید کر دیکھیں تو بنیادی طور پر ان اخلاق کے مالک نہیں جو ہر حال میں خدا کی خاطر ہر مشکل کے وقت بھی قائم رہتے ہیں۔ کسی نہ کسی وقت اپنی نفسانیت کی خاطر ان کے اخلاق جواب دے جاتے ہیں پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں۔ بغض اور نخوت سے پاک ہو جاؤ اور اخلاقی معجزات دنیا کو دکھاؤ یہ سب سے بڑا معجزہ ہے۔ یہ ایسا معجزہ ہے کہ جس میں خفافاً اور ثقالاً دونوں باتیں اکٹھی ہو گئیں ہیں۔ دو کلمات ایسے آنحضرتؐ نے بیان فرمائے جو زبان پر ہلکے مگر اپنے وزن میں بہت بھاری ہیں پس یہی موقع خفافاً اور ثقالاً کے اکٹھے ہونے کا ہے آپ بھی اخلاق فاضلہ سیکھیں یہ بات ہلکی بھی ہے یعنی صرف اخلاق لے کر دنیا میں سفر اختیار کریں مگر اخلاق کا وزن بہت ہے اور اخلاق کا وزن جب دلوں پر پڑتا ہے تو ان کو آپ کی بات ماننے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

سفر کرنے والوں کے لئے قیمتی نصائح

اب میں آخر پر آپ کو دعا کے لئے توجہ دلانی چاہتا ہوں آپ سب لوگ یہاں سے رخصت ہو رہے ہیں رخصت کی باتیں ہو رہی ہیں اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اگلے سال ہم کس کو دیکھ سکیں گے اور کس کو نہیں دیکھ سکیں گے۔ آپ بھی مجھے دیکھ سکیں گے یا نہیں۔ میں بھی آپ کو دیکھ سکوں گا کہ نہیں سب اللہ کی منشاء ہیں اور اسی کی تقدیر کے تابع چلتے ہیں۔ مگر جانے سے پہلے میں آپ کو یہ نصیحت کرنی چاہتا ہوں کہ ہر شخص اپنی حفاظت کے لئے پورے سامان کرے یہ تدبیر ہے جو تقدیر کے تابع ہے۔ تقدیر الٰہی کا یہی حکم ہے کہ ہر شخص اپنے دفاع اپنے آپ کو حادثات سے بچانے اور بیماریوں سے بچانے کے لئے ہر ممکن کوشش کرے۔ پس اسی لئے ہر سال آپ کو نصیحت کی جاتی ہے کہ جب جائیں تو تھکے ہوئے موٹر کار نہ چلائیں۔ ایسی حالت میں کار نہ چلائیں کہ خطرہ ہو کسی وقت اونگھ آ جائے اور آپ کسی حادثہ کا شکار ہو جائیں یا کوئی اور کسی حادثے کا

شکار ہو جائے بعض دفعہ حادثہ اس طرح بھی ہوتا ہے کہ غلطی ایک کی ہے اور خمیازہ دوسرے کو بھگتنا پڑتا ہے۔ معصوم بھی بیچارے مارے جاتے ہیں اور حادثے کے نتیجے میں تکلیفیں جو ہیں وہ بہت گہری اور لمبی چلتی ہیں بض تو عارضی بھی ہیں مگر بعضوں کو چوٹیں ایسی آجاتی ہیں کہ عمر بھر بستر پر لیٹے رہتے ہیں بعضوں کی کمر کی ہڈیاں ٹوٹ جاتی ہیں اور اچھے بھلے چلتے پھرتے آدمی صاحب فراش عمر بھر کے لئے صاحب فراش ہوکر رہ جاتے ہیں۔ پس ان حادثوں کی وجہ سے مجھے بہت تکلیف پہنچتی ہے جن کو خدا تعالیٰ کے بیان کردہ طریق کو اپنانے کے نتیجے میں ٹالا جاسکتا ہے حقیقت میں تو ہر چیز کا ایک وقت ہوتا ہی ہے لیکن اگر ٹالا جاسکتا ہو تو ضرور ٹالنا چاہیے۔ اپنی طرف سے سب کوشش کر دیکھیں پھر اگر اللہ کی تقدیر چلے تو راضی بہ رضا ہوں۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

پس یہ پہلو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنی فکر کریں احتیاط سے چلیں خیر و عافیت سے پہنچیں اور مجھے کوئی دکھ دینے والی خبر نہ بعد میں آئے کیونکہ آپ کو اس بات کا علم نہیں کہ آپ میں سے جو بھی تکلیف اٹھاتا ہے اس کی مجھے کتنی تکلیف پہنچتی ہے۔

یہی خلافت کا حقیقی مضمون ہے ایک خلیفہ کے دل میں ساری جماعت کے دل دھڑک رہے ہوتے ہیں اور ساری جماعت کی تکلیفیں اس کے دل کو تکلیف پہنچا رہی ہوتی ہیں اور اسی طرح سب جماعت کی خوشیاں بھی اس کے دل میں اکٹھی ہو جاتی ہیں۔

پس اللہ کرے ہمیشہ آپ کی خوشیاں پہنچتی رہیں اور آپ کی تکلیف مجھے نصیب نہ ہو کیونکہ آپ کی تکلیف میری تکلیف ہے۔ اس آخری نصیحت کے بعد اب میں آپ کو اپنے ساتھ دعا میں شامل ہونے کی تحریک کرتا ہوں۔

آیئے ہاتھ اٹھالیں خدا کے حضور، اور دعا کریں۔

✵

خطبہ جمعہ فرمودہ 11 فروری 2000ء

☆ تربیت اولاد کے تقاضے اور ہماری ذمہ داریاں
☆ جو اپنے بچوں سے شروع سے ہی عزت کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کے بچے بھی بڑے ہوکر ان کی بھی عزت کرتے ہیں
☆ اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو پھر دس سال تک انہیں اس پر سختی سے کاربند کرو
☆ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایسی ماؤں پر جو بچپن سے بچوں سے محبت کا سلوک کرتی ہیں ان پر جہنم حرام کر دی جاتی ہے۔
☆ کسی شخص کا اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرنا صدقہ دینے سے زیادہ بہتر ہے
☆ ماں باپ کا اپنی بیٹیوں کی مرضی کے خلاف شادی کرنے کا کوئی حق نہیں ہے

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ تشہد وتعوذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرماتے ہیں:۔

وَمَا اَمْوَالُكُمْ وَلَا اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَ هُمْ فِى الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَO (سورۃ سبا:38)

اور تمہارے اموال اور تمہاری اولادیں ایسی چیزیں نہیں جو تمہیں ہمارے نزدیک مرتبۂ قرب تک لے آئیں سوائے اس کے کہ جو ایمان لایا اور نیک اعمال بجالایا۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کو ان کے اعمال کے بدلے جو وہ کرتے تھے دوہری جزا دی جائے گی اور وہ بالاخانوں میں امن کے ساتھ رہنے والے ہوں گے۔

جو حقوق کے مضامین کا سلسلہ چل رہا ہے اس سلسلہ میں یہ بھی ایک کڑی ہے اور اس کا تعلق زیادہ تر بچوں کے حقوق سے ہے۔ کہیں اس ضمن میں ماں باپ پر جو حقوق ہیں وہ بھی آجاتے ہیں، بعض دفعہ بچوں پر جو حقوق ہیں ان کا بھی ذکر آجاتا ہے مگر ان کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ مگر اصل زور جو ہے وہ اس بات پر ہے کہ اپنے بچوں کے حقوق ادا کریں۔

اس سلسلہ میں پہلی حدیث ابن ماجہ سے لی گئی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اپنے بچوں سے عزت کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔

(ابن ماجہ۔ ابواب الادب۔ باب بر الوالد)

بچوں سے عزت کا سلوک کیا کرو

جو اپنے بچوں سے شروع سے ہی عزت کے ساتھ پیش آتے ہیں ان کے بچے بھی بڑے ہو کر ان کی بھی عزت کرتے ہیں اور باہر دوسروں کی بھی عزت کرتے ہیں اور یہ سلسلہ آگے نسلاً بعد نسلٍ چلتا رہتا ہے۔

اس لئے بچوں کو معمولی اور حقیر سمجھ کر بے وجہ جھڑکنا نہیں چاہیے اور جہاں تک ممکن ہو ان سے عزت کا سلوک کیا کرو۔

دوسری روایت ترمذی ابواب البر والصلہ سے لی گئی ہے حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد اور پھر اپنے دادا کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین اعلیٰ تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہے۔

(ترمذی۔ ابواب البر والصلہ۔ باب فی ادب الولد)

الادب المفرد للبخاری سے حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ ''ابرار کو اللہ تعالیٰ نے ابرار اس لئے کہا ہے'' یعنی یہ الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہیں ''ابرار کو اللہ تعالیٰ نے ابرار اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا''۔ اب اس میں بچوں پر جو حق ہے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا اس کا بھی ذکر اکٹھا مل گیا ہے۔ تو ''اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ جس طرح تم پر تمہارے والد کا حق ہے اسی طرح تم پر تمہارے بچے کا حق ہے''۔

(الادب المفرد للبخاری۔ باب بر الأب لولدہ)

یہ روایت سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ سے لی گئی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دادا رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنی اولاد کو سات سال کی عمر میں نماز کا حکم دو۔ پھر دس سال تک انہیں اس پر سختی سے کاربند کرو نیز ان کے بستر الگ الگ بچھاؤ''۔

(سنن ابی داؤد۔ کتاب الصلوٰۃ۔ باب متی یؤمر الغلام بالصلوٰۃ)

بچوں کے لئے سب سے بڑا تحفہ

نماز تو انسانی زندگی کی جان ہے۔ نماز نہ ہو تو کچھ بھی رشتہ خدا سے باقی نہیں رہتا۔ یہ اسلام کا سب سے بڑا تحفہ ہے جو بچوں اور بنی نوع انسان کو پیش کیا گیا ہے، پانچ وقتہ نماز۔ تو اس کی عادت ڈالنے کے لئے بھی بچپن سے تربیت کی ضرورت پڑتی ہے۔ اچانک بچوں میں یہ عادت نہیں پڑا کرتی۔ اس کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سمجھایا ہے کہ سات سال کی عمر سے اس کو ساتھ نماز پڑھانا شروع کرو اور پیار سے ایسا کرو۔ کوئی سختی کرنے کی ضرورت نہیں، کوئی مارنے کی ضرورت نہیں، محبت اور پیار سے اس کو پڑھاؤ، اس کو عادت پڑ جاتی ہے۔ دراصل جو ماں باپ نمازیں پڑھنے والے ہوں ان کے سات سال سے چھوٹی عمر کے بچے بھی نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ ہم نے تو گھروں میں دیکھا ہے اپنے نواسوں وغیرہ کو

بالکل چھوٹی عمر کے ڈیڑھ ڈیڑھ، دو دو سال کی عمر کے ساتھ آ کے تو نیت کر لیتے ہیں اور نماز کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں اس لئے کہ ان کو اچھا لگتا ہے دیکھنے میں، خدا کے حضور اٹھنا، بیٹھنا، جھکنا ان کو پیارا لگتا ہے اور وہ ساتھ کھڑے ہو جاتے ہیں۔ مگر وہ نماز نہیں، محض ایک نقل ہے جو اچھی نقل ہے۔ لیکن جب سات سال کی عمر تک بچہ پہنچ جائے تو پھر اس کو باقاعدہ نماز کی تربیت دو۔ اس کو بتاؤ کہ وضو کرنا ہے، اس طرح کھڑے ہونا ہے، قیام وقعود سجدہ وغیرہ سب اس کو سمجھاؤ۔ اس کے بعد وہ بچہ اگر دس سال کی عمر تک، پیار و محبت سے سیکھتا رہے، پھر دس اور بارہ کے درمیان اس پر کچھ سختی بے شک کرو۔ کیونکہ وہ کھلنڈری عمر ایسی ہے کہ اس میں کچھ معمولی سزا، کچھ سخت الفاظ کہنا یہ ضروری ہوا کرتا ہے بچوں کی تربیت کے لئے۔ تو جب وہ بلوغ کو پہنچ جائے، بارہ سال کی عمر کو پہنچ جائے پھر اس پر کوئی سختی کی اجازت نہیں۔ پھر اس کا معاملہ اور اللہ کا معاملہ ہے اور جیسا چاہے وہ اس کے ساتھ سلوک فرمائے۔ تو انسانی تربیت کا دائرہ یہ سات سال سے لے کر بلکہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے پہلے سے بھی شروع ہو جاتا ہے، بارہ سال کی یعنی بلوغت کی عمر تک پھیلا ہوا ہے۔ اس کے بعد بھی تربیت تو جاری رہتی ہے مگر وہ اور رنگ ہے۔ انسان اپنی اولاد کا ذمہ دار بارہ سال کی یعنی بلوغت کی عمر تک ہے۔

ایک روایت عمر بن ابی سلمہ سے ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں بچہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی گود میں بیٹھا ہوا تھا کہ میرا ہاتھ کھانے کی پلیٹ میں ادھر ادھر چلا جاتا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: ''بیٹا اللہ کا نام لے، داہنے ہاتھ اور اپنے سامنے سے کھانا کھا''۔

(صحیح بخاری۔ کتاب الاطعمہ۔ باب السمیة علی الطعام والأکل بالیمین)

یہ کھانے کے آداب بھی بچپن سے ہی بچوں کو سکھانے ضروری ہیں۔ یہ بچے کا حق ہے ماں باپ کے اوپر کہ اس کو ایک تو یہ سکھایا جائے کہ جو سامنے ہے وہی کھائے اور ہر طرف کھانے میں ہاتھ نہ مارتا پھرے اور دوسرے ہمیشہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرے۔ یہ بسم اللہ کی عادت بھی اگر بچپن میں نہ ڈالی جائے تو پھر بعد میں پڑنی بہت مشکل ہے اس لئے بچپن ہی سے بسم اللہ کی عادت ڈالنا یہ بہت ہی ضروری ہے اور اپنے دائیں ہاتھ سے کھانا۔ کہتے ہیں میں نے اس نصیحت کو پلے باندھ لیا اور ساری عمر پھر کبھی پلیٹ میں ادھر ادھر ہاتھ نہیں دوڑائے اور جو میرے سامنے ہوتا تھا وہی کھاتا تھا اور دائیں ہاتھ سے کھاتا تھا اور بسم اللہ پڑھ کر کھاتا تھا۔ بسم اللہ پڑھنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ بسم اللہ سے کھانا حلال ہو جائے گا بلکہ محض اللہ کو یاد کرنا ہے کہ اللہ کے حکم سے ہمیں یہ سب کچھ عطا ہوا ہے، اس کی نعمتیں ہیں۔ بعض لوگوں کو بسم اللہ پڑھنے کی

ایسی عادت ہوتی ہے کہ وہ شراب پر بھی بسم اللہ پڑھ لیتے ہیں۔تو شراب ان کی بسم اللہ سے مسلمان نہیں ہو سکتی۔نہ اس بسم اللہ کا ان کو کوئی فائدہ پہنچ سکتا ہے بلکہ گستاخی ہے یہ بسم اللہ۔کئی دفعہ سیاسی لوگوں سے مجھے واسطہ پڑا ہے بچپن میں، جوانی میں اور میں نے خود دیکھا ہے ایک صاحب کو، اب اس کا نام بتانا مناسب نہیں، وہ اپنے لیڈر کو کہہ رہا تھا، وہ اس کو شراب پیش کر رہا تھا۔وہ اس کو کہہ رہا تھا سائیں بسم اللہ کرو، بسم اللہ کرو پہلے تم بسم اللہ کرو، شروع کرو پھر میں بھی شروع کرتا ہوں۔اب جو مرضی بزرگ بنتے پھریں، میں نے جو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے وہ میں صحیح بیان کر رہا ہوں۔

ایک روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہے۔وہ عرض کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حسن بن علی (اپنے نواسے) کو چوما تو پاس بیٹھے اقرع بن حابس تمیمی نے کہا کہ میرے تو دس بچے ہیں لیکن میں نے کسی کو کبھی نہیں چوما۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی طرف دیکھا اور فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

(بخاری کتاب الادب۔ باب رحمۃ الولد و تقبیلہ و معانقتہ)

بچوں کو چومنا اور بچوں کو پیار دینا یہ سنت ہے۔مگر اتنا پیار نہیں دینا چاہیے کہ وہ ان کے لئے وبال جان بن جائے اور اسی طرح جب اپنے بچوں پر پیار آتا ہے تو دوسرے بچوں پر بھی پیار آنا چاہیے۔یہ محض ناجائز خیال ہے کہ اپنے بچوں کو تو پیار کرو، دوسروں کو نہ کرو۔بچہ معصوم خود پیار چاہتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بچوں کو بھی پیار دیتے تھے اور دوسرے بچوں کو بھی پیار دیا کرتے تھے اور بچپن سے پیار دینا بھی بچوں کی تربیت کے لئے بڑا ضروری ہے۔

ایک اور روایت الادب المفرد للبخاری سے ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا۔اس کے ساتھ اس کا ایک چھوٹا بچہ بھی تھا۔وہ اسے اپنے ساتھ چمٹانے لگا۔اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اس سے رحم کا سلوک کرتے ہو؟ اس پر اس نے جواب دیا: جی حضور۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تم پر اس سے بہت زیادہ رحم کرے گا جتنا تم اس بچے پر کر رہے ہو۔وہ خدا ارحم الراحمین ہے اللہ سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ **(الادب المفرد للبخاری۔ باب رحمۃ العیال)**

ایک اور روایت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی ہے کہ میں نے فاطمہؓ سے بڑھ کر شکل و صورت، چال ڈھال اور گفتگو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشابہ کسی اور کو نہیں دیکھا۔فاطمہ (رضی اللہ

تعالیٰ عنہا) جب کبھی حضورؐ سے ملنے آتیں تو حضورؐ ان کے لئے کھڑے ہو جاتے، ان کا ہاتھ پکڑ کر چومتے، اپنے بیٹھنے کی جگہ پر ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور ملنے کے لئے حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے یہاں تشریف لے جاتے تو وہ کھڑی ہو جاتیں۔ حضورؐ کے دستِ مبارک کو بوسہ دیتیں اور اپنے بیٹھنے کی جگہ پر حضورؐ کو بٹھاتیں۔ (سنن ابی داؤد۔ کتاب الادب۔ باب فی القیام)

بخاری کتاب الزکوٰۃ سے یہ روایت لی گئی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بیان کرتی ہیں کہ ایک غریب عورت میرے پاس آئی جس نے اپنی دو بچیاں اٹھا رکھی تھیں۔ میں نے ان کو تین کھجوریں دیں۔ اس نے دونوں بیٹیوں کو ایک ایک کھجور دے دی اور ایک کھجور کھانے کے لئے اپنے منہ میں ڈالنے لگی لیکن یہ کھجور بھی اس کی بیٹیوں نے مانگ لی۔ اس پر اس نے اس کھجور کے، جسے وہ کھانا چاہتی تھی، دو حصے کئے اور دونوں کو ایک ایک حصہ دے دیا۔ مجھے اس کی یہ ادا بہت پسند آئی اور میں نے اس کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے جنت واجب کر دی۔ یا یہ فرمایا کہ اس (شفقت) کی وجہ سے اسے آگ سے آزاد کر دیا۔

(بخاری کتاب الزکوٰۃ۔ باب اتقوا النار ولو بشق تمرۃ)

تو بچوں سے پیار کرنا یہ محض اپنے قلبی جذبات کا اظہار ہی نہیں بلکہ اللہ کو بچے اتنے پیارے ہیں کہ ان سے پیار بھی اللہ کو پیارا لگتا ہے۔ اب ماں نے اپنے طبعی جذبے سے ان بچیوں کے لئے قربانی دی لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ ادا پسند آئی اور جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایسی ماؤں پر جو بچپن سے بچوں سے محبت کا سلوک کرتی ہیں ان پر جہنم حرام کر دی جاتی ہے۔

ایک دوسری روایت کا ترجمہ یہ ہے۔ ابو رافع بن عمرو الغفاری کے چچا سے مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں ابھی بچہ ہی تھا تو انصار کی کھجوروں پر پتھر مار مار کر پھل گرایا کرتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ادھر سے گزر ہوا تو آپؐ سے عرض کیا گیا کہ یہاں ایک لڑکا ہے جو ہماری کھجوروں کو پتھر مارتا ہے اور پھل گراتا ہے۔ چنانچہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لایا گیا تو آپ نے پوچھا ''اے لڑکے تو کیوں کھجوروں کو پتھر مارتا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ ''تا کہ میں کھجوریں کھا سکوں'' فرمایا ''آئندہ کھجور کے درخت کو پتھر نہ مارنا۔ ہاں جو پھل گر جائے اسے کھا لیا کر۔'' پھر آپؐ نے میرے سر پر پیار سے ہاتھ پھیرا اور دعا دی کہ ''اَللّٰھُمَّ اَشْبِعْ بَطْنَہٗ'' اے میرے اللہ! اس کا پیٹ بھر دے۔

(مسند احمد بن حنبل۔ جلد 5۔ صفحہ 31۔ مطبوعہ بیروت)

اس روایت میں کئی ایسی باتیں ہیں جو ہمارے لئے نصیحت ہیں۔ایک تو یہ کہ صحابہ رضوان اللہ علیہم نے اس بچے کو خود پکڑ کر مارا نہیں۔ یہ بھی ایک بہت ہی ضروری عادت ہے۔کیونکہ اگر دوسرے کے بچے کو پکڑ کر مارا جائے تو اس سے بہت خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ بہت بڑے فسادات کی جڑ یہ بیماری ہے۔کسی بچے کو شرارت کرتے دیکھا تو بجائے اس کے کہ اس کے ماں باپ تک بات پہنچائیں، اس وقت پیار سے روک دیں خود ہاتھ اٹھا لیتے ہیں اور اس کے نتیجہ میں بڑے بڑے فسادات برپا ہو جاتے ہیں۔تو صحابہ کی یہ عادت نہیں تھی۔ جانتے تھے کہ کون بچہ ہے، لیکن اس کی شکایت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بڑے پیار سے اس سے پوچھا تو اس کے اس جواب پر کہ میں کھجوریں کھا سکوں اس لئے کرتا ہوں، آپ نے فرمایا پتھر نہ مارو۔ جو خود بخود نیچے گر جائے اس کو کھا لیا کرو۔ اب بظاہر اس روایت کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعض روایات سے ایک تضاد سا دکھائی دیتا ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ پھل اگر گر بھی جائے تو مالک کی اجازت کے بغیر نہیں کھانا اور اس میں ہے کہ وہ کھا لیا کرو۔ دراصل یہ بات لوگ بھول جاتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تو سب صحابہ مالک ہی سمجھتے تھے اور آپ کا اجازت دینا ان سب کا اجازت دینا تھا۔ یہ ناممکن تھا کہ حضور کے لفظ کو سن کر وہ فدا نہ ہوں اور اپنا ہی معاملہ سمجھیں۔ پس اس بچے کو جو اجازت دی گئی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اپنے صحابہ پر کتنا اعتماد تھا۔ جانتے تھے کہ یہ مجھ سے بے انتہا محبت کرتے ہیں اور مجھے باپ سے بھی بڑھ کر سمجھتے تھے۔

ایک روایت صحیح البخاری، کتاب المناقب، باب علامات النبوۃ فی الاسلام سے لی گئی ہے۔حضرت اسامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دفعہ ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر جھانکا اور فرمایا: کیا تم وہ دیکھ رہے ہو جو میں دیکھ رہا ہوں؟ میں تو دیکھ رہا ہوں کہ فتنے تمہارے گھروں میں بارش کی طرح گر رہے ہیں۔

ایک انسان اونچی جگہ کھڑا ہو تو وہ زیادہ دور تک دیکھ سکتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ٹیلے پر چڑھنا یہ اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم آنے والی نسلوں کو بھی دیکھ رہے تھے۔یعنی آپؐ کی نگاہ دور دور تک پھیلی ہوئی تھی اور یہ بنیادی حکمت کی بات ہے۔ یہ نظر انداز نہیں کرنی چاہیے۔ ورنہ اس حدیث کی سمجھ نہیں آئے گی اور یوں لگے گا جیسے صحابہ پر فتنے نازل ہو رہے تھے اور ان کے گھروں میں بارش کی طرح گر رہے تھے۔ ہرگز نہیں۔ مراد یہ ہے کہ آئندہ ایسی نسلیں آنے والی ہیں جن کو اپنے بچوں کی صحیح تربیت کی توفیق نہیں ملے گی۔ان پر بارش کی طرح فتنے نازل ہوں گے اور یہ حدیث آج کل اطلاق پا رہی

ہے۔آج کل بچوں کی تربیت میں وہ کوتاہیاں کی جارہی ہیں جن کے نتیجہ میں پھران کے لئے فتنے پیدا ہوتے ہیں۔

اولاد کی تربیت سے لامتناہی سلسلہ صدقات کا شروع ہو جاتا ہے

حضرت جابر بن سمرہ کی ترمذی کتاب البر والصلۃ میں یہ روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کسی شخص کا اپنی اولاد کی اچھی تربیت کرنا صدقہ دینے سے زیادہ بہتر ہے۔

صدقہ دینا تو بہت اچھا ہے مگر اولاد کی تربیت سے لامتناہی سلسلہ صدقات کا شروع ہو جاتا ہے۔اچھی تربیت والی اولاد جو آئندہ کے لئے نیکی کا موجب بنتی ہے وہ صدقہ دیتی ہے اور اس کی اولاد آگے اولاد اور یہ محبت کا سلسلہ نسلاً بعد نسلٍ چلتا ہے۔پس یہ معنی ہیں کہ ایک صدقہ تم دے دو وہ تو وہیں رک جائے گا مگر اولاد کی تربیت اچھی کرو گے تو اولاد تمہارے لئے ایک صدقہ جاریہ ثابت ہو گی۔

ایک حدیث سنن ابی داؤد سے لی گئی ہے۔حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کی ایک بیٹی ہو پھر وہ اسے زندہ درگور نہ کرے، نہ ہی اس کی تذلیل کرے اور اپنے (دیگر) بچوں کو یعنی لڑکوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو اللہ اسے جنت میں داخل کرے گا۔
(سنن ابی داؤد۔کتاب الادب)

زندہ درگور کا تو اب وقت نہیں رہا مگر زندہ درگور روحانی معنوں میں لوگ کر دیا کرتے ہیں۔اپنی بچیوں کی بدتربیت کے ذریعہ یا ان کی تربیت سے غافل رہنے کی وجہ سے عملاً ان کو زندہ درگور ہی کر دیتے ہیں۔

پس یہ حدیث بھی پرانے زمانہ پر صرف اطلاق نہیں پاتی اس زمانہ پر بھی اطلاق پا رہی ہے۔''وہ نہ ہی اس کی تذلیل کرے''۔بہت سی بچیاں شکایت کرتی ہیں کہ ہمارے ماں باپ بڑی ذلت سے ہم سے سلوک کرتے ہیں، حقیر جانتے ہیں اور وہ اس کی وجہ سے نفسیاتی مریضہ بن جاتی ہیں اور عمر بھر ان کو یہ روگ لگ جاتا ہے۔تو ماں باپ کو اپنے بچوں سے بھی بہت پیار کا سلوک کرنا چاہیے۔بعض دفعہ اگر کسی کے بیٹیاں ہی ہوں اور بیٹا نہ ہو تو جو بدخلق والا ہے وہ بیوی کو بھی طعنے دیتا رہتا ہے اور بچی کو بھی۔تو یہ بہت ہی گندی رسمیں ہیں جو بدبختی سے ہمارے ملک میں بہت پائی جاتی ہیں۔یہ شکر ہے کم سے کم یورپ اور انگلستان میں اللہ تعالیٰ کے فضل کے ساتھ یہ گندگی نہیں۔تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس نصیحت پر خوب غور کریں کہ نہ ہی اس کی تذلیل کرے اور اگر لڑکے ہوں تو لڑکیوں کو اس پر ترجیح نہ دے تو ایسے شخص کو اللہ تعالیٰ جنت عطا فرمادے گا۔

ایک حدیث مسلم کتاب البر والصلۃ میں انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس نے دولڑکیوں کی پرورش کی یہاں تک کہ وہ بلوغت کو پہنچ جائیں تو قیامت کے روز میں اور وہ اکٹھے آئیں گے۔(اس پر) حضورؐ نے اپنی انگلیوں کو باہم بھینچ کر دکھایا کہ اس طرح اکٹھے ہوں گے۔

اب یہاں دو ہوں یا چار ہوں، یہ بحث نہیں مگر دو کی تربیت میں ایک کی تربیت کے علاوہ کیا بات ہے۔ جب دو کا ذکر فرمایا گیا یا دو سے زیادہ ہوں تو مطلب یہ ہے کہ دو بچیاں ایک دوسرے سے نمونہ پکڑتی ہیں اور اگر بڑی بچی کی اچھی تربیت ہو تو دوسری کی بھی ساتھ ہی صحیح تربیت ہو جاتی ہے اور دونوں کی تربیت پر ماں باپ کو متوجہ ہونا چاہیے۔ اگر وہ ایسا کریں گے تو چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بچیوں کی تربیت بہت پیار سے کرتے تھے اور بہت اچھی تربیت کرتے تھے تو گویا آپ کا اسوہ انہوں نے اپنا لیا۔ اس پہلو سے فرمایا ہے کہ جنت میں میں اور وہ اس طرح دو جڑی ہوئی انگلیوں کی طرح ہوں گے۔

ابن ماجہ ابواب الادب سے یہ روایت سراقہ بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لی گئی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں بہترین صدقہ کے بارہ میں نہ بتاؤں؟ تمہاری مطلقہ یا بیوہ بیٹی جس کا تمہارے سوا اور کوئی کمانے والا نہ ہو اس کی ضروریات کا خیال رکھنا بہترین صدقہ ہے۔

(ابن ماجہ۔ ابواب الادب۔ باب بر الوالد والاحسان الی البنات)

اب یہ بہت ہی اعلیٰ درجہ کی نصیحت ہے۔ کئی لوگ اپنی مطلقہ یا بیوہ بیٹیوں کا خیال نہیں کرتے مگر حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ سب سے زیادہ تمہارے صدقہ یعنی تمہاری طرف سے حسن و احسان کی محتاج ہیں اور حقدار ہیں۔ ان کی ضروریات کا خیال رکھنا بہترین صدقہ ہے۔ ایک طرف تو یہ نصیحت ہے ماں باپ کو کہ وہ اپنی مطلقہ اور بیوہ بیٹیوں کا بھی خیال رکھیں، ان پر ہر طرح سے خرچ کریں اور دوسری طرف پاکستان سے بعض بچیاں شکایت کرتی ہیں جو بالکل برعکس معاملہ ہے۔ ایک بچی نے بڑا ہی دردناک خط لکھا ہے۔ وہ لکھتی ہیں کہ میں تو بیٹھی بوڑھی ہو رہی ہوں اور ماں باپ میری کمائی کھا رہے ہیں اور میری کمائی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور یہ دیکھیں کتنا بڑا ظلم ہے۔ بالکل برعکس معاملہ ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی بچیوں کو پالیں جو ضرورت مند ہوں، وہ الٹا ان کی کمائی پر بیٹھے براجمان ہیں اور ان کی کمائیاں کھا رہے ہیں اور یہ دیکھتے نہیں کہ ان کی زندگی خراب ہو رہی ہے۔ مستقبل خراب ہو رہا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو عقل دے۔ ایسے لوگ واقعۃً ملتے ہیں آج کل بھی۔ کسی بچی نے مجھے لکھ دیا لیکن ہر بچی مجھے لکھا تو نہیں کرتی۔ مگر

ایسے ماں باپ بہت ہیں دنیا میں۔

ایک سنن ابوداؤد میں روایت ہے۔حضرت ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک کنواری لڑکی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور بیان کیا کہ اس کے والد نے اس کی شادی کی ہے اور یہ شادی اسے ناپسند ہے۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اختیار دیا (کہ وہ چاہے تو اس نکاح کو قائم رکھے اور اگر چاہے تو اسے رد کردے)۔

(سنن ابی داؤد۔ باب فی البکر یزوجھا ابوھا ولا یشارھا)

یہ بھی ایک خرابی ہے جو آج کل بھی جاری ہے اور مجھے کل پرسوں ہی ایک بچی کا خط آیا کہ میرے ماں باپ نے زبردستی جرمنی میں میری ایک جگہ شادی کی ہوئی ہے اور غالباً اس خیال سے کہ میں غیر ملک میں چلی جاؤں گی اور بہت خوش رہوں گی۔لیکن میرا دل بالکل نہیں مان رہا۔ دعا استخارہ کرتی ہوں لیکن طبیعت میں بے حد تردد ہے۔تو وہ مجھ پر زبردستی کر رہے ہیں۔ میں نے اصلاح وارشاد کو لکھا ہے کہ فوری طور پر توجہ کریں۔کوئی حق نہیں ہے ماں باپ کا اپنی بیٹیوں کی مرضی کے خلاف شادی کرنا۔ پوری تحقیق کرنی چاہیے اور اکثر ماں باپ کو جب سمجھایا جاتا ہے تو اللہ کے فضل سے وہ سمجھ بھی جاتے ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو منگنی چھوڑ نکاح کا بھی ایک ذکر کیا ہے کہ اگر نکاح بھی ہو چکا ہو تو پھر بھی اس کو اختیار ہے چاہے۔تو رد کرے، چاہے تو قبول کرے۔

ابن ماجه ابواب الادب باب بر الوالد میں مروی ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اپنے بچوں سے عزت کے ساتھ پیش آؤ اور ان کی اچھی تربیت کرو۔ ہمارے بعض رواجوں کے مطابق بعض لوگوں میں خاص طور پر یو۔ پی میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ بچوں سے عزت سے پیش آتے ہیں۔ان کو آپ کر کے مخاطب کرتے ہیں اور یہ ایک رسم وہاں چلی ہوئی ہے مگر ہے بہت پیاری رسم۔بچوں کو اگر آپ نہیں کہہ سکتے تو کم سے کم پیار سے تو مخاطب کریں۔ ان کے دل میں یہ خیال ہو کہ میرا احترام ہے اور یہی احترام پھر آگے جا کر آپ کے لئے ان کے دلوں میں پیدا ہوگا۔

ترمذی ابواب البر والصلۃ میں مروی ہے کہ حضرت ایوب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد اور پھر اپنے دادا کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔اچھی تربیت سے بڑھ کر کوئی بہترین اعلیٰ تحفہ نہیں جو باپ اپنی اولاد کو دے سکتا ہو۔وہ ساری عمر اس کے کام آئے گا۔ مال و دولت دینا، دعا کرنا وہ

تو اس نیت کے ساتھ کہ اس کے حق میں بہتر ہو کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعاؤں میں ہے ''دے ان کو عمر و دولت''۔ مگر وہ دولت جوان کے پاؤں کی جوتی ہو وہ دولت ان پر سوار نہ ہو جائے۔ پس اس پہلو سے بچوں کے لئے دولت مانگنا بھی ٹھیک ہے مگر اس نیت کے ساتھ کہ وہ دولت بچے آگے خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے ہوں۔

ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمر بن الخطاب رضوان اللہ علیہم سے مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیان کیا کہ ابرار کو اللہ تعالیٰ نے ابرار اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے اپنے والدین اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کیا۔ جس طرح تم پر تمہارے والد کا حق ہے اسی طرح تم پر تمہارے بچے کا حق ہے۔

یہ تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری پیاری نصیحتیں تھیں جو سیدھا دل میں گڑ جاتی ہیں۔ دل سے نکلتی ہیں، دل میں اتر جاتی ہیں۔ سادہ لفظ ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کا یہ انداز ہے کہ تھوڑی سی باتوں میں بہت سی باتیں کہہ جاتے ہیں اور غوطہ لگا کر اس کے اندر چھپے ہوئے موتیوں کو تلاش کرنا پڑتا ہے۔ تو اس پہلو سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی غور کیا اور اس میں چھپے ہوئے موتیوں کو نکال کر ہمارے سامنے اس کو آسان کر کے پیش کر دیا۔

اب میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعض اقتباسات آپ کے سامنے رکھتا ہوں۔ فرماتے ہیں:۔

> ''حضرت داؤد علیہ السلام کا ایک قول ہے کہ میں بچہ تھا، جوان ہوا، اب بوڑھا ہو گیا۔ میں نے متقی کو کبھی ایسی حالت میں نہیں دیکھا کہ اسے رزق کی مار ہو اور نہ اس کی اولاد کو ٹکڑے مانگتے دیکھا۔ اللہ تعالیٰ تو کئی پشت تک رعایت رکھتا ہے''۔

یہ بات بھی ایسی ہے کہ جس کو جماعت احمدیہ میں ہر گھر میں مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بہت سے غریب ماں باپ بے حد قربانیاں کرنے والے وہ اللہ کے حضور حاضر بھی ہو چکے ہیں اور ان کی اولادیں دنیا میں بڑے بڑے اعلیٰ مراتب پر فائز ہیں۔ خدا تعالیٰ نے غریبوں کی اولادوں میں اتنی دولت دی ہے کہ ان کو سمجھ نہیں آتی کہ خرچ کیسے کریں۔ بہر حال اکثر وہی ہیں جو خدا کی راہ میں ہی خرچ کرتے ہیں۔ تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ جو بات ہے یہ حضرت داؤد کی زبور سے لی ہے جو آپ بیان کر رہے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم نے تو سات پشتوں تک پھر بھوکا مرتے نہیں دیکھا۔ تو اچھی تربیت کریں اور دولت کے لئے بے شک دعا کریں مگر اس شرط کے ساتھ جو میں نے بیان کی ہے اور یقین رکھیں کہ خدا متقیوں کی اولاد کو ضائع نہیں کرتا۔

اس کے نتیجہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''پس خود نیک بنو اور اپنی اولاد کے لئے ایک عمدہ نمونہ نیکی اور تقویٰ کا ہو جاؤ اور اس کو متقی اور دیندار بنانے کے لئے سعی اور دعا کرو۔ جس قدر کوشش تم ان کے لئے مال جمع کرنے کی کرتے ہو اسی قدر کوشش اس امر میں کرو''۔

(ملفوظات۔ جلد چہارم جدید ایڈیشن صفحہ 444)

ایک اور روایت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بیان کرتے ہیں:

''پھر ایک اور بات ہے کہ اولاد کی خواہش تو لوگ بڑی کرتے ہیں اور اولاد ہوتی بھی ہے مگر یہ کبھی نہیں دیکھا گیا کہ وہ اولاد کی تربیت اور ان کو عمدہ اور نیک چلن بنانے اور خدا تعالیٰ کے فرمانبردار بنانے کی سعی اور فکر کریں''۔

یہ جو فرمایا ہے کبھی نہیں دیکھا گیا، اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو اولاد کی بے انتہاء خواہش، جاہلانہ خواہش رکھتے ہیں، ان کا ذکر فرما رہے ہیں۔ ورنہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا عمل اور آپ کے (رفقاء) کا عمل بالکل برعکس تھا اس بات سے کہ وہ اپنی اولاد کے نیک چلن کے بارہ میں بالکل بے پرواہ ہوں۔ پس ''کبھی نہیں دیکھا گیا'' سے یہ مراد نہیں کہ ایسے نیک لوگ نہیں ہوتے جو اولاد کی اچھی تربیت نہیں کرتے۔ پھر یہ بھی فرمایا: ''نہ کبھی ان کے لئے دعا کرتے ہیں اور نہ مراتب تربیت کو مدنظر رکھتے ہیں''۔

اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنا سلوک تو یہ تھا کہ اپنی اولاد کے پیدا ہونے سے پہلے بھی ان کے لئے دعائیں کی ہیں۔ بہت پہلے سے دعائیں شروع کی ہوئی تھیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دعائیں کی تھیں تو کہاں حضرت ابراہیمؑ کا زمانہ، کہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ کتنا فاصلہ ہے سالوں کا مگر وہ دعائیں دیکھو کیسی قبول ہوئیں۔ پس اپنی اولاد کے پیدا ہونے سے پہلے ہی اس کے لئے دعا کیا کرو۔ فرمایا:۔

''میری اپنی تو یہ حالت ہے کہ میری کوئی نماز ایسی نہیں ہے جس میں مَیں اپنے دوستوں اور اولاد اور بیوی کے لئے دعا نہیں کرتا۔'' بہت سے والدین ایسے ہیں جو اپنی اولاد کو بری عادتیں سکھا دیتے ہیں۔ ابتداء میں جب وہ بدی کرنا سیکھنے لگتے ہیں تو ان کو تنبیہہ نہیں کرتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دن بدن دلیر اور بے باک ہوتے جاتے ہیں۔............'' یاد رکھو کہ اس کا ایمان درست نہیں ہوسکتا جو اقرب تعلقات کو نہیں سمجھتا۔ جب وہ اس سے قاصر ہے تو اور

نیکیوں کی امید اس سے کیا ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اولاد کی خواہش کو اس طرح پر قرآن میں بیان فرمایا ہے۔ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (الفرقان:۷۵) یعنی خدا تعالیٰ تو ہم کو ہماری بیویوں اور بچوں سے آنکھ کی ٹھنڈک عطا فرما دے اور یہ تب ہی میسر آ سکتی ہے کہ وہ فسق و فجور کی زندگی بسر نہ کرتے ہوں بلکہ عباد الرحمٰن کی زندگی بسر کرنے والے ہوں اور خدا کو ہر شے پر مقدم کرنے والے ہوں اور آگے کھول کر کہہ دیا وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا ۔ اولاد اگر نیک اور متقی ہو تو ان کا امام ہی ہوگا۔ اس سے گویا متقی ہونے کی بھی دعا ہے''۔

(ملفوظات جلد اوّل۔ جدید ایڈیشن صفحہ 562-563)

وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا سے مراد یہ ہے کہ آگے نسلاً بعد نسلٍ متقی پیدا ہوتے چلے جائیں۔ ان کا پیشوا بن جائیں، امام جو سب سے آگے ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی ان معنوں میں امام تھے کہ آپ کے بعد نسلاً بعد نسلٍ آپ کی نیکیاں جاری رہنی تھیں۔

پھر فرماتے ہیں:۔

''جب تک اولاد کی خواہش محض اس غرض کے لئے نہ ہو کہ وہ دیندار اور متقی ہو اور خدا تعالیٰ کی فرمانبردار ہو کر اس کے دین کی خادم بنے، بالکل فضول بلکہ ایک قسم کی معصیت اور گناہ ہے اور باقیات صالحات کی بجائے اس کا نام باقیات سیئات رکھنا جائز ہوگا''۔ یعنی نیک باقیات نہیں بلکہ بد باقیات۔ ''لیکن اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں صالح اور خدا ترس اور خادم دین اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو اس کا یہ کہنا بھی نرا ایک دعویٰ ہی دعویٰ ہوگا جب تک کہ وہ خود اپنی حالت میں ایک اصلاح نہ کرے۔ اگر خود فسق و فجور کی زندگی بسر کرتا ہے اور منہ سے کہتا ہے کہ میں صالح اور متقی اولاد کی خواہش کرتا ہوں تو وہ اپنے اس دعویٰ میں کذاب ہے۔ صالح اور متقی اولاد کی خواہش سے پہلے ضروری ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کرے اور اپنی زندگی کو متقیانہ زندگی بنا دے۔ تب اس کی ایسی خواہش ایک نتیجہ خیز خواہش ہوگی اور ایسی اولاد حقیقت میں اس قابل ہوگی کہ اس کو باقیات صالحات کا مصداق کہیں۔ لیکن اگر یہ خواہش صرف اس لئے ہو کہ ہمارا نام باقی رہے اور وہ ہمارے املاک و اسباب کی وارث ہو یا وہ بڑی نامور اور مشہور ہو، اس قسم کی خواہش میرے نزدیک شرک ہے''۔

(ملفوظات جلد اوّل۔ جدید ایڈیشن صفحہ 560-561)

سب سے ضروری بات اس نصیحت میں یہی ہے کہ ماں باپ جو اولاد کے لئے دعائیں بھی کرتے ہوں گے، خواہش بھی رکھتے ہوں گے کہ نیک ہوں اگر خود نیک نمونہ نہ دکھائیں، گھر میں دنگا فساد ہو، گندی زبان ہو تو بچوں کو گھر کے دباؤ میں رہنے کے نتیجے میں اگر وہ عادت نہ بھی پڑے یعنی وہ عادت ماں باپ کے سامنے ننگی نہ ہو مگر باہر جائیں گے تو چھپ کر پھر گالیاں دیں گے۔ ماں باپ یہی سمجھتے ہیں کہ ان کی تربیت اچھی ہو رہی ہے، ہم ان کو دبا کر رکھ رہے ہیں لیکن یہ نہیں سوچتے کہ بچہ ماں باپ کے اندرونے کو سمجھتا ہے۔ اگر ماں باپ بچے کے ساتھ وہ سلوک کریں جو دل سے چاہتے ہیں تو پھر خود بھی ویسا بنیں۔ جب خود ویسا بنیں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے بچوں کو پھر نیک بناتا ہے اور انہی نیکیوں کے ساتھ وہ جوان ہوتے ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:۔

''اولاد کا فتنہ بھی بہت سخت ہوتا ہے۔ اکثر لوگ مجھے گھبرا کر خط لکھتے رہتے ہیں کہ آپ دعا کریں کہ میری اولاد ہو۔ اولاد کا فتنہ ایسا سخت ہے کہ بعض نادان اولاد کے مرجانے کے سبب دہریہ ہو جاتے ہیں۔ بعض جگہ اولاد انسان کو ایسی عزیز ہوتی ہے کہ وہ اس کے واسطے خدا تعالیٰ کا شریک بن جاتی ہے۔............بعض بچے چھوٹی عمر میں مرجاتے ہیں تو وہ ماں باپ کے واسطے سلب ایمان کا موجب ہو جاتے ہیں''۔

(ملفوظات جلد پنجم۔ جدید ایڈیشن صفحہ 415-416)

پھر فرماتے ہیں:۔

''ہم نے تو اپنی اولاد وغیرہ کا پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوا ہے کہ یہ سب خدا تعالیٰ کا مال ہے اور ہمارا اس میں کچھ تعلق نہیں اور ہم بھی خدا تعالیٰ کا مال ہیں۔ جنہوں نے پہلے ہی سے فیصلہ کیا ہوتا ہے ان کو غم نہیں ہوا کرتا''۔

(ملفوظات۔ جلد نہم۔ صفحہ 409)

پھر فرماتے ہیں:۔

''دین کی جڑ اس میں ہے کہ ہر امر میں خدا تعالیٰ کو مقدم رکھو۔ دراصل ہم تو خدا کے ہیں اور خدا ہمارا ہے اور کسی سے ہم کو کیا غرض ہے۔ ایک نہیں کروڑ اولاد مر جائے پر خدا راضی رہے تو کوئی غم کی بات نہیں۔ اگر اولاد زندہ بھی رہے تو بغیر خدا کے فضل کے وہ بھی موجبِ ابتلا ہو جاتی ہے۔ بعض آدمی اولاد کی وجہ سے جیل خانوں میں جاتے ہیں۔ شیخ سعدی علیہ الرحمۃ

نے ایک شخص کا قصہ لکھا ہے کہ وہ اولاد کی شرارت کے سبب پابہ زنجیر تھا۔ اولاد کو مہمان سمجھنا چاہیے۔ اس کی خاطر داری کرنی چاہیے۔ اس کی دلجوئی کرنی چاہیے مگر خدا تعالیٰ پر کسی کو مقدم نہیں کرنا چاہیے۔ اولاد کیا بنا سکتی ہے۔ خدا تعالیٰ کی رضا ضروری ہے''۔

(ملفوظات۔ جلد 10۔ صفحہ 90)

پھر فرماتے ہیں:۔

''میرے نزدیک بچوں کو یوں مارنا شرک میں داخل ہے۔ گویا بد مزاج مارنے والا ہدایت اور ربوبیت میں اپنے تئیں حصہ دار بنانا چاہتا ہے۔ ایک جوش والا آدمی جب کسی بات پر سزا دیتا ہے تو اشتعال میں بڑھتے بڑھتے ایک دشمن کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور جرم کی حد سے سزا میں کوسوں تجاوز کر جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص خود دار اور اپنے نفس کی باگ کو قابو سے نہ دینے والا اور پورا متحمل اور بردبار اور باسکون اور باوقار ہو تو اسے البتہ حق پہنچتا ہے کہ کسی وقتِ مناسب پر کسی حد تک بچہ کو سزا دے یا چشم نمائی کرے۔ مگر مغلوب الغضب اور سبک سر اور طائش العقل ہرگز سزاوار نہیں کہ بچوں کی تربیت کا متکفل ہو۔ جس طرح اور جس قدر سزا دینے میں کوشش کی جاتی ہے کاش دعا میں لگ جائیں اور بچوں کے لئے سوزِ دل سے دعا کرنے کو ایک حزب مقرر کر لیں اس لئے کہ والدین کی دعا کو بچوں کے حق میں خاص قبول بخشا گیا ہے''۔

(ملفوظات جلد اوّل جدید ایڈیشن 308-309)

یہ آخری روایت حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی ملفوظات جلد دوم سے لی گئی ہے۔ اس کے بعد کچھ روایتیں حضرت مولوی عبدالکریم صاحب کی اور بعض حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی کی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بچوں سے سلوک کے بارہ میں ہیں، وہ اب وقت نہیں رہا، پھر آئندہ خطبہ میں بیان کر دیں گے۔ اس روایت کے بعد میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔

''ہدایت اور تربیت حقیقی خدا تعالیٰ کا فعل ہے۔ سخت پیچھا کرنا اور ایک امر پر اصرار کو حد سے گزار دینا یعنی بات بات پر بچوں کو روکنا اور ٹوکنا، یہ ظاہر کرتا ہے کہ گویا ہم ہی ہدایت کے مالک ہیں اور ہم اس کو اپنی مرضی کے مطابق ایک راہ پر لے آئیں گے۔ یہ ایک قسم کا شرک خفی ہے۔ اس سے ہماری جماعت کو پرہیز کرنا چاہیے...... ہم تو اپنے بچوں کے لئے دعا کرتے ہیں اور سرسری طور پر قواعد اور آداب تعلیم کی پابندی کراتے ہیں۔ بس اس سے زیادہ نہیں۔ اور پھر

اپنا پورا بھروسہ اللہ تعالیٰ پر رکھتے ہیں۔ جیسا کسی میں سعادت کا تخم ہوگا وقت پر سرسبز ہو جائے گا''۔ (ملفوظات جلد جلد اوّل۔ جدید ایڈیشن صفحہ 309)

یہاں ایک بات مدنظر رکھنی چاہیے کہ نرمی کے ساتھ اپنے گھر میں بچوں کی شرارتوں سے ٹوکنا ایک ایسی عادت ہے کہ اس کے نتیجے میں بچے پھر دوسروں کے گھروں میں بھی جا کر شرارتیں نہیں کرتے۔ لیکن بعض ماں باپ عجیب خصلت رکھتے ہیں۔ اپنے گھر میں اپنی چیزوں کے نقصان پر تو ان کو بہت غصہ چڑھتا ہے اور وہ بچوں سے بہت سختی کرتے ہیں۔ مگر وہی بچے جب دوسرے کے گھر جائیں تو ان کی قیمتی چیزیں بھی توڑ پھوڑ کر پھینک دیں تو ان کو روکتے نہیں۔ ایسے ماں باپ کو چاہیے ہی نہیں کہ بچوں کو لے کر دوسروں کے گھروں میں جائیں اور اگر جائیں تو ان کو پکڑ کر اپنے پاس بٹھا کر رکھیں۔ اس وقت کی جو سختی ہے اس کے خلاف حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کچھ نہیں فرما رہے۔ پس اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آخری نصیحت کے بعد میں اس خطبہ کو ختم کرتا ہوں اور جو روایات رہ گئی ہیں ان کو انشاء اللہ آئندہ خطبہ میں یا کسی اور موقع پر پیش کیا جائے گا۔

(مطبوعہ الفضل انٹرنیشنل 24 مارچ تا 30 مارچ 2000ء)

تمّت بالخیر

انڈیکس

مرتبہ: مکرم سید مبشر احمد ایاز صاحب

(نائب ناظر اشاعت)

آیات قرآنیہ

□□□

احادیث نبویہ

احادیث بالمعنیٰ

□□□

مضامین

ٹ۔ج۔چ۔ح۔خ

نبی/انبیاء

نسل

نصیحت

نظم

نظام

نعرہ

نفل

نقصان

نگران

نماز

وقف

واقفِ زندگی

ہجرت

ہدایت

ہمدردی

یاجوج ماجوج

یہود

□□□

اسماء

□□□

کتابیات

ا۔آ۔ب۔ت۔ذ۔ز۔ض

ق۔ک۔ل۔م۔ن

□□□

مقامات

ج۔چ۔ح

□□□